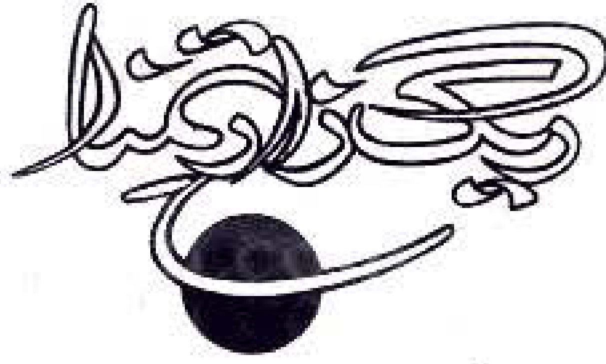
ماہا ملک



تاحدِ نگاہ تپتا ہوا صحرا پھیلا ہوا تھا۔ جا بجا بکھرے ہوئے ریت کے ٹیلے اور کانٹوں سے اٹی جھاڑیاں سورج کی تپش سے اُسے اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"دادی!" اس نے ایک مرتبہ پھر نگاہ دور دور تک دوڑائی۔ "دادی... کہاں ہیں!"

سورج کی تیز، گرم، جھلساتی ہوئی آگ اسے اپنے پپوٹوں پر محسوس ہوئی اور چند لمحوں کے لیے ہر سُو اندھیرا چھا گیا۔

"دادی... دادی... کہاں ہیں آپ!" پیاس کی شدّت سے اس کے گلے میں کانٹے اُگ رہے تھے۔

"ربیعہ!" اچانک دادی کی آواز ایک سرگوشی کی صورت میں اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ "ربیعہ پیاس لگی ہے... ربیعہ پیاس لگی ہے۔"

"دادی... دادی... کہاں ہیں آپ!" دھوپ کی شدّت نے بالآخر اسے دیکھنے کی صلاحیت سے قطعی طور پر محروم کر دیا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اندھوں کی طرح دادی کو ڈھونڈنے لگی۔

"دادی... میری دادی..."

"ربیعہ...!" سرگوشی پھر ابھری تھی۔ "ربیعہ... پیاس لگی ہے... ربیعہ... پیاس لگی ہے۔"

وہ زور زور سے رونے لگی۔ بے بسی کا احساس پوری شدت سے اس کے حواس پر طاری تھا۔ وہ صرف رو سکتی تھی۔

اچانک اس نے اپنی ہچکیوں کی آواز سنی اور پھر خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس کی آنکھ کھل گئی تھی' چند لمحے اس طرح گزرے تھے جیسے وہ قبر میں لیٹی ہوئی ہو۔ ہر سو چھایا ہوا اندھیرا' تنہائی اور وحشت سے پھٹتا دل! قبر شاید اسی کیفیت کا نام ہے۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ مؤذن کی آواز آ رہی تھی۔ فجر کی اذان ہو رہی تھی۔

"حیَّ علی الفلاح........"

ربیعہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس آواز نے اسے قبر سے نکال کر دنیا میں پہنچا دیا تھا۔ اسے اپنے چہرے پر پھیلی نمی کا احساس ہوا۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو جسم سے چپکی قمیص نے اسے احساس دلایا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو رہی ہے۔ حلق کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ زبان اکڑی ہوئی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے کچھ دیر کے لیے وہ قوتِ گویائی سے محروم ہو گئی ہو۔

بستر سے اتر کر وہ تیز قدموں سے دروازے کی جانب بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ مؤذن کی آواز واضح ہو گئی۔

"اللہ اکبر... اللہ اکبر... اشہدان لا الہ الا اللہ"

وہ صحن میں چلی آئی۔ گھڑونچی پر دھرے مٹکے سے پانی نکال کر اس نے وہیں کھڑے کھڑے گلاس خالی کر دیا اور ایک گلاس بھر کر وہیں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"گھونٹ گھونٹ پانی پیتے ہوئے وہ مسلسل اپنے خواب کے متعلق سوچ رہی تھی۔

"صبح کاذب کے وقت دیکھے گئے خواب سچے ہوتے ہیں... اور خواب کے بعد آنکھ کھلے اور فجر کی اذان سنو تو سمجھو بالکل سچا خواب ہے... دادی ہی کہا کرتی تھیں۔ "بندہ پاک صاف ہو' عشاء پڑھ کر داہنی کروٹ سویا ہو... بس یہی نشانیاں ہیں سچے خوابوں کی..."

اس کے کانوں میں دادی کی آواز گونج رہی تھی۔ نظروں کے سامنے ان کا چہرہ پھر رہا تھا۔ ابھی دس دن پہلے کی بات تھی۔ جیتی جاگتی' چلتی پھرتی دادی جان کا پیار لے کر وہ کالج گئی تھی۔ اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ آخری مرتبہ انہیں دیکھ رہی ہے۔ انہوں نے وہ دستِ شفقت آخری مرتبہ اس کے سر پر پھیرا ہے۔ اب وہ کبھی انہیں بات کرتا نہ پائے گی۔ اب وہ کبھی اس پر نور مسکراہٹ کو دوبارہ نہ دیکھے گی۔ اسے خبر ہوتی تو وہ گھر سے قدم نہ نکالتی۔ وہ دہلیز پر جم کر کھڑی ہو جاتی۔ ملک الموت سے پہلے اس کا سامنا ہوتا۔ وہ اپنی دادی کو کبھی اس کے ساتھ نہ جانے دیتی۔ کبھی نہیں۔

بے بسی کا احساس پھر پوری شدتوں سے اس پر حاوی ہوا۔ گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر چارپائی پر گر پڑا۔ اس نے رونا چاہا مگر وہ رو نہ سکی۔ پچھلے دس دن میں وہ اتنا روئی تھی کہ اب آنسو بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

چڑیوں کے چہچہانے کی آواز نے زور پکڑا اور ملگجا اندھیرا اجالوں میں بدلنے لگا تو وہ یوں چونکی جیسے نیند سے اب بیدار ہوئی ہو۔

گہری سانس بھر کر وہ وضو کے لیے صحن کے کونے میں بنے ہوئے نل کی طرف بڑھ گئی۔ ٹھنڈے پانی نے جلتی ہوئی آنکھوں کو بے حد و حساب سکون بخشا۔ وضو کے عطا کردہ سکون و اطمینان سے لبریز ہو کر وہ دادی کی چوکی پر آ بیٹھی۔ دادی جان کی جاء نماز اسی طرح بچھی ہوئی تھی۔ صاف ستھری بے شکن' اس کے کونے پر ان کی نیلی تسبیح جیسے کسی کی انگلیوں کی منتظر تھی۔ جزدان میں لپٹا قرآن پاک رحل پر رکھا ہوا تھا۔

[illegible] دادی کی عبادت کے لیے مخصوص تھا۔ دادی جان رات اور دن کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارا [illegible] چند گھنٹوں کے مخصوص اوقات میں وہ گھر کا تمام کام نمٹا لیا کرتی تھیں۔ وہ بہت محنتی اور [illegible] خاتون تھیں۔ آخری عمر میں بھی وہ گھر کا سب کام جھٹ پٹ کر لیا کرتی تھیں' انہوں نے کبھی کوئی کام [illegible] چھوڑا تھا۔ وہ ڈھائی تین بجے گھر میں داخل ہوتی تو صاف ستھرا چمکتا گھر اس کا استقبال کرتا تھا۔ [illegible] اسے یہاں سے وہاں پڑا نہ ملا تھا۔ باورچی خانے میں دھلے دھلائے چمکتے برتن اپنے اپنے خانوں [illegible] چولہے پر تازہ پکی ہوئی ہانڈی دھری ہوتی اور گرم گرم روٹیاں کپڑے میں لپٹی رکھی ہوتی تھیں۔ دادی کو اس نے ہمیشہ تازہ دم' ہشاش بشاش پایا تھا۔ مصروف گزارے ہوئے وقت کی تھکن کا شائبہ تک ان [illegible] نہ ہوتا تھا۔

[illegible] کھانا نکالتی' دونوں دادی پوتی وہیں باورچی خانے میں بیٹھ کر کھانا کھا لیتیں۔ دادی کے ساتھ وہاں بیٹھ کر [illegible] کو بہت مرغوب تھا۔ اسے اپنا گھر بہت عزیز تھا۔ کمرے کا جو گوشہ اس کے لیے مخصوص تھا' وہ اس [illegible] حالی تھی۔ اپنے آنگن میں ہار سنگھار کے درخت کے نیچے جا بیٹھنا بھی اسے دل و جان سے پسند تھا۔ لیکن [illegible] کی بات سب سے جدا تھی۔ وہاں وہ اپنی دادی کے ساتھ بیٹھ کر دنیا جہان کے قصے چھیڑا کرتی تھی۔ [illegible] سہیلیوں کی' چھوٹی چھوٹی باتیں وہ کرتی رہتی۔ دادی بڑے شوق و انہماک سے سنا کرتیں۔ کبھی کبھی [illegible] ٹوک دیتیں وہ ان کی نصیحت کو پلو سے باندھ لیا کرتی۔ کبھی اس کی کسی بے عقلی کی بات پر انہیں [illegible] بڑے شوق سے ان کا چہرہ تکے جاتی۔ وہ بس کبھی کبھار ہی ہنستی تھیں۔ زیادہ ہنسنا انہیں پسند نہ [illegible] زیادہ ہنسنے پر ربیعہ کو بھی ٹوک دیا کرتی تھیں۔

[illegible] دل مردہ کرتا ہے بٹیا!"

[illegible] ضد کرتی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا' جبڑوں میں گدگدی ہونے لگتی۔ لیکن پھر وہ اندر ہی اندر ہنستی [illegible] دادی کا کہا بے حد عزیز جو تھا۔

[illegible] اسے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں یا تو باورچی خانے میں ملتی تھی' یا پھر رات کو بستر پر۔ وہ ان [illegible] دادی ایک ہاتھ میں تسبیح کے دانے گھماتیں دوسرا بازو اس کے گرد حمائل رکھتیں۔ بستر پر [illegible] کرتی تھیں۔ لیکن ربیعہ ان کے وجود سے اٹھتی بھینی بھینی مہک سے اس قدر مانوس تھی کہ ان [illegible] نیند نہ آتی تھی۔ دادی نے کئی مرتبہ اس سے کہا تھا کہ وہ اپنا بستر الگ کیا کرے۔ وہ رات کو [illegible] تھیں لیکن ربیعہ کے خیال سے ان کو جاء نماز چھوڑ کر اس کے پاس آنا پڑتا تھا۔ پھر کبھی تو ایسا [illegible] تو دادی چپکے سے اٹھ کر جاء نماز پر جا بیٹھتی تھیں' پھر رات [illegible] تک نوافل پڑھتی رہتیں۔ [illegible] کے سوتے سوتے انہیں خود بھی نیند آ جاتی تھی۔ وہ اسی بات سے گھبرایا کرتی تھیں [illegible] کرتی تھیں۔ لیکن ربیعہ الگ لیٹ تو جاتی پر اسے نیند نہ آتی تھی۔ وہ ٹکر ٹکر دادی کا [illegible] خود ہی جاء نماز چھوڑ کر اس کے پاس آ لیٹتیں۔

[illegible] "جانے کب بڑی ہوگی۔"

[illegible] کہتی۔ "بڑے ہونے کا مطلب آپ سے الگ ہونا ہے تو میں ہمیشہ چھوٹی رہوں [illegible]

[illegible]

[illegible] ان کی ہنسی پھیکی لگتی تھی۔ جیسے دادی اندر سے دکھی ہوں۔ جیسے ربیعہ کا بہت

قریب ہونا ان کو دکھ دیتا ہو۔ شاید اس سے دور جانے کا خیال انہیں دکھ دیتا تھا۔

ربیعہ نماز پڑھ کر وہیں پر ہی لیٹ گئی۔ اس میں دادی کے وجود کا احساس بسا ہوا تھا۔ کتنے برس ربیعہ نے ان [illegible] پابندی وقت کے ساتھ اس چوکی پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ کتنی بھلی خاتون تھیں وہ نیک بخت' عبادت گزار' دوسروں کے دکھ سکھ کی ساجھی۔۔۔ قدم قدم پھونک پھونک کر رکھنے والی۔

یکایک اسے حلق میں اگنے والے کانٹے یاد آ گئے۔

"ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔ پیاس لگی ہے۔۔۔ ربیعہ پیاس لگی ہے۔"

سرگوشی کہیں آس پاس سے کانوں میں گونجی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیسا خواب تھا' یہ کیسا خواب تھا۔۔۔ کم و بیش ایسا ہی خواب اس نے چند روز قبل بھی دیکھا تھا۔ کیا تعبیر تھی اس خواب کی؟ کیا اس کی دادی کی روح بے چین تھی؟ کیا انہیں دوسرے جہان میں کوئی تکلیف تھی؟ کیا مرتے وقت ان کے دل میں کوئی خواہش پھانس کی مانند اٹکی رہ گئی تھی۔

ربیعہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی بے چینی سوا ہو گئی تھی۔

"ایسا خواب کیوں دیکھا میں نے۔۔۔ وہ تپتا ہوا صحرا' وہ دہکتے ہوئے ریت کے ٹیلے' وہ کانٹوں سے اٹی جھاڑیاں' وہ پیاس کی شدت سے گلے میں اُگے ہوئے کانٹے۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ دادی کی آواز۔۔۔ میری دادی کو کیا دکھ ہے وہاں۔۔۔ کون سی تکلیف۔۔۔ کون سا گناہ' نہیں نہیں۔۔۔ میری دادی نے بھلا کیا گناہ کیا تھا۔ میں ان کے پل پل کی ساتھی' ان کے دن رات کی رفیق' میں گواہ ہوں ان کی راست بازی کی۔ ان کی سچائی کی' ان کے ماتھے پر چمکتے ہوئے سجدوں کا داغ ان کی موت کے بعد کیسا گہرا ہو گیا تھا۔ ان کے چہرے پر کتنا نور تھا' ان کی میت سے کیسی پیاری خوشبو آ رہی تھی۔ بھلا میری دادی نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا۔۔۔ بن ماں باپ کی بچی کو پال پوس کر جوان کیا' اس طرح کہ دنیا کی برائی کا ہلکا سا سایا بھی نہ پڑنے دیا اس پر' حالات کی دھوپ کو چھو کر گزرنے نہ دیا۔ مرغی کی طرح اپنے پروں میں سمیٹ کر اسے ایک طویل عرصے تک زمانے کے سرد و گرم سے بچائے رکھا۔ صبح صادق کی نرم روشنی سے بنا ان کا چہرہ اپنے اعمال کی گواہی آپ تھا۔ بھلا دادی جان سے ایسی کون سی لغزش ہوئی تھی کہ۔۔۔ کہ۔۔۔

"ربیعہ۔۔۔ پیاس لگی ہے۔۔۔" آواز کی کھراہٹ اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

وہ قرآن پاک کھول کر بیٹھ گئی۔ قرآن پڑھ پڑھ کر وہ دادی کی روح کو ایصال ثواب کرتی رہی۔

پھر جب اطمینان کی لہریں اس کے اپنے اندر سے اٹھنے لگیں تو اس نے قرآن پاک بند کیا تھا۔

❊ ❊ ❊

دروازہ زور زور سے بج رہا تھا۔

ربیعہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی' خالی خالی نظروں سے اس نے اپنے آس پاس دیکھا۔ قرآن پاک اس کے سرہانے رکھا تھا۔ [illegible] اس کے [illegible] تھی۔ وہ نجانے کب وہیں پر لیٹے لیٹے سو گئی تھی۔

صبح کی [illegible] روشنی اب ہر سو بکھری ہوئی تھی۔

وہ [illegible] دروازے تک چلی آئی جو ایک مرتبہ پھر دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

اس نے [illegible] کر کر دروازہ کھولا۔ نفیسہ خالہ ایک ہاتھ میں ٹرے اٹھائے کھڑی تھیں۔ ان کا دوسرا ہاتھ دروازہ [illegible] خواہش میں اٹھا رہ گیا تھا۔

"السلام علیکم خالہ!"

"وعلیکم السلام' جیتی رہو۔ شاد آباد رہو بیٹی۔" وہ اندر چلی آئیں۔ "ماشاء اللہ آج گھر میں بھی رہے اور

[illegible] بھی۔ ورنہ تمہارے چہرے پر نگاہ پڑتی تو دل یوں کٹتا تھا مانو چھری کے نیچے دبا ہوا ہو۔ اور گھر [illegible] تھی کہ قدم رکھنے کو من نہ کرتا تھا۔

[illegible] نظروں نے اس ٹرے کا پیچھا کیا جو انہوں نے چارپائی پر رکھ دی تھی۔ کتنے دن بعد آج اس کے دل میں [illegible] کی خواہش از خود بیدار ہوئی تھی۔ ورنہ دادی جان کی وفات کے روز سے لے کر اب تک تو وہ سب کے [illegible] لقمے مشکل سے زہر مار کیا کرتی تھی۔

"[illegible] ساتھ چلنے پر راضی نہیں' خود میں پورا گھر چھوڑ کر یہاں رک نہیں سکتی۔ بڑی مجبوری ہے بیٹی! [illegible] رات کو یوں تن تنہا چھوڑ کر جانے پر دل راضی نہیں ہوتا میرا۔۔۔ جوان لڑکی ہو ماشاء اللہ آبگینے سے [illegible] تمہاری دادی تو تمہیں ایک پل کے لیے تنہا نہ چھوڑتی تھیں۔ کل کلاں کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں روز [illegible] تمہاری دادی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔"

نفیسہ خالہ کی بے تکان' ہلتی ہوئی زبان کو محض بولتے رہنے سے غرض تھی۔ انہیں احساس بھی نہ ہوتا تھا کہ اس [illegible] کی روانی میں ان کے لبوں سے کیا نکل رہا ہے۔

"[illegible] لائی ہیں نا خالہ!" ربیعہ ان کے الفاظ پر غور کرنے کی عادی نہ تھی۔

"ہاں ہاں' ناشتہ ہے بیٹی۔ بے تکلف شروع ہو جاؤ۔ مرنے والوں کے ساتھ کوئی مر تھوڑا ہی جاتا ہے۔ جیتی جاگتی جانوں کو تو پیٹ کی آگ بجھانی پڑتی ہے۔ بھلا بتاؤ کوئی بندہ بشر کھائے پیئے بغیر رہ سکتا ہے؟ ارے بیٹی!" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "تمہاری تو پوری زندگی پڑی ہے' ابھی تو رشتے ناتے شروع ہونے ہیں۔ برتنے [illegible] ہیں۔ بوڑھی دادی کو تو ایک دن ساتھ چھوڑنا ہی تھا۔ ان سے پوچھو جو بھری جوانی میں بیوہ ہو جاتی [illegible] ان سے پوچھو جن کے جوان لال خون میں لال ہو کر واپس آتے ہیں۔ ان سے پوچھو' دکھ کیا ہے۔ غم کا پہاڑ [illegible] ہے۔ کلیجہ کیسے پھٹتا ہے۔۔۔ ارے تم ایک بوڑھی دادی کو رو رہی ہو' یہاں جوان جہان رفیق ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ بس بیٹی! آزمائشیں ہیں اللہ کی طرف سے۔۔۔"

شروع دن سے ربیعہ کو اسی انداز کی تسلیاں دے رہی تھیں۔ وہ گرم پراٹھے اور آم کے اچار کا مزے دار ناشتہ [illegible] خالہ کی آواز ناشتے سے ٹکرا ٹکرا کر لوٹتی رہی۔

یوں بھی نفیسہ خالہ میں غور کرنے کے لیے اگر کچھ تھا تو وہ ان کی محبت کی گرمی اور بے پایاں خلوص کی چاشنی تھی۔ ان کی زبان سے نکلتے الفاظ عموماً اس قابل نہ ہوتے تھے کہ ان پر غور و خوض کیا جائے۔ ان کی طویل بیانی کی عادت اب خود کلامی کے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔

"یوں بیٹی! پیٹ بھر کھایا؟" اسے اٹھتا دیکھ کر انہوں نے قطع کلام کیا۔

"جی خالہ! اچار بہت مزیدار ہے آپ کا۔"

"جیتی رہو!" وہ خوش ہو گئیں۔

ان کے نزدیک ان کی سب سے بڑی صفت ان کے ہاتھ کا ذائقہ تھا۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے اس وصف کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔

"[illegible] میں آج اس لیے نہیں لائی کہ یہیں بنا دوں گی تمہیں۔ گھر سے یہاں تک لاتے چائے بھی ٹھنڈی [illegible] تھرماس تو میرا کب کا ٹوٹ گیا۔ نیا خریدنے کی ابھی حیثیت نہیں۔ بدر کسی کام سے لگے تو میری بھی [illegible] اب تو بوڑھی ہڈیاں گھس گئی ہیں کام کر کر کے۔۔۔"

"[illegible] میں خود بنا لوں گی خالہ! آپ ناحق تکلیف کریں گی۔" وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

"ائے ہے بیٹی۔۔۔ تکلیف کس بات کی؟لو۔۔۔ بھلا بتاؤ!" وہ جھینپ کر ہنس دیں۔
"کتنے دنوں سے آپ ماں بن کر میرا خیال رکھ رہی ہیں۔ میں چاہوں بھی تو آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ یوں بھی میں شکریہ ادا کرنا بھی نہیں چاہتی۔ ماں کے خلوص کو شکریہ کے لفظوں میں تول کر میں آپ کا مان کم کرنا نہیں چاہتی۔ آپ نے اس مشکل وقت میں مجھے بہت سہارا دیا ہے خالہ جان!"
"ائے ہے بیٹی۔۔۔ بھلا بتاؤ!" نفیسہ خالہ جی بھر کر شرمندہ ہونے لگیں۔

❄ ❄ ❄

نفیسہ خالہ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھی لایعنی باتیں سوچتی رہی' پھر اس نے بنا سوچے سمجھے کونے میں پڑی جھاڑو اٹھائی اور گھر کی صفائی شروع کر دی۔
گھر ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک گندا ہو رہا تھا۔ گرمیوں کی آمد آمد تھی۔ آج کل دھول مٹی اڑ اب بہت کم ہو گیا تھا۔ پھر بھی ہفتہ بھر سے گھر کی صفائی نہ ہوئی تھی۔
دادی جان کی زندگی میں ایسا ممکن نہ تھا۔ وہ بے حد صفائی پسند خاتون تھیں۔ دھول مٹی سے ان کی طبیعت گھبراتی تھی۔
"اور۔۔۔ اب۔۔۔ وہ منوں مٹی تلے جا سوئی ہیں۔ نجانے کیسے!" اس نے لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر سر جھٹک کر دوبارہ صفائی کی جانب متوجہ ہو گئی۔
دراصل اتنے دنوں سے محض اسی ایک بات کی تکرار نے اس کا ذہن بری طرح سے تھکا دیا تھا۔
ٹوٹ پھوٹ کا عمل پوری شدت سے جاری تھا سو اب اس کا جی چاہ کر رہا تھا کہ وہ دادی کو یاد نہ کرے۔ وہ کچھ دیر کے لیے بھول جائے کہ اس کی پیاری دادی اس سے بہت دور جا چکی ہیں۔ کبھی نہ لوٹنے کے لیے۔ وہ کچھ دیر کے لیے مصروف رہنا چاہتی تھی۔ وہ گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں لگی رہی۔ جھاڑو لگا کر اس نے صحن کے کونے میں بنی کیاری صاف کی۔ سب پتے جمع کر کے ڈسٹ بن میں ڈالے۔ پودوں کو پانی دیا۔ باورچی خانے کے سنک میں جمع شدہ چند برتن نجانے کب سے گندے پڑے تھے۔ انہیں دھو کر جگہوں پر پہنچایا۔ باورچی خانے کا فرش دھو کر پوچھے سے خشک کیا پھر وہ کمرے میں چلی آئی۔
اس کی نگاہ بستر پر پڑی۔ اس پر بچھی ملگجی چادر شکنوں سے پر تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ یہ چادر بدلنا نہ چاہتی تھی۔ اس چادر میں ابھی اس کی دادی کے جسم کی مہک باقی تھی۔ زندگی کی آخری رات انہوں نے اسی بستر پر گزاری تھی۔ اس کی شکنوں میں ان کے وجود کی گواہی تھی۔
وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر تک آئی' پھر اس پر بیٹھ کر' دھیرے سے اسے چھو کر محسوس کرنے لگی۔ وہ مہک تھی، شکنیں تھیں، مگر وہ وجود نہ تھا۔
اس کا تنفس تیز ہو تا گیا۔ ایک بار پھر دادی سے بچھڑنے کا دکھ اس کی رگ رگ میں سسکنے لگا۔
دروازے پر دستک نے اسے واپس حواسوں میں لوٹایا تھا۔ چند لمحے اسے خود پر قابو پانے میں لگے پھر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔
"کون ہے؟" چٹخنی گراتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"حاکم خان۔۔۔!" باہر سے آواز آئی تھی۔
ربیعہ نے دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم چچا جان!" اس نے انہیں اندر آنے کا رستہ دیا۔
"وعلیکم السلام..." وہ اندر چلے آئے۔ "کیسی ہو ربیعہ!"
"بس..." وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔
اندر سے ایک ہوک اٹھی تھی۔
"اتنا غم نہ کرو... نازک سی جان ہو کچھ اپنی ذات کا بھی خیال کرو۔ ابھی تو عمر پڑی ہے..." انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا دل بھرا ہوا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"چچا جان! ان کے سوا کون تھا میرا اس دنیا میں۔ میں نے تو کبھی آنکھیں کھول کر اس دنیا کے رستوں کو پہچاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ مجھے اپنی دادی کی آنکھوں سے ہی دنیا نظر آتی تھی۔ وہ آنکھیں بند ہو گئی ہیں چچا جان... میں تو اندھیروں سے بدتر ہو گئی... مجھے... مجھے کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔"
"بس... بس..." وہ اسے پچکار رہے تھے۔ "یوں رو رو کر اپنی صحت کا نقصان نہ کرو۔ تم ایسا کیوں نہیں کرتیں... ادھر تالا لگا کر ہمارے گھر چلی آؤ۔ یہاں تنہائی میں پڑی رہو گی، سوچ سوچ کر اپنی جان ہلکان کرو گی۔ رو رو کر آنکھیں خراب کر لو گی... یوں بھی جوان لڑکی ہو... ایسے تنہا رہنا صحیح نہیں ہے۔ پھر **سمیعہ**، ثوبیہ بھی تمہارا دھیان بٹائیں گی۔ سہیلیوں سے لڑکیاں یوں بھی جلد بہل جاتی ہیں۔"
"میں ٹھیک ہوں چچا جان!" وہ شرمندہ سی ہو کر بولی۔ "بس یونہی ذرا جی بھر آیا تھا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں، اصل میں... میرا یہاں سے جانے کو جی نہیں کرتا۔ یہاں تو قدم قدم پر میری دادی کی یادیں بکھری ہیں... مجھے سکون ملتا ہے۔ ورنہ **نفیسہ** خالہ نے بھی بے حد اصرار کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔"
"نہ، نہ... سوچنا بھی مت..." حاکم خان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "وہاں بدر اور سکندر جیسے بدقماش لڑکے ہیں... **نفیسہ** تو بے وقوف عورت ہے جو اس نے ایسی بات کی، تم ہمارے ہاں چلی آؤ۔ وہاں **سمیعہ** اور ثوبیہ تمہارا خیال رکھیں گی۔"
"چچا جان! میں یہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی ڈر خوف محسوس نہیں ہوتا۔ دیوار سے دیوار ملی ہے۔ ادھر **نفیسہ** خالہ کا صحن ہے، اس طرف سکینہ بوا ہیں۔ اگلا گھر آپ کا ہے، سامنے خانو بابا رہتے ہیں۔ مجھے بھلا کاہے کا خطرہ ہے۔ آدھی رات کو بھی صحن میں کھڑے ہو کر آواز لگاؤں تو **نفیسہ** خالہ فوراً دیوار پر آجاتی ہیں۔"
"بہت ضدی لڑکی ہو تم...!" وہ ہنسنے لگے۔
"نہیں چچا جان! اسے میری ضد نہ سمجھیں۔ بس میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ دادی سے اور کچھ نہ لیا۔ وضع داری ضرور لی ہے۔" وہ سر جھکا کر آہستہ سے بولی تھی۔
"ارے... ارے... بھئی! ایسی وضع داری..." وہ ہنسنے لگے۔ "پگلی کہیں کی۔ اچھا یہ بتاؤ کچھ منگوانا تو نہیں۔ میں سبزی وغیرہ لینے جا رہا تھا۔"
"آج تو نہیں، میں ذرا چیزوں کا جائزہ لے لوں۔ ہاں کل ضرور آپ کو ضروری اشیاء کی لسٹ بنا دوں گی۔"
"چلو ٹھیک ہے... اچھا میں چلوں..." انہوں نے ایک طائرانہ نگاہ گھر پر دوڑائی۔ "سمیعہ گھر کا کام نمٹا کر آجائے گی تمہارے پاس... میں اسے کہے دیتا ہوں۔"
"شکریہ چچا!" وہ انہیں چھوڑنے دروازے تک آئی۔

* * *

سمیعہ اور ثوبیہ آگئیں تو اس کی طبیعت مزید سنبھل گئی۔

وہ اس کی بچپن کی سکھیاں تھیں۔ اپنے دل کی باتیں وہ ہمیشہ ہی سے ایک دوسرے سے شیئر کرنے کی عادی [illegible] اور حقیقت یہ تھی کہ بات محض سمیعہ، ثوبیہ تک ہی محدود نہ تھی۔ پورا محلہ ہی ہمیشہ سے ایک دوسرے [illegible] کا ساتھی رہا تھا، یہاں کسی کے بھی غم کو ہر گھر اسی طرح محسوس کرتا تھا جیسے یہ اس کا اپنا غم ہو۔
سمیعہ، ثوبیہ کی ماں کی وفات پر محلے کی سب عورتوں نے مل کر انہیں اپنی محبت کے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ اس طرح کچھ عرصے بعد دونوں لڑکیاں ہی نہیں بلکہ چھ سالہ منیب بھی ماں کا غم قریباً "فراموش کر بیٹھا تھا۔ محلے کی ہر عورت ان کی ماں تھی۔ **نفیسہ** خالہ، سکینہ بوا، دادی اور رحمت آپا ان کی ایک ماں کے چلے جانے پر ان تینوں کو کئی مائیں میسر آگئی تھیں۔
ایک عرصے تک ان کے گھر چولہا نہ جلا تھا۔ صبح کا ناشتہ نفیسہ خالہ کے گھر سے آتا تو دوپہر کا کھانا سکینہ بوا کے ہاں سے اور رات کو رحمت آپا خوان اٹھائے چلی آتیں۔ یہاں تک کہ لڑکیاں سنبھل گئیں۔ ہنسنے بولنے لگیں۔ گھر کے کام کاج پورے طریقے سلیقے سے کرنے لگیں۔
اسی طرح رحمت آپا کے شوہر کا انتقال ہوا تو سب نے مل کر اس طرح ان کے دکھی دل پر چاہت و ہمدردی اور [illegible] کا مرہم رکھا کہ بہت جلد اپنے آپ کو سنبھال کر وہ اپنا اور اپنے دو بچوں کا پیٹ پالنے لگیں۔
محلے کے مرد آج تک بازار جانے سے قبل ان کا دروازہ کھٹکھٹانا نہ بھولتے تھے، مبادا وہ کسی چیز کے انتظار میں [illegible] کوئی ضرورت انہیں پریشان کرتی ہو۔
[illegible] نے ربیعہ کے دروازے پر دستک دی تھی تو پورا محلہ اس کا غم بانٹنے اس کے آنگن میں جمع تھا۔ [illegible] صبح شام اصرار و محبت سے اسے کھانا کھلا جاتی تھیں۔ سمیعہ، ثوبیہ گھر کا کام نمٹاتے ہی اس کی دل جوئی [illegible] موجود ہوتیں۔ سکینہ بوا اس کی ایک آواز پر دیوار پر آموجود ہوتیں۔
[illegible] سمیعہ، ثوبیہ کے والد) صبح شام چکر لگاتے۔ اسے حوصلہ دیتے۔ ہر کوئی اسے اپنے گھر لے جانے پر [illegible] ربیعہ نے ایسا کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔
[illegible] اس کی قوت فیصلہ ہی کام نہ کرتی تھی۔ دن، رات اس کے لیے اجالے اور اندھیرے کا نام تھا۔ گھڑی [illegible] رتیں اسے فرق نہ پڑتا تھا۔
[illegible] نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ شعور کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اسے ان رشتوں کا ان کی اہمیت کا احساس ضرور ہوا تھا۔ لیکن غیر معمولی کمی اس نے کبھی محسوس نہ کی تھی۔
[illegible] اس قدر آسانی سے سہہ جانا اس کے لیے اتنا سہل نہ ہوتا اگر دادی نے اسے صبر و شکر کا بے پناہ عادی [illegible] استغفار اور صبر و شکر کی تلقین کیا کرتی تھیں۔
[illegible] اور صبر اس کی دولت..." وہ اکثر ربیعہ سے کہا کرتی تھیں۔ "جس کے پاس صبر [illegible] کبھی تنگ نہیں پڑتا۔ اسے کوئی مصیبت ہراساں نہیں کر سکتی۔ ایسا شخص نہایت خوش

قسمت' بے پروا اور غنی ہوتا ہے۔۔۔ بے پروا اور غنی ہونا تو اللہ کی صفات ہیں جو وہ اپنے صابر اور شاکر بندوں کو بخش دیتا ہے۔ ہر مصیبت پر صبر کرو' اور ذرا سی نعمت پر شکر کرو۔ تم کبھی پریشان نہیں ہو گی۔"

بچپن سے یہ باتیں انہوں نے ربیعہ کے دامن میں ڈالی تھیں اور اب وہ اپنا دامن دیکھتی تھی تو اس میں رنگا رنگ موتی اس طرح سے چمکتے تھے کہ اسے تہی دامنی کے کسی احساس سے واسطہ نہ تھا۔

ذرا سی دیر کو وہ بھٹکتی' روتی بلکتی' کوئی شکوہ زبان کی نوک پر آ ٹھہرتا' پھر دوسرے ہی پل اس کے پلو سے بندھی کوئی نصیحت چھن چھن بجنے لگتی۔ ربیعہ دکھ بھول جاتی۔ شکوہ وہیں ٹھہر جاتا اور وہ بلند حوصلگی سے دنیا کو دیکھنے لگتی۔

"ربیعہ۔۔۔ ہمارے ساتھ چلو۔"

رات ہوئی تو سمیعہ نے ایک بار پھر وہی بات کی جو وہ پچھلے کئی دنوں سے کہتی چلی آ رہی تھی۔

ربیعہ متانت سے مسکرا دی۔

"تم نجانے کس طرح اکیلی رہ لیتی ہو' میں تو ڈر کے مارے مر ہی جاؤں۔" وہ بولی۔ "اپنے گھر میں بھی میں تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں۔"

"کیوں پریشان ہوتی ہو؟ یقین مانو مجھے بالکل ڈر نہیں لگتا۔ مجھے تو ہمہ وقت دادی کی موجودگی کا احساس رہتا ہے۔ یوں جیسے وہ اب تک میرے پاس ہوں' بس نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہوں۔"

"پھر بھی ربیعہ۔۔۔ تم اگر تحمل سے سوچو تو تمہارا یوں اکیلے رہنا ٹھیک نہیں۔" سمیعہ اپنی بات پر مصر تھی۔ "ابا کہہ رہے تھے کہ ربیعہ کی جلد سے جلد شادی ہو جانی چاہیے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔"

"چچا جان بھی بس۔۔۔" ربیعہ خفت سے ہنس دی۔

"ربیعہ باجی۔۔۔!" ثوبیہ جو بڑی دیر سے کسی سوچ میں گم تھی' بول اٹھی۔ "کیا واقعی اس دنیا میں آپ کا کوئی نہیں ہے؟ کوئی بھی نہیں؟"

ربیعہ کے دل سے یکایک بڑی گہری ہوک اٹھی۔ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اس نے چہرہ موڑ کر چھپایا اور پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

❋ ❋ ❋

عیدالفطر کی رات تھی' شب بھر ہوا خرچا تیرا
اس نے کہا چوڑی مری' اس نے کہا جھمکا میرا

"واہ وا۔۔۔ سبحان اللہ۔۔۔"

ایک شور و غل اٹھا۔ داد دینے میں لڑکے پیش پیش تھے۔ لڑکیوں کی تیوری پر بل پڑ گئے تھے۔

"ہاں جی' بہت شاپنگ کرواتے ہیں پوری رات۔۔۔" ثانیہ نے دانت پیسے۔ "مغرب کے وقت جو بائیک لے کر نکلتے ہیں تو فجر کی اذانوں پر واپسی ہوتی ہے۔"

"خاموش خاموش۔۔۔" ہاشم نے لڑکیوں کو ڈانٹ پلائی۔ "تم لڑکیوں کو مشاعرے میں بیٹھنے کی تمیز نہیں۔۔۔ ہمیں لطف اندوز ہونے دو۔۔۔ ہاں بھئی رافع! آگے چل۔"

وہ جو ہاتھ ماتھے تک لے جا' لے جا کر آداب کر رہا تھا' پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کھنکار کر گلا صاف کیا۔

"اک نے کہا بھیا ذرا رنگریز سے ہو آئیے۔"

اس نے مصرع پڑھا۔ قطعاً "لڑکیوں" کے انداز میں۔ لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"مکرر۔۔۔ مکرر۔۔۔" خوب آوازیں بلند ہوئیں۔

"اک نے کہا بھیا ذرا رنگریز سے ہو آئیے۔

[illegible] صغیر پاک و ہند کی تاریخ ادھوری ہے تو رنگریز کے بغیر لڑکیوں کی عید بقر عید نامکمل۔ کیا کمال کا [illegible]" حمزہ نے جی بھر کر داد دی۔

[illegible] میں نے بھی ان کے کان نہ کھینچے تو نائمہ علی خان نہ کہنا مجھے۔" نائمہ نے سلگ کر کہا۔

[illegible]" ہاشم محفل کا منتظم اعلیٰ تھا۔ "ہاں رافع!"

اک نے کہا بھیا ذرا رنگریز سے ہو آئیے
دوجی کہے' پنسار سے لے آئیے سودا ذرا

"[illegible] واہ وا۔۔۔ مزہ آ گیا۔"

[illegible] شامت تھی۔ سو لڑکے حلق پھاڑ پھاڑ کر داد پیش کر رہے تھے۔

"[illegible] آگے چلئے۔۔۔" ہاشم سرہلا رہا تھا۔

درزی کے پاس سے ذرا لے آئیے پیلی قمیص
اس پر لگانے کے لیے بازار سے گوٹا ہرا

[illegible] لڑکیاں بھی دبی دبی ہنسی ہنس دی تھیں۔

[illegible] غضب کی ہیں رافع!" رائمہ آپی مسکرا کر بولی تھیں۔

[illegible] بیٹھے ہیں۔" اس نے بے بسی سے سرہلایا تھا۔

[illegible]" عریشہ سلگی۔

[illegible]" حمزہ نے عریشہ کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

سب ہی وہاں موجود تھے' سب ہی سے پوچھا کیا
بازار کیسے جاؤں میں؟ دیکھو ذرا بٹوہ مرا

[illegible]" علی نے نعرہ مارا۔ "ہمیشہ کی حقیقت یوں سرعام بیان کر دی۔ واہ میرے شیر۔"

[illegible] کی باتیں یوں سرِراہ نہیں کرتے رافع!" رائمہ آپی ہنس رہی تھیں۔

[illegible]

[illegible] کا علم ہونا چاہیے۔" وہ سرہلانے لگا۔

[illegible] کو علم دوستی کا مظاہرہ کرنا ہے۔" ہاشم پوچھنے لگا۔

[illegible] برداشت ہی نہیں کرتے۔" حمزہ نے شکوہ کیا۔ "میرا تو پورا دیوان غیر مطبوعہ رکھا ہے۔"

[illegible] چھپا کر رکھیں۔" ہاشم نے اسے پچکارا۔ "اسی میں آپ کی عافیت ہے۔"

[illegible] اعمال نامہ!" علی نے ٹکڑا لگایا۔

[illegible]

[illegible] کرنے جا رہی ہے؟" رافع پوچھنے لگا۔

[illegible] بیٹھی تھی۔ "پوری لڑکی تو ہیں آپ۔۔۔ چائے بھی بنا لائیں۔"

[illegible] ہے؟ چائے بنانا کوئی ایسا فن ہے جو تم لڑکیوں کے ہی قبضۂ قدرت میں ہے؟ یہ تو ہم [illegible] ہیں کہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کہیں تو کریں۔ ذرا ذرا سی دیر کے بعد یہ جو چائے کی پکار [illegible] کی طلب کم اور یہ خیال زیادہ کارفرما ہوتا ہے کہ بے چاریاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی

رہتی ہیں۔ ان غریبوں کے کرنے کو کچھ تو ہو۔"
"صدقے جاواں۔۔۔" علی نے تکیہ کلام دُہرایا۔
"اوفوہ۔۔۔ آپ لڑکوں نے تو دنیا فتح کرلی ہے۔" وردہ بولے بنا نہ رہ سکی۔
"کیا کچھ فتح کیا ہوا ہے' آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔" حمزہ مسکرایا۔
"ارے ہماری ماؤں کے دلوں سے پوچھو۔ وہاں پر ہم لڑکوں کی بلا شرکت غیرے حکومت کے جھنڈے پوری آب و تاب سے لہرا رہے ہیں۔ لڑکیاں جل رہی ہیں' کُڑھ رہی ہیں۔" علی کو جوش آگیا تھا۔
"علی۔۔۔ علی!" فردوس بیگم کی آواز قریب آتی چلی گئی۔
حاضرین محفل یکایک خاموش ہوگئے تھے۔
"یہ علی کہاں ہے؟" وہ سخت غصے میں نمودار ہوئی تھیں۔
"ام۔۔۔ ام۔۔۔ امی جی۔۔۔" وہ ہکلایا۔ "میں بھول گیا امی جی۔"
"کرواتی ہوں تمہارے باپ سے تمہارے دماغ کا علاج۔۔۔ آنے دو آج انہیں۔" وہ سخت خفا تھیں۔
"چچا جان نے برین سرجری پاس کرلی؟" حمزہ مصنوعی حیرت سے بڑبڑایا۔
"ہاں' تم بھی آپریشن کروالو۔" ناعمہ سنجیدگی سے بولی۔ "شاید کچھ فرق پڑ جائے۔"
"چلو فوراً" اٹھو' یاسمین کو لے آؤ۔ وہ غریب دو گھنٹے سے تمہارا انتظار کررہی ہے۔ آخر کو فون کیا کہ امی' علی ابھی تک نہیں آیا۔ مجھے کیا خبر تھی حضرت یہاں بیٹھے وقت کا زیاں کررہے ہیں۔"
وہ بڑبڑاتے ہوئے مڑ گئیں۔ وہ کان کھجاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
لڑکیاں بدلہ چکانے کو جی بھر کر دانت نکال رہی تھیں۔
"علی!" ناعمہ نے آواز دی۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔
"وہ جھنڈا لیتے جانا' پیچھے سے کوئی اتار نہ لے جائے۔"
علی نے اسے خجالت سے مکا دکھایا' سب ہی ہنس دیے تھے۔

❊ ❊ ❊

"اس سال ٹماٹر بڑے مہنگے رہے بھئی۔" عذرا بیگم حساب کتاب کی ڈائری میں ضروری اندراج کررہی تھیں۔
"نافع کل مارکیٹ سے بڑا خوش خوش لوٹا کہ امی ٹماٹر بارہ روپے کلو لایا ہوں۔ اب میں حیرت سے اس کا منہ دیکھوں کہ مذاق کررہا ہے یا سچ کہتا ہے۔ پتا چلا سبزی والا سولہ روپے دے رہا تھا۔ وہ غریب مارکیٹ جا کر بارہ کے لایا۔"
"بس دلہن! قیامت سر پر کھڑی ہے۔ ایسا زمانہ ہم نے نہیں دیکھا کہ غریب آدمی تین ہزار ماہوار کماتا ہے اور دس ہزار کا خرچ کرتا ہے۔ ان حکمرانوں کو اللہ سمجھے۔ عوام کو بھیڑ بکری کی طرح ہانک رہے ہیں۔ مرد غریب کما کما کر وقت سے پہلے بڈھے ہوگئے ہیں۔ عورتیں ہیں تو دن بھر حساب کتاب کے پرچے لیے پھرتی ہیں۔ سچی خوشی قیامت سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوئی۔"
شفیقہ حیات نے دلیہ کھاتے کھاتے بہو کو [illegible] جواب دیا۔
"آج کیا پکے گا اماں!" وہ ڈائری بند کرکے مصروف سے انداز میں پوچھنے لگیں۔ "کل میں نے سبزی تو تقریباً" ہر قسم کی منگوالی ہے' البتہ گوشت کا ناغہ تھا۔ فریزر میں صرف قیمے کے پیکٹ رہ گئے ہیں۔"
"شملہ مرچ منگوائی تھی؟" انہوں نے خالی پیالہ بہو کو تھمایا۔
"جی ہاں' دو کلو شملہ مرچ بھی منگوائی ہے۔"

"[illegible] میں۔"
"السلام علیکم۔" وردہ چلی آئی ۔۔۔ "کیسی ہیں نانی امی!؟"
"[illegible] کالج بند ہوگئے تمہارے' گھر پر کیسے ہو آج؟"
"[illegible] عرصے تک میں گھر پر ہوں۔" وہ ہنس دی۔ "یونیورسٹی میں داخلے ہوں گے تو فارم جمع کرواؤں گی [illegible] تک عیش ہیں۔"
"[illegible] دماغ کھپا کر۔" عذرا خاتون ہنس دیں۔ "بیٹھو اب گھر پر' آرام کرو۔"
"[illegible] ماں!" وہ سنجیدہ ہوگئی۔ "بچپن کی بات ہے لیکن مجھے یاد ہے اب تک۔ کبھی لاڈ سے پپا کی گود میں جا [illegible] پہلی بات یہی کہتے تھے۔ وردہ! میری سب سے ذہین بیٹی ہے' اسے میں بہت پڑھاؤں گا۔"
"[illegible] ہو بھی! کوئی تمہیں نہیں روکتا۔" شفیقہ حیات نے محبت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔
"[illegible] کہاں ہے؟" وہ آنکھوں میں آئی نمی کو اندر اتارتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"[illegible] اور اسے کیا کام۔" شفیقہ حیات بولی تھیں۔ "یہ نسل تو جیسے سونے کے لیے بنائی ہے اللہ نے۔ [illegible] ختم ہوتی ان کی۔"
"ساری رات الوؤں کا ساتھ دیں گے تو دن بھر بستر ہی توڑیں گے۔" عذرا بیگم بھی خفگی سے بولیں۔
"[illegible] رات بھر کیا میٹنگیں ہوتی ہیں ان لڑکوں کی۔ باتوں میں تو اب لڑکیوں کو مات کرتے ہیں۔ کتر کتر [illegible]"
"[illegible] کام تھا بیٹی!" شفیقہ حیات کو خیال آیا۔
"[illegible] دھاگے لانے تھے اس کے ساتھ جا کر۔ چھٹیاں ذرا مصروف انداز میں گزر جائیں تو اچھا ہے۔"
"[illegible] رہی ہو نانی؟"
"[illegible] امی کے لیے چادر کاڑھ رہی ہوں۔"
"[illegible] رہو۔ سب سے نیک بچی ہے اپنی ماں کی۔ کیا کرتی ہیں میا تمہاری۔ دو دو دن ماں کو پوچھتی نہیں' کہنے کو [illegible]"
"[illegible] نانی امی! ہم لوگ دو دن سے گھر کے کونوں کھدروں میں جمع گند کچرا صاف کرنے میں لگے ہیں۔ سالانہ [illegible] ہے ناعمہ نے۔ رائمہ آپی بھی آئی ہوئی ہیں تو امی کا سارا وقت کچن میں گزر جاتا ہے۔"
"[illegible] کیسی ہے؟" وہ پوچھنے لگیں۔
"[illegible] لیں۔" خوش باش رائمہ' سبرینہ کو اٹھائے چلی آئی۔ "السلام علیکم۔"
"[illegible] السلام۔ جیتی رہو۔" شفیقہ حیات اور عذرا بیگم دونوں اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔
"[illegible] اپنے باپ پر گئی ہے۔" عذرا بیگم شوق سے سبرینہ کو دیکھنے لگیں۔ "دیکھو تو ٹھوڑی میں گڑھا بھی [illegible]"
[illegible] دی۔
[illegible] گیلے بالوں کو پونچھتا رافع چلا آیا تھا۔
"السلام علیکم۔ ناشتہ!" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
"[illegible] FM [illegible] ڈی جے تو نہیں ہو۔" رائمہ نے اسے گھورا۔ "اس قسم کا سلام تو وہیں سے ہوتا ہے' تم نے [illegible] پھیر کرلیا بس۔"
[illegible] سبرینہ کو گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔

"میں بنا دیتی ہوں مامی!" وردہ عذرا بیگم کو اٹھتا دیکھ کر بولی۔ "کیا بنانا ہے؟"
"ایک انڈہ فرائی کردو' دو سلائس سینک دو' ایک کپ چائے۔" وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔
"اور رافع! تم ناشتہ کر کے وردہ کو مارکیٹ تک لے جاؤ۔ اسے کچھ کام ہے۔"
"کوئی نیک بخت دن ایسا بھی ہوتا ہے جب کسی لڑکی کو مارکیٹ سے کام نہ ہو۔"
"بکو مت۔" ماں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ "تمہیں کون سے پہاڑ توڑنے ہیں یہاں۔"
"پہاڑ بے شک تڑوا لیں۔ یہ ہونقوں کی مانند بازار میں کھڑا ہونا بہت مشکل کام ہے۔ خاتون تو کسی دکان میں جا گھستی ہیں' ساتھ جانے والا بندہ بے چارا آس پاس گزرتی لڑکیوں سے کنی کتراتا رہتا ہے۔"
"صدقے جاواں۔" علی کی آمد عموماً یونہی ہوا کرتی تھی۔ "یہ شرافت ہمیں نہ ملی۔ ہائے ہائے۔"
"اجی آپ تو سرتاپا شرافت ہیں۔" رافع نے طنز سے اسے دیکھا۔ "مجسم پارسائی۔"
"آداب عرض کرتا ہوں۔ پہلی بار کسی نے میرا "Inner" کھوجا ہے۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔
"تمہاری امی کیا کر رہی تھیں؟" شفیقہ حیات نے اس سے پوچھا۔
"ایک عدد لسٹ تیار کر رہی تھیں۔ جوں ہی میری نگاہ پڑی' گھبرا کر بھاگا' یہاں آ کر رکا۔"
"شرم نہیں ہے ان لڑکوں کو۔" عذرا بیگم ہنسنے لگیں۔
"ناشتہ تو کروا دیں چچی! کل رات کا کھانا کھایا ہوا ہے۔"
"ہم نے کیا فجر کے وقت اٹھ کر کھا لیا تھا؟" رافع نے اسے گھورا۔ "ہم بھی رات کا ہی کھائے ہوئے ہیں۔"
"ماشاء اللہ' آپ میں صبر بہت ہے۔" اس نے کچن سے آتی وردہ کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی۔ "ابھی کچھ دیر اور صبر کریں۔"
"میں تو بیٹا جی دوپہر تک صبر کر سکتا ہوں۔" اس نے اس کی حرکت پر جی بھر کر اطمینان کا اظہار کیا۔ "تم ذرا یہ ناشتہ نمٹا کر وردہ کو مارکیٹ تک لے جانا' اسے کچھ کام ہے۔"
اس سے پہلے کہ علی عجلت میں لقمہ نگل کے کچھ کہتا' وہ منظر سے غائب ہو چکا تھا۔



"ہائے اللہ امی۔ یہ اتنا روتا کیوں ہے۔" ماہین نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "بچوں میں اللہ میاں نے آن' آف کا بٹن کیوں نہیں لگایا۔ کم از کم کسی گھڑی تو آف کر کے کسی کونے میں پٹخ دیتے۔"
"توبہ کرو۔" فردوس بیگم نے اسے گھر کا۔ "اللہ نے اولاد دی ہے' اس کا شکر ادا کرو۔ بجائے اس کے الٹی سیدھی باتیں کیے جاتی ہو۔"
"میں بھی اتنا روتی تھی' اتنا ہی تنگ کرتی تھی آپ کو؟"
"نہیں۔" وہ طنز سے بولیں۔ "تم تو پیدا ہی اتنی بڑی ہوئی تھیں' مجھے کیا کرنا پڑا۔"
"افوہ۔" وہ حسام کو بیڈ پر پٹخ کر جھلائی۔ "چپ ہی نہیں ہوتا۔"
فردوس بیگم اسے خفگی سے دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں۔ ریکٹ ہلاتا حمزہ اندر داخل ہوا تو ماہین کی جان میں جان آئی۔
"حمزہ۔۔۔ میرا بھائی۔۔۔ ذرا اس کمینے کو دو گھڑی کے لیے کہیں لے جاؤ' ورنہ میں اسے مار بیٹھوں گی۔"
"کس کمینے کو۔" اس نے حیرانی سے ادھر ادھر دیکھا۔
"اس ریں ریں' ٹیں ٹیں کو۔ ہر وقت کا باجا۔"

اس نے حسام کے سر پر چپت لگائی۔ وہ اور زیادہ رونے لگا۔
"اُفوہ۔ ہمارے بھانجے کی شان میں آپ اس سے زیادہ گستاخی نہیں کر سکتیں۔" اس نے ریکٹ بیڈ پر پھینک کر حسام کو اٹھا لیا۔ وہ فوراً ہی خاموش ہو گیا تھا۔
"یہ آپ کی شکل دیکھ کر روتا ہے ابیا!"
"کیوں؟" وہ مشتعل ہوئی۔ "میری شکل کو کیا ہوا؟"
"آپ کی شکل کو کچھ نہیں ہوا۔ اس کا مزاج اپنے باپ پر چلا گیا ہے۔"
"آئے ہائے لڑکے!" فردوس بیگم اسے گھورنے لگیں۔ "کتنا بدلحاظ ہو رہا ہے۔"
"گرمیوں میں تو میرا جی چاہتا ہے سائنس دانوں کو مشورہ دے ڈالوں۔ ہینڈی اے سی ایجاد کرنے کا۔ بس ہاتھ میں پکڑ کر گھومتے رہو۔"
عریشہ جیسے بلبلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ سیاہ اور سرخ امتزاج کا لان کا پرنٹ اس کی دمکتی ہوئی رنگت پر خوب بہار دے رہا تھا۔
"شکر کرو اے سی بیڈ روم میں جی بھر کر عیش کر لیتی ہو۔" فردوس بیگم نے اس کی بھی خبر لے ڈالی۔
"نجانے سسرال میں جا کر کیسا کمرہ ملے۔ ہینڈی اے سی ایجاد کروائیں گی سائنس دانوں سے 'ملکہ الزبتھ۔'"
"اُفوہ امی! کبھی تو دعا بھی دے دیا کریں۔" وہ جھلائی۔ "جب بولیں گی 'ہولناک سا نقشہ نگاہوں میں پھرا دیں گی۔"
"ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔" ماہین نے ماں کا ساتھ دیا۔ "تمہارے تو دماغ ہی نہیں ملتے۔ ہر جگہ تھوڑی یہ نخرے چلتے ہیں۔ لڑکیوں کو تو صبر شکر کا عادی ہونا چاہیے۔"
"ارے ابیا! کیوں بے چاری کو ڈرا رہی ہیں۔" حمزہ ہنسنے لگا۔ "صبر شکر ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں باضابطہ ایڈمیشن لے گی تو خود ہی سب کچھ سیکھ جائے گی۔ ابھی سے کیوں اتنی سخت ٹریننگ کا اسٹارٹ لے رہی۔"
"یہ کون سا اسکول ہے؟" فردوس بیگم کچھ سمجھی نہ تھیں۔
"ساس کی آس' نند کی بھڑاس' دیور کی باس اور شوہر کا ستیاناس۔ کچھ اس قسم کی کلاسز ہوتی ہیں وہاں' امی جی....."
ان تینوں کو ہی ہنسی آ گئی تھی۔
"توبہ' کتنی بکواس کرتا ہے۔" فردوس بیگم نے خود پر قابو پا کر اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔ "مجال ہے جو کبھی لکھتا' پڑھتا نظر آئے۔"
"ارے امی جی! آج کل ٹیبل پر بیٹھ کر لکھنے' پڑھنے کا زمانہ نہیں ہے۔ آج کل تو دور ہے حرکت کا۔ ہر شے میں حرکت' کھانا پینا' لکھنا' پڑھنا سب حرکت میں رہ کر ہوتا ہے۔ مجھے تو ڈر ہے کچھ عرصے بعد سونا بھی حرکت میں نہ ہو۔ آدمی سو بھی رہا ہے اور مزے سے اپنے کام بھی نمٹاتا پھر رہا ہے' کیوں ابیا!"
"ایسی فضول حرکت' تم ہی کر سکتے ہو۔" اس نے ناک چڑھائی۔ "یہ علی کہاں ہوتا ہے آج کل' نظر ہی نہیں آتا۔"
"نظر آ کر اس کو اپنی شامت بلوانی ہے کیا؟" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگا۔
"کیوں' ہم کیا کھاتے ہیں اسے۔" [illegible] "کبھی کبھار یہی کہتے ہیں کہ ذرا سسرال سے آ کر لے جاؤ ہمیں۔ اب کیا بہنوں کا اتنا بھی حق نہیں۔ وہاں پھپھو کے پورشن میں ہر وقت رانمہ اور درودہ کے کام کرتا رہتا ہے۔"
"رانمہ کا نام آپ نے کیوں گول کر گئیں۔" [illegible] "آج کل تعلقات اچھے ہیں کیا؟" حمزہ نے شوخی سے اسے

[illegible] ہے۔ کتر کتر تو زبان چلتی ہے اس کی۔ بڑے چھوٹے کا کوئی ادب لحاظ ہے [illegible] تھا۔
[illegible] کو وہ کسی طور پاسنگ مارکس نہ دیتی تھیں۔
[illegible] خیالات ہیں آپ کے؟" اس نے کن انکھیوں سے عریشہ کو دیکھا۔
[illegible] زاری سے گویا ہوئیں۔ "یہ کون سا کم ہیں کسی سے۔ ان کا "منہ پھاڑ" بھی بہت بڑا [illegible] بولیں گی۔"
[illegible] امی!" وہ تپ کر کھڑی ہو گئی۔ "مجھ سے تو آپ کو اللہ واسطے کا بیر ہے۔ دو گھڑی کو پاس آ کر بیٹھ جاؤ [illegible] ہے اور یہ حضرت ہے یہ تو پکی پلی جمالو ہیں۔ ایک سفید برقع کیوں نہیں خرید لیتے تم [illegible] بھی چل رہا ہے۔" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ "کیا نہیں چل رہا؟" وہ اتنی ہی [illegible] لگا۔
[illegible] کر کمرے سے نکل گئی۔
[illegible] منہ سا ہو گیا تھا۔ حمزہ' حسام کو لے کر کھسیانا سا ہو کر کمرے سے نکل گیا۔ ماہین حساب کا بکھرا ہوا [illegible]
[illegible] کے لیے یار کنے کا ارادہ ہے۔" فردوس بیگم نے موڈ اور موضوع بدل کر فضا خوشگوار کرنے [illegible]
[illegible] ہاشم کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تسنیم کے آفس میں تو آؤٹنگ چل رہی ہے۔ انہیں سر [illegible] ہیں۔"
[illegible] سے کہنا۔ چھوڑ آئے گا تمہیں۔"
[illegible] تسلی دی۔
[illegible] باتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔ ڈور بیل کافی دیر سے بج رہی تھی۔ تہہ لگے ہوئے دوپٹے کو [illegible] دروازے تک چلی آئی۔ آئی ہول سے جھانک کر دیکھا پھر جلدی سے چٹخنی گرا دی۔
[illegible] سے اس کی اچھی بھلی سلام دعا تھی۔
[illegible] مسکرائی۔ "خیریت سے ہیں صدیق بھائی!"
[illegible] دعائیں ہیں آپ کی۔"
[illegible] لیے اندر چلی آئی۔ خوشی اور ترنگ کی لہریں انگ انگ سے پھوٹنے لگی تھیں۔
[illegible] ہوئے اس نے لفافہ کھولا۔ اندر حسب معمول بیس ہزار کا ڈرافٹ تھا اور ساتھ ہی اس کا [illegible] مسکراہٹ بج گئی۔

[illegible] ہے اور انٹرنیٹ پر تمہارا دیدار بھی لیکن جو مزہ تمہیں خط لکھنے میں آتا ہے' وہ الگ ہی [illegible]
[illegible] طرح جب خط کی سطروں پر نظریں دوڑاتی ہوگی اور ایک شرمگیں مسکراہٹ [illegible] پیاری لگتی ہوگی۔ ہے نا۔ ذرا آئینہ دیکھو..... میں رات کو فون پر پوچھوں گا۔

بچوں کو میرا بہت بہت پیار دینا میری طرف سے انہیں بہت سے کھلونے خرید کر دینا اور باہر گھمانے لے کر جانا۔
تمہارا عاشر

وہ چند لمحے خط کا کونا ہونٹوں میں دبا کر ہنستی رہی پھر اٹھ کر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

سیاہ پھول دار پرنٹ میں شہابی رنگت دمک رہی تھی۔ آنکھوں میں چند لمحے قبل ملنے والی خوشی کے دیے جل رہے تھے۔ گیلے بالوں سے شفاف قطرے ٹپک رہے تھے۔

پھر یکایک ہی اداسی نے اسے آگھیرا۔ برہا کی آگ میں جلتے دو سال ہو گئے تھے۔ دو سال پہلے وہ اپنی کمپنی کی طرف سے جاپان گیا تھا۔ مومن جب دو سال کا تھا اور ایمان محض چند ماہ کی اور ان کی شادی کو محض ساڑھے تین سال کا عرصہ ہوا تھا۔

بس اتنا ہی وقت اس کے ساتھ گزار سکی تھی وہ اور اتنی مدت میں اس کی محبت اور چاہت کی وہ ایسی عادی ہوئی تھی کہ نشے کی وہ زنجیر اب تک اس کے لہو میں چھنکتی تھی۔

تیار ہو کر بھی آئینہ دیکھتی تو وہاں اس کی نگاہیں چمکتیں۔ فارغ ہو کر بستر پر جا لیٹتی تو آس پاس اس کے لب مسکرانے لگتے۔ کھانا پکا کر میز پر رکھتی تو اس کا نام پکارتے پکارتے رہ جاتی۔ وہ بے دلی سے بیس ہزار کے ڈرافٹ کو دیکھتی رہی۔ ابھی چند روز قبل تو اس نے بینک میں پچاس ہزار ڈالے تھے جو تمام گھریلو اخراجات پورے کر کے بچ گئے تھے۔ اس نے پھر مزید رقم بھجوا دی تھی۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے عاشر!" وہ زیر لب بولی۔ "میرے بچوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ لوٹ آؤ نا۔"

بیل کی آواز پر وہ خیالوں کی دنیا سے نکل آئی گھڑی پر نظر پڑی تو اس نے لپک کر دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم۔" ننھے مومن کو بیگ لٹکائے دیکھ کر وہ اداسی بھول کر مسکرا دی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" اس نے متانت سے جواب دے کر بیگ ماں کو تھمایا۔

"ایمان کہاں ہے مما؟" گھر میں داخل ہوتے ہی وہ پہلا سوال بہن کے متعلق کرتا تھا۔

"سو رہی ہے جانو!" اس نے جھک کر اس کا گال چوما۔ "آپ یونیفارم چینج کر لو تو میں کھانا لگاتی ہوں۔ مما کو بہت بھوک لگی ہے۔"

"کیا پکایا ہے مما؟"

"آپ کا فیورٹ آلو گوشت۔ شوربے والا۔"

"ساتھ میں چاول بوائل کیے ہیں؟"

"بالکل کیے ہیں۔" وہ شوخی سے بولی۔ "اب آپ کپڑے تبدیل کریں بادشاہ سلامت! تو پھر ہم کھانا کھائیں۔"

"مما! ایمان کو جگائیں نا میں اس کے لیے چاکلیٹ لایا ہوں۔"

"مما!" پیچھے سے آتی ہوئی آواز پر دونوں نے مڑ کر دیکھا تھا۔

گھٹنوں سے اونچی پنک کلر کی فراک پہنے وہ کھڑی منہ بسور رہی تھی۔

"لیجیے ہو گئی خواہش پوری۔" اس نے بیٹے کو ہنس کر دیکھا۔ "اٹھ گئی بہنا تمہاری۔"

"ایمان۔۔۔! آؤ تمہیں چاکلیٹ دوں۔" وہ کھل اٹھا۔

وہ لپک کر بھائی سے لپٹ گئی تھی۔

"یہاں سے ناپئے آپی!" وردہ نے بڑے انہماک سے کپڑا ناپا تھا۔

"ایسے نہیں وردہ! بارڈر ضائع ہو گا بعد میں۔" رائمہ اس کا طریقہ کار دیکھ کر پریشان ہوئی۔

"... ہو نا۔" اس نے کھٹاکھٹ قینچی چلا دی۔

"... مذاق مت کریں آپی! یہ بہت تیز ہو گئی ہے۔ میں تو اس سے کہہ رہی ہوں ایم اے میں ایڈمیشن مت ... وہاں لے لو بہت چلے گی۔" ناعمہ مزے سے لیٹی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے منہ میں خاک۔" وردہ نے خوب ہی برا منایا۔ "گریجویشن کر کے میں درزی کی دکان کھول لوں۔"

"ہاہا ... بل میں جائیں گی۔" وہ زور سے ہنسی۔ "اور اگر چلی بھی گئیں تو بھی کچھ نہیں ملنے کا۔ کلفٹن پر دکان ... اور ہے۔"

"اداس نہیں کرو ناعمہ۔ میں کام کر رہی ہوں نا۔" وردہ پریشان ہوئی۔

"ہائے اللہ۔" اچانک رائمہ کے لبوں سے نکلا تھا۔ "یہ تم کہاں سے آگئیں؟"

... وہ اور ناعمہ نے مڑ کر دیکھا اور بے ساختہ مسکرا دیں۔

بھولی سی ایمان دروازے پر کھڑی تھی۔ ریڈ فراک پر دو پونیاں باندھے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

ناعمہ نے لپک کر اسے گود میں بھر لیا۔ ناعمہ سے اس کی بنتی بھی بہت تھی۔

"چھب لمنہ (سبین یہ) کاں (کہاں) ہے؟"

"اچھا تو آپ چھب لمنہ کو دیکھنے آئی ہیں۔ ہم سے آپ کو کچھ مطلب نہیں۔" ناعمہ خفا ہوئی۔

"تمہاری مما کہاں ہیں اور مومن؟" رائمہ نے اس سے پوچھا۔

"نانی پاس۔"

"چلو چلیں۔ ایقان خالہ آئی ہیں۔" وہ تینوں فٹافٹ کام لپیٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ شفیقہ حیات کے پورشن میں ... ہی جمع تھے۔ ایقان ماں سے لگی بیٹھی تھی۔

"عاشر میاں کب لوٹ رہے ہیں؟" شفیقہ حیات پوچھ رہی تھیں۔

"پتا نہیں اماں!" وہ بے زار سی ہو گئی۔ "دو سالوں سے یہی سن رہی ہوں کہ بس آنے والا ہوں' آنے والا ہوں۔ پتا نہیں وہ ٹرین کب پہنچے گی؟"

"ٹرین نہیں خالہ جانی! ایروپلین۔" ناعمہ نے پیچھے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

"السلام علیکم۔" تینوں نے کورس میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" سب نے ہی جواب دیا۔

"بابی کہاں ہیں؟" ایقان نے بہن کی بابت دریافت کیا۔

"امی سبین یہ کو لے کر ذرا ٹہلنے نکلی ہیں۔ بس ابھی آجائیں گی۔" وردہ قریب کھڑے مومن کے بال بکھیرنے لگی۔

"السلام علیکم۔" بھاری مردانہ آواز پر سب ہی نے نگاہیں اٹھائی تھیں۔

"آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ اختر میاں۔۔۔ بڑے روز بعد آئے۔" شفیقہ حیات خوش دلی سے بولیں جبکہ ایقان سن بیٹھی رہ گئی ... اس شخص کی وجہ سے وہ یہاں کتنا کم آتی تھی لیکن نجانے کیا بات تھی جب بھی آتی، سامنا لازمی ہوتا تھا۔

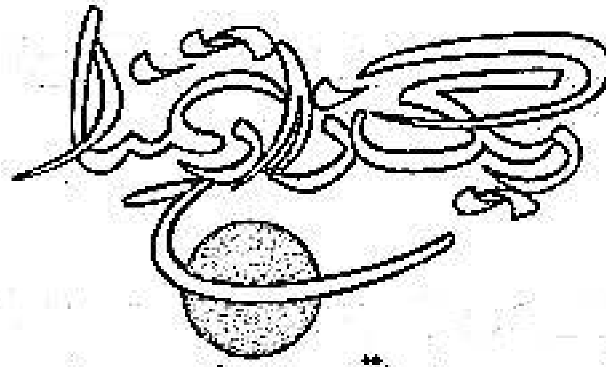
... بڑی بڑی آنکھیں اس پر بے خوفی سے جمائے ہوئے تھا۔ اس کے جسم پر چیونٹیاں سی چلنے لگیں۔

... کا کوئی رستہ بھی فی الوقت سجھائی نہ دیتا تھا۔

"ایقان بیگم! کہئے، خوش تو ہیں آپ؟" وہ اسی سے پوچھنے لگا۔

باقی آئندہ شمارے میں

ماہا ملک



اس بھری دنیا میں ربیعہ صرف ایک رشتہ جانتی تھی۔ دادی کے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ دادی کے انتقال کے بعد پڑوسی اس کا خیال رکھتے تھے۔ خصوصاً" نفیسہ خالہ اس سے بہت محبت کرتی تھیں۔ انہوں نے اسے اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن ربیعہ نے انکار کردیا۔ دادی کے انتقال کے بعد ربیعہ تواتر سے ایک خواب دیکھتی ہے کہ دادی کسی صحرا میں ہیں اور شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی طلب کرتی ہیں۔ ربیعہ کی آنکھ کھل جاتی تو وہ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتی کہ دادی سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جس کی بنا پر وہ پریشان ہیں۔

شفیقہ حیات اپنی بہو عذرا بیگم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کی بیٹی بیوہ ہو چکی ہیں۔ ان کی تین بیٹیاں ہیں۔ ایقان کے شوہر عاشر باہر نوکری کرتے ہیں۔ ایقان کو عاشر کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

۲
دوسری قسط

"جی میں ٹھیک ہوں، شکر ہے خدا۔" اس نے لہجے میں جی بھر کر سنجیدگی سموئے ہوئے جواب دیا تھا۔

"شریکِ حیات تو خوش ہوں گے آپ کے، کب لوٹ رہے ہیں خیر سے؟" وہ عین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

ایقان کوئی جواب نہ دے پائی۔ جز بز ہو کر رہ گئی۔

"کہاں تھے اختر میاں! اتنے دنوں کے بعد دکھائی دیے ہو؟" شفیقہ حیات نے بیٹی کو مضطرب پا کر سب کا دھیان بٹانے کی شعوری کوشش کی۔

"اجی ہمارا کیا ہے بی بی جان! نہ گھر نہ در۔ کبھی یہاں پڑے ہیں تو کبھی وہاں۔۔۔" وہ طنز سے ہنسا۔ "یوں بھی ہم دکھائی دیں نہ دکھائی دیں' کون سی نظریں ہیں جنہیں کچھ فرق پڑے' کس کی نگاہیں تلاشتی ہیں۔"

"ایسا کیوں سوچتے ہو بیٹا!" شفیقہ حیات نے بساط بھر وضع داری نبھائی۔ "اور کسی کو تم اپنا خیال کرو نہ کرو۔۔۔ سگی بہن تو یہاں ہے تمہاری۔ وہ تو بھائی کو یاد کرتی ہی ہوگی۔۔۔"

"فردوس آپا!" وہ پھر طنز سے ہنس دیا "ہاں! مجبور ہیں بے چاری۔۔۔ جب آجاتے ہیں انہیں ستانے تو بادل نخواستہ کمرہ صاف کروا دیتی ہیں۔۔۔ اس سے زیادہ اور ایک بہن کر بھی کیا سکتی ہے نکھٹو بھائی کے لیے۔"

"تو بیٹا۔۔۔ جب عاقل بالغ ہو' سب کچھ سمجھتے بھی ہو تو کسی روزگار سے لگو۔ اپنا کچھ ٹھکانا کرو۔۔۔ گھر بساؤ۔۔۔ خدا کے رسول کی اُمت میں سے ہو تو اس کی سنت بھی پوری کرو۔۔۔"

اس نے ایک گہری سانس بھر کر بہکی بہکی نظروں سے 'ادھر ادھر دیکھتی ایقان کو' سر سے پیر تک جی بھر کر دیکھا اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہم نے تو بہت چاہا لیکن۔۔۔" وہ ہنسا پھر منہ ہی منہ میں کچھ گنگناتے ہوئے۔ دروازے کی طرف بڑھ گیا' دروازے کے قریب پہنچ کر وہ ایک بار پھر رکا تھا۔

"اچھا بی بی جان۔۔۔! چلتا ہوں۔۔۔ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے آیا تھا۔۔۔ یہ سلام۔۔۔ کئی دن سکھ سے گزر جانے کا پیام بن گیا۔۔۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔۔۔" وہ منہ ہی منہ میں پھر سے ادھورا گیت گنگناتا' پیر گھسیٹتا آگے بڑھ گیا۔

ایقان نے نجانے کتنی دیر سے گھٹی ہوئی سانس برآمد کی تھی۔

"توبہ ہے۔۔۔ ایسے گھورتے ہیں خالہ جانی کو جیسے نظروں سے کھا ہی تو جائیں گے۔۔۔" ناعمہ نے دانت پیسے۔

"تم چپ رہو۔۔۔" رائمہ نے اسے گھُرکا "بچیاں ایسے معاملات میں نہیں بولتیں۔۔۔"

"میں بچی تو نہیں ہوں آپا۔۔۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔ "انٹر پاس کر چکی ہوں۔۔۔"

"جی نہیں۔۔۔ ابھی آپ کا رزلٹ نہیں آیا۔۔۔ کیا پتا پاس ہوتی بھی ہیں یا۔۔۔ ردی میں سے پرانے نوٹس دوبارہ اکٹھی کرتی پائی جاتی ہیں۔۔۔"

ہنستا ہوا رافع اچانک برآمد ہوا تھا۔

"اللہ رافع بھائی۔۔۔ آپ کے منہ میں جھاگ۔۔۔ وہ بھی اپریل کا۔۔۔" وہ سلگ اٹھی۔ "ساری گند بلا صاف ہو جائے ایک بار میں ہی۔۔۔"

ایقان بے ساختہ ہنس دی تھی۔

"یہی چٹکلے تو سننے کے لیے آتی ہوں میں۔۔۔ طبیعت فریش ہو جاتی ہے۔۔۔"

"فریش سن کر تو ہری ہری چیز کا خیال آتا ہے پھپو۔۔۔" علی بھی بروقت نازل ہوا۔ "گویا آپ طبیعت ہری کروانے آتی ہیں۔۔۔"

ایقان پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"لیجیے۔۔۔ مسخرہ پارٹی کے کارکنان ایک ایک کرکے جمع ہو رہے ہیں۔ اب آپ سنیے چٹکلے۔۔۔" ناعمہ نے طنزاً کہا۔

۔۔۔ لی سربراہ کو پہلا جھٹکا لگا ہے۔۔۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اب جوں جوں جھٹکے بڑھیں ۔۔۔ شدت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔"

۔۔۔ آتش فشاں زور پکڑے گا تو آس پاس کی سب پہاڑیوں کے منہ سرخ ہو جائیں گے۔۔۔" یہ حمزہ تھا جو ۔۔۔ یت میں اندر داخل ہو رہا تھا۔

۔۔۔ لی آمد کا سن کر آرہے تھے۔ وہ کسی کی ہم عمر پھپھو اور کسی کی ہم عمر خالہ تھی۔ سب ہی سے اس کی ۔۔۔

"۔۔۔ اصل آتش فشاں کون ہے اور آس پاس کی پہاڑیاں کون کون ہیں۔۔۔؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

۔۔۔ ہاپ۔۔۔ یہ تو نہ ہی پوچھیں پھپھو جانی۔۔۔ بھلا ناعمہ کی موجودگی میں کون یہ سچ بولنے کی جرأت ۔۔۔ مار ا اور اس پر ہی نہ انڈیل دے گی یہ؟"

۔۔۔ بس کرو اب۔" شفیقہ حیات نے پہلو بدلا "یہ چار کہیں جمع ہو جائیں تو پانچواں تو کچھ بول ہی نہیں ۔۔۔ یں اپنے دکھ سکھ کہنے دو۔۔۔ کتنے دنوں بعد تو میری بیٹی آئی ہے۔ چلو۔۔۔ تم سب بھاگو یہاں ۔۔۔ لڑی کہیں کے۔"

۔۔۔ ہاں۔۔۔! اس قدر عزت افزائی۔۔۔" علی نے دانت نکالے "صدقے جاواں!"

۔۔۔۔۔" ناعمہ نے زبان چڑائی۔ "چلو صدقے ہی جاؤ!"

۔۔۔ بیگم کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

۔۔۔ بولنے سے پہلے تول لیا کرو۔۔۔ واہی تباہی ہی بکتی رہتی ہو۔۔۔" ان کا لہجہ نہایت درشت تھا۔ سا س ۔۔۔ لام کے بغیر ہی وہ اس کی خیر خبر لینے میں مصروف ہو گئیں۔

۔۔۔ ی۔۔۔! یہ ترازو تو ہم سب کا ہی خراب ہے۔۔۔" علی نے ہنس کر بات بدلنے کی کوشش کی "کچھ ہی ۔۔۔ آتش فشاں کہہ رہا تھا۔۔۔ اور میں زلزلہ پارٹی کی سربراہ کا لقب دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔"

۔۔۔ کے ساتھ یہ صریح زیادتی ہے۔۔۔"

۔۔۔ ساتھ کربہ زیادتی۔۔۔" رافع نے بھی ماحول بدلنے کی کوشش کی۔

۔۔۔ ملوں کی بوچھاڑ ہوئی تو فردوس بیگم بھی ٹھنڈی پڑ کر ساس اور نند سے ملنے لگیں۔

۔۔۔ ل ہو؟ رکو گی تو سہی؟"

۔۔۔ ں۔۔۔! اس مرتبہ تو رکوں گی۔ مومن کی بھی چھٹیاں ہیں۔۔۔" وہ انہیں بتانے لگی۔

۔۔۔ اور رائمہ اٹھ کر اپنے پورشن میں چلی آئیں۔

۔۔۔ پ نے مامی کا رویہ؟" ناعمہ کے تن بدن میں گویا آگ لگی ہوئی تھی "ان کے بدتمیز لڑکے خواہ ۔۔۔ ں میں خوار کرتے رہیں۔۔۔ دوسرا کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔۔۔ اور خصوصاً مجھ سے تو ان کو اللہ ۔۔۔

۔۔۔ مہ۔۔۔! کوئی بات نہیں۔۔۔ ہماری بڑی ہیں وہ۔۔۔ اگر کچھ کہہ بھی دیا تو نظر انداز کر دو۔" وردہ نے ۔۔۔

۔۔۔ نظر انداز کر دیتی ہوں نا۔۔۔" وہ یاسیت سے بولی۔ "اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے!"

۔۔۔ لار کا ڈسیک۔۔۔ اب تم بے بات ٹسوے بہانے مت بیٹھ جانا۔۔۔" رائمہ کو الجھن ہوئی۔

"ایک تو جتنی جھگڑالو ہو اتنی ہی زود رنج بھی ہو۔"

"لیجیے! آپ نے بھی خطاب دے ڈالا!" وہ جلبلا کر رہ گئی۔ "ساری دنیا ایک میرے پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔"

"دنیا سے پوچھو اس نے ہاتھ بھی دھوئے ہیں یا نہیں!" حمزہ کی گردن نے دروازے سے جھانکا۔ "اور اگر نہیں دھوئے تو دھولے۔۔۔ اندر آ سکتا ہوں جان کی امان پا کر؟"

"کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔" وردہ ناعمہ کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکرائی تھی۔ "اپنی ذمہ داری پر آ اگر آنا ہے تو۔۔۔"

"اونہہ۔۔۔ میرے ہاتھ میں کون سا لٹھ ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔

"تمہارے ہاتھ میں ہو نہ ہو، منہ میں ضرور ہے۔" وہ خوش دلی سے ہنستے ہوئے اندر چلا آیا۔ "بڑی خوبی سے دائیں بائیں گھما لیتی ہو۔۔۔ کیوں رائمہ آپی؟"

"اب تم مجھے بھی گھسیٹ لو۔" وہ بھی ہنس دیں۔ "میں نہیں مفت کی گواہیاں دیتی۔"

"چچ چچ چچ۔۔۔" اس نے تاسف سے سر ہلایا۔ "گویا آپ پیسے لے کر گواہیاں دیتی ہیں۔ یہ تو اور بھی بری بات ہے۔"

"صدقے جاواں۔۔۔" ایک اور آمد ہوئی تھی۔ "موسم کی کچھ خبر دو۔"

اس نے اندر آ کر بطور خاص ناعمہ کے چہرے کا معائنہ کیا۔

"ہاں۔۔۔ ابر باراں کے آثار نہیں۔۔۔ کافی خشک سالی پھیلی ہے۔ آسمان سے سرخی بھی غائب ہے۔ اندر آندھی بیٹھ چکی ہے غالباً۔"

"اب تم آندھی کو پھر مت آواز دو ورنہ سر منڈواتے ہی اولے پڑنے والی مثال یاد کرتے بھاگ لو گے۔" حمزہ مزے سے بولا۔ ناعمہ کو ہنسی آ گئی۔

"کتنے بدتمیز ہو تم لوگ۔" پھر وہ مصنوعی غصے سے بولی۔ "یہ جو سارے جہان میں مجھے بدنام کرتے پھرتے ہو!"

"اللہ معافی دے۔" حمزہ نے کان پکڑے۔

"تو اور کیا۔۔۔ آندھی، طوفان، زلزلہ، آتش فشاں، بدتمیز، جھگڑالو۔۔۔ یہ سارے نام کس نے رکھے ہیں میرے؟"

"علی نے۔" حمزہ فوراً بولا۔

"حمزہ نے۔۔۔" علی نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

"تم سارے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔۔۔" اس نے جھلا کر کہا۔ "اپنی خوبیاں نظر ہی نہیں آتیں۔ جانا ہو کہ وہ کیا مثال ہے، چھاننی بولے سوئی سے تیرے پیٹ میں چھید! وہی حال تم لوگوں کا ہے۔۔۔ اپنی زبانیں کیسے قینچی کی طرح چلاتے ہو۔۔۔ اور مجھے زبان دراز کا لقب دلوایا ہوا ہے اپنے "بڑوں" سے۔" رائمہ اور وردہ مسکراتے ہوئے ان کی بحث سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

"ارے یار۔۔۔ امی جان کی باتوں کو دل پہ نہ لیا کرو۔" حمزہ بالآخر اصل موضوع پر آ گیا۔ "علی کی طرح ڈھیٹ اور ڈانٹ پروف۔"

"ہاں تو تمہاری تو امی جان ہیں نا۔۔۔ ماں کی بات کیسے بری لگتی ہے۔"

"چلو تنا۔" رائمہ نے اسے گھورا۔ "اب جانے بھی دو۔"

"یہ کہاں چپ رہنے والی ہے آپی! یہ تو بیت بازی کے آخر تک شعر پڑھتی ہے، اس سے بھلا کون جیت سکا۔"

"...ہی تو نہیں ملے اس کو۔" حمزہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔

"...بیت بازی۔۔۔" ناعمہ سب کچھ بھول کر خوشی سے اچھل گئی۔ "ایقان خالہ بھی آئی ہوئی ہیں۔ ...آپی بھی۔۔۔ سبھی جمع ہیں۔۔۔ کتنا مزہ آئے گا۔"

"...اس کے اسپرنگ تو کام کرنے لگے۔" علی اطمینان سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔ "یہی چیک ...ہیں۔"

"...ہوم ورک۔" ناعمہ نے اسے چھیڑا۔ "نکل گئی ساری ہوا۔"

"...تے ہیں میرے دشمن اور تمہارے دوست۔" وہ مڑا۔

"...پھر آ رہے ہو شام کو؟"

"...منٹ ہے میری۔" اس نے کالر کھڑے کیے۔ "کل شام رکھ لو۔"

"...ی کے بہانے ہیں۔" وہ کھلکھلائی تھی۔

"...ری کیسی؟ یہاں کھڑے کھڑے سو شعر پڑھ ڈالوں میں۔" وہ جوش میں آ گیا۔

"...آرام سے۔۔۔ آرام سے۔۔۔" حمزہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "کل شام ہی ٹھیک ...رام وہاں سن لیں گے۔" وہ علی کو لے جانے لگا۔

"...کا پروگرام پکا؟" وردہ نے پیچھے سے آواز دے کر پوچھا۔

"...لہراتے باہر نکل گئے۔

"...ہی سفحے کے صفحے کالے کرتی رہو۔" رائمہ نے ہنس کر بہن کو دیکھا تھا۔ "ایسے ایسے خوبصورت ...ڈوبی کہ پھر اصل شعر تو ذہن سے ہوا ہی ہو جاتا ہے۔۔۔ وہی تم لوگوں کے بنائے الٹے سیدھے ...ن پکڑتے رہتے ہیں۔۔۔"

"...ری ناکامیابی ہے!۔۔۔" وردہ کا دھیان وہیں اٹکا ہوا تھا۔ "مامی کا رویہ محسوس کرتے ہی چلے آئے ناعمہ ...ممانی اگر کبھی کچھ کہہ بھی دیتی ہیں تو کیا برا ماننا!"

"...ری ہو۔" رائمہ نے اس کی تائید کی۔ "ہاشم، حمزہ، علی۔ یہ تینوں بھائی بالکل ماموں جان پر گئے ...اور بامروت۔"

"...اور عریشہ ممانی جان کی کاپی ہیں۔۔۔ تنک مزاج اور مغرور۔" ناعمہ بڑبڑائی۔ دونوں بہنیں ہنس کر

"...ی!" وردہ نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

☼ ☼ ☼

"...وردہ نے کاپی ناعمہ کے آگے کی۔

...سا اور بے اختیار ہنس دی۔

"...ری گڈ۔"

"...لی!" اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"...بے تابی سے چھت پر وارد ہوئی تھیں۔

"...یہاں تنہا کیا کر رہی ہو؟" عریشہ نے آنکھیں نکالیں۔

"...!" ناعمہ نے برا مانا۔ "عالی جناب پر آمد کا وقت ہے۔۔۔ منہ سے کچھ بھی الٹا سیدھا نکل سکتا ہے!"

عریشہ شرمندہ سی ہو گئی۔ ماں کی صبح والی بات اسے بھی اب تک یاد تھی۔
"چلو۔۔۔ جلدی۔۔۔ وہ دھما چوکڑی پچھلے لان میں جمع ہے۔۔۔ خوب زور زور سے باتیں ہو رہی ہیں۔"
"ارے یار۔۔۔ ہم کل کی بیت بازی کی تیاری کر رہے ہیں۔" سدرہ جھلائی۔ "تم لوگوں کو جاسوسیوں کی پڑی ہے۔"
"اوئے بدھو۔۔۔ بڑے مزے مزے کے راز افشا ہو رہے ہیں۔ اور تو اور عباد اور رہبر بھی آئے ہیں۔"
"ہائے اللہ!" ناعمہ نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "عباد بھی آیا ہے۔۔۔ ہائے میرا دل!"
"ہائے ہائے مر ہی جاؤں میں۔۔۔ جو وہ حال دل سے واقف ہو جائے تو۔۔۔" وہ شرمائی۔
سب کی سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھیں۔
"پھر با جماعت دعا کریں اس سے تمہارے نکاح کی؟" سدرہ شرارت سے بولی تھی۔
"اری مردار۔۔۔!" ثانیہ نے اسے ایک دھپ لگائی۔ "اس کا پڑھوا دے۔۔۔ بڑی بہن نہیں دکھائی دیتی تجھے؟" ایک اور قہقہہ لگا۔
"چلو جی۔۔۔ یہاں تو سب کی سب اس کی شہید نکلیں!" ایک طنزیہ آواز سیڑھیوں کے قریب بنے چھجے کے نیچے سے ابھری تھی۔
چند لمحوں کے لیے وہ سب کی سب ہکا بکا رہ گئیں۔ پھر آواز اور وردہ دونوں کو پہچان کر ان سب کی جان میں جان آئی تھی۔
"ہائے اللہ۔۔۔ وردہ آپی۔۔۔ سچی ڈرا کر رکھ دیا!" سدرہ کے حواس بحال ہوئے۔ "آپ کب آئیں؟"
"میں تو کب سے یہاں بیٹھی تم سب کی کارگزاریاں دیکھ رہی ہوں۔ منہ سب کے کھلے ہوئے ہیں اور آنکھیں ساروں کی بند ہیں۔" وہ ان کے قریب چلی آئی۔ "اور جو میری جگہ کوئی لڑکا یہاں آ جاتا تو کیا کچھ بکواس نہ سنتا؟"
"وہ نہیں آنے والے۔۔۔ وہ سب پچھلے لان میں جمع ہیں۔ ابھی تو ہم ان کی موشگافیوں کا پردہ چاک کرنے جا رہے ہیں۔" عریشہ اطمینان سے بولی۔ "میں آپ کے کمرے کی کھڑکی کھول کر اور لائٹ آف کر کے آئی ہوں۔"
"چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے سے اللہ منع کرتا ہے۔" وردہ نے انہیں عقل دلانی چاہی۔
"محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔" ناعمہ نے عریشہ کو آنکھ ماری۔
"تم محبت کر رہی ہو یا جنگ؟" وردہ نے اسے مصنوعی غصے سے گھورا۔
"ہائے!" اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "میرا درد نہ جانے کوئی۔" سب کی کھی کھی شروع ہو گئی۔
"مجھے لگتا ہے منیزہ آنٹی سے بات کرنا ہی پڑے گی۔" وردہ نے تاسف سے سر ہلایا۔
"پہلے عباد سے تو بات کریں۔" عریشہ ہنسی۔ "وہ تو اسے ناعمہ باجی کہتا ہے۔"
"تمہیں بھی تو عریشہ باجی ہی کہتا ہے۔" وہ چڑ گئی۔
"ہاں تو میں کب اس کے قصیدے پڑھتی ہوں۔۔۔ وہ باجی چھوڑ مجھے دادی کہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔
"ارے وہ تو پکا مولوی ہے۔ وہ تو مجھے بھی باجی کہتا ہے۔ حالانکہ میں تو یقیناً اس سے چند ایک سال چھوٹی ہوں گی!" سدرہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔
"اچھا مٹی۔۔۔ ! چلو نیچے۔۔۔ جو کچھ ہاتھ لگتا ہے وہ بھی نکل جائے گا۔" ثانیہ نے جھلا کر کہا۔
سب کی سب سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں۔



"اوئے۔۔۔ ادھر دے۔۔۔ سگرٹ ہے حقہ نہیں جسے تو گھنٹہ بھر گڑگڑائے۔" نافع نے ہاتھ مار کر علی کے ہاتھ سے سگریٹ چھینا۔

"خدا کی قسم یار۔" اس نے سخت برا منایا۔ "دو کش لیے ہیں میں نے۔۔۔ آدھی سے زیادہ تو اس رہبر کے بچے نے رگڑ دی۔"

"میرے کسی بچے نے سگریٹ کو ہاتھ لگایا تو میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔" رہبر نے اطمینان سے ٹانگیں لمبی کیں۔

"اچھا! پھر میں تیرے ابا کو ابھی فون گھماتا ہوں تاکہ وہ تجھے ٹھنڈا کریں۔"

"ارے اس غریب کو بھی کش لگوا دو۔۔۔ کب سے بیٹھا ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے۔" حمزہ نے عباد کے لیے کہا۔

"ہاں ہاں لے۔۔۔ لگا دم۔۔۔ بعد میں کہے گا تک تک دیدم 'دم نہ کشیدم۔" نافع نے سگریٹ اس کی جانب بڑھایا۔

"کھی کھی کھی کھی۔"

اس کی مثال پر مخصوص قسم کا قہقہہ بلند ہوا۔

"نہ بھئی۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "یہ کام ہم سے نہیں ہوتا۔"

"اس کو سگار دو سگار۔۔۔ یہ سگار پیتا ہے۔" رہبر نے طنز کیا۔

"سگار پیئے اپنی جیب سے۔" علی طنزاً بولا۔ "میں تو اسے بیڑی نہ دوں۔"

"کھی کھی کھی کھی۔۔۔"

قہقہہ پھر مخصوص انداز میں اچھالا گیا۔

"نہ بیڑی 'نہ سگریٹ 'نہ سگار۔۔۔ یہ سب تم جیسوں کے کام ہیں۔۔۔ فارغ بندوں کے۔۔۔ میں تو اس وقت سخت تھکن اور شدید قسم کی نیند محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ بس اب تو نیند چاہیے۔۔۔" اس نے جماہی لی۔

"کیوں تو شب عروسی منا کر آ رہا ہے؟ سالے!" نافع نے اسے ٹھوکا دیا۔

"کھی کھی کھی کھی۔" سب نے اس مذاق کو حد سے زیادہ سراہا۔

"اس کو ابھی سے نیند آ رہی ہے علی۔۔۔ اس فلم کا کیا ہوگا؟" رہبر نے شوخی سے پوچھا۔

"جائے یہ اپنے گھر۔۔۔ ہم اپنے مخصوص جوش وجذبے سے منائیں گے رات۔" اس نے شان سے ٹانگ پر ٹانگ جما کر کہا۔

"لے آیا پھر کوئی بے ہودہ فلم؟" نافع نے اس کا کان پکڑا۔ "بتاؤں ہاشم بھائی کو؟"

"جا کر دیکھو۔۔۔ پھر ایک ایک سین کی بھیک مانگو گے مجھ سے۔۔۔ سب سے آگے تو تم ہی بیٹھتے ہو کہ یار! میری نظر کمزور ہے۔۔۔ مجھے دور سے صحیح طرح ہیروئن نظر نہیں آتی۔" اس نے نافع کی نقل اتاری۔

"کھی کھی کھی کھی۔" سے بھی شاباش ملی۔ نافع شرمندہ ہو کر سگریٹ پینے لگا۔

"فلم ایسی ہے کہ بس۔ صدقے جاواں!" اس نے مزید گل افشانیاں کیں۔ "ہیرو غنڈوں کا دشمن اور ہیروئن کپڑوں کی۔"

"کھی کھی کھی کھی۔۔۔"

"یار! مجھے تو یہ انڈین فلمیں زہر لگتی ہیں۔" عباد بولا۔ "اس سے تو بہتر ہے آدمی انگلش مووی دیکھ لے۔ کم از کم [illegible] کا پلاٹ کوئی اسٹوری تو ہوتی ہے۔"

"[illegible] آٹھ مرتبہ ہیروئن بی بی غسلِ صحت نہ فرمالیں ڈائریکٹر کے حسنِ صفائی کی تسلی

"[illegible] فلم اگر آدھی [illegible] دروازے کی طرف ہی دیکھتا رہتا ہوں کہ کہیں ابا میاں بھی وہاں کھڑے ہیروئن کے [illegible] انداز نہ دیکھ رہے ہوں۔" علی نے جل کر کہا۔

"[illegible] ہی ہی ہی۔۔۔ " تائید۔ سب نے تائیدی قہقہہ بلند کیا۔

"[illegible] کے سامنے میں مہتاب۔۔۔ واہ واہ۔" رہبر کو تصور سے ہی روحانی خوشی ملی۔

"[illegible] ہو گئے ہیں بے تاب!" نافع کو اس کی صورت دیکھ کر ہنسی آئی۔

"[illegible] فلم میں ان کو کیسے دیتے ہیں غرقاب۔۔۔" علی اٹھ کر ہاتھ جھاڑنے لگا۔ "یار حمزہ! میرا منہ سونگھ۔"

"[illegible] چاہتا ہے میں فلم نہ دیکھوں؟" اس نے تیوری چڑھائی۔

"[illegible] کب کہا؟" وہ حیران ہوا۔

"[illegible] کرنے کے چکر میں ہے۔"

"[illegible] منہ سونگھنے کو کہا ہے 'موزہ تو نہیں۔"

"[illegible] ہی ہی ہی۔"

"[illegible] بو تو نہیں آ رہی؟"

"[illegible] چل نا۔۔۔ تمام میں بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے ایک جیسے ہیں۔۔۔"

"ہی ہی ہی ہی۔۔۔"

[illegible] کے سائیڈ سے گزر کر مرکزی عمارت تک جاتی پتلی سی گلی میں گھس گئے تھے۔

"[illegible] تھا ماجرا۔" ناعمہ نے پردہ برابر کیا اور کھڑکی بند کر دی۔

[illegible] نے جلدی سے لائٹ جلائی۔

"[illegible] ہیں سارے کے سارے۔" عرشہ نے دانت پیسے۔ "کیسے سونٹے لگا رہے تھے۔۔۔ اور ای کے [illegible] علی اور حمزہ ایسے بن جاتے ہیں گویا ابھی حج کر کے لوٹے ہوں۔۔۔"

"[illegible] فلم کا نام لوں تو یہ حمزہ کا بچہ کان پکڑتا ہے۔۔۔ نہ بھئی نہ۔۔۔ یہ فلم میں نہیں لا سکتا۔۔۔ بڑی متنازعہ فلم [illegible] ملک رہی تھی۔" "اور اپنے کرتوت دیکھو۔۔۔"

"[illegible] کیسے کرتوں کے پورے ہیں۔ صورت دیکھو تو بندہ کلمہ پڑھ لے۔۔۔"

"[illegible] کو تو نہ برا کہو۔۔۔ وہ بے چارہ تو نہ سگریٹ پینے پر راضی تھا نہ فلم دیکھنے پر۔۔۔" ناعمہ نے [illegible]

"[illegible] طنزاً بولی۔ "انگلش مووی تو میرا فرشتہ تجویز کر رہا تھا۔۔۔"

"[illegible] ہیں وہ میرا فرشتہ ہے۔۔۔" ناعمہ مزے سے بولی۔

"[illegible] ہی ہی۔" سب نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ان کی نقل میں ویسا ہی قہقہہ مارا۔

"[illegible] صبح یہ علی صاحب آج رات کے بیت بازی کے پروگرام سے کتنی کیوں کترا رہے تھے۔"

"[illegible] ضروری اپائنٹ منٹ ہے۔۔۔ دیکھ لیا ضروری اپائنٹ منٹ؟ کپڑوں کی دشمن ہیروئن کا دیدار [illegible]"

"[illegible] نے کان پکڑے۔

"[illegible] فلم ہے؟" عرشہ نے سن گن لی۔ "کل تلاشی لیں ان کے کمرے کی؟"

"[illegible] نکل آئے یار! خود سے بھی انسان شرمندہ ہو۔ دفع کرو۔" وردہ نے پہلی مرتبہ گفتگو میں

حصہ لیا اور بےزاری سے بولی۔
"اس کا تو ان لوگوں کے اس جاسوسی پروگرام میں شریک ہونے کا بھی کوئی ارادہ نہ تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اسی کے کمرے کی کھڑکی پچھلے جانب پھیلے اس وسیع و عریض اور اجاڑ قسم کے لان میں کھلتی تھی جہاں بیٹھ کر یہ لڑکے اپنی محفل جمایا کرتے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا تھا کہ ان کی اس قسم کی جاسوسی بھی کی جاسکتی ہے۔
"یوں بھی وردہ اپنی سنجیدہ طبع اور شائستگی کی بنا پر پورے خاندان میں علیحدہ ہی نظر آتی تھی۔ اس سے کسی بھی لڑکے کو یہ توقع ہو ہی نہیں سکتی تھی۔
"ارے تو ہم کون سا دیکھ رہے ہیں... بس یہ دیکھنا ہے کہ فلم کی ہیروئن کون ہے..." عریشہ کو گہرا تجسس تھا۔
"نہ ویسے ہم دیکھ بھی لیں تو کیا ہے؟ وہ لڑکے ہو کر دیکھ سکتے ہیں تو ہم لڑکی ہو کر بھی اپنی ہم جنس کو بے پردہ نہیں دیکھ سکتے کیا؟" ثانیہ نے تنک کر نکتہ اٹھایا۔
"جی نہیں!" وردہ نے منہ بنا کر کہا۔
"چلو ہم گھونگھٹ نکال کر دیکھ لیں گے... پردے کی اوٹ سے!" ناعمہ نے حل پیش کیا۔
"گویا دیکھو گی ضرور!" وردہ جھنجھلائی۔
"بالضرور!" کورس میں جواب آیا۔
"کھی کھی کھی..." وہ پھر شروع ہو گئیں۔

❁ ❁ ❁

شادی کے بعد کی زندگی کے لیے کتنے خواب دیکھتی ہیں لڑکیاں!" اس نے دھیرے سے گلاب کے پیلے پھول کی مخملیں پتی کو چھوا۔ "اور شادی کے بعد بے فکری اور الھڑپن کے افسانوں سے سجی زندگی خواب و خیال ہو جاتی ہے... شادی سے پہلے مستقبل کے خواب آنکھوں میں سجے ہوتے ہیں اور شادی کے بعد ماضی کی زندگی دور آسمان پر اڑتے ہلکے پھلکے سفید روئی کے گالوں جیسے بادلوں کی طرح دسترس سے دور اور خوبصورت نظر آتی ہے۔"
"کیا بات ہے خالہ جان!" رائمہ نے ہنس کر اس کے صبیح چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو دیکھا۔ "آج بڑا یاد کیا جارہا ہے شادی سے پہلے کی زندگی کو؟ خیریت تو ہے؟"
"ماموں جو آئے ہوئے ہیں..." ماہین شرارت سے بولی۔
رائمہ کو بہت زور سے ہنسی آئی جبکہ ایقان ملامتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"ویری فنی ماہین!" پھر وہ شکایتی انداز میں بولی۔ "اس سے گھٹیا مذاق اور کوئی نہیں ملا کرنے کے لیے؟"
"سوری... سوری ڈیئر پھپھو۔" اس نے دونوں ہاتھ اپنے دفاع میں اٹھا دیے۔ "اب میں زبان کو لگام دیتی ہوں۔ یونہی ایک خیال سا آگیا تھا' ویسے کتنا تڑپایا ہے آپ نے میرے سیدھے سادے سے ماموں کو۔ بے چارے اب تک مجنوں بنے پھرتے ہیں۔"
"سیدھے سادے؟" ایقان نے آنکھیں نکالیں۔ "مائی گاڈ! کہاں سے سیدھے ہیں وہ... صرف چلتے ناک کی سیدھ میں ہیں... بھینسے کی مانند ڈکراتے ہوئے... سامنے آجانے والا اپنا دفاع خود کرے تو کرے ان کی طرف سے کوئی گارنٹی نہیں۔"
"رائمہ کو ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو گیا جبکہ ماہین اب شکایتی انداز میں ایقان کو دیکھنے لگی تھی۔
"پھپھو!"
"فرمایئے!" وہ بےنیازی سے بولی۔ [illegible]

[illegible] والے کے جذبات کا کچھ خیال کر لینا چاہیے۔ بے شک جواب میں چاہت نہ دیں کہ یہ دل کے [illegible] لیکن اس طرح کے بے مروتانہ القاب! یعنی آپ نے ان کو بھینسا بنا ڈالا؟" رائمہ بے تحاشا ہنسے [illegible]
[illegible] کم ہیں وہ؟" ایقان اپنے الفاظ واپس لینے پر تیار ہی نہ تھی۔
[illegible] سے اس قدر بے لوث محبت کر سکتا ہے؟"
[illegible] بھینس سے کرتا ہی ہوگا۔"
[illegible] ہنس دی۔
[illegible] یہاں تو پھر بات آپ پر ہی آتی ہے۔"
[illegible] اس نے منہ بنایا۔ "مجھے تو معاف رکھو۔ اپنی ہونے والی مامی کو ذہن میں رکھو۔"
[illegible] تیار ہوتے ہیں اب وہ۔" ماہین کو نئے صدمات لاحق ہونے لگے۔ "کتنے برس بیت گئے آپ کی شادی [illegible]"
[illegible]" ایقان آخر کار زچ ہو گئی۔ "فار گاڈ سیک!"
[illegible] اور رائمہ چونکہ اس کی تقریباً ہم عمر تھیں اس لیے ہر طرح کے موضوعات پر آپس میں بحث کر لیا کرتی [illegible] افراد تو ایقان کے سامنے یہ موضوع نکالتے ہی نہ تھے۔
[illegible] بھی کبھار اپنے ماموں کی حالتِ زار پر ترس کھا کر کوئی نہ کوئی ذکر نکال لیا کرتی تھی۔ ایقان یا تو اپنے [illegible] سے پُر سنجیدگی سے کوئی جواب دے دیا کرتی یا پھر تنگ آکر اسے ڈانٹ بھی دیا کرتی تھی۔ یعنی کبھی وہ [illegible] بن جاتی اور کبھی پھپھو بھتیجی کا رشتہ استوار کر لیتی۔ ضرورت کے مطابق رویہ اختیار کرنے میں [illegible] حاصل تھی۔ ماہین کے ساتھ کبھی کبھار پھپھو بننے کی ضرورت اسے محض ماہین کی بچکانہ طبیعت اور [illegible] سے پڑتی تھی لیکن رائمہ کے ساتھ اس کی مثالی انڈر اسٹینڈنگ تھی ان دونوں کے درمیان [illegible] خالہ بھانجی کے تکلفات میں وہ نہ پڑتی تھیں۔ صرف اتنا تھا کہ رائمہ اسے ایقان خالہ یا خالہ [illegible] طرح ماہین بھی اسے پھپھو کہتی تھی۔ در حقیقت ان تینوں کی عمروں میں چند برسوں کا ہی فرق تھا۔
[illegible] دنوں کے بعد ایک جگہ اکٹھا ہو جانے کا لطف اٹھا رہی تھیں۔ ماہین اور رائمہ بھی اپنے اپنے [illegible] چند دنوں کی رخصت لے کر آئی تھیں اور ایقان بھی گھر کی تنہائی سے اکتا کر کچھ روز کے لیے چلی آئی [illegible] ہوتا تھا کہ وہ یوں بے فکری سے ملا کرتیں۔
[illegible] آپ کو لتا کے گانے کتنے پسند تھے۔" ماہین کو زیر لب گنگناتے ہوئے اچانک یاد آیا۔ "اسکول [illegible] میں آپ ہر وقت لتا لتا کرتی رہتی تھیں... گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں "آنکھوں کے جھروکوں [illegible] سانورے..." بار بار ریوائنڈ کر کے سنا کرتی تھیں... اور... اور... وہ کون سا تھا آپ کا من پسند [illegible] بچارا ہوا تھا؟"
[illegible] دل کا اعتبار کیا کیجیے..." رائمہ نے فوراً یاد دلایا۔
[illegible]
[illegible]" ماہین اشتیاق سے پوچھنے لگی۔
[illegible] ایک کینسٹس یہاں سے لے گئی تھی' عاشر نے وہ مذاق بنایا کہ حد نہیں۔ کہنے لگا' یار! تم [illegible] ایک ایڈ وہائٹ فلمیں پسند کرتی ہو' لتا اور نور جہاں کو سنتی ہو۔ سچ سچ بتاؤ' تمہاری عمر وہی ہے [illegible] درج کروائی ہے یا پھر یہ حسین زلفوں کی سیاہی "کالا کولا" کی دین ہے!"

اس نے جلے بھنے سے انداز میں تفصیل سے بتایا۔ ماہین اور رائمہ بڑی دلچسپی سے سن رہی تھیں۔
"عاشر کے جانے کے بعد میں نے بڑے شوق سے چند ایک رومانوی گانوں کے کیسٹس لیے کہ جدائی کا لطف دوبالا ہو جائے گا..... آہا ہے! عاشر نہیں تھے تو کیا ہوا... ان کی اولاد تو ہے نا..... مومن صاحب نے سب کیسٹوں کے ریل نکال نکال کر پورے گھر میں پھیلا دیے۔"
تینوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔
مرکزی گیٹ پر کسی کی آمد نے اچانک ہی تینوں کی توجہ اس جانب مبذول کر دی۔
دو خواتین اندر داخل ہو رہی تھیں۔ ساتھ میں ایک چار پانچ سالہ بچہ بھی تھا۔
"یہ کون ہیں؟" ایقان کو الجھن ہوئی۔
فاصلہ قدرے زیادہ تھا اس لیے انہیں پہچاننے میں دشواری ہو رہی تھی لیکن جوں جوں وہ قریب آتی گئیں ان تینوں کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
آنے والیوں سے وہ تینوں ہی بڑی گرمجوشی سے ملیں۔
"شہلا..... کتنی خوشی ہو رہی ہے تمہیں دیکھ کر، بتا نہیں سکتی۔" ایقان نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ "اور یہ انیقہ! کتنی کیوٹ ہو رہی ہے! تقریباً" سال بھر بعد مل رہی ہوں تم لوگوں سے... ہائے اللہ! یہ کتنا پیارا ہو گیا ہے۔ کیا نام ہے اس کا۔ عمر ہے نا!"
وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔
"بہت عرصے بعد مل رہے ہیں تو جناب! اس میں سراسر آپ کا اپنا قصور ہے۔ آپ تو جناب عاشر حسین صاحب کو ایسی پیاری ہوئیں کہ پیچھے رہ جانے والے "بھی پیارے" آپ کے ذہن سے محو ہو گئے۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔
"ارے نہیں! قسم سے ایسی کوئی بات نہیں... بس یہ زندگی خانم ہی اتنی تیز طرار ہو گئی ہیں کہ کہیں تسلی سے بیٹھ کر فراغت سے جی بہلانے کا کوئی موقع ہی نہیں دیتیں۔"
"جیسا کہ اس وقت بھی آپ بہت مصروف نظر آ رہی ہیں۔" شہلا نے اسے گھور کر طنز کیا۔
"اچھا نا... اب جانے بھی دو۔" ایقان نے اس کا ہاتھ دبایا۔ "قسم لے لو بہت یاد کرتی ہوں ساری سہیلیوں کو۔ اور سب سے زیادہ تمہیں!"
شہلا مسکرا دی۔
"عباد نے رات بتایا تھا کہ ایقان آپی آئی ہوئی ہیں۔" انیقہ کہنے لگی۔ "صبح سے آپی انتظار میں تھیں کہ شاید آپ کا کوئی پیغام آئے یا آپ خود ہی آجائیں ملنے کے لیے۔ اب اس وقت ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو یہ خود ہی چلی آئیں۔"
"اچھا! عباد آیا تھا رات کو؟ مجھے تو نہیں ملا۔ ورنہ میں ضرور تمہیں پیغام بھجواتی!" ایقان بولی۔ "میں تو کب سے تم سے ملنے کو ترس رہی ہوں۔"
شہلا اپنے مخصوص انداز میں مسکراتی رہی۔
"اور انیقہ..... تم اپنی سناؤ۔ کیا کر رہی ہو آج کل؟" ایقان نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ساڑھے پانچ فٹ قد والی گوری چٹی انیقہ اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔
"میں میڈیکل کالج میں پڑھ رہی ہوں ایقان آپی! یعنی مستقبل کی مسیحا!" وہ شوخی سے مسکرائی۔ ان لوگوں کی جانب بڑھتے ہوئے رافع اور ہاشم ٹھٹک کر رک گئے۔

"مبارک ہو تجھے!" رافع نے اس کا ہاتھ دبایا۔ "تیری آنکھوں کے قمقمے روشن ہونے والے ہیں یا شاید [illegible]"
"[illegible]" ہاشم نے گھبرا کر اسے ڈانٹا۔
"اجازت ہو تو ہم آجائیں؟" وہ دونوں وہیں سے پوچھنے لگے۔
"ارے... ہاشم، رافع..." ایقان چونکی۔ "آجاؤ۔ تم لوگوں سے کون پردہ کرتا ہے۔"
"ان کی نگاہیں..." رافع کی زبان میں پھر کھجلی ہوئی۔
ہاشم نے اس کا ہاتھ دبا کر تنبیہہ کی۔
وہ دونوں آگے بڑھ آئے۔
"آپ لوگ کب آئیں؟" ہاشم ان لوگوں سے خوش دلی سے پوچھنے لگا۔
"بس... ابھی!" مختصر سا جواب ملا۔
"یار ہاشم... دھما چوکڑی نے پیغام بھجوایا ہے' رات کو بیت بازی کا مقابلہ ہے۔ "حیات ولا" کے ازلی متصادم گروپوں کا۔" رافع اسے بتانے لگا۔
"اچھا!" ایقان خوش ہوئی۔ "مزہ آئے گا۔"
"وقت پر پہنچ جائیے گا پچھلے لان میں" آپ سب خواتین۔" اس نے حاضرین پر طائرانہ نگاہ ڈالی۔
"ضرور ضرور..." ماہین اور رائمہ بھی جوش سے بولی تھیں۔
"آپ لوگ بھی شامل ہوں۔" ہاشم نے ایک مرتبہ پھر انہیں مخاطب کیا۔ "انجوائے کریں گی۔"
"[illegible]" مسکرا کر کہا گیا۔
وہ دونوں اپنے قدموں پر پلٹ گئے۔
"ضرور آنا شہلا! ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاؤ گی۔ یہ شیطان ایسی ایسی پھبتیاں کستے ہیں ایک دوسرے پر۔ بڑا [illegible]"
"وہ نہیں کرتی ایقان! یہ عمر اپنے روٹین ٹائم پر سونے کا عادی ہے اور ضد کرتا ہے کہ میں ہی اسے کہانی سنا کر [illegible]"
اس نے محبت سے بیٹے کی پیشانی پر سے بال سمیٹے۔
"[illegible] تو اس کی بالکل نہیں بنتی۔" انیقہ نے اس کے چپت لگائی تھی۔

* * *

اس [illegible] بہت بڑی عمارت میں اندھیرا تھا۔
ایسا اندھیرا نہ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ بس ایسا سماں تھا کہ ہر شے کے دھندلے دھندلے نقش سجھائی [illegible]
وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ ایک لمبی راہداری تھی جو ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ اس راہداری کے دائیں بائیں کمرے تھے... وہ آہستہ روی سے چلتے ہوئے ایک کمرے تک پہنچی۔
[illegible]
"[illegible]... یہاں آؤ..... ربیعہ..... ربیعہ..... یہاں آؤ۔"
وہ [illegible] کمرے میں جھانکتی کہ شاید دادی کی آواز اسی کمرے سے آ رہی ہے..... لیکن ہر بار اسے کمرہ خالی

ملتا۔

وہ پھر آگے بڑھ جاتی۔

پھر وہ کتنی دیر اندھیرے میں چلتی رہتی تاوقتیکہ اگلا دروازہ آجاتا۔

دادی کی آواز پھر قریب آجاتی۔ تھراتی ہوئی' کانپتی ہوئی' لرزتی ہوئی آواز..... وہ بے چینی سے آگے بڑھتی۔ کمرے میں جھانکتی مگر کمرہ خالی ہوتا۔

یونہی چلتے چلتے وہ تھک کر چور ہوگئی۔ اس کے تلوؤں تلے چپچپاہٹ آگئی۔ اس کے کاندھے ٹوٹنے لگے۔

تب اس نے دیکھا۔

راہداری کے اختتام پر ایک کمرہ تھا۔ وہ ایک تاریک کمرہ تھا۔ اس میں بالکل روشنی نہ تھی۔ دادی کی آواز شاید اسی کمرے سے آرہی تھی! شاید!

وہ اس آخری امید پر آگے بڑھی۔ وہ بہرصورت اپنی دادی سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ کب سے ان سے نہیں ملی تھی۔ اس نے کب سے دادی کو نہ دیکھا تھا۔ وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔

"ربیعہ..... آؤ ربیعہ..... آؤ!"

آواز اسے بلاتی گئی' وہ کھنچتی چلی گئی۔

وہ کمرے کے دروازے پر جارکی۔

اندر گھپ اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ وہ اندر داخل ہوگئی۔ اچانک وہ ٹھٹک کر رکی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ اس کی نگاہیں آہستہ آہستہ کمرے کے اندھیرے سے مانوس ہورہی ہیں۔ اسے احساس ہوا کہ وہ کمرے میں موجود چیزوں کو دیکھ سکتی ہے..... لیکن کمرہ تو خالی تھا..... کمرے میں تو کچھ بھی نہ تھا۔

پھر دادی کہاں تھیں؟ وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"دادی..... دادی کہاں ہیں آپ؟"

اچانک ہر منظر واضح ہوگیا۔ کمرہ آپ ہی آپ تیز روشنی سے بھر گیا۔

تب ربیعہ نے دیکھا۔

خالی کمرے کے ایک کونے میں ایک عورت سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ وہ اسے پہچان نہ سکتی تھی۔

ربیعہ کو اس تنہا' خالی کمرے کی اس واحد مکین سے خوف محسوس ہوا۔

آخر وہ کون تھی۔

اس عورت نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ ربیعہ کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ اس کا چہرہ جھلسا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں..... سرخ انگارہ آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ ان آنکھوں میں بے بسی تھی۔ التجا تھی۔

"ربیعہ! میرے پاس آؤ..... ربیعہ!" وہ بولی۔

ہاں! وہ دادی کی آواز تھی۔

ربیعہ نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ اس کی دادی تھیں۔

"ربیعہ!"

وہ پلٹ کر بھاگی۔ بے تحاشا بھاگی۔

"ربیعہ..... پیاس لگی ہے ربیعہ..... بہت پیاس لگی ہے۔"

دادی کی آواز اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

اس کی آنکھ کھل گئی۔ ایک جھٹکے سے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
وہ بے تحاشا ہانپ رہی تھی۔ اس کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ آنسو خود بخود اس کی آنکھوں سے نکل نکل کر اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔
"حی علی الافلاح... حی علی الافلاح..."
دور سے مؤذن کی آواز آرہی تھی۔ ربیعہ تادیر گومگو کی کیفیت میں گھری بیٹھی رہی۔

❋ ❋ ❋

رات آٹھ بجے جب گھر کی سربراہ خواتین ٹی۔وی کے آگے براجمان تھیں۔ ان کے گروہ پچھلے لان میں جمع ہو گئے۔
"انار کلی... پائیں باغ میں ہمارا تختِ شاہی سیٹ کروا دیا ہے؟" علی' ناعمہ سے پوچھنے لگا۔ اس نے ناک چڑھا کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔
"ذرا آئینہ دیکھیے جہاں پناہ! آپ شاید لاہور کی فوڈ اسٹریٹ پر پان بیچتے ہیں... وہی ہیں نا؟"
"اوں ہوں!" وہ جھلا گیا۔ "کوئی ادنیٰ کنیز لگتی ہے... انار کلی تو ایسی بات نہیں کر سکتی۔"
لڑکیاں اس کی گت بننے پر زور سے ہنس دی تھیں۔ وہ چپکے سے ان کے بیچ سے نکل گیا۔
کچھ ہی دیر میں تقریباً" سبھی وہاں جمع ہو گئے تھے۔ اجاڑ' ویران جگہ محفل کا منظر پیش کرنے لگی۔ دریاں بچھا دی گئیں۔
سب نے اپنی اپنی جگہیں سنبھال لیں۔
ایقان کو انہوں نے کرسی پر بٹھا کر جج کے فرائض سونپ دیے تھے۔
"ہاں بھئی۔" وہ بے حد خوش نظر آئی۔ "میر' غالب' منیر' فیض... سبھی دکھائی دے رہے ہیں۔"
"یہ شاید 'دہلی کی آخری شمع' پڑھ کر آرہی ہیں..." حمزہ منمنایا۔
"چپ کر!" ہاشم نے اسے چپت سے نوازا۔
"ہم آجائیں؟" کسی نے اجازت مانگی تھی۔
سب ہی نے گردنیں گھمائیں۔ عباد اور رہبر بھی پہنچ چکے تھے۔
لڑکیوں والی دری پر ایک کونے سے دوسرے کونے تک ہلچل مچ گئی۔ سرگوشیاں اور دبی دبی ہنسی کی آوازیں بلند ہوئیں۔
"ارے بھئی عباد! کہاں ہوتے ہو... تمہیں دیکھے تو مدتیں ہو گئیں۔" ایقان نے اسے دلچسپی سے دیکھا۔
"ماشاءاللہ! بڑے ڈیشنگ ہو گئے ہو۔"
"ماشاءاللہ' ماشاءاللہ۔" غالباً" ناعمہ کی سرگوشی تھی۔
اسے ثانیہ سے ایک ہوکا ملا۔ بیک وقت ہنسی اور کراہ کی دبی دبی آوازیں آئیں۔
"اور رہبر تم سناؤ... تم کیسے ہو؟"
"یہ بس ٹھیک ہی ہیں... ان کے نمبر کٹ جاتے ہیں نا!" سدرہ منمنائی۔ پھر دبی دبی ہنسی ہنس دی۔
"وہ دونوں بھی سرگوشیوں کے تسلسل سے کنفیوژن کا شکار ہو کر ایقان سے ہوں' ہاں' میں ہی بات چیت کر رہے تھے۔
"شہلا اور انیقہ نہیں آئیں؟" رائمہ نے عباد سے پوچھا۔ "خالہ جانی نے کتنا اصرار کیا تھا۔"

[illegible] بھاری تھیں۔ انیقہ کی کوئی دوست آئی ہوئی ہے۔"
[illegible] "رافع نے ہاشم کے کان میں کہا۔
[illegible] "وہ بھنایا۔ "کیا پھونکیں مار رہا ہے میرے کان میں۔"
[illegible] کان پر ہاتھ رکھیں ہاشم بھائی... ہوا لگے گی۔" کہیں سے مشورہ آیا۔ ایسی ہی بے تکی اور بے سروپا [illegible] نے کتنا ہی وقت نکال دیا۔ آخر کو ناعمہ نے پہلا شعر ہاشم پر داغا۔ یوں بھی اسے فردوس بیگم سے [illegible] تھا۔
[illegible] بھائی!" وہ گلا صاف کر کے کھنکھاری۔ "ذرا توجہ کیجیے... ممانی جان آپ کے متعلق کیا کہتی ہیں۔"
[illegible] سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کھنچائی متوقع تھی۔
[illegible] کس کے روپ میں اپنی بہو تلاش کروں۔
[illegible] کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ فردوس بیگم ایک طویل عرصے سے ہاشم کے لیے لڑکیاں دیکھ دیکھ کر مسترد [illegible] ناعمہ کی چوٹ صاف تھی۔

میں کس کے روپ میں اپنی بہو تلاش کروں
کسی لڑکی کو گھر لانے کو نہ یہ دل مانے

"واہ واہ... بھئی واہ۔" ایقان نے داد دی۔
[illegible] بھی بڑی بھاوج کی اس روش سے پریشان تھی۔
[illegible] بھئی لڑکو! جواب دو۔"
[illegible] ماہین آپی کے لیے۔" علی نے گلا صاف کیا تھا۔
[illegible] علی!" اس نے آنکھیں نکالیں۔
[illegible] یہ نہیں چلے گا۔" ایقان نے فوراً" ہی جج کے فرائض نبھائے۔ "اس محفل میں کسی پر بھی چوٹ [illegible] محفل کا اصول ہے۔ کسی کو برا ماننے کی اجازت نہیں۔ چلو بھئی علی! سناؤ شعر۔"
[illegible] عرض کر رہا ہوں۔"

یہ اور بات ہے موٹی ہوئی ہے آج مگر
وہ کل تلک بہت اسمارٹ تھی "بوا" نہ کہو

عباد اور رہبر اتنا ہنسے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ماہین خفت سے مسکراتی رہی۔

یہ اور بات ہے موٹی ہوئی ہے آج مگر
وہ کل تلک بہت اسمارٹ تھی "بوا" نہ کہو
اب اس کو آندھی و طوفان سے ہی نسبت ہے
کہو تسنیم سے اب اس کو تم صبا نہ کہو

[illegible] پوری رباعی کہہ ڈالی۔ لڑکے زور زور سے ہنس رہے تھے۔ لڑکیوں کے لبوں پر بھی دبی دبی مسکراہٹیں [illegible]
([illegible] کے میاں کا نام تسنیم تھا۔)
[illegible] مسکرا رہی ہو۔" ماہین نے ان سب کو مشترکہ ڈانٹ پلائی۔ "کچھ شرم کرو' ذاتیات کو نشانہ بنا رہے ہیں [illegible] اب ذرا زوردار قسم کا۔"
[illegible] اس کی اپنی شاعری بہت کمزور تھی۔
[illegible] کا جوش چڑھ گیا۔

"ہاں بھئی۔۔۔ واؤ سے۔۔۔ واؤ سے۔۔۔" ایقان کہہ رہی تھی۔
ناعمہ نے با آواز بلند شعر لڑکوں کو گھورتے ہوئے پڑھا۔
وہ لائے فلم چھپا کر ابا سے لعنت ہے۔
لڑکوں کی صف میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ناعمہ نے پھر دہرایا۔

وہ لائے فلم چھپا کر ابا سے لعنت ہے
کبھی ٹی وی کبھی دروازے کو وہ دیکھتے ہیں

لڑکے خفیف سے ہو گئے اور لڑکیوں نے حسبِ پروگرام پریکٹس کیا ہوا مخصوص قہقہہ بلند کیا۔
"کھی کھی کھی کھی۔۔۔"
حمزہ جوشِ جذبات میں اٹھ کھڑا ہوا۔
نہ ہوا، پر نہ ہوا ان کو کچھ اخلاق نصیب۔
"او۔۔۔ جیتا رہ میرا شیر۔۔۔ صدقے جاواں۔" علی نے نعرہ مارا۔
حمزہ سر کھجانے لگا۔ جذبات میں آ کر پہلا مصرع تو گھڑ لیا تھا۔ اب کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔
"او۔۔۔" لڑکیوں نے شور اٹھایا۔
لڑکوں نے فٹافٹ سر جوڑے۔ ایقان نے گنتی شروع کی۔
"ایک۔۔۔ دو۔۔۔"
نہ ہوا، پر نہ ہوا ان کو کچھ اخلاق نصیب۔
بالآخر وہاں شعر تیار ہو گیا۔
بس اک جاسوسیوں کے شوق نے ان کو مارا۔
"واہ واہ۔۔۔ سبحان اللہ۔۔۔ بھئی کمال کر دیا۔"
وہ سب خود ہی چیخ چیخ کر داد دینے لگے۔
ثانیہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

ان کو جو چھیڑا تو آنکلا ہے پیشانی پہ عرق
اس کا مطلب یہ ہے دعوا ہمارا سچا ہے

"واہ۔۔۔ واہ۔۔۔" اب کے لڑکیوں نے شور مچایا۔
ایقان سے سب کو چپ کرانا مشکل ہو گیا۔ ایسی ہر محفل آخر میں اسی شور کی نذر ہو جایا کرتی تھی۔
"ایک شعر ہم سے بھی سنو بھئی۔" اچانک ایک بھاری آواز گونجی۔
فضا پہ یکسر خاموشی چھا گئی۔ اختر میاں کھڑے سرخ سرخ آنکھوں سے ایقان کو گھور رہے تھے۔

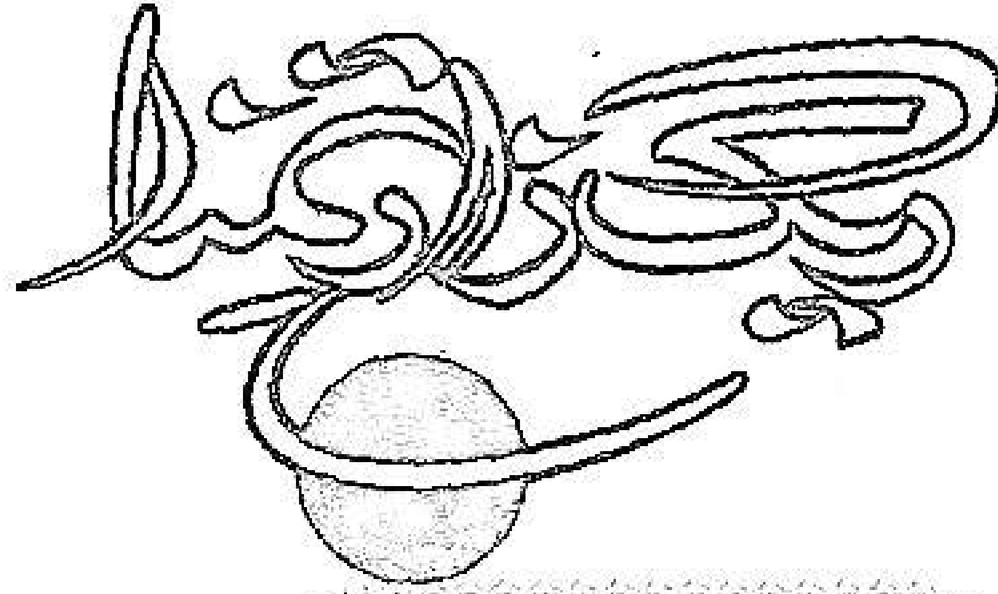
چاند نکلا تو ہم نے وحشت میں
جس کو دیکھا، اسی کو چوم لیا
رس کے معنی جسے نہیں معلوم
ہم نے اس رس بھری کو چوم لیا
پھول سے ناچتے ہیں ہونٹوں پر
جیسے چ چ کسی کو چوم لیا

وہ جیسے نشے کی کیفیت میں تھا۔

ایقان کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو بوند بھر لہو نہ نکلے۔ اس کے گال سرخ انگارہ ہو گئے۔ کانوں کی لویں گرم ہو گئیں۔
وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ سب ہی لوگ دم بخود بیٹھے رہ گئے تھے۔ اختر میاں ہونقوں کی طرح اسے جاتے چلے جا رہے تھے۔
ثانیہ کے پاس کھڑی وہ باہر دیکھ رہی تھی۔
اس کی نگاہیں باہر فضا میں کچھ کھوج رہی تھیں لیکن اس کا دھیان کہیں اور تھا۔
ابھی ابھی اکرم اسے گھر چھوڑ گیا تھا۔ اندر جاتے ہی اس نے اپنا بیگ اٹھایا تھا بچوں کو لے کر اور اماں کو بتا کر وہ ان سے ملے بغیر اپنے فلیٹ پر آ گئی تھی۔
اس منحوس شخص کی موجودگی میں وہ وہاں مزید رکنا نہ چاہتی تھی۔
آٹھ برس پہلے کی بات اس کے حافظے میں اسی طرح محفوظ تھی جیسے کل کی بات ہو۔ الہڑ، بے فکری سے دو چوٹیاں پیچھے ڈالے وہ بہن کے پورشن سے واپس اپنے پورشن کی طرف آ رہی تھی۔
راستے میں وہی پچھلا لان پڑتا تھا۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ اپنے ہی گھر میں ہونے کے محفوظ و مامون احساس میں گم وہ بڑی بے فکری سے خراماں خراماں چل رہی تھی۔ جب کسی نے اچانک اسے اپنی جانب کھینچ لیا تھا۔
اس نے ہراساں ہو کر چیخنا چاہا تو چیخنے کا ذریعہ مسدود کر دیا گیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ بے بسی میں کھڑی رہی پھر پوری قوت لگا کر اس نے خود کو آزاد کیا اور بنا دیکھے بھالے اندر دوڑ لگا دی تھی۔
وہ واقعہ اب تک اس کے خون میں نفرت اور کراہیت کے الاؤ بھڑکا دیا کرتا تھا۔ جب کبھی اسے یہ بات یاد آتی، اس کا رواں رواں چیخ اٹھتا۔
"آئی ہیٹ یو۔۔۔ آئی ہیٹ یو۔۔۔ قابلِ نفرت ہو تم۔۔۔ زمین کا بوجھ۔" فون کی بیل نے اسے گہری سوچ سے نکالا۔ سانسوں کا ردھم بگڑا ہوا تھا۔ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اس نے فون اٹھایا۔
"ہیلو!" دوسری جانب اس نے قدرے تیز آواز میں کہا۔
"کیا ہوا، کہاں غائب ہو گئی ہو؟" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔ "لگتا ہے رسی کود کر آ رہی ہو۔ خیر تو ہے جانِ من!"
"اوہ۔۔۔ عاشر۔۔۔!" وہ آواز پہچان کر قریبی کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

ماہا ملک



اس بھری دنیا میں ربیعہ صرف ایک رشتہ جانتی تھی۔ دادی کے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ دادی کے انتقال کے بعد پڑوسی اس کا خیال رکھتے تھے۔ خصوصاً" نفیسہ خالہ اس سے بہت محبت کرتی تھیں۔ انہوں نے ا اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن ربیعہ نے انکار کر دیا۔ دادی کے انتقال کے بعد ربیعہ تواتر سے ایک خواب دیکھتی ہے دادی کسی صحرا میں ہیں اور شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی طلب کرتی ہیں۔ ربیعہ کی آنکھ کھل جاتی تو سوچ کر پریشان ہو جاتی کہ دادی سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی بنا پر وہ پریشان ہیں۔

شفیقہ حیات اپنی بہو عذرا بیگم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کی بیٹی بیوہ ہو چکی ہیں۔ ان کی تین بیٹیاں ہیں۔ ایقان۔ شوہر عاشر باہر نوکری کرتے ہیں۔ ایقان کو عاشر کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

ایقان میکے آئی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بھانجیوں کے ساتھ بیٹھی تھی تب ہی وہاں اختر میاں آ گئے۔ اختر اس بھاوج فردوس بیگم کے بھائی تھے اور ایقان کو بہت چاہتے تھے لیکن آٹھویں پاس بے روزگار نوجوان کو لڑکی دیتا۔ ماہین ایقان کی بھتیجی ہے اور رائمہ اس کی بھانجی ہے۔ ایقان اپنے بھانجوں بھتیجوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی۔ اختر وہاں آ جاتے ہیں اور اس کو فضول اشعار سناتے ہیں۔

تیسری قسط

عاشر کی آواز سن کر نجانے کیوں اس کا جی بھر آیا تھا۔ چند لمحوں میں موٹے موٹے آنسو اس کے چہرے پر پھیلنے لگے۔ دوسری جانب سے وہ اسے پکار رہا تھا۔

"ایقان..... ایقان..... کہاں گم ہو گئی ہو یار!"

"عاشر!" اس کے گلے میں پھندے سے پڑنے لگے۔

"اُفوہ..... بولو تو سہی۔" وہ جھنجلا گیا۔

"تم آتے کیوں نہیں؟" وہ بھی جھلا کر بولی۔ "کب تک تمہاری آواز اور تمہارے بھیجے ہوئے نوٹوں سے تسلیاں دیتی رہوں۔ میرے اندر آگ سی بھڑکنے لگی ہے اب۔"

"اوہ۔" وہ ہنس دیا۔ "کتنا اچھا لگتا ہے یہ سب کچھ سننا۔"

"میں جل رہی ہوں' تمہیں مزہ آ رہا ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔

"ارے جانم! ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سخت سردی میں آتش دان کے قریب بیٹھا ہوں اور تمہارا غصہ اوہ..... ہو..... غضب ڈھاتا ہے۔ گویا ساتھ میں بلیک کافی بھی ہے۔ تلخ تر' پُر لطف ذائقہ۔" وہ خاموش ہو گئی۔ جانتی تھی جتنا اپنے غصے کا اظہار کرتی' اسے اتنا ہی مزہ آتا۔

"بولو' خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"نہیں بولتی بس۔"

"اچھا' میرے بچے کیا کر رہے ہیں؟"

"سو رہے ہیں۔"

"اور بیوی؟" وہ پھر خاموش ہو گئی۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی شرارت کے موڈ میں تھا۔ وہ اس کے غصے کو خاطر میں ہی نہیں لاتا تھا۔

"بہت خوش ہو' کیا بات ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"ارے واہ' بیوی ہو تو ایسی۔ دل کے سمندر میں بلا خوف و خطر ڈبکی لگا دیتی ہے' اندر کی بات ڈھونڈ لاتی ہے۔ میں واقعی بہت خوش ہوں۔"

"کیوں' کسی جاپانی لڑکی نے رشتہ بھیجا ہے؟" وہ طنزیہ بولی۔

"ہاہاہا....." وہ ہنس دیا۔ "اجی ہم "غزالی مے" کے رسیا ہیں' جام پر جام چڑھانے کے قائل۔ چھوٹے چھوٹے "گھونٹوں" سے ہمارا کام نہیں بنتا۔" ایقان اس کی بات سمجھ کر بے ساختہ ہنس دی تھی۔

"بس آ گئی مسکان لبوں پر۔" وہ اسے چھیڑنے لگا۔ "یار! یہ تم خواتین بھی کیا چیز ہوتی ہو۔ ذرا سی تعریف کیلئے چھلکا ثابت ہوتی ہے۔ لمحہ بھر میں پھسل کر چاروں شانے چت۔"

"جی نہیں' ایسی بھی بات نہیں۔ روٹھنے پر آ جائیں تو جان لے کر بھی نہ مانیں۔" وہ بے نیازی سے گویا ہوئی۔

"ارے باپ رے..... تم تو جاپانی عورتوں سے زیادہ ظالم ہو بھئی۔ یہ تو یونہی مشہور ہیں۔"

"اچھا۔" وہ تعجب سے بولی۔ "کیوں مشہور ہیں' کیا ظلم کرتی ہیں؟"

"خود رشتہ ہی نہیں بھیجتیں۔ "معمائی کیکون" کا انتظار کرتی ہیں۔" وہ مزے سے بولا۔

"ہائیں' یہ "معمائی کیکون" کیا بلا ہے؟"

"ارینجڈ میرج۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"اچھا..... تو چلئے ارینجڈ ہی سہی۔ آپ پہل کیجئے نا' کیا خبر کہیں سے مثبت جواب آ جائے۔" وہ جل ہی گئی۔

"نہیں یار! تمہیں تو پتا ہے' ما بدولت لو میرج کے قائل ہیں۔ پتا ہے ناں؟" اسے پھر ہنسی آ گئی تھی۔

"عاشر..... قسم سے' بہت فضول باتیں کرتے ہو تم' اتنا بل تم ان فضول باتوں کے لیے ہی بھرتے ہو۔"

"اچھا..... چلو پھر کام کی بات کرتے ہیں' آج کیا تاریخ ہے؟"

"آج....." اس نے لمحہ بھر کو سوچا۔ "بارہ۔"

"ہوں..... بارہ..... اور چار دن بعد کیا تاریخ ہو گی؟"

"سولہ۔" وہ الجھ گئی۔

"سولہ نہیں جانِ من سترہ' تمہارا دماغ تو میری جدائی میں بہت کمزور ہو گیا ہے۔ میں سترہ کو پہنچ کر ٹھیک کرتا ہوں۔" وہ شوخی سے بولا تھا۔ ایقان کا اوپر کا سانس اوپر' نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ کچھ دیر کے لیے اس سے کچھ بولا ہی نہ جا سکا۔

"ارے..... یہ سانپ کیوں سونگھ گیا؟"

"عاشر..... عاشر..... سچ کہہ رہے ہو' تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو۔"

"تمہاری قسم۔"

"میں..... میں..... اف عاشر..... میں کتنی خوشی محسوس کر رہی ہوں' کیسے کہوں۔"

"تم نہ بھی کہو تو کیا ہے۔" وہ سنجیدہ سا ہو گیا۔ "تمہاری سانسیں کہہ رہی ہیں' تمہاری آنکھیں کہیں گی اور میں ان آنکھوں سے چھلکتی ساری خوشی اپنے اندر اتار لوں گا۔ میرے فون کا انتظار کرنا' میں تمہیں فلائٹ کنفرم ہونے پر ٹائم بتاؤں گا' ٹھیک۔"

"ہوں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

"اچھا پھر ملتے ہیں چار دن بعد۔" وہ پھر شوخ ہوا تھا۔ "خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" اس کے لب آہستہ سے ہلے تھے۔

دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

ایقان ریسیور ہاتھ میں لیے کھڑی رہی۔ وہ جیسے کسی خواب کے عالم میں تھی' خوش کن' سرور سے بھرا خواب۔ وہ ہمت کر کے اپنے خواب کو ختم کرنے کا خطرہ مول لینا نہ چاہتی تھی' وہ یونہی بت بن کر اس طلسم میں بے حس و حرکت کھڑی مسکراتی رہی۔ یہاں تک کہ ایمان کے رونے کی آواز آنے لگی۔ ایقان نے چونک کر ریسیور رکھا اور چھلانگیں مارتی ہوئی بھاگی۔ ایمان کو بازوؤں میں بھر کر اس نے چٹاچٹ اس کے کئی بوسے لے ڈالے۔

"میری گڑیا کے پاپا آئیں گے' میری شہزادی کے پاپا آئیں گے' میری لاڈلی اپنے پاپا کو دیکھے گی' ان سے باتیں کرے گی' ان سے لاڈ کرے گی..... میری گڑیا کے پاپا....."

❊ ❊ ❊

الماری بند کر کے وہ کسی سوچ میں گھری تادیر کھڑی رہی۔ دادی کے بٹوے میں کل دو سو روپے باقی تھے۔ اسے علم نہ تھا کہ اس رقم کے علاوہ بھی دادی اپنے پیسے کہیں اور چھوڑ کر گئی تھیں یا نہیں۔ دادی کی چیزیں اب تک اپنی جگہ پر اسی حالت میں پڑی تھیں جیسا کہ وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھیں۔

ربیعہ نے اب تک ان کی کسی شے کو نہ چھوا تھا۔ ان کا لکڑی کا چھوٹا صندوق جو کمرے کے ایک کونے میں پڑا تھا' دادی کا ضروری سامان اس میں رکھا ہوا تھا۔

صندوق میں پڑے تالے کی چابی دادی اپنے ازار بند میں باندھ کر رکھا کرتی تھیں۔ وہ ربیعہ نے ان کی تکفین کے موقع پر نجانے کہاں رکھی تھی۔ اسے اب یاد نہ آتا تھا۔ الماری میں بھی دادی کا

کچھ سامان تھا۔ ان کے چند ایک جوڑے، ان کی کچھ دینی کتابیں، ان کا چشمہ، کنگھا، دنداسہ وغیرہ۔ الماری میں ان کا بٹوہ بھی تھا جس میں دادی روزمرہ استعمال کی رقم رکھا کرتی تھیں۔ اب اس بٹوے میں محض دو سو روپے باقی تھے۔

ربیعہ، دادی کی وفات کے بعد سے اسی بٹوے سے رقم نکال کر گھر کا خرچ چلا رہی تھی لیکن آج بجلی کا بل آیا تھا، بٹوے میں پڑے پیسوں سے بل بھرنا ممکن نہ تھا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے اپنا دوپٹہ پھیلا کر اوڑھا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے صحن میں چلی آئی۔ باہر گلی میں آ کر اس نے دروازے میں کنڈا ڈال دیا اور آہستہ روی سے چلتی سمیعہ، ثوبیہ کے گھر تک چلی آئی۔ دستک کے جواب میں ثوبیہ دروازے تک آئی تھی۔

"ارے ربیعہ باجی آپ! آئیں نا اندر۔"

"حاکم چچا ہیں گھر پر؟" ربیعہ نے سوال کیا۔

"ہاں ہاں، ابا گھر پر ہی ہیں۔ آئیں نا اندر۔"

ربیعہ اس کی معیت میں حاکم چاچا کے کمرے تک چلی آئی۔

"السلام علیکم چچا۔" اس نے دھیرے سے انہیں مخاطب کیا۔

"ارے!" وہ کھل اٹھے۔ "ربیعہ آئی ہے، آؤ بھئی آؤ۔ بہت مبارک گھڑی ہے بھئی، ہماری ربیعہ نے کتنے بعد گھر سے قدم نکالا ہے۔ ہمارے آنگن کی قسمت جاگ اٹھی۔ ثوبیہ! ربیعہ کے لیے دودھ میں شربت ڈال لاؤ۔"

"رہنے دیں چچا بس... میں جاؤں گی... ذرا کام سے آئی تھی۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔

"کام بھی ہوتے رہیں گے، کاموں کے لیے عمر پڑی ہے۔ تم اب تک یہیں کھڑی ہو؟" انہوں نے ثوبیہ کو گھورا۔ وہ فٹافٹ باورچی خانے کی سمت چل دی۔

"بیٹھو ربیعہ! ادھر بیٹھو۔" انہوں نے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھی۔

"چچا جان... وہ... کچھ کام تھا۔"

"ارے بھئی، اب کہہ بھی دو۔ یہ ہم سے کیا تکلف برت رہی ہو۔ اس کا مطلب ہے تم ہمیں اپنا ہی نہیں سمجھتیں۔"

"یہ بات نہیں ہے چچا جان!" وہ گھبرا کر بولی۔ "آپ کو اپنا نہ سمجھوں تو دنیا میں اور کون ہے میرا۔"

"اچھا تو پھر کہو کیا بات ہے؟"

"آپ کو پتا ہی ہے، پچھلی گلی کے سرے پر جو دو دکانیں ہیں، وہ ہماری ملکیت ہیں۔ ہر ماہ دادی یا تو خود جا کر کرایہ لے آتی تھیں یا پھر وہ لوگ خود ہی دے جاتے تھے۔"

"ہاں ہاں، یہ کون سی راز کی بات ہے۔ سارا محلہ جانتا ہے۔"

"میں چاہ رہی تھی چچا جان! کہ آپ وہاں جا کر دکانوں کا کرایہ لا دیا کریں۔ ڈیڑھ ماہ سے کرایہ نہیں آیا ہے۔ کل بجلی کا بل بھی آ گیا ہے۔ میرے پاس اسے جمع کروانے کے لیے پیسے نہیں ہیں۔"

وہ چند لمحے اس کی صورت دیکھتے رہے پھر مسکرا دیے۔

"لو بھئی، اب تم بل جمع کرانے کی فکر بھی کیا کرو گی۔ واہ بھئی۔" وہ ہنسنے لگے۔ "خیر، بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ کرایہ بھی لا دوں گا اور بل بھی جمع کروا دوں گا۔ میں تمہارے گھر کو اپنے گھر سے جدا نہیں سمجھتا۔ یوں سمجھو اپنا ہی گھر ہے۔"

"شکریہ چچا جان!"

ثوبیہ ٹھنڈے دودھ میں شربت گھول کر لے آئی تھی۔ ربیعہ اس سے سمیعہ کے متعلق استفسار کرنے لگی۔

"باجی حنا کے گھر گئی ہیں۔ ان کے ہاں درس ہوتا ہے ہر جمعرات کو۔"

ربیعہ نے چونک کر ثوبیہ کو دیکھا پھر سر جھکا کر گلاس خالی کرنے لگی۔ حنا کے گھر جانے کا مطلب وہ بخوبی جانتی تھی۔

❊ ❊ ❊

چابی اسے الماری کے سب سے اوپری خانے میں بچھے اخبار کے ٹکڑے کے نیچے سے مل گئی تھی۔ اسے یاد نہ آتا تھا کہ اس نے کس وقت وہ چابی وہاں رکھی تھی۔ اس وقت تو وہ اپنے ہوش و حواس میں ہی نہ تھی۔ بھلا یہ سب باتیں اسے کیسے یاد رہتیں۔ صندوق کھولتے ہوئے اس کے جذبات و احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔ دادی جان کی زندگی میں اس نے کبھی اس صندوق میں جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی کسی قسم کا تجسس اس کے اندر جاگا تھا۔

دادی کی تربیت نے عجب بھول پن اور معصومیت اس کے اندر سمو دی تھی۔ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی سیدھی سادی سی لڑکی تھی۔ بے وجہ کے تجسس اور تفکرات اسے نہ گھیرتے تھے۔

پھر دادی نے بھی اس کے سامنے اس صندوق کو کھولا بھی نہ تھا۔ وہ اگر کبھی اسے کسی مقصد کے تحت کھولتی بھی تھیں تو ربیعہ کی غیر موجودگی میں۔

صندوق کا بھاری ڈھکن اٹھا کر اس نے دیوار سے ٹکا دیا اور اندر جھانکنے لگی۔ پہلی نگاہ میں اسے سب چیزیں پرانی اور بے مقصد نظر آئیں۔

ایک کونے میں سفید ململ کے کپڑے کی پوٹلی تھی۔ دوسرے کونے میں کچھ کاغذات تھے۔ تانبے اور پیتل کے چھوٹے چھوٹے برتن اور استعمال کی دیگر اشیاء تھیں، ایک پرانی البم تھی۔

ربیعہ نے سب سے پہلے البم نکالی۔ یہ واحد شے تھی جس نے اس کی توجہ فوری طور پر اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔

البم کھول کر وہ تصویریں دیکھنے لگی۔ بلیک اینڈ وائٹ تصویریں تھیں، سب کی سب بے حد پرانی۔ کسی کسی تصویر میں اسے محض دادی کی پہچان ہو سکی تھی۔ باقی لوگ کون تھے، وہ نہ جانتی تھی۔

بڑی حیرانی سے وہ تصویریں دیکھتی رہی۔ ایک تصویر پر اس کے ہاتھ رک گئے اور نگاہیں ٹھہر گئیں۔ وہ نو عمر لڑکی ربیعہ سے مشابہہ تھی۔ سر پر بھاری کام کا دوپٹہ اوڑھے، ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ لیے وہ نظریں جھکائے ہوئے تھی۔ گلے میں کندن کے کام کا بھاری گلوبند تھا۔

نظریں چونکہ نیچی تھیں، اس لیے تصویر کا تاثر مبہم تھا، بہت واضح نہ تھا۔

اس چہرے میں کشش تھی، بے پناہ کشش۔ ربیعہ اپنی نگاہیں نہ ہٹا سکی۔ دیر تک وہ تصویر کو دیکھتی رہی پھر اپنی انگلی سے اس نے تصویر کو چھوا۔ اس کے رخسار، اس کی پلکیں، اس کی پیشانی، اس کے ہونٹ، وہ انگلیوں سے اس تصویر کا ہر ہر نقش محسوس کرتی رہی۔

اچانک اسے کچھ احساس ہوا۔ اس نے اپنا چہرہ چھو کر دیکھا۔ اس کا وہم درست تھا، اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، وہ رو رہی تھی، وہ بے خبری میں رو رہی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر کیوں رو رہی تھی، اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

البم بند کر کے اس نے واپس صندوق میں رکھ دی پھر اس نے کاغذات نکالے۔ ان میں مختلف چیزیں تھیں بینک کے کچھ کاغذات تھے' کچھ پرانے خطوط تھے۔ ایک فائل تھی' نجانے کس چیز کی۔ ربیعہ کو کاغذات سے دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔ وہ تو بڑی فراغت کے ساتھ' توجہ کے ساتھ دیکھے جانے والی چیزیں تھیں۔ اس نے کاغذات بھی واپس رکھ دیے۔

وہ پیتل کے برتن اٹھا اٹھا کر دیکھتی رہی۔ سرمہ دانی' دودھ پینے کا پیالہ' ہاون دستہ' لوٹا' چراغ' چند ایک گلاس اور پلیٹیں۔ نجانے دادی نے یہ برتن کیوں رکھے ہوئے تھے۔

وہ کچھ دیر بیٹھی خالی الذہنی کے عالم میں صندوق کے اندر دیکھتی رہی پھر اس نے ململ کی پوٹلی اٹھا کر باہر نکالی اس کے اندر کسی بھاری سی چیز کا احساس ہوا تھا۔

ربیعہ نے پوٹلی کھولی' اندر ایک چھوٹا سا ڈبہ اور ایک سرخ جوڑا رکھا تھا۔ اسے قدرے حیرانی ہوئی۔ وہ سرخ جوڑا' کام سے مزین تھا جواب تک کالا نہ پڑا تھا۔ اس کی چمک ضرور مدھم پڑ گئی تھی پھر ربیعہ نے وہ ڈبا کھولا' اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس ڈبے میں طلائی زیورات تھے۔

ربیعہ نے کندن کے کام کا بھاری گلوبند اور جھمکے استعجاب سے دیکھے۔ کنگنوں کو ہاتھ میں لے کر ان کے بھار پن اور مالیت کا اندازہ کرنے کی کوشش کرتی رہی پھر بڑے اشتیاق سے اس نے وہ کنگن پہن لیے' گلوبند گلے میں ڈال کر کسا' جھمکے کانوں میں پہنے۔ اس کے بعد اس نے سرخ دوپٹہ کھولا اور سر پر ڈال کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

اچانک اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ ابھی ابھی اس نے یہی روپ دیکھا تھا' بالکل یہی۔ اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

کچھ دیر قبل وہ جس تصویر کو دیکھ کر بے اختیاری کے عالم میں رو رہی تھی' وہ بالکل ایسی ہی تو تھی جیسی ربیعہ آئینے میں نظر آ رہی تھی' بالکل ایسی ہی۔

ربیعہ تادیر اپنا عکس دیکھتی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ سب چیزیں اس کی اپنی تھیں' بالکل اپنی۔ وہ چیزیں ربیعہ کے کسی بہت "اپنے" کی تھیں۔ آنسو ایک مرتبہ پھر بڑی روانی سے اس کے چہرے پر پھسلنے لگے۔ وہ چیزوں کو چھو چھو کر محسوس کرتی رہی اور روتی رہی۔

"ماں!" یکایک اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"ماں!" پھر اس نے چیخ ماری تھی۔

"ماں.....ماں.....ماں....." وہ دھاڑیں مار مار کر رو دی۔

زندگی میں پہلی بار' پہلی بار اسے "ماں" کے وجود کا احساس ہوا تھا۔ اسے اپنی ماں یاد آئی تھی۔ دادی کی شفقت کا دبیز بادل غائب ہوا تھا تو ماں کی محبت کا چمکتا ماہتاب طلوع ہو گیا تھا۔

آج اسے دادی کی نہیں' اپنی ماں کی یاد آئی تھی۔ آج پہلی مرتبہ وہ اپنی دادی کے لیے نہیں' اپنی ماں کے لیے رو رہی تھی۔

ماں..... جسے اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

ماں..... جسے اس نے کبھی محسوس نہ کیا تھا۔

ماں..... جس کی اسے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔

جس ذائقہ کو چکھا نہ ہو' جس خوشبو کو محسوس ہی نہ کیا ہو' جس شے کو کبھی دیکھا ہی نہ ہو بھلا اس کی طلب کب ہوتی ہے۔

پر اسے اپنی ماں کی طلب ہو رہی تھی۔ اس کا دل ماں کے بازوؤں میں مچلنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔

وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر پر سکون کی نیند سونا چاہتی تھی۔

ماں..... جو اسے جنم دیتے ہی ہمیشہ کی نیند سو گئی تھی۔

❊ ❊ ❊

"میں کل تمہارے گھر آئی تھی۔" رات کو اس نے سمیعہ کو بتایا۔ "تو یہ بتا رہی تھی' تم حنا کے گھر گئی ہو۔"

سمیعہ کے لب مسکرانے لگے۔

"پھر تم کیا سمجھیں؟"

"میں..... میں سمجھ گئی تھی کہ تم "اس" کے ساتھ کہیں گئی ہوگی۔ کہاں گئی تھیں؟"

"یونہی' ذرا سا چکر لگا کر آ گئے تھے۔ اس نے مجھے چنے کی چاٹ کھلائی اور بوتل پلائی۔ بُندے بھی خرید کر دیے۔ تم آؤ گی تو دکھاؤں گی تمہیں۔"

"تمہیں ڈر نہیں لگتا سمیعہ!" ربیعہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ سمیعہ نے اسے اس طرح دیکھا جیسے وہ احمق اعظم ہو۔

"ڈر؟" پھر وہ ہنس دی تھی۔ "ڈر کا ہے کا' کس سے ڈروں۔ مجھے تو صرف اس کی جدائی کے خیال سے ڈر لگتا ہے۔"

"تمہیں حاکم چاچا سے ڈر نہیں لگتا۔ اگر ان کو پتا چل جائے یا اگر نفیسہ خالہ کو پتہ چل جائے؟"

"تو کیا ہوگا۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ سب کو پتا چل جائے۔ سب مل کر ہمارا نکاح پڑھوا دیں گے۔" وہ بے فکری سے ٹانگیں ہلاتے ہوئے بولی۔

ربیعہ بے ہوش ہونے کے قریب ہو گئی۔ منہ کھولے ہونقوں کی مانند وہ اس کی بے فکری اور بے نیازی کو دیکھتی رہی۔

"تمہیں..... تمہیں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا سمیعہ! تمہارے ابا کو پتہ چل جائے کہ تم بدر سے ملتی ہو' اس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔ تمہارے ابا کیا سوچیں گے سمیعہ! ساری زندگی وہ جب بھی تمہارا چہرہ دیکھیں گے' انہیں یہی بات یاد آئے گی۔"

"اُفوہ۔" سمیعہ اس کی تنقید سے برا سا منہ کر بولی۔ "کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی بھی اور ابا کون سا حج' عمرے کیے بیٹھے ہیں۔ ساری عمر میری اماں جلتی کڑھتی رہی' اسے روگ لگا دیے' مر گئی بے چاری۔ میں نے تو سچے دل سے محبت ہی کی ہے' کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ جس کے ساتھ گھومتی پھرتی ہوں' اسی کے ساتھ شادی کروں گی' اسی کے گھر میری ڈولی جائے گی' اسی کی سیج سجاؤں گی۔"

ربیعہ کے گال تپ گئے' نگاہیں جھک گئیں۔

"چائے بناؤں تمہارے لیے؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"ایک تو ربیعہ..... تم بھی نا۔" سمیعہ نے اس کی حالت دیکھ کر' اس کی کم عقلی پر تاسف سے سر ہلایا۔

"پتا ہے تمہیں' ابا کیا کہہ رہے تھے؟"

"کیا؟"

"وہ تمہاری شادی کروانا چاہتے ہیں۔ کہہ رہے تھے' اکیلی لڑکی یوں بھلا کب تک خالی گھر میں رہ سکتی ہے' اسے کسی مرد کے سہارے کی ضرورت ہے۔ مجھے تو لگتا ہے' ان کی نظر میں کوئی رشتہ ہے' تب ہی وہ اتنے وثوق سے کہہ

رہے تھے کہ ایک ماہ کے اندر اندر تمہاری شادی ہو جائے گی۔"
ربیعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔
"لیکن کیوں؟" وہ ہراساں ہو کر بولی تھی۔
"میں ایسے ہی خوش ہوں سمیعہ! مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ مجھے اکیلے ڈر نہیں لگتا۔ سچ۔۔۔" سمیعہ نے سر ہلایا۔ "ربیعہ بی بی! یہ تو دنیا کا دستور ہے۔ کوئی ایسی خوفناک بات بھی نہیں کی کہ تم خوف کے مارے جان دے دو اور پھر اگر تمہیں اکیلے گھر میں ڈر نہیں لگتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ساری عمر تم یونہی گزار دو۔ شادی کر کے مزے سے رہو، بچے پیدا کرو۔" ربیعہ خاموش بیٹھی اس کی گفتگو سنتی رہی۔
"دیکھو نا! ابھی تمہاری ذمہ داری سارے محلے پر عائد ہے' اخلاقی ہی سہی۔ تمہاری شادی کسی بھلے مانس سے ہو جائے تو سب لوگ اطمینان کا سانس لیں گے۔ سب ہی کو یہ بوجھ ہلکا محسوس ہوگا۔" اس نے بغور ربیعہ کے تاثرات کا مشاہدہ کیا۔
"آخر تم اکیلی رہ کر کیا کرو گی' تمہارے پاس کرنے کو ہے کیا؟" وہ اکتا کر بولی تھی۔
ربیعہ افسردہ سی ہو گئی۔
"میں تو پڑھنا چاہتی ہوں سمیعہ! ابھی تو عمر پڑی ہے شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کے لیے۔ میرے ذہن میں یہ سب کچھ نہیں ہے' میں نے کبھی اس طرح سے نہیں سوچا' اس لیے میرا دماغ ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ مجھے اپنا ذہن بنانے میں کچھ وقت لگے گا۔ تب تک میں سکون سے اپنی پڑھائی مکمل کرنا چاہتی ہوں۔"
"اونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "تمہارے سر میں خشکی نہیں ہوتی موٹی موٹی کتابیں پڑھ کر؟ تمہاری دادی نے تو تمہیں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق بنا دیا ہے۔ نہ تمہیں کبھی کوئی ڈھنگ کا کپڑا پہنے دیکھا' نہ کبھی کوئی بناؤ سنگھار کا شوق ہی دیکھا۔ ہمیشہ یہی سادی سی چٹیا باندھے' کوئی ہلکے سے رنگ کا سوٹ پہنے رہتی ہو۔ اسکول پڑھ لیا' کالج پڑھ لیا۔ اب اور کیا رہ گیا ہے پڑھنے کے لیے؟"
ربیعہ مسکرا دی۔ سمیعہ ہمیشہ اسی طرح اسے لتاڑا کرتی تھی۔ وہ دونوں بچپن کی سنگی ساتھی تھیں' اس لیے اس نے کبھی سمیعہ کی باتوں کا برا نہ مانا تھا پھر وہ اس کی ذہنی سطح سے بھی آگاہ تھی۔ اسے پڑھائی لکھائی سے مطلق دلچسپی نہ تھی۔ ایسے مواقع پر وہ چولہے چوکے کی مثال دیا کرتی تھی۔ جتنا کچھ بھی وہ پڑھ سکی تھی' ڈانٹ ڈپٹ اور سختی سے پڑھ گئی تھی' ورنہ اسے خود محض خط لکھ لینے کا شوق تھا۔ اس سے آگے اس کی سوچ کے پر جلتے تھے۔
ربیعہ اس کی ذہنی دلچسپی اور میلان سے واقف تھی' سو سمیعہ کی ایسی باتوں کو مسکرا کر نظرانداز کر دیا کرتی تھی۔
"ابا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں شادی کے متعلق تمہاری رائے معلوم کروں۔" اب کے اس نے صاف گوئی سے کہا۔ "بلکہ وہ چاہ رہے تھے کہ تم بس ہاں کر دو۔ اب تم بتا دو کہ میں انہیں کیا جواب دوں۔" ربیعہ پریشان ہو گئی۔
"سمیعہ! تم انہیں منع کر دو' میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ چند ماہ بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوں گے تو میں وہاں داخلہ لے لوں گی۔"
"پھر تم ہمارے ساتھ رہنا شروع کر دو' اپنا گھر بند کر دو یا کرائے پر چڑھا دو۔ یوں اکیلی تو تم نہیں رہ سکتیں۔"
ربیعہ بے چارگی کے عالم میں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی تھی۔

❁ ❁ ❁

"دیکھیں نا خالہ جانی! آپ ہار کر ہمیشہ یہی کرتی ہیں۔" وہ اسے منہ بسور کر دیکھنے لگا۔

انیقہ نے محبت سے اس کا گلابی' نرم چہرہ دیکھا اور شرارت سے اس کے بال بگاڑ دیے۔
"میں نہیں بات کرتا آپ سے۔" وہ روٹھ چکا تھا۔ "اب میں جیتنے ہی والا تھا' آپ نے سب گوٹیں بکھرا دیں۔"
"جانو! میرا ہاتھ غلطی سے لگ گیا نا۔ میں نے جان بوجھ کر تو نہیں گوٹیں بکھیری ہیں۔" اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "اور آپ کو ہمیشہ یہ غلط فہمی کیوں رہتی ہے کہ آپ جیتنے والے تھے۔ کیا پتا آخر میں' میں ہی جیت جاتی۔"
منیزہ بیگم نے مسکراتے ہوئے خالہ بھانجے کی باتیں سنیں۔
"کیوں تنگ کرتی ہو انیقہ میرے بچے کو۔" انہوں نے عمر کو بانہوں میں بھر لیا۔
"دیکھیں نا نانو! ہمیشہ میرے ساتھ بے ایمانی کرتی ہیں۔" اس نے جھٹ شکایت لگائی۔
"امی! اب تک اپنا مغز کھپاؤں' اس کو تو صرف چھکا پھینکنا آتا ہے۔ باقی اس کی گوٹیں بھی میں چلاؤں اور اپنی بھی۔۔۔ اور آخر میں جیتیں بھی لازماً' یہ حضرت اور ایک مرتبہ جیت کر تو موصوف کا جی ہی نہیں بھرتا۔ آٹھ' دس بازیاں ہی کھیلی جائیں۔" اس نے اکتا کر پیر پھیلائے۔ منیزہ بیگم ہنس دیں۔
"تم میرے ساتھ کھیلا کرو۔ میرا بچہ جتنی مرتبہ کہے گا' میں اتنی ہی مرتبہ کھیلوں گی۔"
"نہیں نانو! آپ کے ساتھ صرف سونے میں مزہ آتا ہے' کھیلنے میں تو عباد ماموں اور انیقہ خالہ جانی کے ساتھ مزہ آتا ہے۔" اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ منیزہ بیگم مسکرا دیں۔ انیقہ ہنسنے لگی۔
"وہ کیوں بھئی؟" اس نے ہنستے ہنستے پوچھا۔
"نانو کو ہرا کر کوئی اچھا لگتا ہے' مما کو ہرا کر بھی اچھا نہیں لگتا۔ صرف آپ کو اور ماموں کو ہرا کر مزہ آتا ہے۔" انیقہ کی ہنسی رک گئی۔ وہ ہونٹ بھینچ کر مصنوعی غصے سے اسے دیکھنے لگی۔ منیزہ بیگم نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔
"نانو! مما اب آئیں گی؟" وہ پوچھنے لگا۔
"بس بیٹا! آنے والی ہیں تمہاری مما! پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے۔"
"مما کو اپنا ہاسپٹل اچھا لگتا ہے' گھر اچھا نہیں لگتا۔ انہیں اپنے مریض اچھے لگتے ہیں' ہم اچھے نہیں لگتے۔"
"ایسی بات نہیں ہے جانو! آپ کی مما ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر کا تو کام ہی بیماروں کی خدمت کرنا ہے۔ تم یہ بھی تو سوچو' جب تمہاری مما کسی بیمار کو ٹھیک کرتی ہوں گی تو وہ کتنی دعائیں دیتا ہوگا' اس کے گھر والے کتنا خوش ہوتے ہوں گے۔ ہے نا۔"
انیقہ نے اسے خود سے قریب کر کے سمجھایا۔
"خالہ جانی! آپ بھی ڈاکٹر بن جائیں گی پھر آپ بھی ہاسپٹل میں رہا کریں گی۔" اس نے منہ بسورا۔ "عباد ماموں تو ویسے بھی کبھی کبھی آتے ہیں۔ جب ان کے کالج کی چھٹیاں ہوتی ہیں' ورنہ تو وہ لاہور میں ہی رہتے ہیں۔ میں کیا اکیلا ہی رہا کروں گا؟"
"کیوں بیٹا! میں جو ہوتی ہوں آپ کے ساتھ۔" منیزہ بیگم بولیں۔
"آپ کے ساتھ میں بور ہوتا ہوں نانو!" انیقہ پھر زور زور سے ہنسنے لگی تھی۔ اندر آتی ہوئی شہلا نے دلچسپی سے کمرے کا ماحول دیکھا۔
"کون سے لطیفے سنا رہے ہو اپنی خالہ کو۔" اس نے بیگ کارنر ٹیبل پر رکھا اور ماں کے قریب بیٹھ گئی۔
"آپ کا بقراط اپنی علمیت کا بھرپور مظاہرہ کر رہا ہے۔" انیقہ ہنس رہی تھی۔ "اور صاف گوئی اپنے عروج پر ہے۔ نانو کی بھرپور محبت کے جواب میں بے پناہ صاف گوئی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔"

شہلا نے عمر کا بازو پکڑ کر خود سے قریب کر لیا اور اس کی پیشانی چومی۔
"کیسا ہے میرا بیٹا!"
"ٹھیک ہوں۔ اگر بیمار ہو جاؤں تو اچھا ہو۔" وہ بگڑا بگڑا سا بولا۔
"خدا نہ کرے۔" شہلا دہل کر بولی۔ "ایسی خراب بات کیوں کی تم نے؟"
"پھر آپ گھر پر تو رکیں گی نا میرے پاس۔ ڈاکٹر تو بیمار کے پاس ہی ہوتا ہے۔" شہلا نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔
"ایک بات بتاؤں بیٹا آپ کو میں!"
"بتائیں۔"
"ایک ڈاکٹر کے گھر والوں کو بہت ایثار کرنا پڑتا ہے دوسرے لوگوں کی خاطر۔ اپنے حصے کا وقت بھی دوسرے لوگوں کو دینا پڑتا ہے، جب یہ گاڑی چلتی ہے' ورنہ ایک بے چارہ ڈاکٹر کہاں کہاں 'کس کس کو پورا پڑے۔"
وہ ٹکر ٹکر ماں کی صورت دیکھتا رہا۔
"آپ کے حصے کا ٹائم اگر میں کسی اور کو دیتی ہوں تو اس کا دکھ مجھے بھی ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے لیے یہ وقت کتنا قیمتی ثابت ہوتا ہے' آپ کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے اور پھر میں آپ کو اکیلا تو نہیں چھوڑتی نا۔ آپ کی نانو ہوتی ہیں' خالہ جانی ہوتی ہیں۔ کبھی کبھار عباد ماموں بھی آجاتے ہیں۔"
"میرے پپا تو نہیں ہوتے نا۔ سب بچوں کے گھر میں پپا ہوتے ہیں' ہمارے گھر میں تو پپا بھی نہیں ہیں۔ مما بھی چلی جاتی ہیں۔" شہلا کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے آہستگی سے عمر کو خود سے علیحدہ کیا تھا۔
"میں چینج کر کے آتی ہوں پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے۔"
منیزہ بیگم گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ انیقہ نے عمر کے سر پر چپت لگا کر اس کی ناک ہلا دی تھی۔

❋ ❋ ❋

خالی پڑا ہے پیٹ' غذا کیوں نہیں دیتے
جو دال پکائی ہے' کھلا کیوں نہیں دیتے
اس آنت سے اس آنت تک ہیں دوڑ لگاتے
چوہوں کو مارنے کی دوا کیوں نہیں دیتے

وہ اسٹیل کی پلیٹ ڈائننگ ٹیبل پر اوندھی کیے' بجا بجا کر گا رہا تھا۔
فردوس بیگم جھلا کر کچن سے برآمد ہوئیں۔ "علی! سدھر جاؤ تم۔"
"کدھر جاؤں خالی پیٹ۔" وہ مسخرے پن سے بولا۔
"کمبخت رہی ہوں' پک رہا ہے کھانا۔"
"تب تک سنتی رہیے میرا گانا۔"
"یا اللہ۔" انہوں نے ماتھا پیٹنا چاہا تو ہاتھ میں تھامی کفگیر ماتھے پر لگی۔ علی کی ہنسی نکل گئی۔
"میں کھینچ کر ماروں گی یہی کفگیر۔" انہیں طیش آگیا۔
"کہیں اور جاتا ہے یہ فقیر۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور شرٹ کھینچ کر جینز کے اندر کرنے لگا۔ "جو دے اس کا بھی بھلا' جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔ فقیر سائیں جاتے ہیں۔"
"جانے گا اب چچی یا پھپھی کی دہلیز چھونے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن میں گھس گئی تھیں۔

"باجی! ایک کپ چائے بنا دو۔"
بھاری' گمبھیر آواز پر وہ مڑی تھیں۔ اختر میاں کچن کے دروازے کی چوکھٹ تھامے کھڑے تھے۔ ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
"بیٹھو باہر۔" قدرے توقف سے وہ بولی تھیں۔ "میں آتی ہوں لے کر۔"
وہ منہ ہی منہ میں گنگناتے ہوئے کچن کے باہر بڑی چھوٹی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئے۔
کچھ دیر بعد فردوس بیگم چائے کا مگ لے کر باہر آئی تھیں۔
"جیتی رہو باجی! شاد رہو' آباد رہو۔" انہوں نے بڑی ترنگ میں مگ تھاما۔
"اختر! تم اپنی حرکتوں سے کب باز آؤ گے؟" وہ غصہ ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔
"ہم تو مستقل بے حس و حرکت خیال کرتے ہیں خود کو باجی! ایک جمود ہے زندگی پر طاری' جو ٹوٹتا ہی نہیں۔ آپ کون سی حرکت کی بات کر رہی ہیں؟" ان پر فردوس بیگم کے غصے کا مطلق اثر نہ ہوا تھا۔ بہت اطمینان سے چائے کے گھونٹ بھرتے رہے۔
"کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے ہی رہا کرو۔" وہ جیسے پھٹ پڑیں۔ "یہ بھی خیال نہیں کہ یہ ہمارے باوا کا محل نہیں' بہن کا سسرال ہے۔ میں کوئی حاکم وقت نہیں ہوں یہاں جو ہر وقت تمہاری شکایتوں پر کان لپیٹ کر بے نیازی کی چادر اوڑھے رکھوں۔ جانتے ہو' فاروق نے مجھے کس قدر ذلیل کیا ہے۔ ان کی اماں نے سندیسہ کہلوایا تھا کہ اختر کو کسی کھونٹے سے باندھو اور نہیں بندھتا تو نکال کر باہر کرو گھر سے۔ یہاں ہماری بہن' بیٹیاں ہیں۔ ہم ایسے سرپھرے' بے شرم' کنگلے' لفنگوں کو کب تک پالیں۔"
"ہم نے کیا کیا ہے باجی!" وہ جیسے زچ ہوئے۔ "ہمارا قصور تو بتلایئے؟"
"اس روز تم بچیوں کی محفل میں جا گھسے اور اس "حسن کی دیوی" کو دیکھ دیکھ کر عجب قسم کے اشعار پڑھے تم نے۔ ذرا شرم نہ آئی تمہیں۔ اس نے جا کر ماں سے شکایت کی اور ماں نے فاروق حسن کو بلوا بھیجا۔ کیسا تماشا بنایا تم نے سارے گھر میں۔"
"آہ... حسن کی دیوی' سچ... سچ کہا باجی! دیوی ہی تو لگتی ہے۔ اور... اور اب تو جیسے شراب پرانی ہو کر دو آتشہ ہو جائے' ہائے۔"
"ہائیں۔" وہ منہ کھول کر کتنی ہی دیر انہیں تکتی رہیں۔ "یہ ہے میری سرزنش کا جواب۔ اختر میاں! تم خود تو ڈوبو گے' مجھے بھی لے ڈوبو گے۔ ارے میں کہتی ہوں' اب وہ بیاہتا' دو بچوں کی ماں ہے۔ اب تو اس کا پیچھا چھوڑ دو۔"
"ہم اس کا پیچھا کب کرتے ہیں باجی!" وہ افسردگی سے گویا ہوئے۔ "وہ ظالم سراب کی مانند خود ہی نظر آتی ہے' خود ہی بلاتی ہے' خود ہی دور بھاگتی ہے۔ پیاسا تو بے اختیار ہے۔"
فردوس بیگم بھائی کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔ ان کا جی کٹ گیا تھا۔ ایک ہی تو بھائی تھا ان کا۔ ان سے کئی برس چھوٹا' انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھا۔ ان کی شادی کے وقت وہ آٹھ دس برس کا تھا۔ ماں باپ سر پر نہیں تھے۔ وہ انہیں اپنے ساتھ ہی سسرال لے آئی تھیں۔
"کیسی منتیں کی تھیں میں نے اماں کی۔ پر تم بھی تو کسی قابل ہوتے' ان کا بھی کیا قصور۔ اپنی لاڈلی بیٹی کیسے دے دیتیں' آٹھ جماعت پاس نکھٹو کو۔ نہ کسی روزگار سے ہی لگے' بھلا کیا دیکھ کر وہ بیٹی دیتیں۔"
"ہمارا دل دیکھتیں۔" ان کے لہجے میں درد تھا۔
"دل یہاں کون دیکھتا ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔ "عذرا بیگم کی پڑھائی بیٹیاں آنکھ سے اتریں تو شفیقہ حیات بیگم کو کچھ

بجھائی دے۔ وہ تو آنکھ بند کر کے ان کے اشاروں پر چلتی ہیں۔ میں بڑی بہو ہوں' پہلا حق میرا بنتا ہے لیکن ہر کام میں فوقیت عذرا کو حاصل ہے۔ ہر مشورہ پہلے اس سے کیا جاتا ہے پھر میری باری آتی ہے۔

کیسی نظر تھی میری رافع پر۔ اس خاندان کا سب سے قابل اور سمجھ دار لڑکا ہے۔ چھوٹا سا تھا تو میں اپنی عریشہ کو اس کے ساتھ ساتھ رکھتی تھی لیکن ہوا کیا' کسی نے مجھ سے مشورہ لینا بھی پسند نہ کیا۔ میں بھی تہیہ کیے بیٹھی ہوں' اپنے تینوں لڑکوں کے لیے اس خاندان کی ایک لڑکی نہ لوں گی۔ ماہین اپنے گھر کی ہو گئی۔ اللہ نے چاہا تو عریشہ کے لیے اس سے اچھا رشتہ آ جائے گا۔ ہاشم علی اور حمزہ کے لیے میں غیر خاندان کی لڑکیاں لاؤں گی اور ایسی لڑکیاں کہ دنیا دیکھے گی۔" لاؤنج سے ملحقہ بیڈ روم میں لیٹی عریشہ کے کانوں تک ماں کی آواز صاف پہنچ رہی تھی۔

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے تکیہ اٹھا کر سینے پر رکھ لیا۔ بچپن سے ماں نے جو خواب آنکھوں کی پتلیوں پر نقش کر دیا تھا' کبھی کبھی وہ چبھنے لگتا تھا۔ ہر چند کہ وہ خوابوں کے سہارے جینے والی لڑکی نہ تھی' واضح اور پریکٹیکل سوچ رکھتی تھی

لیکن پھر بھی کبھی کبھی.....

❊ ❊ ❊

"السلام علیکم اماں!" رابعہ بیگم نے اندر داخل ہوتے ہوئے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام' جیتی رہو۔" شفیقہ حیات بیگم کے لبوں پر مسکراہٹ آئی۔ "ہوتی کہاں ہو تم' کئی کئی دن ماں کو سلام کرنے کی فرصت بھی نہیں ملتی تمہیں۔"

وہ ماں کے قریب بیٹھ کر محبت سے ان کے پیر دبانے لگیں۔

"اچھی تو ہو؟" انہوں نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جی اماں! اللہ کا احسان ہے۔ بہت آرام سے ہوں۔"

"رابعہ آئی ہے۔" عذرا بیگم بڑے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ "کیسی ہو رابعہ!"

"شکر ہے اللہ بھابھی! آپ سنائیں' بچے کہاں ہیں۔"

"رافع اور نافع تو پچھواڑے میں پانی کی موٹر ٹھیک کر رہے ہیں۔ سدرہ اور ثانیہ کچن میں ہیں۔ کوئی نئی ڈش بنا رہی ہیں۔ ان موئے ٹی وی والوں کو تو عورتوں کو سگھڑ بنانے کا شوق چرایا ہے۔ مہنگی مہنگی چیزیں' بنا کر کوئی عجیب سا کھانا تیار کر کے دکھا دیتے ہیں۔ لڑکیاں اسی وقت بھائیوں کے پیچھے کہ ابھی چیزیں لا کر دو تو ابھی ہم بنائیں۔ بتاؤ ذرا' صبح رافع پانچ سو کی چیزیں لایا ہے اور بنے گا کیا۔ موئی سوئٹ ڈش۔ کھانے کے بعد سب ایک ایک دو دو چمچ کھا لیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ میں پانچ سو کی سبزی میں دس دن نکال لیتی ہوں۔"

"ارے تم لوگ اپنے بچوں سے عاجز بھی بہت ہو۔" شفیقہ حیات بولی تھیں۔ "یہ بھی آج کل کا فیشن ہوا کہ جو بات بچوں کے منہ سے نکلے' اسے پورا کرنا ماں باپ کا فرض ٹھہرے۔ گویا یہ زیادہ سے زیادہ محبت کی نشانی ہوئی۔ ہم تو اپنے بچوں کو ایک شیر کی نگاہ دیکھتے تھے اور پھر انہیں بات پر اصرار کی طاقت نہ ہوتی تھی۔ آج کل کے بچے بچیاں تو اودھم' طوفان مچا ڈالتے ہیں۔ پانچ سو یہ لڑکیاں کل لے گئیں تم سے بوتلیں پینے کے بہانے' پانچ سو کا خرچا آج کروا دیا۔ باوا ان کا منسٹر لگا ہے کہیں۔"

"اب وہ آپ کی شیر کی نگاہ کیا ہوئی؟" عذرا بیگم ہنستے ہوئے بولیں۔

"ہمارے بچوں کے لیے تو آپ بھی بکری کا سا کلیجہ رکھتی ہیں۔ میں نہ دوں پیسے تو آپ سے ہی سفارش کرواتے ہیں سارے۔ اس وقت ان کی اصرار کی طاقت کمزوری میں بدلا کریں نا۔"

"ارے ہو! وہ کیا کہتے ہیں اصل سے سود پیارا۔ بالکل سولہ آنے صحیح کہا جس نے بھی کہا۔ اپنے بچوں کو تو ڈانٹ مار بھی لیتے تھے' ان سب کو دیکھ کر جنے کہاں سے پیار اُمڈ تا ہے اور چالاک بھی کیسے ہیں' سب کے سب نئے سے نیا بہانہ تراش کر لاتے ہیں۔ میں تو اپنے رکھے ہوئے بھی اٹھا کر دے دیتی ہوں۔"

رابعہ بھی ہنسنے لگیں۔ "پھر بھابھی کو کیا کہتی ہیں۔"

"ارے ہاں' دھیان آیا۔ عاشر میاں آ رہے ہیں۔" شفیقہ حیات چونک کر بولی تھیں۔

"اچھا۔" رابعہ بیگم کو بھی مسرت ہوئی۔ "کب؟"

"کل ایقان کا فون آیا تھا۔ خوشی کے مارے باؤلی ہو رہی تھی۔ صحیح طور سے کچھ بتلایا بھی نہیں۔ رافع کا پوچھ رہی تھی۔ اسے ایئر پورٹ بھیجے گی عاشر میاں کو لینے۔ ہاشم بھی جائے گا۔"

"اچھا!" رابعہ بیگم کا چہرہ بھی چمکنے لگا تھا۔ "اللہ اس کی خوشیاں سلامت رکھے۔ بہت محسوس کرتی ہے عاشر کی غیر موجودگی کو۔ کتنے دنوں کے لیے آ رہا ہے؟"

"بتا تو رہی ہوں اس دیوانی کو کچھ نہ سوجھتا تھا' بس اتنا کہا' اماں! پرسوں عاشر آ رہے ہیں' رافع کہاں ہے' اس سے کہنا مجھ سے فوراً بات کرے' بس اتنی ہی بات کی۔"

اسی اثناء میں ثانیہ اور سدرہ دو ڈونگے اٹھائے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"اللہ۔ پھپھو بھی ہیں۔ السلام علیکم پھپھو! دیکھیں تو' کیسی کلر فل ڈش تیار ہوئی ہے!" ان کے چہرے چمک رہے تھے۔

"وعلیکم السلام ابھی تمہاری ہی ڈش گفتگو کا موضوع تھی۔ کیا بنایا ہے؟"

"بنایا بھی ہے یا بگاڑا ہے۔" ہنستا ہوا رافع اندر آیا تھا

"کھا کر دیکھیں بھائی! انگلیاں چبا جائیں گے۔" ثانیہ فخریہ بولی۔

"بشرطیکہ انگلیاں تمہاری ہوں!" وہ فولڈ کی ہوئی آستینیں سیدھی کرنے لگا۔

"میری تو جب چبائیے جب ڈش پسند نہ آئے۔ اطالوی ڈش ہے' اس کا تو نام ہی اتنا مزے دار تھا۔ بھلا کیا نام تھا سدرہ؟"

"کچھ عجیب و غریب سا ہی تھا۔ خیر چھوڑو پیر مت گنو۔"

وہ پیالوں میں کسٹرڈ نما چیز ڈالنے لگی۔

"پائن ایپل اس میں' مینگو اس میں' کریم اس میں بھلا مزے دار کیوں نہ ہو؟" رافع نے چمچ بھر کر منہ میں ڈالا۔ "یہ سب چیزیں ویسے ہی مکس کر کے کھاؤ تو مزہ دیں گی۔ تمہارا کیا کمال اس میں؟"

"جی ہاں۔ دو گھنٹے ہم نے کچن میں بھاڑ جھونکا ہے!" وہ جھلائی۔

"وہ تو تمہارے بال دیکھ کر ہی لگتا ہے!" حمزہ برآمد ہوا۔

"رافع بھائی! آپ یہاں دعوتِ شیراز اڑا رہے ہیں' وہاں نافع سمجھ رہا ہے آپ چار منہ والا پیچ کس لینے گئے ہیں۔"

"ارے یار! میں بھول گیا۔ ذرا دوڑ کر دے آؤ۔"

"آپ اپنا پیالہ مجھے پکڑا دیں ناں۔ میرا تھن میں آپ حصہ لے لیں۔ یوں بھی نافع کے بس کی بات نہیں مشین کو ٹھیک کرنا۔ وہ صرف آپ کو اسسٹ کرتا ہے۔"

"ارے چھوڑو میرا پیالہ۔ یہ مجھے پانچ سو کی قربانی دے کر ملا ہے۔ اسے چھوڑ کر میں کہیں نہ جاؤں گا۔"

"اور وہ آپ کا اسسٹنٹ؟"

"اسے بھی بلالو۔ دعوتِ اطالیہ اڑانے کو۔"

"اللہ۔ آپ سارے مل گئے تو ہماری ڈش کا دیوالیہ نکل جائے گا!" ثانیہ گھبرائی۔

"نکل جائے گا نہیں، نکل چکا!" نافع اور علی بھی چلے آئے۔

ثانیہ اور سدرہ ٹھنڈی سانس بھر رہ گئیں۔

"جاؤ ثانیہ! ورہ اور ناعمہ کو بھی بلا لاؤ۔ ہاشم کو بھی دیکھو گھر پر ہو تو اسے بھی بلالو۔ سب مل کر کھاؤ۔" عذرا بیگم نے بیٹی سے کہا۔

"جی امی!" اس نے سر ہلایا اور بے بسی سے اٹھ کر چل دی۔

❊ ❊ ❊

اس نے اپنی سب کتابیں اور نوٹس وغیرہ نکالے ہوئے تھے اور اب بیٹھ کر انہیں تسلی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ان سب کی درجہ بندی کر کے ترتیب سے رکھنا چاہتی تھی۔ کئی دنوں سے وہ یہ کام کرنے کا سوچ رہی تھی لیکن ہر مرتبہ سستی آڑے آجایا کرتی۔ آج اس نے یہ کام کرنے کا تہیہ کر ہی لیا تھا۔

یوں بھی اب وہ سوچتی تھی کہ فارغ اوقات میں زیادہ سے زیادہ پڑھائی کرے۔ بی۔ اے کا امتحان اس نے یونہی معمولی سی تیاری کے ساتھ دے دیا تھا لیکن ایم۔ اے وہ پوزیشن کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ اس کے لیے مکمل توجہ کے ساتھ پڑھائی کی ضرورت تھی جو وہ دادی کی اچانک وفات کے بعد سے اب تک نہ کر سکی تھی۔ اس کا ذہن متاثر ہوا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفلوج ہوئی تھیں، سو اب وہ اطمینان اور تسلی سے بیٹھ کر اسی کمی کو پورا کرنے کا عزم کیے ہوئے تھی۔

دروازہ بجا تو اسے کوفت ہوئی۔ کتنے موڈ کے ساتھ وہ کتابیں لے کر بیٹھی تھی۔ ہر مرتبہ اس کے ساتھ یہی ہوتا تھا۔ محلے والے اس کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھنے کے چکر میں اس کے آرام اور سکون میں بھی مخل ہو جایا کرتے تھے۔

اس نے اٹھ کر دروازے کی چٹخنی گرائی۔ باہر نفیسہ خالہ کھڑی تھیں۔

"آئیں خالہ!" اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجائی۔

"ٹھیک ہو بیٹی؟" وہ پیر گھسیٹتی چلی آئیں۔

"جی۔ شکر ہے خدا کا!"

"پڑھ رہی تھیں؟" انہوں نے حالات کا بغور معائنہ کیا۔

"جی ــــ" وہ منمنائی۔

جانتی تھی کہ اب خالہ گھنٹہ بھر سے پہلے ٹلنے والی نہ تھیں۔ وہ تو جاتے جاتے دروازے پر ہی آدھا گھنٹہ نمٹا دیا کرتی تھیں۔ کئی مرتبہ "خدا حافظ" کہتیں اور پھر انہیں کوئی نیا خیال چھیڑ جاتا۔

"اچھا اچھا۔ پڑھو۔ پڑھو۔ میں تو یونہی نگاہ مارنے چلی آئی تھی!" وہ چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ "اکیلی بچی ہو، بار بار دھیان تمہاری طرف جاتا ہے۔ میں تو اپنے سکون سے گئی۔ بھلا بتاؤ! چین کی نیند سو سکتی ہوں۔ دھیان تو تم میں اٹکا رہتا ہے۔" رابعہ مسکرا دی۔

"کیوں فکر کرتی ہیں خالہ جان میں نے کتنی مرتبہ سمجھایا ہے آپ کو۔ میں بالکل اطمینان سے رہتی ہوں۔ نہ کوئی خوف، نہ ڈر، نہ کھٹکا نہ اندیشہ۔ آپ سب لوگ میرے آس پاس بستے ہیں۔ دیوار سے دیوار ملتی ہے۔ پھر بھی میں ہر وقت دروازے کھڑکیاں بند کر کے رکھتی ہوں۔ کبھی آپ کو دروازہ کھلا ملا؟"

"وہ تو سب ٹھیک ہے بیٹی! لیکن مجھ سی بڈھیوں کو تو وسوسے ستاتے ہی ہیں۔ تم ماشاء اللہ جوان ہو، بہادر ہو، تم دنیا کو اپنی نظر سے دیکھتی ہو جو معصوم اور شک سے صاف ہوتی ہے۔ ہم بوڑھے لوگوں کو تو وقت یوں بھی شکی مزاج بنا جاتا ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

"اور پھر تمہیں بھلا زمانے کی کیا پہچان! یہاں تو شیطان بھی فرشتے کا بہروپ بدل کر آتا ہے۔ شیطان بن کر آئے تو لوگ لاحول پڑھ کر بھگا نہ دیں!"

رابعہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔ آج نفیسہ خالہ کی باتوں میں فلسفے کا کچھ زیادہ ہی رنگ ملا ہوا تھا اور ایسا تب ہی ہوتا تھا جب ان کے پاس کرنے کو کوئی اہم بات ہوتی۔ ورنہ زیادہ تر تو وہ محلے میں گردش کرتی خبروں پر تبصرے سے گفتگو کا آغاز کیا کرتی تھیں۔

"کیا بات ہے خالہ؟"

"اے لو۔ بات کیا ہونی ہے۔ کچھ نہیں بھلا بتاؤ!" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیں۔ "پریشان ہو گئیں؟"

"نہیں پریشانی کی کیا بات خالہ جان! آپ جیسے بھلے لوگ میسر ہیں۔"

"بھلے مانسوں میں بھی برے لوگ چھپے بیٹھے ہوتے ہیں بیٹی!" وہ تذبذب سے بولیں۔ "یہ بتلاؤ! تمہارا دور پار کا کوئی عزیز رشتہ دار نہیں جس کے پاس تم یہ تنہائی کے چند دن گزار لو اور دنیا کی بری نظروں سے بھی بچی رہو۔ کوئی تایا، ماما، چچا، پھپھا، کوئی تو ہو گا؟"

"پتا نہیں خالہ!" وہ اداس ہو گئی۔ "دادی جان تو کبھی اس موضوع پر بات ہی نہ کرتی تھیں، مجھے تو اب ہوش آیا ہے کہ دنیا میں انسان کے اتنے رشتے ناتے ہوتے ہیں۔ میرے ذہن نے تو حالات و واقعات سے خود بخود ہی یہ اخذ کیا ہوا تھا کہ دادی جان کے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ نہ کبھی میں نے پوچھا، نہ انہوں نے بتایا۔"

"دادی کے سامان سے تمہیں ایسا کچھ نہ ملا جو تم اندازہ کر سکتیں اس بات کا؟ کوئی خط، کسی کی کوئی چٹھی۔"

رابعہ کے ذہن میں وہ تصاویر اور کاغذات گھوم گئے جو دادی کے صندوق میں پڑے تھے۔

"ہاں خالہ جان! کچھ خط وغیرہ پڑے تو ہیں لیکن میں نے ابھی پڑھے نہیں۔"
"بھلا بتاؤ۔" انہوں نے اس کی کم عقلی پر ماتھا پیٹا۔" اے ہے بیٹی! ایسی معصومیت بھی انسان کو نفع نہ دے، نقصان ہی دے۔ پڑھ کر دیکھو تو کیا لکھا ہے ان میں۔"
"اچھا میں آج دیکھتی ہوں خالہ!" وہ پریشان سی ہو گئی۔
"لیکن بات کیا ہے" آپ بتاتی کیوں نہیں؟"
"دیکھو بیٹی! بات یہ ہے کہ تمہاری سکینہ بوا کے جو بہنوئی ہیں عرفان شوکت صاحب ان کی نظر اب تمہارے مکان پر ہے۔ سکینہ کے مکان اور تمہارے مکان کو ملایا جائے تو اچھا بھلا رقبہ بنتا ہے۔ وہ یہاں بڑے پیمانے پر چوڑیوں کا کام کرنا چاہتے ہیں تاکہ محلے کی غریب عورتوں کو کم اجرت دے کر زیادہ نفع کمایا جائے۔ اب سکینہ تو اپنا مکان بیچنے پر تیار ہے' وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اپنا مکان اونے پونے انہیں بیچ دو تاکہ وہ دونوں مکان ملا کر بڑی جگہ پر تعمیر کر سکیں۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ سکینہ آج میرے پاس آئی تھی۔ اس پر تو بہنوئی کا جادو چل گیا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ تم بھی مکان بیچنے پر رضامند ہو جاؤ۔"
ربیعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔
"لیکن... لیکن خالہ جان! میں کیوں اپنا گھر بیچوں؟ اور پھر میں جاؤں گی کہاں۔ یہ گھر تو میری پناہ گاہ ہے۔ میری دادی کی نشانی۔"
"جب ہی تو کہتی ہوں تمہیں کسی عزیز رشتہ دار کے گھر جا کر رہو۔ یہاں تالا ڈال دو۔ ورنہ یہ لوگ تمہیں تنگ کریں گے' وہ کم بخت پیسے والا آدمی ہے۔ ہے بھی پورا بدمعاش۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔"
ربیعہ سوچ میں پڑ گئی۔ اس طرح کے حالات کا تو اس کے وہم و گمان میں بھی نام و نشان نہ تھا۔
"اور سکینہ بوا۔" اسے یقین نہ آتا تھا۔ "وہ بھی؟"
"ارے بیٹی! اچھے اچھوں کا ایمان ڈگمگا جاتا ہے۔ سکینہ کو اس نے الٹے سیدھے خواب دکھلائے ہیں کہ کارخانے کی انچارج بنا دے گا... بعد میں کہیں گھر بنوانے میں بھی مدد دے گا۔ بس وہ آگئی اس کی باتوں میں اور پھر اس کا تو بہنوئی ہے۔ ہو سکتا ہے" اس کے ساتھ کوئی رعایت مروت برتے۔ لیکن تم سے اس کا کیا واسطہ۔ تمہیں تو وہ ہتھکنڈوں کی کوشش کرے گا۔" ربیعہ مزید پریشان ہو گئی۔
"میں سوچتی ہوں خالہ جان!" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

❊ ❊ ❊

ہرا رنگ اسے پسند تھا۔ بے حد پسند تھا۔ بقول اس کے اس نے جب ایقان کو پہلی مرتبہ دیکھا تو وہ ہرے رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔
یوں بھی وہ زندگی کی روزمرہ کی باتوں میں بھی اپنی پسند کا اظہار کر دیا کرتا تھا۔ کوئی چیز خریدتا' اپنی پسند کے رنگ کو ضرور ملحوظِ خاطر رکھتا تھا۔
ایقان کی وارڈ روب ہرے رنگ کے ملبوسات سے بھری پڑی تھی۔ اس کی جیولری میں زیادہ تر ہرے موتی یا نگ ہوتے۔ ہری چوڑیوں سے ڈبے کے ڈبے اَٹے پڑے تھے۔ بچوں کے کپڑوں میں بھی اسی رنگ کا تناسب سب سے زیادہ تھا۔
ایقان کو گلابی رنگ پسند تھا۔ ان کی شادی ہوئی تو عاشر نے بیڈ روم میں گلابی پینٹ کروایا۔ فرنیچر بھی گلابی اور سفید رنگ میں تھا۔ پردے گہرے گلابی تھے۔ قالین سفید تھا اس پر مگر پھول گلابی تھے۔ ان کا بیڈ روم بے حد

خوبصورت لگتا تھا۔
لیکن آج اس بیڈ روم کی ہیئت تبدیل ہو چکی تھی۔
دیواروں پر بہت ہلکا پستئی رنگ ہو چکا تھا۔ فرنیچر تبدیل ہو گیا تھا۔ فریش گرین کلر کا کارپٹ دیوار تا دیوار اپنی بہار دکھلا رہا تھا۔ جیسے پیروں تلے سرسبز گھاس ہو۔ پردے مونگیا رنگ کے تھے جن پر سنہری پتے دھیرے سے اپنی چمک کبھی کبھی دکھاتے تھے۔ سائیڈ ٹیبلز پر خوبصورت سنہری میٹ بچھے تھے۔ فینسی لائٹس کی مدھم حسین روشنی میں سنہری و سبز رنگ ماحول کو بہت پرفسوں اور رومان انگیز بنا رہے تھے۔
اس نے بہ نظرِ غائر ہر شے کا جائزہ لیا پھر مطمئن ہو کر کمرے سے نکل آئی۔
ایمان اور مومن لاؤنج میں بچھے کارپٹ پر بیٹھے "سلانٹی" کے پیکٹ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ ان تک چلی آئی۔
"میرے پیارے پیارے بچے کیا کر رہے ہیں!" اس نے دونوں کو بانہوں میں بھر لیا۔
"مما... سلانٹی کھائیں!" مومن نے اس کے منہ میں ڈالی۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
دو دن سے وہ اسی "مصروفیت" کا شکار تھی۔ پورا گھر بدل ڈالا تھا۔ ہر شے میں اس کی پسند کا خیال رکھا تھا۔ اپنے لیے بھی وہ مہنگی بیوٹی پارلر سے ایک ہرا سوٹ خرید کر لائی تھی۔ ساتھ میں سفید اور ہرے موتیوں والی خوبصورت چپل بھی لی تھی۔ پارلر سے فیشل بھی کروا لیا تھا۔ یعنی کہ ہر طرح کی تیاری مکمل تھی۔ بس اب اس کی آمد کا پل پل گننا رہ گیا تھا۔
"مما..." مومن نے اسے دھیان سے چونکایا۔
"ہوں۔" اس نے گہری سوچ سے باہر آ کر بیٹے کی صورت دیکھی۔
"پپا کب آئیں گے؟" وہ بھرپور طریقے سے مسکرا دی۔
"کل!"

❊ ❊ ❊

"ہاشم۔ تیز چلاؤ نا گاڑی۔" وہ جھلائی ہوئی تھی "ایسا لگتا ہے گدھا گاڑی میں بیٹھی ہوں۔"
"یہ رافع جو آگے بیٹھا ہے۔" وہ مسکرایا۔ "گدھا گاڑی ہی ہے۔"
"ویسے گاڑی آپ کھینچ رہے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے!" وہ طنز سے بولا۔
"یہ ذرا مختلف قسم کی گاڑی ہے۔ اس میں گدھا برابر میں بیٹھا ہوتا ہے۔" اس کا اطمینان قابلِ دید تھا۔
رافع نے سیاہ گلاسز کے عقب سے اسے دیکھا۔
"تم غالباً "میرے ہینڈسم نظر آنے سے جل رہے ہو۔"
"ہینڈسم پیدائشی طور پر ہوتے ہیں' جیسا کہ میں' جینز پہن کر کالا چشمہ چڑھا لینے سے کوئی ہینڈسم نہیں بن جاتا!" ہاشم نے اسے چڑایا۔

"خیر اب یوں تو مت کہو۔" پیچھے بیٹھی ایقان چپ نہ رہ سکی۔ "رافع تو خاندان کا سب سے وجیہہ لڑکا ہے۔"
"یہ تو آپ زیادتی کر گئیں پھپھو!" ہاشم خفا ہوا۔ "یعنی آپ نے مجھ سے حسین نوجوان کو نمبر دو کر دیا!" رافع اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔
"ہاں۔ تم بھی گڈ لکنگ ہو۔" وہ بولی۔
"ہائیں۔ مزید زیادتی، جیسے دل رکھ رہی ہوں۔" وہ مزید خفا ہوا۔
"جائیں۔ میں نہیں تیز گاڑی چلاتا۔ گھنٹہ بھر انتظار کرواؤں گا آپ کے صاحب کو۔" اس نے رفتار بالکل کم کرلی۔
"اللہ ہاشم! سچ بولنے کی تو سزا نہیں ہوتی۔ سزا تو جھوٹ بولنے کی ہونی چاہیے۔"
"کس دور میں جی رہی ہیں ڈیئر پھپھو؟" وہ ہنسا۔ "اب تک پرانی اقدار میں زندہ ہیں۔ یہاں تو سچ بولنے والے کے لیے گولی ہے۔ سردرد کی نہیں، بندوق کی۔"
"بھئی۔ مجھ سے خطرناک باتیں مت کرو۔ میرا موڈ آج بہت اچھا ہے۔"
"وہ تو آپ کی تیاری سے ظاہر ہے۔" اس نے بیک ویو مرر سے اسے دیکھا۔ "بس نتھ، ٹیکے کی کسر ہے۔" ایقان کو ہنسی آ گئی۔
"رافع! ذرا ایک چپت لگاؤ اس بدتمیز کے۔" رافع نے جھٹ ایک مکا اس کے بازو پر رسید کیا۔
"ارے بدتمیز شخص!" وہ بلبلایا۔ "ڈیئر پھپھو نے چپت کہا تھا۔ تمہیں چپت اور مکے میں فرق نہیں پتا۔"
"نہیں!" اطمینان سے جواب دیا۔
"یہ مکا۔ اور یہ چپت۔" اس نے گیئر چھوڑ کر اسے دونوں اشیاء سے نوازا۔ رافع نے بلبلا کر اسے دیکھا۔ ایقان کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"توبہ توبہ ایک سے بڑھ کر ایک ماڈل ہے "حیات ولا" میں۔"
"آپ تو بہت خوش ہیں "حیات ولا" سے جا کر!" رافع ہنسا۔
"ہاں۔ خوش تو ہوں۔" اس کے لبوں پر پھر دلفریب مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔
وہ باہر گزرتے مناظر دیکھنے لگی۔ ایئرپورٹ کی عمارت دور سے نظر آ رہی تھی۔

❊ ❊ ❊

کاغذات سامنے پھیلا کر اس نے ان کا بغور جائزہ لیا۔ ان میں کئی خطوط تھے۔ اس نے ایک خط منتخب کیا اور کھول کر پڑھنے لگی۔ لکھا تھا۔
پیاری امی جان!
السلام علیکم۔
ربیعہ نے حیرانی سے کاغذ سینے سے لگا لیا۔
"امی جان! کیا مطلب؟"

❊

(باقی انشاء اللہ آئندہ ماہ)

وہ اپنے پڑوسی اور اپنی سہیلیوں (سمیعہ اور ربیعہ) کے والد حاکم چچا کے سپرد کر دیتی ہے۔ جس پر وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔ باہر کے معاملات ان کے سپرد کر کے گھر پر توجہ دیتی ہے تو اسے کپڑے کی ایک پوٹلی ملتی ہے، جس میں کچھ کاغذات، تصویریں اور زیورات وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔
ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہتی ہیں۔ ان کا بیٹا اپنے باپ کے بارے میں اکثر سوال کرتا ہے۔

۴
چوتھی قسط

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ خط میری پھپھو کا ہے؟"
نہ جانے کیوں اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس پر یہ انکشاف ہونے جا رہا تھا کہ اس کے خونی رشتے موجود ہیں۔
کاغذ کو ایک مرتبہ پھر سیدھا کر کے اس نے سطور پر نگاہ دوڑائی، لکھا تھا۔
"آپ کا خط ملا اور ایک مرتبہ پھر حالات کا اندازہ ہوا۔ جو واقعات آپ نے تحریر کیے ہیں وہ حالات کی سنگینی کا پتہ دیتے ہیں۔ احمد جہاں زیب سے کہیے کہ دنیا میں ایک حسن ہی سب سے بڑی حقیقت نہیں۔ حسن چار دن کا قصہ ہے۔ کاش میں آپ کے پاس ہوتی تو معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتی۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ سانس لینے سے پہلے منور میاں سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ بہرحال، آپ کی جانب سے احمد جہاں زیب کو کوئی چھوٹ یا نرمی کا رویہ نہ ملے، اتنا کہے دیتی ہوں، اس کی آنکھوں پر جو پٹی بندھی ہے چند روز میں اتر جائے گی۔ آپ خاطر جمع رکھیے۔
تصور اور تمدن نانی اماں کو سلام لکھواتے ہیں۔ ترانہ اور تمنا کو بھی آپ کی جانب سے بہت پیار دیا تھا۔ ابھی بھی کھیلتی پھر رہی ہیں۔ باقی سب خیریت ہے۔
آپ کی بیٹی
بلقیس بانو۔"

ربیعہ حیرت سے خط کو دیکھتی رہی۔ تادیر تکتی رہی۔ احمد جہاں زیب، اس کے لیے بے حد پرکشش نام تھا۔
اس خط میں اس کی سمجھ میں آسکنے والی کوئی بات نہ تھی۔ پھر بھی وہ خط پڑھنا اسے بے حد اچھا لگا تھا اس میں احمد جہاں زیب کا ذکر تھا۔ اس خط میں احمد جہاں زیب کے وجود کا احساس بند تھا۔ خط پڑھنے سے وہ احساس چند لمحوں کے لیے جی اٹھا تھا۔ چند لمحوں کے لیے جیسے احمد جہاں زیب جی اٹھا تھا۔
ربیعہ احمد جہاں زیب! آج تک وہ محض اپنے نام کے آگے یہ نام لکھتی آئی تھی اور بس، وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ نام کے آگے باپ کا نام لکھا جاتا ہے۔ اسے محض اتنا ہی علم تھا کہ اس کے باپ کا نام احمد جہاں زیب تھا۔
"دادی! میرے امی ابو کہاں ہیں؟" ایک ننھی بچی سوال کرتی۔
"بہت دور... بہت دور..." دادی خواب بن کر جواب دیتیں۔
"اللہ میاں کے پاس؟"
جواب میں ایک سرد آہ۔
"سو جاؤ بیٹی... رات ہو چلی ہے۔" وہ اسے تھپکتیں۔
ربیعہ آنکھیں موند لیتی۔

"دادی...! میری امی کیسی تھیں؟" ایک قدرے سمجھ دار لڑکی سوال کرتی۔
دادی چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو جاتیں۔
"بتائیں نا... اچھی تھیں؟ پیاری تھیں؟ بتائیں نا؟"
"ربیعہ!" دادی کی آواز میں تنبیہہ ہوتی۔
ربیعہ یکدم چپ ہو جاتی۔ پھر وہ یہ سوال کرنا ہی بھول گئی۔
"دادی... میرے ابو آپ کے اکلوتے بیٹے تھے؟" کسی ترنگ میں آکر وہ پوچھ بیٹھتی۔
کام کرتی دادی جان کے ہاتھ رک جاتے۔
"ان کے علاوہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی؟"
دادی جان کی جانب سے کوئی جواب نہ آتا۔
یکایک اسے احساس ہوتا کہ دادی جان رو رہی ہیں۔ ان کے چہرے پر خاموش آنسو بہہ رہے ہیں۔
وہ جلدی سے اٹھ کر ان سے لپٹ جاتی۔
"سوری دادی... اب نہیں پوچھوں گی۔"
ایک مہر تھی جو کبھی نہ ٹوٹی۔ ایک قفل تھا، کبھی نہ کھلا۔ ایک راز تھا، سو اب سو رہا تھا... دادی کے ساتھ ان کی قبر میں۔
ربیعہ خط کو سینے سے لگا کر آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ فی الحال وہ احمد جہاں زیب کے چند لمحوں کے لیے جی اٹھنے کے احساس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔

* * *

"یہ لیجیے عاشر بھائی! چٹخارے دار، سوں سوں کرتے ذائقوں سے اپنی زبان کو روشناس کرائیں۔ وہ ذائقے جو آپ بھول چکے ہیں۔ مجھے تو آپ کی مسکراہٹ تک پھیکی پھیکی لگ رہی ہے۔" حمزہ کہہ رہا تھا۔
عاشر نے ہنستے ہوئے سالن کا ڈونگا تھاما اور سامنے بیٹھی ایقان کو شریر نگاہوں سے دیکھا۔
"ذائقے... بھولا تو نہیں۔ ترس ضرور گیا ہوں۔" اس کے لہجے میں بھی شرارت تھی۔
ایقان جز بز سی ہوئی۔ کن انکھیوں سے اس نے حاضرینِ محفل کے مشاہدات نوٹ کیے۔ پھر نظریں بچا کر اسے گھورا۔
اس کی شریر مسکراہٹ، شریر تر ہوئی۔
ایقان ہاتھ میں تھاما ہوا نوالہ منہ تک لے جانا بھول گئی۔ گہری سیاہ آنکھیں، زندگی کے احساس سے جگمگاتی ہوئی، سیاہ مونچھوں تلے مسکراتے گلابی ہونٹ، خاموشی میں بھی بہت کچھ کہتے ہوئے، لوگوں کی پروا نہ کرتے گرم جوش احساسات، شدتوں سے اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے جذبے۔
وہ سب کچھ بھول بھال کر اسے دیکھے گئی۔
"اوں ہوں۔" وہ کھنکھارا۔
ایقان چونک اٹھی۔ چور سی بن کر کھانا کھانے لگی۔
وسیع ہال کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دسترخوان بچھا ہوا تھا۔
عاشر کو ایئرپورٹ سے لے کر وہ لوگ سیدھے "حیات ولا" چلے آئے تھے جہاں شفیقہ حیات بیگم نے ان کے

اعزاز میں دعوت کی تھی۔
اس وقت پورا خاندان دسترخوان پر جمع تھا۔
فاروق حسن، فردوس بیگم، ان کے تینوں بیٹے ہاشم، حمزہ اور علی، ماہین اور اس کا شوہر تسنیم بھی مدعو تھے۔ اس کا بیٹا حسام، عریشہ کی گود میں بیٹھا کھلکھلا رہا تھا۔
سلجوق حسن اور ان کی اہلیہ عذرا بیگم نے دعوت کا اصل اہتمام کیا تھا۔ رافع، نافع، ثانیہ اور سدرہ بھی موجود تھیں۔
رابعہ بیگم بھی اپنی تینوں بیٹیوں کے ہمراہ صبح سے وہیں تھیں۔ بلکہ دعوت کا سارا انتظام انہوں نے ہی سنبھالا تھا۔ رائمہ کل سے آئی ہوئی تھی۔ اس کے شوہر افتخار بھی آفس سے سیدھے وہیں آ گئے تھے۔ وردہ اور ناعمہ، ثانیہ، سدرہ کے ہمراہ کھڑی منتظمین کا رول پلے کر رہی تھیں۔
گویا "حیات ولا" سے تعلق رکھنے والے سب ہی افراد وہاں موجود تھے۔ دسترخوان پر رنگا رنگ ڈشیں لڑکیوں کے بے پناہ شوق کی مرہونِ منت تھیں۔ سب ہی نے مل جل کر سارا کام انجام دیا تھا۔
"بھئی...... ہر چیز اعلا درجے کی بنی ہوئی ہے۔" عاشر نے کھانے کو سراہا۔ "لیکن اس چکن بریانی کا جواب نہیں میرا تو اس سے جی نہیں بھرتا۔ یہ کسی خاص بندے کی پکائی ہوئی لگتی ہے۔"
اس نے "منتظمین" کی جانب دیکھا۔
"پھر آپ نمبر لے گئیں۔" ثانیہ نے وردہ کو گھورا۔
وہ مسکرانے لگی۔
"بھئی۔ سب نے مل جل کر ہی سارا کام کیا ہے۔ مجھ اکیلی کا کیا کمال اس میں۔"
"زیادہ انکساری نہ جتائیں۔" حمزہ نے اسے دیکھا۔ "یہ بریانی اپنی زبان آپ کہہ رہی ہے کہ اسے کس نے پکایا ہے۔"
"وردہ...... سو نائس آف یو۔" عاشر نے اسے دیکھا۔
وہ شرمندہ شرمندہ سی نظر آنے لگی۔
"چکن بروسٹ عریشہ نے بنایا ہے۔" فردوس بیگم بولی تھیں۔ "کھا کر دیکھو عاشر! عریشہ بھی بہت ماہر ہے نت نئے کھانے بنانے میں۔"
ماہین قہقہہ مار کر ہنس دی تھی۔
"جب تک میری شادی نہیں ہوئی تھی، عریشہ کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ چنے کی دال کون سی ہوتی ہے اور ماش کی کون سی۔ ماش کی دال پکاتے تو ناک بھوں چڑھا کر کہتی، چنے کی دال کا صرف حلوہ اچھا لگتا ہے، آپ سالن کیوں بنا لیتی ہیں اس کا؟"
سب ہی ہنس دیے تھے۔ عریشہ جھینپ گئی۔ ماہین کی نظریں ماں سے ٹکرائیں تو اسے احساس ہوا کہ وہ اسے کڑے تیوروں سے گھور رہی ہیں۔ اسے اپنا قصور تو سمجھ میں نہ آ سکا البتہ کسی غلطی کے سرزد ہو جانے کے احساس سے وہ خفیف سی ہو گئی۔
"اختر ماموں نظر نہیں آئے۔" تسنیم کو خیال آیا۔ "کہاں ہوتے ہیں خالہ جان؟"
فردوس بیگم خاصی پریشان سی ہو گئیں۔ سب ہی لوگ خاموش ہو گئے تھے۔
"ہاں...... وہ...... اس غریب کو کس نے پوچھا۔" انہیں ایک ہی جواب سوجھا۔

شفیقہ حیات نے بہو کو کڑے تیوروں سے دیکھا ضرور، پھر داماد کی موجودگی کا خیال کر کے خاموش ہو گئیں۔
"صدقے جاواں......" علی نے آم کی قاشوں سے بھری ڈشیں آتی دیکھیں تو نعرہ بلند کیا۔ "اصل چیز تو اب آئی ہے۔ آہا، آہا...... دسترخوان کی رونق، معدے کی ٹھنڈک۔ کنگ آف فروٹس آ...... آ......"
اس کا "آم" مکمل ہونے سے پہلے ہی ناعمہ اور ثانیہ اسے منہ چڑاتی آگے بڑھ گئیں۔ ڈش کو تھامنے کے لیے بڑھا اس کا ہاتھ بھی ہوا میں لہراتا ہی رہ گیا۔
"ناٹ فیئر۔" اس نے احتجاج کیا۔
"یہ لو ڈیئر۔" نافع نے ڈش پکڑ کر اس کی جانب بڑھا دی۔
"ہاں۔" اسے اطمینان ہوا۔ "یہ لڑکیاں تو میری خوراک دیکھ دیکھ کر جلتی ہیں۔ خود ان سے تو چیونٹی جتنا بھی نہیں کھایا جاتا۔"
"چیونٹی جتنا۔" عاشر نے آنکھیں پھیلائیں۔ "چیونٹی جتنا کون کھا سکتا ہے میرے بھائی؟"
"آم ہوں تو میں چیونٹی جتنا بھی کھا سکتا ہوں۔" وہ مزے سے قاشیں اڑانے لگا۔ "غضب کی شے بنائی ہے میرے مولا نے، صدقے جاواں۔"
"باغ کا گوشہ ہو اور ایک بڑا سا "سندھڑی" ہو اور بندے کو کیا چاہیے۔" اس نے مزید گل افشانی کی۔
"جی ہاں۔" ناعمہ جل کر بولی۔ "سندھڑی" ختم بھی ہو جائے تو یہ گٹھلی پر تا دیر ماؤتھ آرگن بجاتے ہیں۔"
حاضرینِ محفل ہنس دیے، سب ہی جانتے تھے وہ آم کا دیوانہ ہے۔
کھانے کے بعد چائے، کافی کا دور چلا جس کسی نے گرمی سے گھبرا کر چائے، کافی سے معذرت کی۔ اسے کولڈ ڈرنک تھما دی گئی۔
"ہاں بھئی کچھ اشعار ہمیں بھی سناؤ۔" عاشر نے ینگ گروپ سے فرمائش کی۔ "ایقان ایسے ایسے من گھڑت شعر سناتی ہے تم لوگوں کے کہ میں شدت سے تمہاری محفل میں شرکت کا خواہاں تھا۔"
"رافع! وہ کیا غزل بنائی تھی۔

عیدالفطر کی رات تھی، شب بھر ہوا خرچا بڑا"

"عاشر بھائی! پوری رات پلک جھپکتے گزر جائے گی آپ کی اگر یہ موضوع چھیڑا آپ نے۔" ہاشم نے کہا۔
"رات۔" وہ زیرِ لب بڑبڑایا، پھر چونک کر اس نے رسٹ واچ دیکھی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔
"رات تو کسی کے نام ہے بھئی۔" وہ بہت دھیرے سے بولا۔
سوائے "مس" کے کوئی نہ سن سکا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

❄ ❄ ❄

سوئی ہوئی ایمان کو اس نے مومن کے برابر لٹایا اور جھک کر اس کا ماتھا چوم لیا۔
"کتنی پیاری ہو گئی ہے۔ چھوٹی سی تھی جب گیا تھا میں۔ اس کے منے منے ہاتھ پاؤں یاد آتے تھے تو میرا دل اسے پیار کرنے کے لیے مچل اٹھتا تھا۔ اب تو گول مٹول سی ہو گئی ہے اور گندی بچی میرے پاس آتی بھی نہیں۔ بھئی! اسے بتاؤ میں اس کا پاپا ہوں۔"
اس نے چہرہ گھما کر پاس بیٹھی ایقان کو دیکھا۔ وہ دلچسپ نگاہوں سے اسے بچوں کے پاس بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ ایک ہاتھ گال کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ عاشر نے اس کی شربتی آنکھوں میں ہلکورے لیتی محبت کی مٹھاس کو دیکھا۔ لمحہ بھر کے اندر اس کا موڈ تبدیل ہو گیا۔

"اور مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہارا کون ہوں۔" وہ اس کے قریب ہوا۔
وہ ہنستے ہوئے قدرے دور ہوئی۔
"میرے ہرجائی ہو۔"
"اچھا چلو پھر... تمہیں اپنی وفا کا یقین دلاتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا "یوں بھی معاملات برداشت سے نکلتے جاتے ہیں۔"
"اتنی شتابی کس لیے۔" وہ اس کے جارحانہ عزائم کی بھنک پا کر چپکے سے دروازہ کے سمت ہولی۔
"کیونکہ آج تمہاری تصویر نہیں ہم روبرو ہو۔" وہ مزے سے مڑا۔
اپنے پیچھے خالی کمرہ دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔
"کبوتر۔" وہ بڑبڑایا۔
بچوں کے کمرے سے نکل کر اس نے دیکھا۔ وہ لاؤنج میں بھی نہیں تھی' اس نے بیرونی دروازہ لاک کیا۔ کچن کی لائٹ آف کی۔ لاؤنج کی ٹیوب لائٹس آف کر کے زیرو پاور کے بلب روشن کیے پھر اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھا۔
کمرے کا دروازہ کھلتے ہی تازہ گلابوں کی مہک کا بھرپور جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔
"واؤ۔" وہ لمحہ بھر کے لیے ساکت ہی رہ گیا۔ استقبال کا یہ انداز اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔
پورا کمرہ سرخ گلابوں سے سجا ہوا تھا۔ کمرے کا سابقہ نقشہ قطعاً "تبدیل شدہ تھا۔ کلر اسکیم سے لے کر فرنیچر کے ڈیزائن اور سیٹنگ تک ہر شے بدل گئی تھی۔
لائٹ گرین اور ڈل گولڈن کا حسین امتزاج ہر شے میں نمایاں تھا۔ اس پر سرخ گلابوں کی معنی خیز سجاوٹ کسی کا بھی دل دھڑکا سکتی تھی۔
وہ کچھ دیر دروازے کے پاس کھڑا معطر فضاؤں سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل تک آ رکا۔ وہاں ویشنگ کارڈز سجے ہوئے تھے۔ اس نے ایک کارڈ اٹھایا' لکھا تھا۔

وہ کہیں بھی گیا' لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

عاشر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
اچانک ہی دو بازو نہایت نرمی سے اس کے گلے سے آ لپٹے تھے۔ اس کی پشت پر گداز وجود کا احساس مہکنے لگا تھا۔ عاشر نے اس کی کلائی تھامی اور نرمی سے کھینچ کر اسے اپنے مقابل کر لیا۔
شربتی آنکھوں میں محبت کی جوت جگائے' لبوں پر حسین مسکان لیے وہ اسے شب اول کی مانند نوخیز اور حسین نظر آئی۔ روز پنک نائٹی میں اس کا مرمریں وجود غضب ناک حد تک حسین اور خطرناک لگ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر کوئی شریر خیال اس کے لبوں پر مسکان بن کر بکھرا۔
"ایک کمی رہ گئی۔" وہ سر ہلا کر تاسف سے بولا۔ "بات کچھ ادھوری ہے۔"
"آں۔" ایقان جیسے خواب سے چونکی تھی۔ "کمی... ؟ کیا؟" اس کا چہرہ اتر گیا۔ نجانے اسے کس چیز کی کمی محسوس ہوئی تھی۔
"بوجھو تو جانیں۔" وہ بیڈ کی جانب بڑھ گیا۔
ایقان اپنی جگہ پر ایستادہ سوچ میں گم ہو گئی۔
مہکتے گلابوں سے سجا ہوا کمرہ' بہکتے جذبوں سے سرشار حسین بیوی' خاموشی کی زبان بولتی تنہائی' نجانے اسے

کسی کمی کا خیال آیا تھا۔ اپنی جانب سے تو اس نے کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔
"پہیلی بوجھ پہیلی۔" اس نے پھر اسے چھیڑا۔
"مجھے نہیں پتا۔" اس نے ہولے سے پیر پٹخ کر اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ کتنے ارمانوں سے خود کو سرتاپا سنوار کر اس کے قریب آئی تھی۔ وہ محبت کا رتی برابر اظہار کیے بنا مسند نشین ہو گیا تھا۔
ایقان نے خفا خفا نظروں سے اسے دیکھا۔
"ارے بھائی... ادھر تو آؤ۔"
"میں نہیں بھائی وائی۔" وہ اور چڑی۔ "کوئی سر کا رشتہ نہیں ہے پکارنے کو۔"
"او ہو بھئی یہ وہ والا "بھائی" نہیں ہے' برادرانہ جذبات والا۔ یہ دوسرا "بھائی" ہے۔ چلو "من بھائی" ادھر تو آؤ' اب خوش۔"
اسے ہنسی آ گئی۔ ہنستے ہوئے وہ اس تک چلی آئی۔
"فرمایئے' ہرجائی۔" وہ اس کے قریب بیٹھی۔
"ڈر نہیں لگتا ایسے پکارتے ہوئے۔" عاشر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"اوہوں۔" اس نے مزے سے نفی میں سر ہلایا۔ "یا یہ زنجیر کیا اور "اسے" چھوڑ دیا۔ ہم تو اس تصور کے تحت مزے سے رہتے ہیں۔"
"اوفوہ... اس قدر بے فکری۔" اس نے سراہا۔
"جو اپنا ہو' وہ کہیں نہیں جاتا اور جو چلا جائے' وہ اپنا نہیں ہوتا۔ فکر سے کیا حاصل۔" ایقان نے اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکا۔
"اور پھر تمہاری آنکھیں تو سیاہ ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "کہتے ہیں ہرجائیوں کی آنکھیں براؤن ہوتی ہیں۔"
"تمہاری آنکھیں تو براؤن ہیں۔" وہ بھی مسکرایا۔
"پھر غلط کہتے ہوں گے۔"
"یعنی سیاہ بھی ہو سکتی ہیں۔" اس نے مصنوعی فکرمندی سے کہا پھر دونوں ہی ہنسنے لگے۔
"کمال ہے یار! اس ریسرچ کے لیے تمہیں ایک یہ ہی رات ملی ہے۔ اتنا خوبصورت کمرہ سجایا ہے اور باتیں کر رہی ہو ہرجائیوں کی۔"
"جناب!" ایقان نے اسے گھورا۔ "اس جرم کے وارنٹ آپ کے نام نکلنے چاہئیں۔"
"میں نے تو ایک کمی کا ذکر کیا تھا۔ تم دوسرے چکروں میں پڑ گئیں۔"
"بھئی! کیا کمی ہے آخر۔" وہ چڑ گئی۔ "تم مرد بھی نا' کبھی مطمئن نہیں ہوتے' کبھی تعریف نہیں کرتے۔ ہمیشہ عورت کی خامیاں ہی ڈھونڈتے ہو۔ اچھا' بتاؤ ذرا کیا کمی ہے؟"
عاشر نے اس کا بازو تھام کر اسے قریب کیا۔
"شب زفاف کا سا اہتمام کیا ہے۔ دلہن کی طرح نوخیز لگ رہی ہو اور عروسی لباس کی جگہ یہ نائٹی۔ بات بن نہیں رہی۔"
"عروسی لباس؟" ایقان حیران ہوئی۔
"ہاں' کہاں ہے تمہارا شادی کا ڈریس۔ وہ پہن کر آؤ نا۔"

"اوہ عاشر!" یکایک ہی اس کی پلکیں جھک گئیں۔ گال سرخ پڑ گئے۔ "نہیں بھئی! پلیز ایقان۔"
"وہ... پتا نہیں کہاں رکھا ہے عاشر!" فرمائش نے اسے کنفیوژ کر دیا تھا۔
"یاد کر لو۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔
"وہ... وہ اسٹور میں پڑا ہے عاشر! اوپر سلیب پر۔ اتنا بھاری سوٹ کیس ہے۔"
"ما بدولت آپ کی مزدوری کریں گے میڈم!" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔
ایقان نے بے بس ہو کر اس کی جانب دیکھا۔
کچھ ہی دیر میں سرخ' زرتار لباس اس کے ہاتھوں میں تھا۔
"جاؤ' جلدی سے پہن کر آؤ۔"
ایقان مسکراتے ہوئے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔
وہ دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر بستر پر نیم دراز ہو گیا۔
ایک پیر ہلاتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں تھا' جب ایقان نے پردہ کھسکا کر سر باہر نکالا۔
"عاشر!" وہ جیسے کسی مشکل میں تھی۔
"آں۔" وہ چونکا۔ "آؤ نا سامنے' وہاں چھپ کر کھڑی ہو۔"
"میں نہیں آ سکتی۔"
"کیوں؟" وہ سخت حیران ہوا۔
"[illegible]"
"کیوں' افسوں گاہیں' ویڈنگ ڈریس ہے یا کالا اون ڈریس۔"
"میں نہیں آتی۔"
"میں خود آتا ہوں۔" وہ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدموں سے وہاں تک پہنچ گیا۔
ایک ہی جھٹکے میں اس نے پردہ ہٹایا تھا۔
ایقان سرخ لباس میں شرمندہ شرمندہ کھڑی تھی۔
وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر اس کی ہنسی نکل گئی۔
فٹنگ والی شرٹ اس نے بڑی کوششوں سے کھینچ تان کر پہن تو لی تھی لیکن اب عجب ہی عالم تھا۔
"یار! ایسا لگ رہا ہے کہ چھوٹے سے تھیلے میں ڈھائی من کی بوری بند کر دی ہے۔" اس نے تبصرہ بھی کر ڈالا۔
ایقان بھی ہنسنے لگی۔
کمرہ ان کی بے ساختہ ہنسی کی پھواروں سے بھیگتا چلا جا رہا تھا۔

❄ ❄ ❄

دوڑتے دوڑتے اس نے خود کو اکیلا پایا تو رک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ وہ وہیں ٹھہر گیا تھا' جہاں اکثر ٹھہر جایا کرتا تھا۔
رافع مڑ کر واپس اس تک آیا۔
دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹے وہ سفید بنگلے کی عمارت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ دوڑنے کی وجہ سے سانسوں کی آمد و رفت ڈسٹرب تھی لیکن وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔
"اے... مسٹر!" رافع نے اسے مخاطب کیا۔ ہاشم اسے دیکھنے لگا مگر بولا کچھ نہیں۔

"چلیں۔"

"ہوں، چلو۔"

دونوں پھر دوڑنے لگے۔ یہ ان دونوں کا معمول تھا، صبح سویرے جاگنگ کے لیے ساتھ نکلتے تھے پھر ایک گھنٹہ قریبی پارک میں ہلکی پھلکی ایکسر سائز کر کے سات بجے تک گھر لوٹ آتے تھے۔

ہاشم حال ہی میں اپنی پڑھائی سے فارغ ہوا تھا۔ وہ ایک اچھی کمپنی سے منسلک ہو گیا تھا، لہٰذا گھر لوٹ کر وہ نہا دھو کر اپنے آفس چلا جاتا تھا۔

رافع کی فی الحال چھٹیاں تھیں۔ وہ اپنی اسٹڈی کرتا یا نیند پوری کر لیتا تھا۔ گھر کے دوسرے لڑکوں کے برعکس وہ دونوں صبح سویرے ضرور اٹھتے تھے، خواہ کتنی ہی دیر سے سوئے ہوں۔ پارک کا ایک چکر مکمل کر کے وہ اپنی مخصوص جگہ چلے آئے۔ رافع ایکسر سائز کرنے لگا جبکہ وہ خالی بنچ پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے استاد، خیر تو ہے؟" رافع نے اسے چھیڑا۔ "کھوئے کھوئے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔" ہاشم نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ڈاکٹر صاحب پھر آ گئے خواب میں۔" وہ ہنسا تھا۔ ہاشم نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"یہ تمہارے خوابوں کے ٹکٹ ملتے کہاں سے ہیں یار! ایک دو ہم بھی خرید لیں۔ بلیک میں ہی سہی۔"

"کم آن رافع!" وہ بیزار ہوا۔ رافع سیدھا کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا پھر جا کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے؟"

"امی سے بات کی تھی۔"

"پھر؟"

"پھر کیا... پھُس! اپنی تائی امی کو کیا تم نہیں جانتے۔" وہ سخت چڑا ہوا تھا۔

"ایزی میرے یار! ایزی۔" رافع نے اس کے کاندھے پہ بازو رکھا۔ "ایک مرد کی زندگی کا یہ سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے، مشکل ترین۔ ایک اجنبی کی طرف داری کرنے سے جب اس کے خونی رشتے بدظن ہونے لگ جائیں۔ میں جانتا ہوں، وجود دو حصوں میں بٹا ہوا لگنے لگتا ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ وجود کی تقسیم منصفانہ نہیں ہوتی کیونکہ دل اس حصے میں ہوتا ہے جو حصہ کسی اجنبی لڑکی کا فیور کر رہا ہوتا ہے۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"اور مزے کی بات یہ بھی تو ہے کہ وہ لڑکی اجنبی ہو کر بھی اجنبی نہیں ہوتی۔" ہاشم نے اسے دیکھا۔ "یار رافع! وہ مجھے اپنی اپنی سی کیوں لگتی ہے۔ اس نے تو کبھی نظر بھر کر میری جانب دیکھا تک نہیں۔ مجھے تو یار... اس کی آنکھوں کا رنگ تک نہیں معلوم... پھر مجھے اس سے... یار رافع! یہ محبت کیا چیز ہے۔"

رافع اس کے اس درجہ الجھنے پر مسکرا دیا۔

"محبت... وہ بھی ایک مخصوص قسم کی محبت۔ میرا تعارف اس محبت سے تمہارے تعلق سے ہی ہے ہاشم۔"

"یار! تو نے کبھی محبت کی اس قسم کو اپنے آپ میں ابھرتے ہوئے محسوس نہیں کیا؟" ہاشم نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔

"نہیں۔"

"میرا وجود تو اندھیرے میں ہے۔" ہاشم ہنسا۔

"وہ کیسے۔" رافع نے دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"محبت تو ایک سورج ہے رافع! وجود کی دھرتی پر چمکے تو روشنی ہوتی ہے، ورنہ انسان اپنا آپ بھی کھوج نہیں پاتا۔

محبت ایک سمندر ہے۔ اس میں ڈوب کر ہی اپنی ذات کی گہرائی کا اندازہ ہو پاتا ہے۔ موتی ملتے ہیں، گہر ہاتھ آتے ہیں۔ آپ کو اندازہ ہوتا ہے، آپ کہاں اُجلے ہیں، کہاں گہرے ہیں۔ یار رافع! تو محبت کیوں نہیں کرتا؟"

رافع بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

"میں کروں، ہونی ہوئی تو خود ہو جائے گی۔"

"یار! کتنا محروم شخص ہے تو۔ تجھے احساس ہے نہ فکر۔" ہاشم کو تشویش ہوئی۔

"صبح صبح کیا لطیفے سنا رہا ہے۔" رافع پھر ہنس دیا تھا۔ "دنیا کے نوے فیصد انسان پھر تو محروم ہی ہیں۔"

"نوے، اٹھانوے۔" ہاشم نے تصحیح کی تھی۔ "میرا اندازہ ہے کہ دنیا میں محض دو فیصد انسان سچی محبت کے حسن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ باقی اٹھانوے فیصد تو خود کو بھی دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں اور "اسے" بھی۔"

"اسے کسے؟"

"جس سے محبت کا دم بھر رہے ہوتے ہیں اور کسے؟"

"بس ایک تو ہی ہے سچا تے وڈا عاشق۔" رافع نے طنز سے اسے دیکھا۔ "بائی دا وے، اتنے پُریقین کیوں ہیں آپ۔ کیا خبر آپ بھی اٹھانوے فیصد افراد میں شمار ہوتے ہوں۔"

"اوں ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں جانتا ہوں کہ میں "خود" سے محبت نہیں کرتا۔ "اس" سے کرتا ہوں۔ جن اٹھانوے فیصد افراد کا میں ذکر کر رہا ہوں، وہ دراصل اپنی ذات کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ انہیں اپنی طلب کی تسکین چاہیے ہوتی ہے۔ وہ اسے محبت سمجھتے ہیں۔ تو جانتا ہے، میرے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے، مجھے محبوب کے قرب کی ہوس نہیں ہے۔"

"پھر کیوں تائی امی کو پریشان کر رہا ہے۔" رافع تمسخر سے ہنسا۔

"او نہیں یار!" ہاشم نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "تو جانتا ہے نا میری ضد کا پس منظر، نہیں جانتا؟"

"جانتا ہوں۔" رافع نے نرمی سے کہہ کر اس کے کاندھے پر بازو رکھا۔ "تم پریشان مت ہو، ابھی بہت ٹائم ہے۔ کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔"

ہاشم سوچ میں گم رہا۔

"چلیں۔" رافع نے اس کا پریشان چہرہ دیکھا۔

"ہوں۔" وہ چونکا۔ "ہاں چلو۔"

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

❊ ❊ ❊

پنکھے کی ہوا سے چہرے پر آتے ہوئے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس نے یونہی نظر اٹھائی تھی۔ وہ دونوں ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ رکھے اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

تہلا مسکرا دی۔

"کیا دیکھ رہا ہے میرا بیٹا!"

"آپ بہت پیاری ہیں مما! لائک این اینجل۔"

"اوہ... یعنی آپ نے اینجلز دیکھے ہیں۔ کیسے ہوتے ہیں؟" اس نے بہت اشتیاق کا مظاہرہ کیا۔

"آپ جیسے۔" اس نے سادگی سے بتا دیا۔

"مثلاً۔ کوئی مشترکہ خوبی۔" اس نے مزید دلچسپی لی۔ رسالہ بند کر کے اس نے ایک طرف ڈال دیا تھا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ "آپ اتنی گوری ہیں مما!"
شہلا نے ہنسی بمشکل چھپائی۔
"میرے بیٹے کو گورا رنگ پسند ہے۔۔۔ ہوں۔۔۔ دھیان رکھنا پڑے گا۔"
"اور۔۔۔ اور۔۔۔ انوسینٹ بھی ہیں۔" عمر نے مزید غور کیا۔ "اینجلز انوسینٹ ہوتے ہیں نا مما!"
"یقیناً ہوتے ہوں گے۔" اس نے تائید میں سر ہلایا۔
"اور آپ کے بال کتنے اچھے ہیں۔" اس نے قریب آ کر ماں کے بال چھوئے۔ "اینجلز کے پروں جیسے۔"
"اوہ مائی گاڈ۔" کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی انیقہ بلبلا کر مڑی تھی۔ "آپی! یہ آپ کا بیٹا ہے یا مستقبل کا شاعر۔ کب سے میرا دھیان اس کی باتوں میں لگا ہوا ہے۔ ماں کے حسن کی اس قدر مدح سرائی کر رہا ہے، محبوبہ کی تعریف میں تو زمین آسمان کے قلابے ملا دے گا۔ کیوں جناب! خالہ جانی کے لیے بھی ایک آدھ قصیدہ ہے آپ کے غیر مطبوعہ دیوان میں یا نہیں۔"
شہلا بے ساختہ ہنس دی تھی جبکہ وہ منہ بنا کر اسے دیکھنے لگا۔
"مما جیسی تو ہیں آپ بھی، الگ سے کیا بتاؤں۔"
انیقہ کو بھی ہنسی آ گئی۔
"یعنی مما کی تعریفوں سے ہی جی ٹھنڈا کر لوں اپنا۔ آپ اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔"
"نہیں۔" اس نے گہری سانس بھری۔ "آپ تو خیر مما سے بھی زیادہ پیاری ہیں، لیکن مجھے اپنی مما زیادہ اچھی لگتی ہیں۔"
"اوہ۔" انیقہ نے ہونٹ سکوڑے۔ "کیا غضب کی صاف گوئی ہے۔ بڑے ناکام قسم کے سیاستدان ہوں گے آپ۔"
"وہ کون ہوتے ہیں؟" وہ سنجیدہ ہوا۔
"بتاؤ اب۔" شہلا نے پھر سے رسالہ اٹھا لیا۔
انیقہ سر کھجانے لگی۔ "ایک قسم کا پروفیشن ہے۔ جیسے ڈاکٹر ہوتے ہیں، وکیل ہوتے ہیں، قومی اسمبلی کے ممبر ہوتے ہیں۔۔۔"
"اچھا۔" وہ سوچ میں گم ہوا۔ "میرے پپا کیا تھے؟"
رسالے کے عقب میں شہلا کی پلکیں کانپیں پھر اس نے پورا چہرہ چھپا لیا۔
"تمہیں کوئی آواز آ رہی ہے عمر!" انیقہ نے اچانک پوچھا۔ "والز کا میوزک ہے نا۔"
"ہاں۔" وہ یکدم خوش ہو گیا۔
"چلو پھر بھاگو۔ میرے لیے کارنیٹو لے لو۔"
"اچھا خالہ جانی!" اس نے دوڑ لگا دی۔
انیقہ نے گہری سانس بھر کر سر ہلایا۔

* * *

پیاری امی جان!
السلام علیکم
آپ کا خط ملا، پانی گویا سر سے اونچا ہونے کو ہے۔ احمد جہاں زیب کو اب وقت ہی سمجھائے گا۔

منور میاں کو سب قصے کا علم ہو چکا ہے، وہ سخت طیش میں ہیں۔ یہ دن تو دیکھنا ہی تھا۔ میرے ساتھ کچھ برا ہوا تو میری بددعا اسے بھی سکھ چین سے نہ جینے دے گی۔ مجھے احمد جہاں زیب سے یہ امید نہ تھی۔ انسان کو حقیقت پسندی سے کچھ نہ کچھ تو واسطہ ہونا چاہیے۔ اس سے مینا کا قصور پوچھ کر مجھے بتلا دیں۔ آخر مجھے بھی آگے والوں کو مطمئن کرنا ہے۔
سخت پریشانی کے عالم میں ہوں، میرے لیے دعا کیجیے۔
آپ کی بیٹی
بلقیس بانو

ربیعہ نے بے دلی سے خط دوبارہ تہہ کیا۔ یہ چوتھا خط تھا جو اس نے پڑھا تھا، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ احمد جہاں زیب سے بلقیس بانو کی کیا ناراضی تھی؟ احمد جہاں زیب نے آخر کیا کیا تھا؟ بلقیس بانو ان سے کیوں سخت خفا تھیں؟ اس کا دماغ الجھ الجھ جاتا۔
اتنا اسے ضرور اندازہ تھا کہ یہ خطوط اس کی پیدائش سے قبل لکھے گئے تھے یا شاید اس کے ماں باپ کی شادی سے بھی قبل، ورنہ کسی خط میں اس کا تذکرہ ضرور ہوتا۔
ایک خط ایسا بھی تھا جس میں بلقیس بانو نے اپنا پتہ بھی تحریر کیا تھا۔ وہ پتہ لاہور شہر کا تھا۔ ربیعہ نے لاہور کبھی نہ دیکھا تھا۔ اسے لاہور دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اس نے کئی مرتبہ دادی جان سے لاہور دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ وہ اس کی فرمائش کے جواب میں کچھ نہ کہتیں۔ انہوں نے کبھی اپنی بیٹی کا ذکر تک نہ کیا تھا۔ حالانکہ وہ ربیعہ کی فرمائش کے جواب میں اتنا تو بتا ہی سکتی تھیں کہ بلقیس بانو نامی ان کی ایک بیٹی ہے جو لاہور شہر میں رہتی ہے۔
ایک معمہ تھا جو ربیعہ سے حل نہ ہوتا تھا۔ دادی جان کی وفات سے سوالات سے بھری ایک پٹاری کھل گئی تھی۔ اس کے چاروں جانب مختلف سوالات چکرا رہے تھے۔ سب سے بڑا، سب سے تشنہ سوال یہ تھا کہ دادی جان نے کبھی اسے اس کے دیگر رشتوں کے متعلق کیوں نہ بتایا تھا؟

* * *

"یہ لیجیے۔" عذرا بیگم نے بلوق حسن کو چائے کی پیالی تھمائی دی۔
"شکریہ۔" انہوں نے اخبار ایک جانب رکھ دیا۔ "لڑکے کیا کر رہے ہیں، گھر میں ٹکتے ہی نہیں۔"
"رافع تو یونیورسٹی کے کام سے ہی گیا ہے۔ تمہارے آنے سے چند منٹ پہلے ہی نکلا تھا۔ نافع شاید حمزہ اور علی کے ساتھ ہے۔ دونوں لینے تو آئے تھے اسے، اب کیا خبر کہاں گئے ہیں۔"
عذرا بیگم کے بجائے شفیقہ حیات نے جواب دیا تھا۔
"اچھے، نیک لڑکے دیے ہیں پروردگار نے۔ شکر ادا کیا کرو، بے وجہ وسوسوں میں نہیں پڑا کرتے۔" انہوں نے مزید کہا۔
وہ چائے کا بڑا سا پیالہ تھامے گھونٹ گھونٹ پی رہی تھیں۔
"ارے نہیں اماں! وسوسے کیسے۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ کئی روز ہو گئے کسی سے تفصیلی بات ہی نہیں ہوئی۔" وہ شگفتگی سے بولے۔
"اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ میں کسی قسم کی فکریں نہیں پالتا۔ جانتا ہوں، میری اولاد پر نگاہ رکھنے کے لیے میری ماں ہمہ وقت چوکس و ہشیار رہتی ہے۔ جہاں کوئی کمزوری نظر آئی، وہی مجھے مطلع کر دے گی۔ بیٹے میری سرحدیں ہیں اور ماں میری محافظ۔ میں اطمینان سے ہوں۔"

"جیتے رہو۔" انہوں نے بیٹے پر شفقت بھری نگاہ کی۔ "بوڑھے ماں باپ کو اور کیا چاہیے اولاد سے۔ ذرا سی لگاوٹ' ذرا سی محبت' ذرا سا اظہار۔ مشکل گھڑیاں آسان ہو جاتی ہیں۔"

انہوں نے گہری سانس بھری۔

"کیسی مشکل اماں!"

"کوئی مشکل نہیں بیٹے! اللہ کا احسان ہے۔ بس یہ بڑھاپا بذات خود ایک مشکل ہے۔ ساری عمر انسان اپنی مشکلات کا سامنا کر کے ان سے چومکھی لڑ سکتا ہے لیکن جب بڑھاپا آجائے تو اسے آسان بنانے کے لیے دوسروں کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ بڑھاپا ایسی مشکل ہے بیٹا! جسے انسان خود آسان نہیں کر سکتا' جب تک دوسرے نہ چاہیں۔"

"آپ کو کوئی شکایت ہے اماں!" عذرا بیگم نے ساس کی صورت دیکھی۔

"جیتی رہو۔ بیٹیوں جیسی بنی رہی ہو ساری عمر' شکایت کیسی۔ میں تو یونہی ایک بات کر رہی تھی۔ اللہ کا احسان' اس نے دو بیٹے دیے' دو بہویں دیں۔ ایک نے دھتکارا تو دوسری نے گلے لگا لیا۔ کبھی سوچتی ہوں' ایک بیٹا ہوتا اور ایک ہی بہو تو میں کہاں جاتی۔"

"ایسا نہ کہیں اماں! یہ تو نصیبوں کے کھیل ہیں۔ کبھی ایک بیٹے کی ماں بھی سکھی رہتی ہے تو کبھی گیارہ بیٹوں کی ماں بھی آٹھ آٹھ آنسو روتی ہے۔" سلجوق حسن نے خالی پیالی بیوی کو تھمائی۔

"درست کہتے ہو بیٹا! خدا کا شکر ہے اس نے مقدر میں سکھ ہی سکھ لکھا۔" شفیقہ حیات اطمینان سے بولیں۔

"ہاشم کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں بھابھی جان! اماں اس لیے فکر مند ہیں۔" عذرا بیگم نے شوہر کو ماں کی بے سکونی کی اصل وجہ سے آگاہ کیا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" وہ حیران ہوئے۔

"میں تو یہ کہتی تھی بچے! کہ اپنے گھر میں روشنی ہی روشنی ہو تو آدمی پرایا چراغ مانگنے کیوں نکلے۔ ماشاء اللہ ہاشم میاں کو دیکھو تو نظر بد سے بچاؤ کی دعا یاد آتی ہے۔ میں تو فوراً" پڑھ کر دم کرتی ہوں۔ ایسا اچھا ذہین بچہ' اپنی بچیوں میں سے کسی کا مقدر کیوں نہ بنے۔"

"چھوڑیں اماں۔" سلجوق حسن نے سر ہلایا۔ "ان کا بیٹا' ان کی عمر بھر کی کمائی۔ ہم کیوں اپنی نیتیں کھوٹی کریں جیسے ان کی خوشی ہو۔ خدا ہماری بچیوں کا مقدر بھی چمکائے گا انشاء اللہ۔"

"بس بیٹا! بوڑھی جان ہوں' کوئی اور کام تو ہے نہیں۔ بیٹھی یہی سوچتی رہتی ہوں۔" شفیقہ حیات ہنستے ہوئے بولیں۔

"آپ کے سوچنے سے کیا ہو گا اماں! جو ہونا ہو گا' رقم ہو چکا۔" سلجوق حسن بھی ہنس دیے۔ "فکرِ لاحاصل سے کیا حاصل۔"

"درست کہتے ہو۔" انہوں نے تائید کی۔ "شاید میرا ایمان ہی کمزور ہے۔"



دروازہ بج رہا تھا' اس نے کسل مندی سے گھڑی کی جانب دیکھا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو لیٹی تھی۔ تفکرات نے اسے ذہنی طور پر کچھ بیمار کر دیا تھا۔ عموماً" اس پر نقاہت کی سی کیفیت طاری رہا کرتی تھی۔

"کون ہے؟" دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"دیکھو لو بیٹی! میں ہوں تمہاری بوا سکینہ۔"
پان زدہ لہجے میں شہد گھلا ہوا تھا۔ ربیعہ نے چٹخنی گرا دی۔
باہر سکینہ بوا کے ہمراہ کوئی اور بھی تھا۔ سکینہ بوا کے پیچھے کھڑے اس آدمی کو دیکھ کر وہ نجانے کیوں خوف زدہ سی ہو گئی۔
کلف لگے ہوئے سفید لباس میں ملبوس وہ شخص کچھ نقلی سا معلوم ہوتا تھا۔ سیاہ خضاب سے اس نے سر کے بالوں اور مونچھوں کو گہرا سیاہ رنگا ہوا تھا۔ گلے میں سرخ رومال تھا۔ بالوں کو اس نے تیل کی مدد سے نہایت سلیقے سے جمایا ہوا تھا۔
اس کی آنکھوں کی چمک نے ربیعہ کو خوفزدہ کر دیا۔ سکینہ بوا منہ میں پان لیے کہہ رہی تھیں۔
"یہ عرفان میاں ہیں، میرے بہنوئی ہیں مگر بھائیوں جیسے ہیں۔ تم سے ذرا ایک کام کے سلسلے میں ملنے آئے ہیں۔ تمہیں ذرا سی فرصت ہو گی بٹی!"
انہوں نے ربیعہ کو دروازے کے بیچوں بیچ ایستادہ پا کر پوچھا۔
"جی۔" وہ چونکی۔ "جی ہاں، آئیں۔"
بادل نخواستہ اس نے ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ صحن کے بیچ میں پڑی چارپائی پر وہ دونوں بیٹھ گئے تو ربیعہ اپنے لیے کچن سے اسٹول لے آئی۔
"کہیے سکینہ بوا!" وہ اسٹول پر ٹک گئی۔
"دیکھو بیٹی! بات سراسر تمہارے بھلے کی ہے، اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا۔" انہوں نے پیک ادھر ادھر دیکھ کر نگل ہی لی۔
"ہاں۔" پھر وہ کھنکھاریں۔ "بات کچھ یوں ہے کہ میں نے اپنا گھر انہیں بیچ دیا ہے۔ لاکھ روپیہ انہوں نے نقد دیا ہے، بقیہ پچاس ہزار قسطوں میں دے دیں گے۔"
ربیعہ پلکیں جھپکائے بنا انہیں دیکھتی رہی۔
"ہاں تو۔۔۔ بات کچھ یوں ہے کہ یہ میرے گھر کو گرا کر چوڑی کا کارخانہ بنانا چاہتے ہیں۔" سکینہ بوا کچھ نروس تھیں۔ "تو۔۔۔ بات کچھ یوں ہے کہ جگہ کم پڑ رہی ہے۔"
انہوں نے گردن گھما کر ان صاحب کی جانب دیکھا تھا۔
"دیکھو بی بی!" وہ مدد کا اشارہ پا کر اچانک شروع ہوئے۔ "اس جگہ کی مارکیٹ ویلیو کچھ خاص نہیں، اس لیے میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ لاکھ دے سکتا ہوں۔ لاکھ نقد، پچاس ہزار قسطوں میں۔ سکینہ بہن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا ہے۔ تمہارے ساتھ بھی۔۔۔ بلکہ مزید نرمی کی جا سکتی ہے۔ میں تمہیں ایک ساٹھ کر دوں گا۔"
"مجھے ایک ساٹھ کر دیں گے؟" ربیعہ سمجھ کر بھی انجان بنی تھی۔ "میں سمجھی نہیں انکل!"
عرفان شوکت نے ایک نگاہ اس کے بھولے چہرے پر ڈالی۔
"میرا مطلب ہے میں تمہیں ایک لاکھ ساٹھ ہزار دوں گا۔ سکینہ بہن کو دی گئی رقم سے دس ہزار زیادہ۔"
"مگر آپ مجھے رقم کیوں دینا چاہتے ہیں؟"
"یہ تمہارا گھر خرید رہے ہیں نا بیٹی۔۔۔ اتنے اچھے دام لگ رہے ہیں۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ فوراً "ہامی" بھر لو۔ پھر لڑکی ذات ہو، تمہیں تو سسرال جانا ہے بیاہ کر۔ اچھا ہے تمہارے لیے جہیز کی رقم کا بندوبست ہو جائے گا۔ اور ہاں۔"

وہ ذرا سا جھک کر بڑی رازداری سے گویا ہوئیں۔
"ایک رشتہ بھی لائی ہوں تمہارے لیے۔ ہیرے جیسا لڑکا ہے۔ اپنا کاروبار ہے۔ سنو گی تو خوشی کے مارے پھولی نہ سماؤ گی۔ لیکن وہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلے یہ مکان کا کام تو ایک طرف ہو جائے۔"
ربیعہ خاموش ہو گئی۔ اس کے دماغ میں ٹائم بم کی ٹک ٹک بج رہی تھی۔ خطرے کا الارم سنائی دے رہا تھا۔ عرفان شوکت کی سرد، چالاک نظریں چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں جیسے اس نے بنا رقم دیے ہی وہ گھر خرید لیا تھا۔
"بولو بیٹی! کب رقم دیں تمہیں؟"
"بات دراصل یہ ہے بوا۔۔۔" وہ ٹھہر کر بولی۔ "یہ گھر میری پھپھو کا ہے۔ ان کے نام سے ہی اس کے کاغذات بنے ہوئے ہیں۔۔۔ اور پھپھو لاہور میں رہتی ہیں۔"
سکینہ بوا اور عرفان شوکت کو جیسے ایک دھچکا لگا تھا۔ ان کے چہرے اتر گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔
"پھپھو؟" پھر سکینہ بوا بولیں۔ "کون پھپھو؟ ہم نے تو کبھی نہیں سنا کہ تمہاری کوئی پھپھو بھی ہیں۔ نہ کبھی اتنے سالوں میں تمہاری دادی نے ہی کوئی ذکر کیا۔ اگر ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو کیا ان کے مرنے پر بھی نہ آتی؟ تمہارا سہارا نہ بنتی؟"
ربیعہ پھر خاموش ہوئی۔
"اب میں آپ کو کیا بتاؤں بوا۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔ "دراصل یہ سب کچھ بہت پرانی چپقلش کا نتیجہ ہے۔ پھوپھا سے دادی جان کی لڑائی تھی بہت زیادہ لڑائی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے کے روادار نہ تھے اسی لیے پھپھو کبھی یہاں نہیں آئیں۔ مجھے بھی یہ سب باتیں ان کے خطوط سے پتا چلیں۔ لیکن اب میں نے پھپھو کو خط لکھا تو ان کا جواب آیا وہ اور منور پھوپھا بہت جلد یہاں پہنچ رہے ہیں۔ شاید ہفتہ بھر میں۔ میں آپ کو ان سے ملواؤں گی اور مجھے یقین ہے وہ آپ کی پیشکش پر ضرور غور کریں گے۔ کیا کہا تھا آپ نے؟ ایک ساٹھ؟ ارے ہاں یاد آیا۔ پھپھو نے لکھا ہے کہ پھوپھا جان بھی جائیداد کی خرید و فروخت کا کام کرتے ہیں۔ پھر تو سمجھ لیں بات بن ہی گئی۔"
عرفان شوکت کھڑا ہو گیا۔
"اچھا بی بی! ہم پھر آئیں گے اور۔۔۔ ہاں۔۔۔"
اس نے سوچتی ہوئی نگاہوں سے سکینہ بوا کی جانب دیکھا۔
"اپنے پھوپھا کو دو ساٹھ کہنا بلکہ تین۔ تین لاکھ۔"
"تین لاکھ!" ربیعہ نے آنکھیں پھیلائیں۔ "اتنے زیادہ پیسے، اس چھوٹے سے گھر کے؟"
"ارے ایک سو بیس گز کا پلاٹ ہے۔۔۔" سکینہ بوا بے ساختگی میں بول گئیں پھر جیسے انہوں نے دانتوں میں زبان دبالی۔
"اچھا۔۔۔ چلیں پھر؟" عرفان شوکت نے سکینہ بوا سے پوچھا تھا۔
"ہاں!" وہ بے دلی سے کھڑی ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"آئے ہائے بیٹی! بھلا بتاؤ۔" نفیسہ خالہ کی حیرت اور صدمے سے آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"اس سکینہ کو خناس نے دیوانہ کردیا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! ارے یہ نہ سوچا' بے ماں باپ کی بچی' بے چھت کی بھی ہو گئی تو کہاں جائے گی؟ بھلا بتاؤ تمہارے ذہن میں اگر ایسی چالاکی کی بات نہ آتی تو وہ موا تو تمہیں ٹھگ ہی لیتا۔ پارسال نگینہ کے گھر کی قیمت چار لاکھ لگی تھی لیکن وہ نہ مانی اس کا تو مکان بھی خراب حالت میں تھا۔ تمہارا تو اللہ رکھے ایسی اچھی حالت میں ہے کہ پانچ میں چلا جائے' لیکن میرے منہ میں خاک کیوں جائے بھلا بتاؤ۔"

ربیعہ گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے خاموش بیٹھی تھی۔ اس کا ذہن عجب بھول بھلیوں میں الجھا ہوا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں بیٹی..... جھوٹ کو سچ کردو۔" نفیسہ خالہ کچھ سوچ کر بولیں۔

"اگر تمہارا دور پرے کا کوئی رشتہ دار ہے تو خط لکھ کر اسے بلوالو' ان کمینوں کو کچھ تو کان ہوں گے کہ بچی تنہا نہیں۔ یہ تو سمجھ رہی ہیں جیسے لوٹ کا مال ہے..... بھلا بتاؤ۔"

ربیعہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"پھپھو کا پتہ ملا تو ہے ایک خط میں..... میرا خیال بھی یہی ہے کہ میں اس پتے پر خط بھیج کر دیکھوں' کیا جواب آتا ہے۔"

"تب تلک ان مووں کو یونہی الجھائے رکھو..... ناس پیٹوں کو۔" پھر انہوں نے بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"ایک بات کہوں بیٹی! برا تو نہیں مانو گی؟"

ربیعہ نے مسکرا کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"نہیں خالہ..... برا ماننے والی بات اول تو ہوگی نہیں اگر ہوئی بھی تو میں ہرگز برا نہیں مانوں گی۔"

"تم کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ خالہ کے دل میں کوئی لالچ ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات والا حساب ہے۔ میرا بیٹا کسی طور تمہارے لائق تو نہیں پھر بھی تمہاری حفاظت کے خیال سے کہتی ہوں..... اگر تمہاری منگنی بدر سے ہوجائے تو....." وہ ڈرتے ڈرتے بولی تھیں۔ پھر انہوں نے ربیعہ کا تیزی سے سفید پڑتا چہرہ دیکھا۔

"نہ نہ بیٹی! کوئی زور زبردستی کا سودا نہیں۔ تمہاری اپنی خوشی ہے۔"

"اچھا چھوڑو بیٹی' رہنے دو میں بھی دیوانی ہوں بھلا بتاؤ۔" وہ اس کی حالت سے شرمندہ تھیں۔

"نہ جانے کہاں رکھ دیے سب درازیں الٹ پلٹ کر دیکھ چکی ہوں..... جیسے گدھے کے سر سے سینگ..... ایک میری یہ تختہ کمر..... میں بھی کم بختی کی ماری ہوئی..... چیزیں رکھ کر بالکل بھول جاتی ہوں....."

عریشہ نے بے فکری سے ٹی۔ وی دیکھتے ہوئے ایک نگاہ بڑبڑ کرتی ماں پر ڈالی پھر دوبارہ ٹی۔ وی کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"ان کو دیکھ لو..... اللہ کا نور..... ارے میں کہتی ہوں تمہارے دماغ اگر یہی رہے تو سسرال جا کر کیا غضب ڈھاؤ گی ان غریبوں پر' منہ بھر بھر مجھے کوسیں گے کہ ماں نے یہی تربیت کی ہے۔"

اس کی بے پروائی دیکھ کر انہیں جلال ہی آگیا۔

"لیجیے' اب مجھ غریب کی شامت آئی۔" وہ چڑ گئی۔ "چیزیں آپ رکھ رکھ بھولیں سسرال میں طعنہ مجھے ملے کوئی تک بنتی ہے امی!"

"ارے ماں سے دو لفظ تسلی کے تو کہہ سکتی ہو۔ پوچھ تو سکتی ہو کہ کیا کھو گیا۔ کس لیے گھنٹہ بھر سے پریشان ہو رہی ہوں۔ ساتھ ڈھنڈوانا تو علیحدہ بات' کم سے کم زبان تو ہلا سکتی ہو..... پتھر کے بت کی سی بے پروائی سے بیٹھی ہو۔ ارے آگ لگے ان ٹی۔ وی والوں کو..... لڑکیوں کو بالکل ہی نکما کر چھوڑا ہے۔ بس فیشن کی باتیں کروالو۔ یہ "ان" ہے یہ "آؤٹ" ہے۔ میں کہتی ہوں سسرال میں جا کر خبر ہوگی "ان" ہویا "آؤٹ" ہو....."

وہ سخت جل بھن چکی تھیں۔ فیشن سے متعلق چلتا ہوا پروگرام دیکھتی عریشہ کو انہوں نے بالکل ہی بے زار کر دیا۔

ریموٹ سے ٹی۔وی آف کر کے اس نے خفگی سے ماں کو دیکھا۔

یہ "سسرال نامہ" نہ جانے کب تک چلے گا آپ کا۔ "پوائنٹس" ختم ہی نہیں ہوتے۔ روز ایک نیا نکتہ سننے کو ملتا ہے۔"

"ماں کا جی جلاؤ گی تو یہی کچھ سننے کو ملے گا ہاں۔" وہ اس کے برابر بیٹھ کر اپنی ٹانگیں دابنے لگیں۔

"کیا کھو گیا ہے؟" اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"ارے تمہارے باپ کے کچھ کاغذات تھے ایک خاکی لفافے میں' چند روز قبل مجھے تھمائے تھے۔ میں بھول کے نجانے کہاں رکھ بیٹھی..... اب مل کر نہیں دیتے۔"

"کچن میں جو بسکٹس والا کیبنٹ ہے..... اوپر' چھوٹا کیبنٹ' اس میں بھی ایک براؤن لفافہ پڑا ہے' وہی تو نہیں؟"

فردوس بیگم نے لحظہ بھر سوچا پھر ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ارے ہاں' وہیں تو رکھ دیے تھے اس دن۔"

"آپ کا بھی جواب نہیں امی!" عریشہ مسکرا دی۔

"کوئی بھلی سی جگہ تو دیکھ لیا کریں' چیز رکھنے سے پہلے۔ کل ہاشم بھائی کے دوست آئے تھے تو میں نے بسکٹ لینے کے لیے کھولا تھا کیبنٹ' اب اگر میں نہ دیکھتی تو دن بھر کی خواری تھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیزار ہو جاتے سب لوگ۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" انہیں اعتراف کرنا پڑا۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کر رافع اندر چلا آیا۔

"السلام و علیکم..... تائی امی' ہاشم گھر پر ہے؟" وہ کچھ جلدی میں تھا۔

"نہیں ہاشم تو نہیں ہے' تم کہاں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو' آؤ دو گھڑی بیٹھو تو۔" وہ بادل نخواستہ اندر تک چلا آیا۔

"اس کے ساتھ حیدر چوک تک جانا تھا ایک دوست سے ملنے' میری بائیک نافع لے گیا ہے۔"

"اچھا تو یوں کہو ہاشم کی نہیں' موٹر سائیکل کی ضرورت ہے۔" رافع قدرے جز بز ہوا۔

"عریشہ! جاؤ علی کی دراز سے اس کی موٹر کی چابی نکال لاؤ وہ تو سو رہا ہے' اٹھے گا دو تین گھنٹے بعد۔"

رافع نے قدرے سکون کا سانس لیا اور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

عریشہ اٹھ کر علی کے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ فردوس بیگم بولتی رہیں۔

"تم لڑکے تو بس..... ایک تم ہو' ایک تمہارا ہوائی گھوڑا ہو اور کسی شے کی ضرورت نہیں تمہیں۔ جسے دیکھو اس کا یہی حال ہے۔ ہمارے والے تو ایسے نکمے ہیں' الگ الگ موٹریں لے کر دی ہیں باپ نے اور معمولی سا کام کہہ کر دیکھ لو' تلوؤں سے لگتی ہے' سر پر بجھتی ہے۔"

رافع خاموشی سے بیٹھ کر سننے پر مجبور تھا۔ عریشہ چابی لے کر باہر نکلی تو اس کی صورت دیکھ مسکرا دی۔

"یہ لیں رافع بھائی! آپ کا حیدر چوک والا دوست انتظار کر رہا ہوگا۔ جلدی سے چلے جائیں۔"

"تھینک یو!" وہ ممنونیت سے گویا ہوا۔

سیاہ جینز اور رسٹ کلر شرٹ میں اس کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔ گھنے بالوں کی سیاہی چمک بن کر بکھر رہی تھی۔ صاف ستھرا' دھلا' دھلایا وہ جیسے لانڈری سے نکل کر آیا تھا۔

فردوس بیگم کی نگاہوں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا۔

"ہائے..... ہائے!" انہوں نے سرد آہ بھری۔

عریشہ نے چونک کر ماں کی صورت دیکھی۔ اس سرد آہ کا مطلب وہ بخوبی جانتی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج اس نے خط لکھنے کا مکمل تہیہ کر لیا تھا۔

دادی جان کے صندوق میں اچھے بھلے خطوط تھے۔ وہ محض چند ایک ہی پڑھ پائی تھی۔ وہ سب خط پھپھو کے نہیں تھے۔ کئی ایک کے متعلق تو وہ سمجھ ہی نہ سکی تھی کہ خط کس نے بھیجا تھا اور اس کے متن کا کیا مقصد تھا۔

کاغذ' قلم لے کر وہ تا دیر سوچتی رہی۔ اسے کیا لکھنا تھا اور کیسے لکھنا تھا' اس نے کب کسی کو خط لکھا تھا۔ زندگی میں پہلی بار تو وہ خط لکھنے بیٹھی تھی۔

پھر بہت سوچ سوچ کر اس نے لکھنا شروع کیا۔ اپنا تعارف کرایا۔ دادی کے انتقال کی بابت لکھا اپنے اکیلے پن اور تنہائی کا ذکر کیا۔ محلے والوں کی بدنیتی کا احوال لکھا۔

"آخر میں اس نے اس اندیشے کا ذکر کیا کہ نہ جانے یہ خط بلقیس بانو تک پہنچتا بھی ہے یا نہیں' حالانکہ اس ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ خط نہ ملنے کی صورت میں وہ یہ جملہ پڑھ ہی نہیں سکتی تھیں اور خط مل جاتا تو اس جملے کی ضرورت نہ تھی۔

خط مکمل کر کے اس نے لفافے میں رکھا اور بند کر کے کچھ سوچنے لگی۔

جس خط میں اسے پھپھو کا پتہ ملا تھا وہ تو اس نے بے پروائی سے دوبارہ لکڑی کے صندوق میں ڈال دیا تھا۔ اسے پھر سب کچھ از سر نو کھنگالنا پڑا تھا۔ اس میں تو بہت کاغذات تھے۔

لیکن بہرحال یہ کام تو کرنا ہی تھا۔

اس نے پھر الماری سے چابی نکال کر صندوق کو کھولا اور سب کاغذات باہر نکال لیے۔ پرانے بلوں' تاروں' بینک کی رسیدوں اور خطوط کا وہ ایک بے ہنگم مجموعہ تھا' اس میں سے کچھ ڈھونڈنا خاصا مشکل کام تھا۔

وہ تہہ شدہ کاغذ کھول کھول کر دیکھنے لگی۔ ایک پرانے تار نے نجانے کیوں اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی تھی۔

ربیعہ نے تحریر پڑھی' لکھا تھا۔

"اطلاع دی جاتی ہے کہ آپ کی بیٹی بلقیس بانو چند دن علالت کے بعد انتقال کر گئی ہیں۔ جلدی پہنچیں۔"

آپ کا داماد

منور امین

ربیعہ کی نگاہوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ امید کی روشن شمع کسی نے پھونک مار کر گل کر دی تھی۔ چکراتے سر اور بے قابو ہوتے دل کے ساتھ وہ بڑی مشکل سے بستر تک پہنچی تھی۔

☼ ☼ ☼

(باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ)

تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے، جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگا تا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

۵
پانچویں قسط

سنہری شام اپنے خوبصورت پروں کو آہستہ آہستہ بند کرتی جا رہی تھی۔ موسم میں خنکی اور ٹھنڈ کا احساس بڑھنے لگا۔

"چلیں اب؟" ایقان نے برابر میں بیٹھے ہوئے عاشر کو دیکھا۔

"اوں ہوں!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

دونوں بچے ان سے قدرے فاصلے پر بیٹھے اب تک گھروندے بنا رہے تھے۔

"اس قدر حسین شام سے میں اتنی آسانی سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ اس کے ایک ایک لمحے سے لطف و مسرت کشید کر کے اپنے اندر بھر لینا چاہتا ہوں۔"

اس کے لہجے میں اضطراب سا تھا۔ ایقان کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ دور اٹھتی ہوئی لہروں پر نگاہ جمائے نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

"عاشر!" اس نے نرمی سے پکارا۔

"ہوں!" اس نے نگاہوں کا رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے۔ اچانک اداس کیوں ہو گئے؟"

"کبھی کبھی ہر بات جھوٹ کیوں لگنے لگتی ہے ایقان! وقت، خوشی، مسرت، اپنا آپ۔ میں کہیں بیٹھے بیٹھے اچانک خلاؤں میں معلق ہو جاتا ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جیسے مجھے کسی شے کی طلب ہو اور اس شے کا نام سمجھ میں نہ آئے، جیسے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں، کچھ ایسا، جس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ میں خوش ہوتے ہوتے اچانک اداس کیوں ہو جاتا ہوں؟ میں ایک ہنستے بستے منظر سے اچانک غائب ہو جاتا ہوں، کیوں ایقان؟ یہ کیسی کنفیوژن ہے؟"

ایقان اداسی سے مسکرا دی۔

"اپنی کیفیات کو تم سمجھ نہیں پاتے عاشر! ابھی تم میرے ساتھ ہو، اپنے بچوں کے ساتھ ہو، بھرپور طریقے سے یہ وقت انجوائے کر رہے ہو لیکن تمہارا لاشعور تم سے کہہ رہا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد تمہیں اس بھرپور خوبصورت منظر سے غائب ہو کر کہیں اور ظاہر ہونا ہے۔ تمہارا شعور تمہیں خوشی دے رہا ہے اور لاشعور اداسی۔ بس یہی ساری کنفیوژن ہے!"

"میں جانے کے خیال سے اداس ہوں؟" وہ بچوں کی طرح پوچھنے لگا۔

ایقان کچھ بول نہ پائی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم بھی اداس ہو ایقان؟" اس کے لہجے میں محبت کی گرمی جاگنے لگی۔

"ابھی تو نہیں ہوں۔" وہ جان بوجھ کر ہنس دی تھی۔ "میں آنے والی جدائی کا سوچ کر قربت کے لمحوں کی خوشی ضائع نہیں کرتی۔ اور آنے والے ملن کی گھڑیوں کا سوچ کر وقتی جدائی کا دکھ بھول جاتی ہوں۔ آپ کی طرح قنوطی نہیں ہوں جناب!"

"اچھا!" وہ بھی مسکرا دیا۔ "اور وہ میرے فون سے موٹے موٹے آنسو کس کے نکلتے تھے؟ کس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ لانے کے لیے میں اپنی توانائیاں صرف کرتا تھا؟ میڈم رجائیت پسند!"

ایقان شرارت سے ہنسنے لگی۔ وہ محض اس کا دھیان بٹانا چاہتی تھی اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گئی تھی۔

"ارے وہ تو یونہی تمہیں یہ یقین دلانے کے لیے کہ تمہاری پیاری بیوی کس قدر باوفا ہے۔ دن رات تمہاری جدائی میں آہیں بھر بھر کر ملک میں گرمی کی شدت کم کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔" عاشر کو ہنسی آ گئی۔

"یعنی محب وطن بھی ہے۔ ٹو ان ون!" اس نے سر ہلایا۔

پھر چند لمحوں میں وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"شاید تمہیں احساس نہیں ہے ایقان! اپنے ملک میں، اپنے بچوں کے ساتھ، اپنی چھت کے نیچے رہتی ہوئی عورت ان جذبات و احساسات کا اندازہ نہیں لگا سکتی جو ایک پرائے دیس میں، پرائے لوگوں کے درمیان رہ کر اپنوں کی یاد میں دن گننے والے مردوں کے ہوتے ہیں۔ بہت مشکل ہے یاد۔ بہت مشکل، سخت قسم کی مزدوری کر کے گھر لوٹنے والے مرد کو بیوی کی کتنی ضرورت ہوتی ہے محض "وقتی جدائی" کے رومانس میں ڈوبی ہوئی عورت کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔"

وہ بکھرا بکھرا سا لگ رہا تھا۔ ایقان پیار سے اس کا ہاتھ سہلانے لگی۔

"تو پھر لوٹ آؤ۔ ہمیشہ کے لیے۔ یوں بھی تمہارا کانٹریکٹ تو دو سال کا تھا عاشر..."

عاشر اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایقان کو اس کی نظریں سمجھ میں نہ آئیں۔

"کیا بات ہے عاشر؟"

"میرا ایک نئی کمپنی کے ساتھ چار سال کا کانٹریکٹ ہو گیا ہے ایقان!" اس نے بتایا۔

ایقان کو یوں لگا جیسے عاشر نے اسے خبر نہ سنائی ہو... زور سے دھکا دیا ہو۔ وہ بیٹھی ہوئی تھی پھر بھی اس نے خود کو لڑکھڑاتا ہوا محسوس کیا۔ اس نے آنکھیں زور سے بند کیں پھر کھولیں۔ پھر بند کر لیں۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔

"ایقان..." عاشر نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"پلیز عاشر... کچھ مت کہو!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ پلکیں لرز رہی تھیں۔ جسم ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

"ایقان... میری بات سنو!"

"کچھ نہیں سننا مجھے... کچھ بھی نہیں..." اس نے شدت سے آنکھیں میچ کر نفی میں سر ہلایا۔ "تم نے... تم نے مجھے بتائے بغیر... مجھ سے پوچھے بغیر... نیا کانٹریکٹ سائن کر لیا؟ کچھ نہیں سوچا میرے بارے میں؟ کچھ بھی نہیں! کتنی آس سے، کتنی امیدوں سے روز نیا دن دیکھتی ہوں... سوچتی ہوں، جدائی کا ایک دن گزر گیا... پھر ایک

نئے دن کو گزارنے کے طریقے سوچتی ہوں۔۔۔ لیکن تم یہ سب کہاں سمجھ سکتے ہو۔۔۔ تمہارے نزدیک تو یہ سب کچھ محض "رومانس" ہے۔ حقیقت تو وہ ہے جس کا سامنا تم کرتے ہو پرایا دیس، پرائے لوگ، تھکن سے چور مرو کی ضرورتیں۔۔۔ باقی سب کچھ "رومانس" ہے۔"

"ایقان۔۔۔ ایقان۔۔۔ پلیز" عاشر نے اسے نرمی سے تھاما۔

وہ خاموش ہو کر ہانپنے لگی۔ عاشر نے پاس پڑی بوتل سے گلاس بھر کر اسے تھمایا۔ وہ ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی۔

"میں نے اپنی خوشی سے یہ کانٹریکٹ سائن نہیں کیا ہے ایقان! بہت سوچا میں نے۔۔۔ بہت غور کیا، اپنے بچوں کے لیے میں نے یہ قربانی دی ہے۔ ابھی یہ چھوٹے ہیں، ان کی ضروریات محدود ہیں۔ ابھی وقت ہے کہ ہم اپنے "آج" کی قربانی دے کر اپنا "کل" محفوظ اور خوشحال بنالیں۔ کل کو ہمارے بچے بڑے ہو کر اگر اعلا اداروں میں تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو ہمیں تفکرات نہ آگھیریں۔ ہم نے اپنی تیاری مکمل رکھی ہو۔ اگر چند ایک سال اک دوسرے سے جدا رہ کر ہمیشہ کا ساتھ محفوظ کرلیا جائے تو یہ نقصان کا سودا نہیں ہے ایقان! میں اسی لیے تم سے اپنی کیفیات کا ذکر کر رہا تھا کہ تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ صرف تم میری کمی کو محسوس کرتی ہو۔ یہ دوری مجھ پر اثر انداز نہیں ہوگی؟ میں تمہاری، تمہارے جذبات کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"چار سال۔۔۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"میں آتا رہوں گا۔۔۔"

"کتنی بار آؤ گے؟ چار سالوں میں زیادہ سے زیادہ دوبار۔۔۔ ہیں نا!" اس نے سر جھٹکا۔

"بس یہی چار سال ایقان! آئی پرامس۔ ہمارے بچوں کے اچھے مستقبل کی خاطر۔"

ایقان خاموش ہوگئی پھر اس نے گھبرا کر سر اٹھایا۔

"بچے! بچے کہاں گئے؟"

عاشر چونک کر کھڑا ہوا تھا۔ ایقان اس کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔

ایمان اور مومن کھیلتے ہوئے قدرے فاصلے پر چلے گئے تھے دونوں تقریباً دوڑتے ہوئے ان تک پہنچے۔

ایقان، ایمان کو اٹھالیا اور عاشر جھک کر بیٹے کا چہرہ چومنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے ہائے! بھلا بتاؤ!" فکر مندی نفیسہ خالہ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ "بے چاری بچی کو بیمار کر ڈالا فکروں نے۔ میں تو جی ہی جی میں داد دیا کرتی تھی اس کی ہمت کو۔ ایسی دھان پان، نازک مزاج بچی اور حالات کی اتنی سختی یوں مردانگی سے جھیل گئی۔۔۔ مگر مصیبت بھی کبھی تنہا آتی ہے! بھلا بتاؤ، ایک تو دادی کی بے وقت موت سے بچی پریشان اور ادھ موئی، اس پر لالچی، کمینے لوگوں کی بری نظریں بھی جان کو چمٹ گئیں۔۔۔ بچی بیمار نہ ہو تو اور کیا ہو۔۔۔ اتنا تیز بخار بھلا بتاؤ!"

ربیعہ نے ادھ کھلی آنکھوں سے ان کا پریشان چہرہ دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں خالہ! آپ بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں۔۔۔" اس کی آواز حد درجہ دھیمی تھی۔

نفیسہ خالہ نے شاید اس کا جملہ ٹھیک سے سنا بھی نہیں۔

"بدر کو بھیجا تھا کہ ڈاکٹر کو بلا لائے۔۔۔ وہ خبیث بھی کہاں کان دھرتا ہے۔۔۔ جنے کہاں کو نکل گیا۔۔۔ مجھ ان پڑھ کو تو دوائیوں کی اتنی سوجھ بھی نہیں۔۔۔ کوئی الٹی سلٹی دوا اٹھا کر دے دی تو بچی تو پہلے ہی اتنی کمزور ہے۔"

دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ حاکم چچا اندر چلے آئے۔

"کیسی طبیعت ہے اب اس کی؟" ماتھے پر شکن لیے وہ نفیسہ خالہ سے مخاطب ہوئے۔

"ویسی ہی ہے!" وہ بیزاری سے بولیں۔ "کلیجا ایک نہ دینے دو۔"

اگلا جملہ انہوں نے کمال مہارت سے یوں ادا کیا تھا کہ ان کے اپنے کانوں سے آگے نہ جانے پائے۔

"ڈاکٹر کو بلایا؟"

"اے تو میاں! تم لے آؤ ڈاکٹر کو۔ میں اس بچی کو دو سراہٹ دوں کہ ڈاکٹروں کے پیچھے دوڑتی پھروں۔"

"اپنے کسی بیٹے کو کہا ہوتا۔۔۔ میں تو دکان سے ابھی لوٹا ہوں تو سمیعہ نے مجھے خبر دی۔۔۔ خیر میں ڈاکٹر کو لے آتا ہوں۔"

پھر انہوں نے جھک کر ربیعہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"اوہو۔۔۔ ہو۔۔۔ جل رہی ہے۔" انہوں نے تشویش سے کہا "میں ابھی ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔"

اسی لمحے بدر ایک شخص کو لے کر اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم چچا جان!" اس نے حاکم چچا کو دیکھ کو مؤدبانہ انداز اپنایا۔

"ہوں!" انہوں نے ناگواری سے محض اتنا ہی کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"ڈاکٹر ہے۔ اپنے محلے کا ڈاکٹر تو چھٹی پر ہے۔ میں تو بڑے اسپتال سے لایا ہوں ڈاکٹر صاحب کو۔۔۔"

"بڑا تیر مارا ہے!" اب حاکم چچا زیر لب بڑبڑائے۔

ڈاکٹر، ربیعہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس سے چند ایک سوالات کر کے وہ نسخہ لکھنے لگا۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر؟" حاکم چچا پوچھنے لگے۔ "یہ بخار کیسا ہے؟"

"کچھ خاص وجہ نہیں۔ بظاہر اندرونی کمزوری اور ذہنی پریشانی کا نتیجہ معلوم ہو رہا ہے۔ یہ دوائیاں استعمال کروائیں۔ انشاء اللہ چند ایک روز میں آرام آجائے گا۔ خوراک کا دھیان رکھیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ کھانے پینے پر بالکل توجہ نہیں دیتیں۔"

"بھلا بتاؤ۔۔۔ بچی بے چاری کیا توجہ دے۔۔۔ توجہ دینے والی تو اللہ بخشے قبر میں جالیٹی۔" نفیسہ خالہ نے تاسف سے سر ہلایا۔

"ہم اس کا پورا خیال رکھیں گے۔۔۔" حاکم چچا نے ڈاکٹر سے نسخہ لے لیا۔

ڈاکٹر کی فیس بھی انہوں نے ہی ادا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ڈھلتی ہوئی شام کا سماں بے حد خوشگوار معلوم ہو رہا تھا۔ وہ ٹیرس پر پڑی آرام دہ کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

آس پاس کے بنگلوں کی دیواروں اور ٹیرس کے جنگلوں سے لپٹی سر سبز بیلیں نگاہوں کو تراوٹ بخش رہی تھیں۔

اکا دکا ٹیرس یا چھت پر بے فکری سے ٹہلتی ہوئی خوش باش لڑکیاں بھی دکھائی پڑتی تھیں۔ موسم کی مناسبت سے رنگین لباس زیب تن کیے، ہاتھ میں چائے یا کافی کے مگ تھامے 'الہڑ، بے فکری' بے پروا لڑکیاں رنگین تتلیوں کی مانند لگ رہی تھیں۔ اندر کمرے میں انیقہ اپنی پسند کا ریکارڈ لگا رہی تھی۔ نیو نور کی آواز اسے اپنے اندر

اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

کبھی ہم خوبصورت تھے۔

کتابوں میں بسی خوشبو کی مانند سانس ساکن تھی

بہت سے ان کہے لفظوں سے تصویریں بناتے تھے

پرندوں کے پروں پر نظم لکھ کر

دور کی جھیلوں میں بسنے والے لوگوں کو سناتے تھے۔

جو ہم سے دور تھے لیکن ہمارے پاس رہتے تھے......"

شہلا نے سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔ یہ ریکارڈ اسے بھی بے حد پسند تھا۔ لیکن ہمیشہ اسے رلا دیتا تھا۔ نہ جانے انیقہ کو یہ ریکارڈ کیوں پسند تھا۔

ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو کہ ہم کو تتلیوں کے، جگنوؤں کے دیس جانا ہے

ہمیں رنگوں کے جگنو، روشنی کی تتلیاں آواز دیتی ہیں

گئے دن کی مسافت، رنگ میں ڈوبی ہوا کے ساتھ کھڑکی سے بلاتی ہے۔

ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو

ہمیں ماتھے پہ بوسہ دو......

آنسو خاموشی سے اس کی آنکھ کے گوشوں سے بہہ رہے تھے۔

کسی نے نرمی سے اس کے چہرہ صاف کیا تو وہ چونک اٹھی۔

"امی... آپ!"

"شہلا..... میری بچی! اپنا دل یوں مت جلایا کرو۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے!" منیزہ بیگم کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"آپ دکھی نہ ہوں امی! میرا دل نہیں جلتا۔ میں بہت زیادہ پریکٹیکل ہوں.... یہ تو بس یونہی، کبھی کبھی....."

"پاسبانِ عقل، دل کو تنہا چھوڑ دیا کرتا ہے..... ہے نا آپی!" انیقہ بھی وہاں چلی آئی تھی۔ شہلا نے اسے گھورا۔

"تمہیں بھی کوئی اچھا، دل کو بہلانے والا ریکارڈ نہیں ملتا۔"

"جو ریکارڈوں سے دل کو بہلاتے ہیں وہ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ کیا خود کو دھوکا دے رہی ہیں؟"

"بکو مت!" منیزہ بیگم نے اسے جھاڑ پلادی۔ "سوچ سمجھ کر نہیں بولتیں۔"

"میں تو خوب سوچ سمجھ کر بولتی ہوں امی!" اس نے ماں کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ "بعض امراض کا علاج نشتر ہی ہوا کرتے ہیں۔ آخر کو میں بھی میڈیکل اسٹوڈنٹ ہوں.... یہ اگر ڈاکٹر ہیں تو کیا ہوا! وہ کیا کہا ہے شاعر صاحب نے، بربادیٔ دل جبر نہیں فیض کسی کا۔"

"یہ لڑکی نہیں مانے گی۔" منیزہ بیگم عاجز ہوئیں۔ "میں چائے لے کر آتی ہوں....." ان کے جانے کے بعد انیقہ نے سنجیدگی سے بہن کا چہرہ دیکھا۔

"آپی! آپ ہمیشہ بہت مضبوط نظر آتی ہیں اور کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ یہ مضبوطی محض ظاہری ہے اندر سے آپ آج بھی اتنی ہی کمزور ہیں....."

شہلا پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

”انسان اور پتھر میں فرق کرنا سیکھو نکی!“ پھر وہ بولی۔ ”زمان و مکان کے احساس سے عاری انسان بس پتھر ہی ہوتا ہے۔ انسان کے جذبات چاند کی طرح ہوتے ہیں، سمندر کی طرح ہوتے ہیں۔۔۔“
”ایک بات سچ سچ بتائیں آپی!“
”وہی پرانا گھسا پٹا سوال مجھ سے مت پوچھنا!“ وہ بیزاری سے بولی۔
”بار بار اس لیے پوچھتی ہوں کہ اس سلسلے میں مجھے سخت قسم کی کنفیوژن لاحق ہے۔“ وہ چڑ گئی۔ ”اگر آپ کو وہ حضرت یاد نہیں آتے تو آپ تنہائی میں رو کیوں پڑتی ہیں اور اگر یاد آتے ہیں تو۔۔۔“
”انیقہ۔۔۔“ شہلا نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ”بس بہت ہو گیا۔ ختم کرو یہ فضول ٹاپک۔ میں نے کہا نا مجھے کوئی یاد نہیں آتا۔ بس کبھی کبھی گزرے ہوئے وقت کا رائیگاں جانا رلا دیتا ہے۔۔۔ کہ کاش میں نے اپنا اتنا وقت ضائع نہ کیا ہوتا۔۔۔ تم کچھ اور نہ سمجھا کرو۔ پلیز!“ انیقہ خاموش ہو گئی۔
”مما۔۔۔“ سفید شرٹ اور نیکر میں ملبوس عمر ریکٹ ہلاتا چلا آیا۔
”مما کی جان!“ شہلا نے اسے بانہوں میں بھر کر چوما۔
”مما۔۔۔ میں آج راجہ سے جیت گیا ہوں۔۔۔ میں نے اسے ہرا دیا ہے۔۔۔ دو پوائنٹس سے۔ پتا ہے مما! وہ اتنی بے ایمانی بھی کرتا ہے۔ پھر بھی ہار گیا۔“
وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ انیقہ نے اس کا کان کھینچا۔
”آپ کے خیال میں بے ایمانی کرنے والے جیت جاتے ہیں۔ چہ خوب۔“
”وہ ہمیشہ بے ایمانی سے جیتتا ہے خالہ جانی!“
”تو وہ جیت ہوتی ہی نہیں!“ شہلا نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا۔ ”جیت تو ہمیشہ سچائی سے مشروط ہوتی ہے میرے چاند!“
”آپ ضرور اس کو بقراط بنا کر چھوڑیں گی۔ آپ ہاسپٹل چلی جاتی ہیں اور یہ جناب یہی موٹی موٹی باتیں ہمیں فیڈ کرتے ہیں۔۔۔“
انیقہ ہنس دی اور شہلا کو بھی ہنسی آ گئی۔

☼ ☼ ☼

تینوں سر جھکائے زور و شور سے اظہار خیال کر رہی تھیں۔
عذرا بیگم نے یونہی دروازے سے جھانکا۔
”یہ تم تینوں ایسی کون سی میٹنگ کر رہی ہو۔۔۔ باہر وردہ بیٹھی ہے۔“
”وردہ آپی کو بھی اندر بھیج دیں۔۔۔“ مصروف سے انداز میں جواب دیا گیا۔
”تم ساری کی ساری مایوں بیٹھ گئی ہو کیا؟“ انہیں غصہ آیا۔
”ارے امی جی! جس نے مایوں بیٹھنا ہے اس کی مشکل کا حل ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔“
”کس کو مشکل آن پڑی ہے۔“ مسکراتے ہوئے وردہ اندر چلی آئی تھی۔ ”یہ اتنے رسالوں کا ڈھیر کس لیے جمع کیا ہوا ہے۔ ضرور کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔۔۔“
”یہ سدرہ کی بچی۔۔۔ روز نت نئے مسئلے لے آتی ہے۔ پھر ہمیں ان کا حل ڈھونڈنے کے لیے بٹھا دیتی ہے۔“
ثانیہ نے دانت کچکچائے۔
”ہوا کیا؟“ وہ قریب بیٹھ گئی۔

”جناب کی دوست کی بڑی بہن مایوں بیٹھ رہی ہیں اور ایک ہزار ایک مسئلے لکھ بھیجے ہیں کہ ذرا جلدی سے ان کا حل بتا دو۔۔۔ ہفتہ بھر بعد شادی ہے موصوفہ کی۔۔۔ لیجیے بیٹھے بٹھائے ہم بیوٹیشن کے مقام پر فائز ہو گئے۔۔۔ اب یہ رسالوں کا ڈھیر لیے بیٹھے ہیں ان کی مدد کے لیے۔۔۔“ وردہ کو ہنسی آئی۔
”مسئلہ کیا ہے؟“
”مسئلہ؟“ عریشہ بھنائی۔ ”مسائل۔۔۔ بلکہ مسائل کا انبار کہیے۔۔۔ ناخن بڑھتے نہیں، پیٹ بہت بڑھ گیا ہے۔ رنگ کالا ہے، دانت پیلے ہیں، بال سفید ہیں۔۔۔ لیجیے! کوئی چیز اپنے اوریجنل کلر میں دستیاب نہیں ہے۔ اب بتاؤ ہم کیا کیا لکھ کر بھیجیں؟“
”میں تو کہتا ہوں دو نفل شکرانہ لکھ بھیجو۔۔۔ شادی پھر بھی ہو رہی ہے۔“ علی مزے سے بولا۔
”ہائیں“ ثانیہ نے اسے گھورا۔ ”یہ تم برے وقت کی مانند بغیر بتائے کیسے نازل ہوئے؟ معلوم نہیں یہاں خواتین کے کچھ خاص مسائل ڈسکس کیے جا رہے ہیں۔۔۔ تمہاری انٹری قطعاً ”نامنظور“ ہے۔۔۔“
”ارے۔۔۔ میں کون سا تم سے ”سحر البیان“ سننے آیا تھا۔“ وہ چڑ گیا۔ ”میں تو عریشہ بی بی کو امی جان کا خاص پیغام دینے آیا تھا جس میں انہوں نے [illegible] کے گدھے کے سینگ قرار دیا ہے۔“
”اور تمہیں یقیناً گدھا قرار دیا ہوگا۔“ ثانیہ مزے سے بولی۔
”جی نہیں۔۔۔“ وہ مزید چڑا۔ ”میری امی نہ ہوتیں تو ان کے جملہ ارشادات تمہارے گوش گزار کرتا تاکہ تمہیں علم ہوتا کہ وہ کس کس کو کیا کچھ قرار دیتی ہیں۔“
ثانیہ اور سدرہ کے چہروں کے تمام زاویے بگڑے جبکہ وردہ ہنسنے لگی۔
”[illegible]“ وہ [illegible] کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ”اور یہ جو خواتین کے مسائل کا ذکر ہو رہا تھا انہیں تو میں یوں [illegible] حل کر [illegible] ہوں۔ تم لوگ سب بے وجہ ہی توانائیاں صرف کر رہے ہو۔“
”کیوں؟ آپ حکیم ہیں۔“
”نہیں۔۔۔ یہ خطرۂ جاں ہیں۔“
وہ سب کی سب زور سے ہنس دیں۔
”تم سب کیا سمجھ رہی ہو۔۔۔ یہاں میرا کوئی یار و مددگار نہیں تو تم لوگ مجھ پر ہنس لو گی؟“ وہ اطمینان سے بولا۔ ”یہ ایسا ہی ہے جیسے بکریوں کے ریوڑ میں شیر۔“
”اچھا۔۔۔ تو پہلے تو بڑھے ہوئے پیٹ کا علاج بتاؤ۔“ عریشہ نے مسئلہ نمبر ایک دیکھا۔
”اسے پتا ہوتا تو خود نہ کرتا علاج۔“ سدرہ ہنسی۔
”بڑھے ہوئے پیٹ کا علاج ہے الٹا چلنا۔ گردن موڑ کر الٹا چلا کریں۔۔۔“
لڑکیوں کو ہنسی آ گئی۔
”اس کو بھگاؤ یہاں سے۔۔۔“ عریشہ بھنائی۔ ”یہ ایسی ہی ہانکے گا۔“
”بال سفید ہیں تو وگ لگاؤ۔ ہر قسم کی وگ بازار میں دستیاب ہے۔ رنگ کالا ہے تو فاؤنڈیشن کا استعمال کرو۔ لو جی! چٹکی بجاتے ہر مسئلے کا حل موجود۔“
”اس کی ”ہونے والی“ کو بتانا یہ سارے گُر۔“ ثانیہ نے عریشہ کو ہدایت کی۔ ”رات کو جب وہ اپنی وگ اتار کر ایک طرف رکھے گی اور منہ دھو کر واش روم سے نکلے گی تب اسے اپنی حکمت کے فوائد کا پوری طرح اندازہ ہوگا۔“

"ارے صدقے جاواں!" اس نے پورے دانتوں کی نمائش کی۔ "کیا ذکر چھیڑا ہے۔ دل خوش کر دیا۔ میری ہونے والی" جب ہو جائے گی تب تم لوگ جل جل کر راکھ ہوتا اور اس راکھ سے پتیلے مانجھنا۔ ارے وہ تو ایسی ہو گی۔ ایسی ہو گی... کیسی ہو گی؟" پھر وہ ورد سے پوچھنے لگا۔

"وگ پلس فاؤنڈیشن..." جواب کہیں اور سے آیا۔

"ہونہہ... جل جل کر تم لوگ اور کالی ہو جانا۔"

"اچھا بھئی... تم جاؤ یہاں سے۔"

لڑکیوں نے اسے بہت مشکلوں سے باہر نکالا تھا۔ پھر وہ سر جوڑ کر دوبارہ مسائل کا حل لکھنے بیٹھ گئیں۔

"رات کو سوتے وقت ناخنوں پر لہسن کے جوئے ملیں..." عریشہ لکھنے لگی پھر اس نے پین ایک طرف رکھ دیا۔

"سارے کام اس بے چاری کو رات کو ہی کرنے ہیں۔ ناخنوں پر وہ لہسن مل لے گی' چہرے اور گردن پر لیموں ملی بالائی سے مساج کر لے گی' بالوں میں تیل اکسیر کی مالش کر لے گی۔ تو رزلٹ کیا نکلے گا؟"

"دولہا دوسرے کمرے میں سوئے گا۔" ثانیہ نے سوچ کر مدبرانہ جواب دیا۔

"ہا... ہائے! پھر یہ سب کچھ کرنے کا فائدہ؟"

وہ بے چارگی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اس کی طبیعت کافی بہتر ہو چلی تھی۔ نفیسہ خالہ اور سمعیہ نے اس کی ہر طرح سے دل جوئی کی تھی اور اس کا بہت خیال رکھا تھا۔

اس وقت بھی وہ دونوں اس کے پاس موجود تھیں۔ نفیسہ خالہ اس کے لیے کھچڑی بنا رہی تھیں جبکہ سمعیہ اپنے اور اس کے لیے چائے بنا لائی تھی۔

دونوں چائے کے مگ تھامے ادھر ادھر کی باتیں کر رہی تھیں جب دروازہ بجا۔

"اماں! آ جاؤں؟" بدر کی آواز آئی۔ پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اندر چلا آیا۔

سمعیہ کے چہرے پر ایک محسوس کی جانے والی تازگی اور شرمگیں مسکراہٹ چمکنے لگی۔

نفیسہ خالہ سوالیہ نظروں سے بیٹے کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"وہ..." وہ ماں کو اپنا آپ تولتا ہوا محسوس کر کے کچھ خجل سا ہوا۔ "اماں... گھر پر کچھ پکایا نہیں کیا؟ مجھے بھوک لگی ہے۔"

"تو بچے! میں نے یہاں تو تندور لگایا نہیں... گھر آ کر ہی پکاؤں گی روٹی... ابھی شام کے چھ بجے ہیں اور تجھے بھوک بھی لگ گئی۔ سچ کہتے ہیں' فراغت میں بندے کو روٹیوں کے خیال ہی آتے ہیں۔" وہ جز بز ہوا۔

"تقریر نہ جھاڑ اماں! یہ بتا کچھ کھانے کو ہے؟" وہ لڑکیوں کے سامنے درگت بننے پر چڑ گیا۔

سمعیہ منہ دبائے ہنس رہی تھی۔ ربیعہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"یہاں کچھ کھانے کو نہیں۔ تو چل گھر!" وہ بھی آخر اس کی ماں تھیں۔

"اچھا!" اس نے سر کھجا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ایک سرسری نگاہ ان دونوں پر بھی ڈالی۔

"پھر ایسا کرو' چائے ہی پلا دو۔" وہ کونے میں رکھے موڑھے پر جا بیٹھا۔

سمعیہ پھر ہنسی سے بے حال ہونے لگی جبکہ ربیعہ سنجیدگی سے چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

نفیسہ خالہ مجبوراً" چائے بنانے لگیں۔ وہ زیر لب بڑبڑاتی بھی جا رہی تھیں۔ جوان لڑکیوں کے مقابل آ بیٹھنے پر

وہ بیٹے سے سخت خفا تھیں۔

"ویدوں میں شرم نہ پانی۔ لچھن دیکھو نوجوان کے... جیب خالی... مانگے گھر والی بھلا بتاؤ!"

بدر کو ماں کی بڑبڑاہٹ سے مطلق دلچسپی تھی نہ پروا۔ وہ کچھ گنگناتے ہوئے نشیلی نظروں سے بار بار ان کی طرف دیکھتا تھا۔

ربیعہ کو سمعیہ سے اس کے تعلق خاص کا علم تھا پھر بھی اسے بدر کے وہاں آ بیٹھنے سے کوفت محسوس ہونے لگی۔ وہ چائے کا خالی مگ رکھنے کے بہانے وہاں سے اٹھ کر نفیسہ خالہ کے پاس کچن میں چلی آئی۔

"ارے بیٹی! تم کیوں اٹھیں۔ چکر نہ آ جائے۔ جسم میں ابھی نقاہت ہے۔ کچھ خیال کرو۔"

"کچھ نہیں ہوتا خالہ!" وہ مسکرا دی۔ "بیٹھے بیٹھے بھی اکتا گئی ہوں۔"

وہ ان کے پاس پڑی پیڑھی پر بیٹھ کر چولہے میں بھڑکتے آگ کے شعلوں کو دیکھنے لگی۔

"معاف کرنا بیٹی! یہ چائے پانی کا خرچا بھی تمہارے سر پڑ رہا ہے۔" وہ چائے بنانے پر شرمندہ تھیں۔

"خالہ!" ربیعہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ "کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ اتنے دن سے بے لوث خدمت کر رہی ہیں میری... مجھ پر آپ کا اتنا بھی حق نہیں۔"

"میں نے کیا کیا بیٹی... بھلا بتاؤ۔"

وہ شرمندہ سی ہنسی ہنس کر چائے کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ ربیعہ خیالات کے دھارے کے ساتھ ساتھ بہنے لگی۔

باہر صحن میں بدر' سمعیہ کے قریب جا بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ارے بھئی... رافع... رافع... ارے عذرا... کہاں ہو..." فردوس بیگم ہانپتی کانپتی' ادھر ادھر ڈولتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔ مارے گھبراہٹ کے انہیں تخت پر بیٹھی تسبیح کرتی ہوئی ساس بھی نظر نہ آئی تھیں۔

شفیقہ حیات نے جلدی جلدی ہتھیلیاں چہرے پر پھیریں۔

"ارے فردوس! کیا ہوا ہے؟ خیریت تو ہے؟"

اتنی دیر میں عذرا بیگم بھی بجلی کی تیزی سے اندر سے برآمد ہو گئیں۔ رافع بھی اتفاق سے اپنے کمرے میں موجود تھا۔ وہ تائی کی گھبرائی ہوئی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکل کر سیڑھیوں پر آ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا تائی امی؟"

"ارے رافع... میرے بچے جلدی آؤ۔ ہاشم کو اسپتال لے کر جانا ہے۔"

"ہائیں!" وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتا چلا آیا۔

"کیا ہوا' کیسے ہوا' کب ہوا..."

ہر طرف سے سوالات برسنے لگے تھے۔ فردوس بیگم آنسو پونچھنے لگیں۔

"موٹر سائیکل سے گر گیا' ماتھا پھٹ گیا ہے۔ بھل بھل خون بہہ رہا ہے... جلدی چلو..."

وہ سب کے سب نہایت تیز رفتاری سے باہر کی جانب بڑھے تھے۔ رافع سب سے آگے تھا۔ تقریباً" دوڑتے ہوئے اس نے دونوں پورشنوں کا درمیانی فاصلہ طے کیا۔ ہاتھ مار کر اس نے مرکزی لاؤنج کا دروازہ کھولا اور تیزی سے اندر داخل ہوا۔

ماتھے پر برف کی ٹکور کرتے ہاشم کو دیکھ کر اس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔ تنے ہوئے اعصاب یکدم

ڈھیلے ہوئے تھے۔ صورتحال اتنی خطرناک نہیں تھی جتنا کہ اس کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔
"کیا ہوا یار! ڈرا دیا چچی نے تو....."
"ایسی بھی کوئی بات نہیں.... اپنی روڈ کے کار نر پر تھا... ایک بچی سامنے آ گئی بائیک سلپ ہو گئی۔" رافع قریب جا کر اس کا زخم دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں باقی افراد بھی چلے آئے۔
ہاشم بھی سوالات کے بہاؤ کی زد میں آ گیا۔
رافع نے اس کے ماتھے پر وقفے وقفے سے ابھر آنے والی خون کی بوندوں کو دیکھا۔ اس کی کہنی پر بھی اچھا بھلا زخم آیا تھا۔ پینٹ کا پائنچہ اس نے موڑا ہوا تھا۔ ٹانگ پر بڑی خراشیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ کچھ سوچ کر چپکے سے اٹھا اور کسی کی نگاہ میں آئے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
"دادی جان! میں ٹھیک ہوں مجھے کچھ نہیں ہوا...." ہاشم شفیقہ حیات کے تفکرات کے اظہار کے جواب میں انہیں مطمئن کرنے کی اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔
"ارے بچے! ماتھا پھٹ گیا ہے اور تم کہہ رہے ہو کچھ نہیں ہوا۔ میں کہتی ہوں اسپتال جاؤ... کوئی ٹیکہ لگواؤ... ماتھے کی مرہم پٹی کراؤ۔ ان چوٹوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔" ہاشم ہنسنے لگا۔
"پیاری دادی! کیوں فکر کرتی ہیں..."
"ٹھیک تو کہتی ہیں۔" فردوس بیگم بھی خفگی سے بولیں۔ "ذرا کہنی دیکھو اپنی... کیسی سوجن ہو رہی ہے۔ رافع تم اسے لے کر جاؤ۔"
وہ مڑیں پھر حیران رہ گئیں۔
"ہائیں یہ کہاں رفو چکر ہو گیا۔" "نہیں بخت آور آیا... دیکھ بھی رہا ہے بچے کی حالت پھر بھی بنا پوچھے چپکے سے کھسک لیا۔ بھئی آج کل کے لڑکوں کا احساس ذمہ داری...."
"صبر کرو بہو! اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے۔ کسی کام سے ہی گیا ہو گا۔" شفیقہ حیات نے انہیں تسلی دے کر ٹھنڈا کیا۔
عذرا بیگم نے ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے جذبات قابو میں کیے۔
اسی لمحے لاؤنج کا دروازہ کھول کر رافع اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔ سبھی اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس کے پیچھے شہلا محسن علی تھی۔ اس نے وہائٹ اوور آل پہنا ہوا تھا۔ گلے میں اسٹیتھسکوپ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی ابھی ڈیوٹی سے لوٹی۔
"السلام علیکم۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں سب کو سلام کیا۔
یہ گھر اور اس گھر کے مکین اس کے لیے کبھی بھی اجنبی نہ رہے تھے۔ بچپن سے وہ یہاں آتی جاتی رہی تھی۔ ایقان سے اس کی دانت کاٹے کی دوستی رہی تھی۔
سب ہی نے اس کے سلام کا پرجوش و پرخلوص جواب دیا تھا سوائے فردوس بیگم کے۔ جن کے ماتھے پر بے شمار سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ آنکھوں میں محسوس کیے جانے والا تنفر در آیا تھا۔ مارے غصے کے ان کا سانس بھی پھولنے لگا۔
"کیا ہو گیا آپ کو؟" شہلا ہاشم سے پوچھنے لگی۔
مصروف انداز میں وہ اپنا فرسٹ ایڈ باکس بھی کھولنے لگی۔
ہاشم خواب کے سے عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے شہلا کی جانب محض اس وقت دیکھا تھا جب وہ دروازہ کھول

کر اندر آئی تھی۔ اس کے بعد اس کی نگاہیں قالین پر بنے ڈیزائن سے الجھ رہی تھیں۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ شہلا کی سرسری سی بات کا اس نے کوئی جواب ہی نہ دیا تھا۔

"گرم پانی چاہیے۔" شہلا نے اس کے ماتھے پر لگے زخم کا جائزہ لیا۔ "معمولی سا زخم ہے۔ میں صفائی کر کے بینڈیج کر دیتی ہوں۔"

"انفیکشن سے حفاظت کا ٹیکہ بھی لگا دو بیٹی!" شفیقہ حیات بولیں۔ "ایسی چوٹوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔"

شہلا مسکرا دی۔

"ارے اماں! آپ تو آدھی ڈاکٹر نکلیں۔ میں ٹیکہ بھی لگاؤں گی' آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔"

عذرا بیگم ایک پیالے میں گرم پانی لے کر آئیں۔ شہلا' ہاشم کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

رافع نے ہاشم کا بغور جائزہ لیا پھر مسکراہٹ کی بے ساختہ پھوٹنے والی دھار کو روک نہ سکا۔ وہ کسی نئی نویلی دلہن کی مانند گویا سانس بھی روکے بیٹھا تھا۔ جیسے ذرا سی حرکت اس کے خواب کو توڑ دیتی۔ اس کے برابر بیٹھی شہلا غائب ہو جاتی۔

اس کے جذبات و احساسات سے قطعاً "غافل وہ پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ اس کی بینڈیج کر رہی تھی۔ ماتھے کی بینڈیج کے بعد وہ اس کے کہنی پر آئے زخم صاف کرنے لگی پھر یکایک اس نے سر اٹھایا۔

"آپ اتنے ٹینس کیوں ہو رہے ہیں۔ ڈونٹ وری' یہ تو بالکل معمولی سے زخم ہیں۔ اتنا سیریس نہ لیں' پلیز۔"

پہلی مرتبہ ہاشم کے انداز میں قدرے ڈھیلا پن نمایاں ہوا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش بھی کر ڈالی۔

"میں ٹینس تو نہیں ہوں۔"

"لگ رہے ہیں۔" وہ اس کے بالکل قریب بیٹھی اس کے زخموں پر دوا لگا رہی تھی۔

"یہ جو ہیں وہ نہ لگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" رافع برجستہ بولا تھا۔

ہاشم کو ہنسی آ گئی۔ شہلا نے بھی مسکرا کر بالکل نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا۔

فردوس بیگم بھنا کر اٹھیں اور وہاں سے واک آؤٹ کر گئیں۔ شفیقہ حیات اور عذرا بیگم ہربات سے ناواقف آرام سے بیٹھی اس کی کارروائی ملاحظہ کر رہی تھیں۔ کسی نے بھی فردوس بیگم کے موڈ کو محسوس نہ کیا تھا' ماسوائے ہاشم اور رافع کے۔

"اچھا جی!" وہ اپنا کام ختم کر کے کھڑی ہوئی۔ "اب مجھے اجازت ہے؟"

"ارے بیٹی! کوئی چائے پانی تو پیتی جاؤ۔" شفیقہ حیات کو خیال آیا تھا۔ "ہم نے تو تمہیں بالکل ہی ڈاکٹر سمجھ لیا۔"

"نہیں اماں! چائے پر تو امی اور انیقہ میرا رستہ دیکھتی ہوں گی' میں ابھی ہاسپٹل سے لوٹی ہی تھی۔ رافع مجھے دروازے پر ہی مل گئے۔ میں نے تو امی کو بتایا تک نہیں۔"

"پھر بھی بیٹی! یوں اچھا نہیں لگتا۔" شفیقہ حیات کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ "تمہیں ہماری وجہ سے زحمت ہوئی اور ہم نے تمہیں پانی تک نہیں پلایا۔"

"زحمت کیسی اماں!" وہ حیرانی سے بولی۔ "آپ سب تو میرے اپنوں جیسے ہیں۔ بھول گئیں' میں اور ایقان سارا سارا دن آپ کو تنگ کرتے تھے۔"

"جیتی رہو۔ تم بھی میرے لیے ایقان جیسی ہو۔ آتی جاتی رہا کرو بیٹی! ہم بوڑھے لوگ تو اسی آس میں صبح

شام کرتے ہیں کہ کوئی آکر اپنی خیریت دے جائے اور ہمیں پوچھ جائے۔" وہ مسکرا دی۔

"اچھا' میں چلتی ہوں۔" اس نے فرسٹ ایڈ باکس اٹھانا چاہا۔

رافع نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے باکس تھام لیا۔

"میں آپ کو گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔"

"تھینک یو رافع! اچھا جی' اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔ کیسی پیاری بچی ہے اور بے چاری کا نصیب۔" شفیقہ حیات نے اس کے نکلنے کے بعد کہا۔

ہاشم ٹکٹکی باندھے اس دروازے کو دیکھ رہا تھا' جہاں سے وہ نکل کر گئی تھی۔

❊ ❊ ❊

صحن میں بکھرے ہوئے ہار سنگھار کے پتے اور مرجھائے ہوئے پھول اکٹھے کر کے اس نے ڈسٹ بن میں ڈالے اور پائپ لگا کر کیاری میں لگے ہوئے پودوں کو پانی دینے لگی۔

کئی دن کی بیماری کے بعد آج وہ خود کو بہت فریش اور توانا محسوس کر رہی تھی۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام نمٹاتے ہوئے اسے عجب لطف محسوس ہو رہا تھا۔

موسم بھی بے حد خوشگوار ہو چلا تھا۔ گرمی کے سارے آثار خنک' تازہ ہواؤں نے تقریباً" ختم ہی کر ڈالے تھے۔ اس کا موڈ اچھا تھا۔ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے' وقت کی ہر تلخی کو وقتی طور پر فراموش کیے وہ اپنے کام میں منہمک تھی' جب دھیرے سے دروازہ بجا۔

ربیعہ چونک اٹھی۔ شام کا وقت تھا۔ عموماً" اس وقت سعیدہ اپنے گھر کا تمام کام نمٹا کر آجایا کرتی تھی۔ اس نے بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ اگلے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئی۔

باہر عرفان شوکت کھڑا تھا۔ وہ اپنے مخصوص حلیے میں تھا۔ سفید کلف لگا سوٹ اور گلے میں سرخ رومال' سیاہ بال نہایت سلیقے سے جمائے ہوئے تھے اور آنکھوں میں وہی چمک تھی' جو کسی خونخوار بھیڑیے کی آنکھوں میں معصوم بھیڑ کو دیکھ کر آتی ہوگی۔

ربیعہ کے دل نے غیر معمولی انداز میں دھڑکنا شروع کر دیا۔

"گڑیا رانی! تھوڑا سا وقت دو گی نہیں؟" وہ بے حد اپنائیت سے بولا۔

ربیعہ نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ قدرت نے اسے بپھرے ہوئے سمندر میں پھینک دیا تھا اور وہ تیرنا نہ جانتی تھی۔ ہمت اور حوصلہ اس کا واحد سہارا تھے۔ جینے کی تمنا اس کا واحد ہتھیار۔

وہ چند لمحوں کے لیے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے بنا کسی ہچکچاہٹ کے دروازہ چھوڑ دیا۔

"تشریف لائیے۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

عرفان شوکت کو شاید اس قدر آسانی کی امید نہ تھی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

ربیعہ نے جان بوجھ کر اس کے پیچھے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔

"بیٹھیے۔" اس نے صحن کے بیچوں بیچ بچھی ہوئی چارپائی کی طرف اشارہ کیا اور خود کونے میں پڑا موڑھا لے آئی۔

"جی فرمائیے۔" اس نے اپنے انداز میں بے حد بے گانگی سمو کر پوچھا۔

"دیکھو بیٹی! تم میرے لیے بیٹیوں جیسی ہو' اسی لیے میں بنا کسی تکلف کے پھر چلا آیا ہوں۔" اس نے تمہید

باندھی تھی۔ ”حالانکہ میرے علم میں ہے کہ تمہاری پھپھو ابھی تک پہنچ نہیں پائی ہیں۔“
ربیعہ نے اپنے اندر ایک عجیب سی اذیت محسوس کی۔ تار کے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے تھے۔ اس نے جلدی سے نظریں جھکا کر اپنے ہاتھوں پر مرکوز کر دیں۔
”مجھے اس سلسلے میں قدرے عجلت کا سامنا ہے‘ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ سودا تمہارے ساتھ ہی طے کرلوں۔ بعد میں تمہاری پھپھو اور پھپھا سے بات چیت ہوتی رہے گی۔ تم تو بس اس کاغذ پر ایک سائن کر دو۔“
اس نے اچانک ہی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ نکالا تھا۔
”تم... کتنے سال کی ہو؟“ اچانک اسے دھیان آیا۔ ”تمہارا شناختی کارڈ تو بن گیا ہے نا؟“
ربیعہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔
”او ہو۔“ عرفان شوکت کو شاید اس جواب کی امید نہ تھی۔ ”بہرحال‘ وہ تو بن جائے گا‘ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم ذرا اس کاغذ پر دستخط کر دو بیٹی!“
”اس پر کیا لکھا ہے؟“ ربیعہ نے کاغذ تھامنے کی زحمت نہ کی۔
”اس پر محض اتنا لکھا ہے کہ تم ہم سے اس گھر کا سودا کرنے پر تیار ہو۔ میں کہہ رہا ہوں نا‘ باقی کے معاملات تمہارے عزیزوں کے آنے پر ہی طے ہوں گے۔“
”مگر آپ سے کس نے کہا کہ میں اس گھر کا سودا کرنا چاہتی ہوں؟“ اب کی بار اس نے قدرے تندی سے کہا۔ ”اس گھر سے میری پیاری دادی کی یادیں وابستہ ہیں۔ اس کے چپے چپے پر ان کے قدموں کے نشان ہیں۔ اس کے در و دیوار پر ان کے نقش ابھرتے ہیں‘ مجھ سے باتیں کرتے ہیں... اور... آپ مجھے میری دادی کی یادوں کے عوض ایک معمولی رقم کی پیشکش کر رہے ہیں۔ اس امید پر کہ میں یہ پیشکش قبول بھی کرلوں گی؟“
”ارے... بھئی... اس قدر غصہ!“ عرفان شوکت بناوٹی طور پر محظوظ ہو کر دیر تک ہنسا۔ ”ننھی سی گڑیا اور اتنا غصہ... او ہو... ہو...“
ربیعہ بگڑے تیوروں کے ساتھ بیٹھی رہی۔ اس پر عرفان شوکت کی ہنسی کا کچھ اثر نہ ہوا تھا پھر یک لخت ہی وہ خاموش ہوا۔
”دیکھو بیٹی! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اس کاغذ پر خاموشی سے دستخط کر دو۔ مجھے ہر قسم کی زبان بولنا آتی ہے اور تم سے میں سب سے نرم زبان میں بات کر رہا ہوں۔ مجھے اس علاقے میں اسی لوکیشن کی ضرورت ہے‘ اشد ضرورت‘ اور میں اپنی ضرورتوں پر سمجھوتہ کر لینے والا آدمی نہیں ہوں۔ گھر تو میں ہر حال میں لے ہی لوں گا‘ بات تمہاری بھلائی کی ہے اور میں فی الحال تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ کیا سمجھیں؟“ ربیعہ منٹوں میں خوفزدہ ہو گئی لیکن اس نے یہ خوف اپنے چہرے پر لانے سے حتی الامکان گریز کیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر عرفان شوکت کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا۔
”اصل میں انکل...“ وہ پھر سوچنے لگی تھی۔ ”بات کچھ یوں ہے کہ... میں تو دستخط کر بھی دوں... لیکن پھپھو... وہ بہت برا مانیں گی۔ ان کا گھر ہے‘ ان کی مرضی کا سودا ہونا چاہیے۔“
عرفان شوکت کے چہرے پر در آنے والے سخت تاثرات قدرے زائل ہوئے۔
”میں نے کہا نا‘ ان سے بات کرنا اور ان کو مطمئن کرنا میرا کام ہے... ویسے... کون سی ٹرین میں سوار ہیں تمہاری وہ پھپھو؟ دس بارہ دن تو ہو گئے یہ رام کہانی سنتے۔“
ربیعہ گڑبڑا گئی تھی۔

”کل... کل آ رہی ہیں پھپھو...“
”کل؟“ وہ پریشان ہوا۔ ”یعنی کہ کل؟“
”جی... کل۔“ ربیعہ قدرے مطمئن ہوئی۔ ”میں یہ کاغذ کل آپ کو سائن کر دوں گی۔ ٹھیک ہے نا انکل!“
عرفان شوکت سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
”مجھے کل یہ کاغذ چاہیے‘ دستخط کے ساتھ۔“
”جی ٹھیک ہے۔“ وہ مؤدبانہ بولی۔
”چلتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔
ربیعہ کو دروازہ بند کر لینے کا خیال بھی نہ رہا۔ کاغذ دونوں ہاتھوں میں بھینچے وہ پتھر کے بت کی مانند ساکت بیٹھی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بہت بڑے جنجال میں پھنس چکی تھی۔
”شاید... شاید مجھے یہ گھر بیچنا ہی ہوگا۔“ اس نے سوچا۔

❊ ❊ ❊

باتوں اور قہقہوں کی ملی جلی آوازوں کے بیچ اس نے ایک نگاہ ایقان پر ڈالی۔
وہ باتوں میں بہت زیادہ حصہ نہیں لے رہی تھی۔ بات بے بات ہنسی کی پھوار میں بھیگنا اسے پسند تھا۔ آج وہ بات بے بات ہنسی بھی نہ تھی۔ چائے کا کپ لیے وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی سوچ میں گم ہو جایا کرتی۔ عاشر گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
”او بسنتی یوں پاگل... نہ جا رے نہ جا... روکو کوئی۔“ حمزہ نے اچانک سُریلی آواز میں دردناک تان لگائی۔ سب خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگے۔
اس کا ”کوئی“ ضرورت سے زیادہ لمبا ہونے لگا تو عربشہ نے اسے ایک دھپ لگائی۔
”کیا مسئلہ ہے؟ اس ”دورے“ کا کیا نام ہے؟“ نافع نے اسے گھورا۔
”یہ تو پھپھو سے پوچھو۔ مجھے لگا‘ یہ ابھی گانا شروع کریں گی مگر انہیں گانا یاد نہیں آ رہا۔ میں نے تو انہیں گانا یاد کرایا ہے۔“
عاشر ہنسنے لگا۔ ایقان کے لبوں پر بھی شرمندہ شرمندہ سی مسکان جاگی۔ وہ حمزہ کو گھورنے لگی۔
”میں تجھے... چھوڑ کے... کہاں جاؤں گا۔“ اب علی کی باری تھی۔ ”میرے بھولے صنم‘ تیرے سر کی قسم‘ جا کے جلدی ہی میں لوٹ آؤں گا... بائے بائے... بائے بائے...“ اس نے ہاتھ بھی ہلایا۔
ایقان ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔
”توبہ... مسخرے ہیں دونوں‘ حد کر دیتے ہیں۔“ اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔
”تھینک یو یارو! تھینک یو سو مچ۔“ عاشر نے انہیں ممنونیت سے دیکھا۔ ”اس بندی خدا کو ہنسایا تو سہی۔ مجھے تو اس کا یہ بوتھا دیکھ دیکھ کر اپنے جانے کے خیال سے خوف آ رہا تھا۔“
”اوئے پھپھا جان! آپ بالکل بے فکر ہو کر جائیں۔“ علی اسے مذاق میں ہمیشہ صحیح رشتے سے پکارا کرتا تھا‘ ورنہ عموماً وہ عاشر بھائی یا عاشر انکل سے کام چلا لیا کرتا تھا۔
”ہم انہیں ہنسا ہنسا کر ہنسی کا گول گپا بنا دیں گے۔“
”وہ تو خیر تم بنا ہی چکے۔“ عاشر نے شرارت سے ایقان کو دیکھا۔ ”اتنی اسمارٹ سی بیوی چھوڑ کر گیا تھا میں‘ بائیس انچ کی کمر تھی اس کی...“

ایقان نے بے ساختہ انداز میں اسے گھورا۔ مبادا وہ اس کا راز فاش کردے۔
"حال کی خبر دیجیے۔" علی نے اپنا کان اس کے قریب کیا۔ ایقان نے اس کا دوسرا کان کھینچ کر اسے اپنی جانب کیا۔
"حال کے بچے..... تمہیں کاہے کا تجسس ہے؟ مجھ سے ڈائریکٹ پوچھ لو۔"
"ارے آپ آدھے پونے انچ کی ڈنڈی ضرور ماریں گی۔"
"رائٹ.... رائٹ....." عاشر بھی ہنسنے لگا تھا۔ "ویسے ایقان کا ارادہ ہے کہ تمہاری برأت میں یہ اپنا ویڈنگ ڈریس پہنے گی۔ کیوں ایقان؟"
"آپ کم ہیں ان مسخروں سے۔" وہ جل کر وہاں سے اٹھ ہی گئی۔
"میں ذرا اباجی سے مل کر آتی ہوں۔" وہ عاشر کو بتا کر جانے لگی۔
اس وقت وہ لوگ سلجوق حسن اور عذرا بیگم کے پورشن میں تھے۔ شفیقہ حیات اپنے چھوٹے بیٹے سلجوق حسن کے ہمراہ رہتی تھیں۔ بڑی بہو سے ان کی کچھ خاص نہ بنتی تھی۔
وہ اپنے دھیان میں درمیانی لان عبور کر رہی تھی۔ سامنے سے آتے اختر میاں کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکی۔ اگرچہ اب وہ ایک خود اعتماد عورت تھی پھر بھی برسوں پرانا ایک واقعہ اس کے "اندر" کو چھیڑ گیا۔ وہ نگاہیں چرا کر گزرنے لگی۔
"سلام عرض کرتے ہیں' آپ کی خدمت میں۔"
"جیتے رہیے۔" وہ طنزاً بولی۔
"ایسی بددعا تو نہ دیں ایقان بیگم!"
وہ ذرا کی ذرا رک کر آگے بڑھنے کو تھی کہ یکدم پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی۔
"اپنی بدحواسی کا کریڈٹ کیوں خوامخواہ کسی بے قصور کے سر ڈالتے ہیں اختر میاں! کسی دھندے سے لگیے۔ جب تک جی ہی رہے ہیں' تب تک تو جینے کا عملی ثبوت پیش کیجیے۔ وہ کیا کہا ہے شاعر نے۔

خود نمائی تو نہیں شیوۂ ارباب وفا
جن کو جلنا ہو' وہ آرام سے جل جاتے ہیں

کھٹ کھٹ کرتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔
"ہائے۔" اختر میاں وہیں گھاس پر دھپ سے بیٹھ گئے۔ "تجھے کیا خبر ظالم! ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں..... ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں۔ ہم چراغوں کی طرح..... ہم چراغوں کی طرح....."
وہ دیوانوں کی مانند سر ہلاتے جا رہے تھے۔

❄ ❄ ❄

ڈبل ڈیوٹی نمٹا کر وہ بے حد تھکی ہوئی لوٹی تھی۔
گاڑی لاک کر کے وہ اندر کی جانب بڑھنے لگی' جب اس کی نگاہ لان میں بیٹھی انیقہ اور اس کی دوست پر پڑی۔ وہ اس سے سلام دعا کرنے کی غرض سے لان میں چلی آئی۔
"کیسی ہو ارم؟"
"ایک دم فرسٹ کلاس۔ آپ سنائیے' بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔"

"ہاں تو تھکی ہوئی ہوں نا۔ ڈبل ڈیوٹی نمٹا کر آ رہی ہوں۔" وہ ستانے کی غرض سے وہیں لان چیئر پر ٹک گئی۔

"چائے بناؤں آپی؟" انیقہ نے پوچھا۔

"پلا دو یار! عمر کہاں ہے؟" اسے دفعتاً خیال آیا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔ میں اسے ہوم ورک کروا رہی تھی جب ارم آئی۔ ہوم ورک تو کمپلیٹ ہو چکا تھا' ٹی وی پر کارٹون لگا کر چھوڑ آئی ہوں اسے۔ دیکھ رہا ہو گا۔"

اس نے چائے بنانے کے ساتھ ساتھ اسے تفصیل سے بھی آگاہ کیا۔

"اس کی اردو رائٹنگ کمزور ہے انیقہ! ذرا اس طرف دھیان دیا کرو۔ لفظوں کی بناوٹ ٹھیک نہیں ہے اس کی۔" اس نے چائے کا کپ تھام کر گھونٹ بھرا۔

"باتیں بنانے میں نمبرون ہے آپ کا بیٹا۔ لکھائی میں جانے کیسے کمزور پڑ گیا۔" شہلا مسکرا دی تھی۔

"اپنی ماں کے سامنے مجھے تو پاسنگ مارکس بھی نہیں دیتا۔" انیقہ' ارم کو بتانے لگی۔ "حالانکہ آپی کے ساتھ اتنا وقت نہیں گزارتا جتنا میرے ساتھ گزارتا ہے۔"

"اپنے پپا کے بارے میں تو پوچھتا ہو گا؟" ارم پوچھ بیٹھی۔

انیقہ پھیکی سی پڑ گئی۔ شہلا گھونٹ بھرتے بھرتے رک گئی۔

"ہاں پوچھتا ہے' بہت پوچھتا ہے۔" پھر وہ بولی۔ "اور میں اسے بتاؤں گی بھی ضرور' سب کچھ بتاؤں گی۔ بس ذرا سمجھ دار ہو جائے۔ معاملات کو جسٹی فائی کرنا سیکھ لے۔ ایسی باتیں بچوں سے چھپائی تو نہیں جا سکتیں نا۔ آخر کبھی نہ کبھی تو...." اس نے آخری گھونٹ بھرا۔

پھر وہ چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں ذرا فریش ہو لوں' ایکسکیوزی۔"

وہ اپنا بیگ سنبھال کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"کتنی پیاری ہیں تمہاری آپی!" ارم اس کی پشت پر لہراتی سیاہ چوٹی پر نگاہ جمائے ہوئے بولی۔ "اللہ میاں نے بھی بعض لوگوں کے دل نجانے کس مٹی سے بنائے ہیں۔ اس قدر بھرپور حسن بھی بے اثر ہو سکتا ہے انیقہ؟"

انیقہ محض مسکرا کر خاموش ہو رہی۔

خالی الذہنی کے عالم میں چلتی ہوئی وہ اندر آئی۔ گھر کے مرکزی حصے میں داخل ہو کر دائیں ہاتھ پر سب سے پہلے اس کا ہی کمرہ پڑتا تھا۔ وہ اندر چلی آئی۔ بے دلی سے بیگ ایک کونے میں پھینک کر اس نے اوور آل اتارا اور کرسی کی پشت پر ڈال دیا پھر وہ کرسی پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ گئی۔

چند لمحے اسی طرح گزار دینے کے بعد اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

ٹی وی آن تھا۔ "ٹام اینڈ جیری" چل رہے تھے' لیکن عمر کمرے میں نہ تھا۔ اس نے اٹھ کر ٹی وی آف کیا پھر آگے بڑھ کر واش روم میں جھانکا' وہ وہاں بھی نہ تھا۔ کچھ سوچ کر وہ کمرے سے نکلی۔ لاؤنج میں آ کر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

عمر سامنے صوفے پر اس طرح بیٹھا تھا کہ شہلا کی جانب اس کی پشت تھی۔ اس نے کان سے فون کا ریسیور لگایا ہوا تھا۔

"شاید عباس کا فون ہے۔" اسے خیال آیا۔ "لیکن عباس لاہور سے اتنی لمبی کال تو نہیں کرتا' یہ مزے سے

ریسیور کان سے لگائے بیٹھا ہے۔" وہ آگے بڑھ آئی۔

"مما! وہ تو سب سے اچھی ہیں' اتنی پیاری ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "آپ نے دیکھی ہیں؟ کب؟ آپ نے کہاں دیکھی ہیں؟ جی نہیں' آپ میری مما کو نہیں جانتے۔"

شہلا کو الجھن ہونے لگی۔ وہ آخر کس سے محو گفتگو ہے۔

وہ اس کے عین پیچھے جا کھڑی ہوئی۔

"جی ہاں' ہاسپٹل تو جاتی ہیں۔ ہاں جی' تو کیا ہوا؟ میری خالہ جانی میرا خیال رکھتی ہیں۔ وہ تو مما سے زیادہ پیار کرتی ہیں' ڈانٹتی بھی نہیں۔ پتا ہے' میری مما ڈاکٹر ہیں نا۔ وہ کہتی ہیں' ڈاکٹر کے گھر والوں کو سیکریفائز کرنا پڑتا ہے' ورنہ دوسرے مریض ٹھیک کیسے ہوں گے؟"

شہلا نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"مم ...." عمر کے لبوں پر اس نے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"پھر بھی یار! یہ سیکریفائز کا فلسفہ اپنی سمجھ سے باہر ہے۔" دوسری جانب سے کوئی کہہ رہا تھا۔ "دنیا ٹھیک ہوتی جائے اور ڈاکٹر کے گھر والے بیمار ہوتے جائیں' کوئی تک ہے؟"

شہلا پتھر کی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت اور صدمے سے پھٹ گئیں۔

"پپا تو ڈاکٹر ہو سکتے ہیں لیکن مما! نو پریشن' اوکے؟ مما کا کام گھر پر رہنا ہے' آپ کو لک آفٹر کرنا ہے۔ ڈو یو انڈر اسٹینڈ؟"

شہلا نے کچھ کہے بنا ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کا دل پوری قوت سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی کنپٹیاں چیخ رہی تھیں۔

"مما.... فون بند کر دیا' انکل بہت اچھی باتیں کر رہے تھے۔"

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ننھے کا سا معصوم چہرہ اوپر کو اٹھائے وہ اپنی سیاہ خوبصورت آنکھوں سے اسے تک رہا تھا۔

"عمر.... میری جان!" اس نے اسے سینے سے لگا کر چٹاچٹ چومنا شروع کر دیا۔ آنسو روانی سے اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

❊ ❊ ❊

آج کل وہ رات میں سمعیہ اور ثوبیہ کے پاس چلی جایا کرتی تھی۔ پہلے پہل بیزاری میں اس نے ایسا کیا تھا پھر یوں ہوا کہ اس کا وہاں دل لگنے لگا۔

اپنے گھر میں وہ تنہائی سے لڑ لڑ کر نیم جاں ہو جایا کرتی تو نیند کی دیوی کو اس پر ترس آتا تھا' لیکن سمعیہ' ثوبیہ کے ساتھ اسے وقت کے گزرنے کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔

وہ لوگ بارہ بارہ بجے تک ہنسی مذاق کرتیں۔ بستروں میں دبک کر بھی باتیں کرتی رہتیں' یہاں تک کہ کسی ایک لڑکی کی جانب سے مکمل خاموشی چھا جانے سے دوسریوں کو اندازہ ہوتا کہ وہ سو چکی ہے۔

چند روز میں اسے اس معمول کی اتنی عادت پڑ گئی کہ اب وہ روز ہی وہاں چلی جایا کرتی تھی پھر آج شام عرفان شوکت کی آمد سے اس کے احساسات کسی ساز کے تاروں کی مانند تنے ہوئے تھے۔ وہ حاکم چچا سے اس معاملے کو ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔

کچن میں رکھے چند ایک گندے برتن دھو کر اس نے جگہوں پر رکھے پھر کچن کا دروازہ بند کر کے صحن میں چلی آئی۔

دوپٹے کو کھول کر وہ صحیح طرح سے اوڑھ رہی تھی' جب دروازہ بجا۔

"اس وقت کون آ گیا؟" اسے الجھن ہوئی۔

"کون ہے؟" آگے بڑھ کر اس نے پوچھا تھا۔

"بدر!" مختصر جواب آیا۔

ربیعہ نے دروازہ کھول دیا۔ باہر بدر کھڑا چوروں کی مانند ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔

"وہ... ذرا سی بات کرنا تھی۔ میں اندر آ جاؤں؟"

ربیعہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اکثر اسے بدر کے محبت نامے سمعیہ تک پہنچانے پڑتے تھے۔ یہ کام اسے سخت ناپسند تھا پھر بھی وہ بحالتِ مجبوری' ازحد کراہیت سے یہ کام کیا کرتی۔ اصل میں اسے بدر ہی ناپسند تھا لیکن اپنی بچپن کی دوست کو یہ کہہ کر ہمیشہ کے لیے خفا کر دینے کی ہمت اس میں نہ تھی۔

"ہاں' کہو کیا بات ہے۔" ربیعہ نے اسے اندر آ جانے کا رستہ تو دے دیا لیکن وہ چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد وہاں سے چلا جائے۔

"وہ... بات کرنا تھی۔" اس نے دانت نکالے۔

"ہاں تو کرو' کیا کہنا ہے سمعیہ سے؟ میں وہیں جا رہی ہوں۔"

"نہیں... سمعیہ سے میں بھلا کیا بات کروں گا۔ مجھے تو تم سے بات کرنی ہے۔" اس کے دانت اندر نہ جاتے تھے۔

"مجھ سے؟" ربیعہ کو حیرانی ہوئی۔ "اچھا کہو۔"

"وہ... تم ناراض تو نہیں ہو گی؟"

"اوہ!" ربیعہ کو سخت الجھن ہوئی۔ "دیکھو بدر! مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔"

"وہ... ربیعہ... اماں چاہتی ہیں' میری تم سے شادی ہو جائے۔" وہ یہ کہہ کر شرما گیا۔

"اوہ!" ربیعہ پر منوں اوس پڑ گئی۔

نفیسہ خالہ نے اس سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور ربیعہ نے انہیں صاف انکار بھی کر دیا تھا۔

"دیکھو بدر! تم پریشان مت ہو۔" اس نے اسے سمجھانا چاہا۔ "خالہ نے بات کی تھی مجھ سے اور میں نے انہیں منع بھی کر دیا تھا۔ تم اس بات کی فکر مت..."

"لیکن تم نے کیوں منع کیا؟" اس کی بات اس کے لبوں میں ہی رہ گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں کیا تمہیں برا لگتا ہوں ربیعہ؟ تم تو... تم تو... مجھے بہت پیاری لگتی ہو بہت زیادہ۔ وہ... وہ سمعیہ چڑیل تو زبردستی میرے گلے پڑ رہی ہے۔ یقین مانو' مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔ تم اماں کو ہاں کہہ دو میں تو تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

ربیعہ آنکھیں پھاڑے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی بدر تھا جس کے طویل ترین محبت نامے سمعیہ اسے زبردستی سنایا کرتی تھی' جن میں اپنی محبت کی سچائی کا ثبوت پیش کرنے کے لیے وہ ہر طرح کی قسم اٹھانے کو تیار رہا کرتا تھا۔ "بولو نا ربیعہ! میں تمہیں کیسا لگتا ہوں؟"

"دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

(باقی آئندہ ماہ)

تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے، جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا کا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

٦

چھٹی قسط

"سیاں بنا گھر سونا... سیاں بنا گھر سونا..."

مغنیہ کی آواز سی ڈی پلیئر سے نکل کر پورے گھر میں پھیل رہی تھی۔ وہ بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

گھر واقعی بے حد سونا معلوم ہو رہا تھا۔ ہرچند کہ وہاں محض ایک نفس کی کمی ہوئی تھی۔ کل شام کی فلائٹ سے وہ واپس گیا تھا اور ایقان کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ آیا ہی نہ تھا۔ جیسے اس نے کچھ دیر کو آنکھ لگ جانے پر کوئی خواب دیکھا تھا۔ آنکھ کھلنے پر سب کچھ پہلے کی طرح تھا۔ سونا گھر، سونا دل، خالی گھر، خالی آنکھیں۔ وہ بے دلی سے اٹھ کر دریچے میں آکھڑی ہوئی۔ نیچے سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ لوگوں سے بھری ہوئی ویگنیں، بسیں، گاڑیاں۔ رات کی آمد کا اعلان ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے گھروں کو بھاگ رہے تھے۔ سب ہی کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔ سب کے گھروں میں ان کی بیوی، بچے منتظر تھے۔ وہ وہیں کھڑی بے مقصد ہی سوچے گئی۔

کام کاج سے فارغ ہو کر نہائی دھوئی، صاف ستھری عورتیں ہر تھوڑی دیر بعد چونک کر گھڑی کی سمت دیکھتی ہوں گی۔ میاں لگے بندھے ٹائم پر گھر لوٹتا ہو تو منٹ منٹ کا بھی حساب ہوتا ہے اور کچھ نہیں تو چھوٹا بچہ ہی پوچھ لیتا ہے۔

"پپا ابھی تک نہیں آئے؟؟"

مخصوص وقت ہوتے ہی بج اٹھنے والی بیل یا انتظار کے تناؤ کو ختم کرتی ہارن کی آواز کتنی بھلی لگتی ہو گی۔

"آنسو یوں نہ بہاؤ... یہ موتی نہ لٹاؤ..." سی ڈی پلیئر پر مغنیہ کی آواز ابھری تو وہ چونک اٹھی تھی۔

"رکتا نہیں ہے وقت کا دھارا... پل پل بدلے جیون پیارا..."

اس نے پلیئر آف کر دیا۔

وقت کا دھارا تو واقعی نہیں رکتا لیکن کبھی کبھی بہتا ہوا پانی بھی ساکت لگتا ہے۔ بہاؤ کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ گھڑی کی سوئیاں چلتی رہتی ہیں مگر وقت جیسے ایک جگہ رکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ انتظار کی جان لیوا کیفیت کو وہی جان سکتا ہے جو اس کیفیت سے گزرتا ہے۔

"میں نے چار سال کا کانٹریکٹ کر لیا ہے۔"

"چار سال!" اس کی کنپٹیاں درد کرنے لگیں۔

"میں تمہاری طرح قنوطی نہیں ہوں۔" اس نے کہا تھا۔

اس وقت وہ شدید ترین قنوطیت کا شکار ہو رہی تھی۔ اس کے اندر شدید ترین حبس ہو رہا تھا۔ جی چاہتا ... میں کوئی کھڑکی ہو جس کے پٹ وا کر کے وہ اپنے اندر کے حبس کو کم کر سکے۔

... سال بھر میں چار موسم ہوتے ہیں۔ سال گزرتے گزرتے انسان چار موسموں سے لطف اندوز ہو لیتا ہے۔ ... جیون میں بس ایک انتظار کا موسم ہے۔ ملن کی گھڑیاں تو جیسے پل بھر کے لیے آتی ہیں۔ اس کے بعد پھر وہی ... موسم..."

"حیات ولا" کے سب ہی مکینوں نے کل اس سے بے حد اصرار کیا تھا کہ وہ عاشر کو سی آف کرنے کے بعد ان ... "حیات ولا" چلے لیکن اس نے انکار کر دیا تھا اور اپنے گھر چلی آئی تھی۔

...سی اتنی زیادہ تھی کہ خود کو کسی طور بہلانے کو بھی جی نہیں مانتا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بھی روٹھی ہوئی تھی۔

"مما..." مومن نے اسے پکارا تھا۔

"جی بیٹا!" وہ چونک اٹھی۔

"آپ کے سر میں درد ہے؟" وہ اسے ترحم بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایقان کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ تیر

"نہیں بیٹا!" اس نے پیار سے اس کا گال سہلایا۔

"پھر آپ ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟"

"کیسے؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"...بری سی شکل بنا کے۔" اس نے ماں کی ٹھوڑی چھولی۔

...ن کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ وہ کچھ دیر ہنستی رہی۔

"...مما! جب اسکول میں میری مس کے سر میں درد ہوتا ہے نا تو وہ ایسی ہی شکل بنا لیتی ہیں۔ سب بچے ڈر کر ... ہو جاتے ہیں۔"

...ان سے ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"...تم بچے بھی نا..." اس نے مومن کو خود سے قریب کر لیا۔ "بائی دا وے، کبھی آپ نے اپنی مس سے ... کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"نہیں مما!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں... پوچھنا بھی مت... ہم سب دکھی عورتوں کے "سر درد" ایک سے ہوتے ہیں۔ بس ناموں کا فرق ہوتا ..." اچانک ہی اس کی کیفیت تبدیل ہو گئی۔

"کس کے ناموں کا؟"

"سرتاج" وہ میرا مطلب ہے "سر درد" کے ناموں کا۔" وہ شرارت سے مسکرا دی۔

"آپ مشکل باتیں کر رہی ہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"ہاں بچے... آخر سپوت کس کے ہو۔" اس نے مومن کا سر ہلایا۔ "یہ باتیں تمہاری سمجھ میں کیوں آنے ... بری سی شکل نظر آ سکتی ہے۔ جلتا ہوا دل دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں۔"

"آپ کا دل جل رہا ہے مما!" وہ فکرمند ہو گیا۔

اس نے بھولی سی صورت بنا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"بجھے گا کیسے؟"
"بجھنا بھی برا ہے بچے! اسے جلنے ہی دو۔" اس نے آہ بھری۔
"میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔" وہ کچن کی جانب دوڑ گیا۔
ایقان مسکرا دی تھی۔ کچھ دیر قبل اس نے وجود کا حبس ختم کرنے کے لیے ایک کھڑکی کی ضرورت محسوس کی تھی۔ اپنے بیٹے کی بھولی بھالی باتوں سے اسے احساس ہوا تھا جیسے کوئی کھڑکی چپکے سے کھل گئی تھی۔ تازہ ہوا کے جھونکوں سے یاسیت کی سیلن زدہ باس ختم ہو گئی تھی۔ اس نے کھڑکی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے، تم کچھ پریشان لگتی ہو، خیر تو ہے؟" چائے کا گھونٹ بھرتی سمیعہ نے غور سے اس کی صورت دیکھی۔
وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی دھرے خاموش بیٹھی تھی۔ سمیعہ کی بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسے کیا جواب دیتی؟ اپنی پریشانی کی وجہ اسے بتا کر وہ اپنی واحد دوست کو کھونا نہ چاہتی تھی۔ وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ بدر کے مقابلے میں وہ کبھی ربیعہ کو سچا نہ جانتی۔ ساری بات سن کر وہ اپنے دل میں ربیعہ کو قصوروار ٹھہراتی خواہ زبان سے وہ اس کا اظہار کرتی یا نہ کرتی۔

وہ ساری رات جاگتی رہی تھی۔ سوچ سوچ کر اس کے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ بدر کی بات نے اسے صدمے سے دوچار کیا تھا۔ حالانکہ یہی بات نفیسہ خالہ نے بھی کی تھی لیکن ان کی بات دوسری تھی۔ انہیں بدر اور سمیعہ کے مابین قائم بے نام رشتے کا علم نہ تھا پھر انہوں نے محض ربیعہ کی ہمدردی میں اور اسے سہارا دینے کے لیے یہ بات کی تھی لیکن بدر.....
اس کی سوچوں کے تار دکھ سے ٹوٹنے لگتے تھے۔ اس نے سمیعہ کے نام لکھے گئے اس کے سب محبت نامے پڑھے ہوئے تھے۔ وہ نہ پڑھتی تو سمیعہ زبانی اس کے لکھے ہوئے ڈائیلاگ سناتی رہتی۔ پڑھ پڑھ کر اسے وہ سب ازبر ہو جاتے تھے۔ وہ ان دونوں کی ہر خفیہ ملاقات سے واقف تھی۔ سمیعہ کے ٹرنک میں چھپے ہوئے تحائف کا احوال اسے پتہ تھا کہ وہ کب اور کس موقع پر دیے گئے تھے اور وہ بدر اس سے کہتا تھا کہ اسے تو ہمیشہ ربیعہ پسند تھی۔ سمیعہ میں اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ سمیعہ خود اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے جبکہ وہ اس سے بیزار ہے۔ ربیعہ کو مردذات سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی ذات کے اندر دھوکہ بازی، جھوٹ، فریب، کھوٹ کے سب ہی حساب کتاب غیر محسوس طریقے سے فیڈ ہو رہے تھے۔ اس کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ اسے دنیا دکھائی دے رہی تھی۔
"اے..... کہاں کھو گئی ہے؟" سمیعہ نے اس کا کاندھا ہلایا۔ "میں تجھ سے پوچھ رہی ہوں۔"
"کیا پوچھ رہی ہو؟" وہ بے زاری سے بولی۔ "کیا بتاؤں آخر؟"
"تمہیں ہوا کیا ہے؟"
"کچھ ہوا ہو تو بتاؤں، خوامخواہ ہی۔"
"ایسی تو نہیں ہو تم! خیر تو ہے؟" پھر وہ شوخی سے بولی۔ "کہیں کسی سے عشق وشق تو نہیں کر بیٹھی؟ ایسی حالت تو پیار میں ہی ہوتی ہے بندے کی۔ نہ اپنی خبر، نہ دنیا کا ہوش۔"
ربیعہ نے طنز سے اسے دیکھا۔

"ساون کے اندھے کو ہری ہری سوجھنے لگی؟ ویسے میں عشق کرنا بھی چاہوں تو اس کے لیے ایک عدد شخصیت درکار ہو گی اور آج کل تو محض ایک ہی شخصیت کے متعلق سوچا جا سکتا ہے۔"
"وہ کون ہے؟" سمیعہ نے ازحد اشتیاق سے پوچھا۔
"عرفان شوکت۔" وہ تلخی سے بولی تھی۔
سمیعہ نے برا سا منہ بنایا۔
"تو میں نجانے کیا سمجھ بیٹھی۔ اچھا بات تو سنو۔" وہ اس کے قریب ہوئی تھی۔ "ایک کام کرو میرا۔"
ربیعہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔
"وہ... بدر... کو ایک پیغام دینا تھا..... وہ مجھ سے ملنے کے متعلق پوچھ رہا تھا تو اس سے کہنا....."
"سمیعہ!" ربیعہ نے اچانک ہی اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "میں بدر سے کوئی بات نہیں کروں گی۔"
"کیوں؟" اسے حیرت سے جھٹکا لگا۔ وہ ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔
ربیعہ کو نگاہیں چرانا پڑیں۔ سمیعہ اس کی بچپن کی سنگی تھی۔ اس کو دکھ دینے کا خیال ہی تکلیف دہ تھا۔
"کیا ہو گیا ہے ربیعہ تمہیں؟ تم اس طرح سے کیوں کر رہی ہو، ناراض ہو مجھ سے؟"
ربیعہ کی پلکیں نم ہو گئیں تو وہ آہستہ سے ہنس دی۔
"دماغ خراب ہو گیا ہے میرا، پریشانیوں کی وجہ سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"
حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ پریشانیوں نے اسے سوچنا سکھا دیا تھا۔ زندگی کے جن پہلوؤں پر غور کرنے کی اسے کبھی ضرورت ہی نہ پڑی تھی، اس پر اسے سوچنا بھی تھا اور فیصلے بھی کرنا تھے۔
"یہ زندگی بھی تو سمیعہ! عجب ظالم چیز ہے۔" ربیعہ سوچوں میں گم تھی۔ "جنہیں تیرنا نہیں آتا، انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتی ہے۔ اب ڈوب جائیں یا لہروں کو شکست دے کر ماہر تیراک بن کر ابھریں، یہ ان کی ہمت بھی ہو سکتی ہے اور قسمت بھی۔"
سمیعہ اس کے چہرے کو تکے جا رہی تھی، جہاں مراقبے کے سے تاثرات تھے۔

☆ ☆ ☆

رات نے چپکے سے اپنے پر پھیلا لیے۔ آسمان پر ستاروں کا جال بچھ گیا۔ ربیعہ صحن میں بچھی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا من سخت اداسی کے عالم میں تھا۔ اس کا دل یہاں بالکل نہیں لگ رہا تھا لیکن عرفان شوکت کی سرد اور خاموش دھمکیوں سے اس پر بہرحال اتنا اثر ضرور ہوا تھا کہ اب وہ اکیلے گھر میں تنہا رہنے کا خطرہ مول لینا نہ چاہتی تھی۔ سو اب وہ کچھ دنوں کے لیے یہاں چلی آئی تھی۔ یہاں ہرچند کہ افراد زیادہ تھے لیکن اسے سخت بوریت محسوس ہوتی تھی۔ اسے اپنا آپ بھی بے مقصد دکھائی دے رہا تھا۔
کچن میں بنی کھڑکی سے اندر کام کرتی ثوبیہ دکھائی دے رہی تھی۔ ساٹھ واٹ کے بلب کی ملگجی روشنی میں اس کا وجود پژمردہ اور بیمار نظر آتا تھا یا شاید اس کی اپنی ذہنی کیفیت ہی پژمردہ ہو رہی تھی۔
سمیعہ اس کی جانب سے اپنی بات کا کوئی خاص رد عمل نہ پا کر خود ہی کسی بہانے سے نفیسہ خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔ ان دونوں کا چھوٹا بھائی منیب کمرے میں بیٹھا زور زور سے اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔
ربیعہ چارپائی پر تاروں کو شمار کرنے میں مصروف تھی۔ دروازہ بجا تو ثوبیہ کچن سے نکل آئی۔
"سلام ابا!" اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔

”والسلام۔“ گمبھیر آواز آئی۔
ربیعہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ حاکم چچا اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتے چلے آ رہے تھے۔ ربیعہ نے بھی اٹھ کر انہیں سلام کیا تھا۔
”والسلام... والسلام...“ انہوں نے گرمجوشی سے اس کا سر تھپکا۔ ”بہت خوشی ہوتی ہے تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ تمہارا دل بھی خوب لگتا ہوگا‘ آخر کو تمہاری بچپن کی سکھیاں ہیں یہاں۔ کیوں بھئی؟“
”جی!“ وہ نظریں جھکا کر روا روی میں بولی۔
”کسی بھی بات کی شکایت ہو‘ مجھ سے کہو۔ کوئی تکلیف ہو‘ میں بیٹھا ہوں۔ ہم سب ہیں نا تمہارا خیال رکھنے کے لیے۔“
”شکایت کیسی چچا جان! آپ لوگوں کا تو بہت احسان ہے مجھ پر۔“
”ہاہاہا...“ وہ ہنس دیے۔ ”احسان... پگلی احسان کیا‘ اپنوں میں بھی کوئی احسان وحسان کا چکر ہوتا ہے؟ اپنوں میں تو بس اپنا پن ہوتا ہے۔“
”آپ کھانا کھا لیں چچا جان! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔
حاکم چچا لمحے بھر کو چونکے۔
”بات... کیسی بات؟ اچھا اچھا... ٹھیک ہے‘ میں روٹی کھا لوں پھر کرتے ہیں بات۔“
وہ آستینیں چڑھاتے ہوئے صحن کے کونے میں بنے واش روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔
ربیعہ اندر کمرے میں چلی آئی۔
اس نے پچھلی چند راتوں میں بہت سوچا تھا‘ بہت غور و خوض کیا تھا۔ تب ہی ایک واضح اور منطقی فیصلے تک پہنچ سکی تھی پھر اس کے سوا کچھ چارہ بھی تو نہ تھا۔
کچھ ہی دیر میں حاکم چچا کاندھے پر پڑے رومال سے مونچھیں صاف کرتے اندر چلے آئے۔ ”اچھا ہوتا اگر کھانا کھانے سے پہلے ہی بات کر لیتیں۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ ”مجھ سے تو پریشانی میں ٹھیک سے کھانا بھی نہ کھایا گیا۔“
”اوہ...“ ربیعہ شرمندہ ہو گئی۔ ”مجھے خبر ہوتی تو آپ سے پہلے بات ہی نہ کہتی۔“
”چلو تم بات تو بتاؤ‘ کھانا پینا تو ساری عمر ساتھ لگا ہے۔“ وہ بہت بے چین نظر آ رہے تھے۔
ربیعہ نے انہیں سکینہ بوا اور عرفان شوکت کے متعلق سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ حاکم چچا بغور سنتے رہے۔ کبھی کبھار اپنی مونچھوں کو تاؤ بھی دے لیتے تھے۔
”پولیس میں میرے کچھ جاننے والے ہیں۔“ ساری بات سن کر وہ بولے۔ ”میرا خیال ہے‘ میں ان سے بات کرتا ہوں۔“
”پولیس...؟“ ربیعہ نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ”نہیں چچا جان! وہ شخص بہت بارسوخ نظر آتا ہے۔ میرا خیال ہے‘ اس سے الجھنا درست نہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو پہلے تو سیدھی انگلی سے ہی گھی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں انگلی ٹیڑھی کرنے میں دیر نہیں لگتی۔“
”تو پھر تم گھر پہ تالا ہی پڑا رہنے دو۔ تم یہیں رہو‘ تالا توڑ کر نا جائز قبضہ کرے گا تو پھر دیکھ لیں گے۔“
”میرا اپنا خیال بھی یہی تھا۔“ ربیعہ بولی۔ ”لیکن پہلی بات تو یہ کہ ایسا آخر کب تک ممکن ہے؟ جلد یا بدیر مجھے جانا تو ہوگا پھر یہ کہ جلد ہی اسے علم ہو جائے گا کہ میں یہاں ہوں اور وہ یہاں آنے میں بھی تامل نہ کرے گا۔“

”پھر... تمہارے خیال میں کیا کرنا چاہیے؟“
”میرا خیال ہے کہ میں...“ ربیعہ خاموش ہو گئی۔
”ہاں... ہاں... بولو۔“
”چچا میاں...“ اسے شرم آڑے آ رہی تھی۔ ”میری شادی کر دیں۔“
”اوہ...“ وہ کھلکھلا کر ہنس دیے۔ ”بس اتنی سی بات؟ کوئی مشکل ہی نہیں۔ یوں سمجھو چٹ منگنی پٹ بیاہ! لیکن یہ مکان کا قضیہ تو وہیں رہے گا۔“
”مکان بھی میں بیچ دوں گی۔“ اس کے لہجے میں شکست خوردگی تھی لیکن پھر سر اٹھا کر ایک عزم سے بولی۔
”لیکن عرفان شوکت کو ہرگز نہیں۔ کم از کم وہ مجھ سے اس ایگریمنٹ پر سائن نہیں کروا سکتا۔ میں آپ سے یہی بات کرنا چاہتی ہوں۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن یہ میرے بس کا کام نہیں۔ آپ... اس مکان کے لیے ایک اچھا گاہک ڈھونڈ دیں اور میرے لیے کوئی نیک شریف لڑکا۔“
”لڑکا... ہاہاہا...“ وہ بے کلی سے ہنسے۔ ”ہاں ہاں ضرور‘ کیوں نہیں۔ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ میری اپنی نظر میں چند ایک مناسب رشتے ہیں۔“
وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
”تم یہاں آرام سے بے فکر ہو کر رہو‘ کسی تردد کی ضرورت نہیں۔ میں اس عرفان شوکت کو بھی دیکھ لوں گا۔ سالے کے باپ کی جاگیر ہے کیا جو اکڑ رہا ہے۔ بھئی ہمارا مکان ہے‘ ہم جس کو مرضی بیچیں۔“
وہ دروازے کی جانب بڑھے پھر رک گئے۔
”اور وہ... تمہاری کوئی شرط وغیرہ ہو۔ میرا مطلب ہے کیسا رشتہ چاہتی ہو‘ کوئی خاص خوبی؟“ ربیعہ سر جھکا کر رہ گئی۔
”بس آپ اپنا اطمینان کر لیں چچا میاں! میری کیا شرط ہو سکتی ہے۔ بس نیکی اور شرافت ہو۔ دو وقت کی روٹی دے سکے۔ یوں بھی مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ جیسا سمعیہ اور ثوبیہ کے لیے سوچتے ہیں‘ یقیناً ویسا ہی میرے لیے بھی سوچیں گے۔“
”بالکل... بالکل... بلکہ میں ان سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہوں تمہیں۔ تمہیں جلد ہی اندازہ ہو جائے گا۔“ وہ کندھے پر پڑا رومال جھاڑتے ہوئے باہر نکل گئے۔
ربیعہ گہرا سانس بھر کر کچھ سوچنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

”بہت دن ہوئے یہ فردوس بیگم نے چکر نہیں لگایا۔“ شفیقہ حیات نے ٹانگیں سمیٹ کر بہو کو بیٹھنے کے لیے جگہ دی۔
”بس اماں! مرضی کی مالک ہیں۔“ وہ روٹی پکا کر آئی تھیں۔ ماتھے پر پسینے سے چپکے ہوئے بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتے ہوئے بولیں۔ ”مرضی ہوگی تو دن بھر میں دو دو چکر لگا لیں گی‘ ورنہ ہفتہ بھر صورت نہیں دکھاتیں۔“
”چلو ہم ہی چلتے ہیں‘ اس دن کے بعد ہاشم کی بھی خبر نہ لی ہم نے۔ غریب کتنی چوٹیں کھا کر آیا تھا اس دن۔“
”ہاں ضرور۔ میں ذرا سالن سے فارغ ہو لوں‘ ابھی آلو ڈالے ہیں‘ گلنے میں کچھ دیر لگے گی۔“
”لڑکیاں کیا کر رہی ہیں؟“ انہوں نے بہو کا جائزہ لیا۔

"ثانیہ نے چھت پر مشین لگائی ہوئی ہے۔ سدرہ شاید ناعمہ کی طرف گئی ہے۔ رزلٹ آنے والا ہے ناں کا' اسی کا پتہ کرتی پھر رہی ہیں۔"

"ہوں!" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "یہ چھوٹی والی یوں بھی کم دھیان دیتی ہے گھر کے دھندوں میں۔ دیدہ نہیں لگتا اس کا گھریلو کاموں میں۔ ادھر ادھر پھر کر ہی دن پورا کر لیتی ہے۔"

"بس اماں! کیا کریں۔ جدھر دیکھو لڑکیوں کا یہی حال ہے۔ بھابھی کی چھوٹی والی کو دیکھ لیں۔ اپنی عریشہ' وہ بھی کہاں لگتی ہے ماں کے ساتھ یا ٹی وی دیکھتی ہے یا پھر یہاں بیٹھی کپڑوں اور میک اپ کی باتیں کرتی رہتی ہے۔"

"اب لڑکیوں پر کیا الزام دھرنا بیٹی! ان کی تو جیسی تربیت کرو گی' ویسا پاؤ گی۔ مجھے ہی دیکھ لو۔ رابعہ میری بڑی بیٹی تھی' اس پر میں نے شروع سے کڑی نگاہ رکھی' کام کاج میں لگائے رکھا' ادھر ادھر کی باتوں میں الجھنے نہ دیا۔ ایقان سب سے چھوٹی تھی پھر شادی کے طویل عرصے کے بعد ہوئی۔ تین اولادیں تب تک جوان ہو کر اپنے گھروں کی ہو چکی تھیں۔ اس کا میں نے ایسا لاڈ کیا جیسے پہلوٹھی کا لڑکا ہو۔ اب دونوں میں فرق دیکھ لو۔ ایقان بھی ماشاءاللہ سلجھی ہوئی' سلیقہ مند بچی ہے مگر اس میں رابعہ والی سنجیدگی اور بردباری نہیں ہے۔ ابھی بھی بچوں جیسی بات کر جاتی ہے۔ ضد پر اڑ جائے تو بادشاہ کو خاطر میں نہ لائے۔ رابعہ کا رشتہ میں نے اپنے بھانجے سے کر دیا۔ دونوں کی عمروں میں اچھا بھلا فرق تھا۔ رنگ کا بھی اللہ بخشے وہ بچہ بڑا پکا تھا۔ رابعہ ہماری گوری چٹی' دودھ جیسی لیکن بہن نے جھولی پھیلائی تو میں انکار نہ کر سکی۔ مجال ہے جو اس بچی نے اف تک کی ہو۔ خوشی خوشی دلہن بن کر اس کے سنگ چل دی اور یہ ایقان... اختر میاں کا پیغام کیا لائیں فردوس بیگم! اس بچی نے قیامت مچا ڈالی۔ ارے میں کون سا کر رہی تھی مگر اس نے تو حشر اٹھا دیا۔ اپنی پسند بتلائی اور وہیں شادی کی۔ تم سے کیا چھپا ہے' سب تمہارے سامنے کی باتیں ہیں مگر میں تو یونہی تربیت کا ذکر کر رہی تھی کہ سگی بہنوں میں بھی اتنا فرق ہو جاتا ہے' اگر تربیت میں کچھ کوتاہی رہ جائے تو۔"

"وہی بات اب تک دل سے لگائے بیٹھی ہیں فردوس بھابھی۔" عذرا بیگم نے گہری سانس بھری۔

"حالانکہ یہ تو نصیب کی باتیں ہیں۔ اللہ کی طے کردہ ہیں۔ اب آپ بھی گواہ ہیں اماں! میری بھلا بھابھی سے کیا چپقلش تھی یا عریشہ میری بیٹیوں جیسی بچی ہے' اس کے لیے میرے دل میں کیا بغض ہو سکتا تھا؟ رافع سے آپ نے خود پوچھا تھا اس کے لیے۔ جب لڑکے نے ہی ہامی نہ بھری تو بھلا ماں باپ زبردستی تو نہیں کر سکتے۔ یہ دو باتیں انہوں نے جی کا ناسور بنالی ہیں۔ تب سے ہی آنا جانا کم ہے ان کا۔"

"چلو خوش رہیں۔ ہمیں یاد آئے گی تو ہم خود جا کر پوچھ لیں گے۔ ہمیں تو اپنے بچے عزیز ہیں نا۔ اس دن ہاشم کی خبر سنی تو مانو من بھر کے ہو گئے پیر۔ جی یوں ہوا جیسے پانی! وہاں تک گرتی پڑتی جیسے پہنچی ہوں' مجھے ہی خبر ہے۔ بچے کو خیریت سے چنگا بھلا دیکھا تو دل مطمئن ہوا۔"

"وہ بھی بھابھی جان ہی کچھ زیادہ جذباتی ہو گئی تھیں۔" عذرا بیگم نے منہ بنایا۔ "انہوں نے تو نقشہ ہی ایسا کھینچا تھا کہ دل دہلا دیا۔"

شفیقہ حیات مسکرا دیں۔

"ماں ہے۔ جس نے کوکھ سے جنا ہو' اس کو درد بھی زیادہ ہوتا ہے بیٹی! بیٹے کے سر سے بہتا خون دیکھ کر ہر ماں ایسے ہی دیوانی ہو کر بھاگے گی۔"

"خیر یہ تو سچ کہا آپ نے۔" انہوں نے ساس کی تائید کی۔

"چلو پھر تم ذرا سالن کی خبر لو' میں ظہر پڑھ لوں پھر چلتے ہیں ان کی طرف۔"

عذرا بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☼ ☼ ☼

سیڑھیوں پر آہٹ سن کر اخبار پڑھتی منیزہ بیگم نے سر اٹھایا تھا۔

وہ نہا دھو کر فریش ہو گئی تھی۔ اب نیچے آرہی تھی۔

"السلام علیکم امی!" وہ ان کے سامنے آبیٹھی۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے چشمہ اتار کر میز پر رکھا۔ "نیند کچھ پوری ہوئی؟"

"کچھ نہیں بہت کچھ۔" وہ ہنس دی۔ "دو پچھلے بارہ گھنٹوں سے تو سو رہی ہوں۔ آپ نے جگایا بھی نہیں۔"

"کیوں جگاتی بھئی! ہفتہ بھر سے جاگ بھی تو رہی ہو۔ بارہ گھنٹے سو لیں تو کیا ہوا۔ چلو اچھا ہوا' فریش تو ہو گئیں۔" انہوں نے محبت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ہلکے گلابی سلک کاٹن کے کپڑوں میں اس کا گلابی چہرہ بہت بھلا لگ رہا تھا۔ گیلے سیاہ بالوں کے حصار میں وہ اور بھی اجلی اور نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ سیاہ کمان دار بھنویں اور ٹھوڑی پر ابھرا ہوا سیاہ تل اسے مزید دلکشی عطا کرتے تھے۔ انہوں نے نظروں ہی نظروں میں اس کی نظر اتاری۔

وہ اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی تھی پھر اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔

"دو بج گیا ہے' یہ عمر ابھی تک نہیں آیا؟"

"کبھی کبھار دس پندرہ منٹ لیٹ ہو جاتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولی تھیں۔

"کیوں لیٹ ہوتا ہے؟" وہ حد درجہ فکرمند ہو گئی۔ "آپ نے وین والے سے نہیں پوچھا؟"

"اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہو' میں خود ہر طرح سے خیال رکھتی ہوں۔ سوزوکی والے سے بھی میں نے پوچھا ہے۔ کہہ رہا تھا ٹریفک کا روٹ کچھ بدلا ہے' اس لیے دس منٹ زیادہ لگ جاتے ہیں۔" ان کی وضاحت سن کر بھی اس کے چہرے سے فکرمندی کے آثار نہ گئے تھے۔

اسی لمحے باہر وین کا ہارن بجا۔

"یہ لو' آ بھی گیا۔ تم یونہی ذرا سی بات دل پر لے لیتی ہو۔" منیزہ بیگم ہنس دیں۔

وہ اچھلتا کودتا چلا آ رہا تھا۔

"مما... مما..." وہ آ کر اس سے لپٹ گیا۔ "آج آپ گھر پر ہیں' کتنا اچھا دن ہے۔ منڈے بہت اچھا دن ہوتا ہے۔"

شہلا مسکرا دی۔ پیر کو عموماً اس کا ریسٹ ہی ہوتا تھا۔

"بیٹا! گھر آ کر پہلے نانو کو اور مما کو سلام کرتے ہیں پھر ادھر ادھر کی ہانکتے ہیں۔"

"السلام علیکم نانو' مما!" اس نے فوراً تعمیل کی۔

دونوں نے ہی جواب دے کر اس کا ماتھا چوما تھا۔

"اللہ سلامت رکھے' اپنی ماں کی آنکھوں کا نور ہو۔" منیزہ بیگم بولی تھیں۔ ان کی پلکیں نم ہو گئی تھیں' جنہیں انہوں نے مہارت سے چھپا لیا۔

"آپ کتنی اچھی لگ رہی ہیں مما! پنک کلر کے کپڑے کتنے اچھے ہیں۔" وہ اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔ شہلا ہنس دی۔

"تمہاری خالہ تمہیں مستقبل کا شاعر ٹھیک ہی کہتی ہے۔" اس نے عمر کے سر پر چپت لگائی۔

فون کی بیل بج اٹھی تھی۔ شہلا نے چونک کر فون کی جانب دیکھا۔ ذہن میں اندیشوں کے بچھو ہوشیار ہو گئے تھے۔

"میں دیکھتی ہوں۔" منیزہ بیگم اٹھ گئیں۔

وہ تذبذب کے عالم میں انہیں فون کی جانب جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر جیسے ہی انہوں نے ریسیور پر ہاتھ رکھا' وہ چپ نہ رہ سکی۔

"امی... بات سنیں۔"

"ہاں کہو۔" وہ فون اٹھانے سے قبل اسے دیکھنے لگیں۔

پھر اس کی جانب سے کچھ جواب نہ پا کر انہوں نے بجتا ہوا فون اٹھایا۔

"ہیلو... ہاں... کہو..."

وہ غائب دماغی سے انہیں بات کرتا دیکھتی رہی۔ ذہن یکدم خالی ہو گیا تھا۔ منیزہ بیگم ریسیور رکھ کر واپس آئیں تو وہ گم صم سی بیٹھی تھی۔

"انیقہ کا تھا۔ کہہ رہی تھی دوست کے گھر جا رہی ہے' مل کر اسائنمنٹ تیار کرنا ہے۔ رات تک واپسی ہوگی۔"

انہوں نے رک کر اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھا۔

"شہلا..." انہوں نے پکارا۔

"جی!" وہ چونک اٹھی۔ "کیا امی... انیقہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"تم کہاں کھوئی ہوئی ہو' بات کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

وہ اب تک فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ امی کو "اس" کے فون کے متعلق بتائے یا نہ بتائے۔ دراصل اسے خود ہی اندازہ نہ ہو پایا تھا کہ "اس" نے اتفاقاً ہی فون کر لیا تھا یا یہ اس کی کوئی سوچی سمجھی اسکیم تھی۔

"وہ کہہ رہی تھی' ارم کے گھر جا رہی ہے۔ دیر سے لوٹے گی۔"

"جی... اچھا۔" اس نے چونک کر اپنے آس پاس دیکھا۔ "یہ عمر کہاں گیا؟"

"تمہارے سامنے ہی تو اپنے کمرے میں گیا ہے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں' ڈیوٹیاں بھگتا بھگتا کر تمہارا دماغ کمزور تو نہیں ہو گیا؟"

اس نے ہنس کر سر جھکا لیا۔

"میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔ باتوں میں دھیان ہی نہ رہا۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

چائے چھان کر ناعمہ کیتلی کو ٹی کوزی سے ڈھک رہی تھی جب ان تینوں کی آمد ہوئی۔ وہ ان کی آمد سے بے خبر آگے بڑھ کر کیبنٹ کھولنے لگی۔

علی' حمزہ اور نافع نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ کاؤنٹر پر ٹرے سجی ہوئی رکھی تھی۔ پکوڑے' تلے ہوئے پاپڑ' بسکٹ اور مٹھائی کی پلیٹیں لبالب بھری ہوئی تھیں۔

ناعمہ سب کچھ تیار کر کے اب کیبنٹ سے چائے کے مگ نکال رہی تھی۔ مگ ٹرے میں رکھ کر وہ مصروف سے انداز میں پلٹی تو اسے اچانک کسی کمی کا احساس ہوا۔

سر جھٹک کر اس نے بغور ادھر ادھر دیکھا اور پھر وہ بری طرح سے چونک اٹھی۔ کاؤنٹر پر سے لوازمات کی ٹرے غائب تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سارے کچن کا جائزہ لیا جیسے اسے اپنی بصارت پر کوئی شک ہو پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے کچن سے نکل آئی۔

ایقان آئی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ شفیقہ حیات اور عذرا بیگم بھی ان لوگوں کے پورشن میں چلی آئی تھیں۔ ثانیہ اور سدرہ بھی آ گئی تھیں۔ وہ ان ہی سب لوگوں کے لیے شام کی چائے اور اسنیکس وغیرہ تیار کرنے کے لیے کچن میں ایک گھنٹے سے مصروف تھی۔

"وردہ آپی!" اس نے سامنے سے آتی وردہ کو مخاطب کیا۔ "کچن سے ٹرے اٹھا کر آپ لے گئی ہیں؟"

"نہیں۔" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "میں تو یہی دیکھنے آ رہی تھی کہ تم کہاں تک پہنچی ہو۔ نانی امی کہہ رہی ہیں عصر قضا ہو جائے گی۔"

"ہائے اللہ۔" وہ پریشان ہو گئی۔ "پھر سب چیزیں کہاں گئیں؟"

"وہیں ہوں گی' ان کے کیا پیر اگ آئیں گے۔" وردہ اس کی پریشان صورت دیکھ کر ہنس پڑی۔

"نہیں وردہ آپی! وہاں نہیں ہیں۔"

وہ اس کے پیچھے پیچھے کچن میں آ گئی۔

"یہ دیکھو' یہ تو پڑی ہے۔" وردہ نے ٹرے کی جانب اشارہ کیا جو اب دوبارہ کاؤنٹر پر دھری تھی۔

"ہائے اللہ' یہ کیا معاملہ ہے؟" ناعمہ کو حیرت ہوئی۔

پھر وہ چلائی تھی۔ "لیکن یہ چیزیں تو آدھی ہو چکی ہیں۔ یہ اتنے سے پکوڑے؟ میں نے تو ڈھیر سارے بنائے تھے اور یہ مٹھائی کی پلیٹ سے گلاب جامن کہاں گئے؟ یہ تو صرف لڈو اور بالوشاہی رہ گئی ہیں۔"

"لڈو اور بالوشاہی ہم پسند نہیں کرتے لڑکی!" نہایت بھاری آواز کچن میں گونجی تھی۔

دونوں نے حیران نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا پھر وردہ کچھ کچھ سمجھ کر کچن سے باہر کھلنے والی کھڑکی کی جانب بڑھی۔

"تو یہ تم ہو' شیطانو!" اس نے باہر جھانک کر کہا۔
وہ تینوں نیچے گھاس پر براجمان موج اڑانے میں مصروف تھے۔
"ناعمہ سے کہیں' چائے ہمیں دے دے۔" علی نے اس سے یوں کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔
وردہ تو ہنسنے لگی تھی لیکن اس کا آدھا خون جل گیا۔
"میں پوری کیتلی تمہارے سروں پر انڈیل دیتی ہوں۔" اس نے دانت پیسے۔
"نو پرابلم۔" حمزہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "ہم سر اٹھا کر منہ کھول لیں گے۔"
"بالکل۔" یہ نافع تھا۔ "آپ ان کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں محترمہ!"
"ابھی تم نے میری صلاحیتیں کہاں دیکھی ہیں۔" وہ تلملائی تھی۔
"کیوں نہیں' سب کچا چٹھا کھل گیا ہے۔ یہ پکوڑے بنائے ہیں؟ نمک کم' مرچ زیادہ۔ ہرا دھنیا بہت ڈال دیا ہے۔"
"اور یہ پاپڑ؟ آدھے جلے آدھے کچے۔"
"مٹھائی اچھی ہے۔"
"ہاں' حلوائی با صلاحیت تھا۔"
"اب چائے۔ پتا نہیں کیسی ہوگی۔"
"چلو' زہر مار کر لو' بچی کا دل رہ جائے گا۔"
"میں سچ مچ زہر ملا دوں گی۔" ناعمہ غصے سے سرخ ہو گئی۔
"یعنی دو کی ضرور' طے ہوا۔" انہیں اطمینان ہو گیا۔
پھر انہوں نے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔
"چلو ناعمہ!" وردہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔ "اندر لے چلو چائے' بہت دیر ہو گئی ہے۔" اس کا بس نہ چلتا تھا ان کا خون پی جائے۔
دونوں چائے اور دیگر لوازمات لے کر اندر داخل ہوئیں تو رابعہ بیگم نے اسے گھورا۔
"ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے ناعمہ! بہت نکمی لڑکی ہو۔" وہ خفا ہوئیں۔ "اماں انتظار کر کے بالآخر نماز کے لیے اٹھ گئی ہیں۔"
"امی جی.... وہ...."
"چلو اب جلدی سے سب کو چائے دو۔" انہوں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔ "اور یہ کیا چیزیں بنائی ہیں۔ ادھوری سدھوری' حد کر دی تم نے نکمے پن کی۔" انہیں اس پر سخت تاؤ آ رہا تھا۔
"امی جی.... وہ...." اس کا دل پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ بات کرنے سے پہلے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"ہائیں' اب اس میں ٹسوے بہانے کی کیا بات ہے؟"
"دیکھیے۔" ایقان بولی۔ "باجی! آپ نے بلاوجہ اسے رلا دیا ہے۔ اتنا کچھ کر کے لائی ہے بے چاری۔"
"دراصل راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا۔" وردہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ قافلہ تو لٹا پٹا آپ تک پہنچا ہے۔" اس نے ٹرے کی جانب اشارہ کیا۔
"اوہ...." وہ ہنس پڑی۔ "تو کیا ہوا' وہ بھی اپنے ہی ہیں' دھما چوکڑی کہیں کے۔ کون کون تھا؟"
"علی' حمزہ اور نافع۔" ناعمہ نے ناک رگڑی۔ "دیکھ لوں گی میں بھی۔ بدلہ نہ لیا تو ناعمہ علی خان نام نہیں میرا۔"

"اتنا غصہ نہیں کرتے۔" شفیقہ حیات نماز پڑھ کر چلی آئی تھیں۔ "لڑکیوں کو غصہ پینا آنا چاہیے۔"

"جی ہاں۔" ایقان نے شوخی سے ماں کو دیکھا۔ "پھر ساری عمر یہی کام تو کرنا پڑتا ہے۔ ہے نا امی جان؟"

"ارے ہاں جانتی ہوں' جتنا غصہ پیتی ہو تم۔" انہوں نے بیٹی کو گھورا تھا۔ "سوا ناک پر دھرا رہتا ہے' عینک کی طرح۔"

"ہائے اللہ امی! میں کہاں غصہ کرتی ہوں۔" اس نے احتجاج کیا۔ "اس قدر صابر و شاکر بیٹی سے بھی شکایت ہے آپ کو؟"

"ماں ہوں تمہاری' ایک ایک پل کا حساب کتاب ماؤں کے حافظے میں درج ہوتا ہے۔" ایقان شرمندہ سی ہوگئی۔

"صابر شاکر تو میری یہ والی بیٹی ہے۔" انہوں نے پاس بیٹھی رابعہ بیگم کو گلے لگالیا۔ "خدا کے حضور بھی صابر شاکر رہی ہے۔ ماں باپ کے سامنے بھی کبھی "اف" نہیں کی۔ ہر قسم کے حالات دیکھے میری بچی نے لیکن کسی نے اس کے ماتھے پر شکن نہیں دیکھی۔"

"یہ تو سچ کہا اماں نے۔" عذرا بیگم نے بھی تائید کی۔ "رابعہ سے سیکھنا چاہیے' حوصلہ کیا ہوتا ہے اور تقدیر پر صابر و شاکر کیسے رہتے ہیں۔"

رابعہ بیگم کی پلکیں بھیگ چلی تھیں۔

"میں بھی نماز پڑھ لوں' وقت نکل رہا ہے۔" وہ آہستگی سے اٹھ کر ان کے درمیان سے نکل گئی تھیں۔

وردہ اور ناعمہ ماں کو جاتے ہوئے دیکھنے لگیں۔ دونوں کے چہروں پر سوچوں کے سائے تھے۔



"یہ لو۔" انہوں نے بھائی کے سامنے کھانا گویا پٹخا۔ "کھاؤ پھر سو جاؤ۔"

انہوں نے جھکا ہوا سر اٹھا کر بہن کو دیکھا۔

"اتنے کڑوے نوالے ہمارے حلق سے کیسے اتریں گے باجی!" وہ مسکرائے۔ "کچھ تو مٹھاس سے بولا کرو۔"

"کوئی خود سے کڑوا یا میٹھا نہیں ہو جاتا اختر میاں! یہ تو سامنے والے کی مرضی ہے' وہ کڑوا سننا چاہتا ہے یا میٹھا۔ اے ہاں' میں کہتی ہوں کنپٹیاں سفید ہوگئیں تمہاری' چندیا پر سے آدھے بال اڑ گئے۔ یوں دکھائی پڑتے ہو جیسے پچاس برس کے ہو پھر بھی تمہاری سوئی ہوئی عقل نہیں جاگی اور اب تو جاگنے کے آثار بھی نہیں۔"

وہ وہیں ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گئیں اور اپنا بازو دبانے لگیں۔

"اب ہم کیا کریں باجی! کچھ نہیں کرتے پھر بھی سب ہم سے خفا ہی رہتے ہیں۔"

"ارے بھیا تو کرو نا کچھ' بہن ہوں تمہاری۔ جی دکھتا ہے تمہیں یوں لاوارثوں کی طرح یہاں پڑا دیکھ کر۔ بھائی ہو' بھائی تو بہنوں کا میکہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کی عزت' ان کا مان ہوتے ہیں۔ یہاں ہم لوگوں سے شرمندہ ہوتے پھرتے ہیں۔"

اختر میاں کا نوالہ منہ کی طرف لے جاتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

"کیوں شرمندہ ہوتی ہو باجی!" انہوں نے نوالہ واپس رکھ دیا۔ "دو ٹھڈے مار کر باہر کرو ہمیں۔" وہ بے حد غمگین ہوگئے تھے۔ "یہی سلوک روا ہے ہمیں۔"

"اے بھیا!" انہوں نے ماتھا پیٹ ڈالا۔ "تمہارے بھلے کو ہی کہتی ہوں۔ یہ دن بھر کی چار روٹیاں پکا کر جان نہیں نکل جاتی میری مگر جی چاہتا ہے کہ یہ روٹیاں وہی پکائے جس کا پکانے کا حق ہے۔ ماشاءاللہ جوان جہان ہو' کون

سی عمر نکل گئی ہے تمہاری؟ ابھی بھی چاہو تو اچھی سے اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔ ذرا سی ہمت پکڑو' گھر سے نکلو' کوئی روزگار سے لگو' چار پیسے لا کر ہاتھ پر دھرو۔ لگے کہ مرد ذات ہو' کہیں رشتہ ڈالتے ہمارا بھی حوصلہ ہو۔ اب کہیں لڑکی مانگنے جائیں تو کیا کہیں؟ کون سے گن جتائیں تمہارے؟ سارا دن کسی کونے میں پڑے اینڈا کرتے ہیں' بھوک ستائے تو منظر عام پر چلے آتے ہیں' کچھ نصیحت کرو تو روٹھ جاتے ہیں' بادشاہ زادے نہ ہوئے۔"

وہ کلستے ہوئے بول رہی تھیں۔ اختر میاں کچھ دیر کو غمگین نظر آکر پھر کھانے کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

"اس گھر میں میری سنتا کون ہے؟ نقار خانے کا طوطی ہوں۔" اب انہوں نے اپنی ٹانگ دبانی شروع کی۔

"جو اپنی بات دوسروں کو سنانا چاہے' اسے چاہیے کہ بات میں وزن پیدا کرے۔ نری ہوا ہی نہ ہو۔" بھاری لب و لہجے میں کہا گیا۔

وہ دونوں چونک اٹھے تھے۔

فاروق حسن نجانے کس وقت چلے آئے تھے۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ وہیں بیٹھ گئے۔ فردوس بیگم ان کی بات پر جل بھن کر اب منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگی تھیں۔

"کہاں ہوتے ہیں اختر میاں آپ!" فاروق حسن ان سے پوچھنے لگے۔ "کوئی برابر روٹین نہیں ہے آپ کے نظر آنے کا۔ کبھی صبح سویرے نظر آجائیں تو رات گئے تک خبر نہیں ملتی آپ کی۔ کبھی آدھی رات کو بھی باغیچے میں ٹہلتے نظر آجاتے ہیں' کبھی دو دو دن کے لیے غائب ہوتے ہیں' کبھی سارا سارا دن بیٹھے ٹی وی سے شغل کرتے ہیں۔ کیسی زندگی گزار رہے ہیں آپ؟"

"ارے بہت کان کھینچے ہیں میں نے' ان پر اثر نہیں ہوتا۔ موئی طبیعت ہے کہ گینڈے کی کھال۔"

اختر میاں نے روٹیاں جھٹ پٹ معدے میں اتار لی تھیں۔ پانی سے بھرا گلاس بھی غٹاغٹ چڑھا گئے اور اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

"کل سے میرے ساتھ آفس چلا کریں' صبح آٹھ بجے پورچ میں کھڑے ہوں آپ۔" انہوں نے ان کا ارادہ بھانپ کر تنبیہہ کی۔

"ہم... ہم... بھائی میاں' ہم کیا کریں گے آفس جا کر؟" وہ گھبرا گئے۔

"سب آپ کے حسن شعر و ادب سے لطف اندوز ہوں گے وہاں۔" انہوں نے طنزیہ کہا۔ "پڑھے لکھے بے شک زیادہ نہ ہوں' شعر و شاعری خوب کر لیتے ہیں آپ۔"

ایقان کی شکایت پر انہوں نے ابھی پچھلے ہی دنوں خوب خبر لی تھی ان کی۔

"بھائی میاں! ہمارا حافظہ اب وہ نہیں رہا۔" اختر میاں مظلومیت سے بولے۔ "ہمیں کہاں شعر یاد رہتے ہیں اب۔ چلیں بھی ہماری وجہ سے وہاں دفتر میں آپ کی بھد اڑے گی۔"

"[illegible] دیجیے۔" وہ مسکرا دیے تھے۔ "ہمیں زیادہ اڑان بھرنے والوں کے پر کاٹنے خوب آتے ہیں۔ آپ بس جائیں' کل صبح نہیں' پورچ میں ملیں ٹھیک آٹھ بجے۔"

"بھائی میاں! ہم وہاں کریں گے کیا؟" وہ از حد پریشان ہو چکے تھے۔

"وہی شعر سنائیں گے سب کو۔ اس شعر و شاعری کو آپ کی [illegible] تب ہی [illegible] کام تو آپ کی تو [illegible] نصیب ہوگی۔"

اختر میاں نے از حد مظلومیت سے بہن کی جانب دیکھا۔ شاید وہاں سے کسی قسم کی کمک [illegible] بھی بھری بیٹھی تھیں۔ انہوں نے قطعی "اف" نہ کرائی۔ بالآخر وہ تھکے ہارے جواری کی مانند بکھرے ہوئے قدموں کے ساتھ وہاں سے نکل لیے۔

"ارے کیا کراؤ گے اس نکمے سے؟" بھائی کے جانے کے بعد انہوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "ہے کوئی اس کے کرنے کا کام؟"

"کام کی بھی کبھی کمی ہوئی ہے بیگم! ہاتھ چلانے والا ہونا چاہیے۔" وہ جوتے اتارنے لگے تھے۔

"پھر بھی اسے تو قلم پکڑنا نہیں آتا۔" وہ فکر مند تھیں۔

"قلم پکڑوانا بھی نہیں ہے۔"

"اے ہے' کچھ تو کہو۔"

"پیون چھٹی پر گیا ہوا ہے میرا' اس کی جگہ بٹھانا ہے۔ چائے کے کپ تو تھما سکتا ہے نا سب کو۔ پانی تو پلا سکتا ہے؟"

"ہائے اللہ۔" انہوں نے کلیجہ تھام لیا۔ "چپڑاسی بناؤ گے اسے؟ ارے یہی اوقات رہ گئی ہماری؟ جھاڑو دے گا' پوچھے لگائے گا' ارے میری میا...." وہ زارو قطار رونے لگیں۔ "ارے کیسے تڑپے گی ابا مرحوم کی روح.... فاروق حسن! تم نے ساری عمر جی دکھایا میرا۔"

"ابا مرحوم کی روح اس حال میں خوش ہے؟" وہ طنزاً بولے۔ "ان کے اشعار انہیں ایصال ثواب پہنچاتے رہتے ہیں غالباً ـــــ ؟ ان کے جھاڑو پوچھا لگانے سے ادب کی دنیا کو کوئی دھچکا نہیں لگے گا' بے فکر رہیں۔ جس دن چار پیسے تنخواہ کے نام پر لیں گے' سب سے زیادہ خوش بھی آپ ہی ہوں گی۔"

"کتنی طے کی ہے؟" وہ نہ نکلنے والے آنسو پونچھنے لگیں۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بے ساختہ مسکراہٹ لبوں پر آ گئی تھی۔



"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟" شہلا نے بستر پر لیٹی مریضہ سے پوچھا تھا۔

وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"اب تو اچھی ہوں ڈاکٹر صاحب!"

"بہت پیاری بیٹی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو۔" وہ بھی مسکرائی تھی۔

"بس جی' اس کی مرضی۔" وہ کچھ اداس ہوئی۔

"بیٹیاں اتنی ارزاں نہیں۔ آج کل کی مائیں تو اپنی ہی جنس کی ناقدری کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔" شہلا کو اس کا رویہ دیکھ کر تکلیف ہوئی۔ اس قدر پھیکی مسکراہٹ۔ "پچھلی مرتبہ بیٹا تھا تو یہاں سے وہاں تک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے' پچھلے سال کی بات ہے۔ میں نئی نئی اپائنٹ ہوئی تھی۔" مریضہ شرمندہ ہو گئی تھی۔

"آنے والے لوگ ہی خوش نہیں ہونے دیتے ڈاکٹر صاحب! یوں آتے ہیں جیسے پرسہ دینے آئے ہوں۔"

"ہندوازم سے پیچھا نہیں چھوٹے گا ہمارا۔" اس نے تاسف سے سر ہلایا۔ "کسی کو یاد نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چار بیٹیوں سے ہی نوازا تھا۔ یہ تو زیادہ خوشی منانے کی بات ہے۔ ہم اپنا آخری وقت یاد کر کے کانپنے لگتے ہیں کہ انہوں نے تو بیاہ کر چلے جانا ہے' بیٹا ہوتا تو سہارا تو بنتا۔ ارے بھئی! کل کس نے دیکھی ہے؟"

"بس ڈاکٹر صاحب! بچی کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔"

"اتنی فضول بات' نجانے کس نے کہہ دی' لوگ اسے دہرائے جاتے ہیں۔ اتنا کمزور عقیدہ' اتنا متزلزل ایمان؟ جن کے بیٹے ہوتے ہیں' انہیں ڈر نہیں لگتا۔ نصیب تو سب کے ساتھ ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! آپ کا فون ہے۔" ڈیوٹی نرس نے اسے اطلاع دی تھی۔

"اچھا.... میں آتی ہوں۔"

اس کا راؤنڈ مکمل ہو چکا تھا۔ وہ ڈاکٹرز روم کی جانب چل دی۔

دوپہر دو بجے کا ٹائم تھا۔ عمر اکثر اسے اسکول سے واپس آ کر فون کیا کرتا تھا۔ اس نے اسی ترنگ میں فون اٹھایا۔

"ہیلو۔" بہت لے میں وہ بولی تھی۔

دوسری جانب چند لمحوں کے لیے خاموشی چھائی رہی۔

"ہیلو' شہلا بول رہی ہوں۔"

"جانتا ہوں۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔ "تم بھی جان لو کہ میں کون ہوں۔"

شہلا کا دل دھک سے رہ گیا۔ فوری رد عمل کے نتیجے میں اس نے کھٹ سے ریسیور رکھ دیا۔ ایک سناٹے کے عالم میں وہ کھڑی اپنے دل کو ہانپتا ہوا سن رہی تھی۔ جب ہی بیل دوبارہ بجنے لگی۔ اس نے فون اٹھایا۔

"ڈاکٹر شہلا! مجھے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔ الہڑ دوشیزاؤں کی طرح ری ایکٹ مت کرو۔" وہ دو ٹوک لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "بات کرو جس طرح نارمل بات کرتے ہیں۔"

"کہو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تم نے عمر کے فون ریسیو کرنے پر پابندی لگا دی ہے؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟ تم کیسے لگا سکتی ہو؟ آخر آل میں اس کا باپ ہوں۔ مجھے اس سے بات کرنے کا حق ہے۔"

"تم نے اسے بتایا کہ تم اس کے باپ ہو؟"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔

"نہیں۔" پھر وہ بولا۔ "میں پہلے اسے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اسے یہ سن کر کوئی جھٹکا نہ لگے۔ میں اسے خود سے مانوس کر رہا تھا اور تم نے...."

"کس طرح مانوس کر رہے تھے اسے؟ اس کی ماں کے خلاف بھڑکا کر؟ یہ مانوس کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟"

"غلط بات مت کرو جیسا کہ تمہاری عادت ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا۔ "میں اسے تمہارے خلاف کیوں بھڑکاؤں گا۔"

"میری عادتوں کی بات مت کرو مسٹر ابرار جیلانی! ان سے تمہارا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔"

"تھینک گاڈ!" وہ طنزاً بولا۔

"میرے ڈاکٹر ہونے سے بھی تمہارا واسطہ نہیں۔" وہ بھی طنزاً بولی تھی۔

"لیکن اپنے بیٹے سے میرا واسطہ ہے شہلا علی! اس کی لک آفٹر میرا مسئلہ ہے۔ اس کی صحیح طریقے سے کیئر ہو رہی ہے یا نہیں' وہ سیف ہینڈز میں ہے یا نہیں' ان سب باتوں سے میرا واسطہ ہے اور رہے گا۔"

"میں اس کی ماں ہوں مسٹر! غالباً آپ یہ بھول رہے ہیں۔ اس کی کیئر' اس کی لک آفٹر ان سب باتوں کی پروا جسے سب سے زیادہ ہونی چاہیے اور ہے' وہ ہستی میں ہوں۔"

وہ ہنس دیا۔

"جب ہی آپ اس وقت اس کے پاس ہیں' اسے کھانا کھلا رہی ہیں' لوریاں سنا رہی ہیں۔"

"اس کی ضروریات سے میں آپ سے زیادہ واقف ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "بہرحال کام کی بات کرو' فون کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

"میں عمر سے کانٹیکٹ میں رہنا چاہتا ہوں۔ تم یا تمہارے گھر سے کوئی بھی معترض ہو' نہ روڑے اٹکائے۔"
"میں سوچوں گی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔
"میں تمہیں سوچنے کا ٹائم نہیں دے رہا ہوں' صرف اطلاع دے رہا ہوں۔" وہ مذاق اڑانے والے لہجے میں بولا۔ "تم عاقل' باشعور' سمجھ دار لیڈی ڈاکٹر ہو۔ ایک باپ کے جائز' قانونی حقوق تو سمجھتی ہوگی۔ میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرو۔" اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔
شہلا کا دل اچھل کر اس کے تالو سے آ چپکا۔ اس کی آواز بند ہو گئی' سانس رکنے لگی۔
"گھر جا کر اپنی والدہ صاحبہ کو بھی اچھی طرح سمجھا دینا' میں جب بھی فون کروں' عمر سے میری بات کرائی جائے۔"
"ٹھیک' ٹھیک ہے۔" وہ بمشکل بولی تھی۔
"میں فی الوقت اس سے اپنے رشتے کی وضاحت نہیں کروں گا۔ میں بھی اس کے ننھے ذہن کو پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن آہستہ آہستہ اسے سب سمجھ میں آ جائے گا۔"
شہلا نے مرے مرے انداز میں ریسیور رکھ دیا تھا۔



وہ مغرب کا وقت تھا یا فجر کا' اسے صحیح طور پر وقت کی پہچان نہ ہو رہی تھی۔ دھند لکا پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ یوں جیسے ابھی پو پھٹے گی اور سورج کی جانب سے پھینکی گئی پہلی کرن رات کو شیشے کی مانند کرچی کرچی کر ڈالے گی یا یوں جیسے سورج اپنی قبا کا پلو پورے طور پر سمیٹ کر آسمان کا دروازہ بند کر لے گا اور ہر سو گھنگھور اندھیرا چھا جائے گا۔ نجانے وہ کون سا وقت تھا؟
اسے اتنا احساس تھا کہ وہ اداسی کا وقت تھا' وہ دہشت کا وقت تھا' وہ حبس کے زور پکڑ لینے کا وقت تھا۔ اس ملگجے سے اجالے میں صحیح طور پر ہر شے واضح نہ ہوتی تھی۔ ربیعہ گھر میں تنہا تھی' بالکل تنہا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ وہاں روئی کے گالے اڑتے پھر رہے تھے۔ بھرے بھرے سرمئی بادل ادھر سے ادھر بڑی تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر یونہی سر اٹھائے بڑی محویت سے آسمان کو تکتی رہی۔ آسمان پر تیزی سے ہوتی ہوئی یہ حرکت توجہ طلب تھی۔ بادلوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ربیعہ سر اٹھائے آسمان کو دیکھتی رہی۔
تب اس کے گال پر پانی کا پہلا قطرہ آن گرا' ٹھنڈا ٹھار قطرہ۔ ربیعہ کے پورے وجود میں ٹھنڈک کی لہر دوڑ گئی۔ اسے پہلی بار حبس کے کھلنے کا احساس ہوا۔ جسم سے سرسراتی ہوا کا ایک جھونکا ہولے سے ٹکراتا ہوا گزر گیا۔ ربیعہ کو خوشی اور طمانیت سی محسوس ہوئی۔ آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں پھر تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ سرمئی بادل اب سیاہ ہو رہے تھے۔ سب کے سب بڑی تیزی سے سیاہ ہوتے جا رہے تھے جیسے کسی نے مٹھی بھر سیاہی تالاب کے پانی میں پھینک دی ہو۔
ربیعہ کو احساس ہوا کہ بادلوں میں سیاہی پھیلنے کی وجہ سے ماحول میں جو ملگجا سا اجالا تھا' وہ غائب ہو رہا تھا۔ ہر سو اندھیرا چھا رہا تھا۔
پھر یکا یک ہوائیں چل پڑیں۔ تند و تیز ہوائیں۔ ربیعہ کا پورا گھر ہواؤں سے بھر گیا۔ سب کھڑکیاں' دروازے ہواؤں کی زد میں آ کر کھٹاک کھٹاک کھلنے اور بند ہونے لگے۔ صحن میں لگا ہار سنگھار کا درخت مست شرابی کی مانند جھومنے لگا تھا۔ اس کے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر ربیعہ کے وجود سے ٹکراتے اور پورے گھر میں بکھر جاتے۔
شائیں شائیں کرتی ہوائیں' سرسراتے ہوئے پتے اور بجتے ہوئے دروازے اور وہ گھر میں تنہا تھی۔

”ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔“ دادی اسے پکار رہی تھیں۔

”دادی کہاں ہیں؟“ اس نے پریشانی سے سوچا۔ ”دادی تو گھر میں نہیں تھیں۔ دادی کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔“ آواز بہت دور سے آرہی تھی۔ ربیعہ اپنے صحن میں کھڑی تھی۔

”ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔ یہاں سے جاؤ۔۔۔“ آواز پھر آئی۔

ربیعہ پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ آندھی کی شدت میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ ہار سنگھار کا درخت یوں سر پٹخ رہا تھا جیسے ابھی زمیں بوس ہو جائے گا۔

ربیعہ کا صحن خشک پتوں سے بھر چلا تھا۔

”کہاں جاؤں؟“ اسے خیال آیا تھا۔ ”میں کہاں جاؤں؟“

”ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔“

پھر وہ مڑی اور بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ ہار سنگھار کا درخت جیسے رسیاں تڑوا رہا تھا۔ ربیعہ نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ چٹخنی چڑھالی۔ اسے لگا جیسے کچھ دیر کے لیے وہ کسی محفوظ جگہ پر آگئی تھی۔

بند دروازے سے پشت لگائے وہ آنکھیں بند کیے کھڑی ہوئی تھی۔ آندھی تھم گئی تھی۔ آوازوں کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ ہوا کی شائیں شائیں اور پتوں کی سرسراہٹ بند ہو گئی تھی۔ دروازوں کھڑکیوں کو قرار آگیا۔ صرف ربیعہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

”ربیعہ!“ اسے پھر آواز آئی۔

”اب کی بار یہ آواز قدرے قریب سے آئی تھی۔ ربیعہ نے آنکھیں کھولیں‘ سامنے دیوار والی کھڑکی میں دادی کھڑی تھیں۔ وہ باہر گلی میں تھیں۔ ربیعہ کو صرف ان کا چہرہ نظر آرہا تھا۔

”دادی!“ وہ نجانے کیوں ڈر گئی۔

”ربیعہ۔۔۔ ربیعہ جاؤ یہاں سے۔۔۔“ دادی نے اسے اشارہ کیا۔

”کہاں جاؤں؟“ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”جاؤ‘ بس جاؤ۔ میں نے کہا نا جاؤ۔“ ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

”جاؤ۔“ اب کی بار شدت سے کہا گیا۔

اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا پور پور جسم زلزلوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ پسینے میں شرابور جسم جھٹکوں سے ہل رہا تھا۔ آنکھ کھل جانے کے بعد وہ کچھ دیر سیدھی چت لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ اسے علم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ خود کو اسی کمرے میں محسوس کر رہی تھی جس کی کھڑکی میں اس نے دادی کو کھڑا دیکھا تھا۔ اسے شدت سے خوف محسوس ہوا۔ کپکپی کی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور خالی خالی نظروں سے ہر چیز کو دیکھنے لگی۔ اسے پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ اپنے گھر میں بھی نہیں تھی۔ وہ حاکم چچا کے گھر میں تھی۔

اسے یاد آیا‘ وہ تو پچھلے کئی دنوں سے یہاں آکر سویا کرتی تھی۔ برابر والی چارپائی پر سمعیہ لیٹی مدھم سے خراٹے لے رہی تھی۔ اس سے ذرا آگے ثوبیہ تھی۔

ربیعہ کو اپنے حلق میں کانٹے اگے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کا جسم پسینے سے بری طرح سے بھیگا ہوا تھا۔ چارپائی سے پیر لٹکائے وہ کچھ دیر بیٹھی اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا‘ آواز دے کر سمعیہ کو جگا لے۔ اسے اس وقت ایک سامع کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

”سمعیہ!“ اس نے ہولے سے آواز دی۔

سمعیہ گھوڑے بیچ کر سوئی ہوئی تھی۔ اس کے خراٹوں کے لے میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ ربیعہ کھڑی ہو گئی۔ اسے سخت پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دروازے کی جانب بڑھی اور بنا آواز کیے دروازہ کھول کر صحن میں چلی آئی۔ برابر والے کمرے میں حاکم چچا اور منیب سویا کرتے تھے۔ اس کی ذہنی کیفیت ایسی ہو رہی تھی کہ اسے خالی صحن سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ غالباً ”رات کا آخری پہر تھا“ ربیعہ کو وقت کا اندازہ نہ ہو سکا۔ بڑی ہمت سے وہ گھڑونچی تک آئی اور مٹکے سے پانی نکال کر پینے لگی۔ پانی پی کر اس نے گلاس جگہ پر رکھا اور مڑی۔ اس کے لبوں سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔ اس کے عین پیچھے حاکم چچا کھڑے تھے۔

”ربیعہ!“ وہ ملائمیت سے بولے۔ ”جاگ رہی ہو؟“

”جی۔۔۔ میں۔۔۔ ڈر گئی تھی۔۔۔“ اس کا سانس کنٹرول میں نہ تھا۔

”کس سے؟“

”نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ سوتے میں۔۔۔ میں نے عجیب سا خواب دیکھا چچا جان! وہ۔۔۔ میں نے دادی۔۔۔“

”حماقت کی باتیں مت کرو ربیعہ!“ انہوں نے اس کی بات میں محض ایک لفظ پر غور کیا تھا۔ ”اچھا نہیں لگتا۔“ ربیعہ کا خوف یکلخت غائب ہو گیا۔ اس کی چھٹی حس پوری طرح بیدار ہوئی۔ رات کے اندھیرے میں اس کے سامنے کھڑے حاکم چچا کی آنکھیں بڑی وضاحت سے اپنا مدعا بیان کر رہی تھیں۔ چمکدار‘ حریص نظروں میں جو پیغام تھا ربیعہ کے احساسات نے اسے پوری طرح اور فوری طور پر سمجھا تھا۔

وہ خاموش کھڑی ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”ربیعہ! تمہیں سہارا چاہیے نا‘ میں بنوں گا تمہارا سہارا۔ یقین جانو‘ عمروں کا تھوڑا بہت فرق کبھی محسوس نہ ہو گا تمہیں۔ اندر سے میں بالکل جوان ہوں تم سمجھ رہی ہو نا؟“

ربیعہ پتھر کا بت بنی کھڑی تھی۔

”سمعیہ‘ ثوبیہ کو تو میں ایک ماہ میں بیاہ دوں گا‘ اس گھر پر راج کرنا تم! جتنا خیال میں تمہارا رکھوں گا‘ کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا۔“

انہوں نے مڑ کر کمروں کی جانب دیکھا۔ ربیعہ ان کی اگلی متوقع حرکت کا بھید پا گئی۔

”سمعیہ جاگ رہی ہے چچا جان!“ وہ پرسکون‘ مدھم آواز میں بولی تھی۔ ”میں پانی پینے آئی تھی۔“

”آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں بھی پانی پینے آیا تھا۔۔۔“ وہ آگے بڑھے۔

ربیعہ آرام سے ان کے قریب سے گزر کر اندر جانے لگی۔

”ربیعہ! کسی سے کہنا مت۔“ انہوں نے خوشامد سے کہا۔

”نہیں چچا جان! آپ بے فکر رہیں۔“ اس نے تلخی سے کہا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

[illegible] سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔
ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔
ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ساتویں قسط

وہ اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھا اطمینان سے اپنے کھیل میں مگن تھا۔ بلاکس کے ڈھیر میں سے وہ اپنے پسندیدہ رنگوں کے بلاکس جمع کر کے کسی کھلونے کا ماڈل بنانے میں مصروف تھا۔
شہلا آرام کرسی پر بیٹھی اسے دیکھے جا رہی تھی۔ دوائیوں سے متعلق کوئی معلوماتی قسم کا میگزین اس کی گود میں ادھ کھلا پڑا ہوا تھا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ میگزین اس کی گود میں یونہی دھرا تھا۔ وہ اس میں سے ایک لفظ بھی نہ پڑھ سکی تھی۔ اس کا ذہن پچھلی زندگی کے اوراق کھنگالنے میں مصروف تھا۔ منیزہ بیگم نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھی میز پر دھیرے سے رکھا، تب وہ چونکی۔
"ناحق تکلیف کی امی آپ نے۔" وہ زبردستی مسکرائی "ابھی کچھ دیر پہلے ہی انیقہ نے چائے بنائی تھی۔"
"تمہیں کب اس کی بنائی ہوئی چائے پسند آئی ہے۔ میں کیا جانتی نہیں!" وہ محبت سے بولیں۔
"سارا دن کام میں لگی رہتی ہیں۔" شہلا نے ماں کے ہاتھ تھام لیے "تھکتی نہیں ہیں؟"
منیزہ بیگم مسکرانے لگیں۔
"بوڑھی جان ہو سکتا ہے کبھی تھک بھی جاتی ہو، ماں نہیں تھکتی۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولیں۔
"ایک بات پوچھوں امی آپ سے....." شہلا ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"ہاں پوچھو اجازت لینے کی ضرورت کیوں پڑ گئی۔" وہ مسکرائیں۔
شہلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تو منیزہ بیگم اس کے چہرے پر اضطراب دیکھ کر فکر مند سی ہوئیں۔
"کیا بات ہے شہلا؟ کیا کہہ رہی تھیں تم؟"
"بچہ ماں کا ہوتا ہے یا باپ کا؟" اس نے الجھی الجھی نظریں ان کے چہرے پر ٹکا دیں۔ منیزہ بیگم کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ وہ اس کی بات کا کچھ جواب نہ دے پائیں۔
"بچہ..... باپ کا ہوتا ہے کیوں امی؟ جو ماں نو ماہ تک ہر طرح کی تکلیف اکیلی جان پر ہنستے کھیلتے سہہ جاتی ہے اس خوش کن امید پر کہ اس کی گود میں ایک پھول کھل کر اس کے وجود کو گلستان بنا دے گا..... جو ماں زچگی کی اذیت ناک ٹیسوں کو ایک کلکاری سننے کی خواہش میں آگ کا دریا سمجھ کر پار کر لیتی ہے، جو اپنی راتوں کی میٹھی نیند سے بخوشی دستبردار ہو جاتی ہے محض اس خوف سے کہ ساتھ رکھا جھولا اگر رک گیا تو اس کا لخت جگر اپنی معصوم نیند سے چونک کر ڈر کر رونے لگے گا..... وہ ماں ہار جاتی ہے امی؟ وہ ماں ہار جاتی ہے..... اس شخص سے..... جو محض چند لمحوں کی نشاط آفریں جادوگری سے باپ بننے کی پر غرور مسرت حاصل کر لیتا ہے..... ماں ہار جاتی ہے..... وہ شخص جیت جاتا ہے۔"

منیزہ بیگم کے آنسو خاموشی سے ان کا چہرہ بھگونے لگے تھے۔ شہلا کی دکھ میں بھیگی ہوئی آواز ان کا دل چیر رہی تھی۔
"بولیں نا امی.....!" شہلا نے ان کے ہاتھوں کو جھنجھوڑا "یہ کیسے فیصلے ہیں۔ کوئی حساس، درد مند دل یہ فیصلہ کیسے کر سکتا ہے؟"
"بیٹی..... دنیا کے سارے فیصلے بس ایک بار ہی نہیں ہو جاتے۔" منیزہ بیگم نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ "یہ سب فیصلے ایک بار پھر ہوں گے۔ وہاں، جہاں کسی کے ساتھ رتی برابر ظلم نہ ہو گا۔ جہاں پر کوئی اپنی رتی برابر نیکی بھی دیکھ لے گا اور رتی برابر ظلم بھی....."
شہلا خاموش ہو گئی۔
"میں نے ابو کا دل دکھایا تھا نا امی؟" وہ پوچھنے لگی۔
"نہیں بیٹے..... ایسے نہیں سوچتے!" وہ محبت سے اس کا سر تھپکنے لگیں۔ "آپ کے ابو کی روح آپ کو افسردہ دیکھ کر افسردہ ہو گی..... بس یہ سوچ کر خوش رہا کرو۔ انہیں ایصال ثواب کرتی رہا کرو..... ویسے ایک بات پوچھوں؟"
شہلا نے اثبات میں سر ہلایا۔
"میری بیٹی کو کون سی بات پریشان کر رہی ہے؟ میں کچھ دنوں سے تمہیں پریشان دیکھ رہی ہوں لیکن پوچھا نہیں کیونکہ بسا اوقات انسان محض اپنے آپ سے گفتگو کرنے کا متمنی ہوتا ہے۔ ایسے میں کسی دوسرے کی ہمدردی بھی ناگوار گزرتی ہے۔ میں نے سوچا تھا، جب خود سے سب کچھ کہہ سن لو گی تب پوچھوں گی بلکہ تم خود ہی بتا دو گی لیکن آج تمہیں اس قدر افسردہ دیکھ کر میں خود پر قابو نہیں رکھ پا رہی ہوں۔ پھر تم نے مجھ سے جس طرح کا سوال کیا، اس سے بھی خوفزدہ ہو گئی ہوں..... آخر بات کیا ہے بیٹی؟"
شہلا سر جھکا کر کسی مجرم کی طرح بیٹھ گئی۔
"کچھ دنوں سے..... ابرار کا فون آ رہا ہے....." وہ دھیمی آواز میں بولی۔
"یا اللہ!" منیزہ بیگم دھک سے رہ گئیں "تو وہ ابرار ہی ہے!"
شہلا نے جلدی سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا "آپ..... آپ..... جانتی ہیں؟"
"ہاں شک سا گزرا تھا مجھے، عمر کو دو تین مرتبہ فون سنتے پایا۔ پوچھتی تو کہتا 'انکل ہیں۔ میرے فرینڈ ہیں.....' میں سوچتی رہ جاتی کہ کون سے انکل ہیں جو اسے ہر دوسرے دن فون کر لیتے ہیں۔ تم سے یوں نہ کہا کہ تم پریشان ہو گی..... بس پھر بیل بجتی تو میں ہی فون اٹھاتی۔ دوسری جانب سے لائن ڈس کنکٹ ہو جاتی۔ مگر یہ تو کوئی دس بارہ دن پہلے کی بات ہے....."
"اس نے ہاسپٹل فون کیا تھا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ وہ عمر سے کانٹیکٹ میں رہے گا۔" شہلا نے تھکے تھکے الفاظ میں بتایا۔
"پھر..... تم نے کیا کہا؟" وہ پریشان نظروں سے اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔
"میں....." وہ ہولے سے ہنس دی "میں کیا کہتی؟ میں تو ماں ہوں..... وہ اس کا باپ ہے۔"
منیزہ بیگم نجانے کہاں کھو گئی تھیں۔
"آج وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے..... کل کو ملنے کی خواہش کرے گا....." شہلا ان کی کیفیات سے بے خبر بول رہی تھی "پرسوں اسے گھمانے پھرانے کی بات کرے گا..... اور..... اور پھر..... شاید قانونی طور پر اسے ساتھ....."

اس کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسک اٹھی۔
"شہلا.... میری جان!" منیزہ بیگم گھبرا گئیں۔
عمر نے ماں کو روتا ہوا دیکھا تو بلا کس روندتا ہوا چلا آیا۔
"مما.... مما! آپ رو رہی ہیں.... نانو! آپ نے میری مما کو ڈانٹا ہے؟" وہ منیزہ بیگم سے پوچھنے لگا۔
"نہیں بیٹا! میں بھلا اپنی بچی کو کیوں ڈانٹوں گی اور مما رو نہیں رہی ہیں۔ ان کی آنکھ میں کچھ چلا گیا ہے" انہوں نے اسے بہلانا چاہا۔ عمر نے ماں کے ہاتھ پکڑ کر کھینچے۔
"دیکھا.... مما رو رہی ہیں.... نانو' آپ کو کچھ پتا نہیں چلتا۔ آپ ایسے ہی کہتی رہتی ہیں۔ بے چاری مما!" وہ ماں کا چہرہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا۔ شہلا نے اسے سینے سے لگا لیا۔



"میری دور رس نگاہیں کہتی ہیں کہ اگر آپ کے بال کالے ہو جائیں اور آپ کا چہرہ پلاسٹک سرجری سے فری کر دیا جائے تو یقیناً پھپھو آپ کے سامنے پانی بھریں گی۔"
حمزہ' شفیقہ حیات کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔ علی اور نافع بھی اردگرد موجود تھے۔ وہ سیب چھیل کر پھانکیں بنا رہی تھیں۔
"جانتی ہوں تمہاری دور رس نگاہوں کو.... "انہوں نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔ "رزلٹ آنے دو.... پھر پوچھوں گی۔"
"بتائیں دادی....!" علی نے بھی اشتیاق کا مظاہرہ کیا "کیا آپ بہت خوب صورت تھیں؟ اصلی والی خوب صورت ہوں گی آپ۔"
"ہائیں! یہ اصلی نقلی خوب صورتی کیا ہے؟" انہوں نے اسے بھانک تھما کر گھورا۔
"آج کل کی جو بیوٹی ہے نا دادی! وہ سب فراڈ ہے.... ادھاری خوب صورتی ہے۔ رات کو گھر میں تقریب ہو تو لڑکیاں صبح سے چہرے پر مختلف کریمیں مل مل کر ادھ موئی ہو جاتی ہیں۔ تب کہیں جا کر ہلکی سی چمک نظر آتی ہے چہرے پہ...."
کچن میں کام کرتی ثانیہ اور سدرہ کے کان کھڑے ہوئے۔
"ہماری عریشہ کو دیکھ لیں.... سہیلی کے گھر رات آٹھ بجے جانا ہے تو صبح آٹھ بجے سے اس کی تیاری کا آغاز ہو جاتا ہے.... بالوں میں انڈا منہ پہ ابٹن' بازوؤں پر بلیچ کریم.... گھنٹہ بھر تو ناخن فائل کرنے میں لگاتی ہے" حمزہ مزے سے تبصرے کر رہا تھا۔
ثانیہ نے سدرہ کو کہنی ماری۔ دونوں منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔
"یہ نقلی بیوٹی ہی ہے نا! آپ تو بس نہا دھو کر لمبے بالوں کی سادہ سی چوٹی بناتی ہوں گی...." نافع نے بھی سیب کھاتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔
"اور دادا ابو.... ہائے ہائے.... کہتے ہوں گے 'صدقے جاواں!" علی نے آنکھیں بند کر کے گویا برسوں پرانا منظر ذہن میں لانے کی کوشش کی۔
شفیقہ حیات کا چہرہ لو دے اٹھا تھا۔ لبوں پر بھیگی بھیگی مسکراہٹ چلی آئی تھی۔
"ہاں تو اور کیا۔" وہ بولیں۔ "یہ الٹے سیدھے فیشنوں کا رواج تو اب نکلا ہے.... مانو کنواری اور بیاہتا کا فرق ہی ختم ہو گیا۔ اپنے منہ سے پوچھنا پڑتا ہے کہ اے بی! اللہ رکھے' خیر سے شادی شدہ ہو؟ جواب آتا ہے "نہیں.... ابھی تو منگنی ہوئی ہے۔" لڑکے خوب محظوظ ہوئے۔

"دیکھیں نا دادی! بھلا کنواری لڑکیاں ناک میں لونگ پہنے اچھی لگتی ہیں؟" حمزہ جوش میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔
"نا.... برا جانتے تھے لوگ۔" انہوں نے ہاتھ ہلایا۔
"اور.... اور.... اتنا میک اپ کرنے کی اجازت ملتی تھی آپ کے زمانے میں؟" نافع نے ٹکڑا لگایا۔
"تمہارے تو دادا اتنا خفا ہوتے تھے۔ گالوں پر سرخی نہیں لگانے دیتے تھے۔ کہتے تھے بری عورتیں لگاتی ہیں۔ میں تو بس پان کھا لیتی تھی۔ اسی سے ہونٹ سرخ ہو جاتے تھے۔ کرن لگا دوپٹہ اوڑھ لیتے تھے سادے سوٹ پر۔ اللہ خیر صلا۔"
"پھر بھی دادی.... ! پھر بھی آپ اتنی پیاری لگتی ہوں گی کہ کیا یہ آج کل کی فیشن زدہ لڑکیاں لگ پائیں گی۔ واہ واہ علی ذرا تصور کرو۔ پیاری دادی ہرا سوٹ پہن کر کرن والا دوپٹہ ماتھے تک اوڑھے' پان کھا کر جب مسکراتی ہوں گی.... کیا دلفریب منظر ہوتا ہو گا.... نیچرل بیوٹی۔"
"سچ یار.... نیچرل بیوٹی۔ اب تو تصور ہی محال ہے۔ ہر چیز جعلی ہے۔"
"ڈالڈا بیوٹی کا زمانہ ہے یار!" نافع نے بھی مایوسی سے سر ہلایا۔ "ڈریسنگ ٹیبل پر دس کریمیں تو محض وقتی طور پر گورا نظر آنے کے لیے رکھی ہوئی ملتی ہیں۔ لپ اسٹک کے ڈھیر میں سے میچنگ لپ اسٹک ڈھونڈنے میں آدھا گھنٹہ لگتا ہے ان کو.... پھر ہاتھ پیروں کی باری آتی ہے تو یہ گز گز بھر کے ناخنوں پر دو دو' تین تین کوٹ لگتے ہیں ناخن پالش کے تب کہیں جا کر مطمئن ہوتی ہیں۔"
"ارے میں تو بہت منع کرتی ہوں ان بچیوں کو.... مگر مسئلہ یہ ہے کہ بھیڑ چال بہت بڑھ گئی ہے دنیا میں۔ اب دنیا کا دستور ہی یہی ہے پھر ہم جیسے سوچتے ہیں کہ ہماری لڑکیاں بے چاریاں قدامت پسند کہلا کر ریجیکٹ نہ کر دی جائیں۔ سو تھوڑا بہت ہم بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔"
شفیقہ حیات بیگم نے لڑکیوں کا بھی فیور کیا۔
اتنی دیر میں مخالف ٹیم نیچے تیزی کے میدان میں اتر چکی تھی۔ ثانیہ اور سدرہ کچن کے پچھلے دروازے سے نکل کر دورہ' ناعمہ اور عریشہ کو لے آئی تھیں۔ دو منٹ کے رستے میں انہوں نے خوب خوب مرچ مسالے لگا کر ساری باتیں سنائی تھیں۔
"السلام و علیکم۔" انہوں نے با آواز بلند کورس میں سلام کیا۔
شفیقہ حیات بیگم نے جواب دیا۔ لڑکے منمنا کر رہ گئے۔ ان کی گفتگو کا مزہ کرکرا ہوتا نظر آنے لگا تھا۔
"ارے یہاں تو محفل سجی ہے بھئی۔" ناعمہ نے انہیں دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا "کیا باتیں ہو رہی ہیں؟"
شفیقہ حیات ہنسنے لگیں۔
"بس یونہی.... ادھر ادھر کی ہانک رہے ہیں۔"
"ہم دادی جان کی تعریف کر رہے تھے۔ اس عمر میں بھی کتنی خوب صورت نظر آتی ہیں۔" علی جھٹ بولا۔
"نیچرل بیوٹی.... نیچرل بیوٹی۔" ثانیہ نے عریشہ کو کہنی مارتے ہوئے جتایا۔ "یہی کہہ رہے تھے۔"
"ارے دادی جان.... ! آج کل کے تو لڑکے بھی میک اپ کرتے ہیں.... لڑکیاں بے چاریاں تو یونہی بدنام ہیں۔ کیوں علی؟" علی اور حمزہ بغلیں جھانکنے لگے
"جھوٹ نہ بولو عریشہ.... !" سدرہ نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا "بھلا لڑکے کیوں میک اپ کرنے لگے؟"
"یاد ہے علی!" عریشہ بولتی گئی "وہ اس دن تمہارے کالج میں فنکشن تھا تو تم مجھ سے فیس اسکرب مانگ رہے تھے اور حمزہ! تم نے تو اس دن رنگ گورا کرنے کے لیے کریم بھی لگائی تھی' کتنے گورے لگ رہے تھے نا تم؟"
وہ دونوں جز بز ہو کر رہ گئے۔

"ہائیں!" شفیقہ حیات انہیں گھورنے لگیں "چھلنی بولے سوئی سے تیرے پیٹ میں چھید؟ چلو وہ تو لڑکیاں بالیاں ہیں۔ ان کا تو فطری شوق ٹھہرا بننا سنورنا تمہارے دماغوں میں یہ کیا فتور پلنے لگا؟"

"ارے دادی جان! کہاں اس بی جمالو کی باتوں میں آ رہی ہیں۔" حمزہ نے اسے آنکھیں دکھائیں "یہ تو امی کا کارن کاپی ہے.... بات کا بتنگڑ بنانا کوئی اس سے سیکھے۔"

"اور نافع بھائی! آپ اپنی کہیے!" ثانیہ مزے سے بولی۔ "آپ کے دوست کی منگنی تھی جس دن.... آپ مجھ سے کیا کروایا تھا؟"

"چپ.... خاموش۔ خبردار۔" وہ گھبرا گیا۔

"بتاؤ.... بتاؤ۔" لڑکیوں نے شور مچا دیا۔

"فیشل کروایا ہے تھے مجھ سے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو سب نے قہقہہ لگایا۔ نافع پر منوں پانی پڑ گیا تھا۔ شفیقہ حیات ہنس رہی تھیں۔

"دیکھو ان دیوانوں کو.... بیٹھے لڑکیوں پر باتیں بنا رہے ہیں۔ مجھے بھی ساتھ لگا لیا۔"

"آپ سے ادھار چاہیے ہوگا تائی امی ان کو۔" تاعمہ نے منہ بنا کر کہا۔ لڑکوں نے خاموشی سے کھسک لینے ہی عافیت جانی تھی۔



"مما! یہ مجھے ہوم ورک نہیں کرنے دیتی۔" مومن بگڑا بگڑا سا کچن کے دروازے تک آیا تھا۔ سالن کی پتیلی میں بے دلی سے چمچ ہلاتی ہوئی ایقان چونکی تھی۔

"کیوں بیٹا! کیا مسئلہ ہے؟"

"بس یہ گندی بچی بن رہی ہے.... میری چیزیں چھیڑ رہی ہے۔" وہ سخت خفا تھا۔ ایقان کچن سے نکل کر لاؤنج میں چلی آئی۔ لال فراک میں ملبوس چھوٹی سی ایمان جیومیٹری باکس لیے بیٹھی تھی۔

"یہ میلا ہے۔" اس نے ایقان کو دیکھتے ہی کہا۔

"آپ کا نہیں ہے بھائی کا ہے۔" ایقان نے اسے ڈانٹ کر کہا۔ "واپس دو بھائی کو...."

"نہیں!" اس نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"ایمان! تنگ نہیں کرتے بیٹا...." وہ خفگی سے بولی۔

"میں نہیں دوں گی...." وہ اٹھ کر بھاگنے لگی۔ ایقان نے جھنجلا کر اس سے جیومیٹری باکس چھینا اور اسے ایک چپت لگائی۔

"خبردار جو بھائی کو تنگ کیا۔ گندی بچی!" ایمان روتی ہوئی کمرے میں بھاگ گئی۔ وہ بیزار بیزار سی واپس کچن میں آئی۔ اس کے اندر عجیب سی کیفیت بیدار ہو رہی تھی۔ وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی کچھ کنفیوژ ہو رہی تھی۔

چولہے کے قریب آتے ہی اسے سالن کی مہک سخت ناگوار محسوس ہوئی۔ اس نے فوری طور پر ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ اسے ابکائی آ گئی تھی۔ چند سیکنڈ اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن دوسری مرتبہ ابکائی کے آتے ہی وہ تیزی سے سنک تک آئی تھی۔ مسلسل ابکائیوں کے باعث وہ نڈھال سی ہو گئی تھی۔

مومن اس کی غیر معمولی آوازوں سے گھبرا کر کچن میں چلا آیا تھا اور اب اس کا دامن تھامے سوال پر سوال کر رہا تھا۔

"مما.... کیا ہوا ہے.... مما ایسے کیوں کر رہی ہیں.... مما آپ نے کیا کھا لیا ہے؟" وہ اسے جواب دینے کے

نہ تھی۔ اندر کمرے سے ایمان کے رونے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ اس کے رونے سے ایقان کا دل مزید خراب ہورہا تھا۔ وہ اندر جا کر اسے پیار کرنا چاہتی ۔۔۔ لیکن ایکائیوں کا سلسلہ طویل ہوتا جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ خود پر قابو پانے میں کامیاب ہوئی   منہ صاف کر کے اس نے چہرہ دھویا اور فریج سے پانی نکال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ مومن اسے خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"مما۔۔۔! آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ایقان ہولے سے مسکرادی۔

"ہاں جانو! میں ٹھیک ہوں۔" اس نے دھیرے سے اس کا گال چھوا۔ پھر وہ اٹھ کر تیزی سے اندر کی جانب بڑھی۔

ننھی ایمان فرش پر بیٹھی سسک رہی تھی۔ ماں کی ڈانٹ کو اس نے بہت محسوس کیا تھا۔

ایقان نے اسے بازوؤں میں بھر کر چوما۔ اس کا چہرہ صاف کیا۔

"آپ گندی مما ہیں۔" اس نے ناک چڑھائی "ڈانٹتی ہیں۔"

"سوری!" وہ معصوم بن گئی۔

"مما۔۔۔ مما! آپ کو کیا ہوا تھا؟" مومن کی تسلی نہ ہوئی تھی۔ ایقان کچھ سوچ کر مسکرادی۔



"یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔۔۔۔" رابعہ بیگم خوش ہو کر بولیں "اماں جان کو بتایا؟"

"تب ہی تو آپ سے کہہ رہی ہوں۔" وہ مدھم سروں میں بولی "آپ بتا دیں نا۔"

"تو تم اب بھی شرماؤ گی؟" وہ جی بھر کر ہنسیں "اچھا خیر۔۔۔ میں اماں سے کہے دیتی ہوں۔ لیکن تم یہاں کیوں نہیں آجاتیں؟"

وہ ایقان سے فون پر محو گفتگو تھیں۔ وردہ اور ناعمہ ان کی باتیں سن کر نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو اشارے کررہی تھیں۔

"باجی۔۔۔ ایک تو مومن کی اسکولنگ کا مسئلہ ہے۔۔۔۔ وہاں سے اس کا اسکول دور پڑتا ہے۔۔۔ پھر بھائی جان کے وہ منظور نظر مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ انہوں نے تو مجھ سے میرا میکہ چھینا ہوا ہے۔ جب آؤ ان کے دیدار سے فیض یاب ضرور ہونا پڑتا ہے۔" وہ جل کر بولی ۔۔۔ رابعہ بیگم کو ہنسی آگئی۔

"اتنی اتنی سی باتوں کو دل پر نہیں لیا کرتے ایقان! زندگی میں تو نجانے کیا کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تم تو بہت نازک مزاج ہو۔۔۔ اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں۔"

"لیجیے! آپ بھی اماں کی ہم خیال ہو گئیں۔" اس نے دہائی دی "میں یونہی خود کو بہت متحمل مزاج خیال کرتی ہوں۔"

"وہم ہے تمہارا۔۔۔۔" وہ مسکرائیں "اچھا خیر' یہ تو یونہی مذاق ہوا۔ میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں' تم چلی آؤ تو اچھا ہو۔ اس حال میں تمہارا یوں تن تنہا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ دوسراہٹ ضروری ہے۔"

"کچھ نہیں ہوتا باجی! بہت سی عورتیں رہتی ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی "میں آؤں گی کسی روز!"

"اچھا!" انہیں تامل تھا۔ "اللہ نگہبان ہو۔" دوسری جانب سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔



وہ ہمیشہ ہی اپنے گھر کی سڑک کا موڑ یونہی بے پروائی سے کاٹا کرتا تھا۔ موٹر بائیک کو فل اسپیڈ سے دوڑاتے ہوئے اس نے جونہی موڑ کاٹا' سامنے سے آتے سفید آلٹو کے ڈرائیور نے بے حد عجلت میں بریک لگائے تھے۔ ہاشم کو بھی بائیک روکتے روکتے۔ سیکنڈز کی دیر ہوئی۔ بائیک گاڑی سے لگ گئی تھی۔ گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ

پر سوار ڈاکٹر شہلا نے بھنا کر شیشہ نیچے کر کے سر نکالا۔

"بہت جلدی ہے آپ کو؟" وہ غصے سے بولی ۔۔۔ پھر ہاشم کو پہچان کر اس کے تاثرات بدل گئے۔ ہاشم بائیک سے اتر کر اس کے قریب چلا آیا۔

"معذرت خواہ ہوں۔" وہ شرمندگی سے بولا۔ سن گلاسز میں چھپی ہوئی آنکھوں کا تاثر پوشیدہ تھا لیکن اس کے لبوں کے کنارے مدھم سا گڑھا نمودار ہوا۔

"سوری۔۔۔ میں نے آپ کو دیر سے پہچانا۔" وہ بولی "لیکن غلطی بہرحال آپ کی ہے"

"تسلیم! میں پھر معذرت خواہ ہوں۔" اس نے سر جھکا۔

"آپ بائیک بہت تیز چلاتے ہیں۔۔۔ غلط بات ہے۔ اس دن بھی آپ سلپ ہو گئے تھے' میں بار بار مفت علاج نہیں کرتی۔" اب کی بار وہ کھل کر مسکرادی۔

ہاشم کچھ بول نہ سکا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔ اس کے جی میں خواہش ابھری تھی کہ سن گلاسز کے پیچھے چھپی ہوئی اس کی آنکھیں دیکھ سکے۔

"ہیلمٹ پہنا کریں۔" اس نے مشورہ دیتے ہوئے شیشہ چڑھا لیا تھا۔ گویا اشارہ تھا کہ وہ اپنی بائیک سامنے سے ہٹائے۔ ہاشم سست قدموں سے بائیک کی جانب بڑھ گیا۔



"بھئی۔ یہ وٹہ سٹہ مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔ صاف کہے دیتی ہوں۔" دال صاف کرتے ہوئے فردوس بیگم نے چشمے کی اوٹ سے بیٹی کو دیکھا۔ "اب اگر ان باتوں سے تمہاری ساس کا مقصد کچھ اور ہے تو انہیں ہماری طرف سے ہری جھنڈی دکھا دو۔ ہاں۔"

ماہین نے خفا خفا نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"لیجیے! انہوں نے بھلائی کی اور آپ نے اس میں برائی دیکھی۔۔۔ زمینوں سے پھل آئے تھے' سب رشتہ داروں کو بانٹے ہیں۔ ایک ٹوکری آپ کو بھیج دی تو کیا اس میں انہوں نے زرین کو بٹھا کر بھیجا ہے؟ نہیں بھیجتے تو آپ کہتی ہیں' اس کے سسرال والے تو بیچے ہیں بیٹے!"

"ارے تمہاری ساس کی چلتر بازیاں خوب سمجھتی ہوں میں۔۔۔ جب تک ان کے دماغ میں یہ فتنہ نہ گھسا تھا' کبھی کوئی پوچھتی نہیں۔۔۔ کسی دعوت میں ملاقات ہوئی تو دعا سلام تک میں خود جا کر کرتی تھی۔ وہ بڑی بی اپنی جگہ نہ چھوڑتی تھیں۔ اب ماشاءاللہ ہاشم میاں کی پڑھائی پوری ہوئی اور اللہ نے عزت والی نوکری دی تو ان کی تو آنکھیں چندھیا گئیں۔ کبھی پھل بھیجتی ہیں تو کبھی مٹھائی' جب آئیں گی بیٹی کو سجا بنا کر ضرور ساتھ لائیں گی۔۔۔ ہاں!"

ماہین نے اکتا کر ماں کو دیکھا۔

"تو امی! اگر ان کے دماغ میں ایسی کوئی بات ہے بھی تو اس پر سوچا تو جا سکتا ہے' زرین اب اتنی گئی گزری بھی نہیں ہے۔۔۔ اچھے بھلے رشتے آتے ہیں اس کے۔۔۔ وہ تو۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ ہاشم بھائی کو دیکھ کر خود ہی انٹرسٹڈ ہو گئی ہے۔"

"اے ہٹو!" فردوس بیگم اچھل ہی پڑیں "خبردار جو اس بارے میں سوچا بھی تو۔ ماشاءاللہ' اللہ نظر بد سے بچائے' شہزادوں جیسا میرا بیٹا۔۔۔ اس کے لیے وہ چھوٹی آنکھوں والی ہی رہ گئی ہے؟"

ماہین کو سخت تاؤ آیا۔

"خدارا امی۔۔۔! اتنا غرور بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اچھی گڈ لکنگ لڑکی ہے۔ آپ کو لے دے کر اس کی آنکھیں

ہی نظر آئیں؟ کتنا تیز کا مپلیکشن ہے اس کا... پڑھی لکھی ہے اور کیا چاہیے۔"

"بس بی! تم رہنے ہی دو۔" انہوں نے بیزاری سے تھال پٹخا۔ "میں خود ڈھونڈ لوں گی اپنے بیٹے کے لیے لڑکی۔ وہ چار میٹھی باتیں کر کے انہوں نے تمہیں پھسلا لیا.... تم کل کی بچی ان باتوں کو کیا سمجھو۔"

ماہین ہونٹ چباتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

حقیقت یہ تھی کہ خود تسنیم نے اس سے اس سلسلے میں بات کی تھی اور وہ شوہر کی نظروں میں اپنا قد بلند رکھنا چاہتی تھی۔

"ہاشم بھائی سے تو پوچھ کر دیکھ لیں۔" اس نے ایک رہی سہی کوشش بھی کر ڈالی۔

فردوس بیگم کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ چہرہ غیظ و غضب کا شاہکار بن گیا۔

"ان سے کیا پوچھوں؟ شہزادہ سلیم سے! انار کلی پسند کی ہے انہوں نے.... بلکہ انار کلی کیوں، مہرالنساء کہو... نور جہاں لقب دیں گے اسے... ہمارے سروں پر لا کر بٹھائیں گے ایک بچے کی ماں کو۔" ماہین حیران پریشان ان کی بے سروپا گفتگو سنے گئی۔

"بھری دنیا میں انہیں وہی بلا نظر آئی... میں سمجھتی تھی فتور نکل گیا ہوگا دماغ سے، مگر ابھی وہاں تو وہی ڈھاک کے تین پات۔"

"کیا کہہ رہی ہیں امی!" وہ کچھ الجھتے ہوئے بولی۔ "آپ نے بھائی سے بات کی تھی؟"

"کی تھی! جب ہی تو سلگ رہی ہوں۔" وہ اپنا بازو دبانے لگیں۔

"پھر... کیا کہا انہوں نے؟"

"بتا تو رہی ہوں... اسی منحوس کے چکر میں ہے۔"

"ہائے اللہ!" ماہین نے سینے پہ ہاتھ رکھا "وہ بھولے نہیں اب تک؟" فردوس بیگم منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئیں۔

"پھر بھی۔ پھر بھی آپ زرین کے رشتے کی مخالفت کر رہی ہیں۔" ماہین ماں پر غصہ نکالنے لگی۔ "حالانکہ اس مطلقہ، ایک بچے کی ماں سے تو زرین ہزار درجے بہتر ہے۔ کنواری تو ہے۔"

"ارے تو دنیا میں وہی ایک کنواری رہ گئی؟" فردوس بیگم جل کر بولیں "باقی سب بیاہتا ہوئیں؟ لڑکی! تیرا دماغ ہے کیا ہے؟"

ماہین خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کا منہ بن گیا تھا۔ اسی لمحے عریشہ گنگناتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ بے فکری اور الڑپن اس کے انگ انگ سے چھلک رہا تھا۔ جوگیا رنگ کے پرنٹڈ سوٹ میں اس کا سراپا بہار دکھلا رہا تھا۔

"تم کہیں بی پھرندہ!" فردوس بیگم نے اسے گھورا "مجال ہے یہ لڑکی گھر میں ٹکے۔" عریشہ نے ماں اور بہن کے تیور ملاحظہ کیے تو اس کی بے فکری میں قدرے کمی آئی۔ گنگناہٹ بھی رفوچکر ہوئی۔

"آپی... آپ کب آئیں؟" وہ خفیف سی ہوئی۔

"تمہیں دعا سلام کی فرصت مل گئی؟" وہ بھی بگڑی بیٹھی تھی۔ عریشہ نے شرمندہ سی ہو کر حسام کو اٹھا لیا اور پیار کرنے لگی۔



"میں ہوتی تو محترم کا دماغ درست کر دیتی۔ کمال ہے، اتنا بھی کانفیڈنس نہیں ہے آپ میں کہ اس کو کھری کھری سناتیں، شرم غیرت یاد دلاتیں۔" انیقہ بھری ہوئی تھی۔ شہلا مسکرا دی۔

"یہ طنطنہ کہاں سے لاؤں؟ ایک ڈری سہمی ماں میں بھلا اتنا رعب ہو سکتا ہے؟"

"کمال ہے! ہم کیوں ڈریں؟ ہم نے کہیں ڈاکہ ڈالا ہے؟ کسی کی چوری کی ہے؟ اسے کوئی ڈر خوف نہیں... اپنے کیے پر شرمندگی نہیں، پچھتاوا نہیں۔ اتنے سالوں بعد یاد آیا کہ کوئی بیٹا بھی پیدا کیا تھا، واہ صاحب، بہت خوب۔"

شہلا خاموشی سے سنتی رہی اور بے بسی سے مسکراتی رہی۔

"آنے تو سہی محترم کا فون! سب کس بل نکال دوں گی۔"

"پلیز انیقہ۔" شہلا نے التجا کی "کچھ مت کہنا۔ اس کی بات عمر سے کروا دینا... دیکھو، وہ شرافت کی جون میں ہے، کیا خبر کب اس کا دماغ الٹ جائے، عمر کی محبت میں نہ سہی، ہماری ضد میں وہ اسے اپنی کسٹڈی میں لینے کا دعویٰ دائر کر دے.... میں تو مر جاؤں گی انیقہ! عمر کے بغیر.... میں.... میں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ انیقہ کا سب جوش و خروش ہوا ہو گیا۔ وہ ماتھے پر بل لیے اسے دیکھنے لگی۔

"جانتی ہیں آپی! عورت کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟ یہ آنسو۔" وہ خفگی سے بولی۔

"پتا نہیں!" اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں "میں نے تو انہیں سب سے اچھا دوست پایا ہے۔"

"اونہہ!" وہ طنز سے ہنس دی "دل کا نقصان، جاں کا زیاں، بینائی کا عدو۔ کیا دوستی کرتے ہیں یہ آپ سے؟"

شہلا نے گہرے گہرے سانس لیے۔

"دل کا غبار آنکھوں کے رستے نہ نکلے تو شاید اتنا حبس، اس قدر بوجھ نہ سہہ پائے یہ غریب... دکھ کی شدت سے پھٹ جائے۔ آنکھیں دھل کر صاف ہو جاتی ہیں تو سوچ ہلکی پھلکی ہو جاتی ہے۔"

"ماموں آ گئے... ماموں آ گئے۔" عمر شور مچاتا اندر داخل ہوا تو وہ دونوں ہی چونک اٹھیں۔ اس کے پیچھے ہنستا مسکراتا عباد تھا۔

"السلام علیکم...." اس نے زوردار سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں لمحوں میں خوش ہو گئیں۔

"یہ اچانک کیسے وارد ہو گئے؟ نہ فون، نہ کوئی پروگرام...؟"

"بس جناب! ہم نے سوچا، چاند تو ہیں ہی... ذرا دن میں نکل کر دیکھیں۔" اس نے عمر کو گود میں اٹھا لیا۔

"بہت خوب!" شہلا ہنس دی "خدا نظر بد سے بچائے۔"

"اس بندر کو دیکھنے کا بہت جی چاہ رہا تھا۔" اس نے عمر کو چوما "آپ سب سے ملنے کے لیے بھی دل بے چین ہو رہا تھا.... خصوصاً امی کی بہت یاد آ رہی تھی۔" وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟" شہلا نے محبت سے بھائی کا چہرہ دیکھا۔

"زبردست! ہمیشہ کی طرح۔" پھر وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"آپی!... آپ رو رہی تھیں؟"

"ارے... نہیں پاگل!" وہ ہنس دی "میں کیوں رونے لگی۔"

"لگتا ہے... آپ کی آنکھیں۔" منیزہ بیگم چائے کی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئی تھیں۔ ان کا چہرہ عباد کی آمد کی خوشی کی داستان کہہ رہا تھا۔

"یہ لو... گرم گرم سموسے کھاؤ۔ میں نے دو دن پہلے ہی بنا کر فریز کیے تھے... سوچتی تھی، جانے عباد کب آئے گا... بہت شوق سے کھاتے ہو نا؟" انہوں نے پلیٹ اس کی جانب بڑھائی۔

"یعنی صرف عباد کے لیے بنے ہیں۔" انیقہ نے ناک بھوں چڑھائی "ہم خالی چائے پر ٹرخائے جائیں گے؟"

"کبھی تم سے کمی کی ہے میں نے؟" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی تھی۔ انیقہ نے لاڈ سے ان

کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"میں جانتی ہوں.... تینوں میں آپ سب سے زیادہ مجھے چاہتی ہیں.... ہیں نا امی؟" منیزہ بیگم مسکرا دی تھیں۔ ان کی پلکوں میں نمی تھی۔



نفیسہ خالہ دم بخود بیٹھی تھیں۔ ربیعہ ان کے پاس ان کی طرح پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی۔ دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا تھا۔

"بھلا بتاؤ!" آخر کار خالہ نے ایک آہ بھری۔ ربیعہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں نے صحیح فیصلہ کیا ہے نا خالہ جان؟" وہ متذبذب تھی۔

نفیسہ خالہ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں' پھر انہوں نے اسے گلے سے لگا لیا۔

"خدا نے تجھے ایسی ہمت والی بیٹی دے دی ہوتی.... ایسے نکھٹو' مردار لڑکوں سے تو بیٹیاں بھلی۔ تم مجھے منع کرتی ہو بیٹی! اس لیے خاموش ہوں' ورنہ ایسی کی تیسی کر ڈالوں کھڑے کھڑے.... اس مردار کے سر سے عشق کا بھوت بھی اتار دوں اور اس بڈھے کے دماغ کی چولیں بھی درست کر دوں.... بھلا بتاؤ! اپنی بیٹی جیسی بچی کو شادی کا پیغام دے رہا ہے کمینہ.... پورے محلے میں ذلیل نہ کر دوں تو نفیسہ نہ کہے کوئی.... تمہاری قسم سے خاموش ہو گئی ہوں۔"

"بس خالہ.... بیری اور پتھر والا حساب ہے۔" ربیعہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

"نہ بیٹی.... بیری اور پتھر کا تو پھر بھی کوئی جوڑ بنتا ہو.... یہ تو قرب قیامت کی مثال ہوئی۔ بھلا بتاؤ۔" ان کا بس نہ چلتا تھا' وہ کچھ نہ کچھ ضرور ہی کر ڈالیں۔

"ایک بات مانیں گی خالہ؟" ربیعہ ہولے سے بولی۔

"دس کہو بیٹی۔ اللہ قسم میں نے تمہیں دل سے بیٹی سمجھا ہے' محض زبانی کلامی نہیں۔" خالہ جذباتی ہو رہی تھیں۔

"آپ.... آپ...." ربیعہ کو کہنے میں تامل تھا۔

"کہو بیٹی! بتا تو دو۔" خالہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ بدر کے لیے سمیعہ کا رشتہ مانگ لیں۔"

خالہ خاموش ہو گئی تھیں۔

ربیعہ نے سر اٹھا کر بڑی آس سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"کیا بات ہے خالہ! آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟ آپ کو بری لگی میری بات؟"

"نہ بیٹی.... بات بری نہیں تو بری کیوں لگے گی.... لیکن اتنا ضرور ہے کہ لڑکی کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو' کہیں نہ کہیں باپ پر گئی ہو گی اور باپ تو ایسا ہے کہ پتھر مار کر آنکھ نکال دو اس کم بخت کی۔ اب دیکھو نا.... اولاد میں ماں باپ کا اثر تو آتا ہے نا۔"

"میں نے تو سنا ہے' سمیعہ کی ماں بہت اچھی عورت تھی۔" ربیعہ کہیں کھو سی گئی "دادی بتاتی تھیں۔"

"آں.... ہاں ہاں.... وہ تو جنتی عورت تھی۔"

ربیعہ نے اپنے خیال سے نکل کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"خالہ سمیعہ میری بہت اچھی سہیلی ہے۔ بچپن سے ـــــــ ساتھ رہا ہے ہمارا۔ میں اسے جانتی ہوں

وہ بہت پرخلوص اور ہمدرد لڑکی ہے۔ پھر.... پھر آپ کے بیٹے نے اسے بہت سے خواب دکھائے ہیں.... وہ ان خوابوں کے سہارے جی رہی ہے۔ بدر اس سے مخلص نہ سہی' وہ بدر سے مخلص ہے۔ میرا مشورہ تو یہی ہے خالہ کہ اس خلوص کی ناقدری نہیں ہونا چاہیے۔"

"تم بہت اچھی ہو ربیعہ!" نفیسہ خالہ نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"پھر مانیں گی میری بات؟" وہ آس سے بولی۔

"میں تو مان لیتی ہوں بیٹی! وہ بڈھا بھی تو راضی ہو۔"

"آپ رشتہ لے جائیے گا خالہ.... باقی جوان دونوں کے نصیب میں اللہ نے لکھا ہو.... ہونا تو وہی ہے۔"

"وہی منائے گی اپنے باپ کو.... ہم کیوں اس کی منتیں کرتے پھریں۔" خالہ پھر جل گئی تھیں۔ جب سے ربیعہ نے انہیں سارا قصہ سنایا تھا' وہ حاکم چچا سے بار بار نفرت اور کراہیت کا اظہار کرتی تھیں۔

"خالہ! مکان کو تالا ڈال کر اس کی چابی آپ کے حوالے کر جاؤں گی...." ربیعہ کو دھیان آیا تھا "دکانوں کا کرایہ بھی آپ رکھ لیا کرنا.... میں نے ان لوگوں کو بھی بتا دیا ہے۔"

"تمہاری امانت ہے بیٹی! سب کچھ.... جب آؤ گی' اپنی امانت پوری پوری پاؤ گی۔" خالہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ "میرا بس چلتا تو تمہیں کسی طور نہ جانے دیتی.... نجانے تمہاری دادی کو اللہ نے اتنی مہلت کیوں نہ دی...." ربیعہ نے گہری سانس بھر کر سب آنسو اپنے اندر اتار لیے۔

"آپ میرا کام یاد سے کر دینا خالہ.... کل تک ہر حال میں۔"

"لو بیٹی.... یہ بھی کہنے والی بات ہے۔ بھلا بتاؤ!"

ربیعہ گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی۔



"سنا ہے مائرہ اپنی نند کا رشتہ لائی ہے ہاشم میاں کے لیے۔" شفیقہ حیات نے تسبیح روک کر پرخیال انداز میں بہو سے پوچھا۔ وہ رافع کی شرٹ پہ استری کر رہی تھیں۔ یکدم مڑی تھیں۔

"اچھا!" استری کا پلگ نکال کر وہ ساس کے قریب چلی آئیں۔ "آپ کو کیسے پتا؟"

"عریشہ نے کچھ اڑتی اڑتی سن لی تھی۔ وہ ثانیہ کو بتا رہی تھی۔ میں بھی وہیں قریب ہی بیٹھی تھی۔"

"آپ نے نہیں پوچھا عریشہ سے؟" انہیں تجسس ہوا۔

"نہ بی بی.... میں اچھا نہیں جانتی یوں گھروں کی رپورٹ لینا۔ وہ تو بس یونہی بات کان میں پڑ گئی۔ ابھی بیٹھے بیٹھے خیال آ گیا تھا۔"

"بھائی جان کا کیا خیال ہے؟" عذرا بیگم چوکنا تھیں۔

"کیا خبر؟ تمہیں بتایا تو ہے میں نے کچھ نہیں پوچھا۔"

"خیر!" عذرا بیگم نے گہرا سانس بھر کر کہا "جہاں جس کا نصیب اللہ نے لکھا ہو۔ ہمارا تو اس بات پر ایمان کامل ہے۔"

وہ پھر جا کر رافع کی شرٹ استری کرنے لگی تھیں۔

"ارے بہو!" شفیقہ حیات نے پھر تسبیح روکی تھی "ذرا بات سنو.... ایک صلاح کروں تم سے؟" عذرا بیگم پھر استری کا پلگ نکال کر چلی آئیں اور ان کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"فردوس کینہ پرور تو بہت ہے' اللہ معاف کرے لیکن سب ہی جانتے ہیں۔" انہوں نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"رافع والی بات بھولی نہیں ہے وہ....."

"جانتی ہوں اس میں کیا راز کی بات۔"

"پھر بھی.... اگر ہم کوشش کریں تو معاملات شاید پھر سنبھل سکیں.... دیکھو بیٹی! نیک عورتیں ہمیشہ گھر جوڑنے کا ہی سوچتی ہیں کیا میکہ کیا سسرال ہر رشتہ نباہنا پڑتا ہے۔"

عذرا بیگم الجھ سی گئیں۔ انہوں نے ساس کا چہرہ دیکھا۔

"بات کیا ہے اماں! آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"میں کہتی ہوں رافع کے لیے نہ سہی نافع کے لیے مانگ لو عریشہ کو۔" عذرا بیگم خاموش ہو گئیں۔ شفیقہ حیات ان کو دیکھے گئیں۔

"کیا کہتی ہو؟"

"اماں! وہ اب نہیں مانیں گی۔ بے وجہ ہماری زبان بھی خراب ہو گی اور جتنا بھرم ہے اتنا بھی جائے گا۔ باقی آپ کی مرضی۔"

وہ بے دلی سے بولیں۔ ان کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں ساس کا مشورہ قطعاً" پسند نہ آیا تھا۔

"ارے بیٹا.... مجھ بڈھی کی کیا مرضی' آج سانس ہے' کل کو نکل جائے گی.... میں تو اس لیے کہتی ہوں کہ خاندان آپس میں جڑے رہیں تو اچھا ہی ہے۔ وہ اپنا لڑکا باہر بیاہنے کو پھرتی ہیں ہم اپنے بیٹے کا کہیں نہ کہیں تو کرو گی تو کیا ہی اچھا ہو بھائی بھائی آپس میں ایک دوسرے کا بوجھ بانٹ لیں۔"

عذرا بیگم کے ساس کی بات صحیح معنوں میں سمجھ میں آئی تو ان کے چہرے کے زاویے بدلے۔

"لیکن اماں! ہم نافع کے لیے عریشہ کو مانگ لیں تو کیا ضرور ہے کہ وہ بھی ہاشم کے لیے ہماری لڑکی مانگیں؟"

"سوچیں گی تو ضرور!" انہیں یقین تھا۔

"اور جو نہ سوچا؟"

"تو کیا ہوا ان کی سوچ ان کے ساتھ ہمیں کوئی لالچ تو نہیں۔" تب ہی سیٹی بجاتا ہوا رافع سیڑھیاں اترتا چلا آیا تھا۔

"امی جی! میری شرٹ۔" اس نے متلاشی نگاہیں دوڑائیں۔

"وہ پڑی ہے ذرا سی رہتی ہے کرنے کو....."

"ہائیں یعنی میٹنگ اہم ہے۔ شرٹ ادھوری چھوڑ دی آپ نے....." وہ ہنسنے لگا "بائی داوے ہاٹ ٹاپک کیا ہے؟"

وہ دونوں مسکرانے لگی تھیں۔

"اماں کا خیال ہے' نافع کے لیے عریشہ کا رشتہ مانگا جائے۔" انہوں نے بڑے بیٹے سے بھی تذکرہ کرنا مناسب سمجھا۔

"اوہ خالصتاً" زنانہ موضوع۔" وہ بے نیازی سے شرٹ پر استری پھیرنے لگا۔

"پھر بھی کچھ رائے تو دو....." شفیقہ حیات نے بھی کہا۔

"میں کیا رائے دوں دادی!" وہ ہنس دیا تھا "رائے تو صاحب الرائے" سے مانگیے!" اس کا اشارہ نافع کی طرف تھا۔

"عریشہ اچھی لڑکی ہے نا۔"

"ارے دادی! لڑکیاں سب ہی اچھی ہوتی ہیں....." وہ شرٹ پہن کر بٹن بند کرنے لگا۔

"پھر تم نے انکار کیوں کیا تھا؟" انہوں نے اسے چھیڑا۔

"لیجیے۔ میرا ذکر کیوں نکال بیٹھیں۔ رات گئی بات گئی امی! میں ذرا طفیل کے گھر جا رہا ہوں۔ کچھ دیر ہو جائے گی اچھا اللہ حافظ!" وہ سیٹی کی دھن از سر نو تازہ کرتا باہر نکل گیا۔

"ان لڑکوں کے لیے تو ان کی دوستیاں اہم ہیں۔ گھریلو معاملات اہم نہیں۔" شفیقہ حیات خفا ہوئیں۔

"ہاشم سے اس کی ایسی پکی دوستی ہے' یہ چاہے تو اس سے بات کر سکتا ہے۔"

"نہ اماں! ابھی نہیں مانے گا۔ پھر اچھا بھی نہیں لگتا۔" عذرا بیگم نے فوراً ان کا خیال مسترد کر دیا۔

"پھر کہو تو میں فردوس بیگم کے کان میں بات ڈالوں۔" انہوں نے بات کا تصفیہ کرنا چاہا۔

"کر دیکھیے۔" وہ دھیرے سے بولی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شہلا نے اس کا بی پی چیک کر کے اپریٹس بند کیا۔

"بہت لو بلڈ پریشر ہے... کیا بات ہے؟ کھانا پینا بند ہے کیا؟"

"کچھ حلق سے اترے تو کھاؤں نا..." وہ بیزاری سے بولی "جو کھاتی ہوں' اسی وقت حلق سے واپس آ جاتا ہے!"

"بری بات ہے ایقان... !تم خود کوشش نہیں کرو گی تو آسمان سے فرشتے نہیں اتریں گے من و سلویٰ کے تھال لے کر۔"

"میں بھی تو یہی سمجھاتی ہوں۔" رابعہ خاتون بولیں "یہ کسی کی کب سنتی ہے۔ پچھلے ہفتے سے برابر فون کر کے بلا رہی ہوں۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی رہی۔ کل میں علی کو لے کر ملنے چلی گئی۔ دیکھا تو تقریباً بے ہوش پڑی تھی۔ بچوں کی الگ حالت خراب تھی۔ ماں ٹھیک نہ ہو تو بچوں کو کون پوچھے گا... اسے اتنا بھی احساس نہیں۔"

"ڈانٹ لیجیے آپ بھی!" وہ ہولے سے مسکرا دی "میری سائیڈ کون لے گا؟"

شہلا نے اسے ملٹی وٹامن کی گولیاں لکھ دی تھیں۔

"میں اب چلتی ہوں۔ مجھے ہاسپٹل بھی جانا ہے۔ تم اپنا خیال رکھو ایقان! تمہارے بچوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ جلدی سے ٹھیک ہو کر انہیں توجہ دو۔" اس نے ننھی ایمان کا گال چھوتے ہوئے کہا۔

"عمر کیسا ہے؟" ایقان نے پوچھا۔

"ہوں! اچھا ہے۔" وہ مسکرا دی "آج کل عباد کے آگے پیچھے پھرتا ہے۔"

"ماموں کا تو دیوانہ ہے..." رابعہ بیگم نے تبصرہ کیا۔

"ماموں بھی تو ایسے ہیں۔" پیچھے بیٹھی ناعمہ گنگنائی تھی۔ وردہ کو ہنسی آ گئی۔

"کس بات پر ہنسا جا رہا ہے؟" شہلا اپنا بیگ کس لیے ان تک چلی آئی تھی۔

"کچھ نہیں شہلا باجی!" وہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"چلو نہیں بتانا تو نہ سہی۔" وہ مسکرائی "اچھا بھئی' خدا حافظ۔"

"آتی رہنا شہلا!" ایقان ہولے سے بولی رابعہ بیگم شہلا کا لکھا ہوا نسخہ دیکھ رہی تھیں۔

"ابھی رافع سے منگوا لیتی ہوں دوائیاں..." وہ بولیں "کیا حال کر لیا ہے اس لڑکی نے اپنا۔"

ایقان نے آنکھیں بند کر کے سر تکیے سے ٹکا لیا تھا۔ آنکھوں میں کسی کی مسکراتی صورت پھرنے لگی تھی۔

"آئی مس یو... آئی مس یو عاشر!" اس کی بند پلکوں میں پانی بھرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں۔ میں تو بہت بریو بوائے ہوں... ڈرتا تو نہیں ہوں کسی سے۔" وہ فون کے تار سے کھیل رہا تھا۔ اس کے قریب بیٹھ کر نوٹس بناتی انیقہ کے احساسات کے سب تار جھنجھنا رہے تھے۔ وہ سارے صفحے پر نجانے کیا لکھے جا رہی تھی۔

"خالہ جانی کہتی ہیں' صرف اللہ میاں سے ڈرتے ہیں... بھوت اور چڑیلیں تو ہوتے ہی نہیں ہیں... سب جھوٹ ہے..."

منیزہ بیگم بظاہر رسالہ دیکھنے میں مشغول تھیں لیکن ان کا دھیان اس کے لفظ لفظ میں الجھ الجھ کر اٹکتا تھا۔

"میرے پاپا؟ وہ تو ہیں ہی نہیں... پتا نہیں کہاں ہیں۔ مما سے پوچھو تو وہ کہتی ہیں' بعد میں بتاؤں گی۔" انیقہ نے جھنجھلا کر قلم پٹخا اور خفگی سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئیں۔

"سب بچوں کے پپا آتے ہیں پیرنٹس میٹنگ میں' میری تو صرف مما ہوتی ہیں۔ میرا دوست ہے نا علی' اس کے پپا نہیں آتے کیونکہ وہ اللہ میاں کے پاس گئے ہوئے ہیں... شاید میرے پپا بھی اللہ میاں کے پاس گئے ہوں..."

"عمر... بس بیٹا... اب انکل کو خدا حافظ کہہ دو۔" انیقہ نے آہستگی سے کہا۔ اس نے ریسیور کان سے ہٹا کر خالہ کو دیکھا۔

"میں بات کر رہا ہوں نا انکل سے..."

"آپ کھیلنے نہیں جا رہے راجہ کے ساتھ؟"

"نہیں!" اس نے بے نیازی سے جواب دے کر پھر ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہاں' میری خالہ جانی ہیں... یہ ایسے ہی مجھ سے لڑائیاں کرتی رہتی ہیں... مما جیسی؟ نہیں مما تو لڑائیاں نہیں کرتیں... آپ سے کس نے کہا؟"

انیقہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے عمر سے ریسیور جھپٹ کر واپس کریڈل پر رکھ دیا۔

"بس آل!" اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "کافی ہے اتنا۔"

عمر خفگی اور قدرے خوف آنکھوں میں لیے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ ناراض کیوں ہو رہی ہیں خالہ جانی؟"

"دماغ خراب ہے میرا اس لیے۔"

"انیقہ!" منیزہ بیگم نے اسے سرزنش کی۔ "بچے سے کیوں الجھ رہی ہو؟"

"میں تو باپ کا دماغ بھی ٹھیک کر دوں مما... لیکن شہلا آپی کی وجہ سے چپ ہوں۔"

"وہ باشعور' سمجھدار ہے۔ تم ابھی بچی ہو۔ ان باتوں کو نہیں سمجھتیں۔" وہ رسانیت سے بولیں۔

"اتنے اچھے انکل ہیں... اتنی اچھی باتیں کرتے ہیں... آپ باتیں بھی نہیں کرتیں اور فون بھی نہیں کرنے دیتیں... بالکل اچھی خالہ نہیں ہیں آپ!" وہ منہ بسور رہا تھا۔

"اچھا جی۔" انیقہ کا غصہ اس کا منہ دیکھ کر فرو ہو گیا "آپ تو بہت پیارے بھانجے ہو نا میرے... آپ اچھی اچھی باتیں کروا اپنی خالہ سے "گندی خالہ سے۔"

وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا منہ چومنے لگی۔

"اگلی مرتبہ جب عباد ماموں آئیں گے نا... میں ان کے ساتھ ہی چلا جاؤں گا ہو... پھر آپ مجھے یاد کیا کریں گی۔"

"آپ بھی مجھے یاد کریں گے جب میں چلی جاؤں گی۔" وہ مزے سے بولی۔
"آپ؟" وہ الجھ کر بولا "آپ کہاں جائیں گی؟"
"سسرال!" وہ شرما کر بولی۔
"بد تمیز!" منیزہ بیگم کو ہنسی آگئی تھی "بچے کے ساتھ ایسی باتیں کرتی ہے۔"

✡ ✡ ✡

"لاہور؟" سمیعہ کی چیخ نکل گئی تھی "کیوں... کس کے پاس... وہاں کون ہے تمہارا؟"
"میری پھپھو کا گھر ہے وہاں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"لیکن تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ شاکڈ تھی "ایسے اچانک... چوروں کی طرح۔"
ربیعہ نے سر جھکا لیا۔

"اے بی! جب چور ڈاکو سینہ تان کر چلنے لگیں' دھڑلے سے پھریں تو شریف لوگ یونہی خاموشی سے "چوروں" کی طرح اپنے کام کرتے ہیں۔"
نفیسہ خالہ بھنا کر بولی تھیں۔ سمیعہ کچھ نہ سمجھنے والی کیفیت میں گھری کھڑی تھی۔
"چلو بیٹی... ! وقت کم ہے۔" انہوں نے اس کا ٹرنک سنبھالا۔
ربیعہ اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔
"ربیعہ... تم نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا۔" سمیعہ کو بے حد گلہ تھا۔ "اب جاتے جاتے کہہ رہی ہو... کس دل سے رخصت کروں تمہیں؟" ربیعہ اس کے گلے لگ کر رو دی۔
"مجھے معاف کر دینا سمیعہ... ! میری کچھ مجبوریاں تھیں۔ یہ بات میں خود سے بھی چھپا رہی تھی..."
سمیعہ بھی زارو قطار رو رہی تھی۔ وہ دونوں بہنوں کی طرح تھیں۔
"اب کب ملاقات ہوگی؟"
"اللہ کو علم!" وہ مختصراً بولی "دعا کرو مجھے میرے اپنے مل جائیں۔"
اسی لمحے سکندر اندر داخل ہوا۔
"اماں رکشہ آگیا ہے۔"
ربیعہ سمیعہ کو خدا حافظ کہہ کر گھر سے نکل آئی۔ نفیسہ خالہ نے دروازے کو تالا ڈال کر چابی اپنے نیفے میں اڑس لی تھی۔ ربیعہ نے رکشہ میں بیٹھ کر دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اپنا گھر دیکھا۔
"ربیعہ... جاؤ یہاں سے... ربیعہ! یہاں سے جاؤ!"
اسے رکشے کے شور میں دادی کی آواز آرہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں پر روانی سے بہہ رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

ریل کے پہیوں کی چنگھاڑ اس کے دل میں سوراخ کر رہی تھی۔ وہ اندر سے بے حد خوف زدہ اور سہمی ہوئی تھی۔
"خالہ! آپ نے اس پتے پر تار بھیج دیا تھا نا؟" اس نے آخری مرتبہ پوچھا۔
"ہاں ہاں بچی... ! بے فکر رہو۔ تار پہنچ گیا ہوگا۔ تم اطمینان سے سفر کرنا۔ میں نے ٹکٹ بھی مہنگے والے ڈبے کا لیا ہے... اس میں اچھے لوگ ہوتے ہیں۔ تم بے فکر ہو کر اللہ پر بھروسہ کر کے جاؤ۔"

وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"آپ مجھے بہت یاد آئیں گی خالہ۔"
"تو کیا میں نہ یاد کروں گی تمہیں..." وہ گلو گیر لہجے میں بولیں۔ "بھلا بتاؤ!"
"میرے گھر کا خیال رکھنا خالہ! وہاں دادی کی روح رہتی ہے۔"
"جتنا بس میں ہو سکے گا بیٹی! خدا ان بے حس انسانوں کو رسوا کرے گا... بچی کو اپنے گھر سے بے گھر ہونے پر مجبور کر دیا ظالموں نے۔ ایسی اندھیر نگری جسے دیکھو وہی دانت گاڑے بیٹھا ہے۔ بھلا بتاؤ۔" وہ دکھ سے چور ہو رہی تھیں۔
"میں خط لکھوں گی آپ کو۔"
"کوئی پریشانی ہو تو لوٹ آنا بیٹی... آخر میں تو ہوں نا یہاں..."
"دعا کرنا خالہ! کوئی پریشانی نہ ہو۔"
اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹکٹ کو غور سے دیکھا۔

✡ ✡ ✡

گاڑی کسی چھوٹے اسٹیشن پر رکی تھی۔ عباد کی نیند ٹوٹ گئی۔ وہ اٹھ کر برتھ سے نیچے آگیا۔ تھرموس سے پانی نکال کر پینے لگا۔ اسے بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی۔
دفعتاً اس کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی۔ دھان پان سی وہ لڑکی سر تا پا سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ صرف اس کا چمکدار بھرا بھرا چہرہ چادر سے باہر تھا۔
اس کے چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت تھی۔ حجاب آلود سیاہ آنکھیں ایک بار اس کی آنکھوں سے ٹکرائیں پھر جھک گئیں۔
عباد کی نگاہوں نے اس کے کسی ممکنہ ہم سفر کی تلاش کی پھر وہ ناکام ہو گئیں۔ بقیہ وہ ہم سفر تو کراچی سے ہی اس کے ساتھ تھے۔
وہ لڑکی شاید اسی چھوٹے اسٹیشن سے گاڑی میں سوار ہوئی تھی۔ وہ تنہا تھی۔ اس کے انداز میں نامحسوس سی کنفیوژن تھی۔
اپنا سفری بیگ گود میں رکھے وہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔
"آپ اکیلی ہیں؟" وہ نجانے کیوں اسے مخاطب کیے بغیر نہ رہ سکا۔
"جی!" اس نے خوف زدہ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا "جی... جی ہاں!"
"کوئی بات نہیں۔ کہاں جا رہی ہیں آپ؟" عباد نرمی سے مسکرایا۔
"لاہور۔" اس نے تھوک نگلا۔
"میں بھی لاہور جا رہا ہوں۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔ "چلیں سفر خوشگوار ہو گا! میرا نام عباد ہے۔ آپ کا؟"
"ربیعہ!" وہ دھیرے سے بولی۔
اس کے وجود میں بے پناہ کشش تھی۔ عباد اسے دیکھے گیا۔

(باقی انشاء اللہ آئندہ ماہ)

...حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

رمیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے۔ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا کا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

۸

آٹھویں قسط

آہستگی سے دستک دے کر ہاشم اندر داخل ہوا۔

کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے ہوئے رافع نے ذرا کی ذرا کی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر حرکت کر رہی تھیں۔

ہاشم اس کے مقابل گداز صوفے میں دھنس کر بیٹھ گیا۔ رافع نے چند لمحوں بعد پھر ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ غائب دماغی سے پی۔ سی کے مانیٹر پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف پتا چلتا تھا کہ اس کا دھیان کسی اور فضا میں محو پرواز ہے۔

رافع کے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ وہ اپنے کام کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"کیا کر رہا ہے یار!" بڑی دیر بعد ہاشم اپنے خیالوں سے نکلا۔

"پروجیکٹ کمپلیٹ کر رہا ہوں۔" وہ مصروف انداز میں گویا ہوا۔ "مسٹر علوی نے جان کھا رکھی ہے۔" ہاشم گہری سانس بھر کر خاموش ہو گیا۔ ناقدانہ نگاہوں سے وہ رافع کو دیکھنے لگا۔

سیاہ ٹراؤزر اور سفید ٹی شرٹ میں وہ خالصتاً "اپنے گھریلو حلیے میں تھا۔ عموماً" وہ اطمینان سے اسٹڈی کرنے کے لیے اسی ڈریس کا انتخاب کرتا تھا۔ ماتھے پر پڑی شکن اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کا پورا دھیان اپنے کام کی جانب تھا۔ مہارت سے چلتی انگلیاں اس کی سوچ کے بھرپور ارتکاز کی گواہی دے رہی تھیں۔ اس نے ہاشم کی آمد کو قطعاً "لفٹ نہ کرائی تھی۔ ہاشم نے بالآخر اکتا کر پہلو بدلتے ہوئے بولا۔

"یار رافع!"

"ہوں۔" کچھ دیر بعد مختصر ترین جواب آیا۔

"چائے پلا!" رافع کی انگلیاں یک لخت تھم گئیں۔ وہ ریوالونگ چیئر کو گھما کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں پلاؤں؟" وہ خفگی سے اسے گھورنے لگا۔

"ہاں۔ اور کیا؟" ہاشم کو حیرت ہوئی۔

"یعنی ایک "فارغ البال" قسم کا بندہ از حد مصروف شخص سے یہ فرمائش کرتا کس قدر برا معلوم ہوتا ہے۔ تجھے اندازہ ہی نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" ہاشم نے احتجاج کیا۔ "ایک بہت پریشان خیال شخص ایک بے حد پر سکون بندے سے یہ فرمائش کر رہا ہے۔ یہ پریشانی شیئر کرنے کی استدعا ہے یار!"

"پر سکون بندہ؟ اس پروجیکٹ کو کمپلیٹ کرنے کے خیال نے میری رات کی نیند اور دن کا سکون برباد کر رکھا ہے اور تو کہتا ہے پر سکون بلکہ بے حد پر سکون بندہ۔"

"ارے ہم نے بھی کیے ہیں بڑے بڑے پروجیکٹ۔" ہاشم نے مکھی اڑائی "دو دن میں دو مارتے تھے۔ پر اس روگ کا کوئی علاج بتا میرے دوست!"

"کسی ڈاکٹر سے رجوع کرو۔" رافع معنی خیز انداز میں بولا۔

"ڈاکٹر سے رجوع کرنے پر تو اماں ناراض ہے۔" ہاشم بے چارگی سے بولا۔

"اب یا تو روگ کا علاج پوچھ لو یا اماں کو منانے کا..... ایک وقت میں میں ایک علاج تجویز کر سکتا ہوں۔"

رافع نے کرسی ہاشم کی جانب سے مکمل طور پر موڑی اور انگلیاں چٹخانے لگا۔ گویا ہاشم کی آمد کو شرف مہمانی عطا کر دیا گیا تھا اور اب وہ پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

"سنا ہے ماہین بیگم تسنیم بھائی کے ہمراہ آنے والی ہیں؟" ہاشم نے اصل مسئلہ سے اسے آگاہ کیا۔

"سو بار آئیں ان کا گھر ہے۔ تجھے کا ہے کے مروڑ اٹھ رہے ہیں؟" رافع نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"مروڑ دراصل تسنیم بھائی کی چھوٹی بہن کا نام ہے میرے لیے۔" ہاشم نے طنزاً کہا۔

"اچھا؟ لیلیٰ کی؟" اس نے سہلایا۔ "بیری اور کنکروالا معاملہ ہے۔"

"کنکر؟ اینٹ بول میرے بھائی۔ میری تو کمر ٹوٹ جائے گی۔" اس نے دہائی دی۔

رافع کھل کر ہنس دیا۔ سیلنگ فین پر نگاہ جمائے وہ کچھ دیر مسکراتا رہا۔ ہاشم بری سی صورت بنائے بیٹھا تھا۔

"تیری نہیں تیری خود ساختہ عشق کی کمر ضرور ٹوٹے گی۔" وہ اسے ڈراتے ہوئے بولا۔

ہاشم اسے گھورتا رہا اور رافع کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ ہاشم کے گھورنے کا جواب اس نے محض کاندھے اچکا کر دیا۔ ہاشم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کبھی کبھی مجھے تم پر بہت رشک آتا ہے رافع!" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا۔

اب وہ مکمل طور پر سنجیدہ ہو چکا تھا۔

"اچھا؟" رافع نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "کبھی کبھی؟ یہ مہربانی کیوں ہوتی ہے؟"

"محبت نامی "شیخ البحر" نے مجھے ہی "سند باد" سمجھا۔ کیوں آخر؟ یہ بلا میرے کاندھوں پر اس بے تکلفی سے کیوں سوار ہو گئی؟ یار رافع! کبھی کبھی مجھے "اس" پر بہت سخت قسم کا تاؤ آتا ہے۔"

"کس پر؟ شیخ البحر پر؟" رافع نے مذاق اڑایا۔

"نہیں یار۔"

"سند باد پر؟"

"اوفوہ۔ الو کی دم۔" وہ چڑ گیا۔

"ڈاکٹر شہلا؟"

"ہاں۔" وہ بے ساختہ بولا۔

رافع نے ایک بلند قہقہہ لگایا ہاشم نے بات سمجھ کر اسے مکا دکھایا۔

"بچے گا میرے ہاتھ سے۔"

رافع نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی قابو میں کی۔

"مجھے کبھی کبھی رشک آتا ہے۔ اس پر کبھی کبھی سخت قسم کا تاؤ آتا ہے۔ وضاحت کسی بات کی نہیں ہے۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے آخر؟"

"میرا مسئلہ؟" وہ خاموش ہو گیا۔ "یہی تو میرا مسئلہ ہے یار! کبھی کبھی مجھے تم پر رشک اور ڈاکٹر شہلا پر سخت غصہ آتا ہے۔ وِس از دا پوائنٹ۔"

اس کے لب و لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔ رافع بھی سنبھل گیا۔

"وضاحت کرو۔" پہلی بار اس نے ہاشم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

"سوچتا ہوں رافع! کاش میں بھی تمہاری طرح ہوتا۔ زندگی کو میں نے اسی نظر سے دیکھا ہوتا جس نگاہ سے اسے تم دیکھتے ہو۔ چند مخصوص قسم کے مقاصد۔ پڑھنا ہے' اچھی نوکری کرنی ہے' ماں باپ کی پسند سے شادی کر کے بچے پیدا کرنے ہیں' ان کو بڑا کر کے ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ ذہن میں دھند نہیں بھرتی' آنکھوں میں خواب نہیں بستے' سوچوں میں تلاطم برپا نہیں ہوتا' جذبوں میں بھنور نہیں پڑتے سب کچھ صاف' سیدھا غضب کے بندے ہو یار رافع! مجھے تم پر کبھی کبھی بہت رشک آتا ہے۔"

"یہ کبھی کبھی کی تکرار کہتی ہے کہ بہت کچھ بین السطور بھی ہے۔" رافع نے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

"ہاں۔ کبھی کبھی مجھے تمہارا وجود بے مقصد بھی تو لگتا ہے۔" وہ سادگی سے بولا۔

رافع ہنس دیا۔ "وضاحت کرو۔"

"یار..... کوئی فرق ہو بیل میں اور بندے میں آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور گول گول گھوم رہے ہو۔ آدمی وہ جو رسیاں تڑوا کر بھاگے۔ سچ! لیکن بس کبھی کبھی' محبت مت کرنا رافع! مت کرنا... محبت انسان اپنی پسند سے کرتا ہے' مقدر اللہ تعالیٰ اپنی پسند سے لکھتا ہے۔ جو بھی Clash ہو جائے تو بڑا نقصان ہوتا ہے بندے کا۔"

رافع گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اپنے دوست کا بکھرا بکھرا' روٹھا روٹھا انداز اسے از حد اچھا لگ رہا تھا۔

"اور تم مجھے اتنے اچھے لگ رہے ہو میاں رانجھے! کہ میرا بھی جی چاہ رہا ہے کسی کو چاہ دیکھنے کا۔" اس نے جی ہی جی میں سوچا۔

"اچھا!" پھر وہ کھنکھار کر بولا۔ "اور ڈاکٹر صاحبہ پر کس بات کا غصہ آتا ہے؟"

ہاشم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ رافع نے اس کی آنکھوں میں دھنک سی اترتی دیکھی۔ غالباً "یہ محبوب کے تصور کا کمال تھا۔

"بولو نا۔ اس پر غصہ کیوں آتا ہے؟" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"کبھی اس نے دیکھا ہی نہیں میری طرف' اتنے' اتنے بے مول جذبے ہیں میرے۔" وہ سر جھکا کر شکست خوردگی سے بولا۔

"محبت کی تو نہیں ہے ہاشم! لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ محبت کبھی بھی قیمت کی محتاج نہیں ہوتی۔ انمول شے کا مول کوئی کیسے دے سکتا ہے؟ چاہو' مگر چاہے جانے کی تمنا مت کرو' یہی اصل بنیاد ہے محبت کی۔ جو دام مانگے وہ کیسا عشق؟"

ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

ہاں مگر کوئی تمنا پس دامان وفا
مجھ سے پوشیدہ میرے پیش نظر ہوتی ہے

"محبت کرنا الگ بات ہے' شادی کر کے گھر بسانا الگ معاملہ ہے۔ ان دونوں کو جوڑتے کیوں ہو؟"

"واہ!" ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "میاں ابھی لگی نہیں ہے تمہیں' دعا کرو نہ لگے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ محبت کر کے تو انسان خدا کو پانے کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ وہ محبت کیا جو وصل نہ مانگے۔"

"پھر وہ محبت نہیں ہے۔" رافع اطمینان سے بولا۔

"پھر وہ کیا ہے؟"

"قرب کی خواہش۔"

"کسی سے قرب کی خواہش کیوں بیدار ہوتی ہے؟ کس جذبے کے تحت؟"

"عورت کے قرب کی خواہش مرد کے خمیر میں گندھی ہے' اس لیے۔"

"گویا کسی بھی عورت سے کام چل سکتا ہے؟"

"ہاں۔ شادی کر کے دیکھ لو بھول جاؤ گے سب کچھ۔"

ہاشم چند لمحے اسے بے یقینی سے دیکھتا رہا۔

"تم سنجیدہ ہو؟ یہ خیالات واقعی تمہارے ہیں؟"

"آف کورس ہنڈرڈ پرسینٹ۔"

"محبت خواہ کسی سے ہو..... شادی کسی اور سے کر کے آدمی ہر بات بھول سکتا ہے؟"

"میرا تو یہی خیال ہے۔" رافع نے کاندھے اچکائے۔ "بھلا ان دو باتوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟"

ہاشم اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں میں خفگی تھی۔

"اللہ کرے رافع! تمہیں بھی کسی سے محبت ہو جائے۔"

رافع زور سے ہنس دیا۔

"ان تلوں میں تیل نہیں۔" وہ بولا۔ "ویسے دعا دینے کا شکریہ!"

"جیتا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔ "ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے تمہیں دعا نہیں بددعا دی ہے۔"

"آگئی کی۔" اس کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ "میں نے بہرحال تمہیں نیک نیتی سے مشورہ دیا ہے۔"

تم میں ہمت ہے تو دنیا سے بغاوت کرلو
ورنہ ماں باپ جہاں کہتے ہیں' شادی کرلو

"تھینکس!" وہ منہ بناتے ہوئے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

نجانے کتنی دیر بعد اسے بھوک نے ستایا تھا۔ اس نے ایک نگاہ سامنے والی سیٹ پر بیٹھے نوجوان پر ڈالی۔ وہ آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ نجانے تھک گیا تھا یا سو گیا تھا۔

بڑے میاں برتھ پر سونے کے لیے جا چکے تھے۔ ان کی بیگم تسبیح کرتے ہوئے اونگھ رہی تھیں۔

ربیعہ نے اپنا لنچ باکس کھولا۔ نفیسہ خالہ نے بڑے اہتمام سے اس کا کھانا تیار کیا تھا۔ تلی ہوئی مچھلی' شامی کباب' آملیٹ اور پراٹھے۔ ساتھ میں ان کا وہی مزیدار اچار تھا جو ربیعہ کو ہمیشہ سے پسند تھا۔ ہر ہر شے میں ان کی محبت مہک رہی تھی۔

ربیعہ کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ لنچ باکس کھول کر وہ نجانے کس بیتے ہوئے لمحے میں جا پہنچی تھی۔

"اہم!" عباد کھنکھارا۔

وہ چونک اٹھی۔ جلدی جلدی اس نے اپنے سیاہ پلو سے اپنی آنکھوں کو رگڑا اور یوں اپنا کھانا نکالنے لگی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"بہت بے مروت ہیں آپ!" وہ بے تکلفی سے بولا۔
"جی؟" اس نے حیران نگاہیں اوپر اٹھائیں۔
"اتنا سارا کھانا باندھ لائی ہیں اور اتنا بھی لحاظ نہیں کہ کسی ہم سفر کو جھوٹے منہ ہی پوچھ لیں۔"
"اوہ!" اسے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ وہ بری طرح جھینپ گئی۔
"وہ اصل میں مجھے..." اس سے بات نہ بنائی گئی۔
"بھوک بہت لگی ہے۔" اس نے مسکرا کر اس کا ادھورا جملہ مکمل کر دیا۔

ربیعہ ہنس دی۔
"لیجئے نا کچھ۔" اس نے خالی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"کچھ نہیں بہت کچھ لوں گا۔" اس نے بے تکلفی سے پلیٹ تھام لی۔ "لیکن ذرا ٹھہریے۔ غالباً" میری امی جی نے بھی کچھ زاد راہ ہمراہ کیا ہے۔"
اس نے اٹھ کر اپنا ٹفن نکالا۔ اندر مزیدار چائنیز رائس اور فرائیڈ چکن تھے۔
"واؤ۔" عباد بے اختیار بولا۔ "جیتی رہے ماں میری۔ دیکھا آپ نے ربیعہ! ماؤں کو اپنے بچوں کی پسند ناپسند کا کتنا خیال ہوتا ہے؟ غالباً" آپ کی امی نے بھی ساری چیزیں آپ کی پسند کے مطابق بنائی ہیں۔ ہے نا؟"

ربیعہ نے نظر اٹھا کر اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا۔
"میری امی کا انتقال ہو چکا ہے۔" وہ رسانیت سے بولی۔
عباد کی جلتی آنکھوں کی جوت یکا یک مدھم پڑ گئی۔
"آئی ایم سوری۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"کوئی بات نہیں۔"
ربیعہ نے اپنی پلیٹ میں کھانا نکالا پھر دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔
"کھانا بہت مزیدار ہے۔ کس نے پکایا ہے؟" عباد کو کھانا بے حد پسند آیا۔
"میری خالہ نے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"آپ یہ چاول لیں نا۔ اس میں ماں کے ہاتھوں کی خوشبو ہے۔"
ربیعہ نے ٹفن تھام لیا۔
چاول واقعی بے حد لذیذ پکے ہوئے تھے۔ ربیعہ نے اس طرح کے پکے ہوئے چاول پہلی مرتبہ کھائے تھے۔ وہ شوق سے کھاتی گئی۔
"آپ کس کے پاس جا رہی ہیں لاہور؟" عباد ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"اپنی پھپھو کے گھر۔" وہ چیزیں سمیٹنے لگی۔
"کہاں ہے آپ کی پھپھو کا گھر؟"
ربیعہ خاموش ہو گئی۔ اس نے ذہن میں لکھا ہوا پتا دہرانے کی کوشش کی اور قدرے کامیاب ہوئی۔
"باغبان پورہ۔"
"اچھا! میرا ایک دوست وہیں رہتا ہے۔" عباد کو خوشی ہوئی۔
"آپ!" ربیعہ نے نگاہیں اٹھا کر اس کا پر خلوص چہرہ دیکھا۔ "آپ کس کے پاس جا رہے ہیں؟"
"میں پڑھتا ہوں وہاں۔ بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹرز کر رہا ہوں۔ ہاسٹل میں رہتا ہوں۔"

"اچھا!"
"آپ پڑھتی ہیں؟"
"میں نے گریجویشن کیا ہے۔ اب ماسٹرز کا ارادہ ہے۔"
"پنجاب یونیورسٹی سے؟"
"شاید۔" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے مختصراً کہا۔

☆ ☆ ☆

عذرا بیگم نے مالٹے کا جوس نکال کر مشین کا جگ نکالا اور جوس گلاس میں انڈیلنے لگیں۔
"بھابی جان! ذرا سا نمک اور کالی مرچ ملا دیں۔" اسٹول پر بیزار سی بیٹھی ایقان نے کہا۔
"ہاں ہاں۔ ملائے دیتی ہوں۔" انہوں نے اسے تسلی دی۔ "ویسے نمک بہت کھا رہی ہو تم۔"
وہ کسلمندی سے بیٹھی رہی۔ عذرا بیگم نے جوس میں اس کے حسب خواہش اشیاء ملا کر گلاس اسے تھما دیا۔
"مومن آیا نہیں اب تک؟"
"نہیں۔۔۔ شہلا کے بیٹے سے خوب گاڑھی چھنتی ہے اس کی۔ پہلے ماؤں میں دوستانہ تھا اب اولاد بھی نقش قدم پر چل رہی ہے۔" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔
ایقان کے لبوں پر بھی مسکراہٹ چلی آئی۔
"یاد ہے بھابی جان! یا تو میں شہلا کے گھر میں ہوتی تھی یا شہلا یہاں موجود ہوتی۔ علیحدہ علیحدہ وقت گزارنے کا تو تصور تک نہ تھا ہمارے پاس۔"
"ہاں تو کیا بھول گئی ہوں؟ امتحان تم لوگوں کے ہوتے تھے شامت میری آجاتی تھی۔ کبھی کمرے میں کھانا منگوایا جا رہا ہے، کبھی چائے کبھی ٹھنڈا، ہاشم اور رافع بھی مل جاتے تھے تم لوگوں کے ساتھ۔"
ایقان ہنس دی۔
"ہاں۔۔۔ ہاشم!" وہ پھر قدرے سنجیدہ ہو گئی۔
نگاہوں کے سامنے سے کئی منظر یکے بعد دیگرے گزر گئے تھے۔
"یہ ہاشم کے لیے بھابی جان نے کوئی لڑکی پسند نہیں کی اب تک؟"
"اللہ جانے کہاں بیاہنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ سنا ہے ماہین اپنی نند کو بھاوج بنانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔" وہ جھوٹے برتن سنک میں جمع کرنے لگیں۔
"اچھا!" ایقان کچھ سوچنے لگی۔ "ہاشم کیا کہتا ہے؟"
"اس کو کیا کہنا ہے غریب نے۔ جہاں ماں کہے گی ہو لے گا" وہ سادگی سے بولیں۔
"اتنا بھی غریب نہیں ہے وہ۔" وہ طنزاً بولی۔
"ارے بڑی زور آور ماں ہے اس کی۔ وہیں کرے گی جہاں اس کے جی میں آئے گا۔" شفیقہ حیات نے ان کی گفتگو سن لی تھی۔ سو وہ بھی وہیں چلی آئیں۔
"میں تو عذرا سے کہتی ہوں، ان کی چھوٹی کو اپنے چھوٹے کے لیے مانگ لو۔ شاید ان کے جی میں بھی نیکی آجائے تو وہ بھی کچھ پیش قدمی کریں۔ مجھے تو ہاشم اتنا بھلا لگتا ہے، جی کہتا ہے گھر کا بچہ باہر کیوں جائے۔ آخر گھر کی بچیاں بھی تو ہیں۔"
"عریشہ کو نافع کے لیے؟" ایقان بولی۔ "ناٹ آ بیڈ آئیڈیا۔"
عذرا بیگم برتن دھو کر ان کی جگہوں پر رکھنے لگیں۔

"بھئی میں تو نافع سے پوچھ کر ہی کوئی قدم اٹھا سکتی ہوں۔ جوان بچہ ہے۔ آخر اس کی بھی کوئی پسند ناپسند ہو گی۔"
"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ جو بھی کرو اولاد کی رضامندی سے کرو۔ لیکن عریشہ میں کوئی خرابی تو نہیں جو وہ انکار کرے۔ خوبصورت ہے، کم سن ہے، پڑھی لکھی، شائستہ بچی ہے۔ آج کل کے لڑکے تو یہی کچھ دیکھتے ہیں۔ پھر فردوس بیگم کے گلے شکوے بھی دور ہو جائیں گے۔"
ایقان گھونٹ گھونٹ جوس پی رہی تھی۔
اسی لمحے سدرہ دوڑی آئی۔
"پھپھو جانی! آپ کے میاں جی کا فون ہے۔"
ایقان کا سستی سے بھرپور رویہ یک لخت تبدیل ہو گیا۔ وہ جوس کا گلاس وہیں رکھ کر فٹافٹ دوڑ گئی۔
"آئے ہائے بچی! ذرا سنبھل کر" شفیقہ حیات نے اسے ٹوکا۔ "یوں بھاگ رہی ہے جیسے۔۔۔۔" بقیہ جملہ انہوں نے لبوں میں ہی دبا لیا۔
"ہیلو۔۔۔" اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ "السلام و علیکم"
حالت ایسی تھی کہ ذرا سا تیز چلنے سے سانس بے قابو ہو رہا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ خیریت تو ہے۔۔۔ اختر میاں کو تو نہیں دیکھ لیا؟" وہ شرارتاً بولا۔
"اُفوہ۔۔۔" وہ جھنجلا ہی تو گئی۔ "کوئی ڈھنگ کی بات نہ سوجھی آپ کو؟ اتنے دن بعد فون کیا ہے، وہ بھی ایسی ہی باتوں کے لیے۔"
"سوری مادام! سوری۔" وہ سعادت مندی سے بولا۔ "بندہ معذرت خواہ ہے آپ کا تصور گڑبڑانے پر۔ خیر یہ تو بتاؤ بچے کیسے ہیں؟"
"اچھے ہیں۔۔۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔
"بچوں کی اماں؟"
"بہت اچھی ہے" اس نے مسکراہٹ دبائی۔
"ارے۔۔۔ یہ تو ہمارے دل کی بات کہہ دی آپ نے۔" وہ بھی ہنس دیا۔ "یہ تو ہم روز خواب میں دیکھتے ہیں۔"
"یا خبر؟" وہ بے نیازی سے فون کے تار سے کھیلنے لگی۔ "خوابوں کو کون چیک کر سکتا ہے۔ کہہ دو جو جی میں آئے۔"
"پھر وہ تمہاری کوئی ہم شکل ہے جو خوابوں میں آتی ہے۔ تم ہوتیں تو کیا تمہیں خبر نہ ہوتی۔"
"آپ کا کام تو ہم شکل سے بھی بن رہا ہے۔ آپ کو کسی کی کیا پروا۔" وہ چڑ گئی۔
"نہیں اب ایسا بھی نہیں۔ کام بن نہیں رہا، بس چل رہا ہے۔" وہ شرارتاً بولا۔
"چلاتے رہیے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔ "ویسے روز خوابوں میں اگر مجھے دیکھتے تو کم از کم میرے حال کی خبر تو ہوتی۔"
"او ہو۔ بھئی کیا ہوا حال کو؟ خیر تو ہے؟" وہ تشویش سے بولا۔ "آواز سے بھی مرجھائی مرجھائی لگ رہی ہو۔ بخار ہے کیا؟"
"اوں ہوں۔"
"پھر کیا ہوا ہے؟" وہ فکر مند ہوا۔
اسے ہنسی آ گئی۔
"ابھی تو خیر کچھ نہیں ہوا۔" وہ معنی خیزی سے بولی۔ اس کے ادھورے جملے میں بہت کچھ تھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اچھل پڑا۔
"رئیلی ایقان! آر یو شیور؟" اس کی آواز میں خوشی تھی۔
"یس۔"
"گڈ نیوز جانو۔۔۔! میرا جی چاہ رہا ہے اڑ کر پہنچ جاؤں تم تک۔"
ایقان خاموش ہو گئی۔ اس کا دل یکایک ہی افسردگی سے بھر گیا۔
"میرا تو نجانے کب سے یہی جی چاہ رہا ہے عاشر! لیکن محض جی کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔" اس نے سوچا تھا۔
"ہیلو۔۔۔ ہیلو۔" دوسری جانب سے وہ پکارنے لگا۔ "اور سب لوگ کیسے ہیں؟"
"سب ٹھیک ہیں' خیریت سے ہیں۔" وہ بولی۔
"بچے یاد کرتے ہیں مجھے؟"
ایقان چپ رہی۔ بچے اس کے بنا رہنے کے عادی تھے۔ پھر بھی وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر بولی۔
"ہاں۔ بہت یاد کرتے ہیں۔"
"اور تم!"
وہ محض ہنس دی۔
اسی لمحے لائن ڈیس کنکٹ ہو گئی تھی۔ ایقان نے گہری سانس بھر کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کی طبیعت پر پھر وہی سستی غالب آ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آنکھوں پر سے سن گلاسز اتار کر اس نے متلاشی نگاہوں سے اسے کھوجا۔ پھر وہ اسے دکھائی دے گیا۔ گراؤنڈ میں کھیلتے ہوئے بہت سے بچوں میں وہ اسے دور سے ہی نظر آ گیا تھا۔ وہ سب بچوں جیسا تھا۔ انہی کا ہم عمر انہی کی طرح اسکول ڈریس میں ملبوس۔ لیکن شہلا کو وہ سب میں منفرد لگا۔
"عمر۔" اس نے آواز دی۔
عمر نے مڑ کر دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑی بال پھینک کر دوڑتا چلا آیا۔
"مما۔۔۔" وہ اس سے لپٹ گیا۔
"مائی ڈارلنگ!" اس نے جھک کر اس کا گال چوما۔ "ہاؤ آر یو؟"
"فائن مما۔" اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ "آپ مجھے لینے آئی ہیں؟"
"یس۔ آف کورس۔"
"میں اپنا بیگ اور لنچ باکس لاتا ہوں۔" وہ اندر کی جانب دوڑ گیا۔
چند لمحوں بعد وہ گاڑی میں بیٹھے گھر کی جانب رواں دواں تھے۔
"آج وین والا نہیں آیا مما؟" اس نے سوال کیا۔
"میں نے اسے منع کر دیا تھا۔" اس نے مسکرا کر بیٹے کو دیکھا۔ "آج میرا موڈ تھا اپنے بیٹے کو پک کرنے کا۔"
"آج آپ کا ہاف ڈے تھا مما؟"
"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔
"میرے سب فرینڈز آپ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سب آپ کو لائک کرتے ہیں۔"

"اچھا!" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "کوئی خاص وجہ؟"
"وہ سب کہتے ہیں' تمہاری مما بہت پیاری ہیں۔ بیوٹی فل ہیں۔"
"اوہ۔۔۔" وہ اترائی۔ "خیر یہ تو ہے۔"
"لیکن۔۔۔" وہ کچھ الجھا۔ "ایک پرابلم ہے مما!"
"وہ کیا؟" اس نے سڑک پر سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔
"ان سب کے پاس پپا بھی ہیں۔ میرے پاس صرف مما ہیں۔"
شہلا نے گہری سانس بھر کر اپنا دھیان ٹریفک کی جانب مرکوز کیا اس نے عمر کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ وہ کن انکھیوں سے ماں کا چہرہ دیکھتا رہا۔
"مما!" اس نے کچھ دیر بعد پکارا۔
"ہوں۔۔۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔
"میرے کوئی پپا بھی تھے؟"
چھ سالہ بیٹے کے اس احمقانہ سوال پر اسے بے طرح ہنسی آئی۔
"نہیں تو۔ آپ تو کھیت میں اگے ہوئے تھے۔ میں توڑ لائی۔" ہنسی پر بمشکل قابو پا کر اس نے کہا۔
عمر نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا۔
"ہاٹ اے اسٹوپڈ آنسر مما!" وہ خفگی سے بولا۔
"بی ہیو یور سلف عمر!" شہلا نے سنجیدہ ہو کر اسے تنبیہہ کی۔
"سوری۔۔۔ لیکن آپ مجھے کچھ بتاتی کیوں نہیں ہیں؟" وہ زچ ہوا۔
"کیا بتاؤں۔" وہ چڑ گئی۔ "آپ دنیا کے واحد بچے نہیں ہو جس کے پاس صرف مما ہیں۔ دنیا میں ہزاروں بچے ایسے بھی ہیں جن کے پاس مما' پپا دونوں نہیں ہیں۔ وہ بھی تو جی رہے ہیں نا؟ آپ کے پاس تو نانو ہیں' خالہ جانی ہیں' ماموں ہیں' ان بچوں کے پاس ان کا اپنا ایک رشتہ بھی نہیں ہے۔ وہ یتیم خانوں میں رہتے ہیں جہاں انہیں صرف دو وقت کی روٹی ملتی ہے اور بہت سا کام کرنا پڑتا ہے۔ نو اسکولنگ' نو گیمز' نو ہیپی نیس۔۔۔ کیا وہ بچے نہیں ہیں؟ انہیں بھی تو اللہ میاں نے پیدا کیا ہے نا؟ اسی اللہ نے جس نے آپ کو اتنے رشتے دیے ہیں' اتنا پیار دیا ہے' اتنی سہولتیں دی ہیں' اتنا عیش و آرام دیا ہے۔ لیکن عمر! ایک بات بتاؤں آپ کو۔ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے کا تو ان بچوں کو بھی حق نہیں ہے۔ تو پھر آپ کن خیالوں میں رہتے ہو؟
اللہ تعالیٰ نے جس کو جس جگہ پیدا کیا ہے وہاں اسے صبر و شکر کے ساتھ رہنا ہے۔ آپ کے اسکول میں بھی بہت سے بچے ایسے ہوں گے جن کے پاس صرف مما ہوں گی یا صرف پپا ہوں گے یا مما پپا دونوں نہیں ہوں گے۔ تو کیا وہ بچے نہیں جیتے؟ خوش نہیں ہوتے؟ کسی محرومی کو روگ بنا لینا درست نہیں ہے بیٹا! آپ سمجھ رہے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں؟"
وہ باہر دیکھنے لگا۔ شہلا نے بھی گہری سانس بھر کر اسپیڈ بڑھا دی۔
"مما!" وہ کچھ دیر بعد بولا۔
"ہوں؟"
"جن بچوں کے پاس مما یا پپا نہ ہوں' وہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جاتے ہیں نا۔"
شہلا خاموش رہی۔ وہ سوال کے غیر معمولی پن کو بھانپ گئی تھی۔
"بولیں نا مما!"

"ہاں... پھر؟" اس نے مجبوراً کہا۔
"جن کے مما پپا دنیا میں ہوں وہ تو بچوں سے الگ نہیں رہتے نا؟"
شہلا نے نچلا لب دانتوں سے دبا لیا۔
"پھر میرے پپا الگ کیوں رہتے ہیں؟"
شہلا کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔ اس نے سن گلاس اتار کر ڈیش بورڈ پر پھینکے۔ عمر سہم کر رہ گیا۔ شہلا نے غصے سے اسے دیکھا۔
"تمہارے پپا اس لیے الگ رہتے ہیں عمر! کہ انہوں نے تمہاری مما کو طلاق دے دی ہے ڈائی ورس... ڈو یو انڈر اسٹینڈ؟ اب وہ کبھی تمہاری مما کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ کبھی بھی نہیں۔ وہ تمہارے پپا ضرور ہیں مگر میرے لیے ایک اجنبی ہیں۔ اگر تم اتنے ہی بڑے ہو گئے ہو تو سن لو کان کھول کر۔ اور آئندہ مجھ سے یہ فضول سوالات مت کرنا، کبھی نہیں۔"
اس نے ماں کا شرارے برساتا یہ روپ پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ خوف زدہ ہو کر اس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔
گاڑی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔



"ہائے اللہ۔" عریشہ نے ناعمہ کو ٹہوکا دے کر متوجہ کیا۔
ناعمہ نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ پیر میں سینڈل پہن کر دیکھ رہی تھی۔ عریشہ کے ٹوکے کو اس نے بے حد ناپسند کیا۔
"کیا ہے تمہیں؟ میری پسلیاں چھید رہی ہو مسلسل۔"
سیلز مین مسکرانے لگا۔ عریشہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ دکان کے گلاس ڈور کے باہر کھڑے وہ تینوں صاف نظر آ رہے تھے۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بڑی بے فکری اور فراغت سے کھڑے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔
ناعمہ اور ثانیہ کی پوری توجہ دکان میں سجی سینڈلوں کی جانب تھی۔ یوں بھی مارکیٹ میں پہنچ جانے کے بعد ان کے بقیہ حواس کام کرنا چھوڑ دیتے تھے صرف بھاؤ تاؤ والی حس پھڑکتی رہ جاتی تھی۔
"کیسی ہے؟" ناعمہ سفید سینڈل کے متعلق ان دونوں کی رائے جاننا چاہتی تھی۔ "لے لوں؟"
"اپنا پیر دیکھو" ثانیہ نے سرگوشی کی۔ "نِرا کالا سیاہ کالا لگ رہا ہے سفید چپل میں۔ یوں لگے گا جیسے تم نے کسی اور کے پیر لگائے ہوئے ہیں۔"
ناعمہ نے بھنا کر اسے دیکھا۔
"اور کالے پیر دیکھ کر دیکھنے والے کا دھیان تمہاری طرف ہی جائے گا کہ ہو نہ ہو یہ ثانیہ کے پیر ہیں۔" وہ ترکی بہ ترکی بولی۔
"یہ بے لاگ تبصرہ تھا۔ اب بھی تم سینڈل خریدنا چاہتی ہو تو ضرور خریدو۔" اس نے کاندھے اچکائے۔
"تم بتاؤ عریشہ!" اس نے دکان سے باہر دیکھتی عریشہ کو دیکھا۔
"آں... ہاں" وہ چونکی۔ "صحیح ہے۔"
"کیا صحیح ہے؟" وہ چڑ گئی۔ "تم دونوں کے ساتھ آ کر بہت بڑی حماقت کی ہے میں نے۔ اچھا بھلا وردہ آپی کے ساتھ ... تھی۔ کوئی ڈھنگ کا مشورہ ہی نہیں دیتیں۔"
"حماقت تم نے کی ہے نا ابھی اس کا خمیازہ دیکھ لو گی۔" عریشہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

ناعمہ کو غیر معمولی پن کا احساس ہوا تو اس نے بھی دکان سے باہر دیکھا۔
"ہائے اللہ!" اس کا ردِ عمل بھی ہو بہو وہی تھا۔
"سمجھ میں آ گئی۔"
ناعمہ نے سینڈل اتار کر پرے کر دی۔
"دے دوں آنٹی؟" سیلز مین نے پوچھا۔
"آنٹی؟" اس نے چیخ ماری۔
عریشہ اور ثانیہ کی ہنسی نکل گئی۔
"نہیں چاہیے" وہ جھلا کر کھڑی ہوئی۔ "چلو لڑکیو۔"
"لے لیں باجی!" سیلز مین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ "سیل میں مل رہی ہے۔"
"مفت تو نہیں مل رہی نا" وہ تنک کر بولی۔
"چلو اب لے لو۔" عریشہ نے کہا۔ "یہ کم بخت تو دفعان ہوں جب تک۔" اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ناعمہ کا غصہ بھی فرو ہو گیا۔
"آں... ہاں ٹھیک ہے۔ دے دو۔ ہم اور سینڈلیں پسند کر لیں۔" اس نے سیلز مین سے کہا۔
"ضرور کریں باجی!" اس نے سعادت مندی سے "باجی" پر زور دیا۔
وہ تینوں شوکیس کے پاس ٹہلنے لگیں۔
"یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی۔ بیٹھے بٹھائے" ناعمہ نے سرگوشی کی۔
"تمہارا اچھوتا آئیڈیا تھا۔" ثانیہ نے جل کر کہا۔
"یہ کھڑے کیوں ہیں؟" وہ پریشان تھی۔
"تم کہو تو بیٹھ بھی جائیں گے۔" عریشہ نے اسے گھورا۔
"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" ثانیہ منمنائی۔
"کاہے کا ڈر؟" ناعمہ کے خون نے جوش مارا۔ "میں ابھی ایک چمڑے کا جوتا خرید لیتی ہوں۔" وہ دونوں ہنس پڑیں۔
آج وہ تینوں بڑے شاندار موڈ کے ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنا کر گھر سے نکلی تھیں۔ رستے میں ان تینوں میں بحث چھڑ گئی۔ ناعمہ کا ارادہ بس میں سوار ہونے کا تھا کہ وہ ٹیکسی کا کرایہ بچانا چاہتی تھی جبکہ ثانیہ اور عریشہ بضد تھیں کہ ٹیکسی میں جایا جائے۔
"ارے کم بختو... اتنے کرائے میں دو سینڈلیں آ جائیں گی۔" اس نے انہیں سمجھایا۔
"بس کے اسٹاپ تک وہی سینڈلیں گھسنی بھی پڑیں گی۔ تھکن ہو گی وہ الگ" عریشہ اڑ گئی تھی۔ ایسے میں سڑک کے کنارے کھڑی ہنڈا سوک کو دیکھ کر نجانے ناعمہ کو اچانک کیا ہوا تھا۔
"سنیں بھائی... گلف تک چھوڑ دیں گے؟" اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔
وہ کچھ دیر بے یقینی سے انہیں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔
"آف کورس! تشریف رکھیے۔"
عریشہ اور ثانیہ ہکا بکا تھیں اور وہ دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ مجبوراً وہ دونوں بھی گاڑی میں گھس گئیں۔
"یہ کیا جہالت ہے؟" ثانیہ بڑبڑائی۔

"خاموش رہو..... لفٹ ہی لی ہے نا۔"
"کسی نے دیکھ لیا تو جوتے پڑیں گے۔" عریشہ کو تین عدد جوان بھائیوں کا خوف تھا۔
"کوئی نہیں جھانکتا چلتی گاڑی میں۔" وہ مطمئن تھی۔ "دوپٹے آگے کرلو۔"
"اور جو یہ لفنگا کہیں اور لے گیا تو؟" عریشہ بھنائی۔
ناعمہ نے اسے کہنی ماری۔
"شی..... بری بات ہے۔ بے چارہ اکیلا ہے' ہم تین ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔
مجبوراً وہ دونوں چپکی ہو رہیں۔
یکایک اس نوجوان نے گاڑی ایک جگہ روکی تھی۔ وہاں انتظار کرتے دو لڑکے فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئے۔ ان تینوں کی سانس گلے میں اٹک گئی تھی۔
وہ دونوں حیران ہو کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ ڈرائیور مسلسل مسکرا رہا تھا۔
"ان کی تعریف؟" آگے سے سرگوشی آئی۔
"ڈرنا مت..... پٹ جاؤ گے۔ وہ تین ہیں' ہم اکیلے ہیں۔" مطمئن انداز میں جواب دیا گیا۔ لڑکیاں تلملا کر رہ گئیں۔
"تیری قسمت کو کس نے جگا دیا ہے؟" پھر ایک سوال ہوا۔
"ارے ہمارے ایسے نصیب کہاں۔" ٹھنڈی آہ بھری گئی۔ "یہ تو بھیا کی سوک کا کمال ہے۔"
"سنیے!" ناعمہ پھر کر بولی۔ "بس روک دیں یہیں۔ ہمیں یہیں اترنا ہے۔"
"منزل تو کچھ اور طے ہوئی تھی؟"
وہ زچ ہوئی۔ ثانیہ اور عریشہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔
"میں نے کہا نا ہمیں یہیں اترنا ہے۔ گاڑی روکیں۔"
"یہ آٹومیٹک گاڑی ہے محترمہ! سیٹلائٹ سے کنٹرول ہوتی ہے۔ میں منزل کی نشاندہی کر چکا ہوں۔ معاملہ ستاروں تک جا پہنچا ہے۔ میرے بس میں کچھ نہیں ہے۔"
اگلی سیٹ سے ایک دبا دبا قہقہہ بلند ہوا۔ لڑکیاں حواس باختہ ہو گئیں۔
"دیکھیے ہم دروازہ کھول کر کود جائیں گے۔" عریشہ نے ہمت کر کے کہا۔ "آپ ہمیں غلط سمجھ رہے ہیں۔"
کھٹاک کی آواز کے ساتھ دروازے لاک ہوئے۔
"آپ بندے کو غلط سمجھ رہی ہیں جناب! آرام سے تشریف رکھیے۔ انشاءاللہ بحفاظت منزل پر پہنچیں گی۔" وہ مسکرا رہا تھا۔
دروازے لاک ہوتے دیکھ کر ان کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے پر گری جا رہی تھیں۔ گاڑی کن رستوں پر دوڑ رہی تھی انہیں خبر نہ تھی۔
جب گاڑی واقعی گلف مارکیٹ کے سامنے جا رکی اور آٹومیٹک لاک سے دروازے کھلے تو تینوں کو ہوش آیا۔ بڑی تیزی سے وہ دروازے کھول کر نیچے اتریں۔
اپنے اپنے پرس سنبھال کر وہ بنا کچھ کہے سنے آگے بڑھ گئیں تب ہی پیچھے سے پکارا گیا۔
"جی سنیے!"
فوری ردعمل کے نتیجے میں تینوں نے ہی مڑ کر دیکھا۔
"لفٹ لینے کا شکریہ۔" وہ تینوں دانت نکال رہے تھے۔

اوسان بحال ہو چکے تھے اس لیے انہیں ہنسی آ گئی۔ بنا جواب دیے وہ آگے بڑھ گئیں۔ لیکن اب شاپنگ کے دوران انہیں اپنا پیچھا کرتے دیکھ کر وہ نئے سرے سے پریشان ہو گئیں۔

"اب اگر ان مردودوں نے کوئی بدتمیزی کی تو بھری مارکیٹ میں بے عزتی کر دوں گی۔" ناعمہ بڑبڑائی۔ "ناعمہ علی خان نام ہے میرا۔"



اسے بیٹھے بیٹھے کب نیند آ گئی تھی، اسے خبر نہ تھی۔

اس کی آنکھ انجن کی چنگھاڑ سے کھلی تھی۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر رک کر اب دوبارہ آگے بڑھی۔ ربیعہ کو حواس بحال کرنے میں کچھ دیر لگی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہونے لگے۔ اس کے علاوہ کمپارٹمنٹ میں دو نہایت خطرناک قسم کے آدمی موجود تھے اور ان تینوں کے علاوہ کمپارٹمنٹ میں کوئی نہ تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں اور کاندھوں تک لمبے بال لیے وہ دونوں آدمی اپنی سرخ آنکھوں سے اسے ہی گھور رہے تھے۔ ربیعہ کا دل اس کے حلق میں آن ٹکا۔ ماتھے پر لمحہ بھر میں پسینہ چمکنے لگا۔

اسے وہ پر خلوص نوجوان یاد آیا، جس کی موجودگی اس کے لیے نجانے کیوں باعث تسکین تھی۔ دو بوڑھے میاں بیوی بھی اس کے ہم سفر تھے، جو اب کمپارٹمنٹ میں نہ تھے۔

وہ جانے کتنی دیر سوئی تھی۔ رستے میں کون کون سے اسٹیشن آ کر گزر گئے تھے، اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ کون سے ہم سفر کا ساتھ کہاں چھوٹا تھا، اسے علم نہ تھا۔

اور اب جو دو اشخاص سامنے موجود تھے، ان کی نظریں اسے چھیدے ڈال رہی تھیں۔ اس نے اپنی سیاہ چادر کا پلو ذرا سا آگے کھینچ کر چہرہ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے کان میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ ربیعہ سخت پریشان ہو گئی لیکن وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اس کی پریشانی اس کے کسی انداز سے عیاں نہ ہو۔ اسے یاد آیا۔ اس کے ہینڈ بیگ میں ایک رسالہ تھا جو اس نے سفر کے دوران وقت گزاری کے خیال سے سمعیہ سے لے کر بیگ میں رکھ لیا۔

کپکپاتے ہوئے ہاتھوں کو اس نے چادر کے اندر رگڑ کر ان کی کپکپاہٹ کم کرنے کی کوشش کی پھر ہاتھ چادر سے نکال کر بیگ کی زپ کھولنے لگی۔

اس کی نگاہ اٹھی تو اسے احساس ہوا، وہ اس کے ہاتھوں کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ ربیعہ نے اپنے ہاتھ دیکھے۔ سیاہ چادر کے اندر سے سفید کنول جیسے ہاتھ یوں نکلے ہوئے تھے۔ جیسے گھنی رات میں بادلوں میں سے چاند نکل آئے۔ اس نے فوراً رسالہ نکالا اور ہاتھ دوبارہ چادر میں لپیٹ لیے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا اپنا چہرہ بھی چادر میں چھپا لے لیکن اب ایسا کرنا حماقت کے زمرے میں آتا۔

رسالہ کھول کر اس نے کچھ پڑھنے کی کوشش کی۔ اسے الفاظ دکھائی نہ دیے۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"میں اس قدر خوفزدہ کیوں ہو رہی ہوں؟" اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا۔

"یہ صرف مجھے دیکھ ہی سکتے ہیں نا۔ نگاہوں سے کوئی کسی کو نقصان تو نہیں پہنچا سکتا۔"

"شاید اس کمپارٹمنٹ کی تنہائی اور باہر پھیلی سیاہی سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کوئی بات نہیں میں کسی جنگل میں تو نہیں ہوں نا۔"

اس نے اپنے آپ کو ڈھیروں تسلیاں دے ڈالیں۔

"کہاں جاؤ گی؟" یکایک ان میں سے ایک آدمی اپنی بھاری آواز اور کرخت لب ولہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

ربیعہ نے بدمزگی سے نگاہیں اوپر اٹھائیں۔ اسے انداز تخاطب حد درجہ برا محسوس ہوا تھا۔ "جی؟ مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟"

اسے خود پر حیرت ہوئی۔ خوف کے اس عالم میں بھی وہ اتنے اعتماد سے گفتگو کر سکتی تھی، اسے اس سے پیشتر اندازہ نہ تھا۔

"پوچھا ہے کہاں جاؤ گی؟" اس شخص پر ربیعہ کے رویے کا مطلق اثر نہ ہوا۔

ربیعہ نے اسے کوئی سخت جواب دینا چاہا پھر کچھ سوچ کر اپنا ارادہ بدل لیا۔

"لاہور۔۔۔" وہ مختصراً بولی۔

دونوں نے اس کا جواب سن کر نجانے کیوں ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

"اکیلی ہو؟" اگلا سوال سن کر وہ لمحہ بھر کے لیے گڑبڑا گئی۔

رسالہ اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گر پڑا۔ ربیعہ نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے وہ سوال سنا ہی نہ ہو۔ وہ جھک کر رسالہ اٹھانے لگی۔

"اکیلی ہو؟" سوال پھر دہرایا گیا۔

ربیعہ کا جسم اس سوال پر سن ہونے لگا۔

"جی نہیں میں ہوں ان کے ساتھ" برتھ سے عباد نے سر نکالا۔

ان دونوں نے حیرانی سے اوپر دیکھا اور ان کے چہرے اتر گئے۔ وہ برتھ سے نیچے اتر آیا۔

"بقیہ انٹرویو آپ ڈائریکٹ مجھ سے کر لیں۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ قدرے ترش لہجے میں بولا۔

ربیعہ کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو بھر آئے۔ اسے دنیا صاف نظر آنے لگی تھی۔

ان دونوں آدمیوں کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ ان کے حلیے انہیں اجڈ اور دیہاتی ظاہر کرتے تھے۔ عباد کے امیرانہ انداز نے انہیں مرعوب کر ڈالا۔

"کچھ نہیں سائیں! اہم تو یونہی بی بی کو اکیلا جان کر مدد کے خیال سے کچھ باتیں پوچھ رہے تھے۔" ایک نے معذرت خواہانہ انداز اپنایا۔

عباد انہیں گھورتے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھا۔

"تھینک یو۔" اس نے منمنا کر کہا۔

اس سے زیادہ کہنے کے لیے اس کے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔

"ویل کم۔۔۔ رسالہ سیدھا کر لیں" اس نے سرگوشی کی۔

ربیعہ نے ہڑبڑا کر رسالہ سیدھا کیا تھا۔



"مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔" اس نے دہائی دی۔

"کچھ ہوگا تو نظر آئے گا۔" حمزہ مزے سے بولا۔ "اپنا رول نمبر انہی کو نظر آتا ہے جن کا رول نمبر چھپتا ہے۔"

"خدا کے لیے حمزہ! بری بری باتیں مت کرو۔" وردہ روہانسی ہو گئی۔ "میں نے دن رات ایک کر دیے تھے میں فیل تو نہیں ہو سکتی۔"

"صدقے جاواں ان ہی خوش گمانیوں میں کوئی چیز تو کھلاؤ۔" علی نے دانت نکالے۔ "جب اتنا ہی یقین ہے تو پہلے منہ میٹھا ہو جائے۔"

"تم دیکھو نا علی! پلیز" وردہ نے اخبار اسے تھمانے کی کوشش کی۔

"وردہ آپی! میری قریب کی نظر کمزور ہے۔ میں بے وجہ ہی کہہ دوں گا کہ آپ پاس ہیں۔ بعد میں آپ کا دل ٹوٹے گا۔"

"فٹے منہ!" ناعمہ نے بھنا کر اخبار چھینا۔ "تم دونوں تو ہو ہی بدشگونے! اچھی بات منہ پہ آہی نہیں سکتی۔"

"حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔" اس نے تدبر سے سر ہلایا۔

"کہ گھبرایا نہیں کرتے کبھی چند ایک پسلیوں سے۔" حمزہ نے ٹکڑا لگایا۔

ناعمہ اخبار پر جھکی ہوئی تھی۔

"لاؤ ناعمہ۔ میں دیکھتا ہوں۔" رافع کے نرم لہجے پر اس نے سر اٹھایا۔

"رافع بھائی!" وہ خوش ہو گئی۔ "آپ دیکھیں نا۔ یہ وردہ آپی کے تو حواس مختل ہو جاتے ہیں رزلٹ کا سن کر۔ اوپر سے یہ دونوں بد تمیز انہیں اور تنگ کر رہے ہیں۔"

"دیکھیے! پورے شہر میں خوار ہو کر تو اخبار لائے ہیں۔ اس کا یہ صلہ ہے۔" علی نے آنکھیں پٹپٹائیں۔ "فٹے منہ، بد تمیز، بدشگونے، علی! اٹ از ٹو لی نوٹ۔" حمزہ نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"میری ڈائری بڑی اپ ٹو ڈیٹ ہے چھوٹے بھائی! یو ڈونٹ وری۔" اس نے سر ہلایا۔

"مبارک ہو!" رافع نے رول نمبر ڈھونڈ کر اس کے گرد دائرہ کھینچا۔ "فرسٹ ڈویژن ویل ڈن وردہ!"

"ہرے، ہرے۔" ناعمہ کے ساتھ وہ دونوں بھی تالیاں پیٹنے لگے۔

"دیکھا وردہ آپی! بری بری باتوں کے بعد اچھی چیز اور بھی قیمتی لگتی ہے۔ محسوس کیا آپ نے؟" وردہ نے حمزہ کے سر پر چپت لگائی۔ وہ بے حد خوش تھی۔

"جلنے والوں کا منہ کالا" ناعمہ نے منہ چڑایا۔

"ارے جلتے ہیں ہمارے دشمن۔ لاؤ مٹھائی کھلاؤ۔" علی نے آستین چڑھائیں۔ وردہ دوڑی گئی اور کمرے سے کیک کا ڈبہ اٹھا کر لے آئی۔

"میں نے منگوا کر رکھا تھا۔" وہ جھینپ کر بولی۔

"اور جو سپلی آ جاتی تو؟ اس کی کریم سے آنسو پونچھتیں آپ؟"

"بس نا! بار بار سپلی کا ذکر۔" اب کی بار وہ چڑ گئی۔ سب ہی ہنس دیے۔ رابعہ بیگم بھی کچن سے نکل آئی تھیں۔ انہوں نے بیٹی کا سر چوم کر مبارک باد دی۔ ناعمہ، رائمہ کو فون کرنے بھاگ کھڑی ہوئی۔

کچھ ہی دیر میں پورے "حیات ولا" میں اطلاع پھیل چکی تھی۔ وردہ کو مبارک باد دینے کے لیے سبھی چلے آئے تھے۔ شفیقہ حیات نے اسے بہت خوبصورت جوڑا دیا تھا۔ عذرا بیگم اور فردوس بیگم نے پانچ پانچ سو روپے دیے۔ ہاشم نے نازک سی رسٹ واچ دی۔

"رافع بھائی! جیب ڈھیلی کریں۔" علی نے سرگوشی کی تھی۔

"یار۔۔۔ کٹی ہوئی چیز کیسے ڈھیلی ہو۔" وہ مسکرا دیا۔ "کل صدر میں کٹ گئی تھی۔"

"کٹتی تو وہ ہے جو اڑ رہی ہو۔ ہلکے پن سے اڑ رہی تھی کیا؟"

سب کو ہنسی آ گئی تھی۔

"چلو بھئی وردہ۔ تمہارا گفٹ ادھار رہا۔" رافع کو اعلان کرنا پڑا۔

"ادھار؟ یہ تو کسی قسم کی قینچی کا نام ہے یار؟" حمزہ نے کان کھجایا۔

"بد معاش۔ انٹوں کا نام ہے۔" رافع مسکرایا۔



فاروق حسن نے چائے کا کپ سامنے رکھتی عریشہ کو ایک نگاہ دیکھا۔ ڈارک پرپل کپڑوں میں اس کی گلابی رنگت چمک رہی تھی۔ غلافی آنکھوں میں اب تک نیند کا خمار تھا۔ باپ کو چائے دے کر وہ اب اپنے لیے کپ میں چائے ڈال رہی تھی۔

"یونیورسٹی کب سے جاؤ گی؟" انہوں نے کچھ دیر سوچتے ہوئے پوچھا۔

"بس بابا۔۔۔ اگلے ماہ سے کلاسز اسٹارٹ ہیں۔ پھر مصروفیت ہی مصروفیت"

"ہوں!" انہوں نے ہنکارا بھرا۔ "یہ اپنی ناعمہ بھی تو تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ثانیہ اور ناعمہ میرے ساتھ ہیں ان کے اور میرے سبجیکٹس بھی ایک جیسے ہیں۔"

انہیں بتانے کے بعد وہ اپنا کپ لے کر اندر چلی گئی تھی۔ اور تب ہی کچن سے فردوس بیگم برآمد ہوئیں۔

"ارے ماشاء اللہ۔" یہ ان کا مخصوص تھکن کا اظہار تھا۔

وہ ان کے قریب آ بیٹھیں۔

"ارے بھئی کسی اچھے ڈاکٹر کا پتا کرو، یہ جوڑ تو بالکل ہی بے کار ہوئے جاتے ہیں کم بخت۔" وہ اپنا کاندھا دبانے لگیں۔

فاروق حسن نے چشمے کی اوٹ سے انہیں دیکھا۔

"ہاشم سے کہو چیک اپ کروا لے تمہارا۔ شام کو فارغ ہی ہوتا ہے۔"

"انہیں عشق و عاشقی سے فرصت ملے تو ماں کو پوچھیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بدبدائیں۔

فاروق حسن نے ان کی بڑبڑاہٹ پر توجہ نہ دی۔

"یہ آپ کے ہونہار برادر کہاں غائب ہو گئے ہیں؟ آفس جانے کا سن کر ان کی سٹی گم ہو گئی کیا؟" انہوں نے اختر میاں کے متعلق استفسار کیا۔

"ارے اسے چھوڑ دو اس کے حال پر، وہ نہیں سدھرنے کا۔ جنے کہاں غائب ہے اس دن سے۔ اب کسی وقت فقیروں کا سا حلیہ لیے کھڑا ہو گا میرے سر پہ۔۔۔" انہوں نے جل کر کہا۔

"انہیں اس حال تک پہنچانے کا کریڈٹ آپ کو ہی جاتا ہے فردوس بیگم!" انہوں نے اخبار تہہ کیا۔ "ایک وقت تھا جب آپ ان کے خلاف ایک لفظ کہنے والے کی گردن پکڑ لیتی تھیں۔ آج ان کے ذکر پر آپ کی اپنی گردن جھک جاتی ہے۔ وقت کسی کو معاف نہیں کرتا۔"

"میاں! تم میرے قصور معاف کر دو۔" انہوں نے تنک کر ہاتھ جوڑے۔ "تمہارے قریب آ بیٹھنا تو ایسا ہے جیسے بندہ قبر میں جا لیٹے اور منکر نکیر سرہانے کھڑے ہوں۔ بس ہر وخت (وقت) ہمارا اعمال نامہ ہی تمہارے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"

فاروق حسن کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ کو کبھی احساس نہیں ہوتا کہ اپنے بھائی کے اس بگاڑ میں آپ کس قدر حصہ دار ہیں؟ ایک اچھے بھلے فرد

کو بے جا طرف داریوں اور لاڈ پیار سے آپ نے ناکارہ بنا دیا۔ اب نہ وہ معاشرے کو قبول کرنے پر تیار ہے اور نہ معاشرہ اسے۔ آپ کا دل نہیں دکھتا؟"

"میرا ہی قصور نظر آتا ہے تمہیں وہ وقت بھول گئے جب میرا غریب بھائی چھکوں پھکوں روتا تھا۔ سدھرنے کی قسمیں کھاتا تھا۔ ہاتھ جوڑتا پھرتا تھا ایک ایک کے سامنے۔ تب تمہارا جی دکھا تھا یا تمہاری اماں اور بہن کو ترس آیا تھا اس پر؟"

فاروق حسن نے ان کے بگڑے تیور دور تک ملاحظہ کیے۔

"یہ تو دلوں کے معاملات ہیں فردوس بیگم! اس میں کیسی زور زبردستی۔ بھیک میں کوئی کسی کو اپنا آپ تو نہیں دے دیتا۔ میری بہن کی جگہ آپ ذرا اپنی بیٹی کو رکھ کر سوچیں۔ ایسا کوئی ناکارہ فرد آپ سے اس کا ہاتھ مانگے اور چھکوں پھکوں روئے تو کیا آپ اس پر ترس کھا کر اپنی بیٹی کا ہاتھ تھما دیں گی اس کے ہاتھ میں؟"

"اب کرو الٹی سیدھی باتیں۔" وہ کوئی راہ فرار نہ پا کر نادیدہ آنسو پونچھنے لگیں۔ "ہمیشہ میرا جی دکھاتے ہو۔"

"ہاشم کے لیے کوئی لڑکی نہیں دیکھی آپ نے اب تک؟" انہوں نے موضوع تبدیل کیا۔

"ماہین کہہ رہی ہے، اپنی نند کے لیے.... تسنیم میاں نے خود کہلوایا ہے۔" وہ کچھ راضی ہوئیں۔

"کیا ضرورت ہے اتنی دور جانے کی؟" ان کی پیشانی پر بل پڑا۔ "اس سے اچھی لڑکیاں تو اپنے گھر میں ہیں۔ باجی کی ناعمہ ہے۔ سلجوق کی ثانیہ ہے۔"

"رہنے دو تم!" وہ تنک کر بولیں۔ "مجھے نہیں کرنی خاندان میں۔ کہے دیتی ہوں۔"

"کیا برائی ہے اس میں؟ سکھی رہو گی۔ اپنی بچیاں خدمت بھی کریں گی۔"

"ہاشم نہیں مانتا۔" انہوں نے پلٹا کھایا۔

"کیا کہتا ہے؟" ان کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہوا۔

"ابھی تفصیلی بات تو نہیں ہوئی۔ میں نے ماہین کو کہلا بھیجا ہے۔ وہ کسی وقت آ کر تسلی سے بات کرے گی اس سے۔" وہ جز بز سی ہو گئی تھیں۔

"ہوں۔" وہ سوچ میں تھے۔ "مجھے بتانا پھر کیا کہتا ہے۔ پتا تو چلے صاحبزادے کے دماغ میں کون سا خناس ہے۔"

فردوس بیگم ان کا چہرہ دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

دونوں ہتھیلیوں کے بیچ تھوڑی جمائے وہ بینچ پر بیٹھا تھا۔ سامنے اس کے ہم عمر لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ کرکٹ کھیلنے ہی پارک میں آیا تھا لیکن اب اس کا دل کھیل میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بینچ پر جا بیٹھا تھا۔ سب سے الگ تھلگ وہ کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"کیوں دوست؟ کیا سوچا جا رہا ہے اکیلے اکیلے؟" کوئی اس کے قریب آ بیٹھا۔

عمر نے اپنے خیالوں سے چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاشم انکل! آپ کب آئے؟"

"بس ابھی۔ جب آپ مراقبہ کر رہے تھے۔" وہ مسکرایا۔

"نہیں تو۔" وہ حیران ہوا۔ "میں نے تو کچھ نہیں کیا۔"

ہاشم ہنس دیا۔

"اکیلے کیوں بیٹھے ہو شاعر صاحب؟" اس نے پیار سے اس کا سر ہلایا۔

"آپ تو نہ کہیں ایسے۔ مجھے خالہ جانی چڑاتی ہیں شاعر کہہ کر۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ریئلی؟" اسے حیرت ہوئی۔ "یعنی پکی پکی پوسٹ ملی ہوئی ہے۔ تو یار کن سوچوں میں گم رہتے ہو تم؟"

"نہیں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔ "مومن واپس چلا گیا اپنے گھر؟" ہاشم کو لگا جیسے اس نے بات بنائی تھی۔

"ہاں.... مومن اپنے گھر چلا گیا۔"

"وی آر گڈ فرینڈز۔"

"آئی نو۔" ہاشم نے اسے پیار سے دیکھا۔

"جب وہ آتا ہے یہاں تو ہم خوب کھیلتے ہیں۔ بہت باتیں کرتے ہیں۔"

"اچھا! کیا باتیں کرتے ہو؟"

"اپنے اپنے پپا کی.... " وہ رواں ہو گیا تھا۔ "اس کے پپا بھی اس سے دور ہیں میرے.... "

یکایک اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"ہاں ہاں کہو نا!"

"کچھ نہیں۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"تم نے اپنے پپا کو دیکھا ہے عمر!" ہاشم کو بچے کی ذہنی الجھن کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"نہیں۔"

"دیکھنا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "میرے پاس مما ہیں نا۔ مجھے بس اپنی مما اچھی لگتی ہیں۔ اگر پپا نہ بھی ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

ہاشم نے بے اختیار ہی اسے لپٹا لیا۔

"فرق کیوں نہیں پڑتا میری جان.... بہت فرق پڑتا ہے۔"

"نہیں انکل! اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور مما بھی۔ میں تو اب اپنے پپا کو یاد نہیں کرتا۔ بالکل بھی نہیں۔"

ہاشم اسے دیکھتا رہ گیا۔

"عمر.... " کوئی آوازیں دے رہا تھا۔

وہ دونوں مڑ کر دیکھنے لگے۔ شہلا ان تک چلی آئی۔ ہاشم کھڑا ہو گیا۔ عمر دوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔

"بیٹا! کتنی دیر لگا دی آپ نے، میں تو پریشان ہو گئی تھی۔" وہ فکر مندی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں ہاشم انکل سے باتیں کر رہا تھا۔"

شہلا نے اب اسے دیکھا تھا۔ اس نے مسکرا کر اسے سلام کیا۔

"کیسے ہیں آپ؟ ایقان کیسی ہے؟"

"شکر ہے خدا کا.... " وہ مسکرایا۔ "پھپھو تو اپنے گھر جا چکی ہیں۔"

"اور گھر پر سب خیریت ہے؟ اماں ٹھیک ہیں؟"

"جی۔ آپ آئیں نا آیا کریں۔" وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

"انشاء اللہ وقت نے اجازت دی تو ضرور۔"

وہ عمر کا ہاتھ تھام کر مڑ گئی تھی۔ اور ہاشم وہیں کھڑا انہیں جاتا دیکھتا رہا۔ اس کی چال اب تک ویسی ہی تھی۔ دلکش اور باوقار۔ عمر ماں کے ساتھ اچھلتا کودتا باتیں کرتا جا رہا تھا۔

"وقت نے اجازت دی۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔ "وقت کا ہی تو کھیل ہے سارا شہلا جی!" گرے لباس کی چمک لحہ بہ لحہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو رہی تھی اور اس کا ہنستا مسکراتا دلکش چہرہ اس کے تصور میں ابھر رہا تھا۔



"لیجیے جناب! منزل آ پہنچی ہے۔ دس منٹ بعد ہم لاہور اسٹیشن پر کھڑے ہوں گے۔" عباد نے کہا تو ربیعہ کا دل غیر مانوس انداز میں دھڑک اٹھا۔

"اپنا سامان چیک کرلیں۔ میں آپ کے لیے بھی ایک عدد قلی ہائر کر لیتا ہوں۔" وہ مذاقاً بولا تو ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا اور چیزیں سمیٹنے لگی۔

"کون لینے آئے گا تمہیں؟" یکایک اس نے پوچھا۔

"مجھے۔۔۔" وہ اٹکی۔ "مجھے شاید۔۔۔ چچا جی۔۔۔ یا۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید۔۔۔"

عباد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا پھر خاموش ہو رہا۔

اسٹیشن پر اتر کر ربیعہ کا ذہن بالکل خالی ہو گیا تھا "قطعاً" خالی۔ عباد نے اس کا سامان قلی سے اٹھوایا اور اب وہ لوگ ویٹنگ ہال میں پہنچ گئے۔

ربیعہ بار بار اسے دیکھتی اور اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگتا۔ وہ اس کے لیے خدا کی بھیجی گئی مدد کی مانند تھا۔ وہ اس کے لیے تحفظ کا احساس تھا۔

"تم نے اپنی آمد کی اطلاع کر دی تھی؟" عباد نے پوچھا۔

"ہاں" تار بھیجا تھا۔"

"تار۔۔۔؟" اسے اچنبھا ہوا۔ "فون وغیرہ۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی کلیئر صورت حال؟ کس کو آنا ہے؟ کب آنا ہے؟ تم پہچانتی تو ہو نا انہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اور وہ تمہیں؟"

سر دوبارہ نفی میں ہلا تھا۔

"مائی گاڈ!" وہ ہکا بکا رہ گیا۔ "پچاس برس پرانی دوشیزہ! تم ٹپکی کہاں سے ہو؟ لاؤ پتا دو مجھے۔"

ربیعہ نے جھٹ مٹھی میں دبی پرچی اسے تھما دی۔ عباد کاغذ سیدھا کر کے پتا پڑھنے لگا پھر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے یہ پتا درست ہے؟"

ربیعہ کا سر پھر نفی میں ہلا تھا۔

عباد نے سر تھام لیا۔



دو گھنٹے کی طویل جدوجہد کے بعد وہ اصل مکان ڈھونڈ پائے تھے۔ دونوں تھکن سے چور تھے۔ ربیعہ نے بالآخر اسے اپنی مختصر ترین داستان سنا دی تھی اور عباد اس کی ہمت اور حوصلے سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

ربیعہ کے پاس موجود پتا ایک نہایت خستہ حال، پرانے مکان کا تھا۔ جہاں سے علم ہوا تھا کہ پچھلے مکین وہ مکان بیچ کر محلہ تبدیل کر چکے ہیں۔ عباد کی مستقل مزاجی اور بھرپور کوشش سے آخر کار وہ نیا مکان ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اب وہ دونوں ایک درمیانے درجے کے مکان کے گہرے سبز رنگ کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازے پر "منور امین" کی تختی نصب تھی۔

"یہی گھر ہے۔" ربیعہ نے تصدیق کی۔ "منور امین میرے چچا کا نام ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔ تم اپنا اطمینان کر لو میں کھڑا ہوں۔" وہ بولا۔

ربیعہ نے اس کی آنکھوں میں موجزن بے پایاں خلوص دیکھا۔

"میں تمہارا احسان کبھی نہیں بھلا پاؤں گی بھائی!" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"بس بھائی کہا ہے نا پھر احسان کیسا؟" عباد کی آنکھیں چمکیں۔

پھر اس نے جیب سے کارڈ نکالا۔

"یہ کارڈ رکھ لو، اس پر میرا موبائل نمبر ہے اور کراچی میں میرے گھر کا پتا اور فون نمبر بھی۔ کبھی بھی، کسی قسم کی ضرورت پڑے تو جھجکنا مت۔"

ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا اور مڑ کر بیل پر انگلی رکھ دی۔



اس کی شفٹ کا ٹائم ختم ہو چکا تھا۔

واش روم میں اپنا حلیہ درست کرنے میں اس نے پندرہ بیس منٹ لگائے تھے پھر اپنی کیپ سر پر جماتے ہوئے وہ باہر چلا گیا۔

بہت سے لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اس کی سوچ کسی خاص نقطے پر مرکوز نہ تھی۔ وہ بس یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

پارکنگ ایریا میں آ کر وہ جیب سے چابی نکالتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ اس چھوٹی، سفید گاڑی پر جا پڑی۔

اس کے لبوں سے گہری سانس بر آمد ہوئی اس نے اپنی چابی دوبارہ جیب میں ڈال لی اور قدم اٹھاتا اس سفید گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر وہ موجود تھی۔ سفید جالی کے لباس میں ملبوس وہ سیٹ سے سر ٹکائے چہرے کو بڑے سے سفید ہیٹ سے ڈھانپے بیٹھی تھی۔

یہ شاید نہایت طویل انتظار کا اظہار تھا۔

عاشر نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔۔۔ ویل کم سوئٹ ہارٹ۔" ہیٹ میں سے سریلی آواز بر آمد ہوئی تھی۔

"وہاٹ آ اسٹوپڈٹی از دس لڑا؟" اس نے اس کے چہرے پر سے ہیٹ اتار دیا۔ اس نے اپنی خوبصورت مخمور نگاہوں سے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"اسٹوپڈٹی؟" وہ ہنسی۔ "اٹ از لو مائی ڈارلنگ۔"

عاشر نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

(باقی آئندہ)

تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی، عادل شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے ناآشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کر کے اکثر اپنے بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔

فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم، ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے، جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کو بدلتے رویوں سے تنگ آکر اپنی پھپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عباد سے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کر رہی ہے وہ از خود اس کی پھپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

عاشر (ایقان کا شوہر) اپنے دفتر سے نکلا تو لیزا گاڑی لیے اس کی منتظر تھی۔

نویں قسط

لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکلا تو وہ صوفے پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ عاشر اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سامنے والے صوفے پر جا بیٹھا۔

لزا نے ٹی وی کا والیوم دھیما کر دیا اور اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"تم کیوں میرے لیے اتنی زحمت کرتی ہو لزا؟" عاشر نے مدھم لہجے میں کہا۔

"تمہارے آفس سے میری فیکٹری تک کا روٹ کتنا لمبا ہے پھر ہماری ٹائمنگز میں اچھا بھلا فرق ہے۔ اور میرے پاس کار ہے، میں خود یہاں تک آسکتا ہوں... پھر تم یہ زحمت کیوں کرتی ہو؟ کیا تمہارا وقت اتنا ہی فضول ہے؟"

"جو وقت تمہارے بغیر گزرے۔ وہ مجھے فضول ہی لگتا ہے عاشر!" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی "تم پاکستان گئے تو میں پاگل ہو گئی تھی۔ لگتا تھا میرے پاس کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ آفس سے مجھے دو مرتبہ وارننگ دی گئی میں اپنا کام صحیح طریقے سے نہیں کرتی... مجھے شدید ڈپریشن ہو گیا تھا۔ پھر تم لوٹ آئے، سب کچھ ٹھیک ہو گیا بالکل ٹھیک!"

وہ مسکرا دی۔ اس کے سفید دانت چمک اٹھے۔

"تم غلطی کر رہی ہو لزا! پچھتاؤ گی!" وہ اپنی آستین کے بٹن بند کرتے ہوئے بولا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر صوفے کے بازو پر آبیٹھی اور اس کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے اپنا چہرہ اس کے بالوں پر رکھ لیا۔

"پچھتاوا وہ ہے عاشر! جو غلط کو صحیح سمجھ کر کرتا ہے۔ مجھے پتا ہے میں کیا کر رہی ہوں... اس کا زیادہ سے زیادہ اور خطرناک سے خطرناک نتیجہ کیا نکلے گا... مجھے اندازہ ہے۔ پھر بھلا پچھتاوے کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔ میں

پچھتاوے سے پہلے ہی خودکشی کر لوں گی۔"

عاشر نے ایک گہری سانس لی۔

"اچھا چلو، کافی بناؤ میں بہت تھک گیا ہوں۔" اس نے اسے وہاں سے اٹھانا چاہا۔

وہ اس کے مزید قریب آنے لگی۔

"الزبتھ!" عاشر کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

"عجیب مرد ہو تم۔" وہ علیحدہ ہو کر پھیکے سے لہجے میں ہنسی "تمہیں اپنی بیوی سے علیحدہ رہتے ہوئے بھی فرق نہیں پڑتا؟ شاید تم اپنی بیوی سے بہت زیادہ ڈرتے ہو... ذہنی طور پر خوف زدہ ہو... ہاں؟"

"ہاں... میں اپنی بیوی سے خوف زدہ ہوں۔" وہ اطمینان سے بولا "اب جاؤ کافی تیار کر کے لاؤ۔"

وہ برا سا منہ بنا کر اٹھ گئی اور ذرا سے فاصلے پر بنے کاؤنٹر کے پیچھے جا کھڑی ہوئی جہاں چولہے نصب تھے اور چند کیبنٹس نے وہاں چھوٹے سے کچن کی صورت اختیار کر لی تھی۔

عاشر پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ اسے نیند آرہی تھی۔ لزا کے کافی بنا کر لانے تک وہ سو چکا تھا۔

یکایک اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔

"یار! کیا حماقت ہے یہ؟" وہ بے بسی سے بولا۔

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔

"یار۔" عاشر نے اسے پرے دھکیلا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "یوں کرو نکاح پڑھوا لو مجھ سے... کم سے کم یہ احساسِ جرم تو نہ ہو۔"

"کیسا احساس جرم؟" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔ عاشر مسکرا دیا۔

"تم نہیں سمجھو گی۔ تم سمجھ بھی نہیں سکتیں۔ اس قسم کے احساس جرم سے تم لوگوں کا واسطہ کم ہی ہوتا ہے۔" اس نے کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا تھا۔ الزبتھ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی پھر اس نے ناک سکوڑی۔

"بعض اوقات تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں... پتا ہے ایسے میں میرا کیا جی چاہتا ہے؟"

"کیا؟" اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میرا جی چاہتا ہے میں پاکستان جاؤں... وہاں جا کر تم لوگوں کا لائف اسٹائل دیکھوں، تمہاری ذہنیت بحیثیت قوم کیا ہے، اس کا اندازہ کروں۔ تب کہیں جا کر میں تمہیں مکمل طور پر سمجھ پاؤں گی۔"

عاشر کچھ سوچ کر شرارت سے مسکرا دیا۔

"وہاں جانے کا سوچنا بھی مت کرو لزا ڈیئر!"

"کیوں؟" اس نے سر کو استفہامیہ انداز میں جنبش دی۔

"وہاں گئیں تو بچ کر نہ آسکو گی۔ کوئی نہ کوئی پرزہ وہیں رہ جائے گا..."

"سوری؟" وہ حیران ہوئی۔

عاشر نے اپنی سوچ پر خود ہی ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"وہاں میری بیوی رہتی ہے... جو اس قدر خطرناک ہے کہ میں ذہنی طور پر اس سے خوف زدہ رہتا ہوں... پھر سوچو کہ وہ کیا کچھ نہ ستم ڈھائے گی تم پر؟ تمہاری یہ حسین زلفیں تو ضرور وہیں رہ جائیں گی۔"

"کم آن۔" اس نے اسے خفگی سے گھورا۔

”بھئی ہمارے ہاں یہی رواج ہے۔۔۔“ اسے سوچ کر مزہ آرہا تھا۔ ”میاں کی سہیلیوں کے بال خاص طور پر نشانہ بنائے جاتے ہیں۔“

لزا نے غیر ارادی طور پر اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی۔

”ان ہی زنجیروں میں مقید کرتی ہو نا تم لوگ اپنے شکار کو؟“

”یو سلی مین!“ لزا نے اس کا مذاق سمجھتے ہوئے اسے گھورا ”اب تو میں ضرور جاؤں گی پاکستان اور تمہاری بیوی سے تو خاص طور پر ملوں گی۔۔۔ دیکھوں تو تمہارے جیسے ڈیشنگ پرسنالٹی رکھنے والے مرد نے کس طرح کی عورت کا انتخاب کیا ہے۔“

عاشر کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

ان آنکھوں میں ایک چاند چہرے کا تصور ابھر رہا تھا۔



دروازے کے ساتھ دیوار پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر کندہ الفاظ نے اس کے اندر ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ جانے کیوں منزل پر پہنچ کر اس کا جی رونے کے لیے مچل اٹھا۔ گہرے گہرے سانس بھر کر اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھی۔ آنکھیں بند کیں اور بٹن دبا دیا۔ کال بیل شاید بیرونی دیوار سے ملحقہ صحن میں ہی نصب تھی۔ ”ٹال“ کی کرخت آواز نے خود ربیعہ کو ہی سہما دیا۔ جامن کے پیڑ پر بیٹھے پرندے بھی اڑے تھے۔

کافی دیر کے انتظار کے بعد بھی کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا تو ربیعہ نے متذبذب ہو کر ذرا سا مڑ کر دیکھا۔ ٹیکسی میں بیٹھا عباد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ربیعہ کو قدرے اطمینان ہوا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بٹن دبایا۔

”کون ہے؟“ یکایک کال بیل سے زیادہ کرخت آواز گیٹ کے قریب ابھری۔

ربیعہ نے جواب دینے کی کوشش کی مگر اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

کسی نے بے حد جارحانہ انداز میں دروازہ کھول کر باہر جھانکا تھا۔ پھر ربیعہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ عورت کسی شاک سے دوچار ہوئی ہو۔

چالیس پینتالیس کے سن والی وہ عورت سانولی رنگت اور تیکھے نقوش کی حامل تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی گہری سخت تاثر لیے ہوئے تھیں۔ موٹے موٹے لبوں کے گوشوں پر سخت مزاجی سے گہری سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ بال سیاہ و سفید کا ایسا امتزاج تھے کہ ان کو نظر بھر کر دیکھ لینے سے جھرجھری سی آتی تھی۔ وہ مکمل طور پر ایک تنگ مزاج اور سخت گیر خاتون نظر آتی تھیں۔

ربیعہ کے لیے حیران کن بات یہ تھی کہ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے یوں تک رہی تھیں گویا پتھر کی ہوں۔

ربیعہ نے مڑ کر دیکھا۔ عباد ہنوز حالت انتظار میں تھا۔

”مم۔۔۔ میرا نام ربیعہ ہے۔۔۔ ربیعہ جہاں زیب!“ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

”جانتی ہوں!“ اس بت سے یکایک تنفر بھری سرسراتی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی۔ ربیعہ چونک اٹھی۔ اس کے لیے یہ حیران کن بات تھی۔

”آپ؟۔۔۔ آپ کون ہیں؟“ ربیعہ نے اس کی پتھر آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

”اندر آجاؤ۔ کون ہے تمہارے ساتھ؟“ اس کی نگاہیں اب ربیعہ کے عقب میں دیکھ رہی تھیں۔

”کک۔۔۔ کوئی نہیں۔“ وہ ہکلا کر رہ گئی۔

اس عورت نے ایک طرف ہو کر اسے رستہ دیا۔ ربیعہ اپنا بیگ اٹھا کر گھر میں داخل ہو گئی۔ ایک پراسرار قسم کے سناٹے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ وسیع و عریض صحن جامن کے پتوں سے اٹا ہوا تھا۔ لال رنگ کا فرش ربیعہ کو بہت عجیب معلوم ہوا۔ وہ اس عورت کی پیروی کرتی اس کے پیچھے چلتی گئی جو برآمدے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی تھی۔

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ ربیعہ کی آنکھوں کو سکون میسر آیا۔ اس نے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھا سامنے لائن سے تین کمرے بنے ہوئے تھے۔ برآمدے کے ایک کونے میں باورچی خانہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور چولہے پر رکھی پتیلی بھی دکھائی دے رہی تھی جس کے نیچے کافی تیز آنچ تھی۔ وہ عورت شاید کچھ پکاتے پکاتے دروازے تک گئی تھی۔ باورچی خانے کے مخالف سمت میں چھوٹا سا اسٹور تھا۔ جس میں رکھے ہوئے ٹرنک دکھائی دے رہے تھے۔

”مینا۔۔۔! کون ہے۔۔۔ کھوں کھوں کھوں۔۔۔ ارے میں کب سے پوچھ رہا ہوں کون ہے؟۔۔۔ کھوں کھوں کھوں۔“

ربیعہ چونک اٹھی تھی۔ کونے والے کمرے سے بے تحاشا کھانستے ہوئے کوئی شخص پوچھ رہا تھا۔

”مینا“ اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔

اس کی پھوپھی کے اکثر خطوط میں اس نام کی عورت کا تذکرہ تھا۔ مینا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”آؤ تمہیں بھائی بلا رہے ہیں۔“ ان کے انداز میں تضحیک تھی۔

ربیعہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ ہر قدم پر ایک نیا امتحان منتظر تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ان کے پیچھے چلی۔

کمرے کے دروازے پر بدبو کے ایک جھونکے نے اس کا سر چکرا دیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے قدم لڑکھڑائے پھر اس نے خود کو سنبھالا اور بے ساختہ ناک کی جانب بڑھتے ہوئے ہاتھ کو سختی سے روک لیا۔

وہ ایک گندہ غلیظ کمرہ تھا۔ نہایت پرانی وضع کے پلنگ پر بچھی ہوئی میلی کچیلی چادر پر ایک لاغر سا شخص پڑا تھا جس کے وجود سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔ پلنگ کے پاس پڑی بالٹی سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔

ربیعہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی دوپٹے کا پلو ناک پر رکھ لیا۔

”کون ہے یہ؟“ اس شخص نے قدرے غصے سے پوچھا۔ ربیعہ کے عمل نے شاید اسے طیش دلا دیا تھا۔

”پہچانو۔“ وہ خاتون ہنسیں۔ ”غور کرو۔“

اس شخص نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

”میں۔۔۔ میں ربیعہ ہوں۔۔۔ ربیعہ جہاں زیب۔“

”کھوں۔۔۔ کھوں۔۔۔ کھوں۔“ منور امین پر یکایک ہی کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

مینا نے آگے بڑھ کر وہ بالٹی اٹھائی جو غلاظت کے ڈھیر سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اسے کمرے سے باہر لے گئیں۔ ربیعہ کو بے حد سکون کا احساس ہوا۔ بدبو کے تھپیڑوں میں بہت کمی واقع ہوئی تھی۔

”تم۔۔۔ تم یہاں کیوں آئی ہو؟“

ابھی وہ خود کو سنبھال ہی رہی تھی کہ منور امین نے ترش لہجے میں پوچھا۔ ربیعہ یکدم ہی گڑبڑا گئی۔

”جی۔۔۔ وہ میں۔“ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”شاید بڑھیا گزر گئی۔“ اچانک ہی وہ ہنسے۔

ربیعہ ایک سناٹے میں رہ گئی۔ ان کا جملہ اسے چیرتے ہوئے گزرا تھا۔ اس پر وہ طنزیہ ہنسی اسے اچانک ہی

احساس ہوا کہ اس نے وہاں آکر غلطی کی ہے۔
وہ اب تک ہنس رہے تھے۔ ربیعہ کے اندر غم و غصے کا طوفان اٹھا۔ اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس نے اپنا سامان کہاں رکھا تھا۔ وہ شاید برآمدے میں ہی چھوڑ آئی تھی۔
وہ مڑ کر دروازے تک پہنچی تو یکایک ان کی ہنسی رک گئی۔
"مینا۔۔۔ مینا۔۔۔ بچی کے لیے کھانا بناؤ۔۔۔ بے چاری تھک گئی ہوگی۔"
وہ پیچھے سے بولے تھے۔



فون کی بیل بہت دیر سے بج رہی تھی۔ جھنجھلائی ہوئی عریشہ باتھ روم سے برآمد ہوئی۔ اس کے حلیے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے بے حد عجلت میں کپڑے پہنے تھے۔ گیلے بال اس کی قمیص میں پھنسے ہوئے تھے اور کپڑے بھی جسم سے چپکے ہوئے تھے۔
"ہیلو!" اس نے ریسیور اٹھایا۔
"جی وعلیکم ہیلو!" دوسری طرف سے چہکتے ہوئے کہا گیا۔
عریشہ لمحہ بھر کو متعجب ہوئی۔
"جی۔۔۔ کون؟" وہ محتاط ہوئی۔
"انتظار کی سولی پر لٹکتا جاں بلب۔۔۔" سرد آہ بھرتے ہوئے گداز لہجے میں کہا گیا۔
"مجھے تو محلے کے کھمبے پر لٹکے فیوز بلب معلوم ہوتے ہیں۔۔۔" وہ بھی کہاں چپ رہنے والی تھی۔
"ہاہاہا۔۔۔ ویل سیڈ، ویل سیڈ۔۔۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ محترمہ حسِ مزاح بھی رکھتی ہیں!" ادھر سے سراہا گیا۔
"جی میں خدا کے فضل و کرم سے تین عدد جوان بھائی بھی رکھتی ہوں۔۔۔ تگڑے قسم کے۔" وہ اطمینان سے بولی۔
"کوئی بات نہیں۔" میٹھے لہجے میں فرمایا گیا۔ "بھائیوں پر چنداں اعتراض نہیں۔۔۔ بس اتنا خیال رہے کہ کہیں برداشت نہ ہوگا۔ جیسے روسیاہ کہتے ہیں۔"
عریشہ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔
"اس بدتمیزی کا مقصد کیا ہے آخر؟ آپ ہیں کون؟" وہ ہنسی پر قابو پا کر مصنوعی خفگی سے بولی۔
"درِ حسن پر صدا دیتا گدا۔" بھرپور آواز لگائی گئی۔
"گدھا؟" عریشہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ "جی ہاں جی ہاں۔۔۔ میں نے پہچان لیا آواز سے۔"
"فرہاد کی آواز قصرِ شیریں میں محض شیریں ہی پہچان پاتی ہے۔۔۔" وہاں کسی قسم کی شرمندگی کا شائبہ تک نہ تھا۔
"ورنہ ہم تو ہفتہ بھر سے کالیں ضائع کر رہے ہیں۔۔۔ آپ کے ٹیلیفون کے دربان کی آواز بہت بے سری ہے شیریں! یہ کام آپ سنبھال لیجیے۔"
"اے مسٹر! آپ ذرا اپنی زبان سنبھالیں۔ دو باتیں کیا کر لیں آپ تو منہ کو آنے لگے۔۔۔"
"جی ہمارے ایسے نصیب کہاں۔"
اس کے کانوں میں وہ لہجہ اور وہ جملہ گونج رہا تھا۔ اسے گلف مارکیٹ تک کا سفر یاد آ گیا۔
"یہ تو بھیا کی سوک کا کمال ہے!"
"ہائے اللہ!" اس کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ سرپٹ بھاگی۔

اپنے پورشن سے نکل کر وہ اپنی پھپھو کے پورشن کی طرف آئی تھی۔
"ارے ارے بچی۔۔۔ کہاں دوڑی جاتی ہے۔ سانس تو لے۔۔۔" شفیقہ حیات دروازے پر ہی مل گئیں۔
"السلام علیکم دادی جان!" وہ دادی کو دیکھ کر ٹھہری۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتی رہو۔۔۔ کون سی بلا دیکھ لی؟" وہ شاید واپس جا رہی تھیں "یوں ہانپتی کانپتی پھرتی ہو۔"
"وہ۔۔۔ میں تو ناعمہ سے ملنے آئی تھی۔" وہ شرمندہ ہوئی۔
"ہاں تو بچی! خدا نے پیر دیے ہیں پر نہیں اب بے! اچھا مگر آرام مت!" وہ نکل گئیں۔
دروازے پر ہی کلاس لے لی گئی تھی اس لیے وہ خود کو قابو میں رکھ کر اندر داخل ہوئی۔ لاؤنج میں بیٹھی پھپھو کو سلام کرتی وہ کچن کی جانب بڑھ گئی جہاں وردہ پکوڑے تل کر کڑھی میں ڈالتی جا رہی تھی۔
"ہائے۔۔۔ کڑھی۔" عریشہ چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول گئی۔
"تم کب آئیں عریشہ؟" وردہ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا "ناعمہ کڑھی لے کر تمہاری طرف آنے والی تھی۔"
"اور اس کی خوشبو سے میں خود کھنچی چلی آئی۔" عریشہ خالی پلیٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ "ذرا چکھائیں!"
وردہ کی بنائی ہوئی کڑھی پورے خاندان میں مشہور تھی۔ عریشہ وہیں بیٹھ کر کڑھی کھانے میں مشغول ہو گئی۔
ناعمہ کچن میں داخل ہوئی تو چونک اٹھی۔
"ہائیں، میں تو تم سے ملنے آرہی تھی۔"
"ہاں تو آؤ میں تو کڑھی کھا کر جا رہی ہوں۔" وہ انگلی سے خالی پلیٹ چاٹنے میں مشغول تھی۔
"تم کڑھی کھانے آئی تھیں؟" ناعمہ نے اسے گھورا۔
"ہاں۔۔۔ آں نہیں نہیں۔" اسے اصل بات یاد آئی تو وہ ہڑبڑا گئی۔ "وہ تو میں تمہیں۔۔۔"
پھر وہ خاموش ہو گئی۔ وردہ کی موجودگی میں اس نے اپنا راز فاش کرنا مناسب نہ سمجھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارے کرنے لگی۔
"یہ کیسے دیدے مٹکا رہی ہو؟" ناعمہ الجھ کر بولی۔ "منہ سے نہیں پھوٹ سکتیں کیا بات ہے؟" عریشہ نے جل کر اسے منہ کا اشارہ کیا تھا جو وردہ نے بھی دیکھ لیا اور مسکرانے لگی۔
"کیا بات ہے عریشہ؟ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟"
"نن۔۔۔ نہیں تو وردہ آپی۔۔۔ میں میں تو۔"
ناعمہ زور زور سے ہنسنے لگی۔ وردہ ڈونگے میں کڑھی نکال کر عذرا بیگم کو دینے کے خیال سے چل دی۔
عریشہ نے لپک کر ایک دھموکا ناعمہ کی کمر پہ رسید کیا۔
"کمینی۔۔۔ اب نہیں بتاؤں گی تجھے۔۔۔ مرتی رہنا تجسس میں۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔"
ناعمہ نے کمر کی ٹیس برداشت کرتے ہوئے اس کا بازو تھاما۔
"اچھا نا تھو کو بھی غصہ۔۔۔ لیکن اپنے ہی منہ پر۔"
عریشہ کو ہنسی آگئی۔ دونوں کچن سے نکل کر کمرے میں چلی آئی تھیں۔
"اب بولو کیا بات ہے؟" ناعمہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔
"تیرے اس ڈرائیور کا فون آیا تھا۔"
"میرا ڈرائیور؟" ناعمہ وہ واقعہ قطعاً فراموش کر چکی تھی، الجھ کر بولی۔

"وہی۔۔۔ سوک والا۔" وہ جل کر بولی۔
"ہائے۔" ناعمہ نے دل تھام لیا۔ "اس نے کیوں فون کیا؟ اور اس کے پاس نمبر کہاں سے آیا؟"
"گھر تک پیچھا جو کیا تھا منحوسوں نے۔۔۔ نمبر پتہ کرنا کیا مشکل ہے اور رہی بات کہ فون کیوں کیا تھا تو اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے، مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔"
"تو نے پوچھا ہوتا نا۔" ناعمہ نے شوخی سے اسے چھیڑا۔
"اگلی مرتبہ تیرا نمبر دوں گی۔۔۔ پوچھ لینا۔"
"نمبر ضرور دینا لیکن جوتے کا۔۔۔" ناعمہ نے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ "میں تو چھکے چھڑا دوں گی موصوف کے۔ ناعمہ علی خان نام ہے میرا۔"
"کہتا تھا ہفتہ بھر سے فون کر رہا ہے۔" عریشہ نے فکرمندی سے کہا۔ "نجانے اس کی ڈمب کالز کس نے ریسیو کی ہوں گی۔"
"سی ایل آئی پر نمبر تو آیا ہوگا نا؟" ناعمہ نے سوچتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔۔۔ لیکن موبائل نمبر ہے۔"
"گالیاں دیں؟" اسے انوکھا خیال سوجھا۔
"شی۔۔۔ اس نے بھی جواب میں کچھ کہہ دیا تو؟ کیا عزت رہ جائے گی۔"
"زبان کھینچ کر ہاتھ پر رکھ دوں گی کمینے کی۔۔۔"
"اسی فون سے ہاتھ نکال کر وہ بھی تمہاری کلائی مروڑ دے گا۔" عریشہ طنزاً بولی "باتیں بناتی ہو۔"
ناعمہ سوچ میں پڑ گئی۔

"خیر کیا کرے گا؟ دو چار کالیں ہی کرے گا نا۔ پھر علی اور حمزہ کی گالیاں سن کر خود ہی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔"
"وہ لڑکے ہیں لڑکے، وہ بھی آج کے دور کے۔ اس کے گھر تک پہنچ جائیں گے اور سر پھاڑ دیں گے اس کا۔"
"تو پھاڑیں نا۔۔۔ اچھا ہے مزہ آئے۔"
"اور جو وہ اس سفر کی داستان سنا ڈالے پھر؟" وہ جل کر بولی تھی۔
"تب کی تب دیکھیں گے۔" اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے گویا قصہ ختم کیا۔ "چلو ٹھنڈے چاول کھائیں۔"

☼ ☼ ☼

وہ تیزی سے سادے صفحے پر قلم چلانے میں مصروف تھا جب کمرے میں کسی کی آمد سے سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ اس نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھائیں۔
فردوس بیگم اور ماہین کو ایک ساتھ اپنے کمرے میں پا کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے قلم کو پھر اسی تیز رفتاری سے دوڑانا شروع کر دیا۔
"اہم۔۔۔" فردوس بیگم نے گلا صاف کیا تھا۔ ہاشم کو مجبوراً نظریں اٹھانی پڑیں۔
"آئیں امی۔۔۔ بیٹھیں۔۔۔ بیٹھو ماہین!" اس نے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔
"ہاں ہاں بیٹھتے ہیں۔۔۔ بیٹھنے ہی آئے ہیں۔" فردوس بیگم اپنا فحیم شحیم وجود سنبھالتے ہوئے صوفے کی جانب بڑھیں۔ "تم تو ایسے اپنے کمرے کے ہوئے مانو نیا نویلا دولہا ہو۔۔۔ ہم تو باہر سے تمہارا دروازہ ہی دیکھتے ہیں اب کھلے کہ تب کھلے!"
"بس امی۔۔۔ آفس کی طرف سے کام کا کچھ دباؤ ہے آج کل۔" وہ انگلیاں چٹخانے لگا۔

"اچھا!" وہ ہنسیں۔ "ہم بھی اسی دباؤ کی بنا پر آئے ہیں، اب تم ہی کچھ مدد کرو ہماری۔" وہ دونوں اس کے مقابل بیٹھیں۔ ہاشم نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ سو وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔
"کیسا دباؤ؟"
"کس کس کی سناؤں بچے۔۔۔ تمہارے باوا کا دباؤ ہے وہ کہتے ہیں تم جان کر بیٹا نہیں بیاہتیں۔۔۔ جی بھر کر عیش کرنا چاہتی ہو اس کی کمائی پر۔۔۔ پھر تمہاری دادی کا دباؤ، وہ ثانیہ کا رشتہ کھلوا لی ہیں بہانوں بہانوں سے۔۔۔ ادھر اس غریب کی جان مشکل میں پھنسی ہے۔۔۔"
انہوں نے ماہین کی جانب اشارہ کیا۔
"اس کی ساس اپنی صاحبزادی کا بوجھ ہلکا کرنے کو کوشاں ہیں۔۔۔ انہوں نے تسنیم میاں سے کہلوایا ہے، اس لیے صاف صاف انکار کا یارا نہیں ہوتا۔۔۔ اب ذرا بتاؤ تم۔۔۔ کس کو کیا جواب دیں؟"
ہاشم نے نظریں اٹھا کر ماں اور بہن کے متذبذب چہرے کو دیکھا۔
"سب کو ایک ہی جواب دیجیے کہ ہاشم اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اگر اس نے شادی کی تو اس کے لیے دنیا میں محض ایک لڑکی ہے۔"
فردوس بیگم نے قدرے طیش میں آ کر بیٹے کو دیکھا اور کچھ کہنے کو لب وا کیے۔
"امی!" ان کے کچھ کہنے سے پیشتر ماہین بول اٹھی۔ "کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اتنا ضرور سوچ لینا کہ انسانیت کے ناطے کسی پر ترس کھانا زیادہ مناسب ہے یا پھر اپنے خونی رشتوں اور اپنے ماں جایوں کو زندگی بھر کی الجھنوں اور طعنوں سے بچا لینا مستحسن ہے۔"
ہاشم نے بھنویں اچکاتے ہوئے بہن کو دیکھا۔
"ایک بات اچھی طرح سمجھ لو ماہین! میں نے محبت ضرور کی ہے اور میں کسی حد تک اپنے دل کے ہاتھوں مجبور اور بے بس بھی ہوں لیکن میں اپنے جذبوں کے ہاتھوں کوئی کھلونا نہیں ہوں۔۔۔ میں ایک واضح اور منطقی سوچ کے تحت اپنی زندگی کے فیصلے کرنا چاہتا ہوں اور کروں گا۔ دوسری بات یہ کہ میں جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہونے کو بہت بڑی بے وقوفی گردانتا ہوں۔۔۔ اس لیے پلیز! ایسی کوئی کوشش مت کرنا۔"
ماہین نے بے بسی سے ماں کی سمت دیکھا۔
"دیکھو میاں! صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ میں ایک مطلقہ اور بچے کی ماں کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔۔۔ یہ میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے، ہاں!"
"ٹھیک ہے۔" وہ آسانی سے مان گیا۔
ان دونوں کے چہروں پر قدرے بشاشت آئی۔
"پھر مجھ سے شادی کرنے کے لیے اصرار مت کیجیے۔" اس کے اگلے جملے نے دونوں کے منہ لٹکا دیے۔ "علی اور حمزہ ماشاء اللہ نوجوان ہیں۔ چند ایک سالوں میں شادی کرنے اور گھر بسانے کے قابل ہوں گے۔ شوق سے جہاں چاہیں ان کے رشتے کیجیے اور اپنے سب ارمان پورے کریں۔"
"اور تم۔" بے ساختہ ان کے لبوں سے نکلا۔
"میری خواہش کو اپنی ضد بنا کر مجھ پر زندگی کی خوشیاں حرام کر دیں۔" وہ اپنے کاغذات کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بے رخی سے بولا۔ "مجھے اپنی سزا قبول ہے۔"
فردوس بیگم اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ دوپٹے کا پلو انہوں نے آنکھوں پر رکھ لیا۔
"ارے کیا گھول کر پلا دیا اس چڑیل نے میرے بچے کو۔۔۔ کالا جادو کروایا ہے۔۔۔ ارے یونہی تو نہیں رات رات

بھریا غیچہ میں پھرا کرتی تھی، اری ایقان! خدا تیرا بھلا کرے.... میرے بھائی کی زندگی تباہ کی اور اس نے پھل پیری کو گھر کا رستہ دکھا کر میرا بچہ باؤلا کر ڈالا۔ ارے میں کہتی ہوں فاروق حسن! آؤ دیکھو اپنے لاڈلے کی گل افشانیاں، اس کو پھولوں کا سہرا، بیاہ کرلاؤ اس منحوس کو۔"

"امی.... امی۔" ماہین نے انہیں جھنجھوڑا۔ "خدا کا واسطہ، چپ کریں۔" انہوں نے ہڑبڑا کر دوپٹہ آنکھوں سے ہٹایا۔ ہاشم کب کا کمرے سے جا چکا تھا۔

"ستیاناس ہو تیرا جادوگرنی۔" وہ بڑبڑانے لگیں۔



سفید آلٹو کو پورچ میں پارک کر کے اس نے برابر کی سیٹ پر رکھا اپنا سیاہ لیدر بیگ اٹھایا اور گاڑی سے نکل کر اسے لاک کرنے لگی۔

آج وہ ہاسپٹل سے مارکیٹ چلی گئی تھی۔ عمر کتنے ہی دن سے ضد کر رہا تھا کہ اسے نئے کلرنگ مارکرز کا سیٹ چاہیے۔ سو آج وہ اس کے لیے مارکرز کا نیا سیٹ لیتے ہوئے آئی تھی۔ اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اسے پکارا۔

"عمر.... عمر.... ویئر آر یو مائی چائلڈ!"

اسے پکارتے ہوئے وہ لاؤنج میں پڑے سیاہ صوفے پر جا بیٹھی۔ اس کے جسم میں دکھن کا احساس تھا۔ شدت سے چائے کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

منیزہ بیگم کچن سے نکل کر آئیں تو وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔

"شہلا!" انہوں نے آہستگی سے پکارا۔

وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔ اس کی نگاہ ان کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چائے کی پیالی پر گئی۔

"جیتے میری ماں!" وہ خوش ہو گئی۔ "شدت سے جی چاہ رہا تھا آپ کے ہاتھ کی بنی چائے پینے کا۔" اس نے کپ تھام لیا۔

"یہ عمر کہاں ہے؟ آواز دینے پر بھی نہیں آیا.... راجہ کی طرف گیا ہے کیا؟"

"ہوں!" انہوں نے آہستگی سے ہنکارا بھرا۔

"انیقہ کہاں ہے؟" اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔

یکدم اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ اس نے ماں کا چہرہ غور سے دیکھا۔

"امی!"

انہوں نے نگاہیں چرائیں۔

"امی....!" شہلا نے کپ میز پر رکھ دیا۔ "ادھر دیکھیں میری طرف۔"

"شہلا.... بیٹا وہ.... ذرا غور سے میری بات سنو۔" وہ بے بسی سے بالآخر گویا ہوئیں۔

"امی.... عمر کہاں ہے؟" اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بیٹا وہ.... آج دوپہر اس کے اسکول سے پرنسپل کا فون آیا تھا۔"

شہلا کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔ منیزہ بیگم کے ہاتھوں پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

"عمر۔" اس کے لب کانپے تھے "کہاں ہے وہ؟"

"اس کا باپ اسے لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی پرنسپل نے یہی کنفرم کرنے کے لیے یہاں فون کیا تھا کہ آیا۔"

"وہ.... وہ.... اسے لے گیا؟ لے گیا نا.... لے گیا نا۔" اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"شہلا.... میری بات سن لو.... ابرار نے مجھ سے خود بات کی ہے۔ وہ اسے چھوڑ جائے گا۔"

"وہ لے گیا اسے۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخی۔ "وہ میرا بچہ لے گیا۔" وہ کٹے ہوئے تنے کی مانند ان کی بانہوں میں گری۔

"شہلا.... شہلا.... انیقہ!" وہ بے طرح گھبرا کر چیخنے لگیں۔

انیقہ اپنے کمرے سے نکل کر بھاگی آئی۔

"آپ نے بتا دیا نا امی! میں نے منع کیا تھا آپ کو...."

اس نے شہلا کو صوفے پر لٹایا اور اس کے گال تھپتھپانے لگی۔

"کیا کہتی؟" ان کے آنسو جھر جھر بہنے لگے۔

اسی لمحے باہر ایک نامانوس ہارن بجا۔ ساتھ ہی کال بیل بھی بجی۔ انیقہ نے خوش امیدی سے ماں کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے عمر آگیا ہے۔" وہ اٹھ کر گیٹ کی جانب بھاگی۔

اس کا اندازہ درست تھا۔ عمر گیٹ پر موجود تھا۔ دور جاتی ایک گاڑی کی سرخ بتیاں چمک رہی تھیں۔

"خالہ جانی!" وہ چہکا۔ "وہ میرے پپا تھے۔"

انیقہ اسے بانہوں میں بھر کر اندر چلی آئی۔

"دیکھو عمر.... آپ کی مما کو کیا ہو گیا ہے.... اپنی مما کو آواز دو.... جگاؤ انہیں۔" اس نے عمر کو شہلا کے قریب بٹھا دیا۔

"مما....." عمر نے ننھے ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما "مما! آنکھیں کھولیں نا.... دیکھیں، میں آگیا۔" شہلا نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اسے خود سے چمٹا کر زور زور سے رونے لگی۔

"عمر! میری جان!" وہ چٹاچٹ اس کا چہرہ اور اس کے ہاتھ چومنے لگی۔

انیقہ آنسو پونچھتی کچن کی جانب چل دی۔ صوفے پر بیٹھی منیزہ بیگم بالکل ساکت تھیں۔ ان کے خالی ہاتھ ان کی گود میں دھرے تھے اور خالی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔ آنسو ان کے دل پر گر رہے تھے۔



اس کے ذہن کے پردے پر تصویریں بن اور بگڑ رہی تھیں۔

وہ بند آنکھوں کے پیچھے آباد ایک جہان سے گزر رہی تھی۔

کتنی ہی لاتعداد، بے شمار تصاویر تھیں۔ متحرک تصاویر مربوط اور غیر مربوط۔

اس کا چھوٹا سا صحن تھا جس میں ہار سنگھار کا درخت تھا۔ اس کے پھول ربیعہ کے اوپر گر رہے تھے۔ ربیعہ ہنس رہی تھی۔ صحن میں بچھی چارپائی پر دادی اور نفیسہ خالہ بیٹھی تھیں۔ وہ بھی ربیعہ کی خوشی میں خوش نظر آ رہی تھیں۔

سمیعہ نے دیوار پر چڑھ کر اسے اشارے کرنے شروع کر دیے۔ ربیعہ اس کے اشارے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یکایک دروازے پر عرفان شوکت نمودار ہوا تھا۔ اس کے ساتھ حاکم چچا تھے۔ ان دونوں کے چہرے سخت اور آنکھیں لال تھیں۔ ربیعہ کو ان کے ارادے ٹھیک معلوم نہ ہوتے تھے۔ وہ ڈر کر بھاگی تھی۔ ٹرین کے پہیے بہت بڑے بڑے تھے۔ ربیعہ کو ان آہنی پہیوں سے خوف محسوس ہوا۔ دفعتاً ریل گاڑی چنگھاڑی۔ ربیعہ کی آنکھ یک لخت کھل گئی۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کا احساس تھا۔ اسے کچھ سرگوشیاں سنائی دیں۔ کوئی کمرے

میں دھیمی آوازمیں باتیں کر رہا تھا۔ ربیعہ کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں تھی؟ وہ بے حس و حرکت لیٹی نامانوس چھت کو گھورتی رہی جس پر گندہ سا پنکھا لٹکا ہوا تھا۔ سرگوشیوں کی آواز مسلسل آرہی تھی۔ چند نفوس اس کے سرہانے مدھم آوازوں میں محوِ گفتگو تھے انہیں ربیعہ کے جاگنے کا علم نہ ہو سکا تھا۔

ربیعہ کو یاد آیا کہ وہ اپنے پھپھا منور امین کے گھر میں تھی۔ وہ سفر سے بے حد تھک گئی تھی اس لیے کھانا کھاتے ہی سو گئی تھی۔ ان دونوں نے اس سے سفر کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی۔

نجانے وہ کتنی دیر تک سوتی رہی۔ اپنی جسمانی کیفیت سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے سوئے ہوئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ وہ خود کو بالکل ترو تازہ محسوس کر رہی تھی۔ ذہن مکمل طور پر چوکس تھا اور مزید سونے کی کوئی خواہش محسوس نہ ہو رہی تھی۔

ربیعہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سرگوشیاں یک لخت معدوم ہو گئیں۔ ربیعہ نے دیکھا اس کے سرہانے بچھے پلنگ پر تین خواتین موجود تھیں۔ ان میں سے ایک بینا تھیں۔ ایک بینا سے بے حد مشابہہ صورت کی بیس بائیس سالہ لڑکی تھی جو ان کی بیٹی معلوم ہوتی تھی۔ دوسری لڑکی بھی اس کی ہم عمر تھی لیکن اس سے قدرے مختلف تھی۔

وہ تینوں اسے بیدار دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ پھر دوسری لڑکی مسکراتے ہوئے اٹھ کر ربیعہ تک آئی اور اس سے لپٹ گئی۔

"میں ترانہ ہوں۔ تمہاری پھپھو زاد۔" اس نے کہا تھا۔

اس کے گلے لگ کر ربیعہ کو دادی کے بعد پہلی مرتبہ کسی خونی رشتے کا احساس ہوا تھا۔ اس کی پلکوں پر موتی چمکنے لگے۔

دوسری لڑکی بھی اٹھ کر اس تک آئی تھی مگر اس نے محض ربیعہ سے ہاتھ ملانے پر اکتفا کیا۔

"یہ صولت ہے۔ بینا پھپھو کی بیٹی۔" ترانہ نے بتایا۔ "بینا پھپھو سے تم مل ہی چکی ہو۔"

ربیعہ نے مسکرا کر صولت کو دیکھا لیکن اس کی آنکھوں سے جھلکتی سرد مہری نے اس کی مسکراہٹ مختصر کر دی۔ صولت اسے عجیب سے انداز میں دیکھ رہی تھی۔ ربیعہ کی آنکھوں میں جھانکنے کے بجائے وہ اس کے چہرے کے نقوش کا بغور جائزہ لے رہی تھی جیسے وہ ایک جیتی جاگتی ہستی کو نہیں بلکہ کینوس پر پینٹ کیے گئے کسی چہرے کو دیکھ رہی ہو۔

ربیعہ کنفیوز سی ہو گئی۔

"امی کہہ رہی ہیں انہوں نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کیونکہ انہوں نے تمہاری ماں کو ایک مرتبہ دیکھا تھا۔ تم بالکل اپنی ماں جیسی ہو۔"

"نہیں۔" تب ہی کرخت لہجے میں بینا بولیں۔ "اس کی ماں اتنی خوب صورت نہیں تھی۔ وہ سانولی تھی۔ اس نے رنگ اپنے باپ سے لیا ہے۔ ہاں نقوش سب ماں پر گئے ہیں۔"

"تو نقش بھی تو کتنے پیارے ہیں پھپھو!" ترانہ نے پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ میری ممانی بہت خوب صورت تھیں۔"

"ہونہہ!" بینا ہنسیں۔ ان کی ہنسی میں نفرت اور تضحیک تھی۔ "حسن ہی سب کچھ نہیں ہوتا بی بی! گُن بھی ہونے چاہئیں۔"

ربیعہ ایک مرتبہ پھر چونک اٹھی۔ نجانے کیوں یہاں آ کر اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کئی انکشافات اس کے منتظر ہوں۔ وہ بے چین ہو گئی۔

"مجھے پیاس لگی ہے۔" اس نے ترانہ سے کہا۔

"چلو کچن میں چلیں۔ میں چائے بھی بناتی ہوں۔" ترانہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ اس کے ہاتھ میں خلوص اور محبت کی حدت تھی۔ ربیعہ کو یک گونہ سکون محسوس ہوا۔

☼ ☼ ☼

"یہاں لوگ جلدی سو جاتے ہیں؟" ربیعہ نے سوئے ہوئے ماحول کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ ہم لوگ بھی نو بجے تک سمجھو سو ہی جاتے ہیں۔۔۔ کبھی کبھار ہی ساڑھے نو دس کی نوبت آپاتی ہے۔"

وہ دونوں چھت پر ٹہل رہی تھیں۔ فضا میں حبس تھا اور گرمی کا واضح احساس ہو رہا تھا۔ دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"تمدن بھائی اور تصور بھائی دیر سے لوٹتے ہیں۔۔۔ پھر پھپھو ہی اٹھ کر دروازہ کھولتی ہیں۔" ترانہ نے مزید کہا تھا۔

"ویسے اب وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔ اچھا ہے تم بھی مل لینا۔"

ربیعہ خاموش رہی۔ اسے اپنی پھپھو کے لکھے ہوئے خطوط یاد آرہے تھے۔

"تم وہ نہیں ہوتا؟" اسے یکایک یاد آیا۔

"وہ نہیں تھیں۔" ترانہ اداسی سے بولی۔ "مجھ سے بڑی بہن تھیں۔ ان کا لڑکپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔"

"اوہ۔" ربیعہ کو افسوس ہوا۔

"ان کے بعد امی بھی چل بسیں۔۔۔ ہم لوگ۔۔۔ چھوٹے چھوٹے سے تھے۔ بینا پھوپھو کو طلاق ہو گئی تھی۔ ان کی ایک ہی اولاد ہے صولت۔ یہ ہمارے ساتھ ہی رہا کرتی تھیں۔۔۔ امی کے بعد انہوں نے ہی گھر سنبھالا۔۔۔ لیکن بس گزارا ہی ہو گیا۔ جیسے ایک ماں اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہے 'وہ بات تو نہ تھی' نہ ہے۔۔۔ خیر وقت گزر گیا۔۔۔ اب اس کا کیا ذکر کرنا۔"

وہ دونوں چلتے چلتے منڈیر تک آگئیں۔ دور ننھی ننھی روشنیاں دیوں کی مانند جلتی نظر آرہی تھیں۔ ربیعہ کو وہ ماحول سخت سوگوار محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"تمہاری نانی امی کا اچانک انتقال کیسے ہو گیا؟"

"ہارٹ اٹیک۔" ربیعہ اداسی سے بولی۔ "میں اپنا آخری پرچہ دے کر لوٹی تو گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم دونوں کو کچھ کہنے سننے کا موقع تک نہ مل سکا۔ مجھے نہیں پتا دادی جان نے مجھے کبھی بھی تم لوگوں کے متعلق کیوں نہیں بتایا بلکہ انہوں نے تو کبھی مجھے میرے ابو امی کے متعلق بھی کچھ نہیں بتایا۔ میں تو ہوا میں اڑتے پتے کی مانند ہو گئی تنہا اور لاوارث۔۔۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ ترانہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"پھر مجھے ایک صندوق سے پھپھو کے خطوط ملے۔۔۔ تمہاری امی کے خطوط 'تب مجھے علم ہوا کہ میں اتنی بھی لاوارث نہیں۔ میرے بھی خونی رشتے موجود ہیں۔ ماں باپ نہ سہی۔۔۔ باپ کی بہن کے اہل خانہ تو ہیں' ایک ڈھارس بندھی۔ دل کو سکون ملا۔ پتہ نہیں' پتہ نہیں۔۔۔ دادی نے ایسا کیوں کیا۔۔۔"

"نانی امی اور ابو کے تعلقات ٹھیک نہیں تھے۔" ترانہ نے آہستگی سے انکشاف کیا۔

ربیعہ چونک اٹھی۔

"دونوں نے تا عمر ایک دوسرے کا چہرہ نہ دیکھنے کی قسم کھائی تھی۔ نانی امی نے اپنی قسم پوری کر لی۔"

"لیکن ایسا کیوں ہوا؟" ربیعہ گم صم سی ہو گئی۔

اس کے ذہن میں اپنی شفیق دادی کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

"بڑھیا مرگئی۔" ایک مکروہ ہنسی اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"نانی امی نے کبھی تمہیں کچھ نہیں بتایا؟" ترانہ نے اندھیرے میں اس کا چہرہ کھوجنے کی کوشش کی۔

"نہیں کبھی بھی نہیں۔"

"بینا پھوپھو... تمہارے ابو کی منگیتر تھیں۔" ترانہ نے انکشاف کیا۔ "امی ابو کی شادی کے ساتھ ہی ان کی منگنی ہوگئی تھی۔"

ربیعہ گم صم سی سنے جا رہی تھی۔

"لیکن یہ منگنی اس وقت ختم ہوگئی جب ماموں نے اپنی پسند سے شادی کرلی تمہاری امی سے۔ سو ابو اور نانی امی کے مابین بہت بڑی رنجش پیدا ہوگئی..."

اندھیرے میں پیدا ہونے والی آواز نے دونوں کا دھیان بٹایا۔ سیڑھیوں پر کھٹ کھٹ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ جیسے کوئی بیساکھی کے سہارے سیڑھیاں چڑھ رہا ہو۔

"تمدن بھائی آگئے۔" ترانہ یکایک بولی۔

چند لمحوں میں اندھیری سیڑھیوں پر ایک سایہ نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹک تھی۔

"ترانہ!" ایک بھاری آواز گونجی۔

"جی بھائی آجائیں۔" ترانہ بولی۔

اسٹک کے سہارے چلتا ہوا سایہ ان تک پہنچا۔ دیوار پر لگے چالیس واٹ کے بلب کی ملگجی بیمار روشنی نے اس کا سراپا واضح کرنے کی کوشش کی۔

وہ ایک پراسرار قسم کا شخص تھا۔ ربیعہ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔ گھنی بھنوؤں کے نیچے چمکتی پراسرار نگاہیں اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔

"السلام علیکم۔" ربیعہ نے آہستگی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام..." وہ ہنوز اسے گھورتا رہا۔

"بھائی! یہ ربیعہ ہیں۔ جہاں زیب ماموں کی..."

"معلوم ہے۔" اس نے بہن کی بات کاٹی "مجھے روٹی دو۔"

وہ واپس مڑ گیا۔ اسٹک کی آواز لحظہ بہ لحظہ مدھم ہوتی گئی۔ ترانہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"معاف کرنا ربیعہ! یہاں سب لوگ بس ایسے ہی ہیں... اکھڑ اور بدمزاج سے... لیکن تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا... تم فکرمند مت ہونا... میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ سمجھو میں تمہاری بڑی بہن ہوں، یہاں کا ماحول تو ایسا ہے کہ مجھے خود شدت سے ایک سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔" وہ اداسی سے بولی۔

"تمدن بھائی کو کھانا دے دو۔" وہ آہستگی سے بولی "انہیں بھوک لگی ہوگی۔"

"ہاں..." ترانہ ہنس دی۔ "انہیں بھوک بہت لگتی ہے۔"

☆ ☆ ☆

"ترانہ اور صولت دونوں نوکری کرتی ہیں۔ ترانہ ٹریولنگ ایجنسی میں کام کرتی ہے، صولت اسکول میں پڑھاتی ہے... ویسے تو صولت، ترانہ سے کافی چھوٹی ہے... لیکن بے چاری کم عمری میں ہی روزگار سے لگ گئی ہے تمدن اور تصور کپڑے کی دکان چلاتے ہیں۔ پہلے بھائی یہ کام کرتے تھے لیکن فالج کے اٹیک کے بعد وہ تو بس ایک پلنگ کے ہی ہو رہے۔ اب انہیں چھوٹے بچوں کی طرح پالنا پوسنا پڑ رہا ہے... لڑکوں پر وقت سے پہلے ذمہ داری آپڑی،

اس لیے کچھ چڑچڑے ہوگئے ہیں... تصور تو خیر بہتر ہے اپنی پڑھائی بھی کرتا ہے... اسی لیے کافی دیر سے لوٹتا ہے... لیکن تمدن! چلو خیر! روزگار پر لگا لڑکا ہے، مزاج کا تیز ہے تو کیا ہوا۔"

انہوں نے رک کر ربیعہ کا چہرہ دیکھا۔ وہ کچھ دھیان کچھ بے دھیانی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اس گھر میں کوئی کسی کو کچھ دینے کا روادار نہیں ہے... لڑکے جو کماتے ہیں، جیب میں رکھتے ہیں... زیادہ سے زیادہ گھر میں سودا ڈالو دیتے ہیں۔ مہینے کا بجلی، گیس کا بل دے دیتے ہیں۔ ترانہ کی تنخواہ تو آدھی سے زیادہ باپ کے علاج پر اٹھ جاتی ہے۔ پھر آنا جانا، ملنا برتنا، عید تہوار... یہ سب بھی دیکھنا پڑتا ہے... اور صولت بے چاری کی تو تنخواہ ہی کتنی ہے۔ کرایوں میں پوری ہو جاتی ہے۔"

ربیعہ کو اب ان کی بات پر مکمل دھیان دینا پڑا۔ ان کا مطلب کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔ اس نے چائے کا کپ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

"ترانہ نے بی اے کیا ہے... ایک جاننے والے کے توسط سے اسے یہ نوکری مل گئی... صولت بے چاری تو دسویں سے آگے پڑھ ہی نہ سکی۔ ایسے حالات میں آدمی یا تو پڑھ لے یا کھا لے۔ پھر بھی تھوڑا بہت جو بھی ہے اپنا کما لیتی ہے... تم نے بھی تو بی اے کیا ہے نا؟"

انہوں نے ہاتھ میں زبان کی سی تیزی سے چلتی چھری کو چند لمحوں کے لیے روکا۔ وہ پالک کاٹ رہی تھیں۔

"جی!" ربیعہ کے لبوں سے آہ کی صورت نکلا۔

"ہاں تو تمہیں بھی مل جائے گی نوکری۔ میں ترانہ سے کہوں گی... تمہارے لیے بات کرے!" وہ اس کا جھکا ہوا سر دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تمہاری دادی نے کیا بتایا ہے تمہیں، تمہاری ماں کے متعلق؟" دفعتاً بینا نے سوال کیا۔

ربیعہ چونک گئی۔

"کچھ نہیں... کچھ بھی نہیں بتایا..." وہ قدرے خوفزدہ سی ہوگئی۔

وہ چند لمحوں کے لیے اس کا چہرہ تکتی رہیں۔ ان کی نظروں میں ابھرتا طنز اور تحقیر کا جذبہ ربیعہ کو اندر تک سن کر دیتا تھا۔

"اچھا کیا!" کچھ تھا بھی نہیں اس لائق کہ بتایا جاتا۔" ان کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

ربیعہ نے تھک کر آنکھیں بند کرلیں۔ اسے جینے کے لیے ڈھیر سارا حوصلہ درکار تھا لیکن پھر بھی وہ حتی الامکان جینے کی خواہش مند تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ نگاہیں خلا میں بھٹک رہی تھیں اور وہ کہیں دور پہنچی ہوئی تھی۔

"مما!" عمر نے پکارا۔ وہ چونک اٹھی۔

"تم سوئے نہیں اب تک؟" وہ حیران ہوئی۔

وہ تو اسے نجانے کب سے سویا ہوا سمجھ رہی تھی۔

"نہیں مما! مجھے نیند نہیں آرہی۔" وہ اٹھ بیٹھا۔

شہلا سمجھ گئی تھی کہ اس کے ذہن میں کیا ہے مگر وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"نیند نہیں آرہی تو اپنی خالہ جانی کے کمرے میں چلے جاؤ" وہ آف موڈ کے ساتھ بولی۔ "مجھے نیند آرہی ہے اور

میں سونا چاہتی ہوں۔"
"آپ مجھ سے ناراض ہیں مما؟"
"نہیں عمر... بس میں بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔
"اچھا... نہ کریں بات... بس سنتی جائیں... مجھے بہت سی باتیں کرنا ہیں۔" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔
شہلا نے آنکھیں کھول کر اسے خفگی سے گھورا۔
"میرے بھیجے میں اتنا دم نہیں ہے۔"
"مما! غصے سے کیوں بول رہی ہیں۔" وہ سہم گیا۔ "میں نے تو نہیں کہا تھا نا کہ آپ پپا کو اسکول بھیجیں... مجھے تو پتا بھی نہیں تھا کہ وہ میرے پپا ہیں۔"
شہلا نے بے بسی سے سانس بھری۔ بچے سے الجھنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ خاموش ہو رہی۔
"ویسے وہ اچھے ہیں مما۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولا۔ "آپ کبھی ملی ہیں ان سے؟"
شہلا کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر ہنسی روکی۔
"آپ اگر کبھی ملیں ان سے تو..."
"عمر!" شہلا نے اسے گھورا۔ "پتا نہیں تم کب بڑے ہو گے اور مجھے ان فضول سوالوں سے نجات ملے گی۔"
"میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی مما... آپ یونہی ڈانٹتی رہتی ہیں۔ پپا تو میری باتوں سے بہت خوش ہو رہے تھے۔ وہ کہتے رہے تھے۔ بریلینٹ بوائے' بریلینٹ بوائے اور آپ کو میری باتیں فضول لگتی ہیں۔"
"پپا کے سگے" اس کی جان جل کر کباب ہو گئی۔ "ایک دن باپ نے چونچلے اٹھا لیے تو لگا ہے قصیدہ خوانی کرنے۔ پوچھا نہیں اس سے 'اتنے سال کہاں گم تھا؟"
عمر سہم کر خاموش ہو گیا۔ شہلا کا دل لمحہ بھر میں موم کی طرح پگھل گیا۔ اس نے اس کا سر سینے سے لگا لیا۔
"سوری بیٹا! آئی ایم سوری..."
"مما!" وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔ "آپ مجھ سے ایسے نہ بات کیا کریں... میں نے پپا کو بھی بتایا تھا کہ میری مما بہت سوفٹ اسپوکن ہیں... مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔"
"پھر انہوں نے کیا کہا؟" اس نے خود سے بھی چھپ کر آہستگی سے پوچھا۔
"انہوں نے؟" وہ سوچنے لگا۔ "کچھ نہیں مما... کچھ نہیں بولے۔"
شہلا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"جھوٹ بول رہے ہو؟"
"نہیں مما! پپا جھوٹ بول رہے تھے۔" وہ جلدی سے بولا۔
"کیا؟"
"کہہ رہے تھے... تمہاری مما الیف سکیٹین اور جمبو جیٹ کے جیسی ہیں..."
"کیا؟" اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔
"میں نے نہیں کہا مما! پپا کہہ رہے تھے۔" وہ جلدی سے کمبل میں گھس گیا۔
شہلا غصے سے کانپنے لگی۔



وہ اپنی شادی کی تصاویر کا البم کھولے بیٹھی تھی۔ اس کا جی نہ جانے کیوں گھبرا رہا تھا۔ کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو یہی مشغلہ نکال کر بیٹھ گئی۔

اس کے ولیمے کے سوٹ کا رنگ گرین تھا اور شادی کا جوڑا گلابی رنگ کا' کچھ یادیں دھنک کی طرح اس کی آنکھوں میں بکھر گئی تھیں تو ایک سنہری مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔
"یار ویڈنگ ڈریس گرین ہونا چاہیے۔"
"کیا؟ تم پاگل ہوئے ہو؟ شادی کے دن ہرا جوڑا پہن لوں؟ میں طوطا ہوں کیا؟"
"طوطا تو روز پہنتا ہے تم بس شادی کے دن پہننا۔" وہ مزے سے بولا۔
"میرا دماغ خراب نہیں ہے۔ میں لال جوڑا پہنوں گی۔"
"خبردار! میں کمرے سے نکال دوں گا۔"
"میں کمرے میں آؤں گی ہی نہیں' میں تمہارے گھر ہی نہیں آؤں گی۔ بلکہ تم سے شادی ہی نہیں کروں گی۔"
"جو مرضی کہو... میں گرین ڈریس بھجواؤں گا۔"
"میں اٹھا کر پھینک دوں گی۔"
"ضرور پھینکنا مگر شرط یہ ہے کہ جوڑے میں تم بھی موجود ہو۔ میں کیچ کر لوں گا۔"
ایقان کو ہنسی آ گئی۔ اس کی نگاہ ولیمے کی تصویروں پر جمی ہوئی تھی جس میں اس نے عاشر کا بہت چاہتوں سے خریدا گیا گرین ڈریس پہنا ہوا تھا۔ اسے یاد تھا' ولیمے پر اس کے حسن کی دھوم مچ گئی تھی۔ سبز جوڑے میں اس کے حسن کی مانیاں اپنے عروج پہ تھیں۔
صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس کا شہد ٹپکاتا' محبت بھرا لہجہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔
"دیکھو یہ رنگ تمہارے لیے تو بنا ہے... تمہاری شہد جیسی رنگت کے لیے' شربتی آنکھوں کے لیے' احمریں لبوں کے لیے۔"
دفعتاً وہ چونک اٹھی۔ کال بیل بج رہی تھی۔ اس نے البم سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور دروازے کی سمت چلی۔ باہر کھڑی فردوس بیگم اور ماہین کو دیکھ کر وہ بے حد حیران مگر خوش ہوئی تھی۔
"صد شکر! آپ لوگوں کو میرا خیال بھی آیا۔"
"ارے بی بی! خیال تو سو بار آتا ہے اور سو بار آئیں بھی مگر یہ بڑھاپا بھی عجیب شے ہے۔" فردوس بیگم ہانپتی کانپتی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں "نہ دماغ ہی اپنا' نہ جسم' ہر شے اپنی مرضی کرنے لگتی ہے۔ بندے بشر کے بس میں کچھ نہیں رہتا۔ اچھا تم پانی پلاؤ۔"
ایقان جلدی سے فریج سے بوتل نکال کر لے آئی۔
"اصل میں امی کا مسئلہ یہ ہے کہ لفٹ میں سوار نہیں ہوتیں۔ انہیں ڈر لگتا ہے' کہتی ہیں' تیسری منزل تک سیڑھیاں چڑھ لیں گی لیکن لفٹ میں نہیں چڑھیں گی۔" ماہین نے ہنستے ہوئے بتایا۔
"ارے بھائی جان کچھ نہیں ہوتا۔ آپ نے یونہی وہم پالے ہوئے ہیں۔ منٹ میں بندہ تین منزلیں چڑھ جاتا ہے۔" ایقان بھی ہنسنے لگی۔
"نہ بیوی! تم ہی منٹ میں چڑھو' منٹ میں اترو۔ جو کبھی لائٹ بند ہو جائے تو میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔ یہ موئے بجلی والے گھنٹے بھر میں سو بار تو کھیل لیتے ہیں آنکھ مچولی۔" انہوں نے پانی پی کر خالی گلاس اسے تھمایا۔
"تو جنریٹر چل جاتے ہیں بھائی جان۔" ایقان نے تاسف سے سر ہلایا۔ "لیکن آپ کہاں مانیں گی! اچھا یہ

بتائیں کیا خاطر تواضع کروں آپ لوگوں کی۔ کھانا بھی تیار ہے.....“

”کھانا ہم کھا کر آئے ہیں پھپھو!“ ماہین جلدی سے بولی۔ ”اور تکلفات رہنے دیں۔ امی بہت ضروری کام سے آئی ہیں آپ کے پاس۔“

اس نے حسام کو گود سے اتار کر مومن اور ایمان کے حوالے کر دیا جو بے حد اشتیاق سے اس کے پاس کھڑے چھوٹے سے حسام کو دیکھ رہے تھے۔

”اچھا میں چائے بنا لیتی ہوں۔“

”بن جاتی ہے چائے بھی“ فردوس بیگم نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکا ”تم ذرا دو گھڑی بیٹھو ادھر‘ بڑا وقت نکال کر‘ ہمت باندھ کر آئے ہیں ورنہ تمہارے گھر کی تو سیڑھیوں کے خیال سے ہی میرا جی ہولتا ہے۔“

”ایسی بھی کیا بات ہو گئی۔“ ایقان فکر مند ہوئی۔

”بس بی بی کیا کہیں۔ ہمارے تو نصیب ہی برے ہیں۔ جی کو کوئی نہ کوئی روگ لگا ہی رہتا ہے۔ تم ذرا ایک بات بتاؤ مجھے سچ سچ‘ قسم ہے تمہیں جھوٹ نہ بولنا۔“

ایقان حیران نگاہوں سے بھاوج کی سمت دیکھے گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

”یہ جو تمہاری ہم جولی ہے ’ڈاکٹرنی‘ اس کا ہاشم میاں کے ساتھ کیا چکر ہے؟“ وہ بغور ایقان کی سمت دیکھ رہی تھیں۔

ایقان پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

”کک..... کیا کہہ رہی ہیں بھابی جان! خدا کا خوف کریں۔ آپ..... آپ شہلا کی بات کر رہی ہیں نا..... اس غریب کو تو خبر بھی نہیں ہے ایسی کسی بات کی۔“

”رہنے بھی دو۔“ وہ برا مان گئیں۔ ”تم کب اپنی سہیلی کی بات کہو گی ہم سے۔ بھلا ایسے تو نہیں کوئی کسی کا دیوانہ ہو جاتا ہے کہ اپنی زندگی خراب کرنے پر تل جائے۔“

”بات کیا ہوئی؟“ ایقان نے بے بسی سے ماہین کی سمت دیکھا کہ شاید الجھی بات کا کوئی سرا ہاتھ لگے۔

”بھائی! ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“ ماہین دھیرے سے بولی۔ ”اور وہ کہتے ہیں کہ اس فیصلے میں کوئی رد و بدل ممکن نہیں ہے۔ یا تو شادی کریں گے ہی نہیں یا صرف اور صرف ڈاکٹر شہلا!“

”مائی گاڈ!“ ایقان نے سر تھام لیا ”ہاشم اب تک.....“

”چلو اس کی شادی سے پہلے کہتا تو کوئی بات بھی تھی۔ اس کا تم سے دوستانہ تھا‘ گھر آتی جاتی تھی‘ ہمیں بھی بھلی لگتی تھی۔ پر اس لڑکے کے تو تیور ہی جدا تھے۔ تمہاری تو دانت کاٹے کی دوستی تھی‘ تم سے کیا پوشیدہ ہے۔“

انہوں نے اشاروں اشاروں میں اسے پچھلی باتیں یاد دلا دیں۔ ”اب ہم ایک بچے کی ماں کو اپنے سب سے بڑے بیٹے کی دلہن بنا لائیں تو کیسی بھد اڑے گی پورے خاندان میں کہ لو! تان ٹوٹی تو کہاں ٹوٹی۔ اسی بیٹے پر اتراتی پھرتی تھیں۔ لے آئیں مطلقہ‘ منتوں کی پوری!“

انہوں نے چشم تصور سے خود کو ملنے والے طعنے ملاحظہ کیے۔

ایقان کیا کہتی۔ خاموش بیٹھی رہی۔ ہر چند کہ اس کے اپنے دل کو اس خیال سے راحت سی ملی تھی۔ اس کی عزیز از جان دوست کا گھر پھر سے بس جاتا۔ کتنوں کا بھلا ہوتا۔ ایک معصوم بچے کو باپ کے نام کا سائبان مل جاتا۔ لیکن ظالم زمانے کی رسمیں! اس کی عزت مآب بھابی کی بھد نہ اڑ جاتی پورے خاندان میں‘ اس نقصان کا ازالہ بھلا کس طرح ہو پاتا۔

”کس سوچ میں پڑ گئیں تم۔“ فردوس بیگم پریشان ہوئیں۔ ”مسئلے کا کچھ حل بتاؤ۔“

ایقان چونکی۔ جو کچھ سوچا تھا وہ نوکِ زباں پر لانے کی تاب نہ تھی۔

”میں کیا کہوں بھابی جان!“ وہ کسمساتے ہوئے بولی۔ ”جو آپ مناسب سمجھیں!“

”ارے ہمارا کیا مناسب کیا نامناسب۔ ہم تو اس لیے آئے ہیں کہ ہماری خاطر ذرا سا جھوٹ بول دو.....“

”جی؟ میں سمجھی نہیں۔“ وہ الجھی۔

”ہاشم میاں کو کسی بہانے سے بلا کر بات کرو۔ اس سے کہو کہ شہلا نے انکار کر دیا ہے۔ شادی سے.....“

”میں..... میں کہوں؟“ وہ گھبرا گئی۔

”ہاں..... اور ادھر شہلا کو سمجھا دو کہ ایسا کوئی خیال ہے بھی جی میں تو اسے نکال پھینکے۔ اس کو کہہ دو ہاشم کے گھر والے کبھی بھی اسے اور اس کے بچے کو قبول نہیں کریں گے‘ چاہے زمین و آسمان ایک ہو جائے ہاں۔“

”لیکن بھابی جان..... میرا یقین کریں‘ شہلا کو ہاشم کے جذبوں کا بالکل علم نہیں ہے۔ وہ قطعاً بے خبر ہے۔ ایک بے قصور شخص کو ایسی کڑی بات کیوں کہی جائے بھلا۔“

”اچھا! پھر ہاشم کو سمجھا دو..... کسی بھی طور‘ کوئی بھی جھوٹ بول کر۔ وہ سر پھرا لڑکا ہمارے بس کا تو نہیں۔“ ایقان بری طرح پھنس گئی تھی۔ جانتی تھی بھاوج کے دل میں پہلے ہی اس کی جانب سے کانٹا چبھا ہوا تھا۔ وہ اس کی جانب سے بدظن رہتی تھیں۔ اب کوئی اونچ نیچ والی بات اس کے لبوں سے نکلتی تو وہ بالکل ہی اکھڑ جاتیں۔

”پھپھو! یہ کام آپ کو کرنا ہی کرنا ہے۔“ ماہین نے اسے کشمکش و پیچ میں مبتلا دیکھ کر کہا۔ ”بھائی آپ کی بات مان بھی جاتے ہیں۔“

”ہم بڑی آس لے کر آئے ہیں۔“ فردوس بیگم نے بے حد میٹھے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ ”تم ہمیں مایوس مت کرنا۔“

ایقان کو ہاں میں سر ہلاتے ہی بنی ہر چند کہ اس کا اپنا دل اس کام کے لیے ہرگز آمادہ نہ تھا۔

فردوس بیگم اور ماہین پھر زیادہ دیر نہ ٹھہریں۔ ماہین کے شوہر تسنیم کو اس کو لے جانے کے لیے آنا تھا اور وہ ان کی تعیناتی والا ہے سے پہلے واپس جانا چاہتی تھیں۔

”پھپھو! اگر آپ ہاشم بھائی کو زرین کے لیے راضی کر سکیں تو.....“ اس نے ماں کی نظر بچاتے ہوئے اس کا ہاتھ ہولے سے دبا کر کہا۔ ”سسرال میں میری قدر بڑھ جائے گی!“

ایقان نے ایک مرتبہ پھر بے دلی سے سر ہلا دیا۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد وہ چائے کے برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آئی۔ وہاں کئی کام اس کے منتظر تھے لیکن وہ منتشر الخیالی کا شکار ہو رہی تھی۔

بیل دوبارہ بجی تو وہ بری طرح چونکی۔ یہ وقت تو کسی کی آمد کا نہ تھا۔ وہ الجھتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی تھی۔ اور پھر باہر کھڑے ہاشم اور رافع کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ بظاہر اس نے بے حد خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔

”واہ بھئی‘ آج تو بھاگ جاگے ہمارے۔“

”کیسی ہیں پھوپھو جانی! آپ کی پارٹی کیسی ہے؟“

”فرسٹ کلاس!“

وہ دونوں آتے ہی بچوں کے ساتھ لگ گئے تھے۔ ایقان ان کے لیے چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔ ان کی آمد کا مقصد وہ کچھ کچھ سمجھ ہی گئی تھی۔

رافع وہیں چلا آیا۔

”ہمارے چچا میاں کے کیا حال ہیں‘ فون وون کرتے ہیں باقاعدگی سے؟“

"بے قاعدگی سے!" ایقان نے تصحیح کی۔
"کوئی آیا تھا کیا؟" اس نے لوازمات سے بھری پلیٹوں پر نگاہ کی۔ ایقان لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو کر سوچنے لگی۔
"ہاں۔" پھر وہ بولی۔ "پڑوس کی فیملی تھی۔"
"چلیں اچھا ہے۔ فلیٹ سسٹم بڑا کامیاب ہے اسی لیے۔" وہ بھنی ہوئی مونگ پھلی کھانے لگا۔
"پھپھو کا خیال آگیا یا کسی کام سے آئے ہو؟" اس نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا "ایسے تو آنے والے نہیں ہو تم لوگ۔"
رافع ہنس دیا۔
"ٹھیک سمجھیں ڈیئر پھپھو! بے حد ضروری کام سے آئے ہیں۔" اب وہ سموسوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا تھا
"لیکن ذرا بیٹھ کر بات کرتے ہیں آرام سے۔"
"اوفوہ' کسی لڑکی کا چکر ہے کیا؟" وہ ہنسی۔
رافع کا منہ تک جاتا ہوا ہاتھ رک گیا۔
"فنٹاسٹک! یو آر گریٹ۔" وہ تحیر سے بولا۔
ایقان مسکرا دی۔
اپنے اپنے کپ لے کر وہ تینوں ٹیرس پر پڑی کرسیوں پر آبیٹھے۔ تاروں سے بھرا ہوا آسمان اور نیچے روشنیوں سے سجا شہر بہت خوب صورت معلوم ہو رہا تھا۔ ایقان نے دیکھا' وہ دونوں نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو اشارے کر رہے تھے۔ اس نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی اور سنجیدہ سی صورت بنا کر بیٹھی رہی۔
"آہم!" بالآخر رافع کھنکھارا۔ "ڈیئر پھپھو! ایک گمبھیر سا مسئلہ درپیش ہے۔ جس کے لیے آپ کے پرخلوص اور پرزور تعاون کی اشد ضرورت ہے۔"
"اچھا!" وہ اتنا ہی بولی۔
ان دونوں نے پھر نگاہوں کا تبادلہ کیا۔
"کیوپڈ کے متعلق تو آپ نے سنا ہوگا؟" رافع پھر بولا۔
ہاشم کو ہنسی آگئی۔ ایقان بھی ہنس دی۔
"بدتمیز!" ہاشم نے اسے گھورا۔ "ٹھیک طرح بات کرونا۔"
"بھئی میں تمہید باندھ رہا ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔
"کون شکار ہوگیا کیوپڈ کے تیر کا؟" ایقان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"بہت پرانی بات ہے پھپھو جانی..." رافع نے سرد آہ بھری۔ "لیکن زخم ہے کہ بھرتا نہیں' بزبان شاعر۔

یہ محبت بھی ہے کیا روگ فراز
جس کو بھولے وہ سدا یاد آیا

"تم اپنی بات کر رہے ہو یا ہاشم کی؟" ایقان نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔
"باپ رے باپ!" رافع نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "اپنا تو یہ ڈپارٹمنٹ ہی نہیں ہے نا... عشق کا دیوتا تو منہ سے بیٹھا ہے... یہ آپ کا عزیز از جان بھتیجا۔"
ایقان نے ہاشم کو دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

"اور وہ وینس کون ہے؟"
"میاں رانجھے! اب پھوٹو نا کچھ۔" رافع نے اسے گھرکا۔ "اپنی بارات میں نہیں بیٹھے ہو۔" ہاشم نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی۔
"یار پھپھو! میں محبت میں ہنڈرڈ پرسنٹ رازداری کا قائل ہوں لیکن اس جذبے کے ہاتھوں ایک مرتبہ بہت سخت قسم کا نقصان اٹھا چکا ہوں۔ اب تک دل تاوان بھرتا ہے' اس لیے اس مرتبہ بہت مجبور ہو کر اس کا نام لے رہا ہوں۔"
"لو۔" ایقان نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا "کیا نام ہے؟"
"شہلا!" وہ بے ساختگی سے یوں بولا تھا جیسے لبوں نے جنبش سے کنول کھلایا ہو۔ اس کی نظروں سے خوشبو پھوٹی تھی۔ چہرے پر سے جیسے کوئی ستارہ گزرا تھا۔ ایقان مبہوت رہ گئی۔
"بہت چاہتے ہو نا اسے؟" اس نے بے ساختگی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔
"بہت پھپھو!" وہ بے بس ہوگیا۔
"اور وہ کیسی؟"
"میں ٹھیک ہوں نا پھپھو؟" اس نے بچوں کی طرح پوچھا۔
"ہنڈرڈ پرسنٹ!" وہ یقین سے بولی۔
"آپ میرے ساتھ ہیں؟"
"ہنڈرڈ پرسنٹ۔" اس نے ہاشم کے ہاتھ دبائے۔ رافع ہونقوں کی مانند ان دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔ وہ تو ایک طویل بیان جنے کا سوچ کر آیا تھا مگر یہاں تو لمحہ بھر میں سب معاملات طے ہوگئے تھے۔ "پھر میں کیا کروں پھپھو؟ گھر والوں کو کیسے بتاؤں؟"
"تم رو بیٹھا یار منا و باقی تو یوں ہی مانیں گے۔" اس نے چٹکی بجائی۔
"یار پھپھو! آپ تو بڑی کاریگر نکلیں۔" رافع کے لہجے میں ستائش تھی۔
"چل بدھو!" ایقان نے اسے چپت سے نوازا۔ "تو کیا جانے ان باتوں کو' تیرا تو یہ ڈپارٹمنٹ ہی نہیں۔"

☆ ☆ ☆

رات بے حد خوب صورت تھی۔ نور سے سجی ہوئی محبت بھری ہواؤں سے لبریز۔ ہاشم تادیر دریچے میں کھڑا رہا۔ ایک بازو کھڑکی کی چوکھٹ سے ٹکائے دوسرا ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے وہ نجانے کیا کچھ سوچے چلا جا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا بار بار اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں سے اٹھکھیلیاں کرنے چلی آتی تھی۔
یہاں تک کہ دیوار پر لگے کلاک نے بارہ بجنے کا اعلان کیا۔ ہاشم نے الجھی الجھی سی نظروں سے کلاک کی سمت دیکھا۔ پھر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا فون تک چلا آیا۔ "تو آج یہ دریا پار کر ہی لو!" اس نے خود سے کہا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔
دوسری جانب بیل جا رہی تھی۔ ہاشم کو اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دے رہی تھی۔
"ہیلو۔" چند لمحوں میں نیند سی بھری آواز ریسیور سے ابھری تھی۔ "ڈاکٹر شہلا ہیئر۔"
"ہیلو۔" اس نے دوبارہ کہا تھا۔ ہاشم دھیرے سے مسکرا دیا۔
(باقی انشاءاللہ آئندہ ماہ)

"تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے ناآشنا ہوتی ہے ان خطوط سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کر کے اکثر اپنے بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔

فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم' ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کو بدلتے رویوں سے تنگ آ کر اپنی پھپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عباد سے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کر رہی ہے وہ از خود اس کی پھپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

عاشر (ایقان کا شوہر) اپنے دفتر سے نکلا تو ایزا گاڑی لیے اس کی منتظر تھی۔

۱۰

دسویں قسط

"ہیلو...." پھر وہ آہستگی سے بولا۔ "میں ہاشم بات کر رہا ہوں۔"

دوسری جانب چند لمحے خاموشی چھائی رہی پھر اس کی الجھی الجھی آواز آئی۔

"کون ہاشم؟ سوری میں نے پہچانا نہیں۔"

ہاشم نے گہری سانس بھری۔

اجنبی بنے جیسے اجنبی سے ملے

کتنا طویل سفر تھا اور کس قدر کڑا! جس کی صورت اس کی آنکھ کی پتلی پر نقش تھی وہ اسے نام سن کر بھی نہ پہچان پائی تھی۔ اس کا جی چاہا' وہ فون بند کر دے۔

محبت کے خوبصورت اور انمول جذبے کا اظہار وہاں ہونا چاہیے جہاں کوئی اپنی سماعتیں یہی سننے کو وقف کیے بیٹھا ہو۔ ایسے میں اظہار اور بھی انمول اور قیمتی ہو جاتا ہے۔

یہ اس کا فلسفۂ محبت تھا جس پر وہ گزرے ہوئے کل تک قائم تھا لیکن آج اسے اپنا نظریہ بدلنا پڑ رہا تھا' بحالت مجبوری' یہ مجبوری حالات کی سختی کی عطا کردہ تھی۔ آج وہ اپنا قیمتی' انمول' سیپ میں بحفاظت رکھے ہوئے موتی جیسا اظہار ان سماعتوں کی نذر کرنے جا رہا تھا جنہوں نے اس کے نام کو اجنبی جانا تھا۔

"آپ.... آپ ہاشم فاروق حسن تو نہیں؟" یکا یک نیند سے جاگی ہوئی شہلا کی کسی سوئی ہوئی حس نے کام کیا تھا۔

"شکر ہے۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔ "ورنہ میرا دل تو بڑی شدتوں سے آپ کی بے مہری کا گلہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس طرح کہ زباں میں قوت گویائی تک نہ رہی تھی" شہلا دھیرے سے ہنس دی۔

"سوری ہاشم.... ویری سوری' دراصل میں کچھ دیر پہلے نیند کی گولی لے کر سوئی تھی۔ میرے حواس پوری طرح

کام نہیں کر رہے تھے۔ لیکن دیکھیں دیر سے ہی سہی میں نے پہچان لیا ہے۔ خیر تو ہے نا گھر میں؟"

"آپ.... ڈنکولا ئزر لیتی ہیں؟" ہاشم نے اس کے سوال کے جواب میں سوال داغا۔ وہ بھی نہایت حیرانی کے ساتھ۔

"کبھی کبھار...." وہ مختصراً بولی۔ "ایقان تو ٹھیک ہے نا؟"

"سب ٹھیک ہیں آپ بے فکر رہیں۔" وہ ہنس دیا۔ "میں نے اس وقت آپ کو بطور ڈاکٹر زحمت نہیں دی ہے۔"

"اوہ...." وہ بھی ہنس دی۔ "کیا کروں.... بارہ بجے کے بعد تو جو بھی فون آئے وہ میں بطور ڈاکٹر ہی ریسیو کرتی ہوں۔ ذہن میں اور کوئی بات ہی نہیں آتی۔ کہیے! کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

ہاشم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو رہا کتنے جملے ترتیب دیے تھے دریچے میں کھڑے ہو کر چاند کو تکتے ہوئے' اس کی آواز نے برسات کی صورت خیالوں کا سب غبار دھو ڈالا تھا۔ وہ خالی الذہنی سے ریسیور تھامے کھڑا تھا۔

"ہاشم.... میں کنفیوژن کا شکار ہو رہی ہوں۔ آخر آپ کچھ کہتے کیوں نہیں؟" وہ بالآخر الجھ سی گئی۔

"شہلا! میں.... میں آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں.... بلکہ کر رہا ہوں۔ آپ میری زندگی میں شامل ہونا پسند کریں گی؟"

اپنی بات کہہ کر وہ اپنے دل کی دھڑکنیں گننے میں یوں مصروف ہو گیا جیسے نہ اس نے کسی کو فون کیا اور نہ ہی کچھ کہا۔

دوسری جانب اندھیرے میں کھڑی شہلا کے حواس اچانک پوری طرح جاگے تھے۔ اس کے تھکے تھکے گولی کی عطا کردہ نیند کے بوجھ سے لڑتے ہوئے ذہن کو اس کی کہی ہوئی بات نے جھنجھوڑ کر ہکا بکا کر چھوڑا تھا۔

بہت دیر تک دونوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ اگلی بات کس کو کہنا ہے اور کیا کہنا ہے۔

"میں.... بہت حیران ہوئی ہوں یہ سن کر۔" آخر کار وہ بولی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ یہ سب کچھ آپ نے کہا اور کیوں کہا؟"

"میرے دل میں آپ کے لیے جذبۂ پسندیدگی ہے۔ اس لیے" اس کی خود اعتمادی بحال ہو گئی۔

"میرے لیے؟" وہ تم صم تھی۔ "لیکن.... لیکن.... کیوں.... کیسے؟ ہماری تو بہت عرصے سے کوئی ملاقات تک نہیں ہوئی۔"

"یہ آپ کہہ سکتی ہیں۔" وہ ہولے سے ہنسا۔ "کیونکہ میں آپ کے لیے ایک شناسا راہ گیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور راہ چلتے شناسا چہرے ہزاروں ملتے ہیں۔ اس لیے آپ کہہ سکتی ہیں کہ ہماری بہت عرصے سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔"

"آتے جاتے چند لمحوں کے لیے نظر ٹکرا جانے کو ملاقات تو نہیں کہہ سکتے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو جذبوں پر منحصر ہے کہ کس نگاہ کو کتنی شدت عطا کر دیں۔ میرا تو سارا دن ان چند لمحوں کے زیر اثر گزرتا ہے۔"

ہاشم کو خود اپنی ہی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔ اسے اپنا آپ اجنبی لگ رہا تھا۔ شاید اس نے اپنا آپ کسی اور کے حوالے کیا تھا' اس لیے۔

شہلا دم بخود تھی۔ اظہار نہایت واضح اور دل کو نئی لے پر دھڑکا دینے والا تھا۔ دھیرے دھیرے' مدھم مدھم سروں میں اس کی دھڑکن پورے بدن میں گونج رہی تھی۔

''دوسری بات یہ کہ پسندیدگی اور محبت کا یہ جذبہ آج کی پیداوار نہیں ہے۔ یہ ایک تناور درخت کی مانند اپنی لاتعداد جڑیں میرے دل کی گہرائیوں تک میں پیوست کیے ہوئے ہے۔ خونِ دل نے برسوں اس کو سینچا ہے' تمنا نے سالوں نگہداشت کی ہے۔ دھڑکنوں نے مدتوں حفاظت کی ہے۔ اس طرح کہ سوائے تمہارے تصور کے دل میں اور کچھ اگر ہے تو وہ تمہیں پالینے کی خواہش ہے۔''

وہ خواب و خیال میں بھی نہ سوچ سکتا تھا کہ وہ شہلا سے کبھی یہ سب کچھ کہہ پائے گا۔ جذبوں کا لاوا ذرا سی راہ پا کر یوں بہہ نکلے گا۔

شہلا میں مزید تاب نہ تھی۔ اس نے فون بند کردیا۔ اس کا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ حلق بالکل خشک تھا اور سانسیں بے قابو۔ وہ اندھیرے کمرے میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی۔

''مدتوں۔۔۔ برسوں۔۔۔ سالوں؟'' اس کی آنکھیں حیرانی سے کھلی ہوئی تھیں۔

''مجھے کبھی احساس تک نہ ہوا؟ یہ کب کی بات ہے؟ ایسا کب ہوا' کیونکر ہوا؟''



''آؤ۔۔۔ آؤ نا میں تمہیں اماں سے ملواؤں!'' ایقان اس کا ہاتھ تھامے اسے تقریباً ''کھینچتے'' ہوئے لیے آرہی تھی۔ وہ ہائی ہیل سینڈل کی وجہ سے بہت تیز نہیں چل پا رہی تھی لیکن لاابالی ایقان کو اس بات کی پروا نہ تھی۔ ''میں گر جاؤں گی ایقان۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

دروازہ کھول کر باہر آتا ہاشم ان دونوں کو نہایت تیزی سے اپنی جانب آتا دیکھ کر پھرتی سے پرے ہوا۔ ایقان اس کے پاس سے ہوا کے جھونکے کی مانند گزر گئی جبکہ اپنی پنسل ہیل پر ڈولتی ہوئی شہلا کا سر اس کی شرٹ سے مس ہوتا ہوا رہ گیا۔ وہ بھی آگے بڑھ گئی تھی لیکن اگلے ہی لمحے ایک دلدوز چیخ کے ساتھ رک گئی۔ ایقان کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ نکل گیا۔

''ہائے میرے بال۔۔۔ اف اللہ!''

ہاشم کی سفید شرٹ کے بٹن نے ان کھلی گھنیری' سیاہ زلفوں کے ساتھ یکایک ہی شرارت کرڈالی تھی۔ دراز لٹ اس کے بٹن میں الجھی ہوئی تھی۔

''اوفوہ۔۔۔ ہاشم کے بچے۔۔۔ چھوڑو اس کے بال۔'' ایقان غصے میں بھری چیل کی مانند بلٹی۔

''مم۔۔۔ میں نے نہیں۔۔۔ اس بٹن نے۔'' اس کے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے۔

سیاہ زلفوں سے سجا ایک دلکش چہرہ اس کے اتنے قریب تھا کہ اس کی سانس جہاں تھی وہیں رک گئی۔ شہلا اس کی حالت سے بے خبر اس کے بٹن سے اپنی لٹ آزاد کروانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اس کے نرم ہاتھوں کی جنبش اسے اپنے سینے پر محسوس ہو رہی تھی۔

''تم بھی تو جوگنوں کی طرح بکھرائے رکھتی ہو یہ زلفیں۔'' ایقان کو یہ سچویشن دیکھ کر مزید تاؤ آیا۔ ''باندھ نہیں سکتیں۔ میری اماں ہوں تو اتنی کس کر چٹیاں بنادیں کہ پورا ہفتہ نہ کھلے۔''

ان دونوں کے پاس کھڑی وہ تقریر میں مصروف تھی۔

ہاشم کا بٹن ٹوٹ گیا لیکن اس کے بالوں سے نہ نکلا۔ زلفوں کو رہائی بہرحال مل گئی۔ ایقان پھر اسے اسی طرح کھینچتے ہوئے آگے لے گئی۔

ہاشم پتھر کے بت کی مانند وہیں کھڑا رہ گیا۔ لمحوں کی افسوں خیزی اپنا کام کرچکی تھی۔ وہ ایقان کی بچپن کی ہم جولی تھی۔ دونوں ہم جماعت بھی تھیں۔ وہ اکثر آیا کرتی تھی لیکن آج اس کی زلفوں کی مہک اور ہاتھوں کی نرمی نے اسے ایک نئے بے حد عجیب سے احساس سے دوچار کیا تھا۔ اس نے کبھی اس طرح محسوس نہ کیا تھا۔ اس نے کبھی کسی چہرے کو اتنے قریب سے نہ دیکھا تھا۔ دل نے کبھی پہلے اس طرح کی فرمائش نہ کی تھی۔ وہ بادِ صبا کی نرمی سے ایک منہ بند کلی کو کھول گئی تھی۔ اس کے اندر خوشبو بکھر رہی تھی۔

اس نے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا بٹن غائب تھا۔ اس کے لبوں پر خوشی مسکراہٹ بن کر چمکی۔ بٹن ٹوٹ جانے سے اسے بے حد خوشی ہوئی۔ اس حقیقت کا ادراک اس پر جلد ہی ہوگیا تھا کہ وہ اپنی سیاہ لٹوں میں اس کا بٹن نہیں بلکہ دل باندھ کر لے گئی ہے۔ کسی گم گشتہ ستارے کی مانند وہ اب تک اپنی سیاہیوں میں کہیں پوشیدہ تھا۔

سنا ہے گم شدہ چیزیں جہاں کھوئی جاتی ہیں' وہیں پر مل بھی جاتی ہیں۔

اس نے اس رات پہلی مرتبہ اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔ ایک بے حد معمولی سا واقعہ اپنی ہی بازگشت بن کر اس کی ہستی پر چھا گیا تھا۔

اپنی دوست کا بالکل نئے فیشن کے مطابق سلا ہوا لباس ماں کو دکھانے کی عجلت میں گھری ایقان' اس کی حالت کا احساس کرپائی نہ ہی اس کے بٹن میں الجھی زلفوں کے ٹوٹنے کا افسوس کرتی شہلا ان لطیف احساسات کو چھو سکی جو رم جھم برسات کی طرح اس کے کوچہ دل میں پہلی بار برسے تھے۔

نجانے کب سے وہ اکیلا ہی ان تمناؤں سے ننھے ننھے' نازک نازک پودوں کی طرح دل کے گلستان میں نگہداشت کرتا رہا تھا۔

وہ ایقان کے پاس کمبائن اسٹڈی کے لیے آتی تو وہ بھی چپکے سے اپنی کتابیں لے کر وہاں جا بیٹھتا۔

''اچھا ہوا بھائی' ہاشم آگئے۔'' ایقان کھل اٹھتی۔ ''پڑھ پڑھ کر سر دکھنے لگا ہے۔ ذرا منوں حلوائی کے قیمہ بھرے سموسے لادینا۔ پھر میں چائے بناتی ہوں۔''

ہاشم احتیاط اور احترام کی چادر میں لپٹی جذبوں بھری نگاہ لمحہ بھر کے لیے اس پر ڈالتا۔ وہ تیزی سے اپنی نوٹ بک پر قلم چلاتی رہتی۔ اسے پڑھنے کا' آگے بڑھنے کا شوق تھا۔ میڈیکل کالج میں ایڈمیشن حاصل کرنا اس کا دیرینہ خواب تھا جس کے حصول کے لیے وہ رات رات بھر پڑھا کرتی تھی۔ ایقان کی طرح اسے تھوڑی تھوڑی دیر میں منوں حلوائی کی دکان کا خیال نہ ستاتا تھا' نہ ہی سڑک سے گزرتے کسی ریڑھی والے کی آواز اس کے ارتکاز میں خلل واقع کرتی تھی جبکہ ایقان کی نگاہ کتاب پر اور کان چار دیواری کے اندر باہر ہوتے واقعات پر غور کرتے رہتے۔

''ہائے شہلا! گول گپے والا آگیا۔'' وہ خوشی سے کھل اٹھتی۔

''تم خود گول گپا بن جاؤ گی ایقان کی بچی۔'' وہ اسے ڈانٹتی۔ ''ڈسٹرب مت کرو خواہ مخواہ!''

''میں تو چلی۔'' وہ کتابیں پھلانگتی باہر نکل جاتی۔

شہلا بے بسی سے اس کی پشت پر جھولتی چوٹیاں دیکھتی اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کتاب پر جھک جاتی۔ ہاشم چپکے سے اس کے گال کو چھوتی لٹ کو دیکھتا رہتا۔

محبت کی اس اچھوتی اور مقدس مئے کو دل کے آبگینے میں اس نے حفاظت سے یوں رکھا کہ قطرہ بھی چھلکنے پائے نہ نگاہوں سے خمار چھلکے نہ کوئی جملہ لڑکھڑائے۔ نشہ بس لہو بن کر رگوں میں دوڑتا رہے۔ دھڑکنیں بس ایک ہی نام الاپتی رہیں۔

''شہلا۔۔۔ شہلا۔۔۔ شہلا۔۔۔''

☆ ☆ ☆

رافع اس کا یارِ غار تھا۔ دونوں میں کوئی بات چھپی نہ تھی۔ لیکن ہاشم نے اپنے جذبوں کی ہوا اسے بھی نہ لگنے دی تھی۔ یوں بھی وہ دونوں اور طرح کے لڑکے تھے۔ ان کے درمیان فزکس اور کیمسٹری کے مختلف ٹاپکس زیر بحث رہتے یا قدیم شعراء کی غزلیں۔ لڑکیوں کی باتوں سے انہیں سروکار نہ تھا۔ عشق عاشقی کے قصے وہ گفتگو میں نہ لاتے تھے۔

رافع بے حد مختلف تھا۔ اسے آنچلوں کے دھنک رنگ متوجہ کرتے تھے۔ نہ ہی ہنسی کی جھنکار پر وہ کبھی پلٹ کر دیکھتا تھا۔ لڑکیوں کے معاملے میں وہ نرا کورا اور قدرے بے حس تھا۔ ایسے میں اپنے جی کی بات اس سے کہنا ہاشم کے لیے بہت مشکل بلکہ ناممکن تھا ورنہ شاید اپنے آپ سے گھبرا کر وہ کبھی اس سے کچھ کہہ سکتا تھا۔

لیکن بہرحال خوشبو کہیں نہ کہیں اپنا سراغ چھوڑ ہی جاتی ہے۔ رافع نے ایک دن اس کی چوری پکڑ ہی لی تھی۔

ایقان اور شہلا کا رزلٹ آیا تھا۔ دونوں نے بہت اچھے نمبروں سے امتحان پاس کیا تھا اور اب وہ دونوں مل کر سب سہیلیوں کو دعوت دے رہی تھیں۔ بہت دن تک دونوں کے مابین یہ جھگڑا چلتا رہا کہ دعوت ایقان کے گھر ہوگی یا شہلا کے گھر۔ پھر حسب معمول ایقان جیت گئی تھی۔ شہلا بحث میں اس سے ہمیشہ ہار جاتی تھی۔

دعوت کا دن آگیا۔ ان دونوں نے کچھ چیزیں گھر پر تیار کیں اور کچھ بازار سے منگوالیں۔ رنگ برنگے آنچل لان میں لہرانے لگے۔ نقرئی قہقہے ہر طرف بکھر رہے تھے۔

ہاشم اپنے کمرے میں بیٹھا ایک پرانا ریڈیو ٹھیک کر رہا تھا جب چھم چھم کرتی ایقان اس کے سر پر آکھڑی ہوئی۔

"ہاشم! ذرا ہماری مدد کردو!"

ہاشم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اسے ہنسی آگئی۔ وہ یوں بجی سنوری کھڑی تھی گویا کسی شادی میں جا رہی ہو۔ دھانی رنگ کا جوڑا سنہری گوٹے سے سجا ہوا تھا۔ دوپٹے میں جا بجا گھنگھرو ٹکے ہوئے تھے۔ گولڈن بالیاں پہنے اور بہت سا میک اپ کیے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ہاشم کے ہنسنے پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اس نے ہاشم کا کان پکڑ لیا۔

"کیوں ہنسے؟ میں کارٹون ہوں؟"

"نہیں نہیں، صرف لگ رہی ہیں۔" اسے مزید ہنسی آئی۔

"اچھا یہ بات ہے؟ بھائی جان سے کہتی ہوں۔" وہ خطرناک تیور لیے مڑی تھی۔

"ارے پھپھو! میری کیوٹ سی پھپھو، ایسا غضب نہ کریں۔" وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ "جو چاہیں سزا سنا دیں۔ کہیں تو منوں حلوائی کی دکان سے کوئی موسٹ فیورٹ آئٹم لا دوں۔" ایقان ہنس دی۔

"بدتمیز کہیں کے، آج منوں حلوائی کے سارے موسٹ فیورٹ آئٹم نیچے ٹیبل پر موجود ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں ایک عدد فوٹوگرافر درکار ہے، جو ہم سہیلیوں کے اچھے اچھے فوٹو بنا دے۔"

"اوہ نو۔۔۔ پلیز پھپھو! یہ اپنے بس کا کام نہیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

لیکن وہ ایقان ہی کیا جو کسی کی معذرت کو خاطر میں لاتی۔ اسے کھینچتے ہوئے حسینوں کے جھرمٹ میں لے گئی جہاں لڑکیوں کو ہنسنے ہنسنے اور صرف ہنسنے کا کام تھا۔

شہلا نے آج پھر اپنی گھٹاؤں کو کسی کے دل پر برسنے کے لیے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ میرون، بلیک اور وہائٹ کنٹراسٹ کے امبرائیڈڈ سوٹ میں وہ بے تحاشا لو دے رہی تھی۔ میرون آئی شیڈ سے سجی سیاہ آنکھیں چند ایک بار نہایت بے نیازی سے اس کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں اور ایک شناسا سی چمک کے سوا ان میں کچھ نہ تھا۔

وہ خوش تھی۔ بے حد خوش۔ میڈیکل میں اس کا داخلہ یقینی ہو چلا تھا۔ ہاشم نے تصویریں مکمل کر کے کیمرہ ایقان کے حوالے کیا اور دل کے فریم میں اس کی مسکراتی تصویر سجا کر چلا آیا۔ چند دن بعد رافع اس کے پاس پہنچا۔

"تم پھپھو کی دوست میں انٹرسٹڈ ہو؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

ہاشم کی سٹی گم ہو گئی۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا پھر جلدی سے اٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" اس نے حواس باختگی سے پوچھا۔

رافع لب بھینچ کر مسکرا دیا۔

"تمہارے بھوت نے۔۔۔ رات کو میرے پاس آیا تھا۔ شہلا شہلا کرتا ہوا۔"

"ابے چپ کر۔" ہاشم نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "کوئی سن لے گا۔"

"اور جو کوئی یہ سب دیکھ لے؟" اس نے ایک لفافہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ "وہ کیا کہے گا؟"

"کیا ہے یہ؟"

"تمہاری خاموش محبت کا منہ بولتا بلکہ حلق پھاڑ کر چیختا ثبوت۔"

ہاشم نے لفافہ جھپٹا اور میز پر الٹ دیا۔ پوری میز پر شہلا کی تصویریں بکھر گئی تھیں۔ وہ سب کی سب شہلا کی تصویریں تھیں۔

"پھپھو نے مجھے بصد اصرار بھیجا تھا رول دھلوانے کے لیے، وہ دعوت کی تصاویر دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں اور مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے دعوت میں سوائے شہلا کے اور کوئی شریک نہیں ہوا۔ اب تم کہو تو میں یہ تصاویر پھپھو کو دے دوں؟"

ہاشم سر تھامے بیٹھا تھا۔ اپنی اس بے اختیار حرکت سے وہ خود لاعلم تھا۔ اس روز وہ شہلا کو سجا سنورا دیکھ کر بے خود ضرور ہوا تھا لیکن اتنا بے خود ہو گیا تھا، یہ اسے خبر نہ تھی۔ اس نے دھڑا دھڑ اس کی تصاویر بنا ڈالی تھیں۔ اپنی باتوں میں مگن، قہقہے لگاتی الہڑ دوشیزاؤں کو اس حادثے کی خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ البتہ چند ایک گروپ فوٹو ضرور تھے جو انہوں نے خاص طور پر ساتھ کھڑے ہو کر بنوائے تھے۔

"کیا کہتے ہو؟" رافع نے اسے گھورا۔

"اب کہنے کو کیا بچا ہے؟" وہ شرمساری سے بولا۔

"یہ سوچو جوتوں سے کیسے بچو گے؟"

"تم سوچو! دوست ایسے وقت میں ہی کام آتے ہیں۔"

"یہ دوستی اس وقت کہاں تھی جب پیٹ میں داڑھی پال رہے تھے؟" رافع نے سر جھٹکا۔

"دوستی ہے تو ہے ورنہ تم یہ تصاویر مجھے نہیں، پھپھو کو دیتے۔" ہاشم ہنسا۔

رافع نے اسے غصے سے گھورا۔

"شرم تو نام کو نہیں ہے۔"

"شرم ہی تو ہے۔" ہاشم منمنایا۔

"اب یہ تصویریں رکھو گے یا پھاڑ ڈالوں؟" اس نے اکتا کر پوچھا۔

اس بار ہاشم نے اسے غصے سے گھورا تھا۔

ایقان کو بالآخر اطلاع دی گئی کہ رول خراب تھا۔ چند ایک گروپ فوٹوز ٹھیک آئے ہیں باقی سب تصاویر ضائع ہو گئی ہیں۔

ایقان کو مہینوں اس حادثے کا غم رہا تھا۔



شہلا کا داخلہ میڈیکل میں ہو گیا تھا۔ ایقان کو سائنس کے خشک سبجیکٹس میں دلچسپی نہ تھی۔ اس نے آرٹس کے مضامین منتخب کر لیے۔ یوں ان دونوں کی راہیں قدرے جدا ہو گئیں۔ اس کے باوجود وہ جب بھی ملتیں، اتنے ہی والہانہ پن سے ملا کرتیں۔ ایک دوسرے سے اپنی باتیں شیئر کرتے ہوئے۔ آدھی آدھی رات تک سردی گرمی سے بے نیاز لان میں چہل قدمی کرتیں، سرگوشیوں میں باتیں کیے جاتیں۔ ان دنوں ان دونوں کے انداز بے حد رازدارانہ ہو گئے تھے۔ ان کی باتیں ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ شہلا کے گھر سے بار بار فون آتے تب وہ گھر جانے پر رضامند ہوتی تھی یا ایقان اگر اس کے گھر گئی ہوتی تو اسے واپس لانا دشوار ہو جاتا تھا۔

ہاشم سے اکثر بیشتر اس کا سامنا ہوتا تھا۔ اس کا حسن ان دنوں دو آتشہ ہو گیا تھا۔ وہ اسے اتنی اچھی، اتنی خوبصورت لگتی تھی کہ وہ گھبرا کر سر جھکا لیا کرتا۔

"تم کب تک یونہی بے وقوفوں جیسی محبت کرتے رہو گے؟" رافع اسے سوچ میں گم دیکھ کر چڑ جاتا۔

"کیا مطلب؟ میں نے کیا بے وقوفی کر دی؟"

"تم اس سے کہتے کیوں نہیں؟"

"کیا کہوں؟" وہ حیران ہوتا۔

"وہی یار جو فلم میں ہیرو، ہیروئن سے پہلی یا دوسری ملاقات میں ہی کہہ ڈالتا ہے۔" رافع بیزاری سے کہتا۔

"آئی لو یو۔"

"شٹ اپ۔" وہ برہم ہوتا۔ "اپنے آپ کو اس کی نظروں میں ذلیل کر دوں؟"

"پھر اس عشق پوشیدہ کا انجام کیا ہو گا؟" رافع کے سوال پہ ہاشم سوچ میں پڑ جاتا۔

پھر ایک دن اچانک بے حد ڈرامائی انداز میں اس عشق پوشیدہ کا انجام سامنے آیا تھا۔ شہلا نے اپنے کلاس فیلو سے لو میرج کر لی تھی۔

میڈیکل کے تیسرے سال میں ہی اس نے کورٹ میں جا کر شادی کر لی تھی۔ "حیات ولا" میں جس نے خبر سنی اس نے دانتوں تلے انگلی دبا لی تھی۔

ہاشم کی معصوم بے ضرر چاہت کے لیے یہ خبر ایک شدید شاک جیسی تھی۔ اس کے وجود میں زلزلہ آیا تھا۔ اور سب کچھ جیسے ملیا میٹ ہو گیا۔ شدید ڈپریشن کے باعث اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروانا پڑا۔ یوں "حیات ولا" کے بڑوں میں چپکے چپکے یہ خبر پھیلی تھی کہ ہاشم، ایقان کی سہیلی کو بے حد و حساب چاہتا تھا۔

ایقان چھپی پھرا کرتی۔ اپنے گھر والوں کی نگاہوں سے بچتی پھرتی تھی۔ پھر عاشر کا رشتہ آیا اور وہ دنوں میں بیاہ کر پیا دیس سدھار گئی۔

کچھ دنوں میں سب کچھ معمول پر آ گیا تھا۔ وقت کی دھیرے دھیرے گرتی پھوار ہر یاد کو دھندلا کرتی گئی۔ لوگ بھول بھال گئے۔ شہلا کی لو میرج، ایقان کا قصہ، ہاشم کا ڈپریشن، قصہ پارینہ بن گئے۔ ہاشم ایک بے حد سنجیدہ طبع نوجوان کے روپ میں اپنی زندگی کو از سر نو ترتیب دینے میں مصروف ہو گیا۔ تب سال بھر بعد خبر ملی تھی کہ شہلا طلاق لے کر اپنے والدین کے پاس لوٹ آئی ہے۔ وہ ماں بننے والی تھی اور اس نے پڑھائی کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر سے جوڑ لیا تھا۔



رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ وہ ٹیرس پر کھڑی خود سے اور پاگل ہواؤں سے الجھ رہی تھی۔ فضا میں بے حد خنکی تھی۔ اسے سردی لگنے لگی لیکن اس نے توجہ نہ دی۔ یونہی دونوں بازو اپنے گرد لپیٹے وہ گئے دنوں کے اوراق پلٹنے کی کوشش کرتی رہی۔

ایک خاموش طبع سنجیدہ سا لڑکا۔ جسے اس نے کبھی اس بات سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی کہ وہ اسی گھر میں رہتا ہے، جس میں اس کی عزیز ترین سہیلی رہتی ہے۔

بس ایک موہوم سا واقعہ اس کی یادداشت میں محفوظ تھا۔ اس نے سفید رنگ کا بے حد اسٹائلش سوٹ سلوایا تھا۔ اس کے متناسب جسم پر وہ لباس سج گیا تھا۔ کمر تک لانبے سیاہ بال کھولے وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی جب ایقان چلی آئی۔

شہلا نے اسے شہر کے مشہور ٹیلر کا نام بتایا۔

"دیکھا میں بھی کہتی ہوں یہ تو سارا سلائی کا کمال ہے۔ اف یہ میری اماں بھی نا، محلے کی درزن کی جان نہیں چھوڑتیں۔ مجھ سے کہتی ہیں ہم خود سلائی سیکھو اور اپنے کپڑے سیا کرو۔ پچھلی صدی کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ آؤ نا شہلا! میں اماں کو تمہارے کپڑے دکھاؤں گی۔ ان سے پوچھوں بھلا ان کی درزن سی سکتی ہے ایسا ڈریس۔"

"لیکن ایقان میں...." اس کی بات لبوں میں ہی رہ گئی۔

وہ اس کا ہاتھ تھامے اپنی دھن میں بولتی اسے "حیات ولا" تک لے آئی تھی۔ شہلا کو بال لپیٹ کر جوڑا تک نہ بنانے دیا تھا۔ تب وہاں کھڑے ہاشم کی شرٹ کے بٹن میں اس کے بال پھنس گئے تھے۔

اف! اسے کس قدر شرمندگی ہوئی تھی۔ بال کھینچنے کے دوران اس کی قمیص کا بٹن بھی ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن اس بے چارے نے کچھ بھی نہ کہا تھا۔ وہ بے حد سیدھا سادا سا نوجوان تھا۔ خود میں مگن رہنے والا، نیچی نظروں کے ساتھ مخاطب کرنے والا۔ بعد میں جب بھی اس کا سامنا ہوتا، شہلا کو وہ واقعہ یاد آجاتا۔ اس کے لبوں پر مدھم سی مسکان آجاتی لیکن وہ ویسا ہی سنجیدہ رہتا تھا۔

اور اب اتنے سال بعد وہ کہہ رہا تھا کہ اسے شہلا سے محبت تھی! بھلا کیسی محبت تھی یہ؟ لوگ اس طرح بھی کسی کو چاہ لیتے ہیں کہ بوند بھر پانی نہ برسے؟ محبت تو وہ ہے جو ٹوٹ کر برسے۔ جل تھل کر ڈالے۔ تن من بھیگ جائے۔ سانسیں لینے کی سکت نہ رہے۔

وہ محبت جو ابرار جیلانی نے اس سے کی۔

وہ محبت جو شہلا نے ابرار جیلانی سے کی۔

کالج میں پہلے دن، پہلی نگاہ میں اس کا اسیر ہونے والا ابرار جیلانی بھی ایسا نہ تھا کہ نظر انداز کیا جاتا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ دونوں پورے کالج کی گفتگو کا محور بن گئے تھے۔ پروفیسرز تک ان کی طوفانی محبت سے واقف تھے۔

وہ دونوں ہر جگہ، ہر پل ساتھ ہوتے تھے۔

ابرار کا تعلق اندرون ملک سے تھا۔ اس کے والد بہت بڑے زمیندار تھے۔ گاؤں میں ان کی شاندار حویلی تھی جہاں ان کا پورا خاندان آباد تھا۔ ابرار پڑھائی کی غرض سے شہر میں رہتا تھا۔ لیکن اس کے والد اسے شہر بھیج کر اس سے بے خبر نہ تھے۔ بہت جلد ان کے عشق کی خوشبو شہر بھر میں پھیل گئی تھی۔

"یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ ہم خاندان والوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟" ابرار کی ماں نے سخت احتجاج کیا تھا۔

"شہلا بی بی! اپنے رستے اس سے علیحدہ کر لو یہ ایک بوڑھے باپ کی عاجزانہ استدعا ہے۔" محسن علی صاحب نے تھکے تھکے لہجے میں اس سے کہا تھا۔

ان دونوں نے بنا سوچے سمجھے کورٹ میرج کر لی تھی۔ محبت کا زہر نس نس میں پھیل چکا تھا۔ اسے رگوں سے

نکال کر پھینک دینے کا یارا دونوں میں نہ تھا۔

ابرار اسے اپنے فلیٹ پر لے آیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ کالج جایا کرتے، ساتھ لوٹتے۔ دونوں جانب کے خاندان والے حالت سکتے کے حالت میں تھے اور وہ "دسکتے" کی اس حالت کو خوب انجوائے کر رہے تھے۔

شہلا کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔

اس کا چاہنے والا، اسے ہر لمحہ سراہنے والا اب دن رات اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس کی جھولتی لٹ کو ہٹا کر اس کے کان میں سرگوشیاں کرتا، وہ اپنی گردن پر اس کے سانسوں کی مہک محسوس کرتی تھی۔ ساری دنیا اس کی ہتھیلی پر سمٹ آئی تھی۔

تب ایک دن ابرار کے والد انہیں لینے آگئے۔ انہیں اپنی ضد مہنگی پڑی تھی اب وہ سستا سودا کرنا چاہتے تھے۔ وہ شہلا کو اپنی بہو کے روپ میں قبول کرنے پر آمادہ تھے۔

ابرار بے حد خوش تھا۔ اپنے باپ کے بغیر وہ کچھ بھی نہ تھا اور باپ کے ساتھ بہت کچھ۔

وہ جیلانی ہاؤس چلی آئی۔ دلہن کی طرح سج سنور کر۔ سرخ جوڑا پہن کر ڈھیر سارا زیور پہن کر۔ "جیلانی ہاؤس" میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

"یہ تمہاری ساس ہیں۔" اسے ایک معمر عورت سے اسے ملواتے ہوئے بتایا گیا۔

شہلا نے جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ سلام کیا۔ انہوں نے اسے گلے سے لگا کر نوٹوں سے بھرا تھال اس پر سے وار کر ملازمہ کو پکڑا دیا۔

"اس سے ملو۔" ایک اور عورت اس کے مقابل تھی۔

"یہ خاتون کلثوم ہے۔ ابرار کی پہلی بیوی۔"

شہلا کے سر پر آسمان ٹوٹ گرا۔ اسے سماعتوں پر دھوکہ ہوا۔

اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس عورت کو دیکھا جس کے چہرے پر ویرانی تھی۔

"کون؟" اس نے ساس کا ہاتھ تھام لیا۔ "کون ہیں یہ؟"

"تمہاری سوت.... ابرار کی خاندانی بیوی۔" انہوں نے پھر اطمینان سے بتایا تھا۔ "اسے اپنی بڑی بہن کی طرح سمجھو۔ تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوگی۔"

شہلا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ اسے پھر کچھ دکھائی نہ دیا تھا۔ اس کے ساتھ کیا کیا رسمیں ہوئیں، کس نے کیا منہ دکھائی دی، اسے علم نہ تھا۔ اسے صرف آنے والی رات کا انتظار تھا۔

☼ ☼ ☼

ابرار جیلانی کے بڑھتے ہوئے ہاتھ اس نے بری طرح سے جھٹک دیے تھے۔ وہ چند لمحوں کے لیے حیران ہوا پھر مسکرا دیا۔

"یار! پہلے بندے کو کلیئرنس کا موقع تو دو۔"

"اتنا بڑا دھوکا! اتنی چیٹنگ!" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، لہجہ بھرا گیا۔

"کوئی دھوکا نہیں ہوا۔ کوئی چیٹنگ نہیں ہوئی۔ تم میری بات سن لو۔" وہ مصالحانہ انداز میں بولا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ تم جاؤ یہاں سے!" وہ چیخی تھی۔

"آہستہ!" وہ سنجیدہ ہوا۔ "یہاں یہ برتاؤ نہیں چلے گا۔ تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہ جائے۔"

شہلا نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں خود اس کمرے سے چلی جاتی ہوں۔" وہ تلخی سے بولی۔ "تم جسے چاہو بلاؤ!"

"اوفوہ۔۔۔" اس نے سر تھام لیا۔ "شہلا! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ! میری اس سے کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے۔ وہ عمر میں مجھ سے پورے سات سال بڑی ہے۔ میرا نکاح چودہ برس کی عمر میں کر دیا گیا تھا جب میں اسکول میں پڑھتا تھا اور مجھے شادی بیاہ، رسموں و رواجوں کی کچھ خبر نہ تھی۔ مجھے بس اتنا پتا تھا کہ میری بہن کی شادی اس کے بڑے بھائی سے ہو رہی ہے اس لیے اسے ہمارے گھر آنا ہے۔ تم خود سوچو، چودہ برس کے لاابالی لڑکے کو بھلا ان باتوں سے کیا سروکار؟ مجھ سے مولوی نے ہاں کہلوایا، میں نے کہہ دیا۔ نکاح نامہ میرے آگے کر دیا گیا۔ میں نے اپنا نام لکھ دیا۔ کیا تم اس کو دھوکا، فریب اور چیٹنگ کہو گی؟"

"لیکن تم یہ سب کچھ مجھے بتا بھی سکتے تھے۔" وہ آنسوؤں کا گولہ نگلتے ہوئے بولی۔

"بتا تو رہا ہوں۔"

شہلا نے شکایت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ تو وہ ہنس دیا۔

"مجھے ڈر تھا شہلا! میں تمہیں کھو نہ دوں۔ اس معمولی سی بات سے میرا اتنا بڑا نقصان ہو مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس بات کو کسی اور موقع تک پس پشت ڈال دیا جائے۔ بہرحال آج وہ موقع آ گیا۔"

"نہیں ابرار! تمہیں بتانا چاہیے تھا۔" اس کا دکھ کم نہ ہو رہا تھا۔

"ہاں میری جان! مجھ سے غلطی ہوئی۔۔۔ میں نے تمہارا دل دکھایا۔ لیکن پلیز شہلا! ماں باپ کے جاہلانہ فیصلوں کی سزا مجھے نہ دو۔ تم اس سے مل ہو، کیا وہ ایسی ہے کہ تم اس سے کوئی خطرہ محسوس کرو؟"

شہلا خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔"

"ہاں! ہمارے دو بچے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

شہلا نے رخ موڑ لیا تھا۔

"لائٹ بجھا دو۔ میں سونا چاہتی ہوں۔"

"شہلا۔۔۔" اس نے اسے چھوا۔

"ابرار۔۔۔ پلیز!" اس کے اندر آنسو گر رہے تھے۔

وہ آہستگی سے پیچھے ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

سمجھوتا تو بہرحال اسے کرنا ہی تھا اور یہ بات ابرار جیلانی بھی بخوبی جانتا تھا۔ وہ اسے لانے سے پہلے اس کے پر کاٹ چکا تھا۔

ابرار کی یقین دہانی ایک طرف لیکن "جیلانی ہاؤس" میں مختار جیلانی کا حکم چلتا تھا۔ شہلا اور خاتون بی بی کے مابین ابرار کی راتیں اور دن تقسیم کر دیے گئے تھے۔ وہ ایک رات اور ایک دن شہلا کے ساتھ گزارتا اور اگلی رات اور اگلا دن اپنی پہلی اور خاندانی بیوی کے ہمراہ۔ شہلا میں لب کشائی کی تاب نہ تھی۔ وہ محض آنسو بہانے پر قادر تھی۔

"دیکھو جانو! چند دنوں کی بات ہے۔" وہ اسے بہلاتا۔ "ہمیں شہر لوٹنا ہے۔ اپنی پڑھائی مکمل کرنا ہے وہاں ہمارے بیچ صرف اور صرف ہماری محبت ہو گی سب دن، سب راتیں ہماری ہوں گی۔"

شہلا روٹھے دل کو اس کی دلیلوں سے منانے کی کوشش کرتی۔ وہ مانتا نہ مانتا مگر شہلا کو ماننا پڑتا۔ بالآخر چھٹیوں کے وہ بے کیف و بے مزہ دن تمام ہوئے۔ کالج کھلنے کی تاریخ قریب آ گئی۔ شہلا کے چہرے پر بہت دن کے بعد رونق لوٹ آئی تھی۔

وہ اپنا سامان باندھنے میں مصروف تھی جب حاجیانی بیگم یعنی اس کی ساس کمرے میں آئیں۔

"یہ کیا کرتی ہو؟" وہ حیران ہوئیں۔

"جی۔۔۔" وہ سیدھی ہوئی۔ "اماں! کالج کھل گئے ہیں نا۔ اب شہر جانا ہے۔ میں اسی کی تیاری کر رہی ہوں۔"

"ہوں!" انہوں نے ایک لمبی "ہوں" کی اور کمرے سے چلی گئیں۔ پیکنگ مکمل ہوئی تو ابرار اندر آیا تھا۔

"شہلا۔۔۔" اس کا انداز تھکا تھکا سا تھا۔

"جی!"

"اپنا سامان کھول دو۔ شہر صرف میں جا رہا ہوں۔"

شہلا دم بخود رہ گئی۔

"ابرار! اتنی کڑی سزا مت دو مجھے۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ مر جاؤں گی یہاں۔"

"شہلا! تمہیں پڑھائی چھوڑنی ہو گی۔" وہ بیزار نظر آ رہا تھا۔ "اور۔۔۔ اور۔۔۔ اتنی محنت سے کیا حاصل کرو گی؟ بابا سائیں کبھی بھی تمہیں نوکری نہیں کرنے دیں گے۔ "جیلانی ہاؤس" کی بہوؤں، بیٹیوں کا یہ کام نہیں کہ وہ عورتوں کے بچے پیدا کرواتی پھریں۔ پھر ٹھیک ہی تو ہے۔ تم اپنا بچہ سنبھالو گی یا پڑھو گی؟ یہاں تمہیں ہر طرح کا آرام ہے۔ ہر کام کے لیے دس دس نوکر ہیں۔ تم رانی بن کر عیش کرو۔ کن چکروں میں خوار ہو رہی ہو۔ میں ویک اینڈ پر آؤں گا۔"

شہلا کچھ بھی نہ سن رہی تھی۔ وہ ساکت بیٹھی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ سپنا دیکھنے کی پاداش میں اس کی بینائی سلب کر لینے کی سزا سنائی گئی تھی۔

ابرار چند لمحے اس کو دیکھتا رہا پھر تذبذب کی حالت میں باہر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

تھے بہت بے درد لمحے ختم درد عشق کے
تھیں بہت بے مہر صبحیں، مہرباں راتوں کے بعد

اس کے بعد بھی یاد کرنے کے لیے اس کے پاس بے شمار باتیں تھیں۔ تلخ زہریلی یادیں، جنہیں وہ ہرگز یاد کرنا نہ چاہتی تھی۔ بڑی مشکلوں سے "جیلانی ہاؤس" سے چھٹکارا پا کر وہ اپنے گھر دوبارہ لوٹی تھی۔ بہت کٹھن مراحل سے گزر کر ابرار جیلانی نے اسے آزادی کا پروانہ دیا تھا۔

ماں باپ سا مظلوم رشتہ دنیا میں اور کوئی نہیں ہوتا۔ اولاد ٹھوکر مار کر جاتی ہے اور جب پلٹتی ہے تو انہیں دہلیز پر ہی سر تھامے پاتی ہے۔ ان میں خود کو سہارا دے کر کھڑے ہونے کی ہمت بھی نہیں ہوتی۔ وہ لوٹی تو دل کے مریض باپ نے اسے سینے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ ماں نے ہر ممکن طریقے سے اس کی دلجوئی کی۔ کسی نے اسے ایک لفظ ملامت کا نہ کہا تھا۔

محسن علی صاحب نے اپنے تعلقات بروئے کار لاتے ہوئے اس کا تبادلہ دوسرے کالج میں کروا دیا۔ شہلا نے بقیہ تعلیم ہاسٹل میں رہ کر مکمل کی۔ عمر تو پیدا ہوتے ہی نانی کی گود میں آ گیا تھا۔ وہ ماں کی زندگی تھا تو نانی کی آنکھوں کا نور تھا۔ خالہ اور ماموں کا چہیتا بھانجا تھا۔

اور اب برسوں بعد اسے اس بیٹے کی یاد ستائی تھی جسے اس نے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔ اب وہ رہ رہ کر اسے کیوں پکار رہا تھا، شہلا سمجھنے سے قاصر تھی۔

اور ایسے میں دل کے تالاب میں ایک اور پتھر آگرا تھا۔ دائرے در دائرے اس کے اندر چکرا رہے تھے۔ نیند کی گولیاں بھی اس کے پریشان ذہن کو سکون بخشنے سے قاصر تھیں۔



"ربیعہ!" گہری دھند میں آہ سے مشابہہ آواز ابھری تھی۔

وہ آواز بے حد دکھی تھی۔ برف کی مانند سرد اور شعلے کی مانند دھواں دیتی ہوئی آواز۔

ربیعہ کا جسم کانپ کر رہ گیا۔ اس آواز نے اس کے دل کو تیز دھار چھری کی طرح اندر تک چیر ڈالا تھا۔

"ربیعہ... پانی دو ربیعہ......" آواز میں حسرت تھی' بے چارگی تھی۔

ربیعہ نے پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔ دور کہیں سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ کہیں پر کوئی جھرنا بہہ رہا تھا۔ یا شاید برسات ہو رہی تھی۔ ربیعہ اس دھند میں آگے بڑھی.... بڑھتی چلی گئی۔ دونوں ہاتھوں سے اندھوں کی طرح ٹٹولتے ہوئے وہ آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔

"آہ!" ایک سرد آہ نے اس کا دل ہلا کر رکھ دیا۔

جلتی' تپتی آہ..... جیسے آبلہ پا اپنی آخری امید بھی کھو بیٹھے۔

"ربیعہ.... جلدی کرو.... جلدی کرو.... پانی لاؤ۔"

ربیعہ دیوانوں کی طرح دوڑنے لگی۔

پانی کی آواز آرہی تھی۔ جھرنا جھر جھر بہہ رہا تھا' ٹپ ٹپ بوندیں گر رہی تھیں۔ پانی کہیں بے حد قریب تھا۔ لیکن اس کے چاروں طرف گہری دھند بے بسی بن کر پھیلی ہوئی تھی۔ اسے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس نے بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیوانوں کی طرح اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کمرے میں بالکل اکیلی تھی۔ ساتھ والے کمرے سے آتی ہوئی کھانسی کی آواز نے اسے احساس دلایا کہ وہ کہاں ہے۔

خالی خالی آنکھوں سے وہ کچھ دیر بیٹھی کمرے کی چیزوں کو گھورتی رہی۔ اس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ اسے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ شدت سے پانی کی طلب ہو رہی تھی۔ اسے اپنا خواب یاد آیا۔

"شاید.... شاید..... میں پاگل ہو رہی ہوں۔" اس نے کوفت سے سوچا۔ "مجھے ایسے خواب کیوں آتے ہیں۔ ان خوابوں کا پس منظر کیا ہے۔ کوئی الجھن؟ میرے اندر دکھ ضرور ہیں لیکن الجھن کوئی نہیں۔ ان خوابوں کا رشتہ کیا میرے دکھ سے ہے؟ میرے دکھ سے؟ یا کسی اور کے دکھ سے؟ کس کا دکھ دادی؟ دادی کا دکھ لیکن کیا؟"

اسے دادی یاد آگئیں۔ گوری چٹی' میدے سے گندھی ہوئی اس کی پیاری دادی جان۔ جن کی کوئی نماز قضا ہوتے اس نے نہ دیکھی۔ جو اکثر و بیشتر تلاوت کرتیں پایا ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گراتی رہتیں ہاتھ میں اگر تسبیح نہ ہوتی تب بھی ان کے لب ہلا کرتے۔ وہ کیا پڑھتی تھیں؟

ربیعہ اکثر غیر شعوری طور پر ان کی بدبداہٹ پر کان لگا دیا کرتی۔

"استغفراللہ.... استغفراللہ..... معاف کردے میرے رب..... معاف کردے.... گنہ گار ہوں' خطا کار ہوں' سیاہ کار ہوں' مجھے معاف کردے رب اللعالمین..... استغفراللہ..... استغفراللہ ربی......"

وہ اپنی کلمات کا ورد کیے جاتیں۔ ربیعہ کو اس لمحے ان کا چہرہ بہت بھلا معلوم ہوتا۔ سفید نورانی چہرے پر اور ہی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ گالوں پر لہو کی سرخ گرمی بھرنے لگتی۔ ماتھے پر ننھے ننھے قطرے چمکتے۔

ربیعہ بے حد محویت سے ان کا استغراق دیکھتی۔ پھر اس کا دل نماز پڑھنے کو چاہتا۔ اس کا دل بھی اتنے ہی

انہماک سے اپنے رب کو پکارنے کے لیے ہمکتا۔ وہ وضو کرتی۔ اہتمام سے دوپٹہ باندھتی اور جاء نماز پر بیٹھ جاتی پھر وہ دعا کو ہاتھ اٹھا کر دادی کے سے انداز میں کہتی۔

"معاف کر دے اللہ میاں جی۔۔۔ پیارے اللہ میاں جی۔۔۔ مجھے معاف کر دے۔ میرے اچھے اللہ میاں۔"

وہ کہے جاتی لیکن اس کے ماتھے پر قطرے نمودار نہ ہوتے۔ اس کے گالوں پر تپش محسوس نہ ہوتی۔ وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر جاء نماز سے اٹھ جاتی۔ اس کا جی ذرا سی دیر میں ہی اپنے اللہ سے مطمئن ہو جاتا۔

"دادی! میں سمیعہ سے مل آؤں؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں پوچھتی۔

وہ آہستگی سے سر کی جنبش سے اثبات میں جواب دیتیں۔ وہ دروازے تک پہنچتی تو پیچھے سے ان کی آواز آجاتی

"ربیعہ۔۔۔"

"جی دادی۔۔۔" اس کے قدم تھم جاتے۔

"جلدی آجانا۔۔۔ میں روٹیاں پکا رہی ہوں۔"

"جی اچھا' دادی جان۔" وہ نماز پڑھ کر بڑی سعادت مندی ہوئی ہوتی۔

دروازہ کھول کر مینا اندر آئی تھیں۔ ربیعہ اپنے خیالوں سے چونک اٹھی۔ ایک گہری نگاہ انہوں نے ربیعہ پر ڈالی اور چند لمحے دیکھتی رہیں۔ نجانے وہ ایسا کیوں کرتی تھیں۔ وہ جب بھی ربیعہ پر نگاہ ڈالتیں' چند لمحے اسے بے حد دھیان سے تکا کرتی تھیں۔ ربیعہ ان کی آنکھوں میں جھانکتی' ان کے اندر جانا چاہتی لیکن وہ پتھر نگاہیں اسے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیتیں۔ ان پتھریلی نظروں نے اسے کبھی خود سے گزر جانے کا اذن نہ دیا تھا۔

"میں نے کہا' جگا دوں تمہیں۔۔۔ دن کے دس بج رہے ہیں۔ تم گھوڑے بیچ کر سوئی پڑی ہو۔ اپنے گھر میں تم اتنی دیر تک سوتی تھیں؟"

ربیعہ شرمندہ ہو کر بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور چادر کو تہہ لگانے لگی۔ مینا باقی بستر سمیٹنے لگی تھیں۔

"آپ رہنے دیں' میں کرلوں گی پھپھو۔"

"پھپھو!" وہ بھڑک اٹھیں۔ "میں کس رشتے سے تمہاری پھپھو بن گئی بھئی؟ مجھے پھپھو وپھو کہہ کر مت پکارنا۔"

ربیعہ کے ہاتھ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ چہرے پر سفیدی چھا گئی۔ وہ بے طرح شرمندہ ہو گئی تھی۔

"سوری۔۔۔ آنٹی۔" اس نے دھیرے سے کہا۔ "وہ ترانہ آپ کو پھپھو کہتی ہے تو میں نے سوچا۔۔۔"

"خیر۔۔۔ آئندہ خیال رکھنا۔ جلدی سے منہ دھولو۔ میں نے تمہارے لیے ناشتہ بنا دیا ہے۔" وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔ ربیعہ نے آنکھیں بند کر کے بے بسی سے سر ہلایا۔ یہ عورت اس کے لیے ایک معمہ ثابت ہو رہی تھی۔

پل میں تولہ پل میں ماشہ والا مزاج سمجھنا اس کے لیے بے حد مشکل تھا۔

اسے ترانہ کی بات یاد آئی۔ اس نے کہا تھا اسے بھی اس گھر میں ایک سہارے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ ربیعہ نے محسوس کیا تھا مینا اور صولت نے مل کر گھر اور اس کے مکینوں کو اپنے دباؤ میں اس طرح سے لیا ہوا تھا کہ کوئی بھی ان کے مشترکہ محاذ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ایک فالج زدہ شخص اپنے کمرے میں پڑا کھانستا' کھنکھارتا رہتا تھا' کسی کو اس کی اور اسے کسی کی پروا نہ تھی۔ دونوں لڑکے پراسرار شخصیتوں کے مالک تھے۔ کم کم دکھائی دیتے۔ کسی سے کم ہی مخاطب ہوتے۔ ایسے میں ترانہ کو حقیقتاً "ایک سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہوگی۔ وہ گھر کی واحد ہستی تھی جس نے ربیعہ کی آمد کو بے حد

خوشی سے قبول کیا تھا۔

منہ دھو کر وہ کچن میں چلی آئی۔ ایک پلیٹ میں پراٹھا بنا رکھا تھا۔ دوسری پلیٹ میں رات کا بچا ہوا سالن تھا۔ چولہے پر پڑے سلور کے گندے سے ساس پین میں غالباً" چائے کا پانی کھول کھول کر آدھا ہو چکا تھا۔ ربیعہ کا جی متلایا۔ اسے کبھی بھی ایسی گندگی کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔

دادی کی صفائی پسندی تو خیر محلے بھر میں مشہور تھی' لیکن اس کے آس پڑوس کے گھروں میں بھی گھروں کا عموماً" اور باورچی خانے کا خصوصاً" بے حد دھیان رکھا جاتا تھا۔

ربیعہ نے کھولتا ہوا پانی سنک میں گرا دیا اور ساس پین کو مانجھنے لگی۔ صاف ستھرا ساس پین اس نے چولہے پر رکھا تو اسے قدرے اطمینان ہوا۔

وہ پیڑھی پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

مینا کچھ دیر بعد کچن میں داخل ہوئی تھیں۔ ربیعہ نے سر اٹھا کر ایک نظر انہیں دیکھا۔

"تم ناشتہ کرلو تو ذرا اپنے پھوپھا کا کمرہ صاف کرلو۔" وہ بولیں۔

ربیعہ کے ذہن میں وہ کمرہ اور اس کی اشیاء گھوم گئیں۔ اس کا نوالہ حلق سے اترنا مشکل ہو گیا

"جی اچھا۔۔۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

"ویسے تو میں روز ہی یہ کام کرتی ہوں۔ لیکن کھانا پکاتے پکاتے وقت زیادہ ہو جاتا ہے۔ اب تم آ ہی گئی ہو تو ظاہر ہے گھر کے باقی افراد کی طرح تمہیں بھی کوئی نہ کوئی ذمہ داری سنبھالنا ہوگی۔ تم اپنے پھوپھا کا کام کر دیا کرو۔ باقی کام تو کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتا ہے۔ چائے بن گئی ہے۔ چولہا بند کر دوں؟"

"جی۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ "کر دیجیے۔"

"ان کے کمرے میں جو بالٹی پڑی ہے اسے روز صاف کیا کرو۔ گندگی باہر گلی میں پڑی بالٹی میں گرا دیا کرو' جمعدار روز لے جاتا ہے۔ پھر اسے دھو کر صاف کر کے واپس کمرے میں رکھا کرو۔ وہ بے چارے اب اٹھ کر باتھ روم جانے کے تو ہیں نہیں۔ بیماری ہی ایسی پڑی ان پر۔ ورنہ کس کا جی چاہتا ہے ایسے بستروں میں ہی فارغ ہونے کا یوں تو یہ ثواب کا کام ہے۔"

انہوں نے رک کر اس کا ہوائیاں اڑاتا چہرہ دیکھا۔ اس کی پلیٹ میں پڑا پراٹھا بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ سالن پر گھی کی تہہ جم گئی تھی۔ وہ نوالہ لینا بھول گئی تھی۔

"ان کے بستر کی چادر ہر دوسرے روز تبدیل کر دیا کرو۔ ان کا ایک جوڑا روز استری کر کے ٹانگ دیا کرو۔ لڑکے رات کو آتے ہیں' خود ہی تبدیل کروائیں گے۔ یہ ہم عورتوں کا کام تو ہے نہیں۔ باقی یہ ہے کہ ٹب میں پانی بھر کر ان کا ہاتھ منہ دھلوانا تمہارا کام ہے۔ ان کی دوائیوں کا حساب کتاب میں تمہیں بتا دوں گی۔ کس وقت کون سی دوا کتنی مقدار میں دینی ہے' ذہن نشین کرلینا۔"

انہوں نے خود ہی چائے چھان کر اس کے سامنے رکھ دی۔ ربیعہ کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اس نے کبھی اپنے گھر کا ٹوائلٹ تک نہ دھویا تھا۔ ایسے کاموں سے اس کی جان جاتی تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا' کہیں بھاگ جائے' یا پھر دھواں دھار روئے۔ بس وہ کام اسے نہ کرنا پڑیں۔ جن کی فہرست اسے سنائی جا رہی تھی۔

"اور ہاں۔۔۔ منور بھائی کو پیاس کی بیماری ہے۔ انہیں ہر وقت بس پیاس ہی لگی رہتی ہے۔ کولر دوبار بھرتا ہے ان کے کمرے کا۔ خیال رہے' کبھی وہ کولر خالی نہ ہونے پائے ورنہ سمجھو تمہاری شامت ہے۔ تم سن بھی رہی ہو میں کیا کہہ رہی ہوں؟" وہ جھلا گئیں۔

ربیعہ نے جھکا ہوا سر اثبات میں ہلا دیا۔ سر اٹھانے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ اس کی آنکھیں پانی سے بھری ہوئی

تھیں۔ وہ انہیں اپنے آنسو نہ دکھا سکتی تھی۔ وہ چپ چاپ انہیں حلق سے اتارنے کی کوشش میں مصروف رہی۔

"میں نے ترانہ سے کہا ہے۔ تمہارے لیے کسی نوکری کا بندوبست کرے۔" وہ پھر گویا ہوئیں۔

ربیعہ کا دل اچانک مطمئن ہوا۔ گھر سے باہر کی نوکری یقیناً گھر کی اس نوکری سے بہتر ہوتی۔ اسے اپنی عافیت کی ایک راہ نظر آنے لگی۔

"لیکن میں نے اس سے کہا ہے کہ نوکری شام کی ہونی چاہیے۔" انہوں نے مزید کہا۔ "صبح میں تو مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں اکیلی اس گھر میں جان کھپا کھپا کر ادھ موئی ہو چکی ہوں۔"

وہ اطمینان سے کچن سے باہر نکل گئیں۔

ربیعہ نے سر ڈال دیا۔



وہ کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اندر جانے کے لیے کڑے حوصلے کی ضرورت تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے خدا کو یاد کیا اور اندر داخل ہو گئی۔

"کھوں کھوں......" بستر پر پڑا لاچار وجود بری طرح کھانس رہا تھا۔

ربیعہ کے اندر ہمدردی اور خلوص کی لہریں اٹھیں۔ وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"پھوپھا جی......" وہ ان کے پاس بیٹھنے لگی لیکن اگلے ہی پل اسے ابکائی آ گئی تھی۔ ان کے تعفن زدہ بستر پر بیٹھنا اتنا آسان کام نہ تھا۔ بستر کے نیچے رکھی ہوئی بالٹی پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور اس کی بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔

پے در پے ابکائیوں سے ربیعہ کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ وہ اٹھ کر ایک لمحے سے پیشتر کمرے سے باہر نکل گئی اور دروازے سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگی۔

"یا اللہ۔" اس کے دل سے درد کی صورت نکلا تھا۔ "مجھے معاف کر دے۔"

اسے گالوں پر تپش کا احساس ہوا۔ ماتھے پر پسینہ پھوٹ نکلا۔ خدا کو پکارنے پر جواب اگر اتنے قریب سے ملے تو کیا کیفیات ہوتی ہیں۔ اسے اندازہ ہو گیا۔

اس نے ایک نگاہ پھر کمرے کے اندر ڈالی۔ بستر پر پڑا ہوا وہ شخص ایک انسان تھا۔ اس کے اندر بھی حسیات کام کرتی تھیں۔ اسے بھی اچھے برے کی تمیز اگر اب نہ رہی تھی تو کبھی تو رہی ہوگی۔ ربیعہ نے دوپٹے کا پلو ناک پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے اندر گھس گئی۔ ذہن کو بالکل خالی رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے وہ بالٹی اٹھائی اور تقریباً "بھاگتے ہوئے باہر نکل گئی۔ بالٹی کو باہر گلی میں رکھی بڑی بالٹی میں انڈیل کر وہ تیزی سے ٹوائلٹ میں چلی گئی۔ وہاں پڑے برش سے اس نے اچھی طرح اس گندی بالٹی کو صاف کیا تھا۔

اسے دھو کر اس نے ٹوائلٹ میں رکھا فنائل چھڑکا اور کچھ دیر کے لیے وہیں چھوڑ دیا۔ پھر وہ واپس کمرے میں چلی آئی۔

وہ کمرہ کم اور کباڑ خانہ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ فرش ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں سے اس پر جھاڑو نہ دی گئی ہو اور مینا بیگم کا دعوا تھا کہ وہ روز اس کمرے کو صاف کیا کرتی تھیں۔

ربیعہ کو وہ سب کچھ صاف ستھرا کرنے میں دو گھنٹے سے زیادہ وقت لگا۔ اس نے دوائیوں سے اٹی ہوئی ٹرے صاف کی جس میں پرانی، خالی اور بھری شیشیاں تھیں۔ ایکسپائر ہو جانے والی دوائیں تھیں۔ ضروری اور غیر ضروری نسخے تھے۔ اس نے بے حد محنت سے وہ ٹرے صاف ستھری کر کے منور امین کے سرہانے رکھی۔ دیواروں سے مٹی اور جالے صاف کیے۔ ڈسٹنگ کر کے دیگر اشیاء کو چمکایا۔ جھاڑو لگا کر پھر اسپیٹا اور رگڑ رگڑ کے پوچھا لگا کر

گندا فرش چمکانے کی اپنی سی کوشش کی۔ کولر میں رکھا ہوا پانی بدبو دے رہا تھا۔ غالباً "اس کولر کو کبھی دھل کر صاف ہونے کا شرف حاصل نہ ہو پایا تھا۔ ربیعہ نے کولر کا پانی پھینک کر اسے اچھی طرح دھو مانجھ کر صاف کیا اور تازہ پانی میں برف ڈال کر اسے واپس کمرے میں پہنچایا۔

پھر وہ ٹب میں پانی بھر کر کمرے میں لے گئی تھی۔

"پھوپھا جی! ہاتھ منہ دھو لیں۔"

انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا۔ ایسی ہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے پچھلے دو ڈھائی گھنٹے سے جان توڑ محنت کرتا دیکھ رہے تھے۔

"میں صابن اور تولیہ لاتی ہوں۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے گئی تھی۔



رات کو ترانہ اپنے باپ کے لیے پھل لائی تھی۔ اسے غالباً "آج تنخواہ ملی تھی۔ اس کے چہرے پر تازگی سی تھی۔

ربیعہ منور امین کو نسخے کے مطابق گولیاں کھلا رہی تھی۔ ترانہ کمرے میں داخل ہوئی پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کے چہرے پر گویا کسی غلطی کا احساس لکھا تھا۔ پھر اس نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا اور خود کو یقین دلایا کہ اس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی۔ وہ واقعی اپنے باپ کے کمرے میں ہی داخل ہوئی تھی۔

صاف ستھرے بستر پر اس کا باپ صاف ستھرے کپڑے پہنے لیٹا ہوا تھا۔ کمرہ روشن معلوم ہو رہا تھا۔ فرش بالکل صاف اور داغ دھبوں سے پاک تھا۔ کمرے میں شاید اگربتی جلائی گئی تھی۔ ہلکی ہلکی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بستر تک آئی۔ اس کے چہرے پر بے یقینی ثبت تھی۔

ربیعہ نے بشاشت سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"یہ... یہ... سب... تم نے؟" اس سے بولا گیا۔

ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر روشنی سی چمکی تھی۔

"کھوں... کھوں... کھوں... خدا اس کا بھلا کرے... کھوں... کھوں... کھوں..." منور امین نے پانی کا گلاس خالی کر کے اسے دیا۔

ان کا دایاں حصہ کام نہ کرتا تھا لیکن بائیں ہاتھ سے وہ اپنے تقریباً "سبھی کام کر لیا کرتے تھے۔ ترانہ کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اس نے پھلوں کا لفافہ باپ کے سرہانے رکھی میز پر رکھ دیا۔

"تھینک یو ربیعہ!" وہ ممنونیت سے بولی۔

رات کو وہ دونوں چھت پر چلی آئی تھیں۔ صولت صحن میں ماں کے ساتھ بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ ترانہ نے اسے بھی چھت پر چہل قدمی کی پیش کش کی تھی، جسے اس نے ناک چڑھا کر رد کر دیا تھا۔

"میں کھانا کھا کر سوؤں گی۔" وہ رکھائی سے بولی تھی۔

اس کے انداز میں اپنی ماں کا سا اکھڑ پن تھا۔

"میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں ربیعہ...... میں ان کی بیٹی ہوں لیکن یقین مانو کتنے دنوں سے میں اس کام کے لیے ہمتیں مجتمع کر رہی تھی جو تم نے پلک جھپکاتے میں کر دکھایا۔ ابو کا کمرہ اور انہیں یوں صاف ستھرا دیکھ کر میرے دل سے بے اختیار تمہارے لیے دعا نکلی۔ جس گندگی کو صاف کرنے کی ہمت بیٹی اور بہن میں نہ

تھی۔۔۔"

"میں بھی تو ان کی بیٹی جیسی ہوں ترانہ۔" ربیعہ خلوص سے بولی۔ "انہیں یوں مجبور اور لاچار دیکھ کر میرا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ یہ وقت تو کسی پر بھی آسکتا ہے۔"

"تم بہت اچھی ہو ربیعہ۔"

ربیعہ مسکرا کر رہ گئی۔

"پھپھو کا سلوک تم سے کیسا ہے؟" دونوں چھت کی دوسری منڈیر تک چلی آئی تھیں۔

ربیعہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو رہی۔ شہر کی روشنیاں جگنوؤں کی مانند چمک رہی تھیں۔ جھینگروں کی آواز سے خاموش ماحول میں اداسی سی پھیل رہی تھی۔

"یہاں بہت حبس رہتا ہے۔" ربیعہ بولی۔

"ہاں۔ کچھ دنوں میں زور کی برسات پڑے گی۔ پھر موسم اچھا ہو جائے گا۔ خیر' موسم کا کیا ہے ساری بات من کے موسم کی ہے۔ تمہارے من کا موسم کیسا رہتا ہے ربیعہ؟" ربیعہ سوچ میں پڑ گئی۔

"شاید ایسا ہی۔" وہ رک رک کر بولی۔ "اداس اداس' حبس زدہ۔"

"کبھی تم نے اپنے اندر پھول کھلتے محسوس کیے ہیں؟" ترانہ نے پھر پوچھا۔

اس کے لہجے میں خوابوں کی سی بے یقینی تھی۔ ربیعہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ اندھیرے میں بھی وہ اس کے چہرے پر رقم کیفیت دیکھ سکتی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ سمیعہ کا چہرہ دیکھ رہی ہو اور سمیعہ اس سے بدر کی باتیں کر رہی ہو۔

"پھول تمہارے اندر کھلے ہوئے ہیں' ہیں نا؟" ربیعہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"شاید!" وہ مسکرائی۔

"لگتا ہے گلستان دل میں کوئی "مالی" اپائنٹ ہو گیا ہے۔" ربیعہ شرارت سے ہنس پڑی تو ترانہ چونک گئی پھر وہ دونوں زور سے ہنس دیں۔

"بے وقوفوں کی طرح مت ہنسو۔" کوئی ڈپٹ کر بولا۔

وہ دونوں ہی خائف ہو گئیں۔ تمدن سب سے اوپری سیڑھی پر کھڑا تھا۔ وہ کب اوپر چلا آیا انہیں خبر ہی نہ ہوئی۔ شاید وہ اپنی باتوں میں کچھ زیادہ ہی مگن ہو گئی تھیں ورنہ اس کی اسٹک کی آواز اس کی آمد سے قبل ہی اس کی اطلاع دے دیا کرتی تھی۔

"آواز دوسرے گھروں میں جاتی ہے۔" پھر مزید بولا۔ "مجھے روٹی دو۔ بھوک لگی ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ مڑ گیا تھا۔

"مجھے یہ لفظ "بھوک" بہت برا لگتا ہے ربیعہ۔" ترانہ دھیرے سے بولی۔

"کیوں؟" اس کا دھیان تمدن کی جانب تھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے بولی۔

"بس نفرت ہے مجھے اس لفظ سے۔ اسے استعمال کیے بغیر بھی تو کھانا مانگا جا سکتا ہے' ہے نا؟"

ربیعہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔

"چلو۔۔۔ نیچے چلیں۔"

☼ ☼ ☼

"جنے کون کم بخت ہے۔" فردوس بیگم نے تلملا کر ریسیور پٹخا۔

اپنے کمرے سے نکلتی عریشہ کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ وہ فون کی گھنٹی کی آواز سن کر باہر آ ہی رہی تھی جب فردوس بیگم نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب سے ان کی آواز سن کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔

"مسیا مرے اس کی۔۔۔ ہم اپنے کو مشکل سے سنبھالتے ہیں انہیں مستی سوجھتی ہے۔ دوڑتے بھاگتے' ہانڈی چھوڑ کر اس مردار کو سننے آؤ تو دوسری طرف سے "توں ٹوں ٹوں ٹوں" ہونے لگتا ہے۔"

عریشہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی جسے ماں سے چھپانے کے لیے وہ پھر کمرے میں چلی آئی۔ وہ بکتی جھکتی واپس کچن میں جا چکی تھیں۔

عریشہ نے کمرے سے جھانک کر ان کے نہ ہونے کا یقین کیا پھر تیزی سے چلتے ہوئے فون تک آئی۔ سب سے پہلا کام اس نے بیل کی آواز کم کرنے کا کیا تھا۔ اگلے ہی لمحے پھر "کھرر کھرر" ہوئی۔ اس نے سی ایل آئی پر نمبر دیکھتے ہوئے فون اٹھایا۔

"بہت ہی ڈھیٹ شخصیت ہیں آپ۔" اس نے ریسیور اٹھا کر دانت کچکچائے۔

"عاشقی کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے جناب! اس وصف کے بنا عاشقی ناممکن۔" چہک کر کہا گیا۔

"کسی دن گالیاں پڑ گئیں تو عاشقی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

"جی آپ بسم اللہ کیجئے۔ گالیاں کھا کر بے مزہ نہ ہونے کی قسم اٹھائی ہے ہم نے۔"

"یہ کام میری والدہ زیادہ اچھا کرتی ہیں۔ کہیے تو فون انہیں دے دوں؟" اس نے شرارت سے لب دبائے۔

"اللہ ان کے دامن میں خوشیاں بھرے۔ ہم پھر بھی انہیں اور آپ کو یہی دعا دیں گے۔" عریشہ کو بات سمجھ کر ہنسی آ گئی تھی۔

"قسم خدا کی محنت کا پھل مل گیا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "یہ مدھر جھنکار پچھلے گھنٹہ بھر کی محنت کا صلہ لگی ہے۔"

"آپ باتیں تو خوب بناتے ہیں۔" وہ تار کو انگلی پر لپیٹنے لگی۔

"کسی دن ملیے نا۔" محبت سے فرمائش کی گئی۔

عریشہ کا دل اڑ کر چاند پر جا پہنچا۔ چاروں اور رنگ برنگ ستارے چمکنے لگے۔

"میں بند کر رہی ہوں فون۔" اس نے ناز سے دھمکی دی۔

"کل کس وقت کروں؟"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی۔

"بولیں نا۔۔۔ پلیز۔"

"دوپہر دو بجے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اچھا۔" وہ خوش ہو گیا۔ "میرا نام فراز ہے۔ آپ کا؟"

"عریشہ۔"

ماں کو کچن سے نکلتا دیکھ کر اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

"نافع۔" عذرا بیگم نے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے نافع کو پکارا۔

وہ ٹھہر گیا۔ "جی امی۔۔۔ کہیے۔" وہ مڑ کر ان تک آیا۔

"کہیں جا رہے ہو؟"

"جی ہاں' دوست کی طرف جا رہا ہوں۔ کہیے' کوئی سبزی یاد آ گئی؟ آلو' مٹر' بھنڈی' کیا لاؤں؟"

"چلو بیٹو! میرے منہ پر سبزیوں کے نام لکھے ہیں کیا؟" وہ برا مان کر بولیں۔
"جی نہیں! میرے منہ پر لکھے ہیں۔" اس نے دانت نکالے۔ "اسے دیکھتے ہی آپ کو سبزی مارکیٹ یاد آجاتی ہے۔"
انہیں ہنسی آگئی۔
"اب بھلا بیٹوں سے اپنے کام نہ کہوں گی تو کس سے کہوں گی۔" انہوں نے دلار سے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔
"بیٹوں کے ابا سے کہہ کر دیکھیں۔" وہ شرارت سے بولا۔ "وہ بھی کبھی انکار نہ کریں گے۔"
"شریر کہیں کا۔" انہوں نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگائی۔ "اب کچھ عقل سیکھ لو۔ بیاہ کر دیں تو سال بھر میں باپ بن جاؤ گے اور باتیں سنو تو عمر لڑکوں کی سی۔"
"اب بیاہ سے پہلے تو لڑکا ہی رہنے دیں امی!" وہ ہنسا۔
"اسی بات کے لیے روکا تھا تمہیں۔" وہ بیٹھتے ہوئے اصل موضوع کی طرف آئیں۔ "منگنی کروا لیں تمہاری؟ کوئی اعتراض تو نہیں تمہیں؟"
وہ ست پٹا کر رہ گیا۔
"آپ سنجیدہ ہو چلیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا اور ابھی تو کافی وقت پڑا ہے ان خرافات کے لیے۔ لیکن ٹھہریے خدارا سب سے پہلے مجھے اس خوش قسمت کے نام سے آگاہ کر دیجیے جس کا نام قرعہ فال میں یقیناً دادی جان نے نکالا ہے۔ کون ہے وہ؟"
"عرشیہ۔"
"اوہ نو..." اس نے آنکھیں میچیں۔ "جس کا ڈر تھا۔"
"تو کوئی برائی ہے بچی میں؟" انہیں برا لگا۔
"سوائے بچپنے کے..." وہ کراہتے ہوئے بولا۔
"تم میں کم ہو بچپنا تو کہو۔" انہوں نے طنز سے اسے دیکھا۔
"دو بچے مل کر آپ کو بہت ستائیں گے امی! فیصلے پر نظر ثانی کی اپیل ہے۔" وہ دروازے کی جانب بڑھا۔
"نافع بیٹا! بات سن لو تسلی سے۔" انہوں نے اسے پکارا۔ "دیکھو میں صاف صاف پوچھ رہی ہوں تم سے پھر تمہاری دادی بات آگے بڑھائیں گی۔ ابھی اگر دل میں کچھ اور کھچڑی پک رہی ہے تو بتاؤ۔ پھر نہ کہنا ماں نے زبردستی کی ہے۔"
"نہیں کہوں گا۔" وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
انہیں اپنی بات کا جواب مل گیا تھا۔ ان کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

٭ ٭ ٭

"مجھے یقین نہیں آرہا یہ تم ہی ہو۔" انہوں نے بے اختیار اسے شانوں سے تھام کر دیکھا۔ ایقان مسکرا دی۔
"اتنا بدل گئی ہوں آنٹی؟ اب اتنی بھی موٹی نہیں ہوئی ہوں۔" وہ شرارت سے بولی۔
"بدلی نہیں ہو۔ ویسی ہی پیاری ہو۔ یقین اس لیے نہیں آتا کہ مدتوں بعد اس گھر میں قدم رکھا ہے تم نے۔ مانو رستہ ہی بھول گئیں۔" منیزہ بیگم پیار سے بولیں۔
"رستے سب بھولتا ہے آنٹی! وہ بھی بچپن کی ہم جولیوں کے گھر کا رستہ۔ آپ کو بھی اب تک یاد ہوں گے اپنے بچپن کے سب رستے۔" وہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے بولی۔
منیزہ بیگم چلتے چلتے رک سی گئیں۔
"شہلا گھر پر نہیں ہے؟" ایقان نے پوچھا۔
"بس آنے والی ہے۔ تم بیٹھو تب تک ہم باتیں کرتے ہیں۔"
ایقان ان کے ساتھ لاؤنج میں پڑے صوفوں پر بیٹھ گئی۔
"تمہارا بیٹا عمر کا بہت اچھا دوست ہے۔" وہ خوش ہو کر بتانے لگیں۔
"جی ہاں۔" وہ ہنس دی۔ "یہاں آتے ہی آپ کے گھر بھاگتا ہے کہ عمر سے مل کر آتا ہوں۔"
"چلو اچھا ہے۔ ماؤں نے بچوں کو ورثے میں یہ دوستی دی ہے۔ چائے بناؤں تمہارے لیے یا ٹھنڈا پیو گی؟"
"کھانا کھاؤں گی۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔ "لیکن شہلا کے آنے کے بعد۔"
شہلا کچھ ہی دیر میں آگئی تھی۔ ایقان کو دیکھ کر وہ خوشی سے کھل اٹھی۔
"تمہاری یادداشت لوٹ آئی ہے ایقان؟" وہ اس سے لپٹ کر خوش دلی سے بولی۔
"ہاں۔ سب کچھ یاد آگیا ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔ "تمہیں بھی کچھ یاد ہے یا نہیں۔ تم میری بات کبھی نہ ٹالتی تھیں۔"
شہلا لمحہ بھر کے لیے سنجیدہ ہوئی۔ ایقان کی بات میں گہرائی تھی اور اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ پھر وہ مسکرا دی۔
"میں کپڑے بدل کر آتی ہوں۔"
"ضرور۔" ایقان مسکرائی۔
شہلا کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ ایقان کی آمد یقیناً کسی اہمیت کی حامل تھی۔ وہ کچھ پریشان ہوئی۔ ہاشم کا فون [illegible] کر سکتی [illegible] سامنے بیٹھی ایقان کو قائل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ لباس تبدیل کرتے ہوئے وہ مسلسل اسی [illegible] سوچتی رہی۔
"اب لو..." اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "کیسے خیال آگیا؟"
"سچ کہوں تو مجھے بھیجا گیا ہے۔" ایقان نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"[illegible]" اس کی نگاہیں چرا گئیں۔
"جیسے جانتی نہیں ہو۔" ایقان نے ڈانٹا۔
"ایقان پلیز!" شہلا نے لجاجت سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "میری زندگی میں کسی مرد سے تعلق جوڑنے کی رتی برابر جگہ نہیں ہے۔ تم مجھ سے جہاں بھر کی باتیں کر لو لیکن پلیز! یہ بات مت کرنا۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔"
ایقان دم بخود رہ گئی۔ اتنے واضح انکار کے متعلق اس نے سوچا بھی نہ تھا۔
"شہلا۔" اس کے لبوں پر اس کا نام دم توڑ گیا۔

(باقی آئندہ)



خیال رکھتے ہیں۔ دو دکانیں اور ایک گھر اس کی ملکیت ہے۔ حاکم چچا کو دکانوں کا کرایہ لانے کی ذمہ داری سونپ کر وہ قدرے فکرِ معاش سے آزاد ہو جاتی ہے۔ بوا سکینہ بھی پڑوسن ہونے کا حق بھرپور طریقے سے ادا کر رہی ہیں۔ ان کی گفتگو میں ربیعہ کو تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی ان خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے زنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے۔ خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے لیکن ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں سنیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کر کے اکثر اپنے بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔ فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم، ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کے بدلتے رویوں سے تنگ آ کر اپنی پھپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عباد سے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کر رہی ہے۔ وہ از خود اس کی پھپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

گیارہویں قسط

ایقان دکھ کے احساس میں ڈوبی بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہ گئی۔ شہلا اپنے آنسو چھپانے کی کوشش میں ہوئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں یا بہن کے دل میں ان آنسوؤں کو دیکھ کر استفہام پیدا ہو اور بات بڑھے۔ اصرار کو مزید افراد کی کمک حاصل ہو جائے۔ وہ اس بات کو محض اپنے اور ایقان کے مابین ہی ختم کرنا چاہتی تھی۔

”تم نے... امی سے کچھ کہا تو نہیں... میرا مطلب ہے...“

”نہیں۔“ ایقان سر جھکاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ ”میں سب سے پہلے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتی تھی۔ ہاشم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے اس کی بات سن کر فون بند کر دیا تھا، اسے کوئی جواب دیے بغیر۔ وہ اس خاموشی کو تمہاری رضامندی پر محمول کر رہا ہے۔ وہ... بہت... بہت خوش ہے شہلا! تم کیوں ایک پُرخلوص، سچے انسان سے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین رہی ہو، جبکہ اس کی خوشی تمہاری مانگ کی افشاں بھی بن سکتی ہے اور تمہارے بیٹے کے سر کا سائبان بن سکتی ہے... بے وقوفی مت کرو شہلا! زندگی کی حسین ترین تمنا سے سجا ہاتھ تمہاری طرف بڑھا ہوا ہے۔ اس تمنا کو اٹھا کر اپنے دل میں رکھ لو اور اس ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دو۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں یہ مشورہ دے رہی ہوں۔ یہ راہبہ کی سی زندگی کب تک گزارو گی۔ آئینے میں اپنا آپ کبھی غور سے نہیں دیکھا تم نے؟ عمر کے جس دور سے تم گزر رہی ہو، وہاں ہمیشہ ایک ساتھی کے مضبوط سہارے کی ضرورت ہوتی ہے شہلا! میں... میں... اور کیا کہوں تم سے؟“

ایقان بے بسی سے اس کا جھکا ہوا سر دیکھ کر بولی۔ شہلا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی پلکوں پر نمی اور لبوں پر اداس مسکراہٹ تھی۔

”کچھ مت کہو ایقان! جو کچھ تم کہہ رہی ہو، سچ ہے! لفظ لفظ معتبر ہے کیونکہ مجھے تمہارے پُرخلوص ہونے پر رتی برابر بھی شک نہیں ہے۔ لیکن ایقان چہرہ چاہے جو کہے، آنکھیں خواہ کچھ بولیں، انسان مجبور محض دل کے ہاتھوں ہوتا ہے اور مدت ہوئی، میرے دل نے بولنا چھوڑ دیا ہے۔ کچھ نہیں کہتا، گونگا ہو گیا ہے۔ اس کی خواہشات سوئی نہیں ہیں کہ میں ان کے جاگنے کی امید رکھوں... ساری خواہشات مر گئی ہیں ایقان! بس ایک تمنا کی جلتی ہوئی لو ہے میرے راکھ ہوتے دل میں کچھ روشنی ہے۔ میرا بیٹا! میری ہر امید کا واحد مرکز، میری زندگی کی واحد وجہ... میرے ہونے کا اکلوتا ثبوت... میں کسی مرد کی زندگی میں شامل ہو کر اسے کچھ نہ دے پاؤں گی ایقان! کچھ بھی نہیں دے سکتی میں... میں اس کے لبوں پر کبھی ایک مسکراہٹ تک نہ لا سکوں گی، پھر میں کیوں خود کو اور اسے یہ سزا سناؤں؟“

ایقان نے قدرے ناراضی سے اسے دیکھا۔

”جھوٹ بولتی ہو تم شہلا! زندگی میں نشیب و فراز سب کے ساتھ ہیں۔ حادثے بہت سوں کا مقدر بنتے ہیں لیکن لوگ ہنسنا، بولنا، جینا نہیں چھوڑ دیتے۔ ”آئندہ“ تو ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ اس حقیقت سے نگاہیں کیسے چرا سکتی ہو تم؟ تمہارا ”آئندہ“ تمہارے بیٹے کا ”آئندہ“ کیا سوچا ہے تم نے آنے والے کل کے بارے میں؟ تمہاری بہن بیاہ کر اپنے گھر چلی جائے گی، تمہارا بھائی اپنی زندگی کی شروعات کرے گا۔ اس گھر میں اس کی بیوی آئے گی جس کے لیے تم اور تمہارا بچہ ناقابلِ قبول ہوں گے۔ وہ اپنے بچے پا کر تمہارے بچے کو نظر انداز نہ بھی کرے تو تم بھلے نہ کہیں ضرور ایسا محسوس کرو گی۔ اس وقت کیا کرو گی شہلا! جب اس گھر میں تم خود کو مس فٹ تصور کرو گی؟“

شہلا کا چہرہ کرب سے سیاہ پڑنے لگا۔

”مجھے معاف کر دو شہلا! میرا مقصد تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں تھا۔“ ایقان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”تمہارے خلوص پر مجھے شک نہیں ایقان! لیکن اپنے ”آئندہ“ کو محفوظ کرنے کے لیے، اپنے ”کل“ کے مفاد کی خاطر میں کسی کے سچے جذبات کا سودا اپنے مردہ احساسات کے ساتھ نہیں کر سکتی۔ اگر میرے اندر اس خوشی کو پانے کا جذبہ ابھرتا تو میں ضرور آگے بڑھتی لیکن صرف اس لیے کہ مجھے ایک مضبوط ساتھ میسر آ جائے اور عمر کو باپ کے نام کا سائبان مل جائے۔ صرف اس لیے میں کسی کی نیک، پُرخلوص تمناؤں کو اپنی مردہ دلی کا تحفہ پیش نہیں کر سکتی۔“

”تم ہاں کر کے تو دیکھو شہلا! ہاشم ایسا نہیں ہے جیسا تم سوچتی ہو۔ وہ کبھی تم سے کوئی گلہ نہ کرے گا۔ تمہاری بے مہری جب تک مہربانی میں نہ بدل جائے، وہ تب تک اور اس کے بعد بھی ہمیشہ تم سے وفا کرے گا، محبت کرے گا۔“

”اسے آزماؤں یا اپنی بے مہری کو؟ دوست کی محبت میں تم بھتیجے کے ساتھ کچھ زیادتی نہیں کر رہی ہو ایقان؟ میری مانگ ستاروں سے بھر کر اپنی آرزوؤں کے دیپ جلانے کو وہ مجھ سے کچھ نہ چاہے گا؟ میرے اندر جذبوں کے الاؤ سرد اور خاموش ہو چکے ہیں... ہلکی سی چنگاری بھی نظر نہیں آتی... میں اس کے جذبوں کی گرمی کے جواب میں اسے کیا دے پاؤں گی؟“

ایقان دفعتاً خاموش ہو گئی۔ اس بات کا کوئی جواب اس سے بن نہ پایا۔

”مرد کی محبت نے مجھے بہت دکھ پہنچایا ہے ایقان! اتنا دکھ کہ اب میں کبھی بھی ذہنی طور پر کسی مرد کی محبت کو قبول نہیں کر سکتی۔ مجھے مجبور مت کرو پلیز! رہی بات میری اور میرے بیٹے کے مستقبل کی تو خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایک بہتر زندگی عطا کی ہے جو دو سروں کی خدمت میں گزر رہی ہے۔ مجھے اتنا آسرا بہت ہے کہ میں اپنے بیٹے کو اچھا

کھانا، اچھی تعلیم، اچھا مستقبل دے سکتی ہوں۔ بس اللہ کسی کا محتاج نہ کرے۔"

دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ در آیا۔ ایقان کی نگاہوں میں ہاشم کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی روشنی، اس کے لبوں کی وہ مدھم مسکراہٹ، چہرے کی لو۔۔۔ کتنا خوش تھا وہ اسے سب کچھ بتاتے سمے۔ اس کے انگ انگ سے خوشی چھلکی پڑتی تھی۔

"میں نے کہہ دیا پھپھو! سب کچھ کہہ دیا۔ جو کچھ میرے اندر چھپا ہوا تھا برسوں سے، سب کہہ ڈالا۔ میری روح ہلکی پھلکی ہو گئی ہے۔"

"اس نے کیا کہا؟" وہ بے حد پر تجسس تھی۔

"اس نے؟" وہ لمحہ بھر کے لیے مدھم پڑا تھا۔ "خاموشی، نیم رضامندی۔"

وہ ہنس کر بولا تھا۔ اس کی ہنسی میں یقین تھا۔

ایقان نے گہری سانس بھری۔ اس کی زندگی کی حسین تمنا سے سجی ہتھیلی پر اسے شہلا کا انکار رکھنا تھا۔ کس قدر مشکل کام تھا جو اسے کرنا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جلتی ہوئی جوت پھونک مار کر بجھانی تھی۔ اس کی وہ دلی دلی، خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں سے مٹتے ہوئے دیکھنی تھی۔

"اتنا حوصلہ کیسے کروں شہلا!" وہ بول اٹھی۔ "کیسے مایوس ہو جانے دوں اسے؟ اس نے لمحہ لمحہ تمہارے قرب کی تمنا کی ہے۔"

"جانتی ہوں ایقان! لیکن میرے قرب سے اسے خوشی نہیں دکھ ملے گا۔ اسے دکھ سے بچالو۔" شہلا اداسی سے بولی۔ ایقان نے غور سے اس کی سمت دیکھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔

"اچھا۔۔۔ ایسا کرو۔ کچھ دن سوچ لو۔ غور کرلو۔ کیا خبر تمہارا دل کوئی مژدہ سنا دے۔"

شہلا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور مسکرا دی۔

"بہت خوش امید ہو ایقان تم! ہمیشہ کی طرح۔"

"اور تم ویسی ہی ٹھوس۔۔۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "تمہیں احساس نہیں ہے شہلا! کہ تم کس کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کر رہی ہو۔ اپنے آپ کو مناؤ شہلا! دل کے دیپ جلاؤ، جلانے کی کوشش تو کرو۔ اپنی سیاہ آنکھیں غور سے دیکھا کرو، اپنے تراشے ہوئے لبوں پر دھیان دو ذرا۔ اپنی زلفوں سے پوچھو، اتنا حسن تم سے شکایت نہیں کرتا کبھی؟ کہ اسے ایک سراہنے والا درکار ہے، چاہنے والا درکار ہے۔"

شہلا کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس کے گال سرخ ہو گئے تھے۔ ایقان خوش ہو گئی۔

"دیکھا، آئی نا لاج اس تصور سے؟ پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ جذبوں کے الاؤ سرد پڑ گئے ہیں۔ رخساروں پر بکھرتی حرارت جھوٹ نہیں بول سکتی۔"

"ایقان پلیز۔" شہلا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں وقت دے رہی ہوں شہلا! خوب سوچ لو۔ ہاشم کا بجھا ہوا چہرہ دیکھنے کی تاب نہیں ہے مجھ میں۔ میں اسے یہی کہوں گی کہ تم نے سوچنے کے لیے کچھ وقت مانگا ہے۔"

"نہیں ایقان!" وہ بے تابی سے بولی۔ "وہ نجانے کیا سمجھ بیٹھے۔ اپنے اندر آس کے مزید دیے جلا لے۔"

"کیا خبر کسی دیے سے تمہارے اندر کا الاؤ ہی بھڑک اٹھے۔" ایقان نے اسے گھورا۔ "میں کچھ نہیں جانتی، اسے یوں اچانک ہی مایوس اور نامراد مت کرو۔"

پھر اس نے لاچاری سے سر جھکا لیا۔

"حیات ولا" کے بڑے سیاہ گیٹ پر ہی وہ اس کے مقابل تھا۔ ایقان ٹھٹک گئی۔

"کیا کہا پھپھو! اس نے؟" وہ بے تابی سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"ارے! دم تو لینے دو، میرا سانس پھول رہا ہے۔"

"میرا دم نکل رہا ہے پھپھو! آپ کو سانس لینے کی پڑی ہے۔" وہ چڑ گیا۔

"ہائیں۔" وہ رک کر اسے گھورنے لگی۔ "یعنی پھپھو مرتی ہے تو مرے، تمہیں زندگی کی نوید مل جائے۔"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔

اس کے چہرے پر شرمندگی اور بے قراری کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ایقان کھڑی اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کے اندر توڑ پھوڑ سی ہونے لگی۔ اپنا یہ بے وقوف سا بھتیجا جو تقریباً "اس کا ہم عمر تھا" اسے بے حد عزیز تھا۔

"اس نے منع کر دیا پھپھو؟" وہ ویسے ہی نظریں جھکائے ہوئے پوچھنے لگا۔

ایقان ہولے سے مسکرا دی۔

"نہیں۔" وہ رسانیت سے بولی۔

ہاشم چونک اٹھا۔ اس کے چہرے پر روشنی سی لپکی۔

"نہیں؟ مطلب ہاں! اس نے۔۔۔ اس نے۔۔۔"

"ہاں نہیں کی۔" ایقان اطمینان سے کہہ کر پھر چل دی۔

ہاشم چند ثانیے اپنی جگہ پہ کھڑا اس کی بات پر غور کرتا رہا پھر بھنا کر اس کے پیچھے چل دیا۔

"پھپھو۔۔۔ اللہ کا واسطہ ہے آپ کو۔ مجھے اس طرح پاگل بنا کر آپ دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہی ہیں؟ پلیز اپنا یہ شوق آپ پھر کبھی پورا کریں۔"

اس نے ایقان کا بازو تھام لیا۔ ایقان رک گئی۔

"آپ کو میرے انتظار کی کیفیت کا احساس نہیں ہے، ورنہ آپ کبھی ایسا مذاق نہ کریں۔" وہ آہستگی سے بولا۔

ایقان اس کی آنکھوں میں دیکھ نہ پائی۔ اس نے نگاہیں چرا لی تھیں۔

"اس نے ہاں بھی نہیں کی ہے ہاشم! میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"نہ ہاں، نہ ناں۔ یہ کیسا جواب ہے؟" وہ دھیمے سے بولا۔ "اور آپ؟ آپ اس جواب سے مطمئن ہو کر واپس چلی آئیں؟ اسی لیے [illegible] کر بھیجا تھا آپ کو؟"

"دیکھو ہاشم! اس نے سوچنے کے لیے، فیصلہ کرنے کے لیے کچھ وقت مانگا ہے۔ ظاہر ہے، جیسا تم سوچتے رہے ہو، اس کے لیے محسوس کرتے رہے ہو، ویسا اس نے نہیں سوچا پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم ہاتھ بڑھاؤ گے اور وہ جھٹ تمہارے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دے گی۔ وہ ایک ذمہ دار لڑکی ہے، ایک بڑھتے ہوئے بچے کی ماں ہے۔ خود کو مطمئن کرے گی، اپنے گھر والوں سے مشورہ کرے گی، اپنے بچے کو اعتماد میں لینے کی کوشش کرے گی، تب ہی ایک واضح، ٹھوس، درست فیصلہ کر پائے گی۔ تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہو۔"

"سوری۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔ "میں واقعی ایسا سوچ رہا تھا کہ آپ زندگی کا پروانہ لیے چلی آ رہی ہوں گی۔۔۔ میں تو۔۔۔ میں تو تب سے یہیں کھڑا ہوں۔"

ایقان نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ قریباً "تین گھنٹے وہاں گزار کر آئی تھی۔

"ہاشم!" پھر وہ ہمدردی سے بولی۔ "کسی کو چاہو ضرور لیکن چاہت میں خود کو نظر انداز مت کرو۔ اپنی ہستی کو پہلے مقدم جانو، دوسرے کی طلب میں خود کو مٹانے کا فلسفہ میری نگاہ میں تو سراسر غلط ہے۔ بہرحال، زیادہ بے تاب

ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ پھر چل پڑی۔ "یہ یاد رکھنا ہاشم! کہ فیصلے میں ہاں، ناں کا چانس ففٹی ففٹی ہوتا ہے اور عقلمند لوگ ناں کو سیونٹی فائیو پرسنٹ دیتے ہیں تاکہ نتائج کا اثر مثبت ہی رہے۔ دل و دماغ پر اثر انداز نہ ہو اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر وہاں سے انکار ہوا تو میں تمہاری ایک نہ سنوں گی اور مہینے بھر میں بیاہ کر دوں گی تمہارا، ہاں۔"

ہاشم وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"اللہ آپ کا طنطنہ سلامت رکھے۔ پتہ نہیں ہمارے پھوپھا سے اتنی محبت کیسے کر لی آپ نے؟" وہ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا۔



"آج کیسے سہیلی کی یاد جاگی من میں خیر تو ہے؟" شفیقہ حیات نے اسے آتا دیکھ کر اپنے پاؤں سمیٹے۔

وہ سلام کرتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑا سا چلنے سے اس کا سانس پھولنے لگتا تھا۔

"یاد تو خیر ایسی چیز ہے اماں! بنا ٹکٹ کے جب چاہے چلی آتی ہے لیکن اس حال میں اتنا چلنے کی ہمت کہاں تھی مجھ میں، ہاشم کے اصرار پر گئی تھی۔"

"ہاشم کا اصرار ...؟" ان کا ماتھا ٹھنکا۔ "وہ کاہے پر اصرار کرتا ہے؟ تمہارے وہاں جانے سے اس کا کیا تعلق؟"

"بھول گئیں آپ! شہلا نے جب ابرار جیلانی سے شادی کر لی تھی تو کیا حال ہو گیا تھا اس کا؟ مرنے والا ہو گیا تھا۔ اب بھابی جان اس سے شادی کے لیے اصرار کیے جاتی ہیں اور اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی ہے۔ کہتا ہے، شہلا سے ہی کرے گا۔ مجھے بھیجا تھا اس کی رائے لینے کے لیے۔"

شفیقہ حیات ٹھوڑی پر انگلی رکھے حیرانی سے اس کی جانب دیکھتی رہ گئیں۔

"اس نے بھیجا اور تم چلی گئیں؟ ارے لڑکی! بال بچوں والی ہو گئی ہے۔ کب عقل سیکھے گی ایقان؟"

ایقان چونک سی گئی۔ قدرے خفگی سے اس نے ماں کو دیکھا۔

"کیسے بے عقلی کا کون سا مظاہرہ سرزد ہوا مجھ سے؟ وہ اس سے شادی کا خواہاں ہے تو اس میں میرا کیا ہاتھ؟ اور اس میں برائی بھی کیا؟"

"جو بھی برائی ہے، وہ اس کی ماں تمہارے کھاتے میں ڈال دے گی سیدھے سیدھے۔" وہ بگڑ گئیں۔ "بڑی قابل بنی پھر رہی ہو۔ ہاشم سے کہا ہوتا، اپنی ماں، بہن کو بھیجے اس کے گھر۔ وہ جا کر رشتہ ڈالیں وہاں۔ "ہاں" ہوئی تو ہم بھی شرکت کر لیں گے منگنی، بیاہ میں۔"

"جی ہاں۔" وہ طنز سے بولی۔ "وہ بھیجے گا اور وہ چلی بھی جائیں گی۔ اتنی ہی سیدھی ٹھہریں آپ کی بہو بیگم۔ زمین و آسمان ایک کر ڈالیں گی پہلے تو پھر جا کر ڈھیر صلواتیں سنا آئیں گی اس غریب لڑکی کو جس کا رتی برابر قصور نہیں اس سارے قصے میں۔"

"اب تم سنتا وہ ڈھیر صلواتیں......" وہ جل کر بولیں۔ "اور تمہارے وسیلے ہم بھی سن لیں گے۔"

"افوہ اماں! ایسا کچھ نہیں ہوا، جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔" وہ بیزاری سے بولی۔ "کون سا رشتہ جوڑ آئی ہوں میں۔ ذرا سی رائے معلوم کرنے گئی تھی، وہ بھی قطعاً "مثبت نہ ملی۔ بھابھی کو تو پتہ بھی نہ چلے گا۔"

"اچھا۔" شفیقہ حیات کو قصے میں کچھ دلچسپی نظر آئی۔ "منع کر دیا اس نے؟ چلو تو ٹھیک ہے۔ اب اسے اپنا بچہ پالنے کی فکر ہونی چاہیے کہ نوعمروں کے سے شوق کرے گی۔ ہاشم کا تو دماغ چل گیا ہے۔ گھر میں ایک سے ایک ہیرا لڑکی ہے لیکن وہی بات ہے، دور کے ڈھول سہانے۔ گھر کی مرغی دال برابر۔"

ایقان چند لمحے انہیں دیکھتی رہی۔
"اچھا اماں! سچ کہیں، شہلا کی جگہ میں ہوتی تب بھی آپ ایسا ہی کہتیں؟ میرے مستقبل کو اندھا شیشہ سمجھ لیتیں... ان لوگوں کی لسٹ سے نکال دیتیں جنہیں جینے کی تمنا کرنی چاہیے؟"
"بکومت۔" وہ غصہ ہوئیں۔ "میرے منہ کو نہ آؤ، اچھی بات کرو کوئی اور بیٹا! ماں ابھی زندہ ہے، کچھ کرنے سے پہلے صلاح کر لیا کرو تاکہ بعد میں مشکلیں نہ اٹھانی پڑیں۔"
ماں بیٹی کی بحث کے دوران عذرا بیگم بھی چلی آئی تھیں۔
"خیر تو ہے؟" وہ ہنس کر پوچھا۔ "کس بات پر آج ایقان کو بہت دن بعد ڈانٹ پڑ رہی ہے؟"
"ڈانٹ تو مجھے ستر برس کی عمر میں بھی پڑ سکتی ہے بھابھی جان!" اور بے شک پڑے۔ میں محسوس نہیں کرتی۔ اماں ہیں میری، مار بھی لیں تو کوئی بات نہیں، لیکن میں وہ کر گزرتی ہوں جو صحیح اور حق بجانب سمجھتی ہوں۔"
"تو بیٹا! صحیح تو یہی ہے کہ ہاشم رشتہ دے کر ماں بہن کو روانہ کرے۔ تمہیں کیوں اتنی دور سے کھینچ لایا ہے؟ اور اگر ماں بہن راضی نہیں تو پھر یہ صحیح کیسے ہو گیا؟ پہلے گھر والوں کو تو منائے، ماں سے تو جیت کر دکھائے یا دوسری مرتبہ کورٹ میرج کروائے گا تمہاری سہیلی سے۔"
وہ خفگی سے کہنے لگیں۔ ایقان چند لمحوں کے لیے چپ سی ہو گئی۔
"تم جوش میں آ کر عجلت سے زیادہ چست ہو جاتی ہو۔ خود بھی باتیں سنتی ہو، ہمیں بھی سنواتی ہو۔"
"دیکھیں نا بھابھی!" ایقان نے بے بس ہو کر بھاوج کی آڑ لی۔ "ہاشم نے اتنی التجائیں کر کے بھیجا مجھے۔ کیا نہ جاتی؟ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں بنتا؟ اگر وہ اتنی شدید خواہش رکھتا ہے شہلا کے لیے تو اس کی ذرا سی اخلاقی مدد سے مجھے انکار کر دینا چاہیے؟ اماں کہاں ان معاملات کو سمجھ سکتی ہیں۔ دل کے معاملات سے تو انہیں یوں بھی بیر رہا ہے، اپنی بڑی بہو کی طرح۔"
عذرا بیگم ہنسیں۔ شفیقہ حیات کے لبوں پہ بھی مسکراہٹ آ گئی۔
"ہاں بیٹا! درست کہا۔ بیر رہا ہے مجھے ان معاملات سے تب ہی تمہیں بیاہ دیا عاشر میاں کے ساتھ۔ کوئی زور زبردستی نہ کی کہ بیٹی خوش رہے، ہمیں اور کیا چاہیے۔" ایقان ہنس کر ان کے گلے لگ گئی۔
"ٹھیک ہی تو ہے۔" عذرا بیگم بولیں۔ "زندگی ہاشم کو گزارنا ہے۔ اگر وہ ایسا چاہتا ہے تو بھابھی بیگم کو روڑے نہیں اٹکانے چاہئیں۔ کیا حال ہوا تھا اس کا، بھول گئیں کیا وہ؟ میرا بیٹا اگر اتنی شدت سے کسی کو چاہے تو میں سر کے بل بیاہنے جاؤں اسے۔"
"آپ کا بیٹا؟" ایقان نے منہ بنا کر انہیں دیکھا۔ "بیل ہے وہ تو... نازک احساسات سے اسے کچھ واسطہ نہیں۔ مجھے کہتا ہے۔ 'اپنا تو یہ ڈپارٹمنٹ ہی نہیں۔'"
"ارے سچ تو کہتا ہے۔" شفیقہ حیات جل کر بولیں۔ "سب خلل ہے دماغوں کا۔"
ایقان نے بے بسی سے ان کو دیکھا۔

☆ ☆ ☆

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟" ڈرتے ڈرتے اس نے کہا تھا۔
اس گھر میں سوائے ترانہ کے اسے ہر کسی کو مخاطب کرتے ہوئے بے حد خوف محسوس ہوتا تھا۔ یہاں کے سب ہی افراد عجیب پراسرار [illegible] کی دھند میں لپٹے ہوئے تھے۔ ربیعہ کو یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی اور سیارے پر آ گئی ہو، جہاں الفاظ اپنا مفہوم بدل چکے ہوں اور رویے اپنی سمت کھو بیٹھے ہوں۔ ہر شخص ایک عجیب انداز کا

مالک تھا۔ ربیعہ کو اپنا آپ اجنبی لگنے لگتا تھا۔
اس وقت بھی وہ منور امین کو دوا کھلا کر ان کے گلاس خالی کرنے کی منتظر تھی۔
"پوچھو... ضرور پوچھو۔" انہوں نے خالی گلاس اسے تھمایا۔ "پوچھنا چاہیے تمہیں۔"
"آپ... اتنا پانی کیوں پیتے ہیں؟"
اس کی بات پر انہوں نے قدرے خفگی اور بے حد اچنبھے سے اسے دیکھا۔ غالباً وہ سمجھ رہے تھے کہ ربیعہ ان سے اپنی پچھلی زندگی کی کوئی بات جاننا چاہتی ہے، اسی لیے انہوں نے بے حد بڑے پن سے اسے اجازت دی تھی اور اب وہ اسے غصے سے دیکھ رہے تھے۔
"آگ لگی ہے میرے اندر... آتش فشاں ہے، اسے بجھا رہا ہوں... احمق لڑکی... یہ سوال پوچھا ہے... احمقانہ... بھلا پانی کیوں پیتا ہوں... کھوں کھوں کھوں... پانی کوئی کیوں پیتا ہے؟ ڈاکٹر نے بولا ہے مجھے زیادہ پانی پیو، اس لیے پیتا ہوں۔ تم کیوں پانی پیتی ہو؟ نہ پی کر دیکھو ذرا دو دن... لگ پتہ جائے تمہیں۔ ذرا سا کولر میں پانی بھرنا پڑ گیا تو میرا پانی پینا برا لگتا ہے تمہیں۔ کھوں کھوں کھوں... اچھا بابا... مت دو مجھے پانی تم... پیاسا مار دو اور تم کر بھی کیا سکتی ہو۔ آخر کس باپ کی بیٹی ہو... پیاسا ہی مارو گی... کھوں کھوں..."
ربیعہ سے سانس لینا محال ہو گیا۔ وہ گھبرا کر تیزی سے کمرے سے نکل آئی۔ وہ خود کو کوس رہی تھی۔ جب اسے علم تھا کہ یہاں ہر شخص پل میں تولہ، پل میں ماشہ ہے تو بھلا اسے ایسا سوال پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ خواہ دن بھر میں دو کی جگہ دس کولر پانی پی جائیں، اسے کیا لینا دینا لیکن بات محض اتنی تھی کہ ایک جیتے جاگتے انسان کے لیے بات کرنا بھی ایک ضروری عمل ہے۔ خاموش رہ رہ کر اس کے جبڑے درد کرنے لگتے تھے، دل گھبرانے لگتا تھا۔ ایسے میں اگر وہ چاہتی کوئی بات کرتی تو کسی نہ کسی بات کا یہی ردعمل سامنے آتا جو ابھی سامنے آیا تھا۔ صولت کو مخاطب کرتی تو جواب میں تھپڑ کھینچ مارتی۔ منور امین صرف جسمانی ہی نہیں، ذہنی بیمار بھی تھے۔ ان کا ایک نرس کی طرح ان کی ڈیوٹی نبھاتی ربیعہ جب کبھی اپنے آپ کو چند ایک نمبر زیادہ دینے کی کوشش کرتی تو وہ اس کے خلوص کے صفحے پر بھی لکیر کھینچ کر اسے فیل قرار دے دیتے تھے۔ وہ برآمدے میں رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔
تب برابر والے کمرے سے اسٹک کے سہارے چلتا ہوا تمدن باہر آیا۔ ربیعہ نے اٹھنے کے متعلق سوچا لیکن وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ کوئی راہ فرار نہ تھی۔ اس کے اٹھ جانے پر ایک اور برا ردعمل سامنے آنے کا خدشہ تھا۔
"ابا کیوں چیخ رہے ہیں؟" وہ آہستگی سے پوچھنے لگا۔
"جی... وہ... پتہ نہیں۔" اس کے آنسو نکلنے لگے۔ "میں نے... شاید غلط بات پوچھ لی تھی۔"
"کیا پوچھا تم نے؟" وہ کچھ چونکتا ہوا۔ "پیسوں کے متعلق؟"
"پیسے؟" ربیعہ بے حد حیران ہوئی۔ "کون سے پیسے؟ میں تو ان سے پوچھ رہی تھی کہ آخر وہ اتنا پانی کیوں پیتے ہیں۔ صبح سے وہ اب تک بیس چالیس گلاس پانی پی چکے ہیں۔ بس اس بات پر وہ ناراض ہو گئے۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ ان کو برا لگے گا... تو میں... ہرگز نہ پوچھتی۔"
اسے بے حد رونا آ رہا تھا۔
"پانی کیوں پیتے ہیں... ہاہا... اتنا پانی... ہاہا..." اسے اس بات سے بڑا لطف آیا۔
ربیعہ اسے دیکھنے لگی۔ اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔
"شکر ہے تمدن بھائی! آپ کو ہنستے دیکھا، ورنہ آپ بھی ناراض ناراض سے رہتے ہیں، نجانے کیوں۔ یہاں

سب لوگ غصے میں رہتے ہیں' سوائے ترانہ کے۔ تصور بھائی تو کبھی کبھی بات کر بھی لیتے ہیں لیکن آپ۔۔۔" ترانہ اسے عجیب سے انداز سے دیکھ رہا تھا۔ ربیعہ جھینپ کر خاموش ہو گئی۔

٭ ٭ ٭

"ذرا ذرا سا یاد پڑتا ہے مجھے۔ میں شاید تین برس کی ہوں گی یا چار برس کی۔ تمنا آپی مجھ سے دو برس بڑی تھیں۔ ہم گھر کے صحن میں بھاگتے پھرتے تھے' دھندلے دھندلے سے خاکے بنتے ہیں ذہن میں اور مٹ جاتے ہیں۔ پھپھو بتاتی تھیں کہ آپی کو اچانک ہی شدید بخار ہوا۔ اتنا تیز بخار کہ لگتا تھا بدن کسی آگ سے جل رہا ہے۔ تین دن یہی کیفیت طاری رہی۔ امی ان کی چارپائی کی پٹی سے لگی بیٹھی رہیں۔ انہیں آپی سے بے حد محبت تھی۔ تین دن تک نہ آپی کے منہ میں دانہ گیا' نہ ہی امی نے کچھ کھایا پیا۔ تیسرے دن آپی نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔"

ترانہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

ربیعہ بھی افسردہ ہو گئی۔ وہ دونوں بڑے سے پرانے برگد کی چھاؤں تلے بینچ پر بیٹھی تھیں۔ پارک گھر کے نزدیک ہی تھا۔ آج ترانہ کے اصرار پر وہ اس کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے یہاں تک چلی آئی تھی۔

"اور پھپھو؟" ربیعہ نے سوگواری سے پوچھا۔

"امی' آپی کی موت کے بعد زیادہ عرصے زندہ نہ رہیں۔ انہیں آپی کا غم کھا گیا' وہ دکھی رہا کرتی تھیں' اکثر رویا کرتیں' اندر ہی اندر گھلتی گئیں وہ۔ امی کی وفات سے تمدن بھائی کے دماغ پر برا اثر پڑا۔ انہیں راتوں میں چلنے کی عادت ہو گئی۔ آدھی رات کو نیند میں اٹھ کر چھت پر چلے جاتے تھے۔ ایک دن سیڑھیوں سے گر گئے' ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ کئی دن بستر پڑے رہے لیکن ابا جی۔۔۔" وہ ایک گہری سانس بھر کر خاموش ہو گئی۔

"ابا جی بھی ہمارے بس اپنے نام کے ایک ہیں۔ بیٹا بستر پر دس دن تڑپتا رہا لیکن ابا جی کو اپنی عیاشیوں سے فرصت نہ ملی۔ پھپھو ہی ترس کھا کر ایک دن کسی جراح کو بلا لائیں۔ اس نے الٹی سیدھی پٹی کر کے اپنی فیس لی اور چلتا بنا۔ بعد میں ہڈی کسی طور سیدھی نہ ہوئی' ہمیشہ کا نقص رہ گیا۔"

ربیعہ کے ذہن میں منور امین کا چہرہ اور ان کے الفاظ گھوم گئے۔

"آخر کس باپ کی بیٹی ہو' پیاسا ہی مارو گی۔"

وہ اپنے باپ کے متعلق کچھ نہ جانتی تھی لیکن وہ الفاظ اس کی روح میں ترازو تھے۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر کی مانند۔

"ترانہ!" وہ کسی سوچ میں گم ہو کر بولی تھی۔

"ہوں' کہو؟" وہ اپنی سوچ سے نکلی۔

"تم۔۔۔ میرے متعلق کیا جانتی ہو؟ میرے امی' ابو کے متعلق؟ دادی نے مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔" ترانہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ وہ گھاس کا تنکا چبانے میں مگن تھی۔

"میں۔۔۔ کچھ زیادہ تو نہیں جانتی ربیعہ! بس مجھے یہ علم ہے کہ مینا پھپھو' تمہارے ابو سے منسوب تھیں۔ احمد جہانزیب سے۔۔۔ میرے ماموں سے۔۔۔ پھر ماموں نے اچانک تمہاری امی سے شادی کر لی۔۔۔ تمہاری امی۔۔۔" وہ کچھ تذبذب کا شکار ہو کر خاموش ہو گئی۔

"ہاں۔۔۔ بولو نا۔۔۔" ربیعہ نے اسے پکارا۔

اچانک ہی اس کا ذہن دوسری جانب متوجہ ہوا تھا۔ اس کے سامنے والی بینچ پر عباد بیٹھا۔ اپنے کسی دوست کے

ساتھ باتیں کرنے میں مشغول تھا۔ اس کی نگاہیں ربیعہ کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں پھر اس نے چند لمحوں بعد نگاہ ہٹا لی تھی اور اپنے دوست کی جانب دیکھنے لگا۔

ربیعہ کا دل بڑے زور سے دھڑکا تھا۔ اس کے پورے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے عرصے کے بعد کسی اپنے کو دیکھا ہو۔ خوشی کی سنسناتی لہر کے زیر اثر وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ عباد نے اسے کھڑا ہوتے ہوئے دیکھا تو بے اختیار ہی وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں لمحوں میں ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

"آپ۔۔۔ عباد۔۔۔ آپ یہاں۔۔۔" ربیعہ کا لہجہ بے قابو ہو گیا۔

"میں۔۔۔" اس نے ایک محتاط نگاہ پیچھے بینچ پر بیٹھی ترانہ پر ڈالی تھی۔ "میں روز یہاں آتا ہوں ربیعہ! ترانہ۔۔۔ میں آپ سے بات کر سکتا ہوں نا؟ کوئی مسئلہ تو نہیں؟"

"مسئلہ؟" ربیعہ نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ "اوہ نہیں' کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ ترانہ ہے۔ میری پھوپھی زاد بہن۔۔۔ وہ بہت اچھی ہے۔۔۔ آپ کچھ محسوس نہ کریں۔"

"مجھے بے چینی سی تھی۔" "تھینک گاڈ کہ آپ کو خیریت سے دیکھ رہا ہوں۔ نجانے کیوں ربیعہ! میں۔۔۔ میں ذہنی طور پر آپ سے اٹیچ منٹ محسوس کرتا ہوں۔ آپ کچھ اور خیال مت کیجئے گا۔ اس ایک ذرا سے سفر نے ان جانا سا تعلق جوڑ دیا ہے ہمارے بیچ۔ میں اتنے دنوں پریشان رہا کہ قدرت نے جو ذمہ داری مجھے سونپی تھی' پتہ نہیں میں نے ٹھیک سے نبھایا بھی یا نہیں۔ کبھی مجھے وہم ستاتے کہ میں نے ایک چھوٹی سی' معصوم سی' فرشتوں جیسی لڑکی کو اکیلے ایک اجنبی گھر میں کیوں جانے دیا۔ کبھی میں سوچتا' جا کر آپ کی خیریت دریافت کروں لیکن پھر خیال آتا کہ میرا آپ کا تعلق ہی کیا ہے؟ چند گھنٹوں کا ساتھ بھلا کب اتنا استحقاق بخشتا ہے۔ کسی نے کچھ غلط سمجھ لیا تو آپ کو مشکل ہو جائے گی۔ آپ سے میرے متعلق الٹے سیدھے سوال کیے جائیں گے۔ خیر' شکر ہے خدا کا۔ آپ بخیریت دکھائی دیتی ہیں۔" وہ مسکرایا۔

ربیعہ بھی کھل کر مسکرا دی۔ اتنی دیر تک وہ اسے بولتا ہوا دیکھتی رہی۔ وہ اس کے لیے اتنا پریشان تھا' وہ اتنے دنوں سے بے چین تھا۔ اس کے من پر ٹھنڈی پھوار برس رہی تھی۔ عباد کے چہرے سے روشنی اتر کر اس کی نگاہوں میں جذب ہو رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی۔" وہ نجانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر بولی۔ "اور آپ اگر آتے تو مجھے کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ میں سب سے کہتی یہ میرا بھائی ہے۔"

عباد نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں اتنے دنوں سے یہاں صرف تمہارے لیے آتا ہوں ربیعہ! اس امید پر کہ شاید تم کبھی یہاں آؤ' یہاں سے گزرو تو میں تمہاری خیریت معلوم کر لوں۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"گھر والے کیسے ہیں؟" وہ قدرے تذبذب کا شکار ہوا۔

"ٹھیک ہیں۔" وہ یہی کہہ پائی۔ "وہ ترانہ ہے نا' وہ بہت اچھی ہے۔ میرا خیال رکھتی ہے۔"

"میرا نمبر ہے نا تمہارے پاس؟"

"ہاں' وہ کارڈ میں نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔"

"میں۔۔۔ آ سکتا ہوں ملنے؟ تمہارے گھر؟"

ربیعہ نے چند لمحے سوچا۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال مینا کا آیا۔

"میں ترانہ سے پوچھ کر بتاؤں گی۔ ہم کچھ دن بعد پھر آئیں گے یہاں۔" عباد مسکرا دیا۔

"نا معلوم کیوں ربیعہ! مجھے جیسے الہام ہوا ہو کہ قدرت نے ہمیں یونہی نہیں ملایا۔ میں سوتے سوتے تمہارے خیال سے جاگ اٹھتا ہوں۔ جیسے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری سونپی ہو خدا نے مجھے۔ بس اسی احساس کے زیر اثر میں نے گھر آنے کے متعلق پوچھا ہے۔"

"مجھے کوئی وہم نہیں ہے عباد بھائی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ گھر..... میرا نہیں ہے۔"

"اٹس اوکے! اچھی لڑکی۔ اب چلتا ہوں پھر ملیں گے۔"

"انشاء اللہ۔"

وہ مڑ کر اپنے دوست تک گیا پھر دونوں اٹھ کر پارک کی عقبی سمت چل دیے۔ ربیعہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"کون تھا یہ؟" ترانہ کی آواز میں بھرپور حیرت تھی۔ "یہاں لاہور میں تم کسی کو کیسے جانتی ہو؟" ترانہ اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھی۔

"ہم ٹرین میں ملے تھے' ساتھ ہی لاہور اترے تھے اور تمہارا گھر ڈھونڈنے میں انہوں نے میری مدد کی تھی' ورنہ میں تو شاید دو دن بعد پہنچ پاتی تمہارے گھر۔" ربیعہ ہنس دی۔

"او..." ترانہ معنی خیزی سے بولی۔ "اور یہ حضرت یہاں سرگشت کیوں کر رہے تھے؟"

"میرے لیے۔" ربیعہ بھرپور اطمینان سے بولی۔ "میں نے ان کو مختصراً" اپنے متعلق بتایا تھا۔"

"گھر آنے کی ہمت نہ ہوئی جناب کی؟" ترانہ کی شوخی معنی رکھتی تھی۔

ربیعہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"مائی ڈیئر ترانہ بی بی! اپنے یہ بڑے بڑے کان صاف کر کے سنو' اس کا نام عباد ہے اور میں اسے بھائی کہتی ہوں۔ بھائی... سنا تم نے؟ عباد بھائی۔"

"اور وہ تمہیں "دمنی" کہتا ہے' ہے نا؟" اس نے ناک چڑھائی۔ ربیعہ مسکرا دی۔

"چلو گھر چلیں۔"

وہ دونوں گھر کی سمت چل دیں۔ ربیعہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے زوروں کی بارش ہوئی ہو اور حبس بالکل ختم ہو گیا ہو۔ فضا صاف اور اجلی ہو۔

"پتا ہے ترانہ! میرے من کا موسم آج بہت بہت اچھا ہو رہا ہے۔"

"اپنے "بھائی" سے ملنے سے پہلے یا ملنے کے بعد؟" وہ بے نیازی سے پوچھنے لگی۔

"ملنے کے بعد۔" ترانہ ٹھنک کر رکی۔

"خدا کے لیے ربیعہ! یہ غضب مت ڈھانا۔ پھپھو اور صولت تمہیں کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے پر مجبور کر دیں گی اور تمدن بھائی! خدا کی پناہ! ایسے ایسے سوال پوچھیں گے کہ تمہاری روح کانپ اٹھے گی۔ مجھے اس کا انتہائی برا تجربہ ہے۔"

ربیعہ خوفزدہ ہو گئی۔

"اچھا... ٹھیک ہے۔ میں عباد بھائی کو سختی سے منع کر دوں گی۔"

"ایک مرتبہ میں بہت بیمار پڑ گئی۔" ترانہ بتانے لگی۔ "باری میری خیریت پوچھنے گھر چلا آیا' بس سمجھو

قیامت ہی آ گئی۔ پھپھو تو اتنے دن تک....."

"باری؟" ربیعہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ "باری کون؟"

"عبدالباری۔" ترانہ جھینپ کر بولی۔ اس کے گال سرخ ہو گئے تھے۔

"گلستان دل کا مالی؟" ربیعہ نے شرارت سے پوچھا۔

اس نے شرمیلے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ اور دونوں قہقہہ لگا کر ہنس دی تھیں۔

☆ ☆ ☆

آج وہ پھر اسے لینے چلی آئی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے لباس میں وہ بے حد حسین نظر آتی تھی۔ بے پروائی سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ اپنی اڑتی ہوئی زلفیں بھی سمیٹتی جا رہی تھی۔

موسم خاصا خوبصورت ہو رہا تھا۔ عاشر اسے دیکھے گیا۔

"اے مسٹر!" اس نے عاشر کو چھیڑا۔ "یہ تم مجھے اتنا گھور کیوں رہے ہو؟ لگتا ہے آج میں بہت خوبصورت لگ رہی ہوں۔"

"یہ تو ہے!" وہ خلاف توقع فوراً" مان گیا۔ "یہ لباس تم پر اچھا لگ رہا ہے اور اس موسم میں تم اچھی لگ رہی ہو۔"

"رئیلی!" وہ چونک اٹھی۔ اس کے چہرے پر موسم کے سب رنگ اتر آئے۔

"عورت... عورت ہے!" عاشر مسکرایا۔ "چاہے پاکستان ہو' کیا ولایت! لزا! یہ تم عورتیں تعریف سے اتنا خوش کیوں ہو جاتی ہو؟"

وہ چند لمحے شرارت سے مسکراتی رہی پھر بولی۔

"جیسے تم مرد محبت کا اظہار سن کر مغرور ہو جاتے ہو! بس یہی بات ہے۔ اصل میں عاشر! تعریف کرنے کا جذبہ خدا نے مرد کے دل میں رکھا اور تعریف کروانے کا جذبہ عورت کے دل میں' تم مردانی ڈیوٹی بھول گئے تو عورتیں اداس ہو گئیں۔ اب کبھی کبھار جب تم جیسے مغرور مرد کو اپنی ڈیوٹی یاد آجائے تو ہم عورتیں تو خوش ہوں گی نا!"

"او..... تو محترمہ کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملانا ہم مردوں کی ذمہ داری ہے۔ واہ ویل سینڈ!"

"تم مانو یا نہ مانو!" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"اور عورتوں کی ڈیوٹی؟ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے؟"

"ایک نہیں' بہت سی ہیں۔ مرد سے محبت کرنا' اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینا' مرد کے بچے پیدا کرنا۔ انہیں پالنا' عورت کی ذمہ داری ہے نا!"

"تم تو خالص مغربی عورت ہو لزا!" عاشر نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔ "تمہارا باپ انگریز تھا اور ماں امریکن؟"

"ہاں تو پھر؟" اس نے قدرے حیرت سے عاشر کو دیکھا۔

"خیالات تو ہمارے ہاں سے درآمد کیے ہوئے لگتے ہیں!" اس نے شرارت سے نچلا لب دبایا۔

لزا نے قدرے برا مناتے ہوئے اسے گھورا۔

"یہ تم مشرقی لوگ خود کو پتا نہیں کیا سمجھتے ہو! جیسے دنیا کی ہر اچھائی تم ہی سے وابستہ ہے۔ وفا اور محبت کے سارے جذبوں پر تمہاری حکمرانی ہے میں مانتی ہوں کہ ہمارے ہاں شخصی آزادی کی وجہ سے عورتوں میں مردوں کی

برابری کا جذبہ پایا جاتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مغرب کی عورت گھر بنانا نہیں جانتی' کسنا نہیں جانتی' بچے نہیں پالتی' کیا نہیں کرتی مغرب کی عورت؟ تمہاری عورتیں تو جنت میں رہتی ہیں اپنے گھروں میں ملکاؤں کی طرح حکومت کرتی ہیں۔ کام ملازماؤں کے سپرد ہوتے ہیں اور گھر چلانے کی ذمہ داری مرد کی ہوتی ہے۔ ہم تو گھر میں بھی کام کرتے ہیں اور گھر سے باہر ملک چلانے میں بھی مرد کے شانہ بشانہ ہوتے ہیں۔ تبھی تو ترقی یافتہ ممالک کے عوام کہلانے کا لطف اٹھاتے ہیں۔"

"ویٹس اٹ.... ویٹس اٹ!" عاشر نے تالیاں بجائیں "بھئی لاجواب کر دیا تم نے تو! ویسے ایک بات پوچھوں لزا؟ تم اکیلی کیوں ہو؟ میرا مطلب ہے تمہارے والدین' بہن بھائی؟"

"میں بتا تو چکی ہوں تمہیں۔ ماں باپ میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ ہم تین بہن بھائی تھے' دو بہنیں' ایک بھائی' بھائی ہپی ازم سے متاثر ہو کر ساری دنیا میں مارا مارا پھرتا ہے اور میری بہن یو کے میں ہی سیٹل ہو گئی۔ مجھے کمپنی نے یہاں بھیج دیا اور یہاں تم سے ملاقات ہو گئی۔ یہی اسٹرائیکنگ موڑ ہے زندگی کا۔ اس سے آگے اب کچھ دیکھنے کی تمنا اگر ہے تو وہ ہے تمہارا ملک' تمہاری بیوی۔"

"سنو عاشر! مجھ سے شادی کر لو!" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں بہت زیادہ سیریس ہوں تمہارے لیے۔"

"لزا! میری بیوی مجھ سے بے پناہ عشق کرتی ہے۔" وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "میری زندگی مکمل ہے اس میں کسی رنگ کی کمی نہیں ہے۔ تم اپنے آپ کو سمجھاؤ' خواہ اس میں کتنا ہی وقت لگے۔ یہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ بہت سوں کے لیے بہتر ہے۔ ہم اچھے دوست ہیں' اور جب تک میں یہاں ہوں رہیں گے.... بس! اس سے زیادہ میں افورڈ نہیں کر سکتا۔"

وہ کچھ دیر بالکل خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد عاشر کا گھر آ گیا۔ لزا نے پارکنگ ایریا میں گاڑی روکی۔

"سنو عاشر!" اچانک وہ بولی۔ "تم نے کہا تمہاری بیوی تم سے بے پناہ عشق کرتی ہے۔ میں منتظر رہی کہ تم کہو گے میں بھی اس سے بے پناہ عشق کرتا ہوں۔ میری زندگی میں تمہاری محبت کے لیے جگہ نہیں ہے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کہا۔ جانتے ہو کیوں؟ مرد کی محبت بے در کا گنبد نہیں ہوتی۔ اس میں ہمیشہ چور دروازہ ہوتا ہے۔ اگر تم مجھے اس دروازے سے بلاؤ گے میں تب بھی آ جاؤں گی۔ میری بات پہ غور کرنا!"

وہ گاڑی ریورس کر کے تیزی سے لے گئی۔ اور عاشر اس کے الفاظ پر غور کرتا رہ گیا تھا۔



کروٹیں بدلتے بدلتے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اسے کسی طور آرام نہ آتا تھا! نجانے من کو کیا بے کلی تھی۔

وہ بستر سے اتر کر دروازے تک چلی آئی۔ باہر لاؤنج میں اندھیرا ہو رہا تھا۔ اوپری کمروں کی بتیاں بھی گل ہو چکی تھیں۔ ابھی کچھ دیر قبل علی اور حمزہ کے کمرے کی لائٹ روشن تھی۔ لیکن اب وہ بھی بجھ چکی تھی۔ سب بتیاں گل ہو گئیں تو عریشہ کے من میں ایک چراغ کی روشنی ہوئی۔ اندھیرا پھیلا تو اس نے جانا کہ دل کو آنچ لگی ہوئی ہے۔ کسی نے دل نگری میں اس کا دل ہتھیا لیا تھا۔

چھوٹی سی تھی تو فردوس بیگم دن رات رافع کے قصیدے پڑھا کرتی تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے اس کی خوبیوں کا ذکر کرتیں۔ اس کا لانبا قد انہیں بھاتا تھا' اس کی خوبصورتی کی وہ مداح تھیں۔ اس کے ادب و آداب سے وہ بے حد خوش رہتیں۔ عریشہ کا ذہن ماں کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ اسے بھی رافع اچھا لگنے لگا۔ محبت وحبت کی اسے سمجھ تھی نہ

پہچان۔ بس اتنا علم تھا کہ وہ اچھا لگتا تھا۔ یہ پتا تھا کہ ماں ایسا چاہتی ہے پھر فردوس بیگم کے تیور اچانک ہی بگڑ گئے۔ رافع نے اس کے لیے انکار کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ وہ تو اس کے لیے ثانیہ اور سدرہ جیسی ہے۔ اس نے ہمیشہ اسے چھوٹی بہن کی طرح سمجھا ہے۔ عریشہ کے معصوم سے دل کو رنج سا ہوا تھا۔ آبگینے کو ٹھیس لگی تھی۔ لیکن وہ لاپروائی اور بے نیازی کی عمر تھی چند دنوں میں وہ سب کچھ بھول بھال گئی۔ ماں نے کدورت کو بڑی حفاظت سے دل کے نہاں خانوں میں سینت سینت کر رکھ لیا تھا لیکن عریشہ کو یہ بات یاد بھی نہ آئی تھی۔ سہیلیوں اور ہم جولیوں سے مل کر اونچے اونچے قہقہے لگا...

لیکن اچانک ہی جیسے کوئی گم گشتہ جذبہ یاد آیا تھا۔ دل کو پھر آنچ لگی تھی۔ وجود میں گلابی کنول تیرنے لگے تھے۔ کسی کی شوخ چہکتی آواز نے دل میں نقب لگائی تھی۔

"چند دنوں کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔ واپس آ کر یاد کروں گا آپ کو۔" اس نے کہا تھا۔ عریشہ کو اندازہ نہ تھا، یہ چند دن گزارنے کس قدر مشکل ہو جائیں گے۔ اس کا جی بہلتا ہی نہیں تھا، اور آج پورا ہفتہ ہو گیا تھا اسے گئے ہوئے۔

عریشہ ہار گئی تھی۔ اس نے کبھی اسے فون نہ کیا تھا۔ ہمیشہ بے نیازی کی چادر اوڑھ کر بات کی تھی۔ جیسے چند لفظ بول کر احسان کیا ہو۔

آج جی کہتا تھا، وہ اس کا احسان مانے اگر اس کی آواز سن پائے تو... کتنی اچھی باتیں کرتا تھا وہ، شگفتہ نکھری نکھری گفتگو سن کر من ہلکا پھلکا ہو جاتا تھا۔ عریشہ کا دل شدت سے اس کی باتوں کو یاد کرنے لگا۔

اس نے بالآخر لاؤنج میں آ کر اس کا نمبر ڈائل کیا۔ موبائل آف تھا۔ اس نے مایوس ہو کر فون رکھ دیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کیسی بے بسی تھی۔

اس نے ایک مرتبہ پھر نمبر ڈائل کیا۔ مگر نتیجہ وہی تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"گھرر... گھرر..." ہلکی کی گئی بیل بجی تھی۔

وہ یوں اچھلی جیسے سانپ دیکھ لیا ہو۔ سناٹے میں بیل کی اتنی مدھم آواز بھی کافی تیز لگتی تھی۔ اس نے فون اٹھایا۔

"ہیلو..." وہ مدھم سروں میں بولی۔

"آداب!" دوسری جانب سے سرگوشی آئی۔

عریشہ کا دل سات سروں میں گنگنانے لگا۔ رواں رواں مہک اٹھا۔

"آپ! آپ آ گئے!" اس کی ساری خوشی چند لفظوں میں سمٹ آئی۔

"آپ کو اچھا لگا؟" نہایت شوق سے پوچھا گیا۔

عریشہ خاموش ہو گئی۔ لبوں پر شرم کی مہر آ لگی تھی۔ اس سناٹے میں زندگی سے بھرپور وہ آواز کتنی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کا جی چاہا آنکھیں بند کر لے اور وہ نکھرا نکھرا لہجہ یونہی کانوں میں گونجا کرے۔ رات ایسے ہی بیت جائے۔

"عریشہ! آپ سن رہی ہیں نا!" اس کی مسلسل خاموشی سے گھبرا کر وہ بولا۔

"جی... سن رہی ہوں... آپ بولتے رہیں۔" اس کے من نے شرارت کی۔

"کیوں جی؟ یہ فون ہے یا ریڈیو؟" وہ بگڑا۔

وہ ہنس پڑی تھی۔ ایسی شفاف ہنسی کہ خود اسے اپنے آپ پر تعجب ہوا۔

"آج آپ بولیں گی اور میں سنوں گا۔" وہ جیسے اطمینان سے پیر پھیلا کر بیٹھا تھا۔ "یوں بھی میں تھکا ہوا ہوں۔ جانتی ہیں آپ ٹرین پورے چھ گھنٹے لیٹ تھی اور میں نے گھر پہنچتے ہی آپ کو فون کیا ہے۔"

"آپ کا موبائل کیوں آف تھا؟" وہ شاکیانہ بولی۔

"آف نہیں تھا۔ چارج نہیں کیا تھا میں نے۔" وہ مسکرایا۔ "لیکن اتنا علم ہو گیا کہ آپ نے بھی ایک کال ضائع کرنے کے متعلق سوچ ہی لیا۔ ورنہ تو بہت کنجوس ہیں آپ، پیسوں کی بھی اور لفظوں کی بھی۔"

"آپ کو کس نے کہا میں کنجوس ہوں؟" وہ بگڑی۔

"ٹیکسی کا بل تو اکثر بچا جاتی ہیں۔" وہ مزے سے بولا۔ عریشہ ہنس دی۔

"اور لفظوں میں تو اتنی ڈنڈی مارتی ہیں کہ بس۔"

"باتیں بہت بناتے ہیں آپ۔"

"سنتی جائیے۔" وہ ہنسا۔

عریشہ نے آنکھیں بند کر لیں اور وہ نکھرا نکھرا لہجہ کانوں میں گونجتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"تم اگر فارغ ہو تو رات کے لیے چاول بنا لو۔" مینا نے کمرے میں جھانکا تھا۔

ربیعہ نے ابھی ابھی پھوپھا کا کمرہ صاف کیا تھا۔ اس سے پیشتر وہ مشین لگا کر سب کے کپڑے دھو رہی تھی۔ صبح سے اسے کمر سیدھی کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ فارغ ہو کر کچھ دیر لیٹنے کے ارادے سے کمرے میں آئی ہی تھی جب اسے نیا حکم ملا۔

"جی اچھا۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

وہ حسب معمول کچھ دیر اس کا چہرہ نگاہوں سے ٹٹولتی رہیں کہ کہیں کوئی زاویہ بگڑا ہوا ملے، یا ایک آدھ شکن کا سراغ ہاتھ آئے لیکن پھر مایوس ہو کر وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

ربیعہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ مینا نے آہستہ آہستہ تقریباً سبھی کام اس کے ناتواں کاندھوں پر ڈال دیے تھے۔ وہ صبح بستر سے اٹھتی تو پھر اسے رات گئے کہیں جا کر کمر سیدھی کرنا نصیب ہوتا۔ پھوپھا کے کام کا دائرہ اب پھیل کر نہایت طویل ہو گیا تھا، اب اس دائرے میں گھر کے سبھی افراد کے کام آ گئے تھے۔

وہ کچن میں چلی آئی۔ چاولوں والے ڈبے سے چاول نکال کر صاف کرنے لگی۔ چاول نہایت سستے قسم کے تھے۔ ان میں بے حد کنکر پتھر تھے۔

ربیعہ کچن کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھی چاول صاف کر رہی تھی۔ اسی وقت مینا بھی کچن میں چلی آئیں۔

"تم اور ترانہ کل کہاں گئے تھے؟" انہوں نے جھوٹے برتن سنک میں جمع کرتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

"جی...؟" ربیعہ چونکی۔ "کل؟"

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تو اسے کچھ یاد نہ آیا۔ وہ لوگ بھلا کہاں آتی جاتی تھیں۔

"اب کوئی بہانا سوچ رہی ہو شاید۔" انہوں نے اسے گھورا۔ "کل تم دونوں پارک گئی تھیں نا؟"

"پارک؟ جی ہاں، پارک تو گئے تھے۔ یونہی ذرا سی چہل قدمی کرنے کے لیے۔"

"ہوں۔" وہ کچھ دیر غور کرتی رہیں۔ پھر بولیں۔ "کون ملا تھا وہاں؟"

ربیعہ کو سانپ سونگھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ انہیں کیا جواب دے۔ اسے ترانہ کی تنبیہہ یاد آ گئی تھی۔

"یاری ملا تھا نا؟" انہوں نے رازداری سے پوچھا۔
ربیعہ خاموش رہی۔ وہ اپنی بلا دوسرے کے سر ڈالنے کی روادار نہ تھی۔
"ترانہ سے ملنے آیا تھا؟ ترانہ نے بلایا تھا اسے یا خود آگیا تھا۔ دیکھو لڑکی! مجھ سے تیزی طراری مت کرنا۔ میں دھرلیتی ہوں موقع پر پھر کہیں کا نہیں چھوڑتی میں' سچ سچ کہو مجھ سے؟"
"وہاں تو کوئی بھی نہیں آیا پھپھو!" ربیعہ نے اچانک ہی بے حد اطمینان سے کہا اور سر جھکا کر چاول صاف کرنے لگی۔
وہ چیخ کر رہ گئی تھیں۔
"جھوٹ بولتی ہو تم۔ وہاں ایک لڑکے نے تم لوگوں سے باتیں کی ہیں۔ مجھے بتایا ہے کسی نے۔"
"جی ہاں۔" اس نے سر اٹھایا۔ "ایک لڑکا ہم سے کسی کا پتا پوچھ رہا تھا۔ ترانہ سے نہیں' مجھ سے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں یہاں کسی کو نہیں جانتی۔ یہ یاری کون ہے پھپھو؟"
"یاری؟ اور تم نے پھر مجھے پھپھو کہا۔" وہ چڑ گئیں۔ "میں منع کرتی ہوں اور تم بولے جاتی ہو' بولے جاتی ہو' کس قدر ڈھیٹ لڑکی ہو۔"
"لیکن پھپھو! اس میں حرج کیا ہے؟ وہ سکون سے پوچھنے لگی۔ "کتنا اچھا رشتہ ہے۔"
"بکومت۔" وہ اسے جھڑک کر کچن سے باہر نکل گئیں۔
باہر صحن سے ان کے بڑبڑانے کی آواز آرہی تھی۔ وہ الگنی پہ سوکھے ہوئے کپڑے جھلاتے ہوئے اتار رہی تھیں۔ ربیعہ نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔



دوڑتے دوڑتے وہ پھر رک گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔
رافع نے مڑ کر اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے وہ سفید عمارت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ رافع اس تک چلا آیا۔
"او۔۔۔ میاں رانجھے۔" اس نے ہاشم کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
وہ چونک اٹھا۔
"میاں۔۔۔۔ جب اپنی بارات لاؤ تب رکنا یہاں۔ ابھی میرا خیال ہے ہم جاگنگ کرنے نکلے ہیں۔"
ہاشم نے اسے ایک چپت سے نوازا۔
"تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے صاحبزادے۔"
دونوں پھر دوڑنے لگے۔
"معاملہ کہاں تک پہنچا؟" رافع نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ "تم آج کل بہت خوش نظر آتے ہو؟"
ہاشم نے اس کی بات کا ثبوت فوری طور پر مہیا کیا۔ وہ مسکرانے لگا۔
"اس نے سوچنے کے لیے کچھ وقت مانگا ہے۔" وہ جھک کر پیروں کو چھونے لگا۔
"تو ٹھیک ہے۔" رافع نے بھی اس کی تقلید کی۔ "اب تمہارا ابو تھا ایسا تو ہے نہیں کہ ایک خوبصورت' باوقار خاتون فوری طور پر "ہاں" کہہ دے۔ اسے یقیناً کافی سوچنا ہوگا۔"
"ہاہاہا۔۔۔" اس نے ہاشم کو چڑاتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ "ہاہا۔۔۔ شاعر نے کہا ہے۔

سوچو گے جب میرے بارے میں تنہائیوں میں
نہ پاؤ گے اور بھی میری پرچھائیوں میں

جانتے ہو رافع! اس نے میرے اعتراف کا' اظہار کا لفظ لفظ سنا۔ پھر اس نے فون بند کر دیا۔ اس نے انکار نہیں کیا' وہ برہم نہیں ہوئی' اسے برا نہیں لگا۔ یہ خوشی کیا کم ہے میرے لیے؟"
رافع مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ دونوں بینچ پر جا بیٹھے۔
"رافع! تو اظہار کی طمانیت اور خوشی سے ناواقف ہے! کاش تو واقف ہوتا! میرے اندر جو خوشی ابھرتی ہے' میں تجھ سے شیئر کرنا چاہتا ہوں لیکن کر نہیں سکتا۔"
اس نے تاسف سے سر ہلایا۔
"کیوں نہیں کر سکتے؟"
"اس لیے کہ تجھے تجربہ نہیں ہے۔ جب تو نے کسی کو چاہا ہی نہیں تو تجھے اظہار کی خواہش اور اس خواہش کی بے پناہ شدت کے کرب کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ یار رافع! تو چاہتا کیوں نہیں کسی کو؟" رافع دور سفید سے نیلے ہوتے آسمان کو دیکھنے لگا پھر بینچ سے سر ٹکا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔
"مجھے پٹوانا چاہتا ہے پورے خاندان سے۔" پھر مسکرایا۔
"نہیں۔۔۔ ایسا تو نہیں چاہتا مگر تو میرا یار ہے نا۔ تجھ سے اپنے تجربات شیئر کرنا چاہتا ہوں' مگر پھر ایک مثال ذہن میں ابھر آیا ہے۔"
"کیا؟" رافع نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔
"بندر کیا جانے ادرک کا مزہ۔" وہ مزے سے بولا۔
خلاف توقع وہ ہنس دیا۔
"چل ٹھیک ہے میرے یار! ہم بندر ہی سہی! ایسی ادرک کے مزے کیا لینا جو منہ کاٹ کر رکھ دے۔ بائی دا وے تایا ابو سے بات کرلی ہے تم نے؟"
ہاشم نے اسے گھورا۔
"تم ضرور میرے حسین خیالوں کا مزہ کرکرا کرو۔"
"پہلے یہ مرحلہ پار کرو پھر سپنے دیکھنا!" رافع نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "ابھی ایک معرکہ سر کرنا ہے نہیں۔"
"مجھے صرف اس کی پروا تھی یار! وہ مان جائے تو کوئی مشکل نہیں اور رہے یہ چھوٹے موٹے معرکے تو وہ کیا کہا ہے کسی شاعر نے

معرکہ گرم تو ہو لینے دو خوں ریزی کا
پہلے تلوار کے نیچے ہم ہی جا بیٹھیں گے!

رافع ہاشم کی آنکھوں میں کچھ دیر دیکھتا رہا پھر نرمی سے مسکرا دیا۔
"یار رانجھے سچ سچ کہوں؟"
"ہوں۔" ہاشم نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ "خیریت؟"
"کبھی کبھی مجھے بھی تم پر بہت رشک آتا ہے۔"
"قسم سے؟" ہاشم کھلکھلایا۔

پھر دونوں قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔



مودب سے انداز میں کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ہولے سے کھنکھار کر گلا صاف کرتے ہوئے اس نے ہمت مجتمع کی۔

"ابو جی..... آپ نے بلایا تھا؟"

فاروق حسن نے چشمے کی اوٹ سے اسے دیکھا اور کتاب بند کردی۔

"آیئے! میاں صاحبزادے! بیٹھیے' کہاں ہوتے ہیں آج کل؟"

"گھر ہی میں ہوتا ہوں ابو جی۔" وہ ان کے مقابل جا بیٹھا۔

"ماں تو آپ کی آپ کے ذکر پر بڑبڑانے لگتی ہیں۔" انہوں نے غور سے ہاشم کا چہرہ دیکھا۔ "بیٹوں کے باپ بیٹوں کے متعلق اندازہ ان کی ماؤں کے انداز سے لگا لیتے ہیں ہاشم! آج کل آپ کی اماں آپ سے خوش نہیں ہیں۔ کیوں؟ وضاحت کریں گے آپ؟"

ہاشم نے ایک نظر انہیں دیکھا۔

"میں..... میں کیا وضاحت کروں ابو جی؟ امی نے مجھ سے تو کبھی ذکر نہیں کیا اپنی ناراضی کا ہاں! اگر آپ ناراضی کی وجہ بھی بتائیں تو میں ضرور وضاحت کرسکوں گا۔"

"آپ کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش مند ہیں وہ اور آپ انکاری۔" وہ بہت توجہ سے بیٹے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"میں ہرگز انکاری نہیں ہوں ابو جی! میں تو خود شادی کا خواہش مند ہوں۔"

"اچھا' ثانیہ سے شادی کردیں تمہاری؟"

"جی..... "حملہ اچانک ہوا تھا' وہ گڑبڑا گیا۔ "نہیں ابو جی! میں ثانیہ سے ہرگز شادی نہیں کرسکتا۔ میرے لیے عریشہ جیسی ہے وہ۔"

"ناعمہ؟"

"نہیں ابو جی....." اس نے سر جھکا لیا۔

"وہ بھی عریشہ جیسی لگتی ہوگی۔ اچھا۔" انہوں نے چشمہ اتارا۔ "ڈاکٹر شہلا کے علاوہ کوئی ایک نام بتاؤ مجھے کوئی ایک لڑکی جو عریشہ جیسی نہ لگتی ہو تمہیں۔"

"ابو پلیز۔" اس نے سر جھکا لیا۔ "میرے جذبات کا مذاق مت اڑائیں۔ میں سنجیدہ ہوں۔ آپ نے سچ کہا میں ڈاکٹر شہلا کے علاوہ کوئی نام نہیں لے سکتا۔"

"تم فیصلہ کرچکے ہو؟" انہوں نے لب بھینچ لیے۔

"جی۔" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے۔ ہاشم کو اپنے چہرے پر ان کی نظریں بخوبی محسوس ہورہی تھیں۔ وہ حتی الامکان سپاٹ چہرہ لیے بیٹھا رہا۔

"اس لڑکی کا ماضی ٹھیک نہیں ہے ہاشم!" دفعتاً وہ تھکے تھکے لہجے میں بولے

"ماضی؟" ہاشم نے حیرت سے ان کی بات کاٹی۔ "کیا ہوا ہے اس کے ماضی کو ابو جی! اس نے شادی کی' چلیں مان لیا۔ پسند سے کی' ٹھیک ہے اسے طلاق ہوگئی اور اس کے پاس اس کی پہلی شادی کی نشانی بھی موجود ہے' لیکن

ان سب باتوں سے کہیں یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کا ماضی درست نہیں تھا۔ خدانخواستہ وہ کوئی کرپٹ لڑکی تھی۔ اس نے غلطی کی۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اسے قدرت کی جانب سے غلطی کی سزا مل گئی۔ اب وہ آئینے کے مانند صاف' چمکدار کردار رکھتی ہے گزرے ہوئے پانچ سال اس بات کا ثبوت ہیں۔ بابا! ایک مطلقہ' بچے کی ماں سے شادی اگر کوئی بری بات ہوتی تو ہمارے پیغمبر کی زندگی میں اس کا نشان نہ ملتا۔ ہم تو ان کی خاک پا بھی نہیں پھر ہم کیوں ایسا گمان رکھیں؟ بخدا کسی مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس چیز کو غلط سمجھے' برا کہے۔"

فاروق حسن کی نظروں میں الجھن در آئی۔ چشمے کی کمانی منہ میں دبائے وہ اسے دیکھتے رہے۔

"تمہاری ماں کو کون سمجھائے گا؟ وہ اس لڑکی کا نام سننا پسند نہیں کرتی۔"

"پہلے "اس" جانب سے کوئی مثبت جواب آجائے بابا!" وہ آہستہ سے بولا۔ "امی سے پھر بات کرلیں گے۔"

"وہاں کہلوا چکے ہو؟" انہوں نے اسے گھورا۔

وہ گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

"پھپھو کو بھیجا تھا یونہی ذرا رائے معلوم کرنے کے لیے۔ کوئی رشتہ تو نہیں بھجوایا بابا میں نے۔"

"رشتہ بھی بھجوا دو تو ہم کیا کرلیں گے برخوردار....." انہوں نے چشمہ پھر لگا لیا۔ "بہرحال اپنی والدہ صاحبہ کو منانا آپ کا کام ہے مجھ سے یہ دردسری نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ....."

وہ چند لمحے رک کر بولے۔

"اپنا بیٹا اپنی ماں کو سونپ کر آئے گی۔ ہمارے گھر میں ہماری نسل پروان چڑھے گی۔ ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی زیادتی ہوجائے۔"

وہ چند لمحے چپ رہا پھر انہیں کتاب کی جانب متوجہ پاکر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ایک بہت بڑا مرحلہ بے حد آسانی سے طے ہو گیا تھا۔

چہرے پر خوشیوں کے فانوس روشن کیے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

گرم گرم چادر لپیٹے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ بانو قدسیہ کی "پروا" میں کھوئی ہوئی تھی۔ سائڈ ٹیبل پر بھاپ اڑاتی کافی کا مگ رکھا ہوا تھا۔ وہ بے حد پرسکون ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ یکایک اس ماحول میں ارتعاش پیدا ہوا۔ جھنجلائی ہوئی انیقہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

"فون ہے۔" وہ سخت بگڑی ہوئی تھی۔

"کس کا؟ ہاسپٹل سے ہے؟" اس نے چادر ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

"پاگل خانے سے ہے۔ مینٹل ہاسپٹل سے۔ دماغی مریض آپ سے بات کرنا چاہتا ہے۔" وہ بھری ہوئی شیرنی لگ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" وہ گم صم سی ہوئی۔ "ابرار کا فون ہے؟"

"جی ہاں....."

"کیا کہتا ہے؟" اس کا دل اندیشوں کا شکار ہوا۔

"عمر کو لینے آرہا ہے۔ کہتا ہے تیار کردیں۔"

شہلا چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی پھر وہ بپھر کر اٹھی۔ تن فن کرتی وہ فون تک پہنچی۔

"کیا چاہتے ہو تم؟" وہ فون اٹھا کر دھاڑی۔ "کیا چاہتے ہو ابرار جیلانی؟ مجھ سے میرا بچہ چھین لینا چاہتے ہو؟ اپنے سات جنموں کے بدلے چکانا چاہتے ہو؟ تڑپا تڑپا کر میری بے بسی کا تماشا دیکھ کر جان لینا چاہتے ہو میری؟ ٹھیک ہے میں بھی دیکھتی ہوں تم کہاں تک جا سکتے ہو، لے جاؤ اسے، لے جاؤ۔ تمہارا بیٹا ہے نا وہ، میری بے [illegible] ہستی پر تمہاری نوازش کے لمحوں کا ثبوت۔ ٹھیک ہے لے جاؤ اسے۔ میں سسک سسک کر جان دے دوں [illegible] لیکن تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ رو رو کر اندھی ہو جاؤں گی، لیکن تمہاری چوکھٹ کو سجدہ نہیں کر [illegible] گی۔"

وہ دم بخود اس کو سن رہا تھا۔

"شہلا!" اس کے خاموش ہونے پر وہ آہستگی سے بولا۔ "آئی ایم سوری، میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ یقین جانو میں ایسا کچھ نہیں چاہتا جیسا تم سوچ رہی ہو۔ بخدا میں تو صرف عمر کی محبت سے مجبور ہو کر چند گھنٹے اس کے ساتھ گزار کر سکون حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ تم اس طرح سے سوچو گی مجھے اندازہ نہ تھا۔ بھلا میں تم سے کس بات کا بدلہ لوں گا؟"

وہ چپ ہو کر گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی۔

"کہاں تھے تم؟" پھر وہ بولی۔ "اتنے سالوں سے کہاں تھے؟ وہ پیدا ہوا، اس نے گھٹنوں چلنا سیکھا، کھڑے ہو کر قدم اٹھانا سیکھا، ماں کہنا سیکھا، اپنے گمشدہ باپ کے بارے میں سوچنا سیکھا۔ اتنے عرصے تم کہاں تھے ابرار جیلانی؟ اب تمہیں اس کی یاد آئی جب اس کا معصوم ذہن ہر طرح کے گمان کر سکتا ہے، ہزارہا سوال سوچ سکتا ہے۔ اب [illegible] اس کے سوالوں کا تلخ جواب بن کر آئے ہو؟ یہ محبت پہلے کہاں تھی؟"

اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"شہلا! پچھلے سال بابا سائیں چل بسے اور چند ماہ قبل اماں بھی رخصت ہوئیں۔ بابا نے مجھے قسم دی تھی تم سے کوئی رابطہ نہ رکھنے کی، وہ تمہاری اولاد کو اپنی جائیداد میں سے کوئی حصہ دینا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے جیتے جی میں مجبور تھا۔ لیکن اب میں مجبور نہیں ہوں۔ میں اس سے مل سکتا ہوں، اسے پیار کر سکتا ہوں۔ اسے اس کا جائز حق دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں چاہتیں تو کوئی بات نہیں میں باقی زندگی بھی دل پر پتھر رکھ کر گزار سکتا ہوں۔ تم خوش رہو۔"

شہلا کا گلا رندھ گیا۔

"بہت پروا ہے تمہیں میری خوشی کی؟"

"ہاں ہے۔" وہ بولا۔ "تم یقین کرو یا نہ کرو۔ جس بیٹے کو میں نے کبھی دیکھا، چھوا نہ تھا۔ اس کی محبت نے مجھے اتنا عرصہ کیوں پریشان رکھا۔ اس بات کا جواب میں اکثر خود سے پوچھتا ہوں۔ تم بھی خود سے پوچھنا دیکھو کیا جواب ملتا ہے۔"

شہلا سے کچھ بولا نہ جا سکا۔

"میں، میں فون رکھتا ہوں۔" وہ بولا۔

"تیار کر رہی ہوں اسے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "لے جاؤ۔"

اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"اب تک ویسی ہی ہو۔"

شہلا نے ریسیور رکھ دیا۔ دل میں بے تحاشا درد محسوس ہوتا تھا۔ آنکھوں میں بے حد و حساب جلن تھی۔ وہ تا دیر کھڑی اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتی رہی۔

"السلام علیکم۔"

پاٹ دار آواز پر شفیقہ حیات اور عذرا بیگم دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فردوس بیگم اپنا بھاری بھر کم وجود سنبھالے چلی آ رہی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔" شفیقہ حیات مسکرائیں۔ "کہو اچھی ہو۔"

"شکر ہے۔" وہ بیٹھ گئیں۔ "بس یہ جوڑ بے کار ہوئے جاتے ہیں۔ چلنے پھرنے کے نہ رہے ہم۔ آپ تو ایسی روٹھیں بس چھوٹی بہو کی ہو کر رہ گئی ہیں۔ ہم صورت کو ترستے ہیں ایک ہی گھر میں رہ کر۔"

"ارے بی! اب اس عمر میں کیا روٹھنا، ماننا۔ اپنے دن پورے کر رہے ہیں۔ یہاں دن کٹے کہ وہاں کٹے بس چل چلاؤ کا وقت ہے۔ تم اپنی سناؤ! فاروق حسن کیسے ہیں؟ وہ دو، تین تین دن ماں کو پوچھنے نہیں آتے؟ بیٹے سے اچھے میرے پوتے ہیں۔ دن میں دس چکر لگا لیتے ہیں۔"

"آپ ہی کے بیٹے ہیں وہ، میری تو ایک نہیں سنتے۔" وہ بیزاری سے بولیں۔ "ابھی بھی میں علی کا پتا کرنے آئی تھی۔ ٹیلیفون کے بل کی آخری تاریخ ہے وہ لگ جائے گی کیا کہتے ہیں جرمانہ سو روپیہ اوپر بھرنا پڑے گا۔ ابھی تو باوا بھرتے ہیں تو فکر نہیں انہیں، اپنی جیب سے بھرے گا تو میاں یاد آئے گی۔ اے ہاں۔"

وہ [illegible] پاؤں دابنے لگیں۔

"[illegible] نظر نہیں آ رہے؟" انہوں نے گردن گھمائی۔

"دونوں یونیورسٹی گئے ہیں۔" عذرا بیگم نے جواب دیا۔ "علی اور حمزہ کی کلاسیں شروع نہیں ہوئیں؟"

"کیا خبر مجھے؟ یونیورسٹی کالج بھی ان کے باوا کی جاگیر ہو گئے۔ جب جی ہوا منہ اٹھا کر چل دیتے ہیں ورنہ بے نتھے بیل کی طرح چرتے پھرتے ہیں۔"

"اچھا، چھوڑو [illegible] گئی ہو، ایک صلاح دو۔" شفیقہ حیات اچانک ہی بول پڑیں۔

پھر انہوں نے نظروں ہی نظروں میں عذرا بیگم سے اجازت چاہی۔ وہ مسکرا کر رہ گئیں۔

"[illegible] اماں؟" فردوس بیگم [illegible] ہو گئیں۔

"ہم نافع کے لیے [illegible] چاہتے ہیں تمہاری طرف۔ آئیں نہ آئیں؟"

"نافع کے لیے؟ یعنی؟" وہ سمجھ بھی نا [illegible] گئیں۔

[illegible] کتاب کرنے لگیں۔

"ارے بھئی۔۔۔ عرشہ کا ہاتھ مانگتی ہیں عذرا بیگم تم سے، اپنے نافع کے لیے۔" وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"کہو تم راضی ہو؟"

اندر آتی ہوئی ناعمہ کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ کان کھڑے کر کے سننے لگی۔ فردوس بیگم تذبذب کا شکار تھیں۔

"اب اماں! ایسے چلتے پھرتے کیا جواب دوں۔ آپ کے بیٹے کی رائے لینا بھی ضروری ہے۔ پھر ہی کچھ کہہ پاؤں گی۔ ویسے مجھے تو نافع بھی پسند ہے۔ اپنا گھر کا بچہ ہے۔ نظروں کے سامنے ہی پلا بڑھا ہے۔ لیکن پھر بھی۔"

"ہاں ہاں فردوس! تم تسلی سے سوچو۔" شفیقہ حیات نے انہیں مطمئن کیا۔ "ہم تو یونہی ذرا ذکر کر رہے تھے تم سے۔ تم سوچ سمجھ لو۔"

ناعمہ پلٹ کر بھاگی۔ ایک اچھی خبر اس کے ہاتھ لگی تھی۔

(باقی آئندہ)

خیال رکھتے ہیں۔ دو دکانیں اور ایک گھر اس کی ملکیت ہے۔ حاکم چچا کو دکانوں کا کرایہ لانے کی ذمہ داری سونپ کر وہ قدرے فکر معاش سے آزاد ہو جاتی ہے۔ بوا سکینہ بھی پڑوسن ہونے کا حق بھرپور طریقے سے ادا کر رہی ہیں لیکن ان کی گفتگو میں ربیعہ کو تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے ناآشنا ہوتی ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس بانو اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں سنبیدہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کر کے اکثر اپنے بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔

فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کے بدلتے رویوں سے تنگ آ کر اپنی پھپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عباد سے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کر رہی ہے وہ از خود اس کی پھپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

۱۲

بارہویں قسط

”فنٹاسٹک نیوز ......“ وہ چھلانگ لگا کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

چائے پیتی ہوئی رابعہ بیگم اور کڑھائی کرتی ہوئی وردہ چونک اٹھیں۔

”لڑکی!“ رابعہ بیگم نے اسے گھورا۔ ”چھلاوہ ہو کیا؟ پلک جھپکی حاضر، پلک جھپکی غائب! ابھی تو تم ثانیہ کی طرف گئی تھیں۔“

”گئی تھی امی جان! بالکل گئی تھی۔ وہیں سے تو لائی ہوں چٹپٹی خبر۔“ اس نے چٹخارہ بھرا۔

”ہاں۔ دیکھ آئی ہو گی کوئی نیا سوٹ یا نئی ڈش۔“ وردہ نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ ”تمہارے لیے تو یہ بھی ”خبر“ ہوتی ہے کہ ثانیہ نے بہت اچھا سوٹ سلوایا ہے اور پھر اس ”خبر“ کے ساتھ ایک عدد فرمائش ٹانک کر امی کو سنا دیتی ہو۔“

”جی نہیں جناب! اس بار میں اصلی تے سچی خبر لائی ہوں۔ میرے ان بے گناہ کانوں نے خود سنا ہے۔ لیکن جائیے! میں نہیں سناتی آپ لوگوں کو۔ یہاں تو کسی کو کوئی دل چسپی ہی نہیں۔“

”ہاں نہیں ہے ہمیں پرائے گھروں کی باتوں میں دل چسپی!“ رابعہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا۔

”پرایا گھر؟“ اس نے احتجاج کیا۔ ”میں سلجوق ماموں کی طرف گئی تھی۔ وہاں تائی امی اور فردوس ممانی..... خیر جائیے میں نہیں بتاتی۔ رائمہ آپی ہوتیں نا یہاں تو اتنے ذوق و شوق سے پوری بات سنتیں، وردہ آپی تو بالکل ہی بور

ہیں۔“

اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ وردہ کو ہنسی آ گئی۔

”اچھا چلو۔ بکواب!“ اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ ”میں بے حد دل چسپی سے سن رہی ہوں۔“

”پتا ہے کیا۔“ وہ پھر پرجوش ہو گئی۔ ”تائی امی عریشہ کا رشتہ مانگ رہی تھیں نافع بھائی کے لیے۔“

”اچھا!“ وردہ چونک اٹھی۔

”واقعی؟“ رابعہ بیگم نے بھی دل چسپی لی۔ ”پھر بھابی جان نے کیا کہا؟ وہ تو بڑی خفا خفا سی رہتی ہیں عذرا بھابی سے۔“

”انہوں نے کوئی خفگی وفگی نہیں دکھائی۔“ وہ مزے سے بولی۔ ”بلکہ ان کا تو دل چاہ رہا تھا فٹافٹ ”ہاں“ کہہ دیں۔ بس ضبط کر گئیں۔“

”بدتمیز!“ وردہ ہنس پڑی۔ ”تم نے ان کے اندر جھانک کر دیکھ لیا؟“

”میں نے تو کمرے میں بھی نہیں جھانکا۔“ وہ بے نیازی سے بولی۔ ”باہر ہی کھڑی تھی۔ لیکن ان کی آواز میں جو بے تابی اور خوشی تھی میں اسی سے سمجھ گئی کہ ممانی جان کے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“ رابعہ بیگم نے اسے گھورا۔ ”یہ تم ساری گفتگو چھپ کر سن رہی تھیں؟ کہاں تھیں تم؟“

”او ہو امی جی! میرا کوئی ارادہ تھوڑا ہی تھا چھپ کر سننے کا۔ میں تو بچ مچ ثانیہ سے ملنے ہی گئی تھی لیکن جب میں کمرے کے اندر جانے لگی تو مجھے ممانی جان کی آواز آئی۔ وہ تو میری صورت سے چڑتی ہیں۔ اسی لیے میں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تب ہی کچھ جملے میرے کان میں پڑ گئے۔“

وہ معصوم بن کر وضاحتیں دینے لگی، لیکن رابعہ بیگم اسے کڑی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ وردہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ اپنے دوپٹے کی جانب متوجہ ہو گئی جس پر وہ پھول کاڑھ رہی تھی۔

”نعیمہ! تم نے اسد بھروں کی خبر؟“

”وہ بھی نہیں۔“ وردہ زیر لب بولی۔

”کس قدر غلط حرکت کی ہے تم نے۔ کوئی دیکھ لیتا تو کیا خیال کرتا تمہارے متعلق؟ یہی سوچتا کہ ماں نے ایسی تربیت کی ہے بھابیوں کے گھر کی رپورٹیں لینے کے لیے۔“

انہوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ برے برے منہ بناتے ہوئے سنتی رہی۔

”پوری بات سن کر آئی ہو اور کہتی ہو اتفاقاً ”سن لیا۔ اتفاقاً“ ایک آدھ جملہ سنا جا سکتا ہے۔ جس کا کوئی مفہوم نہ بنے پوری کہانی معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور پھر دوڑی چلی آئیں بات پھیلانے کے لیے۔ مزید غلط حرکت۔“

”پی جمالو نہیں کی۔“ وردہ نے اسے چڑایا۔

”بیٹے!“ رابعہ بیگم اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر نرم پڑ گئیں۔ ”جس طرح پیسے چوری ہوتے ہیں اسی طرح بات بھی چوری ہوتی ہے۔ تم بات چرا کر لائی ہو۔ اتفاقاً“ سنا تھا تو اپنے تک رکھتیں، ہمیں بتانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”وہ بھی چٹخارے لے لے کر......“ وردہ نے اضافہ کیا۔

”دیکھیں نا امی۔“ وہ آخر کار بے طرح چڑ گئی۔ ”یہ آپی! مجھے کیوں چھیڑ رہی ہیں۔“

”امی سے عقل سیکھو۔ اتنی سمجھ دار بچی ہے میری۔ اور تم ہو کہ ہر دوسرے منٹ ڈانٹ کھاتی ہو۔“

”اچھا سوری۔“ وہ منمنائی۔

ور وہ مسکراتے ہوئے اسے نظروں ہی نظروں میں گویا چھیڑنے لگی۔
"میں عریشہ کے پاس جاتی ہوں۔" اچانک ہی اسے نیا خیال سوجھا۔ "دیکھوں تو اسے علم ہے یا نہیں۔"
"بیٹھو آرام سے۔" رابعہ بیگم نے پھر ڈانٹ پلائی۔ "ابھی کیا بات سمجھائی ہے میں نے۔ اس کان سے سنی اور ذرا سا غور کیے بغیر اس کان سے نکال دی۔ خبردار جو اب اس بات کا ذکر کسی سے کیا تو۔"
"لیکن امی! اسے تو پتا ہونا ہی چاہیے۔"
"ہاں تو اس کی ماں بتائیں گی۔ باپ بتائیں گے۔ تم کس خوشی میں دوڑی بھاگی جاتی ہو؟ دیوانی کہیں کی۔ اس کی ماں جب پوچھے گی کہ تمہیں کس فرشتے نے آکر اطلاع دی تھی، تب کہنا اسے کہ چھپ کر بات سنی تھی۔ اچھی عزت افزائی ہوگی تمہاری۔"
"اچھا نا...." وہ خجل ہو گئی۔ "آرام سے سمجھا دیا کریں نا۔ غصہ کیوں ہوتی ہیں۔"
"آرام سے سمجھنے والی ہو تم؟" انہوں نے مزید گھورا۔
ناعمہ نے سر جھکا لیا اور رو رو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"دیکھ لوں گی۔" اس نے مکا دکھایا۔



آج وہ نہانے کے بعد لیمن کلر کا چکن کا سوٹ پہن کر بال سکھانے چھت پر چلی آئی تھی۔ موسم اچھا ہو رہا تھا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے ادھر سے ادھر پھر رہے تھے۔ ہوا بھی خوب چل رہی تھی۔ اکثر گھروں کی چھتیں آباد ہو رہی تھیں۔ آسمان پر رنگ برنگ پتنگوں کا ہجوم تھا۔ ربیعہ سر اوپر کیے انہماک سے پتنگوں کی لڑائی دیکھنے لگی۔
اچانک ہی اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ آسمان سے پھسلتی اس کی نظر برابر میں کھڑے تصور پر پڑی۔ وہ نجانے کس وقت بالکل خاموشی سے اس کے بے حد قریب آکر کھڑا ہو گیا تھا۔
وہ گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ تصور ہنسنے لگا۔
"کیا ہوا، ڈر گئیں؟" وہ چند قدم مزید آگے آگیا۔

ربیعہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے فوراً بولی۔
"میں تو بھوت سے نہیں ڈرتی، آپ تو انسان ہیں۔" وہ قدرے خشک لہجے میں بولی۔
پھر وہ دانستہ رخ موڑ کر چھت کے دوسری جانب چلی گئی۔ تصور سے وہ اکثر ہنسی مذاق کر لیتی تھی۔ تمدن کی نسبت وہ خاصا بے ضرر اور شوخ دکھائی دیتا تھا۔ لیکن آج اس نے عجیب حرکت کی تھی۔ ایسی حرکت جس پر واضح طور پر کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔
ربیعہ کو بدر یاد آگیا۔ وہ بھی اکثر جان بوجھ کر بالکل قریب آکر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اتنا قریب کہ ربیعہ کو جھجک کر پیچھے ہٹنا پڑ جاتا۔ شاید صنف مخالف کو یوں جھجکتا پا کر مردانگی کو کسی قسم کی تسکین ملتی ہو۔
ربیعہ کا خوشگوار موڈ اچانک ہی خراب ہو گیا تھا۔ شاید تصور کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ اس سے قدرے فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔
"پتنگیں اچھی لگتی ہیں تمہیں؟" وہ خوش دلی سے پوچھنے لگا۔
ربیعہ نے چند لمحے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ اسے اپنی غلط حرکت کا احساس ہو جائے۔ خاموش کھڑی رہی۔

"کبھی اڑائی ہے پتنگ؟"
"نہیں...." وہ مختصراً بولی۔
"آتا ہی نہیں ہوگا اڑانا!" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔ "سیکھو گی تو آجائے گا۔ میں سکھا دوں گا۔"
"مجھے شوق بھی نہیں ہے۔" وہ ہنوز خشک لہجے میں بولی۔
"اچھا اچھا.... ہاں لڑکیوں کو کم ہی شوق ہوتا ہے۔" وہ بے وجہ ہنسا۔ "لڑکیوں کو تو اور ہی طرح کے شوق ہوتے ہیں۔ بجنے سنورنے کا شوق، گورا ہونے کا شوق، بال بڑھانے کا شوق، ترانہ کو بھی بال بڑھانے کا شوق ہے اور وہ صولت، ہاہاہا.... گنجی کبوتری.... اس کے بال ایسے ہی ذرا ذرا سے رہتے ہیں۔ بڑھتے ہی نہیں۔ ہاہاہا...."
پھر وہ سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔
"تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں ربیعہ! اتنے لمبے، اتنے سیاہ، اس قدر ملائم...." اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کے بال چھو لیتا۔
ربیعہ تلملا کر رہ گئی۔ اس نے کب کسی مرد کے لبوں سے ایسی بے باک تعریف سنی تھی۔ اس نے خفگی بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔
"تصور بھائی! مجھے اس طرح کی باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔" اس نے حتی الامکان پُرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"اچھا اچھا۔" وہ پھر بے وجہ ہی ہنسنے لگا۔ "لڑکیوں کو تو تعریف بہت پسند ہوتی ہے۔ تمہیں پسند نہیں۔ خیر کیا پسند ہے تمہیں؟"
"کبھی کبھار اکیلا رہنا۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔ "ابھی بھی یہی جی چاہ رہا تھا اس لیے اوپر آئی تھی۔"
تصور کا چہرہ بجھ گیا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔
"میں تو یونہی چلا آیا تھا، پتنگیں دیکھنے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اوپر تم ہو۔"
ربیعہ خاموش کھڑی رہی۔ تصور بھی دیر تک کسی گانے کی دھن پر سیٹی بجاتا رہا، پھر آہستہ آہستہ چہل قدمی کرتا دوسری جانب چلا گیا۔
ربیعہ کچھ دیر یونہی بے مقصد سوچتی رہی پھر اسے بدر یاد آیا۔ پھر چچا حاکم یاد آئے۔ اس کا منہ نجانے کس احساس سے کڑوا ہو رہا تھا۔
ربیعہ گہری سانس بھرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"سنو.... اے ربیعہ!" کوئی اسے سرگوشیوں میں پکار رہا تھا۔
چولہے کو اسکاچ برائٹ سے رگڑتی ہوئی ربیعہ نے گردن گھما کر دیکھا۔ صحن میں کھلنے والی کھڑکی میں سے ترانہ کچن میں جھانک رہی تھی۔
"اوہ تم...." اسے متوجہ ہوتا دیکھ کر وہ قدرے جھنجلائی۔ نجانے وہ وہاں کب سے کھڑی اسے آوازیں دے رہی تھی۔
ربیعہ نے سنک میں ہاتھ دھوئے اور کھڑکی تک چلی آئی۔
"کیا ہے۔ اندر کیوں نہیں آتیں؟"
"آہستہ!" اس نے لبوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ "پھپھو کہاں ہیں؟"

"سو رہی ہیں..... کیوں؟" اسے اس کے انداز پر تعجب ہوا۔
"صولت؟ وہ کیا کر رہی ہے؟"
"صولت تو گھر پر نہیں ہے۔ اسکول سے اب تک نہیں لوٹی۔"
ترانہ کا چہرہ کھل اٹھا۔
"اچھا میں آتی ہوں۔" وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی۔
ربیعہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے برآمدے میں چلی آئی۔ ترانہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا جس کو خوبصورتی سے پیک کیا گیا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" ربیعہ نے اشتیاق سے پوچھا۔
"شش..... خاموش!" وہ سرگوشی میں بولی۔ اور سیدھی اپنے باپ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ پیکٹ اس نے الماری کے نچلے خانے میں رکھ دیا۔ منور امین اپنے بستر پر آنکھیں موندے بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت اسی انداز میں گزرتا تھا۔
وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔
"تم نے کھانا کھا لیا؟" ترانہ نے شگفتہ انداز میں پوچھا۔
"ہاں۔ مجھے تو بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ تمہارے لیے کھانا نکالوں؟" دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کچن میں آچکی تھیں۔
"نہیں۔" وہ مسکرائی۔ "میں باہر کھا کر آئی ہوں۔"
"اچھا....." ربیعہ سادگی سے بولی۔ "چائے بناؤں تمہارے لیے؟"
"ہاں چائے پیوں گی۔ لیکن ٹھہرو، کچن کا نقشہ بتا رہا ہے کہ تمہارا سارا دن آج یہیں تمام ہوا ہے۔" ترانہ کی نگاہیں چاروں طرف گھومنے لگیں۔
"یہ دھلی دھلائی برنیاں اور بوتلیں۔ صاف ستھرے شیلف، خوب منجھے ہوئے برتن اور یہ چمکتا ہوا چولہا خوب محنت ہوئی ہے۔"
"مجھ سے گندا کچن برداشت نہیں ہوتا۔" وہ مسکرا دی۔ "مجھے کسی نے کہا نہیں تھا یہ سب کچھ کرنے کے لیے۔ بس وقت گزارنے کے لیے کوئی مصروفیت تو ہونا چاہیے نا۔"
"ٹھیک ہے بھئی، ٹھیک ہے۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اب کم از کم میں تمہیں چائے بنا کر تو پلا سکتی ہوں نا؟"
"نہیں۔" ربیعہ بولی۔ "میں بناتی ہوں چائے۔ ذرا یہ چولہا صاف کر لوں۔"
"تم سے نہیں جیت سکتی۔ چلو میں تب تک کپڑے بدل لوں پھر چھت پر چلتے ہیں۔" وہ کچن سے نکل گئی۔
ربیعہ نے مسکرا کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ آج ترانہ بے حد خوش تھی۔ وجہ عنقریب اسے معلوم ہونے والی تھی۔ چھت پر اسے لے جا کر ترانہ بھی چھت کی طرح ہو جاتی تھی۔ کھلی کھلی اور روشن۔ ربیعہ سے وہ اپنے دل کی سب باتیں کہہ ڈالتی تھی۔
ربیعہ نے چولہا صاف کر کے چائے کا پانی رکھ دیا۔ باورچی خانے کا اُجلا پن اس کا من اجال رہا تھا۔ سب کچھ صاف ستھرا اور نکھرا ہوا دیکھ کر اسے روحانی خوشی مل رہی تھی۔ اسے محسوس نہ ہوا کہ کچن کے دروازے پر کھڑی ترانہ مسکراتے ہوئے اسے اپنی محنت پر خوش ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"بہت خوش ہو؟" اس نے پوچھا تو ربیعہ چونک اٹھی۔
"ہاں!" وہ ہنسی۔ "لیکن تم سے زیادہ نہیں۔"
ترانہ چونکی' اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔
"تم سے کس نے کہا میں خوش ہوں؟"
ربیعہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اور چائے کا مگ اسے تھما دیا۔
"تم کہو گی' لیکن چھت پر چل کر۔"
ترانہ جھینپ کر ہنس دی۔
"آج میری سالگرہ ہے۔ عبدالباری نے مجھے لنچ کرایا اور گفٹ بھی دیا ہے۔" اس نے چھت پر چہل قدمی کرتے ہوئے اسے بتایا۔
"پسند کرتی ہو تم عبدالباری کو؟" ربیعہ نے اس کی آنکھوں کی جلتی ہوئی جوت دیکھی۔
"بدھو!" ترانہ نے اسے گھورا۔ "یہ بھی پوچھنے کی ضرورت ہے تمہیں؟۔ پسند نہ کرتی تو اس کے ساتھ گھومتی پھرتی' تحفے لیتی خواہ مخواہ میں۔"
"شادی کیوں نہیں کر لیتے تم دونوں۔ اس سے کہو مینا آنٹی سے بات کرے۔"
ترانہ کی آنکھوں کی جوت مدھم پڑ گئی۔ وہ اداس سی ہو گئی۔
"میں نے شادی کر لی تو ابو کا کیا ہو گا ربیعہ! بھائیوں کے متعلق تو تم جان ہی گئی ہو۔ انہیں گھر سے جتنی دلچسپی ہے وہ ڈھکی چھپی بات تو نہیں۔ رو دھو کر مہینے کا راشن لے آتے ہیں اور بس! ابو کی دوائیاں' دیگر اخراجات' یہ سب کچھ میری تنخواہ سے چلتا ہے۔ پھر ابھی باری کی پوزیشن بھی اتنی اسٹرونگ نہیں ہے۔ ہم کچھ عرصہ تو شادی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔"
"مینا آنٹی جانتی ہیں اس کے متعلق؟" ربیعہ نے پوچھا۔ "وہ مجھ سے بھی پوچھ رہی تھیں باری کے متعلق۔"
"ہاں۔ معلوم ہے مجھے یہ صولت ایک نمبر کی جاسوس ہے۔ میں کبھی کبھار اس سے اپنے دل کی کہہ سن لیتی تھی۔ مجھے علم نہ تھا کہ یہ میسنی پھپھو کو پوری رپورٹنگ کرتی ہے۔ اس نے انہیں خوب بھڑکایا۔ پھپھو نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے باہر کسی لڑکے سے روابط رکھے تو وہ تصور اور تہزن کو بتا کر میری خوب ٹھکائی کروائیں گی۔"
ربیعہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ بے حد لاپروائی سے سب کچھ کہہ رہی تھی۔
"لیکن...... وہ اتنی سخت کیوں ہیں ترانہ؟"
ترانہ زور سے ہنس دی۔
"وہ ظالم سماج ہیں ربیعہ...! ظالم سماج' محبت کے گلابی سپنوں سے انہیں سخت نفرت ہے۔ کسی کی آنکھوں میں رنگین سپنے دیکھ کر ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ ان آنکھوں کو نوچ کر اندھا کر دیں۔ لبوں پر مہکتی ہنسی سے ان کے کانوں میں زہر بھرنے لگتا ہے۔ آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ ایک ایسا قانون پاس کروا دیں جس کے تحت محبت کا نام لینے والوں کی زبانیں کھینچ دی جائیں۔ خواب بننے والی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دی جائیں۔ نغمے سننے والے کانوں میں سیسہ بھر دیا جائے۔"
ربیعہ دم بخود سنتی گئی۔
"بہت ہمت والی ہو۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

ترانہ نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے نیازی تھی۔
"جتنی سخت حکومت' اتنی سر پھری بغاوت۔ اتنی سی بات نہیں سمجھتیں ربیعہ ڈیئر! سانس لینے کو روزن میسر نہ ہو تو دیواریں ڈھا دی جاتی ہیں۔"
ربیعہ کو باغی ترانہ سے خوف سا محسوس ہوا۔ اچانک ہی وہ چونکی۔ سیڑھیوں پر اس نے بالوں کی سیاہی دیکھی' پھر اسے لال کپڑوں کی جھلک نظر آئی۔ کوئی چھپ کر واپس جا رہا تھا۔
"ترانہ...... کسی نے ہماری باتیں سنی ہیں۔" وہ اچانک ہی ڈر گئی۔
ترانہ نے مڑ کر دیکھا۔
"کون تھا؟"
"پتا نہیں۔ سرخ کپڑوں کی جھلک تھی۔"
"صولت!" ترانہ نے لب سکوڑے۔ "یہ لڑکی کسی دن نقصان اٹھائے گی میرے ہاتھوں۔"
"مجھے ڈر لگ رہا ہے ترانہ!"
"بدھو!" ترانہ نے اسے گھورا۔
"سنو ربیعہ! جلدی مت سونا۔ ہم رات کو چھت پر گفٹ کھولیں گے۔ پتا نہیں باری نے میرے لیے کیا خریدا ہو گا۔"
وہ اپنے گفٹ کے متعلق سوچنے لگی' جبکہ ربیعہ کچھ اور سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کل عباد آ رہا ہے۔" رات کے کھانے پر منیزہ بیگم نے سب کو اطلاع دی تھی۔
شہلا اور انیقہ کے چہرے کھل اٹھے۔ عمر نے خوشی سے نعرہ لگایا۔
"عباد ماموں...... ہرے نانو' میں انہیں اپنے پپا کے بارے میں بتاؤں گا۔ ٹھیک ہے نا۔"
شہلا اپنی پلیٹ پر جھک گئی' جبکہ انیقہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ منیزہ بیگم نے پیار سے ساتھ بیٹھے ہوئے نواسے کا گال تھپکا۔
"نانو!" اس نے پھر کچھ بولنا چاہا۔
"عمر!" شہلا نے اسے ٹوک دیا۔ "خاموشی سے کھانا کھاؤ۔"
"کیوں جھڑکتی ہو بچے کو بار بار۔" منیزہ بیگم نے دھیرے سے اسے ٹوکا۔ "اس کے معصوم ذہن میں بدگمانیاں نہ پیدا کرو۔ بول رہا ہے نا۔ بولنے دو۔ کیا لیتا ہے تمہارا۔ ہر طرح کے حالات کو ذہنی طور پر قبول کرنا سیکھ لو شہلا بیٹی! انسان پھر اتنا پریشان نہیں رہتا۔ بہتی دھارا کے ساتھ بہنے دو سب کو۔"

شہلا نے ٹشو سے منہ صاف کیا۔
"میٹھا لے لو۔" وہ اس کا ارادہ بھانپ کر بولیں۔ "تمہیں تو بے حد پسند ہے بادام کا حلوہ۔"
"بس امی! ابھی موڈ نہیں ہے۔" وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئی۔ "انیقہ! اپنے لیے چائے بناؤ تو مجھے بھی دینا ایک کپ۔"
"جی آپا!" اس نے بھانجے کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔
"نانو....." وہ ماں کے جانے کے بعد بولا۔ "مما کو کیا ہوا ہے۔ مجھ سے ناراض ہی رہتی ہیں۔"
"نہیں بیٹا!" وہ پیار سے بولیں۔ "وہ تو آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ ماں تو اپنے بچوں سے ناراض نہیں ہوتی۔ ماں تو اپنے بچوں کو بہت چاہتی ہے۔"
"اور پپا؟"
"ایک تو اس کی سوئی!" انیقہ نے دانت پیسے۔ "اٹک گئی تو بس اٹک گئی۔"
"نہ کرو انیقہ! بچہ ہے۔" انہوں نے خفگی سے دیکھا۔
"بچہ نہیں ہے امی! پورا چھپا رستم ہے۔ میں تو چلی چائے بنانے۔"
وہ بھی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ منیزہ بیگم نے عمر کو گود میں اٹھالیا۔
"بادام کا حلوہ کھلاؤں آپ کو؟" وہ دلار سے پوچھنے لگیں۔
"نہیں نانو... مما روز صبح کھلاتی ہیں۔ مما کہتی ہیں اس سے دماغ مضبوط ہوتا ہے۔ خالہ جانی ان سے کہتی ہیں۔ اس کا دماغ تو پہلے ہی بہت تیز ہے آپا۔ اسے مزید تیز نہ کریں۔" اس نے خالہ کی نقل اتاری۔
"ماشاء اللہ! کیوں نہ ہو۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔
"نانو... آپ سب سے اچھی ہیں۔ آپ مجھے بالکل نہیں ڈانٹتیں... نانو' ایک بات بتاؤں آپ کو....." اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"ہاں ہاں بتاؤ!" وہ اسے اپنے بستر تک لے آئیں۔
"میرے پپا بھی مجھے بالکل نہیں ڈانٹتے۔"
"اچھا!" وہ خاموش سی ہو گئیں۔
"پتا ہے نانو! وہ مجھے زو بھی لے کر گئے تھے۔ سندباد بھی لے کر گئے۔ انہوں نے مجھے سب جھولوں پر بٹھایا۔ پھر مجھے آئس کریم کھلائی۔ کتنے اچھے پپا ہیں میرے۔"
منیزہ بیگم نے گہری سانس بھری تھی۔
"اب سو جاؤ عمر! صبح اسکول جانا ہے نا۔"
"ہاں نانو! صبح میں ضرور اسکول جاؤں گا' میں اپنے سارے فرینڈز کو بتاؤں گا اپنے پپا کے بارے میں۔"
"عمر....." کمرے کے دروازے پر شہلا کھڑی تھی۔ "چلو میں سلاؤں تمہیں۔ امی کے قابو میں کہاں آنے والے ہو تم۔ خود بھی جاگو گے ساری رات' انہیں بھی جگاؤ گے۔"
وہ بستر سے چھلانگ لگا کر ماں کی گود میں لٹک گیا۔
"نانو! شب بخیر!" اس نے ہاتھ ہلایا۔
"شب بخیر میری جان!" وہ محبت سے مسکرادیں۔
شہلا اسے گود میں لیے اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ اس نے محبت سے اسے بستر پر پھینکا اور خود اس کے

گدگدی کرنے لگی۔
"شیطان کہیں کے۔ شکایت لگاتے ہو مما کی نانو سے ہاں... مما ڈانٹتی ہیں تمہیں۔"
وہ ہنستے ہنستے بے حال ہو گیا۔
"مما! مما میری بات سنیں۔"
"ہاں سناؤ۔" اس نے ہاتھ روکے۔
"میں کبھی آپ کی شکایت نہیں کرتا۔ مجھے تو آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ پتا ہے کتنی؟"
شہلا نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔
"اتنی....." اس نے چھوٹے چھوٹے ہاتھ حتی الامکان دور کیے۔ "بلکہ اس سے بھی زیادہ بہت زیادہ' پپا سے بھی زیادہ۔"
اس نے کن اکھیوں سے ماں کا چہرہ دیکھا۔ شہلا مسکرادی۔
"مگر مجھے تمہارے پپا بالکل پسند نہیں ہیں۔ تم میرے سامنے ان کا ذکر مت کیا کرو' سمجھے۔"
اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ اپنی معصوم نگاہوں میں حیرانی بھر کر اسے دیکھنے لگا۔
"مما..... پپا تو آپ کو بہت لائک کرتے ہیں۔ وہ مجھ سے آپ کی باتیں کرتے ہیں۔"
شہلا کا دل عجب انداز میں دھڑکا تھا۔ اس کی ہتھیلیاں نم ہو گئیں۔
"تم..... تم ان سے میری باتیں مت کیا کرو عمر!" وہ اس سے دور ہو گئی۔
وہ بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔
"کیوں مما..... کیوں نہ کروں؟" اس کے انداز میں ضد تھی۔ "ہمیں اچھا لگتا ہے آپ کی باتیں کرنا۔"
بے بسی سے شہلا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ دانتوں سے لبوں کو کچلنے لگی۔
"مما! پپا کہتے ہیں آپ کو آئس کریم بہت پسند ہے۔ میں نے کہا جھوٹ! میری مما تو کبھی آئس کریم نہیں کھاتیں اور پپا بولے آپ کو ریڈ کلر پسند ہے۔ میں نے کہا غلط' میری مما کے پاس ایک بھی ڈریس ریڈ کلر کا نہیں ہے۔ پپا بولے....."
وہ کہتا جا رہا تھا۔ شہلا کے کانوں سے آہستہ آہستہ اس کی آواز دور..... بہت دور ہوتی چلی گئی۔ وہ کہیں اور جا پہنچی تھی۔ نگاہوں کے سامنے دھندلے دھندلے منظر گزر رہے تھے۔ روئی کے گالوں جیسے منظر۔
"کیا کرتے ہو۔ پلیز ابرار۔" اس کی ہنسی کی جھنکار سے پورا کمرہ گونج رہا تھا۔
وہ ٹھنڈی ٹھنڈی آئس کریم اس کے گالوں پر مل رہا تھا۔
"کھاؤ..... نہاؤ..... پوری ختم کرو..... مجھے رات کے ڈیڑھ بجے آئس کریم لینے بھیجا ہے نا تم نے۔ اب کہتی ہو کھائی نہیں جاتی۔ ختم کرو۔"
"ابرار.....!" وہ اٹھ کر بھاگنے لگی تھی۔
اس نے اس کا لال آنچل پکڑ لیا تھا۔ دوپٹہ اس کے گلے سے نکل کر اس کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ وہ اسے رومال کی طرح گلے میں باندھ کر بیٹھ گیا۔
"اب لے کر دکھاؤ۔"
"بہت برے ہو تم۔" وہ ہتھیلیوں سے گال رگڑتے ہوئے بولی۔
"چیک تو کرو۔" اس نے شرارت سے آنکھ میچی تھی۔ "ایسے ہی کہہ دیا؟"

شہلا نے اسے زبان چڑائی۔
"ارے تمہاری زبان تو سفید ہو رہی ہے۔ پاس آ کر دکھاؤ۔" وہ ڈاکٹری جھاڑتا۔
"آپ ہی کے جتنی ڈاکٹر میں بھی ہوں جناب۔" وہ انگوٹھا دکھاتی۔
"ارے! تمہارے تو ناخن بھی پیلے ہیں۔ چلو نسخہ لکھواؤ۔"
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔
"ممّا۔۔۔۔ ممّا۔۔۔۔" عمر نے اس کا کاندھا ہلایا۔ "کیوں ہنس رہی ہیں آپ؟"
شہلا جیسے یکدم ہوش میں آئی۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ بجھا دی۔
"کچھ نہیں، چلو سو جاؤ۔"

☼ ☼ ☼

"اماں راہ دیکھتی ہیں تمہاری۔ شکایت کر رہی تھیں مجھ سے۔" انہوں نے گاؤن لے کر صوفے کی پشت پر ڈال دیا۔ فاروق حسن بستر پر لیٹتے لیٹتے رک گئے۔
"پہلے کہا ہوتا۔ میں مل لیتا جا کر۔ اب رات کے دس بجے جا رہی ہیں۔ اماں تو سو گئی ہوں گی۔"
"اماں تو سو گئی ہوں گی لیکن تم ذرا جاگو۔" وہ ہانپتی کانپتی بستر کے دوسری جانب آ کر بیٹھ گئی تھیں۔
"ایک مشورہ دو۔"
"انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیگم کی جانب دیکھا۔
"عذرا نے نافع کے لیے عریشہ کا خیال ظاہر کیا ہے۔ میں نے کہا، عریشہ کے باپ کی صلاح کے بغیر میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ اب تم کہو، مجھے تو مناسب ہی معلوم پڑتا ہے۔ بچی اپنے گھر میں ہی رہے گی، نگاہوں کے سامنے۔ ماہین کو غیروں میں بیاہ دیا۔ تسنیم میاں تو بہت بھلے ہیں مگر ماں بہن غضب کی تیز ہیں۔ ماہین کا اپنا مزاج بھی تیز ہے۔ دھڑکا سا رہتا ہے جی کو ہر وقت۔ بچی اپنوں میں جائے تو اتنا وہم نہیں ہوتا۔ چلو رافع نہ سہی نافع سہی۔ وہ بھی بھلا مانس ہے۔ پڑھ رہا ہے ابھی تو، کسی قابل ہو ہی جائے گا۔"
فاروق حسن کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"اپنی بچی کی بات آئی تو آپ کو خاندان اچھا لگا۔ ہاشم کے لیے میں نے ثانیہ اور ناعمہ کا کہا تھا تو آپ خفا ہوئی تھیں کہ خاندان میں نہیں کرنا۔ اب کہیے! بیٹی کی ماں بن کر سوچا تو کیسا لگا؟ عذرا اور رابعہ بھی تو ایسا ہی سوچتی ہوں گی۔"
فردوس بیگم خفیف سی ہو گئیں۔
"ارے ہاں! ہم تو ثانیہ پر بھی راضی ہیں اور ناعمہ پر بھی۔ ہماری اپنی بچیاں ہیں۔ غصے میں بھلا برا منہ سے نکل ہی جاتا ہے۔ مگر تم تو بائیں کاندھے پر سوار ہو ہمارے۔ فٹافٹ اندراج کرتے ہو۔"
فاروق حسن مسکراتے رہے۔
"تم بیٹا راضی کر لو تو جس کو کہو گے بیاہ لاؤں گی، سر کے بل جاؤں گی۔"
"جیسی نیت ویسی مراد۔" وہ برجستہ بولے۔ "خاندان کی لڑکی نہ لانے کا مصمم عزم کیے بیٹھی تھیں آپ، خدا نے آپ کی مراد پوری کی۔ اب آپ باہر سے ہی بہو لائیں۔ خیر، بات تو کچھ اور ہو رہی تھی۔ آپ عریشہ کے متعلق پوچھ رہی تھیں تو میرا بھی وہی خیال ہے جو آپ کا ہے۔ پھر اماں نے رشتہ جوڑا ہے، اللہ نے چاہا تو بہت اچھا رہے؟

گا۔ آپ بسم اللہ کہہ کر ہاں کیجیے۔ البتہ عریشہ کی رضامندی معلوم کر لیں۔"
"ہماری لڑکیاں بڑوں کے سامنے نہیں بولتیں؟" وہ ہاتھ نچا کر بولیں۔
درپردہ انہوں نے شوہر کو چھوٹی نند کی بابت یاد کروایا تھا۔
"نافع، خوبصورت، سلجھا ہوا، پڑھا لکھا لڑکا ہے۔ لڑکیاں یہی کچھ چاہتی ہیں۔" وہ بھی رسانیت سے بولے۔
فردوس بیگم بھی ان کا مطلب بھانپ کر خاموش ہو رہیں۔
"ہاشم کا کیا کروں؟" وہ پھر بے بسی سے گویا ہوئیں۔ "آپ کچھ سمجھائیں اسے۔"
"مجھے اس کی حالت یاد آ جاتی ہے۔" وہ بھی دھیرے سے بولے۔ "وہ بے حد حساس لڑکا ہے بیگم! زور زبردستی نہ کیجیے گا۔ اگر اس کے اصرار میں واقعی ماضی کی سی شدت ہے تو میرا مشورہ تو یہی ہے کہ اس کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیجیے۔"
"لوگ کیا کہیں گے۔" ان کا گلا رندھ گیا۔ "بہو کے ساتھ پوتا بھی ملا ہے۔"
"لائٹ آف کر دیں۔" انہوں نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔
فردوس بیگم غم زدہ انداز میں تا دیر بیٹھی رہیں۔

☼ ☼ ☼

عمر بالآخر سو گیا تھا۔ معصوم بچپنے کی معصوم نیند تھی۔ شکوک و شبہات اور وسوسوں سے پاک نیند، جہاں آئندہ کے اندیشے تھے نہ بیتے کل کی پرچھائیاں۔ سکون ہی سکون تھا۔ اطمینان ہی اطمینان تھا۔ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ بے خبر سو رہا تھا۔
شہلا نے جھک کر اس کی پیشانی چومی اور اس کے بکھرے بال ماتھے پر سے سمیٹتے ہوئے اس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی سیاہ آنکھیں ماں جیسی تھیں۔ بال بھی ماں کی طرح کالے اور گھنے تھے۔ ناک کی اپنی ہی وضع تھی۔ پھولی اور گول سی۔ لیکن لبوں کا کٹاؤ بالکل باپ کا سا تھا۔ ہنستے ہوئے اس کے بائیں گال میں گڑھا بنتا تھا۔ ایسا گڑھا شہلا کے گال میں بھی پڑتا تھا اور ابرار کے بھی۔ یہ خصوصیت اس نے ماں اور باپ دونوں سے لی تھی۔
شہلا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر گہری سانس بھرتے ہوئے بستر سے اتر آئی۔ اور بک شیلف کے قریب کھڑے ہو کر مختلف کتابوں پر نظریں دوڑانے لگی۔
اس کا ذہن فرار چاہ رہا تھا اور ایک خاص سوچ اس فرار کا تعاقب کر رہی تھی۔ کتابوں پر انگلی پھیرتے ہوئے وہ آگے چلی آئی۔ کھڑکی کے پاس آ کر اس نے کھڑکی کا سلائیڈنگ ڈور کھول دیا۔
باہر لان میں اندھیرا تھا۔ رات کی رانی اور جنگلی گلاب کی ملی جلی مہک دھیرے سے کمرے میں در آئی۔ شہلا نے بے کل ہو کر کھڑکی بند کر دی۔
کتنا کچھ کہا تھا اس نے ایقان سے۔ کس قدر جھوٹ بولنا پڑا تھا اسے۔ اور وہ ایقان، وہ کس قدر درست تھی۔ کتنی ذہین تھی وہ۔ اس نے شہلا کا جھوٹ پکڑ لیا تھا۔
شہلا آئینے کے سامنے چلی آئی۔ سامنے اس کا عکس تھا۔ وہ ایقان کی نظروں سے اپنا آپ کھوجنے لگی۔
"اپنی سیاہ آنکھیں غور سے دیکھو۔" اس نے کہا تھا۔ "اپنے تراشے ہوئے لبوں پر دھیان دو۔ اپنی ان سیاہ زلفوں سے پوچھ دیکھو۔ انہیں ایک چاہنے والا، سراہنے والا درکار ہے۔"
شہلا نے آنکھیں بند کر لیں۔
"شالو!" اس کے کانوں میں بھولی بسری سرگوشی جاگی۔

شہلا نے سہم کر آنکھیں کھول دی تھیں۔
"دیکھا! آئی نالاج اس تصور سے؟" ایقان کہہ رہی تھی۔ "کیسے کہہ سکتی ہو شہلا کہ جذبوں کے الاؤ سرد پڑے ہیں۔ رخساروں پر بکھرتی حرارت جھوٹ نہیں بولتی۔"
"ایقان!" اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔ "کیسے سمجھاؤں تمہیں، یہ بات تو میں اپنے آپ سے کہتے ہوئے ڈرتی ہوں۔ جذبوں کے الاؤ سرد نہیں ہیں مگر چنگاریاں جو چھپی ہوئی ہیں۔ ان تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس پُر پیچ رستے پر بس ایک مسافر ہی منزل تک پہنچا تھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ وہ منزل کو منزل نہ سمجھا۔ وقتی پڑاؤ سمجھا۔ لیکن اس کے قدموں کے نشان آج تک....."
وہ سسک پڑی۔
"اب تک ویسی ہی ہو۔" کسی نے ہنس کر کہا۔
شہلا ڈر گئی۔ یہ کس نے جی کا چور دیکھا تھا۔ اس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ جالی کے سفید پردے چپکے چپکے مسکرا رہے تھے۔



"یہ ایروپلین کی تصویر یہاں لگاؤ اور یہ ٹرین یہاں۔" ایقان بچوں کو لیے بیٹھی تھی۔
"مما..... یہ ایمان ساری گلو (Glu) ضائع کر رہی ہے۔" مومن نے اس کی توجہ ننھی ایمان کی جانب مبذول کروائی جو گلو نکال نکال کر کارپٹ پر لگا رہی تھی۔
"ہائیں....." وہ جلدی سے اٹھی۔ "گندی بچی یہ کیا کیا تم نے کارپٹ کا ناس مار دیا۔ اب یہ کیسے صاف ہوگا۔ تمہارے ابا جاپان سے آئیں گے یہ صاف کرنے۔"
ایمان ہنستے ہوئے اٹھ کر بھاگی۔ ایقان اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اچانک رکی۔ کمر میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی جس نے اس کے پورے وجود میں آگ سی بھر دی۔ وہ پسینے پسینے ہوگئی۔ اس کا حلق خشک ہوگیا۔
"مما....." مومن جو غور سے ماں بیٹی کے درمیان ریس ملاحظہ کر رہا تھا چونک اٹھا۔ "مما..... کیا ہوا؟"
ایقان بمشکل صوفے تک پہنچی۔ مومن آکر اس کے قریب کھڑا ہوگیا تھا۔ ایمان پردے کے پیچھے جا چھپی تھی۔
"مما! آپ کی طبیعت خراب ہے؟" وہ فکر مندی سے پوچھنے لگا۔
ایقان محض اثبات میں سر ہلا پائی۔ ٹیسیں رہ رہ کر اٹھ رہی تھیں۔
"میں پانی لاتا ہوں۔" وہ کچن کی جانب دوڑ گیا۔
ایقان نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا۔
دفعتاً فون کی بیل بجنے لگی۔ مومن نے جا کر فون کا ریسیور اٹھایا۔
"ہیلو..... ہیلو..... جی پپا۔ میں مومن ہوں۔"
ایقان چونک گئی۔
"مما کی طبیعت خراب ہوگئی پپا.....! میں انہیں پانی پلا رہا ہوں۔" اس نے اپنی مستعدی کے متعلق بتانا ضروری خیال کیا۔
ایقان اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے فون تک گئی۔
"ہیلو....." وہ دھیرے سے بولی۔

"ایقان! کیا ہوا ہے یار؟" وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

"پتا نہیں عاشر! بس اچانک ہی کمر میں ٹیسیں سی اٹھنے لگی ہیں۔ بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ کراہی۔

"تم... تم فون کرکے رافع یا ہاشم کو بلا لو۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔"

"اچھا!" اس نے کہا۔

اس کی پلکیں نم ہو گئی تھیں۔ لب کانپنے لگے تھے۔ عجب موسم تھے جدائی کے۔ پوری زندگی پر محیط دکھائی دیتے تھے اس کو، تو محض آواز سے کب تک خود کو تسلیاں دیتی وہ۔ ایقان نے اس لمحے خود کو بے حد تنہا اور ملول محسوس کیا تھا۔

"ایقان... ایقان..." وہ آوازیں دے رہا تھا۔

"ہاں!" اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "میں سن رہی ہوں عاشر!"

"آئی لو یو جانو!" یہ بھی گویا تسلی دینے کا انداز تھا۔

ایقان کی تسلی اب اس جملے سے نہ ہوتی تھی۔ ورنہ بہت عرصے تک تو وہ یہی سہ لفظی جملہ سن کر شانت ہو جایا کرتی تھی۔ دل ان ہی لفظوں کی تکرار کیا کرتا تھا۔ وہ خوش خوش پھرا کرتی تھی۔

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ ایقان نے مرے مرے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ دل کو اب لفظوں کی تسلی کافی نہ تھی۔ جی بھر کر رو لینے کے لیے ایک کاندھا درکار تھا۔

ٹیس پھر اٹھی تھی۔ وہ "حیات ولا" کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ فون عذرا بیگم نے اٹھایا۔

"ہیلو بھائی جان!" وہ بولی۔ "ایقان بات کر رہی ہوں۔ جی میری طبیعت کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ کمر میں درد ہو رہا ہے۔ جی، رافع کو بھیج دیں۔ بھائی جان کی گاڑی لے آئے۔ جی اچھا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"ہم بے چاری عورتیں!" صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر سوچنے لگی۔ "اکیسویں صدی کا نعرہ لگا کر شخصی آزادی کی باتیں کرتی ہیں۔ سیمینار ہوتے ہیں، لیکچرز دیے جاتے ہیں۔ تقریریں ہوتی ہیں۔ آزادیٔ نسواں کی باتیں ہوتی ہیں۔ عورت آزاد ہے، عورت، مرد کے سہارے کی محتاج نہیں، عورت اکیلی رہ سکتی ہے، بچے پال سکتی ہے، نوکری کرکے اپنا گھر چلا سکتی ہے۔ سب ہی کچھ کر سکتی ہے بے چاری حوا! سب کچھ کر گزری مگر آدم کے شکنجے سے آج تک اپنا دل آزاد نہ کروا پائی۔ آزاد وجود کے اندر قیدی دل لیے پھرتی ہے۔ وہاں سے محض ایک جملہ کہہ کر فرض پورا ہو جاتا ہے۔ آئی لو یو جانو! کتنی بڑی بات ہے نا۔ یہ بول بنا! بہال قیدی دل تا دیر تکرار کرتا ہے۔ پاگل، دیوانہ، ساری ساری رات اسی ایک جملے کا تعاقب کرتا ہے، یہی سننے، سنتے رہنے کی خواہش میں عمر گزار دیتا ہے اور بے چاری عورت! کہتی ہے، میں آزاد ہوں! جن کا دل زنجیر کی چھنک کا غلام ہو۔ ان کے وجود آزاد نہیں ہوا کرتے دیوانی عورتوں۔"

☼ ☼ ☼

وہ "حیات ولا" چلی آئی تھی۔ ڈاکٹر نے دس پندرہ دن بیڈ ریسٹ کی ہدایت کی تھی۔

"تو عمر لڑکیوں بالیوں کی طرح تو اچھلتی، کودتی پھرتی ہو تم!" شفیقہ حیات نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ "شوہر پردیس میں ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے۔ تمہیں تو دہری ذمہ داری نبھانی ہے۔ اپنا خیال خود نہ رکھو گی بی بی! خدا فرشتے تو اتارے گا نہیں جو پل پل تمہارا ہاتھ پکڑ کر سہارا دیں۔ ہرنی کی سی قلانچیں بھرتے میں نے بارہا دیکھا ہے تمہیں۔ میرا جی دھڑک دھڑک جاتا ہے پر تم بے دھڑک چھلانگ لگاتی ہو یہاں سے وہاں تک کی۔"

وہ کان لپیٹے بیٹھی رہی۔

"میرے منہ میں خاک! کچھ الٹا سیدھا ہو جاتا تو میاں سے کیا کہتیں؟"

"اونہہ! میں نے ٹھیک لیا ہے نا سب کچھ سیدھا سیدھا رکھنے کا۔" وہ جھلائی۔ "یہاں ہمارا دل الٹا سیدھا آڑا ترچھا سب ہی کچھ ہو جاتا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اور اماں! عورت اپنے دل سے مرد کی باندی ہے۔ اسے مرد ہی بھاتا ہے ہر روپ میں، بھائی ہو، بیٹا ہو، اور تو اور داماد ہو۔ بس وہی صحیح ہے۔ آپ کو بیٹی کی فکر نہیں، داماد کی سوچ کی تشویش ہے۔ حد ہو گئی۔"

"ارے ارے کیسی نامعقول ہو رہی ہو تم۔" انہوں نے بیٹی کو گھورا۔ "وہ ہمیں ہی سونپ کر گیا ہے تمہاری خبر گیری۔ فکر نہ کریں گے کیا؟ اور تمہیں یہ کاہے کا بھوت سوار ہے؟"

"پتا نہیں! بس غصہ آ رہا ہے ہر کسی پر۔"

"بیٹی!" وہ نرم پڑ گئیں۔ "کیوں جان ہلکان کیے رکھتی ہو۔ چار پیسے کمانے پردیس گیا ہے بچہ۔ آ جائے گا۔ ساتھ ہنسنے کھیلنے کو عمر پڑی ہے۔"

ماں تھیں۔ حال سے بے حال ہوئی بیٹی کے احساسات سمجھ گئیں۔

"یہ بھی درست کہا اماں! پیر میرے قبر میں لٹکے ہوں گے اور میں کھیلتی پھروں گی لاٹھی کے سہارے۔"

عذرا بیگم کھلکھلا کر ہنس دیں۔ وہ اس کے لیے شیک بنا کر لائی تھیں۔

"اپنے نام کی ایک ہی ہے۔" شفیقہ حیات بھی مسکرا دی تھیں۔

☼ ☼ ☼

فرائنگ پین میں رکھے ہوئے کبابوں کو احتیاط سے پلٹتے ہوئے انہوں نے ایک نگاہ عباد پر ڈالی۔ کچن میں پڑی گول میز کی کرسی پر بیٹھا وہ مزے سے پلاؤ اور رائتے کا لطف اٹھا رہا تھا۔

وہ شامی کباب بھی پلیٹ میں نکال کر لے آئیں۔ اس کے سامنے پلیٹ رکھ دی۔

"واقعی... کمال امی جی کمال!" وہ گرم گرم شامی کباب کھاتے ہوئے بولا۔ "جس نے بھی کہا سچ کہا کہ معدہ، دل سے پہلے واقع ہوا ہے۔ جو راہ بھی ادھر کو جاتی ہے۔ "اسی راہ" سے گزر کر جاتی ہے۔ مائیں تب ہی تو راج کرتی ہیں بیٹوں کے دلوں پر۔ کھلا کھلا کر انہیں غلام بے دام بنا لیتی ہیں۔"

انہوں نے پیار سے اس کے چپت لگائی۔

"مائیں تو انتظار کرتی ہیں اپنے راج دلاروں کا۔ چولہے پر پلاؤ تو بہت بعد میں بنتا ہے۔ لاتعداد خیالی پلاؤ جی ہی جی میں بنا لیتی ہیں کہ اس بار کیا پکانا ہے اور کب کب کھلانا ہے۔ اولاد اتنے شوق سے کھائے تو ماں کا بنا کھائے ہی سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔"

"پتا ہے امی جی! اس بار آپ کے فرائیڈ رائس اور چکن نے بڑا لطف دیا رستے میں۔" اسے اپنا سفر یاد آیا اور ساتھ ہی ہم سفر بھی۔

وہ چمچ بھر کر منہ میں ڈالنا بھول گیا۔ منیزہ بیگم نے غور سے اسے دیکھا۔

"کیا بھول گئے؟" انہوں نے ٹوکا۔

اس نے جلدی سے چمچ منہ میں ڈالا اور مسکرانے لگا۔

"بھول نہیں گیا، کچھ یاد آ گیا تھا۔" اس نے تصحیح کی۔

"اچھا میں سمجھی رستے میں کچھ بھول آئے۔" وہ مطمئن ہو گئیں۔

"امی جی!" اس نے کچھ دیر میں پکارا۔

"کہو بیٹے۔" وہ اب اس کے لیے چائے دم کرنے لگی تھیں۔
"ایک لڑکی ملی تھی لاہور جاتے ہوئے۔ ٹرین میں ساتھ تھی میرے۔ ربیعہ نام ہے اس کا۔"
"اچھا!" ان کے ہاتھ رک گئے۔ لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ جاگ اٹھی۔
"امی۔۔۔!" وہ سوچ میں گم ہو گیا۔
منیزہ بیگم اس کے کچھ کہنے کے انتظار میں کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ پھر کھنکاریں۔ وہ چونک اٹھا۔ کچھ کہے بنا وہ دوبارہ اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔ وہ بھی چائے بنانے لگیں۔
کھانے اور چائے سے فارغ ہو کر وہ حسب معمول ان کے کمرے میں چلا آیا اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔
"امی جی! وہ بہت اچھی ہے۔" وہ چھت کو گھورتے ہوئے بولا۔ "بہت حوصلہ مند، خوددار، باوقار، اس کی بات چیت میں بے حد شائستگی ہے، مسکراہٹ میں بچوں کی سی معصومیت، آنکھوں میں وہ روشنی جو صرف کردار کی بلندی سے ہی ملتی ہے۔ زندگی نے اس کے ساتھ بہت سختی برتی لیکن وہ عزم اور ہمت کی مثال ہے۔ مجھے اس نے بہت متاثر کیا ہے۔"
منیزہ بیگم مسکراتی رہیں۔
"پتا ہے امی! اسے اپنی منزل کا علم نہ تھا پھر بھی وہ اکیلی کسی سے مدد کی درخواست کیے بغیر ہی چل پڑی تھی۔ مجھے ایسے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو خود پر ترس نہیں کھاتے، اپنی مظلومیت کے احساس سے روتے نہیں لگتے ہمت سے سر اٹھا کر زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وقت کا چیلنج قبول کرنے والے لوگ۔"
منیزہ بیگم کچھ نہ بولیں۔ ان کی آنکھوں میں پرچھائیاں سی پھرنے لگی تھیں۔
"چڑیا کے سے دل پر اس نے ہمت اور حوصلے کا شیر کا سا خول چڑھا رکھا ہے۔ دل تو قدرت عطا کرتی ہے نا امی! اس پر بس نہیں مگر خول انسان خود چڑھاتا ہے۔ یہ تو تعریف کا مقام ہے۔ کیوں امی جی؟"
"ہاں!" وہ چونک اٹھیں۔ "ٹھیک کہتے ہو بیٹے۔ مگر وہ ہے کون؟"
"ربیعہ!" وہ سادگی سے بولا۔
"کہاں رہتی ہے۔ کیا کہانی ہے اس کی؟"
"ابھی تو میں خود ٹھیک طرح سے نہیں جان پایا۔ بس جو اندازہ قائم کیا ہے اس کے بارے میں، وہ آپ کو بتا دیا۔"
"تا پتا معلوم کر لو تو تمہارا رشتہ لے جاؤں" وہ مسکراتے ہوئے انہوں نے کہا۔
"رشتہ؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "مائی گاڈ! میری پیاری، بھولی بھالی امی جان! ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ آپ سے یہ کس فرشتے نے کہہ دیا کہ میرے ذہن میں ایسی کوئی بات ہے؟"
"تعریفیں تو ایسے ہی کیے جا رہے ہو" وہ برا مان کر بولیں۔
"امی جی۔۔۔ امی جی۔۔۔" اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ "پتا ہے آپ کو مجھے اس میں سب سے زیادہ کس شے نے متاثر کیا؟"
وہ بنا جواب دیے اسے دیکھتی رہیں۔
"اس کی آنکھوں میں روشن بلند کرداری کے جگنوؤں نے۔ اور جانتی ہیں یہ جگنو میں نے اور کہاں دیکھے ہیں؟ آپ کی ان پیاری پیاری آنکھوں میں۔ اس کی حیا بھری آنکھیں دیکھ کر مجھے آپ کی آنکھیں یاد آ گئیں۔ اور رخصت ہوتے سمے اس نے مجھے پکارا۔ عباد بھائی۔ مجھے بہت، بہت اچھا لگا۔"

"اچھا۔" انہوں نے سانس بھری۔ "تو تیری بہن مل گئی تمہیں۔"
"دیٹس اٹ۔"
"میں تو سمجھی ایک ذمہ داری سے جان چھوٹی میری۔ اب تمہارے رشتے کے لیے خوار نہیں ہونا پڑے گا مجھے۔"
"آپ خدانخواستہ کیوں خوار ہونے لگیں۔ یہ میری اچھی اچھی بہنیں کس مرض کی دوا ہیں۔" وہ مزے سے بولا۔
منیزہ بیگم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھیں۔
"عباد! جانتے ہو ابرار اب اکثر عمر کو لے جاتا ہے۔"
وہ بھی گم صم سا ہو گیا۔
"اور پاپا!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔
"رو رو کر دیوانی ہو جاتی ہے بے چاری۔ پر کیا کرے، ڈرتی ہے کہیں وہ کوئی دعوانہ کر بیٹھے۔"
"کرتا ہے تو کرے۔" وہ بگڑا۔ "ہم بھی دیکھ لیں گے۔"
"بیٹا! مردوں کے اس معاشرے میں ایک دکھی ماں کے دل کی فریاد کس نے سننی ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "باپ ہے وہ اس کا۔"
"اسے اب یاد آیا ہے؟" وہ بھی مجروح لہجے میں یہی کہہ سکا۔
"دیکھو اب کب تک یہ کھیل چلتا ہے۔" وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی، اب یاد آیا

"پتا ہے عریشہ! سینکڑوں مرتبہ یہ غزل سنی ہے میں نے۔ میڈم کی آواز میں ایک شاہکار بن گئی ہے ناصر کی شاعری۔ لیکن اب میں یہ غزل سنوں تو میرے دل کی عجیب سی حالت ہونے لگتی ہے۔ میرا دل مضطرب ہو جاتا ہے، سانسیں رکنے لگتی ہیں میرے سینے میں۔۔۔ اور جب یہ شعر آتا ہے کہ۔

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

تو میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"
"میں کیا جانوں۔۔۔ اپنے آنسوؤں سے پوچھو۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"آنسو کہتے ہیں دل سے پوچھو۔" وہ شرارت سے بولا۔
"ہاں تو ٹھیک ہے دل سے پوچھو۔"
"پوچھ تو رہا ہوں۔"
عریشہ کے گال تپ گئے۔ کان کی لو سرخ پڑ گئی۔
"بولو نا میرے دل۔۔۔ کوئی جواب؟"
"فراز۔۔۔ پلیز ایسے مت بات کرو۔" وہ جھینپ کر بولی۔
"ہم کب ملیں گے عریشہ؟" اس نے اس کی کیفیت بھانپ کر ٹریک بدلا۔ "اب تو تم گلف مارکیٹ بھی نہیں

جاتیں؟"
"جاتی ہوں مگر اپنے خرچ پر۔" وہ کھلکھلائی۔ "ایک مرتبہ کا تجربہ کافی ہے۔"
"ہاں یہ تو ہے۔" اس نے اتفاق کیا۔ "اس طرح کا تجربہ تو بس ایک ہی ہونا چاہیے لائف میں۔ ایک ہی تجربہ جیب پر بھاری ہے۔ موبائل کا خرچ دوگنے کو کراس کر چکا ہے۔"
"تو مت کرو خرچا۔ کس نے کہا ہے۔" وہ بے نیاز تھی۔
"عریشہ! میں نے اپنی بہن کو تمہارے متعلق بتایا ہے۔ اس کا نام فریحہ ہے۔ میں اسے تمہارے گھر بھیجوں؟"
"ہائے اللہ!" وہ گھبرا گئی۔ "لیکن تم نے اسے کیوں میرے متعلق بتایا؟ اور اور میرے گھر کیوں بھیجو گے اسے؟ فراز' میرے تین بھائی ہیں اور تینوں مل کر میرا گلا دبا دیں گے اگر کچھ ایسا ویسا ہوا تو.... اور میری امی بہت سخت مزاج ہیں۔"
"ہاں تو مجھے علم نہیں ہے کیا۔ ان ہی کو تو میں تمہارے ٹیلیفون کا دربان کہتا ہوں۔ وہ "ہیلو" کہتی ہیں تو میرے کانوں میں خارش ہونے لگتی ہے۔ رات کو سونے سے پہلے ایئر ڈراپس ڈالنے پڑتے ہیں۔"
"بہت بدتمیز ہو تم۔" وہ جھلائی۔ "میری امی کے بارے میں ایسے کہہ رہے ہو؟"
"قسم لے لو۔ میں تو اپنی مستقبل کی ساس کے متعلق گوہر افشانی کر رہا ہوں۔" وہ مزے سے بولا۔ "اور یار! تم تو ایسے ڈر رہی ہو جیسے میری معصوم سی بہن ڈھول تاشوں کے ساتھ چلی آ رہی ہو گی۔ ارے وہ تو تمہاری سہیلی بن کر آئے گی تمہیں دیکھنے اور بس۔ وہ تمہاری امی کو میرے متعلق کچھ کہنے نہیں آ رہی۔"
"لیکن ابھی نہیں پلیز۔" اس نے منت کی۔
"اوکے بابا! جب تم کہو۔" وہ مان گیا۔
"اچھا میں فون رکھتی ہوں۔"
"یہ مہربانی کیوں؟ ابھی میرے کارڈ میں چند روپے باقی ہیں۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔
عریشہ کھلکھلا کر ہنسی اور فون بند کر دیا۔
کچھ دیر وہ وہیں بیٹھی مخمور نگاہوں سے دیواروں کو تکتی رہی۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں کانوں سے اتر کر اس کے دل میں گونج رہی تھیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں وہ اس نام اور اس آواز کی دیوانی ہو گئی تھی۔ جس دن وہ محبت بھرا لہجہ' شرارت بھرا انداز سنائی نہ دیتا' وہ بے کل بے کل پھرا کرتی تھی۔
اس کی باتیں یاد آئیں تو اس کے من میں ایک خیال ابھرا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے سلیپرز پہنے اور دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے فردوس بیگم کے کمرے تک چلی آئی۔ وہ آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھیں۔
"امی جی!" اس نے دھیرے سے پکارا۔
"ہوں!" وہ کچھ غنودگی میں تھیں۔
"میں ناعمہ کے پاس جا رہی ہوں۔"
"ہوں!"
وہ چپکے سے باہر نکل آئی۔ بڑا سا صحن عبور کر کے وہ پھوپھی کے پورشن میں چلی آئی تھی۔ رابعہ بیگم برآمدے میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔
"السلام علیکم پھپھو.... ! ناعمہ کیا کر رہی ہے؟"
"وعلیکم السلام...." انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ "ناعمہ شاید...."
ان کے الفاظ لبوں میں ہی رہ گئے تھے۔ ناعمہ کچن سے نکل کر چلی آئی۔

"آ گئیں۔۔۔ چھپی رستم!" اس نے لتاڑا۔ "ضرور کوئی خبر سنانے آئی ہو گی۔"

"ناعمہ!" رابعہ بیگم کے لہجے میں اچھی بھلی تنبیہہ تھی۔

عریشہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ جلدی سے ناعمہ کو کمرے میں کھینچ لائی۔

"کیا ہو گیا۔ یہ تم پھپھو کے سامنے کیا بک رہی ہو؟" وہ اپنے دل کے چور سے ڈر گئی تھی۔

"کیا مطلب؟" ناعمہ نے غصے سے بازو چھڑایا۔ "میں نے امی کے سامنے ایسا کیا کہہ دیا؟"

"تم نے مجھے چھپا رستم کیوں کہا؟"

"تم ہو۔"

"کیا چھپایا ہے میں نے تم سے؟" وہ خوف زدہ سی ہو گئی۔

ناعمہ نے بولنا چاہا پھر اسے ماں کا چہرہ یاد آ گیا جنھوں نے سختی سے کچھ نہ کہنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ آنکھیں گھما کر رہ گئی۔

"بولو نا۔" عریشہ غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔ یونہی تمہیں چھیڑنے کو جی چاہ رہا تھا۔" وہ بات بدل گئی۔

عریشہ کی جان میں جان آئی۔ وہ نجانے کیا سمجھ بیٹھی تھی۔

"اور یہ تم کیوں رات کے دس بجے افتاں و خیزاں دوڑی بھاگی چلی آ رہی ہو؟ کچھ چکر لگتا ہے؟" ناعمہ نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"موٹی بھینس!" عریشہ نے اس کے بازو میں چٹکی بھری۔ "کوئی چکر وکر نہیں۔ وہ میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ تمہارے پاس میڈم نور جہاں کی وہ والی غزل ہے۔ دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا۔"

"تمہارا دل دھڑکنے لگا ہے کیا؟" وہ ہنسی۔

"ہاں بابا، دھڑکنے لگا ہے۔" وہ اس کے آگے بے بس ہوئی۔ "بس تم مجھے وہ کیسٹ دے دو۔"

"کس کی یاد سے یہ ناممکن کام ممکن ہوا۔ پہلے یہ بتاؤ۔"

"ناعمہ جاؤ! میں نہیں بولتی تم سے۔" وہ بیزار ہوئی۔ "بال کی کھال اتارتی ہو۔"

"اچھا اچھا دیتی ہوں۔" وہ احسان کرتے ہوئے بولی۔ "ویسے تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے کچھ پتا نہیں ہے۔ اندر ہی اندر جو کھچڑی پک رہی ہے نا۔ اس کی خبر ہے مجھے۔"

عریشہ جو بمشکل مطمئن ہوئی تھی پھر پریشان ہو گئی۔

"تمہیں قسم ہے ناعمہ! سچ سچ بتاؤ۔ کیا بات ہے؟"

"اونہہ!" اس نے ریک میں لگی کیسٹوں میں سے مطلوبہ کیسٹ کھینچ کر نکالی اور اس کے حوالے کی۔ "جیسے جانتے نہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔

عریشہ نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی، خفگی سے سر جھٹکا اور جانے کے لیے مڑ گئی۔

"سمجھوں گی بیٹا تم سے۔" وہ اس کے جانے کے بعد بڑبڑائی۔ "ناعمہ علی خان ہے نام میرا۔۔۔ دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا۔"

☼ ☼ ☼

"بس بھائی جان! جو اماں نے کہہ دیا وہی میری خوشی، وہی میری اولاد کی خوشی۔" سلجوق حسن مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

شفیقہ حیات بھی مسرت سے بھرپور انداز میں مسکرائیں۔

"جیتے رہو! میرا تو فخر و غرور ہو تم لوگ، بوڑھے لوگوں کو اور کیا چاہیے جتنا مان تم لوگ مجھے دیتے ہو میری عمر بڑھا جاتا ہے۔"

"اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے اماں! آپ کی دعاؤں کے طفیل ہی اس گھر کے سب افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔" فاروق حسن مسکراتے ہوئے بولے۔ "اور اللہ نے چاہا تو آپ کے جوڑے ہوئے ان رشتوں سے یہ باہمی اتفاق اور محبت بڑھتی ہی رہے گی۔"

"بس بیٹا! میں نے اسی لیے تم لوگوں کو یہاں اکٹھا کیا ہے کہ ایک ہی بار سب کی رائے معلوم کر لی جائے۔" ہال کمرے میں شفیقہ حیات، فاروق حسن، فردوس بیگم، سلجوق حسن، عذرا بیگم، رابعہ بیگم اور ایقان موجود تھے۔ سبھی کے چہروں پر مسکراہٹیں تھیں۔ ماحول بے حد خوش گوار تھا۔

"عریشہ سے بھی پوچھا ہے کسی نے؟" ایقان کو خیال آیا۔

"ہاں پوچھ لیا ہے۔" فردوس بیگم بے اعتنائی سے بولیں۔ "ہماری بیٹیاں ہمارے سامنے نہیں بولتیں۔"

شفیقہ حیات کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ ایقان ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ فردوس بیگم ہی کیا جو کوئی موقع ہاتھ سے جانے دیتیں۔

☼ ☼ ☼

دونوں سب کے سو جانے کا اطمینان کر کے چھت پر چلی آئی تھیں۔ چالیس واٹ کے بلب کے ملگجی روشنی میں ترانہ نے بے حد بے تابی سے وہ پیکٹ کھولا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھی لیکن پوری احتیاط کے ساتھ ریپر اتار رہی تھی۔ مبادا وہ کہیں سے پھٹ جائے۔ شاید اسے وہ ریپنگ پیپر بھی عزیز تھا۔ ربیعہ سوچ کر مسکرا دی۔

پیکٹ کے اندر ایک عام سا کاٹن کا تھری پیس سوٹ تھا جس کے مدھم مدھم رنگ ربیعہ کو ٹھیک طرح سے سمجھ میں نہ آ سکے تھے۔

"ہائے کتنا پیارا ہے۔" ترانہ نے محبت سے سوٹ پر ہاتھ پھیرا۔ "دیکھا ربیعہ تم نے! اسے کس طرح میری پسند کا خیال رہتا ہے۔"

"ہوں!" ربیعہ مسکرا کر اتنا ہی کہہ سکی۔

"جانتا ہے میں کیسے رنگ پہنتی ہوں۔ روز غور سے میری ڈریسنگ دیکھتا ہے۔ اتنے سالوں سے دیکھتا آ رہا ہے۔ بھلا اب بھی نہ جانے گا۔"

ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ترانہ کا چہرہ دیکھے جا رہی تھی جس پر بکھرے ہوئے رنگ سوٹ سے زیادہ واضح اور خوبصورت تھے اور چالیس واٹ کے بلب کی ملگجی روشنی میں بھی بے حد صاف نظر آتے تھے۔ ترانہ کا پورا دھیان سوٹ کی جانب تھا۔ وہ بار بار اسے کھولتی، اچھی طرح سے دیکھتی۔ کبھی قمیص کا پرنٹ دیکھنے لگتی تو کبھی دوپٹے کا۔

"کتنا پیارا سوٹ ہے نا ربیعہ!" اس نے ایک مرتبہ پھر بے حد اشتیاق لیے بچوں کی سی معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں بابا۔۔۔ کیسے کہوں، پیارا ہے، اچھا ہے، خوبصورت ہے۔۔۔" ربیعہ ہنسنے لگی تھی۔

ترانہ نے خفت سے اس کی جانب دیکھا۔

"مذاق اڑا رہی ہو؟ اڑا لو۔" پھر اچانک ہی وہ پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

"اے ربیعہ! ایک بات بتاؤ۔ کسی لڑکے نے کبھی تمہیں گفٹ دیا ہے؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کسی نے محبت کا اظہار کیا؟" وہ پُرشوق انداز میں پوچھ رہی تھی۔

ربیعہ کی نگاہوں کے سامنے سے یکے بعد دیگرے کتنے ہی مناظر گزر گئے۔ اس نے تنفر سے سر کو جھٹکا۔

"پتا ہے ترانہ! مجھے بیزاری ہے اس لفظ محبت سے۔ کراہیت آتی ہے جب کوئی مرد نگاہوں میں ہوس ناکی بھر کر عورت کو دیکھتا ہے۔ اور اس سے تعریفی جملے بولنا شروع کرتا ہے۔"

"ارے بدھو!" ترانہ خفا ہو گئی تھی۔ "کیا بکواس کیے جا رہی ہو؟ میں محبت کی بات کر رہی ہوں ربیعہ! ہوس کی نہیں۔ تم محبت کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں؟"

"پتا نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔ "ہر کسی کی زندگی میں ایسا کوئی جذبہ ہونا بہت ضروری ہے کیا؟"

"تو اور کیا؟" وہ حیران ہوئی۔ "یہ تو توانائی ہے ربیعہ! توانائی جس کے سہارے انسان اپنی عمر تمام کرتا ہے۔ توانائی کے بارے میں جانتی ہو؟ یہ شکلیں بدل لیتی ہے لیکن فنا نہیں ہوتی' مرتی نہیں۔ ایک رشتے سے دوسرے رشتے تک سفر کرتی ہے۔ اپنے رنگ بدل لیتی ہے لیکن ہر انسان کے اندر اس کا منبع ضرور ہوتا ہے۔ اس منبع کے بنا زندگی نامکمل' ناممکن کہ تم نے زندگی میں کسی سے محبت نہیں کی؟"

"کی ہے۔ بہت زیادہ کی ہے۔ اپنی دادی جان سے۔" وہ آزردہ ہو گئی۔

"بس! ہے نا منبع۔ نکل رہی ہے نا کہیں سے توانائی۔ ایسے ہی ایک دن اس منبع سے کرنیں پھوٹیں گی کسی اور رنگ کی کرنیں۔ لیکن پھوٹیں گی ضرور۔ بے وقوف لڑکی! انسان کے اندر محبت نہ ہو تو انسان زندہ کیسے رہے؟"

ربیعہ مسکرا دی۔

"تمہاری پھپھو کیسے جیتی ہیں؟" وہ ازراہ تفنن بولی۔ "تم تو کہتی ہو' انہیں محبت کے نام سے نفرت ہے تو پھر کس توانائی سے جی رہی ہیں بھلا؟"

ترانہ اسے دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہوں میں اس کی ناسمجھی کے لیے تاسف تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو ربیعہ! پھپھو کے اندر محبت نہیں ہے؟ انہوں نے کبھی کسی کو چاہا نہیں ہے؟ انہوں نے تمہارے ابو کو چاہا تھا۔ بے حد و بے حساب' لیکن..."

"لیکن کیا؟" ربیعہ نے جیسے ایک خواب کے عالم میں پوچھا تھا۔

"لیکن ربیعہ! توانائی کو اگر صحیح طرح استعمال کرنا نہ آتا ہو تو نقصان بھی پہنچاتی ہے۔ پھپھو نے محبت تو کی لیکن وہ ٹھیک طرح سے اس کا مفہوم نہ جان سکیں۔ انہیں جلتی ہوئی شمع ملی مگر انہوں نے اپنا دل روشن کرنے کے بجائے اس سے اپنے ہاتھ جلا لیے۔"

ربیعہ کو اس کی گفتگو بے مقصد اور طویل معلوم ہونے لگی لیکن ترانہ کسی اور ہی تصور میں کھو گئی تھی سو اس نے ربیعہ کی اکتاہٹ محسوس نہ کی۔

"پتا ہے ربیعہ! اگر عبدالباری تمہیں دیکھے اور تم سے متاثر ہو جائے تو میں کیا کروں گی؟"

ربیعہ نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔

"میں خوشی خوشی تمہیں اس کی دلہن بنا دوں گی۔"

"ترانہ!"

"ایک مثال دے رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "مجھے توانائیوں کو ٹھیک طرح سے استعمال کرنا آتا ہے۔ پھپھو نے محبت کی جلتی شمع سے اپنا دل جلا لیا۔ اپنا گھر جلا لیا۔ اپنے ہاتھ جلا لیے۔ ماموں نے تمہاری امی کو دیکھا۔ سنا ہے! بہت حسین خاتون تھیں۔ تمہارے جیسی ہوں گی نا' ماموں نے تمہاری امی سے شادی کر لی۔ کورٹ میرج پھر

انہیں گھر لے آئے۔ پھپھو نے یہ خبر سنی تو انہوں نے کیڑے مار دوائی پی لی۔ بہت مشکلوں سے ان کی جان بچائی گئی۔ ابو نے جلد بازی میں پھپھو کی شادی اپنے ایک عزیز دوست کے بھائی سے کروی۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ اس نے پھپھو کو خوش رکھنے کی کوشش کی لیکن۔"

اس نے گہری سانس بھری۔

"پھپھو نے اپنی محبت کو اپنی جان کا روگ بنا لیا۔ ہمیشہ کے لیے۔ پھپھو نے محبت کی کرنوں کا رنگ نفرت کے دھوئیں سے سیاہ کر دیا۔ بالکل سیاہ۔ پتا ہے ربیعہ! پھپھو میں محبت بہت زیادہ ہے۔ بہت زیادہ۔ لیکن سیاہ رنگ کی ہے۔"

"تم عجیب باتیں کرتی ہو ترانہ۔" ربیعہ بولی۔ "مجھے تمہاری باتیں کبھی کبھی سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"آ ہی گی سمجھ میں! بس منبع سے کرنیں پھوٹنے کی دیر ہے۔" اس نے معنی خیزی سے سر ہلایا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے ترانہ۔" اس نے جماہی لی۔

"پتا ہے ربیعہ! مجھے آج ساری رات نیند نہیں آئے گی۔" ترانہ نے محبت سے سوٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔



دل بے حد بے چین ہو رہا تھا۔ نجانے کیوں۔ اسے خوامخواہ ہی غصہ آتا۔ کسی سے بات کرنے کا جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ حد درجہ سست اور ڈل ہو رہی تھی۔

ایسے ہی غبار بھرے دل کے ساتھ اس نے آپریٹر سے کال ملانے کے لیے کہا۔ اس کا دل عاشر کی آواز سننے کی ضد کرنے لگا تھا۔

وہ دوسری جانب جاتی ہوئی گھنٹی کی آواز سننے لگی۔ پھر کسی نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہیلو..." کھنکتی ہوئی زنانہ آواز آئی تھی۔

ایقان بے یقین سی ہوئی۔ شاید غلط نمبر مل گیا تھا۔

"ہیلو... کیا میں عاشر سے بات کر سکتی ہوں؟" اس نے انگریزی میں پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"میں... میں ان کی واقف ہوں۔" وہ اب تک بے یقین تھی۔

ریسیور عاشر نے لے لیا تھا۔ اس نے شاید اس عورت سے سخت لہجے میں کوئی بات کی تھی۔ ایقان کو ٹھیک طرح سے سنائی نہ دیا۔

"ہیلو!" اب عاشر لائن پر تھا۔

"عاشر!" اس کا جی بھر آیا۔ "میں ایقان ہوں۔"

"ہاں جانو... میں نے پہچان لیا ہے۔ کیسی ہو؟"

"وہ کون ہے تمہارے پاس؟" وہ مزید کچھ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔

"بچے کیسے ہیں؟ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" اس نے سنی ان سنی کی۔

"میں نے پوچھا' وہ کون ہے۔" وہ جھنجھلا گئی۔

(باقی آئندہ)

رکھتے ہیں۔ دو دکانیں اور ایک گھر اس کی ملکیت ہے۔ حاکم چچا کو دکانوں کا کرایہ لانے کی ذمہ داری سونپ کر وہ قدرے فکر معاش سے آزاد ہو جاتی ہے۔ بوا سکینہ بھی پڑوسن ہونے کا حق بھرپور طریقے سے ادا کر رہی ہیں لیکن ان کی گفتگو میں ربیعہ کو تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس یا اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کر کے اکثر اپنے بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔

فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم، ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کو بدلتے رویوں سے تنگ آ کر اپنی پھپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عباد سے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کر رہی ہے۔ وہ از خود اس کی پھپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

عاشر (ایقان کا شوہر) اپنے دفتر سے نکلا تو لیزا گاڑی لیے اس کی منتظر تھی۔

۱۳
تیرہویں قسط

"کیا ہو گیا ہے ایقان تمہیں؟" وہ جیسے اسے چمکارتے ہوئے تھا۔ "میری لینڈ لیڈی ہیں۔ اکثر آتی ہیں۔ واٹس پرابلم یار؟" ایقان خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔ کیا بتاتی اسے کہ چند لمحوں میں ہی دل ناتواں پر کیا کچھ بیت چکا تھا۔ اس کی قربت میں کسی دوسری عورت کے وجود کے احساس نے اسے تیز چھری کی مانند کاٹا تھا۔ پل بھر میں نظروں کے سامنے سے کتنے ہی منظر گزر گئے تھے۔

اس کا باتیں کرنا، اس کا مسکرانا، اس کا وہ گہری نگاہوں سے دیکھنا کہ وہ سمٹ کر رہ جاتی۔ زیر لب وہ شریر مسکراہٹیں جن کی پھوار اس کا تن من بھگو دیتی۔ وہ سب کچھ ایک دوسری عورت کے قریب تھا۔ ایقان تصور سے ہی جھلس کر رہ گئی تھی۔

"ایقان... جانو... بولو نا کچھ؟" وہ پریشان ہو اٹھا۔

"عاشر!" اس کی آواز بھیگ گئی۔ "میرا دل بہت اداس ہو رہا تھا۔ میرا جی رونے کو چاہ رہا ہے۔ مجھے ہر وقت رونا آتا ہے عاشر۔"

وہ سچ مچ رونے لگی تھی۔ عاشر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیوں اداس تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ بوکھلا سا گیا۔

"ایقان... ٹیک اٹ ایزی یار! کہاں ہو تم؟"

"میں اماں جان کی طرف ہوں۔" اس نے سسکی بھری۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر نے ریسٹ کے لیے کہا تھا، اسی لیے یہاں آ گئی۔" اس نے بھیگی بھیگی آواز میں بتایا۔

"بچے؟ بچے کیسے ہیں؟ ایمان کیسی ہے؟ اور مومن؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ خیریت سے ہیں۔"

"اوہ!" اس نے گہری سانس بھری۔ "پھر میری جان! رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا ہے گڈے؟"

ایقان یکدم چپ ہو گئی تھی۔ برسوں بعد اس نے اس انداز سے پکارا تھا۔ ایقان کے لبوں پہ پل بھر میں مسکراہٹ کی جوت جل اٹھی۔ وہ بہت محبت سے برس جانے کے موڈ میں اسے یونہی پکارا کرتا تھا۔ شادی کے ابتدائی دنوں کی یادگار تھا یہ لقب۔

"او... گڈے! ادھر آؤ۔" ایقان غصے میں بھی ہوتی تو ہنس پڑتی۔

اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

"تو... ہے یار!" وہ ریلیکس ہوا۔ "تم نے تو جان ہی نکال دی تھی۔ بھلا اتنی دور سے اس انداز میں پریشان کرو گی تو جانے کیا ہو گا۔ پہلی فرصت میں ٹکٹ کٹا کر دوڑا بھاگا چلا آؤں گا۔ نوکری جائے بھاڑ میں۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے پھر..." وہ شانت ہو گئی۔ "میں روز یونہی پریشان کروں گی تمہیں۔"

"بندے کا قصور؟"

"تم بندے ہو؟ ایسے ہوتے ہیں بندے؟ اتنے سالوں سے میرے حوصلوں کو یوں آزما رہے ہو جیسے میری فوجی ٹریننگ ہو رہی ہے۔ تم اس بندی کا قصور بتاؤ؟ دن سے کھینچ کر رات کرتی ہوں اور رات کو کھینچ کر دن۔ کب ختم ہو گی یہ سزا؟ اپنے ملک میں روزگار نہیں ہے کیا؟ لوگ رہتے نہیں ہیں؟ کماتے نہیں ہیں؟ جا کر بیٹھ گئے ہو اتنی دور... مجھے کرب تنہائی سے نواز کر۔" وہ پھر پٹری سے اترنے لگی تھی۔

"کمال ہے یار... پورا ٹبر چھوڑ کر آیا ہوں تمہاری خبر گیری کے لیے۔ ماں تمہارے پاس، بھائی تمہارے پاس، میرے بچے تمہارے پاس۔ کرب تنہائی کے روز میں گزرتا ہوں یا تم؟"

"تمہاری خود ساختہ ہے یہ سزا۔ تمہیں شکایت کا اختیار نہیں۔ اور... اور... جو تم گنوا رہے ہو، ان میں سے کوئی بھی تمہارا بدل نہیں ہو سکتا میرے لیے۔ تم، تم ہو... میرے دن رات تم سے بندھے ہوئے ہیں۔ ایک تمہارا ہاتھ تھام کر میں ان تمام رشتوں سے منہ موڑ کر خوشی خوشی چل پڑی تھی اور تم کہتے ہو کہ سب لوگ ہیں تو سہی میرے پاس۔"

"آہا!" اس نے چٹخارہ بھرا۔ "لطف آ گیا یار! ایسی پیاری پیاری باتیں اور بل بھی اپنا نہ بنے، سا سوچی کا بجنے مزے کی بات ہے نا۔"

"عاشر! میری جان پر بنی ہے، تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"کیوں پریشان ہوتی ہو جانو! تھوڑا سا انتظار، تھوڑا سا صبر پھر سارا وقت ہمارا ہو گا، سب خوشیاں ہماری ہوں گی۔ پریشان نہ ہوا کرو۔ تمہارے لیے اور بچوں کے لیے ہی کر رہا ہوں نا سب کچھ۔ میرے حصے میں یہ گلے شکوے تو مت ڈالو ایقان!"

اس کی آواز میں تھکن در آئی تھی۔ ایقان خاموش ہو گئی۔

"سوری عاشر!" پھر وہ بولی۔ "میں نے یونہی تمہیں پریشان کیا۔"

"میں سچ مچ پریشان ہو گیا تھا۔ آئندہ اس طرح روتے ہوئے فون مت کرنا ایقان... پلیز!"

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں اب فون بند کرتی ہوں۔"
"بس ایسے ہی؟" وہ مسکرایا۔
"آئی لو یو۔" وہ جھینپ کر بولی۔
"لو یو ٹو یار۔"
ایقان نے ریسیور رکھ دیا۔
دوسری جانب وہ گہری سوچ میں تھا۔ کارڈلیس کا اینٹینا دانتوں میں دبائے وہ نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ لزا اس کے قریب چلی آئی۔
"میں سوچ رہی تھی کاش میں اردو سمجھ سکتی۔" وہ شرارت سے بولی۔
عاشر نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی بات کے مفہوم پر چند لمحے غور کرنے کے بعد وہ مسکرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پھر وہی دھند تھی، وہی سراب کی کیفیت۔
ربیعہ ننگے پاؤں گرم ریت پر دوڑ رہی تھی۔ آگے پانی تھا۔ شفاف پانی۔ ربیعہ دوڑتی جاتی، پانی آگے سرکتا جاتا۔ جھاڑیوں کے سر جھکے ہوئے تھے، ٹیلوں میں دائرے در دائرے تھے اور صحرا میں کسی حسرت بھری سانس کی گونج تھی۔
"پانی... پانی... پانی..."
ربیعہ دوڑتے دوڑتے تھک گئی تھی۔ اس کے گھٹنوں میں سکت نہ رہی تھی، وہ گرنا چاہتی تھی، تھک کر ڈھیر ہو جانا چاہتی تھی۔
"تم نے زندگی میں کسی سے محبت نہیں کی ربیعہ؟" ترانا نے ہنس کر پوچھا۔
سوال اس کے چاروں طرف چکرانے لگا تھا۔ لفظ ہنس رہے تھے۔
"محبت نہیں کی؟ نہیں کی؟ کسی سے نہیں کی؟"
"کی ہے... بہت کی ہے..." ربیعہ نے دوڑنا جاری رکھا۔ "میں پانی لاتی ہوں دادی جان! میں لاتی ہوں، میں ابھی لاتی ہوں..."
"پانی... پانی..." حسرت بھری آہ۔
ربیعہ نے ایک جھٹکا کھایا اور ساکت ہو گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ چھت کو گھورتی رہی۔ پنکھے کی گھرر گھرر کو بہت دیر تک سمجھنے کی کوشش کرتی رہی پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
اس کے برابر والی چارپائی پر ترانہ بے خبر سو رہی تھی۔ سرہانے مینا کا پلنگ تھا۔ مینا کے پلنگ کے پرلی طرف پڑے صوفے پر صولت تھی۔ ربیعہ کچھ دیر بیٹھی بے بسی سے سب کو پر سکون نیند کے مزے لوٹتا ہوا دیکھتی رہی۔ پھر یکدم وہ چونکی۔ اسے آوازیں آ رہی تھیں۔ گھٹی گھٹی آوازیں، جن سے مفہوم واضح نہ ہوتا تھا۔ وہ آوازیں کس کی تھیں کون گفتگو کر رہا تھا اسے اندازہ نہ ہوا۔ پھر اسے پھپھا کا خیال آیا۔ کہیں وہ پکار تو نہیں رہے؟ انہیں کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔
یہ خیال آتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی۔ اپنا دوپٹہ سنبھال کر وہ ترانہ کی چارپائی کے قریب سے نکلتی چلی گئی۔ تیز مگر محتاط قدموں سے وہ کمرے کے دروازے تک پہنچی، مگر پھر اندر سے آتی ہوئی آواز پہچان کر وہ یکایک اوٹ میں ہو گئی۔
"میں کچھ نہیں جانتا۔" ضدی لہجے میں بولتا یہ تمدن تھا۔ "آپ کو رقم دینا پڑے گی۔"

"الو کے پٹھے... گدھے کی اولاد... کھوں کھوں کھوں... کھوں کھوں کھوں... ناخلف... مردار... کھوں کھوں کھوں... تو سمجھتا کیوں نہیں؟ تیرے دماغ میں اس بالٹی سے زیادہ گند بھرا ہوا ہے۔ کمینہ ہے تو۔" منور امین غصے کی شدت سے گھٹے جا رہے تھے۔
"ہاں، ہاں کمینہ ہوں... ہوں میں کمینہ... میری زندگی تم نے تباہ کی ہے، تم نے۔" وہ نفرت سے پھنکارا۔
"لیکن ایک بات یاد رکھنا، جو بھی ہوں، تمہارا بیٹا ہوں۔ میں رقم نکلوا کر رہوں گا۔"
"تو میری قبر کھودنا۔ میری قبر کھودنا آ کر۔ اس میں سے نکلے گی رقم۔ سمجھا تو۔"
"کھود دوں گا۔ قبر بھی کھود لوں گا لیکن چھوڑوں گا نہیں۔"
ربیعہ کے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ دل خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپے جا رہا تھا۔ ہاتھ تھرتھرا رہے تھے اور سانس دھونکنی بنا ہوا تھا۔
وہ بڑی مشکلوں سے اپنی چارپائی تک پہنچی تھی۔ رات کے تین بجے ہونے والی اس گفتگو کے پس منظر سے وہ ناواقف تھی، لیکن فریقین کے تیور اور انداز اسے ہراساں کر گئے تھے۔ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ تمدن اسے شروع دن سے پر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ وہ کسی بدروح کی مانند لگتا تھا جو انسانی جسم میں حلول کر گئی ہو۔ اس وقت بھی اپنے باپ سے اس کا طرز تخاطب نہایت جارحانہ تھا۔ ربیعہ بستر پر کھیس اوڑھ کر لیٹ گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور رگ و پے میں ٹھنڈ سرائیت کر رہی تھی۔ وہ اپنا خواب بھول بھال کر اب اس واقعے پر غور کرنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بار بار پانی مانگ رہے تھے۔
ربیعہ آج انہیں پانی پلا پلا کر زچ ہو گئی تھی۔ اسی حساب سے اسے بار بار وہ گندی بالٹی ٹوائلٹ میں لے جا کر خالی کرنا پڑتی تھی۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آخر انہیں کس کی بددعا ہے؟ یہ پیاس کس گناہ کا خمیازہ ہے لیکن ایسا سوچنا تک خطرے سے خالی نہ تھا۔ سوچنے سے ماتھے پر بل پڑ سکتے تھے۔ اور ماتھے کے بل انہیں فوراً دکھائی دے جاتے تھے۔
"تم... خاموش خاموش سی کیوں ہو؟" وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے بولے۔
"جی؟ کچھ نہیں۔"
"ہا... کچھ نہیں... تمہیں اپنی بوڑھی دادی یاد آ رہی ہے شاید... کیوں؟"
ربیعہ نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔
"یا اپنی بھگوڑی ماں... ہاہاہا... ہیں؟ کیوں؟"
ربیعہ نے چونک کر ان کی صورت دیکھی، جس پر طنز کی پرچھائیاں تھیں۔ وہ بے یقینی سے کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ یہ انہوں نے کیا کہا ہے۔
"کیا... کیا کہا آپ نے؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔ "میری امی کے متعلق؟"
"امی؟ ہاہاہا... امی... بہت گودوں میں کھیلی ہو نا تم اس کی... امی جان کہو اس کو..."
ربیعہ کی آنکھیں اچانک ہی پانیوں سے لبالب بھر گئیں۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ تیزی سے چلتے ہوئے وہ کچن میں چلی آئی اور سنک میں جھک گئی۔ اس کے اندر درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے نل کھول دیا تھا۔ پانی اسٹیل کے سنک میں گر کر شور مچانے لگا۔ ربیعہ کے اندر آنسو شور مچا رہے تھے۔ سسکیاں مچل رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر سنک کے پاس کھڑی رہی۔ باہر صحن میں بینا کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ کسی کام سے پڑوس میں گئی تھیں اور اب واپس آچکی تھیں۔

ربیعہ نے بے وجہ ہی چولہا جلا لیا۔

"کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے اندر جھانکا۔

"چائے بنا رہی ہوں۔۔۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اچھا۔۔۔ ایک کپ سے زیادہ نہ بنے' پتی بہت مہنگی ہے۔ بار بار چائے کا شوق کوئی اچھی لت نہیں۔" وہ چپل گھسیٹتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

"پھپھو کے اندر سیاہ رنگ کی محبت ہے۔" اسے ترانہ کے الفاظ یاد آئے تھے۔

ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پر سج گئی۔ اب وہ ترانہ سے کچھ اور پوچھنا چاہتی تھی۔ یہ کہ ترانہ کے باپ کے اندر کس رنگ کی نفرت ہے؟ ربیعہ کے ذہن میں گہرا سبز رنگ آیا تھا۔



اے غم زندگی' کچھ تو دے مشورہ
میں کہاں جاؤں ہوتا نہیں فیصلہ۔۔۔
اک طرف اس کا گھر' اک طرف میکدہ

مغنی کی آواز' ساز کی جھنکار کے ساتھ گونج رہی تھی۔ عریشہ کچھ دیر سنتی رہی۔

"یہ ہر وقت غزلیں کیوں سنتے رہتے ہو' اداس روح۔" وہ چڑ کر جھنجلا کر بولی۔

"تمہیں پسند نہیں؟ مجھے تو بہت پسند ہیں۔ مجھے یہ آج کل کے بے سُرے پاپ سنگرز ایک آنکھ نہیں بھاتے' اس پر عجیب قسم کی تک بندی۔ کم از کم اسے شاعری تو ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ شاعروں کی ارواح دوبارہ اجتماعی خود کشی کر لیں اگر پاپ سنگرز کو سن لیں تو۔"

عریشہ کو اس کی بات پر بے حد ہنسی آئی تھی۔

"ارواح اور اجتماعی خود کشی؟"

"یار! ارواح کے احتجاج کا کوئی نہ کوئی طریقہ تو ہو گا ہی۔"

"مجھے تو سب سنگرز پسند ہیں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "جو بھی نئی کیسٹ آئے میں شوق سے خریدتی ہوں۔"

"ارے۔۔۔ بے حد بدذوق ہو۔"

"تب ہی تو تم سے باتیں کرنے لگی ہوں۔" وہ برجستہ بولی۔

"صرف باتوں سے کام نہیں چلے گا جناب۔ بدذوقی کا پورا پورا ثبوت دینا پڑے گا۔" وہ مزے سے بولا۔

"یعنی؟"

"یعنی شادی بھی کرنا پڑے گی مجھ سے۔"

عریشہ بے ساختہ شرما گئی۔ "یہ تم یکایک ٹریک کیوں بدل لیتے ہو؟ شادی وادی کی باتیں مت کیا کرو۔"

"کیوں؟ شادی بھی نہ کروں تم سے؟"

"فراز پلیز۔۔۔"

"میں سیریس ہوں عریشہ! لو ان فرسٹ سائٹ کا شکار ہوا ہوں۔ تم مجھے اسی دن بہت اچھی لگی تھیں۔ تمہارا انداز بالکل مختلف ہے۔"

"اس دن تو ہم تین تھیں۔" وہ شرارت سے بولی۔ "تم نے کیسے جان لیا کہ میں وہی ہوں؟"

"تمہاری آواز سے۔ غلطی کی گنجائش ہی نہیں۔" وہ اطمینان سے بولا "اور پھر اتنے دنوں سے ہم باتیں کر رہے ہیں، ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔"

عریشہ پھر ہنس دی تھی۔ اچانک ہی وہ چونکی۔ شیشے کے دروازے سے باہر کھڑی شفیقہ حیات اور عذرا بیگم دکھائی دے رہی تھیں۔

"اچھا سنو، کل بات کریں گے۔" اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے دروازے تک گئی اور دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم دادی جان..... چچی جان۔" اس نے چہکتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام..... جیتی رہو۔" دونوں اسے دیکھ کر کھل سی گئیں۔

"اماں کیا کر رہی ہیں تمہاری؟"

وہ صوفوں تک آ گئیں۔

"امی شاید اوپر ہیں، میں بلاتی ہوں۔" وہ مڑنے لگی۔

"اچھا سنو..... رکو ذرا۔" شفیقہ حیات نے اسے پکارا۔

"یہ انگوٹھی پہن کر دیکھو، یہی ناپ ہے نا تمہارا؟"

"انگوٹھی؟" اس نے دلچسپی سے ان کے ہاتھ میں دبی مخملیں ڈبیا کو دیکھا۔

"ہاں۔ اور ذرا ڈیزائن بھی دیکھ لو۔ ہے تو پرانا مگر بے حد خوبصورت ہے۔"

"واؤ۔ کس قدر خوبصورت اور یونیک قسم کا ڈیزائن ہے۔ اینٹیک لگتا ہے۔ کس کی انگوٹھی ہے یہ چچی جان؟" وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔

"میری منگنی کی ہے۔" شفیقہ حیات ہنس دیں۔ "برسوں سے یہ بنت سنبھال کر رکھی ہوئی ہے ایسے ہی کسی موقع کے لیے۔ اب میری پوتی پہنے گی۔"

"کون سی پوتی دادی جان۔" وہ شوخی سے ہنسی۔ "میں بھی تو پوتی ہوں آپ کی یہ نظر کرم مجھ پر کیوں نہیں؟"

"اے ہاں تو کیا تمہارے فرشتوں کی بات ہے۔" انہوں نے اسے گھورا۔ "تمہاری منگنی کا سامان ہی کرتے ہیں۔ عذرا تو نئی انگوٹھی کا کہہ رہی تھیں مگر میں نے کہا۔ اتنی اچھی اور قیمتی چیز گھر میں موجود ہے تو الگ سے کیا پیسہ خرچ کرنا۔ وہی کسی اور مصرف میں آئے گا۔"

عریشہ گم صم سی ہو کر سن رہی تھی۔ ان کی باتیں اس کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

"ہم نے سوچا، تمہاری رائے بھی معلوم کر لی جائے۔ آخر بچیوں کے بھی سو شوق ہوتے ہیں، لیکن تمہیں تو ہم سے زیادہ پسند آ گئی۔" وہ ہنسیں۔ "اب تم اپنے جوڑے اور جوتی کا ناپ دو ہمیں۔ ثانیہ، سدرہ دوڑی آئی تھیں کہ ہم لاتے ہیں اپنی بھابھی کا ناپ۔ انہیں ڈانٹ کر بٹھایا کہ روٹی ہانڈی کرو گھر میں۔ ہمیں سو قسم کی باتیں اور بھی پتا کرنا ہیں۔"

انہوں نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"آخر میا تمہاری کس کونے میں گھسی ہے؟" تب ہی فردوس بیگم اسٹور سے برآمد ہوئی تھیں۔ عریشہ اپنا بے جان وجود گھسیٹتے ہوئے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ بے دم سی ہو کر وہ بستر پر گر گئی۔ اس کے کانوں میں کسی کی شوخ ہنسی گونج رہی تھی۔ بے اختیار پلکوں پر ایک قطرہ آن ٹکا تھا۔

☆ ☆ ☆

کبھی میں سوچتا ہوں، اک سہانی صبح ایسی ہو
کہ جب میں نیند سے جاگوں
تو پل بھر کو
مری آنکھوں کے آگے نور کی دیوار بن جائے
قدم رکھوں زمیں پر تو کوئی مجھ کو بلاتا ہو
مری ہستی کے چاروں اور اک گلزار بن جائے
مدھر جھنکار کے جگنو مرے دامن سے لپٹے ہوں
کسی کی مسکراہٹ ہی مری رفتار بن جائے
صبح کے نور سے روشن نگاہیں مجھ سے گھبرائیں
نظر ان سے ملے تو دفعتاً شرما کے جھک جائیں
گھٹا برسے تو میں لہراتے آنچل میں سمٹ جاؤں
میں اس کے مرمریں پیکر کی خوشبو سے لپٹ جاؤں

قلم انگلیوں میں دبائے وہ تادیر صفحے پر ابھری ہوئی تحریر کو دیکھتا رہا۔

یہ سب کچھ اس کے قلم سے سرزد ہوا تھا، اسے یقین نہ آ رہا تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ کھڑکی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر کا موسم نہایت دلفریب تھا۔ آسمان سیاہ گھٹاؤں سے ڈھک گیا تھا اور ہوا مستی بھری خنکی سے لبریز تھی۔ اس کی کھڑکی سے کاسنی پھولوں والی بیل کمرے میں گھسنا چاہتی تھی۔ بیل کی حرکت سے کبھی کبھی پانی کا ایک آدھ قطرہ بھی اس کے چہرے یا ہاتھوں سے ٹکرا جاتا۔ وہ سوچتا رہا۔ اس نے وہ سب کچھ کیوں لکھا۔

"یار رافع تو محبت کیوں نہیں کرتا۔" اس کے کانوں میں ہاشم کا جملہ گونجا۔

"بندر کیا جانے ادرک کا مزہ۔"

تب وہ ہنس دیا تھا۔ لیکن ہاشم کے اس جملے نے ایک عجیب سی بے کلی کو جنم دیا تھا۔ اس کے اندر اس کے پردہ خیال پر ستاروں سے بھرا آنچل لہرایا تھا۔ اور آج موسم کی دلفریبی نے وہ آنچل اس کے پورے وجود پر ڈھک دیا۔ وہ بے خود سا ہو گیا۔ سادے کاغذ پر قلم کی سیاہی نقش و نگار بناتی چلی گئی۔ اور اب وہ بار بار اس تحریر کو پڑھتا تھا اور سوچتا تھا۔ عجیب سا ہے۔

اس نے اس صفحے کو دیکھا، دونوں ہاتھوں میں تھاما اور پھاڑ ڈالنا چاہا۔ ان خرافات کا وہ قائل نہ تھا۔ باہر بارش کی چھما چھم میں تیزی آ گئی تھی۔ کاسنی پھولوں والی بیل نے بہت سا پانی پھوار کی صورت میں اندر بھیج دیا۔ رافع نے جلدی سے وہ صفحہ فائل میں رکھ دیا اور پھر کھڑکی بند کرنے لگا۔ آسمان پر سیاہیاں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ ہواؤں کا شور بڑھنے لگا تھا۔ رافع کھڑکی بند نہ کر سکا۔ پانی اسے بھگو رہا تھا۔ اس کی قمیص کے کھلے ہوئے بٹن سے بہت سا پانی اس کے سینے کو بھگو گیا۔ اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے بال بھیگ گئے۔ وہ دونوں ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پر جما کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اچھی طرح بھیگ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رو رو کر اس کی حالت غیر ہو چلی تھی۔ آنکھیں سوج کر تقریباً بند ہی ہو گئی تھیں۔ وہ بمشکل بھاری پپوٹوں کو اٹھاتی تھی۔ فردوس بیگم بھی پریشان ہو گئی تھیں۔ ان سے اور کچھ نہ بن پڑا تو ماہین کو بلوا بھیجا۔ وہ بھی خبر سن کر دوڑی بھاگی آئی اور اب ماں پر برہم ہو رہی تھی۔

"آپ نے بھی سترھویں صدی کی ماؤں کو مات کر دیا امی جی! کم از کم اس غریب کے کان میں بات تو ڈال دی

ہوتی۔ اسے خبر تو ہوتی کچھ۔ آج کل کی پڑھی لکھی لڑکیاں ان باتوں کو بہت فیل کرتی ہیں۔"

"اے ہاں، فیل ہی مچایا ہوا ہے تب سے۔" وہ جل کر بولیں۔ "جاکر کہہ دیں باوا کو جنھوں نے رشتہ پکا کیا ہے خوشی خوشی' یا پھر دادی کی گردن پکڑیں جو ایسا خیال جی میں لائیں۔ ہم بے قصوروں کو کس بات کی سزا دے رہی ہے۔"

عریشہ پلنگ پر دونوں ٹانگیں سمیٹے بیٹھی ہوئی تھی۔ پاس ہی ٹشو کا ڈبہ رکھا ہوا تھا جس میں سے ٹشو نکال نکال کر وہ وقتاً فوقتاً آنکھیں اور ناک صاف کر رہی تھی۔ ماں کی بات سن کر اس نے شکایت بھری نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔ وہ بھی تاسف سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"بس کہہ دیا ہے ناں نے۔" وہ ضد سے بولی۔ "مجھے نہیں کرنی ہے منگنی ونگنی۔ بے شک ساری زندگی میری شادی نہ کریں لیکن نافع سے شادی نہیں کروں گی میں' میں نے کبھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا۔ میں اسے ذہنی طور پر قبول نہیں کر سکتی۔"

"اچھا تو بتاؤ ہمیں' کسے دیکھتی ہو ان نظروں سے تم؟ ہم اسی سے نکاح پڑھوا دیں تمہارا؟" وہ بے حد جل کر خفگی سے گویا ہوئیں۔ "باوا کو بڑا مان ہے بیٹی پر' اور ہم بھی دھڑلے سے کہہ چکے کہ ہماری بیٹیاں ماں باپ کے فیصلوں کے آگے سر نہیں اٹھاتیں۔ اب ہم بھی شرمساری سے سر جھکائیں گے جب دوسرے طنز بھری نظروں سے ہمیں چھیدیں گے تو۔ غضب ہو گیا غضب۔ قرب قیامت۔ بیٹا ہے تو وہ بغاوت کا جھنڈا لہرا رہا ہے' بیٹی اس سے دو ہاتھ آگے۔ ماہین! میں کہے دیتی ہوں مجھے زہر لادو تو میں چھٹکارا پاؤں ان سب جھمیلوں سے۔ اسی لیے انہیں پال پوس کر اس قابل کیا کہ یہ ہمیں زہر کھانے پر مجبور کریں۔ ارے لڑکی! میں کہتی ہوں آخر کیا خرابی ہے نافع میں؟ خوبصورت ہے' جوان ہے' ذہین' باادب بچہ ہے۔ اور تمہاری نظروں میں نہیں سما رہا۔ تم خود کو کون سے پرستان کی پری جانتی ہو۔ اور مجھے بتاؤ کہاں ٹانکا جوڑے بیٹھی ہو؟ صاف صاف کہو۔"

"امی..." ماہین نے تنبیہی نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

عریشہ دھواں دھار رونے لگی تھی۔

"اے ہاں... تو کیا سمجھوں؟ تم ہی کہو؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "میں چلتی ہوں' تم پوچھ کر بتاؤ ہمیں کیا مسئلہ ہے۔ اور اسے اپنے سسرال کے قصے بھی سناؤ دو چار' ذرا آنکھیں کھلیں بی بی کی۔ بہت افسانوں کی دنیا میں گم ہیں۔"

وہ اپنا وجود سنبھالتی' بکتی جھکتی باہر نکل گئیں۔

ماہین اپنی جگہ سے اٹھ کر عریشہ کے پاس چلی آئی تو وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"آپا! بس مجھے نہیں کرنا منگنی۔ آپ کہہ دیں بابا سے۔"

"اچھا کہے دیتی ہوں تم جی برا مت کرو۔" اس نے پیار سے اس کا سر سہلایا۔ "لیکن پتا بھی تو چلے آخر بات کیا ہے۔"

عریشہ نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ ابھی کسی سے کچھ کہنا قبل از وقت تھا۔ ابھی تو وہ خلا میں کھڑی تھی محض اپنی خوش گمانیوں کے پروں کے سہارے اور خوش گمانیوں کے پر تو موم سے بنے ہوتے ہیں۔ حقیقت کی ذرا سی تپش ان میں جابجا سوراخ کر ڈالتی ہے۔ خواہشوں کا موم پگھل پگھل کر دل پر گرتا ہے۔ اور آبلے ڈال دیتا ہے۔

"بولو عریشہ!" ماہین نے اسے کریدا۔

"بس آپا۔ مجھے نافع اس لحاظ سے پسند نہیں ہے۔" وہ منمنائی۔ "وہ میرا آئیڈیل نہیں۔ میں اس کے ساتھ خوش نہیں رہ پاؤں گی۔"

ماہین گہری سانس بھر کر رہ گئی تھی۔



"میں بہت دن سے دیکھ رہی ہوں' تمہارے من کا موسم ابر آلود ہے۔" ترانہ نے اسے چھیڑا تھا۔ "بات کیا ہے؟" ربیعہ نے نظر بھر کر اسے دیکھا مگر خاموش رہی۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں یہاں آتے ہوئے۔" وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ "تمہارا وہ منہ بولا بھائی بھی پھر دکھائی نہ دیا۔"

ربیعہ نے بھی اداسی سے گردن جھکا دی۔ ترانہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ کچھ دن سے وہ لوگ تقریباً روزانہ ہی وہاں آتی تھیں لیکن عباد اس دن کے بعد پھر دکھائی نہ دیا تھا۔

"منہ بولی بہنوں سے بہت جلدی دل بھر جاتا ہے ان لڑکوں کا۔" ترانہ شرارت سے بولی۔ "تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ ویسے سچ بتاؤ' کیا اس کی وجہ سے اداس ہو؟"

"نہیں ترانہ۔" زندگی کا کوئی مقصد سجھائی نہیں دیتا۔ تم پلیز میرا ایڈمیشن کروادو کسی پرائیویٹ ادارے میں' میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔"

ترانہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی۔

"ربیعہ..." پھپھو تمہیں پڑھنے نہ دیں گی۔ وہ تم سے نوکری کروانا چاہتی ہیں۔ کچھ دنوں سے وہ روز مجھے آفس جانے سے قبل یاد دہانی کرواتی ہیں کہ میں تمہارے لیے بھی اچھی سی نوکری ڈھونڈوں۔" ربیعہ خاموش ہو گئی۔

"شاید وہ ٹھیک ہی سوچتی ہیں۔" "میں تم لوگوں پر ان چاہا بوجھ ہوں۔"

"یہ نہ ہو... پھپھو بہت مطمئن ہیں تمہارے آجانے سے۔ بھلا ان کا کیا نقصان ہے اس میں۔ دن بھر میں دو روٹیاں کھاتی ہو اور بن کے سارا دن کام میں لگی رہتی ہو۔ ابو کی ساری ذمہ داری تم نے سنبھال لی ہے۔ جو ہمارے گھر کا مشکل ترین کام تھا۔ کوئی بھی اس کام کو اپنے سر لینے پر راضی نہ تھا۔ پھپھو ہمارے باندھے یہ ذمہ داری پوری کرتی تھیں۔ اب وہ ہر قسم کی فکروں سے آزاد' دن بھر محلے میں پھرتی ہیں۔ ورنہ تو وہ گھر سے نکل نہ پاتی تھیں۔ چھٹی والے دن جب میں اور صولت گھر ہوتے تب وہ اپنا یہ شوق پورا کرتی تھیں۔ وہ تمہارے آجانے سے خوش ہیں اور تمہاری ذات سے دہرا فائدہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ تم نوکری بھی کرو تاکہ وہ مفت کی ملازمہ سے ہر ماہ رقم بھی حاصل کریں۔ تمہاری پڑھائی سے تو انہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

ربیعہ سوچ میں پڑ گئی۔ ترانہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ مینا سے ایسی خود غرض سوچ کے سوا کچھ امید نہ تھی۔

"سنو ترانہ۔" وہ بولی۔ "میں ہر ماہ انہیں کچھ رقم دے دوں گی۔ لیکن میں باہر نوکری کے لیے نہیں پڑھنے کے لیے جایا کروں گی۔"

"کیا مطلب؟" ترانہ نے اسے گھورا۔ "پھر نوٹ کیا کسی جادوئی درخت سے توڑ کر لایا کرو گی یا پھر تمہیں پڑھائی کے عوض وظیفہ ملا کرے گا؟"

"میرے پاس کچھ رقم ہے۔" دادی کی وفات کے بعد ان کے بینک اکاؤنٹ سے مجھے اچھی خاصی رقم ملی تھی۔ یہاں آنے سے قبل میں وہ پیسے نکلوا لائی تھی۔ تقریباً پچاس ہزار روپے ہیں۔" ترانہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"تم نے... تم نے وہ پیسے کہاں رکھے ہیں؟ ربیعہ! انہیں حفاظت سے رکھنا ورنہ تم ان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

ربیعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"لیکن ترانہ میرے پاس زیور بھی ہے' میری امی کا زیور۔ وہ بھی اچھی خاصی مالیت کا ہوگا۔ میں نے سب چیزیں

اپنے سوٹ کیس میں رکھی ہوتی ہیں۔"
"سوٹ کیس کو لاک رکھتی ہو؟" ترانہ بے کل ہوگئی تھی۔
"ہاں۔ بالکل۔ چابی میرے نیفے میں ہوتی ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ دیکھو ربیعہ! میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتی لیکن ہمارا گھر اس معاملے میں کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہے۔ پیسے تو یوں غائب ہو جاتے ہیں جیسے انہیں راتوں رات پر لگ گئے ہوں اور خفیہ چور کا کبھی علم نہیں ہو پاتا۔ تم اپنا سب سامان حفاظت سے رکھو۔ میں جلد از جلد تمہارا بینک اکاؤنٹ کھلوا دیتی ہوں تمہیں اپنی رقم بینک میں رکھنی چاہیے۔"
"ہوں۔" ربیعہ نے کھوئے کھوئے انداز میں سر ہلایا۔
"اور... اور... پھپھو کو اپنی رقم دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ قدرے شرمساری سے بولی۔ "جو کچھ تم ہمارے لیے کرتی ہو۔ وہی بہت ہے۔ مجھے پھپھو سے لڑنا بھی پڑ جائے تو میں تمہارا ایڈمیشن کروا دوں گی۔ تم بے فکر رہو۔"



"میڈم... آپ سے ملنے کوئی آیا ہے۔"
وہ ایک مریض کی کیس ہسٹری بغور دیکھ رہی تھی جب چپراسی نے آکر بتایا۔ شہلا نے کیس ہسٹری اسٹاف نرس کو تھمائی اور نگاہوں میں الجھن لیے باہر کی سمت چل پڑی۔
ہاسپٹل کے لمبے کوریڈور میں چلتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ اس سے ملنے کی ضرورت کس کو پیش آئی اور وہ بھی ہاسپٹل میں۔
اپنے کمرے کے دروازے پر وہ رک گئی تھی۔ آنے والا دروازے کی جانب پشت کیے کھڑا تھا۔ شہلا دروازے پر ہی کھڑی اس کی پشت دیکھتی رہی۔ اس کی پنسل ہیل کی ٹک ٹک پورے کاریڈور میں گونجی تھی سو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اس کی آمد سے بے خبر ہوتا۔
"ایکسکیوزمی!" وہ اندر چلی آئی۔ "آپ..."
وہ آہستگی سے مڑا۔ شہلا پتھر کی ہوگئی۔ میرون پلین شرٹ اور فان کلر کی جینز میں وہ ابرار جیلانی تھا۔ شہلا کی آنکھیں آہستگی سے پھیلیں پھر ان میں پانی بھرنے لگا۔ اس کے گلے میں نمکین قطرے گرنے لگے۔ وہ بھی ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کی نمی اور چہرے پر شرمساری تھی۔ شہلا چند قدم آگے بڑھی اور اس کے مقابل جا کھڑی ہوئی۔ ابرار کی نظریں اس کے وجود پر پھسلیں۔
فیروزی پلین ساڑھی اور سفید اوور آل پہنے، گلے میں اسٹیتھو اسکوپ لٹکائے، بالوں کا سادہ سا جوڑا بنائے وہ آج سے پانچ برس پہلے کی شہلا سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔
"بہت بدل گئی ہو۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"کیوں آئے ہو؟" اس کے لبوں سے سرگوشی کے سے انداز میں نکلا تھا۔
ابرار کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ انگلی سے میز کی سطح پر لکیریں بنانے لگا۔
"جاؤ یہاں سے ابرار... پلیز۔" شہلا نے منہ دوسری طرف پھیر کر کہا۔
"شہلا میں، میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں بس ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا تمہیں۔ عمر... عمر تمہاری باتیں کرتا ہے مجھ سے، صرف تمہاری ہی باتیں کرتا ہے۔ اس کی باتوں نے میرے من میں خلش کی چنگاری کو الاؤ میں بدل ڈالا

ہے۔ میں، میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے شہلا...!"
شہلا کی آنکھ سے آنسو کا قطرہ گر کر اس کے اوور آل میں جذب ہوگیا۔
"اب سب کچھ بعید از وقت اور بعید از اختیار ہے ابرار! میرا مذاق مت بناؤ دنیا کے سامنے۔ اب ان باتوں کی بھی گنجائش نہیں رہی زندگی میں۔ جاؤ یہاں سے اور کبھی دوبارہ مت آنا۔ پلیز..."
ابرار نے ایک نگاہ میں اس کے سیاہ بالوں کو، اس کی بھیگی آنکھوں کو اور شدت غم سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔
"ٹھیک ہی کہتی ہو تم..." وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ "دو اجنبی ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں لیکن ہم تو نہ شناسا رہے نہ اجنبی... چلتا ہوں۔"
وہ اس کے قریب سے ہو کر نکل گیا تھا۔ شہلا کو بڑے زور کا چکر آیا تھا۔ وہ سر تھام کر میز پر جھک گئی۔ ضبط کے بندھن ٹوٹنے لگے تھے۔



"آپا! یہ کہانی ایسے ختم نہیں ہوسکتی۔ آپ کو اسے ایک فل اسٹاپ دینا ہوگا۔" انیقہ پریشانی سے کہنے لگی۔
شہلا دونوں ہاتھ گود میں رکھے بالکل بے بسی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اس کے ذہن نے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا تب اس نے بہن کے سامنے اپنا جی ہلکا کرنے کا سوچا تھا۔ اس نے اپنی سب پریشانی اس کے سامنے رکھ دی تھی اور اب خالی دماغ لیے بت بنی بیٹھی تھی۔
"ابھی تو اس نے ابتدا کی ہے اور آپ جانتی ہیں وہ دل مارنے کا عادی نہیں ہے۔ جو من میں آئے کر گزرتا ہے۔ اس کے من میں کچھ اور ہی سودا سمایا ہوا لگتا ہے۔"
"میں یہاں سے چلے جانا چاہتی ہوں انیقہ!" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "میں کسی اور شہر جانا چاہتی ہوں۔ اپنے بیٹے کو لے کر میں ہر شناسائی دسترس سے نکل جانا چاہتی ہوں۔ بس یہی ہے میرے بس میں۔ عمر نہ ہوتا تو شاید میں مرنے کی تمنا کرتی۔ لیکن میرا بیٹا میری زندگی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی میں۔"
"آپا..." انیقہ نے اسے غور سے دیکھا۔ "آپا! ایک بات کہوں آپ سے؟" شہلا چپ چاپ بے بس نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔
"آپ... ہاشم بھائی سے شادی کر لیں۔"
"انیقہ..." شہلا جھلا گئی تھی۔ "کوئی ڈھنگ کی بات ہے تو کرو۔"
"آپا! آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے وہ ایک مخلص انسان ہے۔ اس کا ہاتھ تھام کر زندگی کی ہر الجھن کو سلجھا لیں۔ پھر ماضی کی کوئی پرچھائیں کالی بلی کی طرح آپ کا رستہ نہیں کاٹے گی۔ ایک سچی، سیدھی راہ پر چل پڑیں آپا... یہی ہر مسئلے کا حل ہے۔"
"نہیں انیقہ..." اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میری زندگی میں اب کسی مرد کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں سب سے بھاگ جانا چاہتی ہوں۔ میں عمر کے ساتھ لاہور چلی جاؤں گی۔ میں کبھی پلٹ کر یہاں نہیں آؤں گی۔ میں عمر کے ساتھ یہاں سے دور، بہت دور چلی جاؤں گی۔ ضرورت پڑی تو یہ ملک بھی چھوڑ دوں گی۔"
"یہ حل ہے آپ کے مسائل کا؟" انیقہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔
"شاید..." وہ بڑبڑائی۔ "یقیناً..."

ربیعہ چونک اٹھی۔باورچی خانے کی کھڑکی میں تصوّر کھڑا تھا۔
وہ تو نجانے کب سے وہاں کھڑا تھا۔اپنے کام میں مگن ربیعہ نے بے خیالی میں ہی نگاہیں ادھر اٹھائی تھیں۔
"تصور بھائی..." اس کے لبوں سے نکلا۔"وہاں کیوں کھڑے ہوئے ہیں آپ!"
وہ مسکرانے لگا۔اس کی نظروں میں پیغام تھا۔ربیعہ کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔اس کے ابرو تن گئے۔وہ چولہے کے سامنے سے ہٹ کر کھڑکی میں چلی آئی۔
"تصور بھائی۔"اس کا لہجہ سخت تھا۔
"ہوں..." وہ لگاوٹ سے بولا۔
"آپ کو کچھ کام ہے یہاں؟"
"کام؟ نہیں تو۔" وہ مسکرایا۔
ربیعہ نے کھڑکی زور سے بند کر دی۔اس کا خون کھول اٹھا تھا۔وہ پھر سے چولہے کے پاس آئی لیکن اسے یاد نہ آیا وہ ہانڈی میں کیا ڈالنا چاہتی تھی۔
"ربیعہ..." دروازے سے آواز آئی۔
ربیعہ نے مڑ کر دیکھا۔وہ اب دروازے پر کھڑا تھا۔اس کے لبوں سے مسکراہٹ گویا گوند سے چپکی ہوئی تھی۔آنکھوں میں وہی چمک تھی جو اب معدوم ہوتی ہی نہیں تھی۔

ربیعہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔
"آپ کچھ کہتے کیوں نہیں۔" وہ غصے سے بولی۔"کیا کام ہے آپ کو یہاں..."
"مجھے چائے بنا دو۔" وہ کچھ جھینپ گیا۔
"اچھا' بنا دیتی ہوں۔"اس کے ابرو ہنوز تنے ہوئے تھے۔"لیکن کیا آپ چائے بننے تک یہیں کھڑے رہیں گے؟"
وہ شرمندہ سا وہاں سے ہٹ گیا۔ربیعہ نے ہانڈی کے نیچے آنچ کم کر دی اور چائے کا پانی دوسرے چولہے پر رکھ دیا۔اس کا ذہن بٹ گیا تھا ورنہ وہ بے حد لگن سے سالن بنا رہی تھی۔سوچوں میں گم رہتے ہوئے اس نے چائے بنائی تھی۔
"تصور بھائی!" کچن سے نکل کر اس نے آواز لگائی تھی۔"چائے لے لیں۔"
جواب ندارد تھا۔ربیعہ نے یکے بعد دیگرے تینوں کمروں میں جھانکا۔وہ کہیں نہیں تھا۔چائے کی پیالی ہاتھ میں تھامے ہوئے وہ حیران پریشان سی برآمدے میں کھڑی ہوئی تھی۔
پھر اسے خیال آیا کہ وہ یقیناً چھت پر چلا گیا ہو گا۔نجانے کیوں وہ گھر کے افراد سے چھپتا پھرتا تھا۔وہ پیالی لے کر صحن میں نکلی۔
"تصور بھائی..." اس نے پھر آواز لگائی۔"یہ چائے لے جائیں۔"
مگر کوئی جواب نہ آیا۔ربیعہ کا جی چاہا' چائے کسی کیاری میں گرا دے اور جا کر اپنا سالن پکانے لگے۔پھر خود پر جبر کر کے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔
وہ اپنی پتنگوں کے پاس بیٹھا تھا۔ان میں سوراخ کر کے دھاگا پرو رہا تھا۔
"یہ لیجئے اپنی چائے۔" ربیعہ نے چائے اس کے قریب رکھ دی۔
"سنو ربیعہ..." اس نے آواز دی تھی۔

"جی...؟" وہ مڑ کر دیکھنے لگی۔
"آؤ، تمہیں پتنگ اڑانا سکھاؤں۔"
"شکریہ۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "میں نے آپ کو بتایا تھا نا مجھے شوق نہیں ہے۔"
"ربیعہ... ربیعہ بات تو سنو۔" وہ پتنگ چھوڑ کر اس کے قریب آ گیا۔ "تم مجھ سے ناراض سی کیوں رہتی ہو؟"
ربیعہ نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔
"نہیں تو، میں تو آپ سے ناراض نہیں رہتی۔" "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے سرسری سا اس کی طرف دیکھا۔
"اچھا تو کچھ دیر بیٹھو یہاں، میرے پاس۔"
"تصور بھائی! ترانہ اور صولت آتی ہوں گی۔ مجھے کھانا پکانا ہے۔ چولہے پر سالن رکھا ہے، جل جائے گا۔" وہ رسانیت سے کہتے ہوئے مڑی۔
"سنو... سنو ربیعہ..." وہ پھر آگے بڑھ آیا۔
ربیعہ نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔
"تصور بھائی! مسئلہ کیا ہے آپ کے ساتھ؟"
اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ تصور ڈر گیا۔
"نہیں تو..." وہ بولا۔ "مسئلہ تو کوئی نہیں، میں پوچھ رہا تھا تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ کپڑے، چپلیں، پنیں وغیرہ۔ لڑکیوں کا جو سامان ہوتا ہے۔ مجھے لسٹ بنا دینا میں لا دوں گا۔"
ربیعہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔
"مجھے جو سامان چاہیے تھا تصور بھائی! میں نے ترانہ سے سب کچھ منگوا لیا ہے۔ آپ کے پوچھنے کا شکریہ۔"
"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ چائے کے لیے شکریہ ربیعہ!"
"کوئی بات نہیں۔"
وہ پھر رکی نہیں تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ خاموشی سے بیٹھا چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔
ربیعہ کے ذہن میں گرہ سی پڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سخت طیش کے عالم میں وہ ان کے قریب آ کر بیٹھی تھیں۔
فاروق حسن سونے کے ارادے سے چشمہ اتار ہی رہے تھے۔ مگر ان کے تیور بھانپ کر وہ رک گئے۔ بغور انہوں نے اپنی بھاری بھرکم بیگم کے بگڑے بگڑے انداز دیکھے اور گہری سانس بھری۔
"ہاشم کے پاس سے آ رہی ہوں۔" انہوں نے اپنی طرف سے بے حد صحیح نشانہ باندھا تھا۔
"یہاں جس کے پاس چلے جاؤ اس کی اپنی ہی کہانی ہے۔ آدمی کس کس کو پورا پڑے۔ اے ہاں، اپنی تو عمر بیت گئی سب کی للو پتو کرتے کرتے۔"
"کس نے کیا کہہ دیا بھئی؟" وہ سونا چاہتے تھے اور کسی قسم کی بدمزگی کی داستان سننے کے قطعاً "موڈ" میں نہ تھے۔
"بٹیا رانی سے پوچھو جنہیں ہری ہری سوجھ رہی ہے۔ نئے سے نئے شوشے نکل رہے ہیں اس گھر میں تو۔ فاروق حسن! اپنی اولاد سے تم ہی نمٹو میں کہے دیتی ہوں۔"

"کیا مسئلہ ہو گیا؟" ان کے کان کھڑے ہوئے۔
"کہتی ہیں، نافع سے منگنی نہیں کرنی۔ یہاں جوڑے اور انگوٹھی کا ناپ بھی جا چکا۔ بتلاؤ، کس قدر سبکی کی بات ہے۔"
فاروق حسن کچھ دیر سکتے کی سی حالت میں بیٹھے رہ گئے۔
"کیا مطلب؟" پھر وہ سنبھل کر بولے۔ "آپ نے عریشہ سے پہلے پوچھا نہیں تھا؟"
"اے ہاں، سب قصور میرے، مجھے کیا خبر تھی کتنے پر نکالے ہوئے ہیں اس نے۔ بالشت بالشت بھر کی چھوکریاں خود کو عقل کل سمجھتی ہیں۔"
فاروق حسن چند لمحے ساری بات سمجھنے کی کوشش میں خاموش بیٹھے رہے پھر اٹھ کر اپنا گاؤن پہننے لگے۔
فردوس بیگم نے کن اکھیوں سے انہیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ ان کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ بھی اٹھ کر ان کے پیچھے پیچھے چل دیں۔
انہوں نے عریشہ کے کمرے کے سامنے رک کر دروازہ بجایا۔
"عریشہ......"
دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ سفید شلوار قمیص اور سفید بیل لگے سیاہ دوپٹے میں ملبوس عریشہ ان کے مقابل تھی۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھی۔
"بابا..." وہ سامنے سے ہٹ گئی۔ "آئیں..."
وہ اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ فردوس بیگم بھی دبی دبی سی چلی آئیں اور ایک کونے میں دبک گئیں۔
"بیٹا!" وہ کمرے کے بیچوں بیچ جا کھڑے ہوئے۔ "بدھ کے روز آپ کی منگنی کی چھوٹی سی رسم کر رہے ہیں ہم۔ نافع کے ساتھ۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"
عریشہ کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ سرخ لب کانپنے لگے تھے۔ ماں کے مقابل وہ کیسی شیر بن جاتی مگر باپ کے سامنے کچھ بولنے کی ہمت کبھی نہ ہوئی تھی۔
"بابا..." اس نے تھوک نگلا۔
"ہاں ہاں کہو جو کہنا چاہتی ہو۔" ان کے انداز میں بے حد ٹھہراؤ تھا۔
"بابا! میں نے نافع کے لیے کبھی اس طرح نہیں سوچا۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔
"اچھی بات ہے، بہت اچھی بات ہے۔ شریف لڑکیاں، ماں باپ کی عزت کا خیال رکھنے والی بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ گھر میں ساتھ رہتے کزنز کو بھائیوں کی طرح سمجھتی ہیں لیکن بیٹے شادی ایک بالکل علیحدہ قسم کا بندھن ہے۔ ایسا بندھن جو چند لمحوں میں دو اجنبیوں کو ایسا آشنا سا بنا دیتا ہے کہ ساری زندگی کے لیے اعتماد اور اعتبار کا تحفظ میسر آ جاتا ہے۔ سوچیے بیٹا! جب دو اجنبی ایک دوسرے کے متعلق بالکل نئے انداز سے سوچتے ہیں تو آخر اس رشتے میں کوئی تو ایسی چھوٹی بات ہوتی ہوگی۔ انسان کی سوچوں کو ایک بالکل نیا رخ مل جاتا ہوگا۔ ابھی نافع کے حوالے سے آپ کے جو خیالات ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ لیکن اس بات کا یقین کریں کہ بعد میں آپ کے ذہن میں کوئی گرہ باقی نہ رہے گی، آپ ویسا ہی محسوس کریں گی جیسا ایک شریک حیات کے لیے کرنا چاہیے۔ بچوں کو بہت سی باتیں اپنے والدین پر چھوڑ دینا چاہئیں۔ وہ عمر، عقل اور تجربے میں اولاد سے بہت آگے ہوتے ہیں، بہت آگے کا سوچتے ہیں۔ ہم آپ کی عمر سے گزر چکے ہیں، سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے کیا احساسات و جذبات ہوں گے۔ آپ

ہماری عمر کو نہیں پہنچیں' آپ نگاہ کی اس گہرائی کو نہیں جان سکتیں۔ آپ کے ماں باپ نے آپ کے لیے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے' اس کا اندازہ آپ کو عمر کا کچھ حصہ گزار کر ہوگا اور ضرور ہوگا۔"

انہوں نے ٹھہر کر بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ فردوس بیگم ان کی گفتگو سے خوش ہو کر اثبات میں سر ہلائے جا رہی تھیں۔ لیکن عریشہ کے تاثرات کی سختی ہنوز برقرار تھی۔ وہ مارے باندھے بیٹھی تھی جیسے اس کا بس چلتا تو اٹھ کر کمرے سے بھاگ جاتی۔

"اور ایک آخری بات۔" اب ان کے لہجے میں ٹھہراؤ اور سختی در آئی۔

عریشہ نے قدرے چونک کر انہیں دیکھا۔

"میں اپنی ماں اور اپنے بھائی کو زبان دے چکا ہوں' میں جانتا ہوں بیٹا! کہ آپ کی ماں نے آپ سے پوچھے بغیر "ہاں" کر کے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے لیکن اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے جس کے لیے پورے خاندان میں رنجش کی ایک نئی گرہ ڈال دی جائے۔ آپ کے دل کو اگر ٹھیس پہنچی ہے تو آپ کا باپ آپ کے سامنے کھڑا معذرت خواہ ہے۔"

"بابا..." اس کے لب کانپے۔

"لیکن اب آپ کو اپنے باپ کا مان رکھنا ہوگا۔" انہوں نے اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ عریشہ نے اپنے سر پر ایک بے حد گراں اور قیمتی شے محسوس کی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور دل ہر خواہش سے خالی اور دست بردار ہو گیا۔



"مائی گاڈ..." ہاشم کے لبوں پر مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں تحیر تھا۔ چہرے پر خوشی کی الوہی سی چمک تھی۔

"بہت اچھے بھئی۔" اس نے کاغذ لہرایا۔

رافع جھینپ کر ہنس دیا۔

"لیکن یہ "پوشیدہ ہستی" ہے کون؟"

"پتا نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔ "میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا کسی کو۔"

"پھر یہ سب کچھ کس فرشتے نے لکھوایا تم سے؟ بھئی کوئی تو تحریک ملی ہوگی نہیں؟"

"تحریک تو مجھے تمہارے عشق سے ملی ہے۔" وہ قلم کو انگلیوں میں گھمانے لگا۔ "سچی بات ہے۔"

"گویا ادھار کے جذبات ہیں؟ پھر تو یہ نظم مجھے ڈاکٹر صاحبہ کی خدمت میں اپنے نام سے پیش کر دینا چاہیے۔ یار رافع!" وہ منت بھرے انداز میں بولا۔

رافع نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

"یار... چند ایک نظمیں ایسی اور لکھ دو مجھے۔ میں سنجیدہ ہو گیا ہوں۔"

"ارے!" رافع نے آنکھیں نکالیں۔ "میرے جذبات کو دھڑلے سے ادھار کا کہہ کر مذاق اڑاتا ہے اور مجھ سے میری ہی نظمیں مانگ رہا ہے۔ ادھار یہ ہے یا وہ۔"

"بھئی... میرے جذبات ہیں نا اس نظم میں۔"

"الفاظ تو میرے ہیں۔"

"محبوبہ تو میری ہے۔" وہ ہنسا۔ "تم تو یہ نظم کسی کے نام بھی نہیں کر سکتے۔"

"ارے واہ... محبوبہ کے محبوب!" وہ چڑ گیا۔ "میں پھاڑ دوں گا لیکن یہ چیٹنگ نہیں کروں گا۔ محبوبہ تمہارے پاس ہے۔ جذبات تمہارے پاس ہیں تو نظمیں بھی لکھ لو۔ الفاظ کسی فرد واحد کی ملکیت تو نہیں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے شاعر صاحب! ایک نظم کیا مانگ لی تم تو طوطا بن گئے۔" اس نے سر ہلایا۔ "ہم بھی کسی ردی کی دکان پر ایک آدھ گھنٹہ ضائع کر کے کوئی شہ پارہ ڈھونڈ ہی لیں گے۔ کسی مرحوم شاعر کی منتیں بھی نہ کرنا پڑیں گی۔"

رافع قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اور مزہ آ جائے جب ڈاکٹر صاحبہ کی کسی ڈائری میں پہلے سے وہ شہ پارہ محفوظ ہوا۔"

ہاشم بھی اس تصور سے لطف اندوز ہو کر ہنس دیا۔

"یار ہاشم..." رافع سنجیدہ ہوا۔ "ہوا کیا؟"

"ابھی تک تو ہری اور لال دونوں بتیاں خاموش ہیں۔" اس نے آہ بھری۔ "دیکھو' کون سی جلتی ہے۔"

"تم نے پھر بات نہیں کی؟ کیا خبر ادھر بھی انتظار کی کیفیت ہو کہ دوبارہ استفسار ہو تو جواب دیا جائے۔"

ہاشم قدرے سوچ میں پڑ گیا۔

"میں نے تو معاملہ پھپھو ڈیئر کے سپرد کیا تھا۔" وہ بولا۔ "استفسار تو اب ان ہی کو زیب دیتا ہے۔"

"اونہیں یار!" رافع بولا۔ "تمہارے کہنے کی بات اور ہے۔ صنف نازک کے نازک احساسات کو تقویت ملتی ہے صنف قوی کو سوال کرتا دیکھ کر۔ دل میں شگوفے کھلتے ہیں تو لبوں پر "ہاں" آتی ہے۔"

ہاشم بری طرح چونکا' کچھ گھبرایا۔

"یار رافع! تو ٹھیک ہے نا؟" اس نے رافع کا چہرہ اور سینہ ٹٹولا۔

"ہاں' ہاں... کیا ہوا..." وہ بھی گھبرا گیا۔

"یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے آج' تجھ میں کسی مرحوم شاعر کی روح حلول کر گئی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے۔" رافع جھینپ کر ہنس دیا۔

"ایسے کہتے تو ٹھیک ہو تم۔ لگتا ہے مجھے پھر بات کرنا ہوگی۔"

"تمہیں تو ویسے بھی بہانا درکار ہے۔" رافع نے آنکھ دبائی۔

پھر دونوں ہنس دیے۔



"حیات ولا" میں چاندنی اتری ہوئی تھی۔ پوری عمارت رنگین قمقموں سے سجی ہوئی تھی۔ کمرے اور دالان قہقہوں سے گونج رہے تھے۔ نہ' نہ کرتے بھی بہت سے عزیز' رشتہ دار بلوا لیے گئے تھے۔ گھر کے سب ہی لڑکے انتظامات میں بھی مصروف تھے اور ایک دوسرے پر پھبتیاں بھی کس رہے تھے۔

"یار عباد۔" حمزہ بولا۔ "دیگوں کا انتظام تمہارے سپرد ہے۔ خیال رہے' کھانا یہاں سے وہاں بھی ہو جاتا ہے اور گھر والوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔"

"اس کے سپرد انتظام کیا گیا تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔" علی ہنس دیا۔

"پھر یوں کرو کہ ایک خالی دیگ کے اندر علی کو چھپا دو۔" عباد مزے سے بولا۔ "میرے سر سے بھی نگرانی کا بوجھ اترے گا اور دیگوں کی حفاظت بھی ہوتی رہے گی۔"

"گڈ آئیڈیا۔" سب ہی نے اس کے مشورے کو سراہا تھا۔

"چلو علی۔۔۔ شاباش۔ دیگ پسند کرو۔" اس پر ایک زوردار قہقہہ پڑا تھا۔

"صدقے جاواں۔" اس نے دانت نکالے۔ "تندروی روسٹ کی دیگ مناسب رہے گی۔"

"جی ہاں۔" رافع وہاں چلا آیا۔ "بلی کو دودھ کی چوکیداری سونپو گے تو یہی جواب ملے گا۔ تم سب لوگ یہاں کھڑے باتیں بنا رہے ہو۔ وہاں رسم کی ادائیگی ہونے والی ہے۔ لڑکا دہائیاں دے رہا ہے کہ میرے دوست کیا ہوئے۔ لڑکی اپنے بھائیوں کی راہ دیکھتی ہے۔ چلو سب اندر۔"

ایک دوست کو وہیں چھوڑ کر وہ سب اندر کی سمت چل دیے۔

"عریشہ!" ناعمہ نے اسے ٹھوکا دیا تھا۔ "دلہن تم ضرور ہو مگر منگنی کی رسم کی۔ بلاوجہ تم رخصتی کا خیال ذہن میں لیے بیٹھی ہو۔ اتنا ٹینس ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

عریشہ نے جواب میں صرف زور سے "سوں" کیا۔

"یہ زکام ہے یا کچھ اور۔۔۔؟" وہ بھنائی۔

ورد ہنس دی۔

"ناعمہ! کیوں اس بے چاری کو تنگ کر رہی ہو۔ وہ پہلے ہی اداس ہو رہی ہے۔"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں' اداسی کی وجہ کیا ہے؟"

"جب تم دلہن بنو گی تو سب سمجھ میں آجائے گا۔"

"اپنی منگنی والے دن تو میں ہرگز اداس نہ ہوں گی۔" وہ بولی۔

"اس دن تمہارا دولہا اداس ہوگا۔" ماہین برجستہ بولی تو لڑکیاں قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔ عریشہ بھی مسکرا دی۔

"اللہ ماہین آپی!" اس نے احتجاج کیا۔ "ایسے تو نہ کہیں۔ میں کیا اتنی بری ہوں؟"

کاریڈور سے گزرتے ہوئے انیقہ' کمرے سے نکلتے ہاشم کے مقابل آرکی تھی۔

"السلام علیکم ہاشم بھائی!" وہ مسکرائی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔" ہاشم کی نگاہیں اس کے عقب میں کچھ تلاش کر کے نامراد لوٹ آئیں۔ "آپ اکیلی آئی ہیں۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ تھا۔ انیقہ مسکرا دی۔

"جی۔۔۔ وہ اپیا کا مزاج کچھ اچھا نہ تھا۔"

"بدمزاج ہیں؟" ہاشم نے اس کی بات کا لطف لیا۔

"بہت۔۔۔" وہ برجستگی سے بولی۔ "آپ سوچ لیں۔"

"ہمارا سوچنے کا وقت گزر گیا ہے انیقہ بی بی!" ہاشم خوش دلی سے مسکرایا۔ "بلکہ یوں کہیے کہ سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ رہی۔"

انیقہ کی آنکھیں چمکی تھیں۔ اس نے غور سے ہاشم کا مسکراتا ہوا روپ دیکھا۔

"لیکن ڈاکٹر صاحبہ نے زیادتی کی ہے۔" وہ بولا۔ "انہیں آنا چاہیے تھا۔ "حیات ولا" کی ہر تقریب میں وہ شریک ہوتی رہی ہیں۔"

"میں نے تو اصرار کیا تھا مگر۔۔۔" وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔

"خیر۔۔۔ آپ بیٹھیے۔ عریشہ وہ سامنے والے کمرے میں ہے۔"

"شکریہ۔۔۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

بہت اداس اور ملول سی وہ لان کی سیڑھیوں کے پاس بیٹھی' چاند کے زرد تھال کو آسمان کی سیاہ چادر پر رکھا ہوا

دیکھ رہی تھی۔

زرد رو' تنہا چاند اسے اپنی طرح اداس محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی بے چارگی اور حزن تھا۔ شہلا خاموشی سے اسے تکے گئی۔

"مما!" عمر کارڈلیس لیے باہر آیا۔ "آپ یہاں بیٹھی ہیں۔ میں پورے گھر میں آپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔"

"کیوں؟" وہ اپنے خیالوں سے باہر آئی۔

جواباً اس نے اسے کارڈلیس تھمادیا۔ اور اچھلتا کودتا اندر چلا گیا۔

"ہیلو۔۔۔"

"ابرار بات کر رہا ہوں۔"

شہلا جھنجلا گئی۔ جن خیالوں کو خود پر سے نوچ نوچ کر' پیچھا چھڑا کر' بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی' وہ مکڑی کے جالے کی طرح اسے مزید اپنے اندر لپیٹتے جا رہے تھے۔

"فار گاڈ سیک ابرار۔۔۔!" وہ رو دینے کو ہو گئی۔ "تمہیں کیا ہوا ہے؟ تمہیں عمر سے بات کرنا ہے' میں نے تمہیں اجازت دے دی ہے۔ تم اس سے ملنا چاہتے ہو' میں تمہارے کہنے پر ہر مرتبہ اسے بھیج دیتی ہوں' لیکن اس طرح مجھے پریشان کرنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ آخر ہمارے درمیان کہنے سننے کے لیے بچا کیا ہے۔"

"شہلا۔۔۔" وہ مجروح انداز میں بولا۔ "مجھے اس طرح مت جھڑکو کہ میں اپنی نگاہ میں مزید ذلیل ہو جاؤں۔ میں پہلے ہی خود کو بے حد پست اور ذلیل محسوس کرتا ہوں۔ مجھے اور شرمندہ مت کرو۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ آنسوؤں سے بھری ہوئی آواز میں بولی۔

"اچھی سزا سنائی ہے تم نے خود کو بھی اور مجھ کو بھی۔" وہ شاکیانہ بولا۔ "کیوں کیا تم نے شہلا ایسا۔"

"میں نے۔۔۔؟" وہ حیران رہ گئی۔ "یعنی اتنے سالوں بعد بھی فرد جرم تم میرے کھاتے میں ڈال رہے ہو؟ ابرار جیلانی! اپنے گریبان میں جھانکنے کی ہمت پیدا کرو خود میں۔ سچ کی آنکھیں چہرے پر لگا کر پھر آئینہ دیکھو۔ میرے پر کاٹ کر تم نے مجھے ایک سونے کے پنجرے میں بند کر دیا اور اب پوچھتے ہو کہ میرے دل نے اڑان بھرنے کی تمنا ہی کیوں کی؟ اس لیے ابرار جیلانی! کہ تمہارے اس سونے کے پنجرے میں مرجاتی' دم گھٹ جاتا ان تاریک کمروں میں میرا' جہاں مجھے عمر قید کی سزا سنا کر تم بے حسی سے چلے گئے تھے۔"

"میں شہلا نہیں۔۔۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "میں بے حس نہیں تھا' تم سے بے پروا نہیں ہوا تھا۔ میں صرف مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ سب کچھ۔ لیکن تم میں انتظار کا حوصلہ ہی نہ تھا۔ اپنی جلد بازی میں سب کچھ تباہ کر ڈالا تم نے۔۔۔"

وہ خاموش ہو کر آنسو حلق سے اتارنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ میں مانتی ہوں' میں نے غصے میں طلاق کا مطالبہ کیا تھا' پُرزور اصرار کیا تھا۔ لیکن پیپرز سائن کر کے تم نے بھیجے تھے ابرار۔۔۔ تم نے۔ وہ بھی اتنی عجلت میں جیسے تم یہی کچھ سننے کو بیٹھے تھے۔" اس سے بولنا دشوار ہونے لگا۔ حلق میں گولے پھنسنے لگے۔

"میری خرابی کا تو تمہیں علم ہے شہلا!" وہ شکست خوردگی سے بولا۔ "بہت جلد چڑھنے اور بہت جلد اتر جانے والا غصہ۔ تمہارے مطالبے نے میرے دل و دماغ میں آگ سی بھر دی تھی۔ اور اس آگ کو بجھانے والا کوئی ہمدرد' کوئی مخلص میرے پاس نہ تھا۔ آس پاس جتنے بھی تھے جلتی پر تیل ڈالنے والے تھے۔ بابا سائیں' اماں' بہنیں' سب ہی نے میرے غصے کو خوب ہوا دی۔ مجھ پر طعنے کے' مذاق اڑایا گیا میرا کہ میں نے ایک ایسی عورت سے

محبت اور شادی کی جو محبت کے رستے کی معمولی تکلیف نہ سہہ پائی بھلا زندگی کی دشوار گزار راہوں میں وہ ہاتھ تھام کر کہاں تک چل سکے گی۔ میں غصے میں تھا میرا ذہن کام نہ کر رہا تھا۔ سب اچھی سوچیں تم اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔

"بہرحال!" شہلا نے آنسو پونچھے اور خود پر قابو پایا۔ "محبت کے تناور درخت کو ہم نے خود مل کر کاٹ دیا اس کی بکھری ہوئی شاخوں سے الجھنے سے کیا حاصل ابرار! اب ان شاخوں پر نہ پھل ہیں نہ پھول۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔"

"میں اور تم جس ڈور سے بندھے ہوئے ہیں شہلا! وہ دوسری جانب تمہارے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ یہ احساس مجھے جینے نہیں دے رہا ہے۔ میں ماضی میں چل رہا ہوں شہلا۔"

"ابرار... ابرار تم سمجھتے کیوں نہیں... اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"محبت کے اس تناور درخت کو مل کر سیدھا کرتے ہیں شہلا! اس کی جڑیں بہت اندر تک پیوست ہیں۔"

"ابرار!" وہ اس کا مطلب سمجھ کر سکتے میں رہ گئی۔ "تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"ہم پھر مل جاتے ہیں شہلا!"

"فار گاڈ سیک!" اس کے لبوں سے سرگوشی کے سے انداز میں نکلا تھا۔ "تم نے ایسا سوچا بھی کیوں؟"

"اس لیے کہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے۔" اب اس کا لہجہ مضبوط ہو چکا تھا۔

"ہوتا ہوگا۔" وہ بے رخی سے بولی۔ "میری زندگی میں ایسا ممکن نہیں ہے۔"

"شہلا!" وہ لجاجت سے بولا۔ "صرف... صرف عمر کے بارے میں سوچو' مت سوچو میرے بارے میں' مت سوچو اپنے بارے میں' اس بچے کا سوچو' جو میرا ہے' تمہارا ہے اور ہم دونوں کے درمیان جینا چاہتا ہے۔ ذرا سا کشٹ اٹھا لینے سے اگر روٹھی خوشیاں پھر سے مل سکتی ہوں تو کشٹ اٹھا لینا چاہیے۔"

"تم مجھے مرنے کے لیے کہہ دو ابرار!" اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔ "میں مر جاؤں گی۔"

"میں ہمیشہ تم سے جینے کے لیے اصرار کروں گا شہلا۔"

اس کے لہجے میں بے تحاشا سچ تھا۔ شہلا پتھر کی ہو گئی۔

"شہلا!" وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "میرا ایک دوست ہے وہ یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ سب کچھ تیار ہے شہلا!۔ بس تمہاری ایک "ہاں" چاہیے۔"

شہلا نے فون بند کر دیا۔ اس کے وجود میں ایک طوفان برپا تھا۔



"پھپھو... پھوپھا جان بلا رہے ہیں۔" نافع نے کمرے میں جھانک کر شرارت سے کہا۔

آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں گجرے ٹانکتی ایقان کا ہاتھ کانپا اور دل عجب انداز میں دھڑکا۔ وہ بے تابی سے مڑی۔

"نافع!"

"جی ہاں... مگر فون پر!" اس نے دانت نکالے۔ "میں وہاں دولہا بن رہا ہوں' پھوپھا مجھے ڈسٹرب کر رہے ہیں۔"

"بدتمیز کہیں کا۔" اس کو ہنسی اور غصہ ایک ساتھ آئے۔ "لے کر دل دھڑکا دیا میرا' میں سمجھی..." وہ سر

جھنکتی، بڑبڑاتے ہوئے فون کی طرف بڑھ گئی۔
"ہیلو....." اس نے ریسیور اٹھایا۔
"مبارک ہو، بھتیجے، بھتیجی کی منگنی۔"
"خیر مبارک!" وہ ناز سے بولی۔
"منہ تو میٹھا کرادو....." ادھر سے شرارت ہوئی۔
"لڈو کھینچ ماروں؟"
"ہائے رے ستم ظریفی!" اس نے شکوہ کیا۔ "کس کی صحبت میں رہ رہی ہو جان من! تم اتنی ظالم تو نہ تھیں۔ اپنے پڑوس میں کوئی قصاب تو آکر نہیں بس گیا؟"
"آپ کس کی صحبت میں ہیں؟" وہ جواباً بولی۔ "بہت خوش مزاج ہوتے جارہے ہیں۔"
عاشر یک دم خاموش ہوا۔
"اچھا یہ بتاؤ کون سے رنگ کے کپڑے پہنے ہیں تم نے؟" پھر وہ خوش دلی سے گویا ہوا۔
"اپنے دل سے پوچھو..... بوجھ کر دکھاؤ....." وہ ہنسی۔
"اچھا!" اس نے لمحہ بھر کو سوچا۔ "سنہری سی لگتی ہو۔"
ایقان کا دل دھڑک کر رہ گیا۔ اس نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور اپنے گولڈن کلر کے کپڑے دیکھے۔
"بہت بے ایمان ہو عاشر تم۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔
دوسری جانب اس نے قہقہہ لگایا۔
"پکڑی گئیں نا۔ اچھا یہ بتاؤ میرے بچے کیسے ہیں؟۔"
"ایک دم فرسٹ کلاس!" اس کا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا۔
"سب کو سلام کہنا۔ دولہا، دلہن کو مبارک باد۔"
"اوکے سر!"
"اپنا خیال رکھا کرو۔"
"ہوں!" وہ ہنسی۔
"خدا حافظ..... لویو!" سلسلہ منقطع ہو گیا۔
ایقان بہت دیر تک ریسیور لیے کھڑی رہی۔
"پھپھو....." نافع کمرے میں جھانک کر منمنایا۔ "مجھے یہاں تیار ہونا ہے۔"
"اوہ....." وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔ "ہاں، ہاں آجاؤ نافع! میں نے بات کرلی ہے۔ تمہارے "پھوپھا" بہت مبارک باد دے رہے تھے۔"
"تھینک یو۔ ویسے مجھے مبارک باد دے چکے تھے وہ۔" وہ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
"اچھا!" وہ ہنسی۔ "اور کیا کہہ رہے تھے؟"
"پوچھ رہے تھے تمہاری پھپھو نے کون سے کلر کا ڈریس پہنا ہے۔ میں نے بتایا گولڈن کلر کا۔"
"اُں....." ایقان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "بے ایمان۔"
وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

آنسو جھر جھر گر رہے تھے۔ اس کا چہرہ بھیگتا جارہا تھا۔
"میرا ایک دوست ہے..... وہ یہ قربانی دینے کے لیے....."
"آہ! قربانی میری مانگتے ہو۔ اور نام اپنے دوست کا لیتے ہو۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "یہ نہیں سوچا کہ مجھ پر کیا بیتے گی۔ جو خوش رنگ سپنے دکھا رہے ہو، ان تک پہنچنے کے لیے مجھے اپنے تلووں کو لہولہان کرنا ہوگا اور اسی لہو سے تم میری مانگ بھر کر مجھ پر احسان کروگے۔ ابرار جیلانی! تم مرد لوگ عورت کو محض ایک حقیر کھلونا سمجھتے ہو..... کھلونا محض اس وقت تک کشش رکھتا ہے جب تک دسترس سے دور ہو۔"
اس کے قریب رکھا کارڈلیس پھر بجنے لگا تھا۔ شہلا پریشان ہو اٹھی۔
"کیا چاہتا ہے یہ شخص..... یہ مجھے سکون نہ جینے دے گا نہ مرنے دے گا۔"
اس نے فون آن کیا۔
"ہیلو....."
"ہاشم عرض کر رہا ہوں!" سلجھے ہوئے شائستہ انداز میں کہا گیا تھا۔
شہلا دفعتاً ساکت ہوئی۔
"شہلا..... آپ مجھ سے خفا ہوگئی ہیں کیا؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگا۔
"جی..... جی..... نہیں۔" اس کا ذہن حاضر نہ تھا۔
"پھر آپ آئیں کیوں نہیں؟ پھپھو بھی آپ کی منتظر ہیں..... اور..... میں بھی۔"
"ہاشم!" وہ کچھ توقف سے بولی۔ "میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ورنہ میں ضرور آتی۔ پلیز آپ مائنڈ نہ کیجیے گا۔ اور ان سے بھی ضرور معذرت کر لیجیے گا میری طرف سے۔"
"آپ کو شاید میرا سامنا اچھا نہیں لگا ورنہ آپ ضرور آتیں۔" وہ آہستگی سے بولا۔ "میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ میرا سامنا نہیں کرنا چاہتیں۔"
شہلا نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔
سب لوگ بڑے ہال میں جمع تھے۔
عریشہ کو نافع کے برابر لا کر بٹھا دیا گیا۔ وہ بے حد سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ معمولی سی مسکان کی جھلک تک لبوں کے گوشے میں پوشیدہ نہ تھی۔
نافع خوش تھا۔ مسکرا رہا تھا۔ دوست احباب کے چٹکلوں کا جواب دے رہا تھا۔
شفیقہ حیات دو انگوٹھیاں سنبھالتی دولہا دلہن کے پاس آبیٹھیں۔ دونوں جانب سے انگوٹھیاں انہیں ہی پہنانی تھیں۔
"بسم اللہ کیجیے اماں جان!" فاروق حسن بولے۔
ہاشم، رافع، ایقان اور ماہین دولہا دلہن کے صوفے کی پشت پر کھڑے سب کارروائی ملاحظہ کر رہے تھے۔ سب کے سب جھنجھلے ہوئے نروس تھے۔
دفعتاً ہاشم کی نگاہیں اٹھی تھیں۔ خوشبو کے ایک مانوس جھونکے نے اسے چونکا دیا تھا۔

(باقی آئندہ)

رکھتے ہیں۔ دو دکانیں اور ایک گھر اس کی ملکیت ہے۔ عالم چچا کو دکانوں کا کرایہ لانے کی ذمہ داری سونپ کر وہ قدرے فکر معاش سے آزاد ہو جاتی ہے۔ بوا سکینہ بھی پڑوسن ہونے کا حق بھرپور طریقے سے ادا کر رہی ہیں لیکن ان کی گفتگو میں ربیعہ کو تلخ حقائق سے آگاہی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اب وہ اسے یہ گھر بیچنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ خریدار ان کا بہنوئی عرفان شوکت ہے۔ جو اس کے گھر کی نہایت کم قیمت لگاتا ہے۔ نفیسہ خالہ بھی اس کے خیر خواہوں میں سے ہیں۔

ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے نا آشنا ہوتی ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس یا اس کی پھوپھو ہیں اور ان کا ایڈریس پا کر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ ان کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کرکے اکثر اپنے بیٹے سے باتیں کرتا ہے۔

فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم' ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کو بدلتے رویوں سے تنگ آکر اپنی پھپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عباد سے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کر رہی ہے۔ وہ از خود اس کی پھپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

عاشر (ایقان کا شوہر) اپنے دفتر سے نکلا تو لیزا گاڑی لیے اس کی منتظر تھی۔

۱۴
چودہویں قسط

آنکھوں میں محبت کی جلتی جوت لیے' وہ اس کے مقابل تھا۔ شہلا کے عقب میں پورا چاند اچانک ہی مسکرانے لگا تھا۔ ہاشم کو روئے زمین کی ہر شے مسکراتی ہوئی لگ رہی تھی۔ اسے وہ پورا منظر ایک طویل ریاضت کا اعجاز معلوم ہو رہا تھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "آپ پھر بھی آگئیں' یہ دل آپ کا احسان مند ہے۔" شہلا نے نظریں اٹھائیں پھر فوراً ہی جھکا لیں۔

میں نے سوچا۔ "آپ ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "حیات والا" کی ہر خوشی غمی میں' میں ہمیشہ شریک رہی ہوں۔ تو پھر اتنی اچھی تقریب محض ذرا سی ناسازیٔ طبع کے باعث کیوں چھوڑ دی جائے۔ بعد میں مجھے ہمیشہ افسوس رہتا۔ ایقان بھی شکایت کرتی۔"

"گویا" آپ محض اتنا ہی سوچ کر آئیں۔" وہ مسکرایا۔ "بہتر!"

شہلا نے پھر بے چینی سے نگاہ اٹھائی۔ کھدر سلک کے گہرے کلر کے کرتے اور وہائٹ شلوار میں ہاشم کی وجاہت بہت نمایاں تھی۔ متناسب قد و قامت کی شہلا کو اپنا آپ اس کے مقابل ننھا منا سا لگ رہا تھا۔ شناسائی کے اتنے سالوں میں وہ سینکڑوں مرتبہ اس سے ملی تھی لیکن آج سے پیشتر دل نے کبھی یوں چھپ جانے کی خواہش نہ کی تھی۔ جائے فرار نہ ڈھونڈی تھی۔

ہاشم نے ایک مرتبہ پھر اسے دیکھا۔ اس کی ناک میں چمکتی لونگ سے زیادہ روشن نگاہیں اس سے گریزاں تھیں۔ ان نگاہوں کے عقب میں چاند جھینپا جھینپا سا مسکراتا تھا اور اپنی روشنی اس کے سیاہ بالوں پر نچھاور کرتا جاتا تھا۔ چاند کی چمک سے مزین لٹیں اس کے چہرے کے گرد جھولتی تھیں۔ بے حد مکمل اور خوبصورت منظر تھا۔ ہاشم کا وہاں سے ہٹنے کو جی نہ کرتا تھا لیکن ان نگاہوں میں فرار کی خواہش اس درجہ شدید تھی کہ اسے اپنے دل پر جبر کرنا ہی پڑا۔

"آپ کچھ لیجیے نا۔" اس نے میزوں کی جانب اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔" شہلا کو جیسے قید سے رہائی ملی۔

وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔ اس کی مسکراہٹ کی چمک نے منظر کو مزید روشن اور خوبصورت بنا دیا تھا۔ ہاشم بھی بشاشت سے مسکرا دیا۔

اچانک ہی کسی نے ازحد بے تکلفی سے اس کے کاندھے پر بازو دھرا تھا۔ ہاشم جو شہلا کی جانب متوجہ تھا' چونک اٹھا۔ وہ رافع تھا۔

"میاں رانجھے!" وہ سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "یہ جنون عشق کے انداز ذرا قابو کرکے دیکھو۔ یہاں سب کے پاس دو آنکھیں اور دو کان ہیں۔ میرا خیال ہے ڈاکٹر صاحبہ کے پرفیوم میں بے خودی کا کلوروفام ملا ہوا ہے جو صرف تمہاری قوت شامہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔" ہاشم مسکرا دیا۔

"ارے اب یہ اس تو اس طرح کا کوئی دھندا ہے نہیں' ہمیں تو روزگار سے لگا رہنے دے بھائی۔"

"جو لگی بندھی ہے وہ بھی چھٹ جائے گی۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔ "تائی امی! تمہیں ڈاکٹر صاحبہ سے محو گفتگو پا کر بے حد غصے میں واک آؤٹ کر چکی ہیں' جس کا تمہاری صحت پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا کیونکہ تمہیں اس واقعہ کا علم ہی نہ ہو سکا۔ دادی جان اور امی جان مسلسل ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی ہیں اور ایقان پھپھو' وہ ارے خوشی کے دو پلیٹیں بریانی کی اور دو بروسٹ کی اڑا چکی ہیں اور ہنوز میزوں کے اردگرد چکرا رہی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ تمہاری برات کا کھانا بھی چشم تصور سے اسی محفل میں اسٹارٹ کر چکی ہیں۔"

ہاشم کو بے ساختہ ہی ہنسی آگئی تھی۔

"میں بتاتا ہوں پھپھو کو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "تم پھپھو کے پاس جاؤ' میں تائی امی کے پاس جاتا ہوں۔"

[illegible] ایک دو [illegible] کا جز دیا۔



"چشم بددور۔۔۔ کسی کی نظر نہ لگ جائے میری پیاری سی دوست کو۔" ایقان شرارت بھرے لہجے میں کھلکھلائی۔

"ایک عرصے بعد اتنا بنا سنورا دیکھا ہے۔ تمہیں بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

شہلا نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے پھر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

وہ دونوں کھانے کی میزوں سے کافی فاصلے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ ایقان نے محسوس کیا شہلا اس سے نظریں نہ ملا رہی تھی۔ وہ کنفیوژن کا شکار دکھائی دیتی تھی۔ ایقان کچھ سوچ کر شرارت سے مسکرائی۔

"شہلا! ایک بات پوچھوں؟"

"ہوں۔" وہ کسی خیال سے چونکی۔

"ایک سوال کا جواب دینا ادھار تھا تم پر۔"

شہلا نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ ایقان کو اس کی خوبصورت آنکھوں میں خوف کی جھلک نظر آئی ایقان تذبذب کا شکار ہوئی۔ نجانے جو کچھ وہ محسوس کر رہی تھی وہ درست تھا یا صریحاً غلط۔

شہلا تو یوں بھی اس گھرانے کی ہر تقریب میں شریک ہوتی لیکن یہ بھی غلط نہ تھا کہ وہ عموماً ہر تقریب ہی اسی سادہ سے انداز میں ہی بھگتالیا کرتی تھی۔ آج تو اس کا روپ آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

کامدانی سے سجا شیفون کا خوبصورت سوٹ اس کے متناسب سراپے پر انی بہار دکھلا رہا تھا۔ سفید نگینوں سے مرصع کندن کا گلوبند اور آویزے اس کی آنکھوں سے پھوٹتی چمک سے خیرہ تھے۔ خوبصورت کٹاؤ والے لب گہرے میرون لپ اسٹک سے سجے بے حد وضاحت سے اپنے حسن کا قصیدہ کہلوا رہے تھے۔ کمر تک پہنچے ہوئے سیاہ چمکتے ہوئے بال خوبصورتیاں بکھیر رہے تھے۔

اس پر اس کی وہ قاتل ادائے بے نیازی مزید خراب کر رہی تھی۔

ایقان نے دور کھڑے ہاشم کی بے بسی پر ایک نگاہ ڈالی اور الجھ کر رہ گئی۔

"شہلا......" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

شہلا نے سہم کر اس کی صورت دیکھی۔

"ہاشم کا رشتہ لے کر آؤں' باضابطہ طور پر؟"

"ایقان!" وہ کمزور سے لہجے میں بولی۔ "مجھے کچھ سوچنے کی مہلت تو دو۔"

"تمہیں مہلت ضرور دیتی' اگر تمہارا یہ قاتل روپ نہ دیکھتی تو...... لیکن یہ سب تیاری چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ تمہاری خود ساختہ سزا آج ختم ہوئی۔ اب تمہیں مزید مہلت نہیں دی جاسکتی۔ قیدی کی رہائی کی تاریخ کا اعلان کیجئے جج صاحب!" شہلا مسکرا دی۔

"مذاق مت اڑاؤ ایقان! کیا ایک تقریب کے لیے یہ ذرا سی تیاری بھی میرا حق نہیں؟ اس کے بھی سو سو مطلب نکالے جائیں گے؟"

ایقان لمحہ بھر کو گڑبڑا گئی۔

"خدانخواستہ میرا یہ مطلب نہیں تھا شہلا! میں کچھ غلط تو نہیں سوچ رہی۔"

"تم غلط ہی سوچ رہی ہو۔" وہ پھر مسکرائی۔ "میں یہاں تمہارے بھیجے کو انسپائر کرنے نہیں آئی ہوں۔"

ایقان کھلکھلا کر ہنس دی۔

"وہ تم بہت پہلے کر چکی ہو مائی ڈیئر فرینڈ! وہاں تو نظر' جگر' دل' پھیپھڑا سب ہی کچھ انسپائر ہے۔ ہاں البتہ جلتی پر تیل چھڑکنے کا سا اہتمام ضرور کیا ہے تم نے۔ اس کی بھی تو کچھ سزا ہونی چاہیے۔"

"مثلاً "کیا؟" شہلا نے تیکھی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"مثلاً" اس نے دیدے مٹکائے۔ "مثلاً" یہ کہ سارا اہتمام کم از کم اس کے نام تو کر دیا جائے۔ اتنا تو اقرار کرو کہ یہ سب ناز و انداز اس کے لیے ہی ہیں۔"

"ایقان!"

"شہلا پلیز...... کیا اس غریب سے پیر پکڑواؤ گی؟" ایقان بھی سنجیدہ ہوئی۔

شہلا خاموش ہو گئی تھی۔

"میں کل آرہی ہوں' آنٹی سے بات کرنے۔" ایقان نے دھمکایا۔ "اور تمہاری جانب سے کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"اچھا۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہاں؟" ایقان دم بخود ہوئی۔

پھر خوشی اس کے لبوں سے جھرنے کی صورت برآمد ہوئی تھی۔ شہلا بھی جھینپ کر مسکرا دی۔



سیاہ ڈھیلے ڈھالے کرتے اور سیاہ چوڑی دار پاجامے میں ملبوس وہ مہر بہ لب آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی سوچے چلی جارہی تھی۔ لانبے' سیاہ بالوں سے ٹپ ٹپاٹپ پانی کی بوندیں برس رہی تھیں۔ اس کا کرتا بھی بھیگ چلا تھا اور نیلا کارپٹ بھی۔ اسے مطلق پروانہ تھی۔ وہ نجانے کیا کچھ سوچے چلی جارہی تھی۔

تقریب ختم ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ سب ہی افراد سخت تھکاوٹ کے عالم میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے تھے۔ تقریباً" ہر پورشن کی لائٹس آف ہو گئی تھیں۔ اس نے پہلے تو بے حد بے دردی سے اپنے سنورے ہوئے روپ کو بگاڑا تھا۔ کامدار بھاری دوپٹہ اتار کر حقارت سے دور پھینکا۔ چوڑیاں توڑ توڑ کر اتاری تھیں۔ بال پنیں نوچ نوچ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر دے ماری تھیں پھر جا کر شاور کے نیچے کھڑی ہو گئی تھی۔ چہرہ بے دردی سے رگڑا تھا۔ مہندی سے سجے ہاتھوں پر نادیر صابن ملا تھا۔ نہا کر نکلی تو آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ پپوٹے بے تحاشا سوجے ہوئے تھے۔ وہ خاموشی سے جا کر آرام کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ذہن میں بھونچال سے اٹھ رہے تھے۔ پوری دنیا اسے ایک نہایت حقیر شے دکھائی دے رہی تھی جسے ٹھکرا دینے کو من کرتا تھا۔ اسے سب ہی سے شکایت تھی' خود سمیت۔ وہ کیوں جھک گئی' اس نے کیوں اتنی آسانی سے ہار مان لی' اس نے کیوں مزاحمت نہ کی۔ کیوں' کیوں' کیوں......

پاس پڑی تپائی پر رکھے فون میں گھر گھر ہوئی تھی۔ عریشہ کے لبوں سے سسکی نکلی۔ اس نے ریسیور پر ہاتھ رکھا پھر ہٹا لیا۔ وہ اب اس آواز کو سننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے بھولنا چاہتی تھی۔

فون کی گھر گھر فریاد کناں تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے' دل سے خون رستا رہا' لب سسکتے رہے۔ وہ تو عمر کا پہلا پہلا نشہ تھا۔ پہلا پہلا نشہ بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ نرم نرم رگوں میں دوڑتا لہو خمار بن جاتا

ہے۔ اس خمار کو جسم سے نکال پھینکنا روح نکال دینے کے مترادف لگتا ہے۔ جذبوں کے الاؤ میں شدت کی تپش ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے معصوم وعدے اس بھٹی میں تپ کر ایسی مضبوط صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ انہیں توڑ دینا دل کی رگوں کو کاٹ دینے جیسا لگتا ہے۔

وہ ایسی ہی اذیت میں مبتلا تھی۔ جسم سے روح نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

فون مایوس و نامراد ہو کر خاموش ہو چکا تھا۔ عریشہ کا جی چاہا دھاڑیں مار مار کر روئے۔ وہ اٹھ کر بستر پر جا گری اور تکیے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

"جب یہ شعر آتا ہے تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"میں کیا جانوں؟ اپنے آنسوؤں سے پوچھو۔"

"آنسو کہتے ہیں دل سے پوچھو۔"

عریشہ کے دل سے آنسو گر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔" کھلی کھلی سی ایقان اندر داخل ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" فردوس بیگم خفگی سے بولیں۔

"کیسی ہیں پھپھو؟" ماہین نے بھی اس جوش و خروش کا مظاہرہ نہ کیا جو وہ عموماً اس کی آمد پر کیا کرتی تھی۔

"فرسٹ کلاس... تم کیسی ہو...... میں ڈر رہی تھی کہیں تم چلی ہی نہ گئی ہو۔"

"آیا تھا رات کو تسلیم میاں کا فون۔" فردوس بیگم نئے رشتے کی بنا پر مصالحت کا گھونٹ ناچار بھر گئی تھیں، ورنہ وہ اتنی جلدی کسی کی خطائیں نہ بخشتی تھیں۔

"کہتے تھے تیار رہنا، لینے آؤں گا۔ دیکھو رات تک پہنچیں گے۔"

"کچھ دن اور رہ جاتیں۔" ایقان محبت سے بولی۔

"ارے اس کے سسرالی بڑے کھڑ دلے ہیں۔" فردوس بیگم ہر بات کا جواب بذات خود دینا ضروری خیال کرتی تھیں۔ "دو چار دن کو چھوڑ دیا وہی ان کی مہربانی ہے۔"

"ہفتہ بھر تو ہو گیا ہے امی!" ماہین بولی۔ "اب مہینہ تو رہنے سے رہی۔ بہن کی منگنی ہی تھی۔ شادی ہوتی تو بات دوسری تھی۔ اب ہاشم بھائی کی کہیں بات ٹھہرے تو دیکھیں۔"

"ان کی تو ٹھہری ہی سمجھو۔" فردوس بیگم نے جلے بھنے انداز میں کہہ کر کن اکھیوں سے ایقان کو دیکھا۔

"اس دن تیاریاں نہ دیکھی تھیں مہ پارہ کی۔ مانو محفل لوٹنے آئی تھی۔"

ایقان قدرے جز بز ہوئی۔ بھاوج کے تیور پہلے ہی خطرناک نظر آتے تھے۔ اس نے ہولے سے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟" انہوں نے بغور اس کا سراپا دیکھا۔

"جی... اب اچھی ہے...." اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔ بات شروع کرنے کا سرا ہاتھ نہ آرہا تھا۔

"تمہاری سہیلی تو لگتا ہے جی جان سے تیار بیٹھی ہے، دوسری مرتبہ دلہن بننے کو..... کیوں؟" انہوں نے زہر خند لہجے میں بات کا آغاز کر کے گویا اس کی مشکل بھی آسان کی تھی۔

ایقان تھوڑا گھبرائی پھر قدرے سنبھل کر گویا ہوئی۔

"بھابھی جان! وہ تو بے خبری کی رستے پر بے حد خاموشی سے صبر سے محو خرام تھی۔ اسے تو بار بار چونکایا گیا ہے، رستہ بدلنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ اب بھی اس کے انداز میں خوشی کم اور مجبوری زیادہ ہے۔ آپ بھی عورت ہیں بھابھی بیگم! ایک مجبور اور دکھی عورت کا درد سمجھنے کی کوشش کریں۔ کم از کم لفظوں کے استعمال میں تو کچھ احتیاط برتیں۔ اسے دوسری مرتبہ دلہن کے روپ میں دیکھنے کے لیے آپ کا صاحبزادہ ہی بے قرار ہے، اس نے تو ایسی کسی خواہش کا کبھی اظہار نہیں کیا۔"

فردوس بیگم بھنا اٹھیں مگر ماہین کچھ سنبھل سی گئی۔

"میں غلط کہہ رہی ہوں ماہین؟" ایقان نے تائیدی انداز میں ماہین کو دیکھا۔

ماہین جز بز سی ہوئی۔

"کہتی تو آپ بھی غلط نہیں ہیں پھپھو! اپنا سکہ ہی کھوٹا ہو تو دوسرے سے کیا شکوہ کرنا۔"

"ارے ہے منہ میں خاک۔ سوچ سمجھ کر بولو۔ میرا بچہ کیوں کھوٹا ہونے لگا۔ بے چارہ بھولا ہے، کم عمری میں ہی پھنس گیا اس جادوگرنی کی لٹوں میں۔"

"میں.... میرا مطلب یہ نہیں تھا امی!" ماہین بے چاری ماں اور پھپھو کے درمیان شٹل کاک کی طرح پھنس گئی تھی۔ "میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ شہلا آپی کی طلب ہمارے بھائی کے دل میں جب اس قدر شدید ہے تو ہم کسی اور کو قصوروار نہیں کہہ سکتے۔ وہ تو کہنے میں حق بجانب ہوں گی کہ سمجھانا ہے تو اپنے بھائی کو سمجھالو۔"

"اے ہاں ہم کیسے سمجھائیں گے جب ان کا جادو سر چڑھ کر بولے گا تو..." وہ بڑبڑائیں۔

"کون سا جادو بھابھی جان؟" ایقان کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط سے کام لے کر بولی۔ "اس کو راضی کرنے کے لیے اگر ہاشم کو کوئی جادو کروانا پڑا ہو تو الگ بات ہے، ورنہ وہ تو کسی صورت راضی نہ تھی۔"

"سب ہی [illegible] ہوتے ہیں ایسیوں کے۔ اپنی قیمت بڑھواتی ہیں۔" وہ وہاں سے اٹھ گئیں۔ "بہرحال ہم تو مجبور ہیں۔ [illegible] ٹھہرے۔ انکار کرتے ہیں تو لڑکا ہاتھ سے نکلتا نظر آتا ہے۔ اسے تو کورٹ کچہریوں میں بیاہ کرنا آسان ہے۔ ہم کہاں منہ چھپاتے پھریں گے۔ بعد میں ناک رگڑتے جانا پڑے گا تو اچھا ہے، سیدھے سبھاؤ سے بیاہ لائیں اسے۔ ہمارے نور چشم کی آنکھیں بھی ٹھنڈی ہو جائیں۔ ہمارا کلیجہ جلے تو کس کو پروا ہے یہاں..... یہاں تو سب ہی جلانے کو بیٹھے ہیں۔"

ایقان سے [illegible] بولنا مشکل ہو گیا، وہ تو سب کچھ ہارے بیٹھی تھیں۔ بس ایک زبانی جنگ تھی جو کہ سدا جاری رہنا تھی۔ اس نے ماہین کے بجھے بجھے چہرے پر ایک مسکراتی نگاہ کی۔

"بھابھی جان تو مان گئی ہیں ماہین۔"

"جی ہاں۔" وہ بولی۔ "کیا کریں بے چاری۔"

"اور بھائی جان؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"ابو جی تو پہلے ہی راضی ہیں۔ ہاشم بھائی انہیں کب کا منا چکے۔"

"اور تم...؟" وہ شرارتاً بولی۔

"ہمیں کون پوچھتا ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی۔ "اور ہمارا کیا ہے، بھائی خوش تو ہم خوش۔ وہ اپنے گھر کے، ہم اپنے گھر کے۔"

"پھر کب چلیں رشتہ لے کر؟" اسے فوراً جلدی پڑ گئی۔

"جب آپ کہیں، چلتے ہیں۔"

"بس تو تیار رہنا' شام کو ادھر چلتے ہیں۔"

"ہوں۔" وہ نیم دلی سے بولی۔

ایقان کا روم روم مسکرا رہا تھا۔ اس کے تصور میں ہاشم کا چمکتا ہوا چہرہ تھا جس کی پر خلوص تمنا کا جھنڈا محبت کے قلعے پر بڑی شان سے لہرا رہا تھا۔



وہ پانی کا کولر بھر کر کمرے میں لائی۔ فل سائز کا کولر پانی سے بھرا ہوا ہونے کے باعث بے حد وزنی ہو رہا تھا۔ ربیعہ نے اسے بمشکل تمام اٹھا کر میز پر رکھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ بار بار یہ بھاری کولر کچن سے کمرے تک لانا دن بھر کا مشکل ترین کام تھا۔

"پانی پلاؤ لڑکی۔" منور امین بولے تھے۔

ربیعہ زچ ہوئی۔ پانی پانی کی تکرار سے وہ عاجز ہو چلی تھی۔ ان کے اندر نجانے کون سا تنور دن رات دہکا کرتا تھا۔ کس احساس کی تپش ان کے جسم و جان کو جلایا کرتی تھی۔ وہ کون سی جھلستی ہوئی سوچ تھی جو ان کے تعاقب میں لگی رہتی تھی' ربیعہ سمجھ نہ پاتی۔

وہ بس گلاس بھر بھر کر انہیں دیتی رہتی۔ کولر لمحہ بہ لمحہ خالی ہوتا چلا جاتا۔ گندی بالٹی لحظہ بہ لحظہ بھرتی جاتی۔ ربیعہ کمرے کے چکر لگا لگا کر تھک جاتی تھی مگر پانی پانی کی تکرار ختم نہ ہوتی تھی ان آنکھوں کی سرخی کم نہ ہوتی' لہجے کی گرمی ماند نہ پڑتی۔ سانسوں کی تپش برقرار رہتی۔

ربیعہ نے گلاس بھر کر ان کے روبرو کیا۔

"ہوں۔" انہوں نے ایک سانس میں اسے خالی کیا۔ "شاباش۔"

پھر وہ بولے۔

"تم ایک اچھی لڑکی ہو۔"

ربیعہ کو یک گونہ سکون کا احساس ہوا۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب میں سے گویا ایک گرہ کھلی۔ اتنی سخت مشقت کے بعد بھی وہ ان کی جانب سے کسی سخت فقرے کی منتظر رہتی تھی۔ وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ تھے۔ پارہ صفت مزاج کے حامل۔ ان کی مضطرب طبیعت ربیعہ کو ہر وقت بے چین رکھتی تھی۔ گڑھوں میں تیزی سے حرکت کرتی پتلیاں' لبوں کے پھڑکتے ہوئے گوشے اور ہمہ وقت تنے ہوئے نتھنے ان کے اندر ابلتے لاوے کا پتا دیتے تھے۔ ربیعہ کو کبھی کبھی دھواں اگلتے اس آتش فشاں سے سخت خوف محسوس ہوتا تھا۔ کب وہ کون سا روپ اختیار کریں' کوئی گارنٹی نہ تھی۔

"آپ کے لیے چائے بنالاؤں پھپھا جی؟" ربیعہ کو ایک تعریفی جملہ سرشار کر گیا تھا۔ ترسی ہوئی مٹی' بارش کی چند بوندوں سے ہی مہک دے اٹھتی تھی۔

"میرے بہانے تم پینا چاہتی ہو تو بنالو۔" وہ بے نیازی سے بولے۔ "مینا کہتی ہے تم چیزوں کا بے دریغ استعمال کرتی ہو۔"

ربیعہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ بادل کسی دوسری طرف جا نکلے تھے۔

"جی مجھے تو طلب نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔" وہ نجانے کیوں خوش ہوئے۔ "بہت چالاک ہو تم' اپنی دادی کی طرح۔ سازشیں کرنا تمہیں خوب آتا ہے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔"

ربیعہ ہکابکا ہوئی۔ اس نے بھلا کون سی سازش کی تھی۔ وہ تو اس قدر مجبور تھی کہ وہاں سے نکل بھاگنے کے بارے میں بھی کوئی سازش نہ سوچ سکتی تھی۔ نکل بھاگنے کا نہ تو کوئی ذریعہ تھا نہ دوسرا کوئی ٹھکانہ۔ وہ ایسی پرکٹی چڑیا تھی جس کے لیے پنجرے کی سلاخیں معنی نہ رکھتی تھیں۔

"اے ربیعہ...!" ترانہ کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر بشاشت اور خوشی تھی۔

"ادھر آنا ذرا۔"

ربیعہ سب کچھ بھول بھال کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ ترانہ کے انداز میں کوئی غیر معمولی بات تھی۔

"چلو چھت پر چلیں۔" ترانہ بولی پھر اسے خیال آیا۔ "پھپھو کہاں ہیں؟"

"مارکیٹ گئی ہیں تصور بھائی کے ساتھ۔"

"میدان صاف ہے گویا..... اور صولت؟"

"نہا رہی ہے۔"

"آجاؤ پھر۔" وہ جوش بھرے انداز میں بولی۔

ربیعہ بھی متجسس سی اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"میں تمہارے لیے ایک چیز لائی ہوں۔" اس نے خاکی لفافہ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ ربیعہ نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس میں یونیورسٹی کا پراسپیکٹس اور فارم وغیرہ تھے۔

"ہا....." بے حد خوشی کے عالم میں اس کے لبوں سے نکلا۔

"شام کی کلاسز کے لیے جو سبجیکٹس ہیں ان میں سے سوچ سمجھ کر کوئی سلیکٹ کر لو پھر میں تمہارا فارم جمع کروا دوں گی۔"

"اور پھپھو....."

"اوہو..... پہلے داخلہ تو ہو لینے دو' باقی بعد میں دیکھی جائے گی۔ پھپھو سے ایک مرتبہ معرکہ تو کرنا پڑے گا لیکن اس میں ابھی دیر ہے۔"

ربیعہ خوشی خوشی پراسپیکٹس دیکھنے لگی دفعتاً اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ ترانہ دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"تھینک یو ترانہ!" وہ ممنون لہجے میں بولی۔

"تھینکس فار واٹ؟ جو کچھ تم ہمارے لیے کرتی ہو ربیعہ! اس کے شکریے کے اظہار کی یہ انتہائی معمولی صورت ہے بلکہ اس کے شکریے کا اظہار بھی ناممکن ہے۔ یہ سب کچھ تو تمہارا اپنا حق ہے' اور جو کچھ ہمارے لیے تم کرتی ہو' وہ تمہارا احسان۔"

ربیعہ خوش دلی سے مسکرا دی۔

"احسان کیسا ترانہ! اپنی جائے پناہ کا خیال تو ہر کوئی رکھتا ہے۔ تم یہ ہر وقت احسان' احسان کی راگنی مت الاپا کرو۔ اچھا اب چائے پلاؤ' آج میں تھک گئی ہوں۔"

"ہوں۔" ترانہ شوخی سے مسکرائی۔ "آج تو ہرگز چائے نہ پلاؤں گی۔ آج تو چائے پیوں گی' تمہاری اس بے پناہ خوشی کی قیمت تو وصول کروں تم سے۔"

ربیعہ اچانک ہی زور سے چونکی۔ سیڑھیوں پر گیلے بالوں کی جھلک معدوم ہوئی تھی۔

"صولت نے ہماری باتیں سن لی ہیں۔" وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

ترانہ نے مڑ کر دیکھا اور کچھ سوچنے لگی۔

"وہ ابھی ابھی گئی ہے۔" ربیعہ فکرمند ہو رہی تھی۔ "میں نے خود دیکھا ہے۔"

"ہوں۔" ترانہ بولی۔ "بے چاری سوچتی ہو گی' میں ہی چائے بنا لوں۔ یہ دونوں تو راضی نہیں ہیں۔"

ربیعہ کو زور سے ہنسی آگئی۔

"تمہیں کسی بات سے ڈر نہیں لگتا ترانہ؟"

"یہ کہ میری شادی باری سے نہ ہو سکے۔" ترانہ نے شوخی سے اس کے گال پر چٹکی بھری۔ "اور تو ایسی کوئی بات نہیں جس سے میں ڈروں۔"

ربیعہ نے رشک سے اسے دیکھا۔

☼ ☼ ☼

مینا کے انداز حد درجہ خشک تھے۔ ربیعہ اپنی جگہ پر چور سی بنی ہوئی تھی۔ صبح سے وہ انہیں کئی بار مخاطب کر کے دیکھ چکی تھی لیکن وہ اپنی خشک مزاجی پر ہنوز مصر تھیں۔

ربیعہ کو ان سے اور ان کی ناراضی سے بے حد خوف محسوس ہوتا تھا۔

"مینا آنی! آج کیا پکانا ہے؟" اس نے تیسری مرتبہ پوچھا۔

وہ اسے غور سے دیکھنے لگیں پھر پھنکاریں۔

"دیکھنے میں تو بہت معصوم لگتی ہو لیکن ہو کس قدر گھنی۔"

"میں نے کیا کیا ہے آنٹی؟" وہ بے چارگی سے بولی۔

"کیا کیا ہے... روز ہی پکانے کے متعلق استفسار کرتی ہو۔ حالانکہ کھچڑی پکانا تمہیں خوب آتا ہے۔ اندر ہی اندر باتوں کی کھچڑی' سازشوں کی کھچڑی۔"

"یا الله..." اس کا دماغ چکرا گیا۔ "پھر وہی سازش کا ذکر۔" اس شاہی قلعے کو نجانے کون سی انقلابی سازش کا انتظار تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

"کون سی کھچڑی آنٹی!" وہ جھنجلائی ضرور لیکن لہجے میں اس کا شائبہ تک نہ تھا۔

"کل ترانہ تمہیں کیا دکھانے کو چھت پر لے گئی تھی؟ اس لفافے میں کیا تھا؟"

"اوہ۔" ربیعہ کو ان کی ناراضی کی وجہ پوری طرح سمجھ میں آ گئی۔

صولت کی رپورٹنگ نہایت کامیاب اور جامع تھی۔

"آپ کہہ رہی ہیں کون سا لفافہ؟ کس رنگ کا لفافہ؟ میں تو کسی لفافے کے متعلق نہیں جانتی۔" انھوں نے جل کر اس کی نقل اتاری تھی۔ "میسنی نہ ہو تو....."

"آپ اس براؤن لفافے کی بات کر رہی ہیں نا جو کل ترانہ کے ہاتھ میں تھا۔" وہ فوراً بولی۔ "آپ کو صولت نے بتایا ہو گا۔"

"مجھے تمہارے فرشتوں نے بتایا۔ تمہیں اس سے کیا۔" وہ بھڑکیں۔ "مجھے اس لفافے کے متعلق سچ سچ بتاؤ' تم دونوں چھت پر آخر کیا کرنے جاتی ہو؟"

"میں آپ کو سچ سچ بتا دوں تو آپ ناراض تو نہ ہوں گی۔" وہ تذبذب سے بولی۔

"میرا کیا دماغ خراب ہے۔ میں سچ بات پر ناراض نہیں ہوتی۔" ان کی سرد آنکھیں لمحہ بھر کو چمکی تھیں۔

"اس لفافے میں بڑے اچھے ڈیزائن تھے۔"

"ڈیزائن؟"

"جی ہاں، قمیصوں کے ڈیزائن۔ ترانہ نے اپنا سوٹ سلنے کو دیا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی، اگر صولت نے دیکھ لیا تو وہ بھی ویسا ہی ڈیزائن بنوانے کی ضد کرے گی، اسی لیے وہ مجھے چھپ کر دکھا رہی تھی۔"

مینا نے کچھ دیر تک نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولا۔ ربیعہ نے جلدی سے اپنی نظریں جھکا کر دانتوں سے نچلا لب دبا لیا تھا۔ وہ اس کے تاثرات نہ جان پائیں۔

"اچھا... مجھے وہ ڈیزائن کاغذ پر اتار کر دو۔" پھر وہ بولیں۔ "میں صولت کو اس سے پہلے وہ ڈیزائن سلوا کر دوں گی۔ وہ سمجھتی کیا ہے۔ چار پیسے زیادہ کما لیتی ہے تو ہم سے بہت اونچی ہو گئی ہے۔ ہم اس کے جیسے کپڑے نہیں پہن سکتے کیا؟"

وہ بڑبڑاتے ہوئے ایک کاپی اٹھا لائیں۔

"اور دیکھو لڑکی! زیادہ ہوشیاری مت دکھانا۔ بالکل ویسا ہی ڈیزائن بناؤ، رتی برابر فرق نہ نکلے، ورنہ مجھ سے کوئی نہ ہوگا اور ترانہ کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ میں کل ہی صولت کو ایسا سوٹ سلوا دوں گی۔"

ربیعہ نے بے حد مشاقی سے ایک خوبصورت گلے کا ڈیزائن کاپی کے صفحے پر اتار دیا۔ مینا خوش ہو گئیں۔ ترانہ نے اسے کئی مرتبہ بتایا تھا کہ صولت دوسروں کی ہر شے کی حریص تھی۔ خواہ وہ پیر میں پڑی چپل ہی کیوں نہ ہو۔ ترانہ اس کی اس عادت سے حد درجہ بیزار تھی اور خاص طور پر اپنے کپڑوں کے پرنٹ اور ڈیزائن اس وقت تک چھپائے رکھتی تھی جب تک پہن نہ لیتی۔

ربیعہ کے ذہن کے کسی گوشے میں پڑی ہوئی بات کھوٹے سکے کی مانند خوش قسمتی سے چل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ارے کمینی... ناشتہ ہی کروا دے... میں گھنٹہ بھر سے بیٹھی بکواس کیے جا رہی ہوں۔ ایک تو کسی بات کا ٹھیک طرح سے جواب نہیں دیتی ہو پھر چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا۔"

ناعمہ، ثانیہ کی بے توجہی محسوس کر کے سلگ اٹھی تھی۔ "منگنی" پر ڈسکس کرنے کے لیے وہ عالم اشتیاق میں صبح اٹھ کر بنا کچھ کھائے پیے ہی وہاں پہنچ گئی تھی۔ ثانیہ کچن میں مصروف تھی، سو وہ بھی وہیں پڑے اسٹول پر بیٹھ کر رواں تبصرہ شروع کر چکی تھی لیکن اب اسے خیال آیا تھا کہ اول تو ثانیہ اس کی باتوں میں دلچسپی نہ لے رہی تھی دوئم اس نے اس کی کسی قسم کی خاطر مدارت کرنا بھی ضروری خیال نہ کیا تھا۔

کاؤنٹر پر گیلا ڈسٹر پھیرتی ثانیہ چونکی۔

"اچھا... تم ناشتہ بھی کر کے نہیں آئیں۔" وہ عام سے انداز میں بولی... "ٹھہرو، میں بناتی ہوں چائے۔"

"تم بھی تو اکثر بغیر ناشتے کے آ جاتی ہو۔" ناعمہ اس کی بات سے مزید خفا ہو گئی۔ "ہم بھی تو تمہیں پوچھتے ہیں نہیں۔"

ثانیہ کو ہنسی آ گئی۔

"ارے پگلی! تو کہہ دیا ہوتا نا، میں پہلے ہی کروا دیتی ناشتہ تمہیں۔ اتنی دیر سے خواہش جی میں ہی دبائے بیٹھی ہو اور اطلاعاً عرض ہے محترمہ! کہ میں جب بھی بنا ناشتہ کیے تمہارے ہاں آتی ہوں تو اس بات کا خیال ہمیشہ وردہ کرتی ہیں۔ تمہیں کبھی توفیق نہ ہوئی۔"

"تمہیں تو کرنا ہی ہے خیال۔" اس نے دیدے مٹکائے۔ "ویسے تمہاری عدم توجہی مجھے بہت کھل رہی ہے۔ دل چاہتا ہے تمہاری گدی پر ایک مکا لگاؤں اور گھر چلی جاؤں۔"

وہ پھرتے ہوئے چائے کا پانی رکھنے لگی تھی۔

"میری گدی پر ہی یہ کرم نوازی کیوں بھئی؟"

"بے نیازی ظاہر کرتے ہوئے گدی ہی اکڑتی ہے نا، اس لیے۔"

"میں نے کیا بے نیازی دکھائی ہے؟ مسلسل تو باتیں کر رہی ہوں۔" وہ اپنا کام نمٹا چکی تھی۔ سو دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اس کے سامنے آ بیٹھی۔

"بے رنگ باتیں، وہ بھی غائب دماغی سے۔ جواب یوں دے رہی ہو جیسے کوئی احسان کر رہی ہو۔" ناعمہ کافی خفا ہو چکی تھی۔

ثانیہ قدرے سنجیدہ ہوئی۔

"ناعمہ! تم نے کچھ محسوس نہیں کیا، عریشہ کے متعلق؟"

"وہ کیا؟" وہ چونکی۔ اچانک ہی گفتگو میں دلچسپی در آئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے وہ اس نئے تعلق سے ناخوش ہے۔" ثانیہ نے کچن کے دروازے کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہائیں... اچھا... وہ کیسے؟" ناعمہ نے اپنا سر اس کے قریب کیا۔ "ویسے لگتا تو مجھے بھی یہی ہے۔" ثانیہ نے اسے گھورا اور ابلتے پانی کی شاں شاں سن کر اس میں پتی ڈالنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تجسس سے پر سوالیہ الفاظ کے بعد یہ تائید کا کیا مقصد؟" وہ پوچھنے لگی۔

"میرا مطلب، تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا جو میں نے لگایا۔" وہ کھسیانی ہو کر بولی۔

"اس لیے کہ میرے پاس بھی ویسی ہی آنکھیں ہیں جیسی تمہارے پاس ہیں۔ تمہاری ذرا گول ہیں، میری لمبی ہیں۔" وہ جل کر گویا ہوئی۔

"گول ہوں یا لمبی، آنکھیں تو ہیں۔ شکر ہے خدا کا۔" وہ قدرے برا مان کر بولی۔ "دیکھتے ہیں ہم۔"

"عریشہ کا رویہ ٹھیک نہ تھا۔" ثانیہ نے چائے چھان کر کپ اس کے سامنے رکھا اور ٹوسٹر میں سلائس ڈالنے لگی۔ "انڈہ فرائی کر دوں؟"

"میں نے بھی یہی محسوس کیا، ہاں کر دو۔" ثانیہ چولہے پر فرائنگ پین رکھ کر فریج سے انڈہ نکالنے لگی۔

"اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ رسم کے وقت اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ تک نہ جاگی۔"

"انڈا جلدی دو، میری چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

اس نے ٹوسٹر سے توسٹ نکالے۔ "ہاں دے رہی ہوں، میں مسلسل اسے کہہ رہی تھی کہ منگنی کے دن تو لڑکیاں اتنی اداس نہیں ہوتیں۔"

ثانیہ نے انڈا تل کر اس کے سامنے رکھا اور اپنا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

"لیکن وجہ میری سمجھ میں نہ آ سکی۔" ثانیہ بولی۔ "کیا اسے نافع بھائی پسند نہیں؟"

"کس کو پسند ہو سکتے ہیں؟" ناعمہ نے قہقہہ لگایا۔ "باؤلے سے۔" ثانیہ اسے گھورنے لگی۔

"کیا مطلب، کوئی برائی ہے میرے بھائی میں؟"

"نہیں۔" وہ منہ چلاتے ہوئے بولی۔ "برائی تو نہیں ہے کوئی بھی، بس وہ لڑکیوں کی دماغوں میں وہ خناس ہوتا ہے نا۔ کیا کہتے ہیں جسے... فینٹسی... وہ نہیں کری ایٹ ہو پائی۔ اسے اسی کا دکھ ہوگا۔"

ثانیہ کا کپ لبوں تک جاتے جاتے رک گیا۔ وہ تحیر سے اسے دیکھنے لگی۔

"ارے واہ، یہ بات تم نے کہی ہے؟"

"ہاں ہاں۔" وہ منہ چلاتی رہی۔ "میں نے ہی کہی ہے، میں ہی تو ہوں یہاں۔"

پھر اس کا چلتا ہوا منہ رکا، وہ اسے گھورنے لگی۔
"کیا مطلب میں اتنا بھی نہیں سوچ سکتی۔ تم آخر مجھے کتنا بے وقوف گردانتی ہو؟"
"بہت زبردست بات کی تم نے۔" ثانیہ ہنوز سوچ میں تھی۔ "یہی ہوا ہے۔ لڑکیاں منگیتر کے نام پر کوئی ہو چاہتی ہیں جسے کسی نے پہلے نہ دیکھا ہو جو ایسا ہو کہ بس پھر سب ہی اسی کو دیکھیں۔ واہ واہ ہو۔ لڑکے کی مہینوں قصیدہ خوانی ہوتی رہے، لڑکی کی قسمت پر سالوں رشک کیا جائے۔ میرا معصوم سا بھائی ابھی اپنی عمر کے حساب سے سیدھا سادا سا ہے۔"
"مسخرہ ہے مسخرہ۔" ناعمہ نے فوراً ٹکڑا لگایا۔
ثانیہ نے پھر اسے بری طرح گھورا۔
"میں پھوڑ دے ماروں گی تمہارے سر پر۔" اس کا تحمل جواب دے گیا۔ "کیوں ہونے لگا میرا بھائی مسخرہ؟ ہنسی مذاق تو سب ہی لڑکے کرتے ہیں اس عمر میں۔"
"اچھا... دیکھو...." ناعمہ نے کام نپٹا کر دوپٹے کے پلو سے منہ پونچھا۔ "فرض کرو، تمہاری نسبت علی سے طے کر دی جائے۔"
"کیا؟" وہ بھڑکی۔ "یہ کیا فضول بات کی تم نے؟"
"اگر ایسا ہو جائے تو کیسا ہے۔ خوش ہو گی تم؟"
"تم کر لو نا اس جوکر سے، میرا نام کیوں لے رہی ہو۔" وہ جھنجلائی۔
ناعمہ نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔
"دوسروں کے بھائی جوکر ہیں اور تمہارا بہت ڈیسنٹ اور شائستہ... کیوں؟ اسے کوئی مسخرہ نہیں کہہ سکتا۔ ایک ہی تھیلی کے تو ہیں سارے۔"
"لیکن علی؟" ثانیہ کو تصور سے ہی الجھن ہوئی۔ "نہیں بھئی۔"
"تب ہی تو وہ بے چاری رو رہی تھی۔" ناعمہ نے آہ بھری۔

میری چارہ گر، ترے بن میرا ہر خواب بے رنگ، بے ثمر
میری ہر نگاہ بے سمت ہے، میرا ہر سخن یونہی بے اثر
میری شام کا ہر ایک رنگ، ہاں چلا گیا ترے سنگ سنگ
یہاں رہ گئے ترے منتظر یہ اجاڑ اجاڑ سے بام و در
مرے ہر زخم کا علاج تو، مری ہر خوشی میں شریک تو
تو ہی رہنما تو ہی راستہ تو ہی رہ گزر تو ہی ہم سفر
جو نہیں ہے تو، تو تیری قسم یہاں کوئی دل سے نہیں مرا
مری ہم قدم میرے ساتھ آ، کہ ویران ہے مری رہ گزر

ہاشم پریشانی سے صفحے پر ابھری تحریر دیکھتا رہا پھر اس نے نگاہوں میں تحیر اور الجھن بھر کر اس کی سمت دیکھا
"یار رافع! یہ... یہ تو نے لکھی ہے؟"
انگلیوں میں پکڑے، بال پوائنٹ کی نوک منہ میں لیے رافع نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھا پھر وہ ہنس پڑا۔

"یقین نہیں آتا نا۔" اس نے کتاب بند کر کے ہاشم سے پوچھا۔
"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"مجھے خود نہیں آتا۔" وہ پریشانی سے بولا۔ "یار ہاشم! عشق تو کر رہا ہے اور خوشبو مجھ سے پھوٹنے لگی ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟"
ہاشم خالی الذہنی سے اسے تکتا رہا۔ رافع اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی تک گیا اور سلائیڈنگ ڈور کھسکا دیا۔ کاسنی پھولوں سے لدی ہوئی بیل اس کے سامنے جھولنے لگی۔
"میں تیرے عشق کے جذبے سے متاثر ہو گیا، یہ سچ ہے ہاشم! مجھے تجھ پر رشک آنے لگا۔ تیری آنکھوں سے پھوٹتی وہ مقناطیسی روشنی مجھے مسمرائز کرنے لگی۔ ٹھیک ہے لیکن... لیکن یہ سب کیا ہے؟ میں یہ سب کچھ کیسے لکھنے لگا؟ ایک... ایک انجانی خوشبو ہے ہاشم! جو مجھے کھینچتی ہے۔ میرا ہاتھ تھام کر اس میں قلم دیتی ہے۔ میرے دماغ کی گرہیں کھلنے لگتی ہیں۔ مجھ میں جذبے بیدار ہونے لگتے ہیں۔ میں ان جذبات کو نہیں پہچانتا۔ میں نے اب سے پیشتر انہیں کبھی محسوس نہیں کیا۔ بس لگتا ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے۔ میرے اندر... میرے باہر.... ان جذبوں کو میں محض خوشبو کا نام دے سکتا ہوں۔ ان سے میری بس اتنی ہی شناسائی ہے۔ جتنی کسی انجانی مگر مسحور کرتی ہوئی خوشبو سے ہو سکتی ہے۔ یہ خوشبو مجھے مغلوب کر ڈالتی ہے۔ میں سوچتا ہوں اور لکھتا ہوں۔ لکھتا چلا جاتا ہوں۔ صفحے پر غزل بن جاتی ہے۔"
اس نے مڑ کر ہاشم کو دیکھا جو سحر زدہ سا ہو کر اسے تک رہا تھا۔
"کیا ہے یہ سب کچھ؟" اس نے قدرے جھنجلا کر پوچھا۔ "میرا جی چاہتا ہے میں ان احساسات کو کھینچ کر خود سے علیحدہ کر دوں۔ میں اس طرح سے سوچنا نہیں چاہتا۔"
ہاشم بے اختیار مسکرا دیا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر رافع تک پہنچا اور اسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔ کچھ دیر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔
"سنا ہے رافع! محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں۔" رافع خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔
"رافع! میں تجھے مزاجاً بیل کہتا تھا جو آنکھوں پہ پٹی باندھ کر کولہو کے گرد گھومتا ہے۔ میں کہتا تھا تو نرم جذبوں سے عاری ہے۔ تیری بیوی رویا کرے گی۔ میں تجھے ایسا بندر سمجھتا تھا جو محبت کی ادرک کا عالیشان ذائقہ محسوس ہی نہیں کر سکتا۔"
رافع ہنس پڑا۔
"سچ ہی تو ہے۔"
"نہیں رافع! نہیں۔ غلط تھا سب کچھ، میرے یار.... تو تو.... تو تو بہت حساس دل کا مالک ہے۔ کہاں چھپا رکھا تھا تو نے ان نرم، کومل جذبوں کو۔ تیرے جذبات تو بہت خاص ہیں، خاص الخاص ہیں۔ میں شہلا کو ٹوٹ کر چاہتا ہوں لیکن اس کی تعریف میں ایک مصرع نہیں کہہ سکتا۔ تیرے محبوب کا تصور جب اتنا پاور فل ہے تو محبت کا وجود تو تیرے اندر آگ لگا دے گا.... تو سر سے پاؤں تک روشن ہو جائے گا۔"
"ہاشم!" رافع نے اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے ہٹا دیے۔ "مجھے بددعا مت دے میرے بھائی۔ سنا ہے سچے عاشقوں کی دعا میں بہت اثر ہوتا ہے۔ میں کسی کو نہیں چاہتا۔ تو جانتا ہے میرا رستہ روشن اور واضح ہے۔ میں اسی رستے پر چلنا چاہتا ہوں۔ میں کسی کو دکھ دینا نہیں چاہتا اور محبت بہت دکھ دیتی ہے۔"
"محبت دکھ دیتی ہے، سچ ہے۔ لیکن ان دکھوں کا مزہ بہت جداگانہ ہے۔ یہ خوشیوں کے نشے کو مات کرتا ہے۔ یہ

دکھ پال کر دیکھ لے جو یقین نہ ہو تو۔"

"ہاں... ڈونٹ ٹیل می۔" وہ استہزائیہ ہنس دیا "میں بند ربنا رہنا چاہتا ہوں۔ میں عافیت چاہتا ہوں۔"

"میرے پیارے!" ہاشم مزے سے پیر پھیلا کر بیٹھ گیا۔ "مرزا غالب بڑے کام کی باتیں بتا گئے ہیں' وہ کہہ گئے ہیں۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

رافع کچھ سوچنے لگا تھا۔ اور ہاشم کے لبوں پر مسکان تھی۔



وہ دروازے کی جانب پشت کیے بیٹھی تھی۔ ایسا اس نے دانستہ کیا تھا کیونکہ وہ ترانہ کے لائے ہوئے پراسپیکٹس کا مطالعہ کر رہی تھی۔ سو وہ نہیں چاہتی تھی کہ کمرے میں داخل ہوتے کسی بھی فرد کی نگاہ اس پر پڑے۔

وہ بے حد دلچسپی اور جستجو سے صفحات پلٹ رہی تھی۔ جب اسے اپنی پشت پر لباس کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ ربیعہ نے جھٹ پراسپیکٹس تکیے کے نیچے سرکا دیا۔ تکیے کے اوپر ایک گھریلو قسم کا میگزین رکھا تھا۔ وہ اس کے صفحات پلٹتے ہوئے کمرے میں داخل ہونے والے شخص کے متعلق قیاس کرنے لگی۔ کچھ دیر گزر گئی۔ آنے والے نے اپنی آمد کو شاید خفیہ رکھنا چاہا تھا۔ ربیعہ کو الجھن ہوئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو تصور ہنسنے لگا۔

"تمہیں پتا چل گیا تھا نا کہ میں آیا ہوں... لیکن تم بن رہی تھیں... ہے نا..."

ربیعہ کو کوفت بھری الجھن نے آگھیرا۔ اس گھر کے سب ہی مکین ایک خاص طرز فکر کے حامل تھے سوائے ترانہ کے۔ ترانہ کو کچھ اس کی تعلیم نے اور کچھ اس کی جادو اثر محبت نے یکسر تبدیل کر دیا تھا۔

"تصور بھائی! میں ذرا مصروف ہوں پلیز..." اس نے ٹھنڈے اور مصالحانہ لہجے میں کہا۔

دوسرے لفظوں میں اس نے مہذب انداز میں تنہا رہنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ تصور وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں تمہیں کوئی کام تو نہیں بتا رہا' بیٹھا ہوں بس۔"

اس گھر میں کل تین کمرے تھے۔ ایک مکمل طور پر منور امین کے نام تھا۔ گھر کا ہر فرد اس کمرے کے سامنے سے بنا آہٹ کیے گزرتا تھا کہ کہیں وہ اسے پکار نہ لیں۔

دوسرا کمرہ لڑکوں کے نام تھا۔ تصور اور تمدن دن میں تو اکثر موجود نہ ہوتے تھے' البتہ رات کو دونوں ایک ہی کمرہ شیئر کرتے۔ تیسرا کمرہ ترانہ' صولت اور مینا استعمال کرتی تھیں۔ سو اب ربیعہ بھی ان کی چوتھی روم میٹ بن گئی تھی۔

ربیعہ کا جی چاہا کہ وہ تصور کو صاف طور پر دوسرے کمرے میں جانے کے لیے کہے لیکن وہ بے حد مصلحت پسند لڑکی تھی۔ ہر معاملے میں وہ وہاں تک جھک سکتی تھی' جہاں تک جھک جانا اس کے اختیار میں ہوتا تھا۔

"اچھا... آپ بیٹھیں' میں چلی جاتی ہوں۔" وہ آرام سے کہتے ہوئے اٹھنے لگی۔

"میں کیا تمہیں کاٹ رہا ہوں۔" وہ تنک کر بولا۔

ربیعہ چند ثانیوں کے لیے رکی۔

"میں کچھ دیر سکون سے پڑھنا چاہتی ہوں تصور بھائی! ایسا محض تنہائی میں ہی ممکن ہے' ورنہ مجھے آپ کے یہاں بیٹھنے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"تم خود کو کچھ سمجھتی ہو۔" وہ قدرے خفگی سے بولا۔ "تم سے جتنا پیار سے بات کرو' تم اتنا ہی بھاگتی ہو۔ آخر مجھ میں برائی کیا ہے؟"

ربیعہ ایک سناٹے کے عالم میں رہ گئی۔ تصور اس سے کیا چاہتا تھا' اس کے سامنے بالکل واضح ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آیا' وہ کس رد عمل کا اظہار کرے۔ اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔ اسے بدریاد آیا' حاکم چچا یاد آئے۔ نفسانی خواہش کی کیچڑ سے لت پت مرد... اسے تصور سے کراہیت محسوس ہوئی تھی۔

اسی لمحے صولت اندر آئی۔ اس کی نگاہوں میں غصہ تھا۔ اس نے تصور کو دیکھ کر بڑی کاٹ دار نظروں سے ربیعہ کو دیکھا۔ غائب دماغی کی کیفیت میں مبتلا۔ ربیعہ اس کی نظروں کے تیور نہ سمجھ پائی۔

"مجھے چائے چاہیے۔" وہ غصے سے بولی۔ "میرے سر میں سخت درد ہے اور تم یہاں گھسی بیٹھی ہو۔ بیٹھ بیٹھ کر تمہاری کمر نہیں دکھتی؟"

"تم خود کیوں نہیں چائے بنا تیں؟" تصور بھی جیسے پھٹ پڑا تھا۔ "ہڈ حرام کہیں کی۔ دو چار گھنٹے باہر گزار کر تم خود کو بہت قابل سمجھنے لگی ہو۔"

"میں نے آپ سے بات نہیں کی۔" وہ ترخ کر بولی۔

"میں منہ توڑ دوں گا تمہارا۔" وہ غرایا۔

ربیعہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکل گئی اور کچن میں آ کر چائے بنانے لگی۔ اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ اس طرح کی چپقلش اس کے لیے بالکل انوکھی اور ناقابل برداشت تھی۔

کچھ ہی دیر میں باہر کا گیٹ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ تصور شاید گھر سے چلا گیا تھا۔ چند لمحوں بعد صولت کچن میں آ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

ربیعہ نے اسے مخاطب کیا۔ صولت کھڑی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

"تم ہر وقت تصور بھائی کے پہلو سے کیوں لگی رہتی ہو؟" وہ بد تمیزی سے بولی۔

"کیا؟" ربیعہ اچھل ہی پڑی۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"کیوں؟ کچھ غلط کہا میں نے؟ کبھی تم ان کے ساتھ چھت پر خوش گپیاں کرتی ہو' کبھی وہ تمہارے ساتھ کچن میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں' کبھی کمرے میں اور یہ تو آنکھوں دیکھی بات ہے۔ ہم گھر میں نہ ہوتے ہوں گے تو نجانے..."

اس کے باقی الفاظ ابھی منہ ہی میں تھے کہ اس کے گال پر ایک زوردار تھپڑ پڑا۔

"بکواس بند کرو کمینی لڑکی۔" وہ ترانہ تھی جو نجانے کب وہاں آئی تھی۔

صولت گال پر ہاتھ رکھے اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔ ربیعہ ہکا بکا کھڑی تھی۔ کبھی وہ صولت کے الفاظ پر غور کرتی' کبھی ترانہ کے تیوروں پر' کبھی صولت کے گال پر پڑنے والے تھپڑ پر۔

"تم نے مجھے مارا ہے؟" صولت غرائی۔

"کوئی شک ہے تمہیں؟" وہ اطمینان سے بولی۔ "اگر ہے تو بتاؤ۔"

"میں... میں امی کو بتاتی ہوں ساری بات۔ آنے دو ذرا امی کو۔ اس گھنی کے کرتوت بھی بتاؤں گی میں۔ دیکھنا کیسے ذلیل ہوتی ہے یہ..."

وہ کچن سے باہر جانے لگی۔ اچانک ہی ترانہ نے اس کے بال مٹھی میں جکڑے اور اسے واپس اندر کھینچ لیا۔

"سنو صولت! اگر تم نے اپنی گندی زبان سے ربیعہ کے متعلق کوئی بکواس کی تو میں تمہارا حشر کر دوں گی اور تم اس معصوم کے کون سے کرتوت گنواؤ گی؟ کرتوت تو پھر میں تمہارے گنواؤں گی سب کو۔ یہ مت سمجھنا کہ مجھے کسی

بات کی خبر نہیں ہے۔"

صولت پتھر کی ہو گئی۔ ترانہ نے اس کے بال چھوڑ دیے تھے لیکن وہ وہیں کھڑی رہی۔ اس کے چہرے [illegible] غصہ کافور ہو چکا تھا۔

"اگر پھپھو نے مجھ سے یا ربیعہ سے اس واقعہ کے متعلق کوئی استفسار کیا تو یاد رکھنا۔" ترانہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا۔ "میں انہیں سب کچھ بتا دوں گی۔"

صولت بے حد تیزی سے کچن سے باہر نکل تھی۔ ترانہ نے جیسے کسی بھرے ہوئے غبارے کو سوئی لگا[illegible] تھی۔

ربیعہ کی پلکوں پر اشک چمکنے لگے۔ ترانہ نے اسے خود سے لگا لیا۔

"یہ تھپڑ تمہیں مارنا چاہیے تھا ربیعہ......" وہ ہولے سے بولی۔ "اپنے حقوق ہمیشہ اپنے پاس سنبھال کر رکھو۔"

ربیعہ خاموش کھڑی آنسو پیتی رہی۔ اسے کسی کے سامنے رونا بہت مشکل لگتا تھا۔

"چائے دیکھو ربیعہ! ذرا صولت جیسی ہو گئی ہے۔" ترانہ آہستگی سے بولی۔

مسلسل ابلتی ہوئی کالی چائے دیکھ کر ربیعہ کو ہنسی آ گئی۔



شہلا ایک دم ہی پریشان ہو گئی تھی۔ ہال کا منظر اس کے لیے [illegible] کنفیوز کر دینے والا تھا۔ وہ اپنی ڈیوٹی پوری کر کے ابھی ابھی لوٹی تھی۔ اپنی سفید آلٹو سے اتر کر وہ بے دھیانی کے عالم میں تین سیڑھیاں چڑھ کر [illegible] تھکی سی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی اور پھر دروازے میں ہی ٹھہر گئی تھی۔

اندر بڑے بڑے میرون صوفوں پر محفل سجی ہوئی تھی۔

سامنے ہی ایقان بیٹھی کھلکھلا رہی تھی۔ اس کے پہلو میں مومن اور عمر بیٹھے ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔

ایقان کے دائیں جانب پڑے ہوئے دو صوفوں پر ماہین اور منیزہ بیگم براجمان تھیں۔ وہ دونوں بھی کسی دلچسپ بات پر مسکرا رہی تھیں۔ انیقہ سینٹر ٹیبل کے پاس فلور کشن رکھے بیٹھی تھی اور کپوں میں چائے انڈیل رہی تھی۔ اس خوش رنگ ماحول کو دیکھ کر بے ساختہ ہی اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ وہ ایقان کو اچھی طرح سمجھتی تھی وہ جو کہتی تھی کر گزرتی تھی۔ سو یقیناً وہ اس کے لیے ہاشم کا باضابطہ پروپوزل لے کر آئی تھی۔ ماہین کا اس کے ہمراہ ہونا اس بات پر صاد تھا۔

شہلا نے اپنی ہتھیلیوں پر نمی اترتے ہوئے محسوس کی۔ اسے اس ماحول کا حصہ بننے کے خیال سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ کیسا عجیب موڑ تھا زندگی کا۔ اس کی شادی بھی ہوئی تھی، اولاد بھی اور پھر طلاق بھی ہوئی...... لیکن اس وقت وہ نو عمر لڑکیوں کی سی گھبراہٹ اور شرم کا شکار تھی کیونکہ زندگی میں کبھی اس طرح کا موقع آیا ہی نہ تھا۔

"لیجیے...... جن کے انتظار کی گھڑیاں گن رہے ہیں۔ وہ وہاں چوروں کی طرح کھڑی ہیں۔" ایقان چونکہ مقابل بیٹھی تھی اس لیے شہلا پر سب سے پہلے اسی کی نظر پڑی۔ "ادھر آؤ نا یار!"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ شہلا من من بھر کے قدم اٹھاتی وہاں تک پہنچی اور دھیمی آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" ایقان نے اسے ساتھ لگا لیا۔ "ہم کب سے آپ کے منتظر ہیں ڈاکٹر صاحبہ! آپ کو اپنے مریضوں سے فرصت نہیں۔ کچھ مریض محبت کا بھی خیال کیجیے۔"

آخری جملہ اس نے سرگوشی میں اس کے کان میں کہا تھا۔ شہلا نے خفگی سے اسے گھورا۔ اس نے فوراً زبان دانتوں تلے دبائی۔

"تم نہیں سدھرو گی۔" شہلا اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"میرا میاں بھی یہی کہتا ہے۔" وہ مزے سے بولی۔

شہلا کی نگاہ خاموش بیٹھی ماہین پر پڑی۔ وہ خوش دلی سے مسکرائی۔ ماہین کی جوابی مسکراہٹ میں رسمی انداز تھا۔ ویسی ہی خوش دلی مفقود تھی۔ شہلا کا دل لڑکھڑایا۔

"اگر اجازت ہو تو میں چینج کر لوں؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"جی نہیں۔" ایقان نے اسے ہاتھ کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ "کوئی اجازت وجازت نہیں ملے گی یہاں سے کھسکنے کی اور ان کپڑوں میں بھی ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔"

پھر اس نے رک کر مومن اور عمر کو دیکھا — ایمان کو وہ عذرا بیگم کے پاس چھوڑ آئی تھی۔

"بیٹا...... آپ لوگ باہر کیوں نہیں کھیلتے لان میں بہت مزہ آئے گا۔"

وہ دونوں جیسے تیار ہی بیٹھے تھے۔ کھلکھلاتے ہوئے باہر کی سمت ہو لیے۔

"شہلا بیٹی!" منیزہ بیگم بے حد و حساب خوش نظر آتی تھیں۔ "یہ لوگ تمہارے لیے پروپوزل لائی ہیں۔ ماہین کے بڑے بھائی اور ایقان کے بھتیجے ہاشم صاحب کا۔ آپ تو جانتی ہی ہوں گی انہیں۔ برسوں سے آتی جاتی ہیں یہاں۔"

"جی امی!" شہلا کی ساری خود اعتمادی ہوا ہو رہی تھی۔ وہ بے حد خفت کا شکار تھی۔

"بیٹا...... ظاہر ہے ایسے فیصلے یوں اچانک تو ہو نہیں سکتے۔ تمہیں بھی سوچنے کو کچھ وقت درکار ہو گا لیکن انیقہ میں ہم دونوں تو اتنے مطمئن ہیں کہ ہماری جانب سے کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ اٹھے گا۔ باقی تمہاری رائے مقدم ہو گی۔ عباد سے بھی پوچھ لیں گے کیا کہتی ہو؟"

شہلا کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ ان میں بے ساختہ بھرنے والا پانی کوئی نہ دیکھ سکا۔

ایقان نے شوخی سے اسے کہنی ماری۔

"ہاں بولو نا۔"

"میں آتی ہوں۔" وہ انتہائی گھبراہٹ اور اٹھ کر تیزی سے اندر کی سمت بڑھ گئی۔

"تمہاری بے [illegible]۔" ایقان اطمینان سے پلیٹ صاف کرنے لگی تھی۔

اسے شہلا کا جواب پہلے ہی مل چکا تھا اس کا اطمینان بے وجہ نہ تھا۔ ماہین پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔ انیقہ کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔



"آپی!" انیقہ نے کافی کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر محبت سے اس کے سوجے ہوئے پپوٹوں کو دیکھا پھر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"ہوں۔" شہلا نے کتاب پر سے نگاہ نہ اٹھائی تھی۔

"ادھر دیکھیں میری طرف۔" وہ شرارتاً مسکرائی۔

شہلا نے گہری سانس بھرتے ہوئے کتاب بند کر دی اور سوالیہ نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگی۔ خوبصورت سیاہ آنکھیں متورم تھیں۔

انیقہ نے مسکراتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"یہ گولڈن چانس ہے آپی! اسے مس نہ کریں۔ تقدیر نے آپ کو آپ کی سابقہ خطائیں معاف ہو جانے کا سگنل دیا ہے۔ ریاضت کا صلہ مل رہا ہے۔ فوراً" سے پیشتر ہاتھ بڑھا دیں۔"
شہلا نے نظریں چرائیں۔
"ہر طرح کی الجھنوں سے چھٹکارا مل جائے گا آپ کو۔ مجھے آپ کی راہوں میں دور تک گلاب بچھے دکھائی دے رہے ہیں۔"
"ہنہ۔۔۔۔ پگلی!" شہلا نے مسکرا کر سر جھٹکا۔ "راہ تو بس وہیں تک نظر آتی ہے جہاں پر قدم ہوتے ہیں۔ گزر آگے کیا ہے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم نے دور دور تک سب دیکھ لیا۔"
"اپیا! گمان تو اچھا رکھنا چاہیے نا۔" وہ رسانیت سے بولی۔ "تمنا کے گلزار میں ہمیشہ خوش رنگ پھولوں کا میلہ ہونا چاہیے یہی جینے کی اساس ہے۔"
"تمنا کا گلزار۔۔۔۔" وہ اداس ہو گئی۔ "تمنا کا گلزار تو صحرا کا نخلستان ہے پگلی! اس کی حد سے پرے دور دور تک جھلستا ہوا ریگ زار۔۔۔۔ تمنا کا گلزار وہم ہے' دھوکہ ہے۔۔۔۔ حقیقت ریگزار تمنا کی طرح اچانک نگاہ کے سامنے آتی ہے۔ پھول' پتے' پودے' پانی سب سراب ٹھہرتا ہے اور انسان عمر بھر اسی سراب کے پیچھے دوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہی سزا سنائی ہے سب کو۔"
"اوفوہ۔" اس نے شہلا کے ہاتھ سے کتاب چھین لی۔ "اتنی خوفناک باتیں۔۔۔۔ کہ جن پر ایک بار یقین آ جائے تو انسان جینے کا ارادہ ہی ترک کر دے۔ گلزار تمنا' جینے کا ارادہ ہی تو ہے۔" شہلا مسکرا دی۔
"ایسا ہے تو پھر ریگزار تمنا زندگی ہے۔"
"قنوطیت کی انتہا۔" انیقہ نے اسے بری طرح گھورا اور یکایک ٹون بدل لی۔
"تو محترمہ شہلا محسن علی صاحبہ! قدرت اس ریگزار سے باحفاظت گزرنے کے لیے آپ کو ایک عدد تگڑا اونٹ فراہم کر رہی ہے۔ میرا اشارہ جناب ہاشم فاروق حسن کی جانب ہے۔ بولیے آپ کو منظور ہے؟"
شہلا نم پلکوں کے ساتھ اچانک ہی ہنس دی ــــ اس کی ہنسی بے ساختہ اور شفاف تھی' ہر وہم اور اندیشے سے پاک۔ انیقہ نے اسے ہنستا دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔
"انیقہ!" شہلا یکایک سنجیدہ ہوئی۔ "عمر۔۔۔۔ بہت سمجھ دار بچہ ہے اور اب تو وہ اپنے باپ سے بھی مل چکا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ واقعہ اس کے ذہن کو متاثر کر سکتا ہے۔"
"جناب! عمر سے زیادہ سمجھ دار ہاشم فاروق حسن ہیں جو اگر عمر کو اسے پارک میں مل کر پہلے ہی بہت متاثر کر چکے ہیں۔ وہ ذہنی طور پر ان کے قریب ہو چکا ہے اور مجھے اکثر ان کی باتیں بتاتا ہے۔ مجھے یقین ہے عمر اس نئے رشتے کو دل و جان سے قبول کر لے گا' بشرطیکہ۔۔۔۔"
وہ کہتے کہتے رک گئی۔ شہلا نے اس کی جانب دیکھا۔
"بشرطیکہ۔۔۔۔ "کہیں" سے گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔"
"اس کی گارنٹی کون دے سکتا ہے۔" شہلا نے سر جھکا لیا۔
انیقہ کی آنکھوں میں ایک فیصلہ کن سوچ ابھری تھی۔

✲ ✲ ✲

گلاس ڈور کے باہر نافع کھڑا نظر آ رہا تھا۔ کچن سے نکلتی عریشہ لمحہ بھر کے لیے رکی پھر اس کے اندر سخت ناپسندیدگی کی ایک لہر اٹھی تھی۔

وہ مڑ کر دوبارہ کچن میں گھس گئی۔ فردوس بیگم نے پلٹ کر اسے دیکھا۔
"لڑکی! میں کہتی ہوں علی کو جگا دو۔ اس نے کہا تھا گیارہ بجے جگانے کے لیے۔"
"جگا دیتی ہوں۔" وہ بیزاری سے بولی اور دروازے کی جانب پشت کھڑی رہی۔
"ارے۔" وہ متعجب ہوئیں۔
اسی لمحے دروازے میں نافع نمودار ہوا تھا۔
"السلام وعلیکم تائی امی!" وہ کچھ جھینپا جھینپا دکھائی دیتا تھا۔
فردوس بیگم کے تاثرات آن واحد میں تبدیل ہوئے تھے۔ وہ ماتھے کی سلوٹیں چھپا کر مسکرانے لگیں۔
"وعلیکم السلام برخوردار۔۔۔۔ جیتے رہو۔۔۔۔ خیر سے ہو؟"
"جی۔۔۔۔" اس نے بے مروت پر بے خبر نگاہ کی۔ "علی اور حمزہ کہاں ہیں تائی امی! ہمیں یونیورسٹی جانا تھا۔"
"کب سے تو کہہ رہی ہوں اس لڑکی کو' انہیں جگا دے' جگا دے۔ سنتی ہی نہیں ہے۔" وہ بیزاری سے بولیں پھر یک لخت انہیں کچھ خیال آیا۔ "ارے ہاں' بے چاری مصروف بھی تو ہے صبح سے۔ میرے ساتھ لگی ہوئی ہے مسلسل۔۔۔۔ لڑکے ہی بڑے ڈھیٹ ہیں' اٹھ کر نہیں دیتے۔ جاؤ بیٹا! تم خود ہی جگا لو انہیں' اوپر اپنے کمروں میں ہیں۔"
"جی بہتر۔" وہ فوراً" غائب ہوا۔
فردوس بیگم نے اس کا پتھریلا چہرہ بغور دیکھا مگر پھر انجان بن کر کیبنٹ میں ہاتھ مارنے لگیں۔

✲ ✲ ✲

اس نے بڑی تلاش بسیار کے بعد نمبر کھوجا تھا۔ وہ شہلا سے بھی پوچھ سکتی تھی لیکن وہ یہ کام بہت خفیہ طور پر انجام دینا چاہتی تھی۔
نمبر ملا کر وہ دوسری جانب جاتی ہوئی بیل سننے لگی۔
"ہیلو۔" ریسیور اس نے اٹھایا تھا۔ اس کے انداز میں بلا کا اشتیاق تھا۔ غالباً" اس نے سی ایل آئی پر آنے والی کال کا نمبر بغور دیکھا تھا۔
انیقہ نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔
"السلام علیکم! میں انیقہ بات کر رہی ہوں۔"
"وع۔۔۔۔ وعلیکم السلام۔" وہ تحیر میں مبتلا ہوا۔
غالباً" اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ دوسری جانب انیقہ ہو سکتی ہے۔
"کیسی ہو نکی!" وہ برسوں پہلے اسے اسی انداز سے پکارتا تھا۔
"فائن۔" وہ رسماً" بولی۔ "میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔ ٹائم ہے آپ کے پاس؟"
"شیور۔" وہ بے حد خوش لگتا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)



ربیعہ متواتر ایک خواب دیکھ رہی ہے کہ دادی کسی صحرا میں شدید پیاس کے عالم میں اس سے پانی مانگ رہی ہیں۔ اسے دادی کے ٹرنک میں دیگر کاغذات کے ساتھ خطوط اور تصاویر بھی ملتی ہیں۔ ایک تصویر میں اسے اپنی شباہت محسوس ہوتی ہے۔ بوسیدہ خطوط میں جتنے بھی نام اس کی نظر سے گزرتے ہیں وہ ان سے ناآشنا ہوتی ہے۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلقیس اس کی پھوپھو ہیں۔ ان کا ایڈریس پاکر وہ کسی قدر مطمئن ہو جاتی ہے مگر ان کے انتقال کی خبر والا خط پڑھ کر وہ بالکل ہی مایوس ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر شہلا اپنی ماں منیزہ بیگم کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس کا بیٹا اکثر اپنے باپ کے بارے میں سوال کرتا ہے۔

ڈاکٹر شہلا کو طلاق ہو چکی ہے اور اس کا سابقہ شوہر اس کے گھر فون کرکے اکثر اپنے بیٹے کی باتیں کرتا ہے۔

فردوس بیگم کا بڑا بیٹا ہاشم، ڈاکٹر شہلا سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے لیے وہ قطعی آمادہ نہیں۔

ربیعہ اپنی تنہائی اور لوگوں کے بدلتے رویوں سے تنگ آکر اپنی پھوپھو کے گھر لاہور جانے کا فیصلہ کرلیتی ہے۔ ٹرین میں ربیعہ کی ملاقات عبادسے ہوتی ہے۔ یہ جان کر کہ ربیعہ تنہا سفر کررہی ہے۔ وہ ازخود اس کی پھوپھو کے گھر تک رہنمائی کی ذمہ داری لے لیتا ہے۔

عاشر (ایقان کا شوہر) اپنے دفتر سے نکلا تو لیزا گاڑی لیے اس کی منتظر تھی۔

۱۵

پندرہویں قسط

انیقہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ ابرار کی اس قدر خوشی کی وجہ اسے سمجھ میں نہ آسکی۔ برسوں پہلے ٹوٹنے والے رشتے کے بداثرات سیاہ بادلوں کی طرح ان کے گھر کی خوشیوں تک پہنچتی روشنیوں کا رستہ روکے کھڑے تھے۔ گمان غالب تھا کہ دوسری جانب بھی اس حادثے کا اثر خوش کن تو ہرگز نہ ہوسکتا تھا، پھر اس بے طرح خوش دلی کی کیا وجہ تھی، وہ چند لمحوں کے لیے سوچتی رہ گئی۔

"ہیلو...." وہ اسے خاموش پاکر پکار اٹھا۔ "نکی....! اہو تم کچھ کہہ رہی تھیں۔ کیا بات ہے ایسی جو تمہیں مجھ سے کانٹیکٹ کرنے کا جبر کرنا پڑا خود پر۔"

اسے کئی بار فون پر اس کی بدتمیزی سے واسطہ پڑ چکا تھا، سو وہ بہت محتاط ہو رہا تھا۔

"جی ہاں! بات ہی کچھ ایسی ہے جو مجھے خود پر جبر کرنا پڑا۔" اس نے صاف گوئی کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ "ورنہ میں آپ کی آواز سننے کی روادار نہ تھی۔ انسان اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کو بھول جاتا ہے۔ معاف کر دیتا ہے لیکن اپنے پیاروں کا دکھ دیکھنا اور دکھ پہنچانے والے کو معاف کرنا ناممکن امر لگتا ہے۔ میں اپنی پیاری بہن کی آنکھوں میں پچھلے پانچ سالوں سے مسلسل آنسو دیکھ رہی ہوں۔ یہ پانچ سال اس کی عمر کے بہترین سال تھے۔ یہ وہ عرصہ تھا جب ہر لڑکی صرف اور صرف مسکرانا جانتی ہے اور ہر موسم مسکراہٹ کے پھول اس کے جائز حق کی طرح اس کی گود میں ڈال کر گزرتا ہے۔ ہر موسم بہار کا موسم لگتا ہے۔ آپ نے اس کی زندگی کو خزاں کا گھن لگا دیا۔ وہ جینا بھول گئی، مسکرانا بھول گئی۔"

"تم بھی کچھ بھول رہی ہو نکی!" وہ بے ساختہ اس کی بات کاٹ گیا تھا۔ "بن باس اگر اس نے کاٹا ہے تو یہ سزا میں نے بھی اتنی ہی بھگتی ہے جتنی اس نے.... اس کے پاس میرا بیٹا تھا، میرے پاس کیا تھا؟ اس کے پاس "صحیح" ہونے کا غرور تھا، میرے حصے میں ندامت اور پشیمانی کے انگارے آئے تھے۔ انسان حق پر ہو تو سولی بھی سکون سے چڑھ جاتا ہے۔ ظلم و زیادتی کا احساس انسان کو نہ جینے دیتا ہے نہ مرنے دیتا ہے۔ میں نے ایک ایک لمحہ اس کرب ناک سوچ کا شکار رہ کر گزارا ہے نکی! کہ میں نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ جو کچھ بدنصیبی سے ہو گزرا وہ میری کوئی سوچی سمجھی سازش نہ تھی، اس کے نازک جذبوں کا خون ہوا تو بخدا یہ قتلِ عمد نہ تھا۔ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ میری سیاہ نصیبی تھی۔ ابرِ کرم کی ٹھنڈی، نرم پھوار سے رگِ جاں سیراب نہ ہو پائی تھی اور میری بدقسمتی نے ہاتھ

[...] کر در یچہ بند کر دیا۔"

اس کی آواز بھیگ گئی۔ لہجہ بھر آگیا۔ اس کرب میں سچائی کا احساس اس قدر واضح تھا کہ انیقہ دم بخود رہ گئی۔ اس کی پیشانی نم ہو گئی۔ ہتھیلیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔ اسے سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے کیا کہنے کے لیے فون کیا تھا۔ ذہن میں صرف اس کا دکھ اور سچائی کی گونج باقی رہ گئی۔

"تم کچھ کہنا چاہتی تھیں نکی!" وہ خود پر قابو پا کر بولا۔

"م.... میں یہ کہنا چاہتی تھی ابرار بھائی کہ...." وہ یک لخت بولتے بولتے ٹھہر گئی تھی۔

شہلا کی ازدواجی زندگی کے نہایت مختصر سے دور کی گم گشتہ یاد "ابرار بھائی" کی صورت اس کے لبوں پر چلی آئی تھی، ورنہ پچھلے چند ماہ میں اس نے ہمیشہ اسے نہایت تنفر سے "ابرار صاحب" ہی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی...." اس نے پست آواز میں اپنی گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔ "کہ جو کچھ بھی ہوا سو ہو گیا۔ اب اسے آپ سیاہ نصیبی کہیں یا بدقسمتی، حادثہ یا واقعہ.... وہ دن بیت چکے، یادیں ماند پڑ چکیں۔ عمر کا وہ باب ختم ہوا۔ آپ کو شاید احساس نہ ہو کہ یہ ساری پشیمانیاں، ندامتیں اور زیادتی کا احساس اس عظیم نقصان کا ازالہ کرنے سے قاصر ہیں، جو میری بہن کے حصے میں آیا۔ وہ تو خسارہ ہی میں رہی۔ وہ خود جیون ساتھی سے ہی نہیں جینے کی تمنا تک سے محروم ہو گئی۔ اس کی آنکھوں نے خوش رنگ خوابوں سے کنارہ کشی کرلی۔ اس کے لبوں نے مسکراہٹ کو خیرباد کہہ دیا۔ اس کے باوجود دنیا کی ملامتیں، طنز، طعنے، تشنے سب اسی کی جھولی میں آگرے۔ آپ کو کس نے کیا کہا تھا؟ آپ کے پاس جیون ساتھی بھی تھا، بچے تھے۔ "مرد" اور "حاکم" ہونے کا طرۂ امتیاز بھی۔ ندامت، اس خسارے کی ہم وزن نہیں ہو سکتی جو میری بہن کے حصے میں آیا۔ اس نے خود مطلقہ ہونے کا عذاب بھی سہا اور اپنے معصوم بیٹے کی باپ سے محرومی کا دل شکستہ نظارہ بھی پل پل دیکھا۔ آپ.... آپ ہو سکتا ہے اپنی جگہ سچے ہوں لیکن شہلا آپی نے آپ کی نسبت کہیں زیادہ دکھ جھیلا ہے، اس باب میں آپ کو کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔"

ابرار خاموش رہا۔ انیقہ کے لفظ لفظ میں بھی سچائی کارفرما تھی، سو اب خاموش ہونے کی باری اس کی تھی۔ وہ [...] دیر چپ رہا۔

"میں.... [...] کوشش کر تو رہا ہوں انیقہ، اس دکھ کا مداوا کر سکوں۔" پھر وہ بولا۔

"آپ.... اپنے آپ کو خوش کر رہے ہیں ابرار بھائی!" وہ چاہتے ہوئے بھی "صاحب" نہ کہہ پائی۔ "اپنے بیٹے [...] کر اس کی محبت پاکر، آپ میری بہن کی اشک شوئی نہیں کر رہے ہیں۔ معاف کیجیے گا، اگر اس طرح کی کوئی سوچ آپ کے ذہن میں ہے تو یہ غلط فہمی دور کرلیں۔ یہ سب کچھ تو مندمل ہوتے زخموں کو پھر سے کھرچنے والی بات ہے۔ آپ تو اپنے خون کے لیے تڑپ رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے نکی!" وہ دکھ سے بولا۔ "میرا یقین کرو۔"

"میں یقین کر بھی لوں تو کیا ہوگا ابرار بھائی؟ بیتی ہوئی باتوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟ بہتر یہ ہے کہ "آئندہ" پر غور کیا جائے۔"

"میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"آپ غلط کر رہے ہیں۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے محض ایک معصوم ذہن کے پریشان ہو جانے کا امکان ہے اور بس...."

ابرار کو اچانک ہی اندازہ ہوا تھا کہ انیقہ اس گفتگو سے یکسر لاعلم تھی، جو کچھ دن قبل اس کے اور شہلا کے مابین ہوئی تھی۔ وہ کچھ اور ہی کہنا چاہتی تھی۔

"آئندہ کے لیے تمہارے ذہن میں کیا ہے نکی؟" اس نے محتاط روی سے پوچھا۔

انیقہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی تھی۔ جیسے جو کچھ اس کے ذہن میں تھا۔ اس پر جی ہی جی میں غور ہو پھر اس نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"ابرار بھائی! ہم لوگ اپیا کی شادی کر رہے ہیں۔"

"کیا؟" وہ ایسے بولا جیسے ٹھیک طور پر سنا نہ ہو پھر یکا یک ہی نجانے کیا سوچ کر وہ دفعتاً "خوشی سے بولا۔ واقعی؟"

انیقہ کو اس کی ذہنی کیفیت پر تعجب ہوا۔

"ہم... ہم لوگوں نے اپیا کا رشتہ طے کر دیا ہے۔" وہ پھر جتانے والے انداز میں بولی۔ مبادا ابرار نے ... ہو۔ "کچھ ہی عرصے میں باقاعدہ رخصتی عمل میں آجائے گی۔"

"شہلا مان گئی؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"جی... جی ہاں، مشکلوں سے سہی، لیکن مان گئی ہیں۔" انیقہ اب تک اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ ... کنفیوژ ہو رہی تھی۔

"اچھا!" وہ ٹھنڈے اور ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔ "یہ تو واقعی خوشی کی بات ہے۔"

"آپ... آپ کے اعتراض سے ہرچند کہ کوئی فرق تو نہیں پڑتا لیکن میں یونہی ایک غلط فہمی رفع کرنے کی غرض سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ کو اپیا کی نئی زندگی شروع کرنے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟" ابرار ہولے سے ... جیسے اسے انیقہ سے اس بے وقوفی کی امید نہ ہو۔

"مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے نکی؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"آپ عمر کی کسٹڈی کا دعوا تو نہیں کریں گے؟" وہ جیسے ڈرتے ڈرتے بولی۔

وہ چند لمحے اس کی کیفیت سے محظوظ ہوا۔

"اگر کر دوں تو؟"

"پلیز ابرار بھائی!" وہ لجاجت سے بولی۔ "میں نے دراصل یہی بات کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ یہی اصل مقصد تھا جس کے لیے۔"

"تم نے خود پر جبر کیا تھا۔" وہ بات کاٹ کر ہلکے سے ہنسا۔

"میں معافی چاہتی ہوں کہ میں نے ایسا کہہ کر آپ کے جذبات مجروح کیے۔ درحقیقت جو کچھ آپ نے صفائی میں کہا، اس نے مجھے بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ میرے دل میں آپ کے خلاف غم و غصے کے جو کثیف بادل تھے، وہ آپ کے اعتراف سے جیسے چھٹ سے گئے ہیں۔ لیکن پلیز ابرار بھائی! میں ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہوں کہ اب میری بہن کو زندگی کی حقیقی خوشیوں کا لطف اٹھا لینے دیجئے۔ اس کے بن باس پر رحم کھائیں۔ اگر واقعی آپ اپنے کیے پر پشیمان ہیں تو اب اسے ایک اچھی اور مکمل زندگی کی شروعات کی دعا دیجئے۔ عمر میں اپیا کی جان ہے۔ وہ اس کے ہونے سے ہیں، اس کی سانسوں سے جیتی ہیں، اس کی آنکھوں سے دیکھتی ہیں۔ اگر آپ نے کسی بھی قسم کی انتقامی کارروائی کا سوچا بھی تو میری بہن اس خیال سے ہی مر جائے گی۔" بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ الفاظ ساتھ چھوڑنے لگے۔ آنسو زبان بننے پر آمادہ ہوئے۔

"تم فکر مت کرو نکی!" وہ اطمینان سے بولا۔ "میں ایسا کچھ نہیں کروں گا جیسا تم سوچتی ہو۔ شہلا کو نئی زندگی کی شروعات مبارک ہو۔ میرے دل میں اس کے لیے کوئی غصہ نہیں ہے۔"

"اور... اور... عمر..." وہ اٹکنے لگی۔

"میں اتنا بھی کمینہ نہیں کہ میں ایک ماں سے اس کے جینے کی امید چھین لوں۔"

"اوہ!" انیقہ نے سکون کا سانس لیا۔

اس سانس میں ابرار کی قوت کے احساس کا اعتراف تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

"پوچھ سکتا ہوں کس کے نصیب جاگے ہیں؟"

"ہمارے دیرینہ ہمسائے ہیں۔ بہت عرصے سے اپیا کے طلب گار ہیں۔ خدا خدا کر کے اب اپیا کو ان پر ترس آیا ہے ورنہ اب تک تو وہ ہامی ہی نہ بھرتی تھیں۔" وہ ہلکی پھلکی ہو کر اب سکون سے بول رہی تھی۔

ابرار کے لبوں پر دلکش مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔



"السلام علیکم ممانی جان..." ناعمہ خوش خوش اندر داخل ہوئی۔

فردوس بیگم ٹی وی پروگرام میں محو تھیں۔ چونک اٹھیں۔ ریموٹ سے آواز ہلکی کی۔

"وعلیکم السلام..." انہوں نے حسب عادت گہری نگاہوں سے جائزہ لیا۔ "کہاں سے دوڑی بھاگی آرہی ہو۔ خیریت تو ہے نا؟"

"جی سب خیریت ہے۔ اللہ کا احسان ہے۔ عریشہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے۔" نہیں قدرے تامل ہوا۔ "بلکہ شاید سو ہی گئی ہو۔"

"اچھا!" ناعمہ کو حیرت ہوئی۔ "اس قدر جلد تو وہ کبھی نہیں سوتی؟"

"ہاں بی! ہم جھوٹے ہیں!" وہ اطمینان بھرے غصے سے بولیں تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"نن... نہیں مامی جی... میرا مطلب یہ تو نہیں تھا۔ میرا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی۔ کتنے دن ہو گئے ہیں اس نے ایک چکر تک نہیں لگایا ہمارے گھر۔ منگنی کو مایوں سمجھ بیٹھی وہ تو... مم... میں دیکھ لوں اس کے کمرے میں۔ کیا خبر جاگ رہی ہو۔"

"مرضی ہے تمہاری۔" بے رخی سے کہہ کر انہوں نے ریموٹ سے آواز پھر اونچی کر دی۔ گویا اسے اذن رخصت عطا ہوا۔

ناعمہ ابھی کھڑی سوچ ہی رہی تھی کہ عریشہ کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ باہر نکل رہی تھی۔ ناعمہ سے نگاہیں ٹکرائیں تو وہ ٹھٹک سی گئی۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں۔

ناعمہ ایک قدم آگے بڑھی۔

"کیسی ہو عریشہ؟"

"ٹھیک ہوں!" وہ بے رخی سے کہہ کر فریج کی سمت بڑھ گئی۔

ناعمہ اس کے برابر جا کھڑی ہوئی۔

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"

"نہیں۔" اس نے ٹھنڈی بوتل نکال کر فریج بند کیا اور واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

ناعمہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔ اس سلوک کا تو اس نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ پھر وہ تیز قدموں سے اس کے پیچھے چل دی۔ عریشہ کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ اسے اپنے پیچھے آتی ناعمہ کے قدموں کا احساس تھا سو اتنا غنیمت تھا کہ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند نہ کیا۔ ناعمہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ کمرے کی سب ہی لائٹس آف تھیں۔ کھڑکیاں بند تھیں اور ان پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں مکمل

اندھیرا تھا۔ کونے میں رکھے ڈیک سے غزل کی مدھم سی آواز ابھر رہی تھی۔

حالِ دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی، اب یاد آیا
دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا

عریشہ نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کیں اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ناعمہ جھجکتے ہوئے اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی۔ عریشہ نے ریموٹ سے ڈیک آف کر دیا۔ کمرے میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ چھت پر گھومتا ہوا پنکھا سی آواز پیدا کر رہا تھا۔

ناعمہ کو تادیر کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے، کیا پوچھے۔ عریشہ اس کے مقابل بیٹھی تھی لیکن اس سے نظریں ملانے سے گریز کر رہی تھی۔ اس کی سرخ آنکھیں کوئی خفتہ کہانی کہہ رہی تھیں۔ ناعمہ کا ذہن اس بولی کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

"عریشہ..." بالآخر وہ بولی۔

"ہوں!" اس نے لبوں پر زبان پھیری۔ "کہو۔"

"تمہاری طبیعت..."

"ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی اطمینان سے کہہ دیا۔

ناعمہ کو سوائے اس کی متورم آنکھوں کے طبیعت کی خرابی کا کوئی اور سراغ ہاتھ نہ آیا۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے۔" وہ ہنوز سابقہ انداز میں بولی جس میں نہ غصہ تھا نہ شکایت۔

ناعمہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس کی صورت دیکھی۔

"کیسے آنا ہوا؟" بظاہر اس نے شائستگی سے پوچھا۔

"وہ... میں... ثانیہ اور میں... اور سدرہ... وہ... ہم لوگ دردانہ آپی کے کمرے میں ہیں۔" وہ بمشکل تمام بولی۔

"اچھا!" عریشہ اسی سکون سے بولی۔

"ہم لوگ... بس... باتیں کر رہے تھے۔" ناعمہ کو لگتا تھا وہ کسی انجان ہستی کے مقابل بیٹھی ہے یہ وہ عریشہ تو نہ تھی جسے وہ جانتی تھی۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔" اس نے سرہلایا۔ "کرو باتیں۔"

"تم... تم چلو نا میرے ساتھ۔" اس نے بے حد جھجکتے ہوئے کہا۔

عریشہ نے نفی میں سرہلایا لیکن بے حد واضح انداز میں۔ ناعمہ کے لیے مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہ چھوڑی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا۔" وہ ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ "میں چلوں؟"

"خدا حافظ" اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

ناعمہ ایسے ڈر کر کمرے سے نکلی جیسے عریشہ اسے مارنے کے لیے پیچھے دوڑے گی۔ تیز تیز قدموں سے اس نے لاؤنج پار کیا تھا کہ فردوس بیگم کی آواز نے اسے مزید سہما دیا۔

"ارے ٹھہرو تو لڑکی! کہاں بھاگے جاتی ہو۔" وہ کچن سے نکل کر اس کی جانب آ رہی تھیں۔

"جی... جی ممانی جان!" وہ ٹھہر گئی۔
"ہو گئی بات؟" انہوں نے کھوجتی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"جی ہاں۔" اس نے سر کو اثبات میں ہلایا۔
"کیا... میرا مطلب ہے... کیا بات ہوئی؟"
"جی؟" ناعمہ کو مزید حیرانی کا سامنا ہوا۔
آج سے پیشتر انہوں نے کبھی دونوں سہیلیوں کے مابین ہونے والی گفتگو کے متعلق کسی قسم کا استفسار نہ کیا تھا۔
"وہ... بیٹا! اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" پھر وہ نرمی سے بولیں۔ "وہ ہم سب سے بھی ایسی ہی اکھڑی اکھڑی سی ہے۔ تم محسوس نہ کرنا کچھ۔"
"جی ممانی! ٹھیک ہے۔ اب میں چلوں!" وہ مڑی تھی۔
"بات سنو ناعمہ!" انہوں نے پھر اسے پکارا۔
"جی؟" وہ پلٹی۔ اس کی حیران آنکھوں میں استفسار تھا۔
"وہ... بیٹا... عریشہ کی طبیعت کا کسی سے ذکر مت کرنا۔" وہ قدرے خفت سے بولی تھیں۔ "ایک دو دن میں سنبھل جائے گی۔"
ناعمہ کی آنکھوں کی حیرانی میں یک لخت کمی واقع ہوئی۔ جیسے وہ کچھ سمجھ گئی۔
"جی ممانی جان!" اس نے دھیرے سے کہا۔
"ترانہ ایک بات کہوں تم سے' تم برا تو نہیں مانو گی؟" ربیعہ نے اداسی سے پوچھا۔ اس کی بات میں عجب گہرائی تھی۔ ترانہ اسے دیکھنے لگی۔
"میرا کسی ہاسٹل میں بندوبست کر دو۔ میں نوکری کر کے اپنے اخراجات پورے کر لوں گی۔"
"ربیعہ!" ترانہ نے یک دم اس کے ہاتھ تھام لیے۔
ربیعہ نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تیزی سے آنسو امڈے تھے۔ ربیعہ حیران بھی ہوئی اور شرمسار بھی۔
"ترانہ! میرا مقصد تمہیں دکھ دینا نہ تھا۔ لیکن میں نے بے حد مجبور ہو کر یہ بات کہی ہے تم سے۔ ہاسٹل ہر شہر میں ہوتے ہیں' میں اپنے شہر میں ہی کسی ہاسٹل میں' کسی دارالامان میں جگہ ڈھونڈ سکتی تھی۔ لیکن رشتوں کی خوشبو بہت پر اثر ہوتی ہے۔ یہ انسان کو پوری طاقت سے اپنی جانب کھینچتی ہے۔ خونی رشتے بہت توانائی رکھتے ہیں' انہیں جھٹلانا آسان نہیں ہوتا۔ میں یہاں کھنچی چلی آئی۔ اپنوں کی تلاش میں' اپنائیت کی خاطر۔"
"اور یہاں تمہیں غیریت ملی' دکھ ملا۔" ترانہ نے سر جھکا کر کہا۔
"تمہاری محبت اور تمہارے خلوص کی روشنی میں ہر سیاہ روپ دھندلا گیا ہے ترانہ۔" ربیعہ پیار سے بولی۔ "تم نے مجھے ایک بہن کی سی چاہت دی ہے' مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ترانہ!" وہ اداس ہو کر بولی۔
"مجھے میرا پندار بہت عزیز ہے۔ مجھے میری ہستی کا غرور' میرے کردار کی بلندی ہر شے سے بڑھ کر پیاری ہیں۔ میں اپنے دامن کو آلودہ نہیں دیکھ سکتی۔"
"تمہارا دامن کوئی معمولی سا داغدار بھی نہیں کر سکتا ربیعہ! کم از کم میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ترانہ جوش سے بولی۔
"ترانہ تم بڑھتے ہوئے قدم روک سکتی ہو' اٹھتا ہوا ہاتھ پکڑ سکتی ہو لیکن چلتی ہوئی زبان کو روکنا تمہارے اختیار میں نہ ہوگا۔ صولت کی بات نے مجھے سر سے پاؤں تک لرزا کر رکھ دیا ہے۔ میں نے رائی کا پہاڑ بنتے سنا ہے لیکن بنا رائی کا پہاڑ۔"
"تم صولت کی باتوں پر دھیان دے رہی ہو پاگل لڑکی!" ترانہ پیار سے بولی۔ "جس کی کھوپڑی بالکل کھوکھلا ڈبہ ہے' دماغ نامی کسی شے کا معمولی سا سایہ بھی وہاں موجود نہیں ہے۔ اسے تو سوچنا تک نہیں آتا ربیعہ!"
"جو کچھ اس نے کہا' وہ معمولی سوچ کی کرشمہ سازی نہ تھی۔" ربیعہ نے سر جھٹکا۔ "معمولی سوچ کی اڑان اتنی اونچی نہیں ہوتی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ طے کیا ہے کہ میرا کردار درست نہیں ہے۔ اپنے حساب سے اس نے مجھے ہر بات کا جواز بھی پیش کیا تھا۔"
"ربیعہ! تم نے ٹھیک کہا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اٹھتے ہوئے ہاتھ کو روکا جا سکتا ہے لیکن چلتی زبان پر کسی کو اختیار نہیں ہوتا۔ اسی لیے تاریخ میں بہت عظیم کردار کی حامل خواتین پر بھی بہتان تراشی کے واقعے رقم ہیں' ہم کیا اور ہماری اوقات کیا؟ پھر کیوں ہم ایسی گندی زبانوں کی پروا کریں۔ ان کے خوف سے اپنی زندگی کے فیصلے کریں۔ اپنے دن رات بسر کرنے کا طریقۂ کار ہم ایسے ذہنوں کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیں۔ کیوں؟ کیا یہی دانش مندی ہے؟"
ربیعہ نے گہری سانس بھر کر سر اٹھایا اور بوڑھے برگد کی لٹکتی شاخوں کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بے حد اداس ہو رہی تھیں۔ ترانہ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اس نے ربیعہ کا گورا چٹا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔
"ربیعہ! تم دنیا میں تنہا ہو نا؟ تمہارا کوئی نہیں؟"
ربیعہ نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔
"ربیعہ! میں تم سے زیادہ تنہا ہوں۔ میرا باپ ہے' بھائی ہیں' پھپھی ہے' صولت کے نام پر بہن بھی ہے۔ لیکن ربیعہ! جس شخص کو رشتوں کے بیچ رہ کر بھی تنہائی کی اذیت سے دوچار ہونا پڑے' اس کی تکلیف رشتوں سے محروم شخص کی تکلیف سے سوا ہوتی ہے۔ رشتوں سے محروم شخص کو محض محرومی کا احساس ہوتا ہے نا؟ رشتوں میں گھرے تنہا شخص کو ذہنی تنہائی بھگتنا ہوتی ہے۔ ذہنی تنہائی بہت تکلیف دہ احساس ہے ربیعہ! جیسے... جیسے جیل میں نوواردوں... قید کا احساس' اجنبیت کا احساس' ذہنی فاصلوں کا احساس۔ میں نے ایک طویل عرصے ان احساسات سے جنگ لڑی ہے۔ میں خودکشی کر لیتی شاید اگر مجھے عبدالباری نہ ملتا' باری نے مجھے زندہ رکھا اور تم نے مجھے ذہنی ہم آہنگی دی' خلوص دیا' بہن کے رشتے کی سچائی اور توانائی کا احساس دیا۔ تم میرے لیے بہت کچھ ہو ربیعہ! اب تم مجھ سے کبھی دور ہونے کی بات مت کرنا۔ تم مجھے عبدالباری کی طرح عزیز ہو۔ میں تمہیں کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"
ربیعہ نے پہلی مرتبہ ترانہ کو اس قدر جذباتی دیکھا تھا۔ وہ دم بخود تھی۔
"میں کہیں نہیں جاؤں گی ترانہ!" وہ بولی "جب تک تمہاری شادی باری سے نہیں ہو جاتی۔"
ترانہ زور سے ہنس دی۔
"بے وقوف!" پھر وہ خوش دلی سے بولی۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟ میں خوشی خوشی باری سے شادی کروں گی اور تمہیں اس جنگل میں چھوڑ کر چل دوں گی؟ بدھو پہلے میں تمہاری شادی کروں گی کسی بہت بہت اچھے انسان سے۔ پھر باری کے ساتھ چل دوں گی۔"
ربیعہ کو "بہت" کی تکرار سے ہنسی آ گئی۔
اچانک ہی اس کی ہنسی تھمی تھی۔ آنکھوں میں جگنوؤں کی بارات اتری تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ کے کنول کھلے تھے۔
سامنے والی بینچ پر عباد بیٹھا تھا۔ آج وہ تنہا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ لائٹ گرین دھاری دار شرٹ اور

مسٹرڈ کلر جینز میں وہ بے حد اسمارٹ دکھائی دیتا تھا۔
"واؤ۔۔۔ زبردست!" ترانہ نے سرگوشی کی۔ "ابھی بھی سوچ لے ربیعہ۔۔۔! منہ بولا بھائی بھی کوئی رشتہ بھلا؟" ربیعہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر عباد کی سمت بڑھی۔
اسے اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر عباد کھڑا ہو گیا۔ ربیعہ اس کے مقابل پہنچ گئی۔
"السلام علیکم۔۔۔" وہ مسکرائی تھی۔ "کیسے ہیں عباد بھائی؟"
"وعلیکم السلام!" وہ جواباً مسکرایا۔ "میں ٹھیک ہوں تم یہ بتاؤ، تم ٹھیک تو ہو نا۔ خیریت سے ہو؟ کسی قسم پریشانی تو نہیں ہے؟"
"میں ٹھیک ہوں!" نجانے کیا ہوا تھا اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اس نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔
"ربیعہ!" عباد کے دل میں جیسے کسی نے پن چبھو دی۔ "ربیعہ۔۔۔ ادھر دیکھو۔"
ربیعہ نے جلدی سے انگلی کی پور سے پلکوں کے کنارے صاف کیے اور مسکرانے لگی۔
"آپ کی اس قدر اپنائیت اچھی لگتی ہے عباد بھائی بس! اور کوئی بات نہیں۔"
عباد نے گہری سانس بھری اور جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
"جی ہاں۔۔۔ شاید!" وہ سوچ کر بولی۔ "میرے کپڑے ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ مجھے فارغ بیٹھنا پسند نہیں ہے کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوں۔ شاید اس لیے۔"
عباد نے اس کے پس منظر میں ترانہ پر نگاہ ڈالی۔
"فارغ بیٹھنا تمہیں پسند نہیں، یہ اور بات ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہاں گھر والوں کو تمہارا فارغ بیٹھنا پسند نہ ہو؟"
ربیعہ اس کی بات پر شگفتگی سے ہنس پڑی۔
"اچھا سنو، میں کچھ سامان لایا ہوں تمہارے لیے۔" عباد نے بینچ پر رکھے شاپرز کی جانب اشارہ کیا۔ "اگر تمہیں کوئی پرابلم نہ فیس کرنا پڑے تو۔"
"میرے لیے۔" وہ حیران ہوئی۔ "کیوں عباد بھائی؟ یہ زحمت کیوں؟"
"یار! بھائی بھی کہتی ہو اور یہ زحمت وحمت کا ذکر بھی۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ "بہنیں تو بھائیوں کی جان عذاب میں رکھتی ہیں ہر وقت ہم کیسی بہن ہو؟"
ربیعہ ہنس دی۔
"پھر بھی عباد بھائی! اچھا نہیں لگتا میں احساس کمتری کا شکار ہو جاؤں گی۔"
"ہاں۔ اگر مجھے واقعتاً بھائی نہ سمجھو گی تو۔" وہ بولا۔ "ورنہ دنیا کی کوئی بہن ایسی نہیں جو بھائی کا لایا ہوا تحفہ ٹھکرا دے۔"
ربیعہ کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ رہا۔
"اوکے!" وہ بولی۔ "تھینک یو بھائی!"
"یو آر ویلکم!" وہ کھل کر مسکرا دیا۔
"ترانہ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" گھر کے قریب پہنچ کر وہ منمنائی۔
"کس بات سے؟" وہ بے نیازی سے بولی۔
"یہ۔۔۔ یہ بھاری بھر کم شاپرز کیا کہیں گے سب سے؟"

تم فکر مت کرو۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔ عمرو عیار کے جیسی ایک زنبیل میرے پاس بھی ہے جس میں ترکیبوں کا اسٹاک رہتا ہے۔ میں ابھی اپنی زنبیل میں سے ترکیب نمبر چار سو بیس نکالتی ہوں۔"
وہ چلتے چلتے گلی کے ایک مکان کے سامنے رک گئی تھی۔ پھر اس نے دروازے پر دستک دی۔
"کون ہے؟" اندر سے آواز آئی۔
"اماں! میں ہوں ترانہ!"
دروازہ کھل گیا تھا۔ اندر ستر پچھتر برس کے سن کی ایک عمر رسیدہ بوڑھی عورت کھڑی تھی۔
"اماں! یہ سامان رکھ رہی ہوں اپنا۔" ترانہ نے اندر گھس کر وہ شاپرز ایک طرف کو رکھ دیے۔ "رات کو کسی وقت لے جاؤں گی۔"
"اچھا۔" اس عورت نے سر ہلایا تھا۔ "یہ کون ہے؟"
اس نے ربیعہ کی بابت استفسار کیا۔
"یہ میری ماموں زاد بہن ہے۔ ربیعہ۔ اچھا اماں! دروازہ بند کر لو۔" ترانہ جلدی میں تھی۔
ربیعہ اس کی اس ترکیب پر حیران تھی۔
"یہ سب کیا تھا؟" اس نے ربیعہ سے پوچھا۔ "یہ اماں کون ہے؟"
"ایک غریب عورت ہے۔" ترانہ بولی۔ "بے چاری تن تنہا رہتی ہے۔ بیٹا افغانستان کی جنگ میں شہید ہو گیا۔ بیٹی بیاہ کر سسرال چلی گئی۔ یہ یہاں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ میں اکثر اس کے لیے کچھ نہ کچھ لاتی رہتی ہوں، اب محلے والے اس کا خیال رکھتے ہیں۔"
"اوہ!" ربیعہ کو نجانے کیوں دادی جان یاد آ گئیں۔ وہ اداس ہو گئی تھی۔
"ہاں۔ جو چیز پھپھو اور صولت سے پوشیدہ رکھنا ہو، وہ میں یہاں اماں کے پاس رکھوا دیتی ہوں پھر مناسب وقت پر لے جاتی ہوں۔"
"مثلاً؟" ربیعہ نے ہنس کر اسے دیکھا۔
"مثلاً" یاری سے تحائف۔۔۔" ترانہ بھی ہنس دی۔ "وہی ایک دلکش راز ہے میری زندگی کا۔"
"اب یہ شاپرز کس وقت لاؤ گی؟" ربیعہ پوچھنے لگی۔
ترانہ نے اسے شوخی سے دیکھا تھا۔ ربیعہ جھینپ گئی۔
"آج ہی لاؤں گی محترمہ۔۔۔!" پھر وہ ہنس کر بولی۔ "مجھے خود بے حد اشتیاق ہو رہا ہے۔ پھپھو اور صولت کے سونے کا انتظار کرنا ہوگا۔"
ربیعہ نے سر ہلا دیا۔
گھر پہنچ کر ترانہ نہانے کے لیے غسل خانے میں گھس گئی تھی۔ ربیعہ کچن میں چلی آئی۔ مینا بیگم نے ٹٹولتی نگاہوں سے اسے گھورا۔
"یہ تم لوگ روزانہ باہر کیا کرنے جاتی ہو؟" وہ کچھ بد مزگی سے بولیں۔ "لڑکیوں کو زیب دیتا ہے؟"
ربیعہ تو جانے پر رضامند بھی نہ تھی۔ ترانہ اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی۔
"وہ۔۔۔ آنٹی۔۔۔ روٹیاں ڈال لوں؟" اسے کچھ اور نہ سوجھا۔
"ہاں!" وہ برسیں۔ "اور کم مت پکانا۔ روز تمہاری پکائی ہوئی روٹی کم پڑتی ہے۔ بے چاری صولت کو اکثر اپنے لیے آٹا گوندھ کر روٹی پکانا پڑ جاتی ہے۔ تمہیں تو احساس نہیں کسی کا جو نوکری کرتے ہیں ان کے دل سے پوچھو۔"
وہ بڑبڑانے لگی تھیں۔

ربیعہ خاموشی سے آٹا نکال کر گوندھنے لگی۔ مینا بیگم کو آج کچھ زیادہ ہی غصہ تھا۔

"صولت بھی تو ہے۔ مجال ہے جو بے وجہ گھر سے نکلنے کا نام لے۔ ٹائم سے جاتی ہے' ٹائم پر آتی ہے۔ یہ تمہیں بھی اپنے جیسا کر دے گی۔ لڑکیوں کو یہ آوارہ گردی زیب نہیں دیتی۔ پارک نہ ہوا مصیبت ہو گئی۔"

وہ بڑبڑائے جا رہی تھیں۔ غسل خانے کی چٹخنی گرنے کی آواز آئی تو ان کی زبان میں لگام پڑی۔ وہ سالن [گرم] کرنے لگیں۔

"اپنے پھپھا کو کھانا کھلا کر دوائی دے دینا ٹائم پر۔" وہ بولیں۔

"جی۔" ربیعہ نے محض اتنا ہی کہا۔

عباد سے ملاقات نے اس کو ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ اسے ان کی باتیں بھی بری نہ لگ رہی تھیں۔ بلکہ وہ ان کی باتیں اتنے دھیان سے سُن بھی نہ رہی تھی۔ اس کے ذہن میں عباد تھا۔ اس کی پُرخلوص نگاہیں تھیں جن میں اپنائیت تھی' محبت تھی۔ اس کے میٹھے لہجے میں بار بار اس سے رشتہ جتانا' اور اس رشتے کے حوالے سے اپنا حق جتانا اس کو بہت اچھا لگا تھا۔

"یہ تم مسکرا کیوں رہی ہو؟" مینا بیگم نے اسے چونکا دیا۔

وہ خفیف سی ہو گئی۔ وہ کھوجتی نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"کیا بات ہوئی؟"

"ایک لطیفہ یاد آ گیا تھا پھپھو!" ربیعہ کو بالآخر ان سے جان چھڑانے کو کہا۔

"یہ میں آنٹی سے پھپھو کیسے ہو جاتی ہوں؟" وہ بھڑکیں۔ "تم بہت میسنی لڑکی ہو۔"

"جی پھپھو۔۔۔۔ شاید!" اس نے مسکینی سے اعتراف کیا۔

وہ تنک کر باورچی خانے سے نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ منور امین کو دوائیاں دے رہی تھی' جب تمدن کمرے میں داخل ہوا۔ ربیعہ نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور منور امین کو پانی کا گلاس تھمانے لگی۔

"تم پارک میں کس لڑکے سے باتیں کر رہی تھیں؟" اس نے اچانک دھماکا کیا۔

ربیعہ اچھل کر رہ گئی۔ تمدن کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

"بولو!" وہ اسٹک کے سہارے چند قدم آگے بڑھ آیا۔ "کون تھا وہ؟"

"جی۔۔۔۔ وہ!" وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

"تم نے یہاں کس سے یارانے لگا لیے ہیں؟" وہ درشت لہجے میں بولا۔

"تمدن بھائی۔" ترانہ اس کی آواز سن کر وہاں آ گئی تھی۔ "مجھ سے پوچھیں۔ کیا پوچھنا ہے۔"

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ اس کی جانب گھوم کر بولا۔ "بہت واوا گیر بنتی ہو۔ میں ربیعہ سے پوچھ رہا ہوں اور یہی جواب بھی دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" ربیعہ بولی۔ "میں جواب دے دیتی ہوں۔ وہ میرا بھائی ہے۔ منہ بولا بھائی۔ ہم لوگ ٹرین میں ملے تھے۔"

"ٹرین میں۔ ہنہ۔!" تمدن نے حقارت سے ہنکارا بھرا۔ "چند گھنٹوں کے سفر میں بھائی بہن پیدا ہو گئے۔ جب تم اتنی آسانی سے رشتے جوڑ سکتی ہو تو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تمدن بھائی۔" ترانہ چیخی۔ "خدا کا خوف کریں کچھ۔"

تمدن نے مڑ کر اسے زوردار اسٹک ماری۔ وہ بلبلا اٹھی۔ ربیعہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ منور امین زور زور سے چلانے لگے۔

"ارے بے غیرت۔ بہن پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ کتے۔۔۔۔ کھوں کھوں۔۔۔۔ ارے تو کیوں ہمارے سینوں پر ناگ بن کر بیٹھا ہے۔۔۔۔ کھوں کھوں۔۔۔۔"

"خبردار جو آئندہ پارک کا رخ کیا تم دونوں نے۔" وہ لال آنکھوں سے انہیں گھورتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

"ارے اس لڑکی کو نکالو' میں کہتا ہوں۔" منور امین کھسک گئے۔ "ارے یہ اپنی ماں سے دو ہاتھ آگے ہے۔۔۔۔ کھوں کھوں کھوں۔۔۔۔ میں کہتا ہوں یہ کوئی فساد ڈلوا کر رہے گی۔"

ربیعہ منہ چھپا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

لان میں کھڑی کیاریوں کا جائزہ لیتی انیقہ چونک اٹھی۔ چند لمحے وہ تحیر کے عالم میں کھڑی گیٹ سے اندر داخل ہونے والے افراد کی آمد کے مقصد کے بارے میں خیال آرائی کرتی رہی' پھر جیسے ہی اس کی نظر وردہ کے ہاتھ میں تھامے مٹھائی کے بڑے سے ڈبے پر پڑی وہ اچھل ہی پڑی۔

آنکھوں میں بے تحاشا چمک دیتے قمقموں کو روشن کیے وہ دوڑی۔

"السلام علیکم۔۔۔۔" اس نے پورٹیکو پار کر کے لاؤنج کی سیڑھیوں پر قدم دھرتی شفیقہ حیات اور ان کی ہمراہی فردوس بیگم اور عذرا بیگم کو پھولتی ہوئی سانسوں سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔۔ جیتی رہو بچی۔" شفیقہ حیات نے اس کی پیشانی چومی۔

فردوس بیگم کے ماتھے کی سلوٹیں صاف گنی جا سکتی تھیں۔ عذرا بیگم خوش دلی سے مسکرا رہی تھیں۔ ان سے پچھلی لائن میں ایقان کی سربراہی میں وردہ اور رابعہ بیگم تھیں۔

انیقہ سب سے ملتی سب کا احوال پوچھتی انہیں لاؤنج میں لے آئی۔ بھاری بھرکم خواتین صوفوں میں دھنس کر سانس ٹھیک کرنے لگیں۔

"اچانک دھاوا برا تو نہیں لگا؟" ایقان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ارے آپی!" وہ ہنس دی۔ "کمال کرتی ہیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے یہ بھی اور اپنے گھر تو کسی وقت بھی آیا جا سکتا ہے اور برا ماننے کا کیا سوال؟ میں تو بہت خوشی محسوس کر رہی ہوں آپ لوگوں کو دیکھ کر۔"

"وہ تو کرو گی ہی بی بی۔" فردوس بیگم منہ ہی منہ میں بدبدائی تھیں۔ "سر کا بوجھ اتر رہا ہے۔"

"امی کو بلاؤ بیٹی!" شفیقہ حیات بولیں۔ "اور یہ شہلا کیا کر رہی ہیں؟"

"امی نہا رہی ہیں۔ شہلا آپی ڈیوٹی سے آ کر سو گئی تھیں۔ میں جگاتی ہوں انہیں۔" وہ خوشی سے نہال ہوئی جا رہی تھی۔ مڑ کر کمروں کی جانب تیزی سے بڑھ گئی۔

"ہاشم میاں نے بھی کمال ہی کیا ہے۔" شفیقہ حیات اس کی پتلی کمر کو دیکھتے ہوئے حسرت سے سانس بھر کر بولیں۔ "ہمیں کا خیال تھا تو۔۔۔۔"

ایقان پر نگاہ ڈال کر وہ باقی کے الفاظ ادا نہ کر پائیں۔ وہ برا سا منہ بنائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

اندرونی کمرے کا دروازہ کھول کر شہلا باہر آئی۔ سب ہی کی نگاہیں متجسس انداز میں اٹھی تھیں۔ سویا سویا روپ لیے شہلا نے کسی نگاہ کو مایوس نہ کیا تھا۔

وہ شاید نہا کر سوئی تھی۔ سیاہ بال نہایت محسوس ہوتی چمک لیے اس کے کاندھوں پر پریشان تھے۔ نیند کے
سے لبریز نگاہیں معصوم اور پُرکشش لگتی تھیں۔ قدرتی گلابی لب نرم انداز میں ہلکی سی جھینپی جھینپی سے
لیے بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ٹھوڑی کا سیاہ تل جگمگا رہا تھا۔ نکھرا نکھرا روپ اپنی بہار پر تھا۔

کسی کو کچھ غلط سوچنے کا موقع دستیاب نہ ہوا۔

"یہاں آؤ بیٹی! ہمارے پاس۔" شفیقہ حیات نے اپنے اور فردوس بیگم کے درمیان جگہ بنائی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی وہاں آکر بیٹھ گئی۔

انہوں نے بے اختیار ہی اس کی پیشانی چومی اور اپنی چند لمحوں پیشتر والی سوچ پر شرمندہ ہوئیں۔ اس کی پر شرم و حیا کا نور تھا۔ اس کے وجود سے اب تک الہڑ دوشیزاؤں کی مہک اٹھتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ سر سے تک بہار ہی بہار تھی۔ کہیں کچھ کمی نہ تھی۔ کوئی داغ نہ تھا' کوئی جھول نہ تھا۔

"معاف کرنا بیٹی!" وہ بولیں۔ "ہندو معاشرے کے درمیان ایک طویل عرصے رہے ہیں نا۔ ہماری سوچ اب تک ان کے غلط نظریات کے اثرات ہیں۔ حالانکہ مذہب اسلام تو خود سونے جیسا ہے۔ یہ تو اپنے ر رہنے والوں کو سنہرا کر دیتا ہے۔ ہندوؤں کو ہمارے ساتھ رہ کر احساس ہو گیا کہ ان میں کیا کچھ غلط ہے۔ وہ بیوا کے حقوق کی بات کرنے لگے ہیں۔ انہیں مردوں کے ساتھ جلا ڈالنے سے باز آگئے' ان کی دوسری شادی کے خود میں لچک پانے لگے۔ اور ہم مسلمان' ہم انہیں اپنی اچھی باتیں دے کر ان کی غلط سوچیں اپنے دامن تبرک کی طرح لیے بھرنے لگے۔

ہمارا مذہب تو کشادہ دلی کا مذہب ہے۔ وسیع النظری کی بات کرتا ہے۔ وہم' نحوست' سب کچھ شدت سے کرتا ہے۔ بیواؤں کو' مطلقہ عورتوں کو دوسری شادی کی پُرزور تلقین کرتا ہے۔ پورے معاشرے کو پابند کرتا ہے وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ کہیں کوئی عورت تنہائی کی تجرد کی زندگی بسر نہ کرے۔ مرد کی حفاظت اور ذمہ داری رہے۔ ہم لوگ یہ سب کہہ تو سکتے ہیں۔ عمل کرنے کا وقت آئے تو الٹے پھرتے ہیں۔"

تاسف سے بولتے ہوئے ان کی نگاہ منیزہ بیگم پر پڑی تھی' جو نجانے کب سے سامنے کھڑی ان کی گفتگو رہی تھیں۔ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے' مہمان کی منیزہ بیگم انہیں بہت بھائیں۔

"ارے... ہمیں خبر ہی نہ ہوئی۔" وہ جلدی سے اٹھیں۔

"السلام علیکم...." منیزہ بیگم نے مسکرا کر حاضرین کو سلام کیا اور شفیقہ حیات سے معانقہ کرنے لگیں فردوس بیگم بھی ساس کی تقریر کے زیر اثر دبا دبا مسکرائی تھیں۔ وہ بھی اٹھ کر منیزہ بیگم کے گلے لگیں۔ ملانے کے مراحل طے ہوئے ہی تھے کہ انیقہ نازک گلاسوں میں ٹھنڈا مشروب لیے چلی آئی۔ اور سب کو کرنے لگی۔

"ہم بتا کر نہیں آئے۔ معافی چاہتے ہیں۔" شفیقہ حیات نے مفرح شربت کا گھونٹ بھر کر کہا۔ "دراصل سب لوگ اکٹھے ہو کر رشتے کے متعلق بات کر رہے تھے تو لڑکوں نے شور مچا دیا کہ جب سب ہی کچھ طے ہو چکا ہے تو کیسی۔ آج ہی انگوٹھی ڈال کر آئیں اور برات کا دن طے کر لیں۔ پھر یہ ہماری صاحبزادی۔"

انہوں نے ایقان کی جانب اشارہ کیا۔ وہ مسکرانے لگی۔

"ان کے مغز میں کچھ سما جائے تو نکلنا مشکل۔ بچوں کی طرح دیوانی ہو کر ضد کرتی ہے۔ بھاگم بھاگ ہاشم میاں کے ساتھ جا کر انگوٹھی اور مٹھائی لے آئیں۔ آدھے گھنٹے میں سبھی کچھ ہو گیا۔ ہم نے بھی سوچا کیا رسوم و رواج اس قدر پابندی کرنا۔ عمر بیت گئی یہی سب کرتے کرتے۔ حاصل نہ وصول۔ ہم بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو آج

ہم بھی بچوں کی ماں کر دیکھیں۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ دیں..... پرائز....."
"سرپرائز!" وہ نچلا لب دبا کر بولی۔
"آں ہاں وہی۔"

سب ہی ہنس دیے شہلا سمیت، وہ از حد مطمئن دکھائی دیتی تھی۔ پچھلے دنوں کا وہ سارا اضطراب، سب بے چینی ختم ہو گئی تھی۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا اور مسرور محسوس کر رہی تھی۔ ایک نتیجے پر پہنچنا، بھنور سے کنارے پر پہنچنا لگتا تھا۔

"اجازت ہے بہن؟" انہوں نے پرس میں سے مخملیں ڈبیہ نکال کر منیزہ بیگم کو دیکھا۔
ان کی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پا کر اثبات میں سر ہلایا۔
شفیقہ حیات نے بسم اللہ پڑھ کر انگوٹھی شہلا کی انگلی میں ڈال دی۔ شہلا کا سر جھکا ہوا تھا۔ پلکیں بھاری بھاری لگنے لگی تھیں۔ لبوں پر شرمیلی مسکان کا راج تھا گالوں پر گلال پھیل رہا تھا۔
"ہائے اللہ!" ایقان نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "کیمرہ تو بھول ہی آئی میز پر۔ اب ہاشم لڑے گا مجھ سے۔"
"ہاں جی! جولا خفتا تو ہو تم..... تم سے یہی امید۔" شفیقہ حیات شہلا کی ہتھیلی پر لفافہ دھرتے ہوئے بولیں۔
"یہ تمہارے جوڑے کے پیسے ہیں۔ برا نہ ماننا۔ ہم نے ابھی داستان سنائی نا کہ کیسے آئے ہیں لشتم پشتم۔"

"یہ لیجئے ایقان آپی! آپ کے مسئلے کا حل۔" انیقہ نے کیمرہ لا کر اسے تھمایا۔ "ہمارے دولہا بھائی کے ساتھ کچھ زیادتی ہو گی۔"

سب ہی ہنس دیے۔
ایقان جلدی جلدی تصویریں کھینچنے لگی۔
اچانک ہی سب کی توجہ عمر نے اپنی جانب کھینچ لی۔ وہ غالباً ماں کے ساتھ سویا ہوا تھا اور اب اسے ساتھ نہ پا کر پریشان ہو کر باہر چلا آیا تھا۔ اتنے لوگ دیکھ کر وہ مزید پریشان ہو گیا اور جلدی سے شہلا سے لپٹ گیا۔
"مما!"

شہلا اپنی کیفیات سے پلک جھپکتے میں باہر آئی۔ عمر کے گرد بازوؤں کا مضبوط حصار بنا کر اس نے اس کی پیشانی پر بے ساختہ پیار کیا۔
حاضرین خاموش سے ہو گئے۔ فردوس بیگم گویا بغلیں جھانکنے لگیں۔ ان کے چہرے پر لکھی خفت صاف پڑھی جا رہی تھی۔ منیزہ بیگم نے آگے بڑھ کر عمر کو شہلا سے علیحدہ کرنا چاہا۔
"آؤ بچے..... نانو پاس آؤ..... میں آپ کو اوولٹین بنا کر دوں۔"
"نہیں....." وہ مچلا۔
"رہنے دیں امی! سو کر اٹھا ہے نا۔" شہلا نے محبت سے اس کے بال سنوارے۔
"اب مما کو تھوڑا فری ٹائم دو۔" عذرا بیگم نے ہنس کر ماحول خوشگوار کرنا چاہا۔ "اب آپ اپنی نانو کو تنگ کیا کرو۔ تمہاری مما کو تو ہم لے جائیں گے اپنے ساتھ۔"
عمر نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ شہلا سے لپٹا ٹکر ٹکر انہیں دیکھے گیا۔ اس کی نگاہوں میں خوف در آیا تھا۔ شہلا کے چہرے پر سے سایہ گزرا تھا۔ فردوس بیگم ماتمی انداز میں بیٹھی تھیں۔
"ماشاءاللہ..... چشم بددور..... نظر نہ لگے دولہے میاں کے بتیس دانتوں سے سجی مسکراہٹ کو۔"
ہاشم مسکراتے مسکراتے چونک اٹھا۔ ہنستا ہوا رافع مقابل تھا۔ ہاشم جھینپ گیا۔

"ارے تم کب آئے؟"
"جب آپ چاند میں محبوب کا مکھڑا دیکھ کر فل ٹائم مسکرا رہے تھے۔" وہ بمشکل خود پر قابو پا کر بولا۔ "بائی دا وے یہ نسبت طے ہوتے ہی شرمیلی لڑکیوں کی طرح آپ نے چھت کا رخ کیوں کر لیا؟ خیالی پلاؤ کی دیگ کیا چھت پر ہی پکتی ہے؟"
"چل نا بندر۔" ہاشم نے خفت مٹانے کو اسے مکا رسید کیا۔ "تو کیا سمجھے ہم سے دیوانوں کی دماغی کیفیت کو۔ میاں! احساسات کو سمجھنے کے لیے تجربات سے گزرنا پڑتا ہے اور اگر تجربے سے نہیں گزرے تو احساسات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہ دانت اندر کر لو۔"
"تجربے سے کیسے نہیں گزرے؟" رافع معنی خیزی سے بولا۔ "تجربے سے تو الحمدللہ ٹھیک ٹھاک گزرے ہیں۔"
"ہاں تو "ٹھیک ٹھاک" گزر گئے نا۔ مسئلہ یہی ہے۔ "ٹھک" سے لگی نہیں تمہیں۔ ورنہ تم بھی یونہی دانت نکوستے چاند کو دیکھ کر۔" ہاشم اپنی شرمندگی پر قابو پا چکا تھا اور اب مائل بہ ڈھٹائی تھا۔
رافع کی مسکراہٹ ہلکی ہوئی اور مفہوم بدلنے لگی۔ اب وہ کچھ سوچتا ہوا نظر آتا تھا۔
"یار رافع....." ہاشم نے ہلکورے لیتی ہوا کے سامنے سینہ سپر ہو کر کہا۔ "یار! ایک نظم لکھ میرے لیے۔" رافع چونک اٹھا۔
"کیا مطلب؟"
"یار! عجیب سی کیفیت ہے میری۔ اتنی بڑی خوشی سے گزر رہا ہوں اور..... اور..... مجھے خود سے ڈھیر ساری باتیں کہنے کا جی چاہ رہا ہے۔ ہوا کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر، چاند کی چاندنی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بھی مجھے ادھورے پن کا احساس ستا رہا ہے۔ جیسے کہیں کوئی کمی ہے۔ جیسے خوشی پوری طرح سے کھل نہیں رہی۔ جیسے میں خود سے ٹھیک طرح سے باتیں نہیں کر پا رہا۔ یار! ایسے عالم میں ایک چیز سہارا دیتی ہے۔ جانتا ہے کیا؟"
رافع اس کے چہرے پر بکھری خوشی حیران آنکھوں سے سمیٹ رہا تھا۔ وہ کچھ کہہ نہ پایا۔
"شاعری۔ دل کی تہوں سے نکلے سانچے میں ڈھلے الفاظ..... کیفیات کی تکمیل کرتے ہیں۔ یار رافع! قدرت نے تجھے ہم سے دیوانوں کے احساسات کی تکمیل کرنے کا ڈھنگ دیا ہے۔ ہمارے جذبات کی تشکیل کا ہنر ہے تیرے پاس یار رافع! کچھ کہہ..... کچھ بول..... کچھ سنا..... ایسی بات جو دل سے نکلے اور دل میں اتر جائے۔ مجھے سن کر یوں لگے جیسے تو نے میرے جذبات کو زبان دے دی ہو۔ جو بات میں خود سے نہ کہہ پایا، وہ بات کہہ دے میرے دوست!"
"کیا کہوں؟" رافع ہنس دیا۔ "کیا کہنا چاہتا ہے تو خود سے؟"
"اپنی خوشی کا مکمل احساس دلانا چاہتا ہوں خود کو۔ اس کے تصور کو حقیقت کی سطح پر لا کر اپنی خوشی شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ فرض کر رافع! اتنے سالوں تو کسی کو دیوانہ وار چاہتا ہو اور اچانک تجھے اس کی ہمراہی کا اعزاز حاصل ہونے لگتا۔ تو کیا کہتا؟"
رافع سوچ میں پڑ گیا۔ ٹھنڈی متوالی ہوا اس کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے گزری۔ بادل کے مہین غلاف کو ہٹا کر چاند نے جھانکا اور مسکرایا۔ جنگلی گلابوں کی بھیگی ہوئی خوشبو کسی جھونکے کا ہاتھ تھام کر اس کے بے حد قریب سے گزری۔ اس کی براؤن آنکھیں دور دیکھنے لگی تھیں۔ اس کا تخیل چاندنی کے ساتھ ساتھ بھٹکنے لگا۔
"اس کی ہمراہی بلاشبہ تمہاری بے لوث چاہت کا اعجاز ہے ہاشم۔" پھر وہ بولا۔ "جب اس سے ملو تو بتانا کہ....."

تری آنکھ کی یہ روشنی، میرے خونِ دل کی لکیر ہے
تری زلف کی یہ چاندنی مرے خوابوں کی تعبیر ہے
یہ کشش تھی میرے خیال کی جو یوں تھم گئے ہیں تیرے قدم
یہ تیری ادائے دلبری، میری چاہتوں کی اسیر ہے
میری بے بسی میں سوال ہیں، ترا نقش نقش جوابدہ
مری مہ رو کوئی بات کر! تو نہ بُت ہے نہ تصویر ہے

”اوہ... اوہ رافع!“ ہاشم نے بھینچ لیا۔ ”گریٹ!“
رافع حیران پریشان کھڑا تھا۔
”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ وہ بڑبڑایا۔ ”یہ سب کیا ہے؟“
خوشی میں مگن ہاشم نے کچھ نہ سنا تھا۔



”مری مہ رو کوئی بات کر۔ تو نہ بُت ہے نہ تصویر ہے۔“ ہاشم مسکرایا۔ وی سی پی پر لقمان کی اتاری ہوئی تصاویر انلارج کر کے دیکھ رہا تھا۔ کمپیوٹر اسکرین پر شہلا کا شرمگیں مسکراہٹ سے سجا ہوا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ اس کا سر قدرے جھکا ہوا تھا۔ آنکھوں کے دریچوں پر پلکوں کی چلمن گری ہوئی تھیں۔ ہاشم کو بے کلی محسوس ہوئی۔ ان نگاہوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔ محض ایک شرمگیں مسکراہٹ اس کے ہر سوال کا جواب نہ تھی۔
”کیسے گزریں گے یہ چند روز تمہارے بغیر...“ وہ بڑبڑایا۔ ”میں ان آنکھوں میں دیکھنا چاہتا ہوں شہلا! جہاں میرے کئی قیمتی برس قید ہیں۔ مجھے ان لمحوں کا سراغ چاہیے۔“
اس کے موبائل کی بپ بجنے لگی تھی۔ وہ چونک اٹھا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اپنے بیڈ کی جانب آیا۔ اسکرین پر روشن نمبر کے ساتھ شہلا کا نام درج تھا۔ ہاشم کے دل کی کلی کھل گئی۔
”ہاشم میاں... قبولیت کا وقت ہے مانگ لو اور کچھ...“ اس نے مسکراتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔
”السلام علیکم“
”وعلیکم السلام...“ اس کی مدھم آواز آئی۔ ”تعارف کی ضرورت تو شاید نہیں ہے۔“
”جی نہیں۔ میرے موبائل نے آپ کا تعارف کروا دیا ہے۔“ وہ شرارت سے بولا۔ ”کیسے مزاج ہیں حضور؟“
”جی... شکریہ!“
”خوش ہیں آپ؟“
وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔
”مطمئن ہوں!“ پھر وہ بولی۔
”چلیے!“ اس نے سانس بھری۔ ”اتنا بھی بہت ہے۔“
”مجھے ایک ضروری بات کرنا تھی ہاشم صاحب...! بے وقت آپ کو زحمت اسی لیے دی ہے۔“ وہ محتاط انداز اختیار کرنے لگی تھی۔
”مائی گاڈ!“ اس نے بے بسی سے کہا۔ ”شہلا پلیز! اجنبیت کی اس دیوار میں اب تو کوئی دریچہ وا کر لیجیے جہاں سے شناسائی جھانکے، دوستی مسکرائے۔ معنویت باتیں کرے۔ آپ تو بے مہری کی حد کرتی ہیں۔“ اس کے لہجے میں بے پناہ شکایت تھی۔ شہلا دھیرے سے ہنس دی۔

”اچھا... معافی چاہتی ہوں۔“
”ایک اور اجنبی جملہ...“ وہ فوراً بولا۔
وہ تذبذب کا شکار ہو کر خاموش ہی ہو گئی۔ ہاشم نے چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر تھک کر بولا۔
”چلیے کہیے۔ کیا کہنا چاہتی تھیں آپ... آپ کو شناسائی کی زبان نہیں آتی تو اجنبیت کی بولی میں ہی بات کریں۔ لیکن بات تو کریں۔“
”ہاشم صاحب...“
”صاحب ہٹا دیں۔“ آج وہ بے حد حق کے ساتھ بات کر رہا تھا۔
”اچھا ہاشم...“ وہ کھنکھنا رہی۔ گویا کسی کمی کا احساس ہوا تھا۔ ”میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ... عمر... عمر کے متعلق آپ نے کیا سوچا ہے؟“
”وہ سب کچھ جو عمر کے متعلق آپ سوچتی ہیں!“ وہ ہنسا۔ ”عمر کے معاملے میں کبھی بھی خود کو مجھ سے علیحدہ کر کے نہ سوچیے گا۔“
شہلا نے جیسے پُرسکون سانس بھری تھی۔
”میں عمر کو اپنے ساتھ رکھوں گی، ہر جگہ... خواہ وہ میری ماں کا گھر ہو یا آپ کا۔“
اچانک ہی ہاشم خاموش ہوا تھا۔ فاروق حسن کے چند الفاظ دماغ کے کسی خفیہ گوشے سے نکل کر حافظے کی سطح پر ابھر آئے تھے۔
”اس گھر میں ہماری نسل پروان چڑھے گی۔“ وہ سخت لہجہ، وہ ٹھوس اور حتمی بات۔
وہ کیسے بھول گیا تھا اتنی اہم بات! یہاں تو خیالات کا سخت ٹکراؤ ہونے جا رہا تھا۔
”آپ خاموش کیوں ہیں؟“ وہ جیسے ڈر کر بولی۔ ”دیکھیے آپ کے ذہن میں اگر کوئی اور خیال ہے تو ابھی کلیئر کر دیں۔ اتنا طے ہے کہ میں عمر کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“
ہاشم کے دماغ میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔
”شہلا... یقین کیجیے!“ فوراً سے پیشتر وہ بولا۔ ”میں زندگی کے ہر موڑ اور ہر معاملے میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ اور یہ تو آپ کی زندگی کا ایک بے حد اہم معاملہ ہے۔“
”میں چاہتی ہوں کہ آپ شادی سے پہلے ہی اپنے گھر میں یہ پوائنٹ کلیئر کر دیں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔ ”بعد میں کسی قسم کی بدمزگی نہ ہو۔“
”بہتر جناب!“ وہ بشاشت سے مسکرایا۔ ”مزید کوئی حکم؟“
”یہ حکم نہیں گزارش ہے۔ عاجزانہ التماس ہے۔“
”اوہ۔“ اس نے بے بسی سے آنکھیں میچ لیں۔ ”وہی غیریت سے بھرے الفاظ۔ آخر آپ کب اپنی لگیں گی؟“ شہلا نے جھینپ کر فون بند کر دیا۔
وہ بے حد احتیاط سے فارم فل کر رہی تھی۔ اپنے پچھلے ڈاکومنٹس وہ اپنے ساتھ ہی لائی تھی۔ ان میں سے ضروری ڈیٹا وہ بہت انہماک کے ساتھ فارم پر منتقل کر رہی تھی۔
کھٹ کھٹ کی آواز نے تمدن کی آمد کا پتا دیا تھا۔ ربیعہ نے ڈر کر جلدی جلدی سارے کاغذات تکیے کے نیچے کر دیے اور اوپر رسالہ رکھ کر پڑھنے لگی۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔ چند لمحے دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو کر وہ اس کی مصروفیت کا اندازہ کرتا رہا۔ ربیعہ رسالے میں پوری طرح محو دکھائی دیتی تھی۔

"پھپھو کہاں ہیں؟" بالآخر وہ بولا۔
"جی!" اس نے سر اٹھایا۔ "پھپھو سبزی خریدنے گئی ہیں۔"
"ہوں!" اس نے ٹٹولتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
پھر اس کی نظر تکیے کے نیچے سے جھانکتے کاغذ پر پڑی۔
"ایک کپ چائے بنا دو۔" وہ بولا۔
ربیعہ نے آنکھیں میچیں۔ وہ دل ہی دل میں یہی دعا مانگ رہی تھی کہ کہیں وہ اسے کسی کام سے اٹھا نہ دے۔
"جی اچھا!" وہ چند لمحے رک کر بولی۔ "ابھی بنا دیتی ہوں تمدن بھائی!" تمدن وہیں کھڑا رہا۔ ربیعہ **کسمسا کر رہ گئی۔**
"اٹھ بھی جاؤ۔"
ربیعہ نے بے بسی سے اس کی جانب دیکھا' پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر چپل پہننے لگی۔ وہ چاہتی تھی اس سے پہلے تمدن کمرے سے نکل جائے۔ اسے وہ کاغذات وہاں سے اٹھا لینے کا موقع مل جائے لیکن ایسا ناممکن لگنے لگا۔ وہ ہنوز وہیں کھڑا اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ربیعہ کو وہاں سے ہٹتے ہی بنی۔
اس کی جانب دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتی وہ کمرے سے نکل کر کچن میں چلی آئی۔ بے کلی اور اضطراب کے عالم میں اس نے جلدی جلدی ساس پین کھنگال کر چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا۔ باہر صحن میں گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ شاید مینا سبزی وغیرہ لے کر آ گئی تھیں۔ ربیعہ کو مزید وقت نے آ گھیرا۔ وہ باہر سے آ کر چند لمحوں کے لیے ضرور کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹتی تھیں۔ ان کے تکیے کے نیچے اس نے گویا پٹاخے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے دل میں ان پٹاخوں کے چلنے کی آوازیں ابھی سے گونج رہی تھیں۔
مینا کچن میں چلی آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ٹوکری تھی۔ ربیعہ نے جلدی سے ان کے ہاتھ سے ٹوکری لے لی۔
"سب سبزی دھو کر رکھنا ہے۔ قیمہ بھی لائی ہوں۔ دھو کر فریزر میں رکھو۔"
"جی!" وہ مریل انداز میں بولی۔ "چائے دوں آپ کو؟"
"نہیں۔ مجھے ہر وقت کی چائے پسند نہیں۔" وہ خفگی سے بولیں۔
"مم.... میں تمدن بھائی کے لیے بنا رہی ہوں۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔ مینا بیگم نے گھور کر اسے دیکھا۔
"لیموں لائی ہوں۔" پھر وہ بولیں۔ "مجھے سکنجبین بنا کر دو...."
"جی اچھا!" وہ فرماں برداری سے بولی۔
تمدن کے لیے چائے اور مینا بیگم کے لیے سکنجبین کا گلاس لیے وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ اس کی گویا روح قبض ہونے لگی۔
تمدن اس کا فارم ہاتھ میں لیے غور سے دیکھ رہا تھا۔ سب کاغذات اس کے سامنے پڑے تھے۔
"تمدن بھائی!" ربیعہ جلدی سے بولی۔ "یہ میرے ہیں۔"
تمدن نے خشمگیں نگاہیں اٹھائیں۔
"کس نے لا کر دیا ہے یہ؟"
"ترانہ نے۔" اس نے کمزور لہجے میں کہا۔
"کیوں منگوایا ہے تم نے؟" وہ غرایا۔

"مم.... میں پڑھنا چاہتی ہوں۔"
تمدن چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا، پھر اس نے فارم پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ربیعہ کے لبوں سے سسکی تک نہ نکل سکی۔ وہ دم بخود اس کی حرکت دیکھتی رہی۔
تمدن نے فارم کے ٹکڑے وہیں فرش پر پھینک دیے اور حقارت سے اسے دیکھنے لگا۔
"پڑھنا چاہتی ہو۔ کیا تیر مار لو گی چند کتابیں اور پڑھ کر۔ ترانہ اور صولت کی طرح کمانے نکل کھڑی ہو گی؟ ہم تمہیں پڑھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ تمہارے لیے ہم لوگوں نے کچھ اور سوچا ہے۔"
ربیعہ کے خاموش آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے۔ وہ کسی بت کی مانند ساکت کھڑی رہی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ قرعۂ فال میں اب کون سی سزا اس کے نام کی پرچی کے ساتھ نکلی ہے۔ لیکن اس کی قوت گویائی غم، غصے اور بھرپور احتجاج کو دبانے میں مصروف تھی۔ سو وہ اس کا ساتھ نہ دے سکی۔
"سبزی دھو کر رکھو اور کریلے پکاؤ آج۔" بینا بیگم بے حد مسرور نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے بڑھ کر ٹرے اس کے ہاتھوں سے لے لی تھی۔ ربیعہ بے جان قدموں کو گھسیٹتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔
ترانہ اسے ڈھونڈتی، آوازیں دیتی، چھت پر چلی آئی۔ پھر وہ سیڑھیوں کے پاس ہی کھڑی رہ گئی۔
ربیعہ چھت کے آخری کونے پر چھوٹی دیوار سے ٹیک لگائے ناہموار فرش پر بیٹھی تھی۔ اس کے انداز غیر معمولی تھے۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ ترانہ کی آمد پر وہ یوں کونے میں بیٹھی رہتی یا اس کی پکار کا کوئی جواب نہ دیتی۔ اب وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر ترانہ کو دیکھا تک نہ تھا۔
ترانہ کو پریشانی لاحق ہوئی۔ وہ اس تک پہنچی۔ ربیعہ کی گود میں اس کی ڈائری کھلی پڑی تھی۔ انگلیوں میں قلم ڈھیلے انداز میں جھول رہا تھا۔ ربیعہ کی نگاہیں ڈائری کے صفحے پر جمی ہوئی تھیں۔
"ربیعہ!" ترانہ اس کے قریب بیٹھ کر محبت سے بولی۔
"ہوں!" جواب آنے میں چند لمحے لگے تھے۔
"کیا بات ہے؟ تم یہاں کیوں بیٹھی ہو....؟"
ربیعہ نے ایک گہری سانس بھری۔
"نیچے بہت گھٹن ہے ترانہ میرا دل گھبرا رہا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ مجھے لگتا تھا میں مر جاؤں گی۔ اتنی گھٹن تھی اتنی.... اتنی...."
ترانہ گھبرا گئی۔ اس نے ربیعہ کا ہاتھ تھام لیا۔
"ربیعہ! کیا ہوا؟ کسی نے کچھ کہا تم سے؟"
اس نے نفی میں سر ہلا کر حلق میں گرتے آنسو نگلے۔
"پھر میں نے پہلے کبھی تمہیں اس قدر پریشان نہیں دیکھا۔"
"پریشان تھی۔ اب نہیں ہوں۔" وہ بولی۔
"یہاں بیٹھی کیا کر رہی تھیں؟" ترانہ کی الجھن اس کے ادھورے جوابوں سے بڑھ رہی تھی۔
"میں خود کو سمجھا رہی تھی۔" "کیا؟"
ربیعہ نے پہلی مرتبہ چہرہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں، بال بکھرے ہوئے تھے۔ ترانہ نے بے ساختہ ہی اس کی گود میں رکھی ڈائری کی جانب دیکھا۔
ربیعہ نے ڈائری اٹھا کر اس کے ہاتھوں میں دے دی۔ ترانہ اس کے چہرے پر ایک نگاہ ڈال کر ڈائری میں لکھی ہوئی تحریر پڑھنے لگی۔

اپنے کاندھوں پہ لیے اپنے گناہوں کی صلیب
وقت کی شاہراہ پہ ہم کیوں گامزن، کیا جانیے
کیوں نگاہیں بے مہر ہیں، کیوں تبسم زہر خند
کیا ہوئے اس شہر کے شیریں سخن، کیا جانیے
دل کہ سہتا تھا غلط انداز لہجے بھی پر اب
کیوں محض نظروں سے ہوتی ہے تھکن، کیا جانیے
کیا کہیں عزلت نشینی کیوں ہمیں راس آگئی
کس سے تنہائی میں ہیں محو سخن، کیا جانیے

ترانہ نے اسے الجھی الجھی نظروں سے دیکھا۔
"یہ سب کیا ہے ربیعہ؟ کس نے لکھا ہے یہ؟" "میں نے!" اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔
"تم نے؟ کیوں؟"
"کتھارسس کے لیے.... شاید...." وہ بے یقینی سے بولی۔
ترانہ کا سر جھک گیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔ اسے شاید کوئی سرا ہاتھ آیا تھا۔ "تم نے فارم فل کیا؟"
ربیعہ نے خالی خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"ترانہ.... تمدن بھائی نے میرا فارم پھاڑ دیا۔" اس کے گلے میں آنسوؤں کی نمی سی گھلنے لگی۔ "وہ کہتے ہیں، مجھے پڑھائی کی ضرورت نہیں وہ کہتے ہیں سب گھر والوں نے میرے لیے کچھ اور سوچا ہے۔"
"کیا؟" ترانہ بولی۔ "کیا سوچا ہے؟"
اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے نہیں پتا۔"
ترانہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اس نے سر اٹھایا۔
"تم ٹھیک کہتی ہو ربیعہ! تمہاری جیسی لڑکی اس گھر میں رہے گی تو ضرور مر جائے گی.... میں.... میں تمہارا ایڈمیشن کروا دوں گی اور تمہیں ہاسٹل میں کمرہ بھی دلوا دوں گی۔ تم بالکل فکر مت کرو۔"
"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"
ممانی کی آواز پر وہ دونوں بری طرح سے چونکی تھیں۔ وہ نجانے کب آ کر ان کے سروں پر کھڑی ہو گئی تھیں۔ ترانہ اور ربیعہ سر اٹھائے انہیں دیکھنے لگیں۔ ان کے لبوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی۔
"کیا کہنا چاہتی ہیں پھپھو آپ؟" ترانہ نے دلیری سے پوچھا۔
"ربیعہ کو نہ کہیں جانے کی ضرورت ہے، نہ پڑھائی کی۔ ہم اس کے بڑے ہیں۔ اس کے متعلق زیادہ بہتر سوچ سکتے ہیں۔" "پھر کیا سوچا" "بڑوں" "نے؟" ترانہ نے تلخی سے پوچھا۔
"تمدن ربیعہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" وہ اطمینان سے بولی تھیں۔ "اور میرے خیال میں اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بن ماں باپ کی بچی کا ٹھکانا بھی پکا ہو جائے گا۔"
ترانہ نے ہراساں ہو کر ربیعہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ "شوں" کر کے کوئی پھلجڑی چھوٹی تھی۔ ربیعہ کے چاروں جانب دھماکے ہونے لگے۔
اس کی آنکھوں نے دیکھنا چھوڑ دیا۔ کانوں نے سننا موقوف کیا۔ ذہن نے سوچنا بند کیا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ روئے زمین پر تنہا کھڑی تھی۔ بالکل تنہا۔
(باقی آئندہ)

کھنوائی۔۔۔ وہ کیا ہوتا ہے یار! وہ لے کر پڑ گئی ہیں۔۔۔ انھیں بھئی۔۔۔ دولہا کی پھپھو ہیں خیر سے۔ کوئی ڈھول تاشے، کوئی گانے شانے یار۔۔۔"

ایقان چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول بھال کر مسکرانے لگی۔

"ہاں پھپھو! وہ کون سا گانا تھا جو آپ سلائی مشین کا ڈبہ بجا کر گایا کرتی تھیں اپنی گڑیا کی شادی میں؟" رافع ذہن پر زور دینے لگا۔

"میں لکھ لکھ بھیجوں بتاشے میں۔۔۔" ہاشم کو ٹکڑا یاد آ گیا۔

"اللہ ہٹو بھی۔۔۔" ایقان کو بے حد شرم آئی۔ "کون کون سی باتیں یاد کر رہے ہو بے وقوفو۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ کیا تھا وہ۔۔۔ میں لکھ لکھ بھیجوں بوتل میں، سیاں آؤ گے کون سے ہوٹل میں۔۔۔" رافع کو پورا مصرعہ یاد آ گیا۔

پھر دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

"پھپھو! یہ گانا تو ضرور سننا ہے آپ سے۔ آخر آپ کی عزیز از جان سہیلی کی شادی ہے۔" ہاشم خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اے رانجھے۔!" رافع نے اسے چھیڑا۔۔۔ "تو عزیز از جان بھتیجا بھی کہہ سکتا تھا لیکن وہ کیا کہا ہے شاعر نے۔ بات کوئی ہو تیرا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔"

ہاشم کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے کئی رنگ بکھرے۔ ایقان اب دل چسپی اور شوق سے ان کی باتیں سنتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

"ہر بات میں پھپھو کی سہیلی کا ذکر نکال لیتا ہے یہ۔"

"ارے یار! الکم زباں بندی کی اس قدر طویل سزا بھگتائی ہے، اسی کا ردِ عمل ہے یہ۔" ہاشم نے بات کا اثر کم کرنے کی کوشش کی۔ "اندر اتنا اسٹاک جمع ہے، وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے۔"

ایقان چند لمحے محبت سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"تم بھی سوچتے ہو گے ہاشم! اچھی بھلی طے شدہ تقریب میری وجہ سے۔۔۔"

"اوفوہ۔۔۔ یار پھپھو!" اس نے فوراً ہی اس کی بات کاٹی۔ "آپ سمجھتی ہیں، ہم میں سے کوئی بھی ایسا سوچ سکتا ہے؟ آپ ہماری ہیں۔۔۔ ہم میں سے ہیں۔۔۔ غیروں کی سی بات کیوں کی آپ نے۔۔۔ ہمارے دکھ سکھ، خوشی، غم، تکلیف، راحت سب مشترکہ ہے یار! اور پھر خوشی کو تو ہم اپنی مٹھی میں قید کر چکے ہیں۔ اب یہ بھاگنے والی نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیے۔"

"اور جھٹ پٹ بھلی چنگی ہو کر ڈھول سنبھالیں۔۔۔ وہ گانا ہم نے ضرور ہی سننا ہے۔۔۔" رافع نے مزے سے فرمائش داغی۔

"کوئی نہیں سننا گانا وانا۔۔۔" ایقان نے صاف انکار کیا۔ "میں ہرگز اتنے پرانے گانے نہیں گاؤں گی۔۔۔ لوگ کیا سوچیں گے۔۔۔ یہ اتنی پرانی خاتون ہیں۔"

ہاشم اور رافع نے ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگایا۔ اس مرتبہ ایقان بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔



"تائی امی۔۔۔ اندر آ سکتا ہوں۔؟" وہ پر شوق انداز میں اندر جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

زیورات کی جانچ پڑتال کرتی ہوئی فردوس بیگم یکلخت ہی بوکھلا اٹھیں۔

عریشہ 'نافع کے رشتے کا سنتے ہی منگنی سے انکار کر دیتی ہے۔ لیکن فاروق حسن سمجھا بجھا کر اسے راضی کر لیتے ہیں۔
رافع شاعری شروع کر دیتا ہے۔ اس کی نظم ہاشم کو بہت پسند آتی ہے۔
ابرار' شہلا کو فون کرتا ہے اور دوبارہ تعلقات کی استواری کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ شہلا سنتے ہی دنگ رہ جاتی ہے۔
ایقان کے دوبارہ استفسار پر شہلا' ہاشم کے لیے نیم رضا مندی کا اظہار کرتی ہے۔ فردوس بیگم بھی بیٹے کی خواہش پر مجبور ہو جاتی ہیں۔
ترانہ' ربیعہ کو یونیورسٹی کا فارم لا کر دیتی ہے۔ تصور کی حرکتیں صولت کی نظر میں جاتی ہیں۔ جس پر وہ ربیعہ پر گھناؤنے الزام لگاتی ہے۔ جس پر ترانہ' صولت کو تھپڑ مارتی ہے اور اسے سنگین نتائج کی دھمکی دیتی ہے۔
انیقہ' ابرار جیلانی کو چھپ کر فون کرتی ہے۔ اور اسے شہلا کے رشتے کے متعلق بتاتی ہے۔ وہ یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ عمر کو شہلا سے نہیں چھینے گا۔
پارک میں ربیعہ کی ملاقات دوبارہ عباد سے ہوتی ہے۔ تمدن۔ پارک میں ربیعہ کو عباد کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور اس کے پارک جانے پر پابندی لگا دیتا ہے۔
فردوس بیگم اپنی ساس اور نند کے ساتھ جا کر شہلا کو منگنی کی انگوٹھی پہناتی ہیں' شہلا' ہاشم پر واضح کر دیتی ہے کہ وہ شادی کے بعد عمر کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ ہاشم اس کی بات مان لیتا ہے۔
تمدن' ربیعہ کو یونیورسٹی فارم بھرتے دیکھ لیتا ہے اور اس کا فارم پھاڑ دیتا ہے۔ جس کا ربیعہ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اس پر غم کا پہاڑ اس وقت ٹوٹتا ہے جب مینا بیگم تمدن سے اس کی شادی کا اعلان کرتی ہیں۔

۱۶

سولہویں قسط

ترانہ کو اپنے حواس بحال کرنے میں کچھ وقت لگا۔ وہ گم صم بیٹھی ربیعہ کو ایک نظر دیکھتے ہوئے مینا کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔
"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں پھپھو؟" وہ قدرے ترش لہجے میں بولی۔ "شادی کسی فرد واحد یا اس کے گھر والوں کی خوشی اور مرضی کا نام تو نہیں ہے۔ شادی تو بندھن ہے' دو افراد کو آپس میں جوڑتا ہے۔ کسی ایک شخص کی مرضی کے تحت بندھن نہیں بندھ جاتے۔ ربیعہ کی مرضی جانے بغیر آپ نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا۔
مینا بیگم نے ربیعہ کی جانب دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں بے پناہ تحقیر تھی۔
"اس کی کیا مرضی ہو گی؟ اکیلی لاوارث لڑکی' جس کا نہ کوئی آگے نہ پیچھے۔ ہم ہی ہیں اب اس کے سرپرست۔ اور مشرقی لڑکیاں اپنے سرپرستوں کے سامنے زبان نہیں کھولتیں۔۔۔ اسے تو سہارا ہی چاہیے' سر چھپانے کو چھت چاہیے' کھانے کو دو وقت کی روٹی چاہیے۔ مل رہا ہے نا یہاں اسے یہ سب کچھ۔۔۔ پھر رشتہ جوڑنے میں اعتراض کیسا؟ یوں تو یہ کوئی ہاسٹل ہے نہ دارالامان' تمدن سے اس کا نکاح ہو جائے تو لوگوں کے منہ بھی بند ہو جائیں گے۔ اسے عزت مل جائے گی۔ بندے کا نام مل جائے گا۔ ابھی یہ ہے کیا؟"
"پھپھو!" ترانہ از حد تاسف سے بولی تھی۔ "یہ ایک مکمل ذات ہے' اگر اس کے سر پر باپ کا سایہ نہیں یا ماں کی نرم گود اسے میسر نہیں تو اس سے اس کی ذات ادھوری نہیں ہو جاتی۔ یہ ایک وجود ہے' ٹھوس حقیقت۔ اس کو جو کچھ مل رہا ہے یہ اس کی پائی پائی کا حساب چکا رہی ہے۔ جسمانی' روحانی' ذہنی تھکن۔ ہر طرح سے قیمت ادا کر رہی ہے یہ اس عظیم احسان کی جو ہم اس کو یہاں رکھ کر کر رہے ہیں۔ اور کن لوگوں کی زبانوں کی فکر ہے آپ

کو؟ یہ محلے والے؟ چند ایک دور دراز کے رشتے دار جو محض کسی کے مرنے پر بمشکل پرسہ دینے پہنچتے ہیں۔ اگر آ ان ہی لوگوں کی بات کر رہی ہیں تو آپ کی یادداشت بہت کمزور ہے پھپھو! ان ہی لوگوں نے صولت کے بھی....."

"ترانہ!" مینا بیگم کی آواز غم و غصے سے پھٹ گئی۔ "زبان کو لگام دو.... تم جانتی ہو تم کس سے مخاطب ہو!"

"ایسا ہی افسوس ابھی ربیعہ کو ہوا پھپھو! مجھے ہوا' اب آپ کو ہوا تو آپ نے جانا کہ زبان کا غلط استعمال کی اذیت پہنچا سکتا ہے۔" ترانہ نے تاسف سے گہری سانس بھری تھی۔

"یہ ہاسٹل یا دارالامان نہیں۔ ٹھیک ہے.... یہ لڑکی اگر یہاں آنے کے بجائے کسی دارالامان کا رخ کرتی تو شا شاید اس کی ذہنی اذیت یہاں کے مقابلے میں کچھ کم ہی ہوتی۔"

"مجھ سے کیا بحث کر رہی ہو تم!" وہ دانت کچکچا کر بولیں۔ "اپنے بھائی سے کیوں نہیں پوچھتیں جا کر جو بے تاب ہو رہا ہے۔ پھر اپنے باپ سے پوچھو جس نے اس لڑکی کو بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ یہ یہاں ر مجھے تو سونے کے انڈے نہیں دیتی۔"

"ضرور پوچھوں گی۔" ترانہ بپھر کر بولی "ربیعہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔ خواہ میرا اپنا بھائی بے تاب یا باپ.... یہ ایک جیتی جاگتی سانس لیتی' باشعور لڑکی ہے۔ اور یہ گھر.... بے در کا گنبد ہے۔"

"ٹھیک ہے...." مینا بیگم قدرے سہولت سے بولیں۔ "پہلے تم ربیعہ کی مرضی تو پوچھ لو نا' کیا خبر اسے اس رشتے پر اعتراض نہ ہو۔ تمدن میں کوئی برائی تو نہیں ہے۔ چھڑے چھانٹوں کے مزاج تو کچھ بھڑکیلے ہوتے ہی ہیں شادی کے بعد سب ہی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ بیوی کی ماننے لگتے ہیں۔" وہ نرم پڑنے لگیں۔

"پھر یہ بھی تو دیکھو کہ ہم سب ربیعہ سے کتنا پیار کرنے لگے ہیں۔ یہ تو ہم سب کی ضرورت بن گئی ہے۔ تمہارے ابو تو اس کے بغیر نہ کھانا کھاتے ہیں' نہ دوائی پیتے ہیں۔ تم سے اور صولت سے اس کی بہنوں جیسی دو ہے۔ تمدن تو خیر اس کے گن گاتا ہی ہے تصور بھی بہت لگاؤ رکھتا ہے اس سے.... پھر اتنی اچھی لڑکی کو ہم پرا گھر بھیجیں اور پرائی' ان جانی لڑکی بیاہ کر اپنے گھر لائیں تو یہ تو کھلی بے وقوفی ہی ہوگی نا! نجانے آنے والی کیسی ہو والوں سے اس کا برتاؤ کیسا ہو.... ربیعہ تو ہم میں بالکل گھل مل گئی ہے۔ خون اپنا ہو تو محبت کی خوشبو تو محسوس ہو ہے نا! شادی تو ہم نے ربیعہ کی بھی کرنا ہے اور تمدن کی بھی۔ پھر کیوں نہ رشتے داری کو مزید مضبوط کر دیا جائے بھئی' آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

ان کے لہجے میں اصرار تھا۔ ترانہ اب کسی سوچ میں گم تھی۔ مینا بیگم نے سر جھکائے بیٹھی ربیعہ کو ایک نظر دیکھا پھر ترانہ کے تاثرات جاننے کی کوشش کی۔

"اب دیکھو نا ترانہ!" وہ بے حد میٹھے لہجے میں بولیں۔ "تمہارے ابو کی دیکھ بھال کتنا مشکل مرحلہ ہے۔ اللہ انہیں لمبی عمر دے.... لیکن عمر تو رب تعالیٰ لکھتا ہے نا.... نجانے ابھی انہوں نے کتنے سال اسی طرح پلنگ پر گزارنے ہیں۔ میں کہتی ہوں یہ ربیعہ کا ہی حوصلہ ہے جو یہ ان کی ایسی بہترین دیکھ بھال کرتی ہے۔ ایک بیٹی ہی باپ کی ایسی خدمت کر سکتی ہے۔ آج کل کی بہوؤں کا تو کام نہیں ہے یہ۔"

ترانہ نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

"ہم اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کر بیٹھیں پھپھو! جو کچھ بھی ہو' اس کی خوشی کے مطابق ہونا چاہیے۔ یہ یہاں اپنی مرضی سے' بنا کوئی نیا رشتہ جوڑے بھی رہنا چاہے تو یہ اس کا حق ہے۔ اور اگر اس کی سوچ میں تبدیلی آئے تو یہ بھی اس کی مرضی ہوگی۔"

"تو تم پوچھ لو نا!" وہ مسکرائیں۔ "لڑکیاں اپنے دل کی باتیں اپنی سہیلیوں سے ہی کرتی ہیں۔ اور اتنے عرصے سے تم دونوں ایک دوسرے سے اپنے دل کی باتیں کہتی آ رہی ہو۔ جانتی ہو ایک دوسرے کو' میں کہتی ہوں' ایک دن اس موضوع پر کھل کر آپس میں گفتگو کر لو۔ تم اپنے بھائی اور باپ کی طرف سے اپنی سہیلی کو قائل کرنے کی کوشش کرو۔ بھلا کون سی ایسی ناممکن بات ہے؟ ہم کوئی جبراً تو نکاح نہیں پڑھوا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ترانہ بولی "کرتے ہیں بات' پھر میں آپ کو اس کا جواب بتا دوں گی۔"

"ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر سر ہلایا۔

جاتے جاتے وہ ربیعہ کے سر پر دست شفقت پھیر کر گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آپی! سچ میں تو ڈر ہی گئی۔ اس کا چہرہ بالکل پتھر کا ہو رہا تھا اور آنکھوں میں کوئی احساس' کوئی جذبہ نظر نہ آتا تھا۔ بالکل روبوٹ لگ رہی تھی۔"

وردہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے گہری سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ ناعمہ نے ذرا ٹھہر کر اپنی بات کا اثر دیکھنا چاہا۔ خاصی مطمئن ہو کر ری اسٹارٹ ہوئی۔

"اور ممانی جان! انہیں تو نجانے کون سا خیال ستا رہا تھا' پہلے تو انہوں نے کوشش کی کہ میں عریشہ سے ملے بغیر ہی چلی جاؤں پھر واپسی پر مجھے روک کر بولیں کہ کسی سے کچھ کہنا نہیں.... ان کا مطلب تھا عریشہ کے رویے کے متعلق۔"

وردہ نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر بھی تم مزے لے لے کر مجھے سب کچھ بتا رہی ہو۔ حالانکہ تمہیں یہ بات خود تک محدود رکھنا چاہیے تھی۔"

"اوہو!" وہ جھنجلائی۔ "آپ کو ہی بتا رہی ہوں نا۔ کوئی ڈھول لے کر محلے میں تو نہیں نکل گئی۔ اور یوں بھی آپی! آپ کو تو پتا ہے میرے پیٹ میں درد ہو جاتا ہے کوئی بات چھپانے کی کوشش کروں تو۔ اس لیے کم از کم کسی ایک بندے سے تو ڈسکس کرنا ہی پڑتا ہوتا ہے۔ عموماً وہ بندہ آپ ہی ہوتی ہیں۔"

"مجھے ہی بتا رہی ہو یا مجھ سے پہلے بھی کہیں پہنچا آئی ہو۔" وردہ نے اسے گھورا۔

"میری توبہ' اس نے کان پکڑے۔ "ممانی جان مجھے گردن سے پکڑ لیں گی۔"

"کم از کم عذرا ممانی کے گھر یہ بات نہ پہنچے۔" وردہ نے اسے تنبیہہ کی۔ "ثانیہ یا سدرہ سے اس موضوع پر بات مت کرنا۔"

"ثانیہ سے۔" اس نے ڈر کر لبوں پر زبان پھیری۔

"کر چکی ہو؟" وردہ نے اسے بری طرح سے گھورا۔

"آپی.... وہ تو منگنی کے دوسرے دن کی بات ہے...." وہ منمنائی۔ "ہم تو منگنی پر ڈسکشن کر رہے تھے۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا' شاہینہ بولی تھی کہ عریشہ کا منگنی کے دن رویہ نارمل نہیں تھا۔"

"ہاں خیر...." وہ بڑبڑائی۔ "یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ سب ہی نے محسوس کر لیا تھا' لیکن زیادہ تر افراد نے اسے اہمیت نہ دی۔ سب ہی جانتے ہیں کہ عریشہ سرپھری سی لڑکی ہے' ذرا سی بات پر خفا ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن اتنے دن بعد بھی وہ نارمل نہیں ہوئی' تب یہ فکر کی بات ہے۔ آخر وہ چاہتی کیا ہے؟ اگر اسے نافع پسند نہ تھا تو اسے ہامی ہی نہیں بھرنا چاہیے تھی۔"

"بے چارہ نافع!" ناعمہ نے تاسف سے سر ہلایا۔ "پھنس گیا بری طرح سے۔"
"بس فضول ہی بولنا تم۔۔۔ مجھے تو تمہارا ہی خوف رہتا ہے ہر وقت کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ بک دیتی ہو اور پھر ا کو باتیں سننا پڑتی ہیں۔" وردہ نے اسے فوراً ڈانٹا۔
"رائمہ آپی کی شادی پتا نہیں کیوں پہلے کروی امی نے۔" اس نے منہ بنایا۔ "آپ کی کر دیتیں تو میری ان بیٹھیوں سے جان چھوٹتی۔ بس سمجھ کر میں اپنے دل کی باتیں کرتی ہوں' آپ فوراً" ڈانٹنا شروع کر دیتی ہیں۔ رائمہ آپی اتنی دلچسپی سے میری باتیں سنتی ہیں۔ خوب ہاں میں ہاں ملاتی ہیں۔ اور اگر میں کوئی نئی تازی نہ سناؤں ا ان کا تو دن ہی بے کار جاتا ہے۔"
وردہ کو بے ساختہ ہی ہنسی آگئی۔
"میں تمہارا اینٹی بدھو پن اسکواڈ ہوں' اس لیے۔" اس نے خفا بیٹھی ناعمہ کے سر پر ایک چپت لگائی۔
"سمجھتی تو کچھ ہو نہیں' سوچنا تمہیں ویسے ہی نہیں آتا۔ بی جمالو بنی پھرتی ہو اور اپنی اس ڈیوٹی پر بہت خوش بھی رہتی ہو۔"
"اچھا۔۔۔ تو محترمہ عقل کل صاحبہ! ذرا سی روشنی پھینکیے اپنی عقل کے مینار سے اور بتایئے کہ میں نے کون سا بدھو پن کا مظاہرہ کیا ہے۔ عریشہ نافع سے منگنی کر کے خوش نہیں ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھے کیوں حکم زباں بندی اس قدر شدت سے مل رہا ہے؟"
وردہ خاموش ہو کر اسے گھورنے لگی۔
"جانتی ہو نا اس گھر کے بزرگوں کو' گھر کے رشتے گھر ہی میں جوڑنے کا کتنا کریز ہے۔ لڑکوں کے خاندان سے باہر جانے کا تصور ہی ان کے لیے کتنا روح فرسا ہے۔ ہاشم بھائی بے چارے ابھی تک سخت تنقید کی زد میں ہیں۔ اسی حساب سے لڑکیوں کی مائیں بھی یہی کچھ سوچتی ہیں۔ نافع کے لیے عریشہ اور تمہارا دونوں نام زیر غور رہے ہیں پھر بزرگوں نے فیصلہ عریشہ کے لیے سنایا۔۔۔ کیونکہ۔۔۔" وہ کہتے کہتے جھجکی۔ "وجہ تم جانتی ہو۔۔۔ اب اگر تمہارے منہ سے یہ پروپیگنڈہ کسی نے سن لیا کہ عریشہ اس رشتے سے ناخوش ہے تو جانتی ہو اس کا منطقی نتیجہ کیا نکلے گا؟ سب یہ کہیں گے کہ تم جل رہی ہو۔۔۔ کیونکہ تمہیں چھوڑ کر عریشہ کو منتخب کیا گیا۔"
"ہائے اللہ۔" وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔ "مجھے کیا خبر تھی' میں تو اب شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔"
وردہ کو ہنسی آگئی۔ "کیوں' یہ نافع اتنا برا تو نہیں ہے بے چارہ۔۔۔ تم لڑکیاں اتنا بدک کیوں رہی ہو۔ خوب صورت' خوب سیرت' سلجھا ہوا لڑکا ہے۔"
"بھئی مجھے خاندان میں شادی کرنے کا قطعاً" شوق نہیں ہے۔" اس نے ناک سکوڑی۔ "بچپن سے جنہیں دیکھتے آ رہے ہیں انہیں بڑھاپے تک برداشت کیے جاؤ' کوئی سزا ہے یہ ہماری؟"
"یہ آئیڈیلزم ہی تو مار رہا ہے اس دور کی لڑکیوں کو۔" وردہ کو غصہ آیا۔ "میڈیا نے اور غضب ڈھایا ہے۔ لڑکیاں خود کو جانے کون سی مخلوق تصور کرنے لگی ہیں۔ ناک کے نیچے کوئی سماتا ہی نہیں۔ ٹی وی اسکرین توڑتا ہو کوئی ہیرو زندگی میں آگھسے اور ہاتھ پکڑ کر واپس فلمی دنیا میں لے جائے جہاں ڈوئیٹ سانگز ہوں اور عشقیہ ڈائیلاگز یہی چاہتی ہو نا تم لوگ؟"
ناعمہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔
"اب سب آپ کی طرح تو نہیں ہوتیں اللہ میاں کی بکری۔" وردہ کو غصے کے باوجود ہنسی آئی۔
"یہ مثال کو کیا ہوا؟"
"اب آپ کو گائے تو کہنے سے رہی۔ بائیس انچ کی کمر ہے۔ آپ کے لیے یہی مثال مناسب ہے۔"

"اور جو کچھ میں نے عرض کیا اتنی دیر میں، وہ پلے پڑا آپ کے؟" اس نے تنبیہی انداز میں پوچھا۔ اس نے معصومیت سے سرہلا دیا۔



"میں پوچھتی ہوں اب کتنے دن سوگ مناؤ گی اپنی مری ہوئی ماں کا؟" فردوس بیگم کا حوصلہ جواب دے گیا تھا۔ وہ تن فن کرتی اس کے سر پر آکھڑی ہوئیں۔ "ایسی فتنہ لڑکیاں..... توبہ توبہ..... لوگ یونہی تو نہیں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ خبر ہوتی ہو گی انہیں کہ جوان ہو کر منہ کو آئیں گی یہ بالشت بالشت بھر کی چھوکریاں..... سروں میں خاک ڈالیں گی..."

عریشہ ماں کے تیور دیکھ کر اندر سے سہم گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ ایک ہفتے سے وہ نہ ڈھنگ سے کھاتی پیتی تھی، نہ کسی سے بات کرتی تھی۔ منہ دھونا، بال بنانا، کپڑے بدلنا سب ہی چھوڑ رکھا تھا۔ گلابی رنگت پیلی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے۔

فردوس بیگم چند لمحے پیچ و تاب کھاتی رہیں پھر اس کی صورت دیکھ کر نظریں چراتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔ "صبر اور حوصلہ تو رہا ہی نہیں لڑکیوں میں..... ناشکری سی ناشکری..... ارے ایسا کون سا پہاڑ توڑ دیا ہم نے تمہارے سر پر..... منگنی ہی کر دی ایک دیکھے بھالے بچے سے..... وہ بھی تمہاری محبت میں..... کہ بٹی کو لاڈوں سے پالا ہے، کہیں اور دینے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ ہماری بچی ہماری نظروں کے سامنے رہے گی۔ ہماری آنکھیں اور کلیجہ ٹھنڈا رہے گا لیکن بچی نے تو مانو اندھیر مچا ڈالا۔ اٹوائی کھٹوائی لے پڑی ہے، سو پڑی ہے۔ اب ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں؟ ناک رگڑیں؟ پیر پڑیں تمہارے؟ اپنے سر پر جوتے ماریں؟ کیا کریں جو تم خوش ہو، بتاؤ؟"

"بہت خیال رکھا آپ نے میری خوشی کا..... شکریہ۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اب مزید میں کیا چاہوں گی؟ اپنی آنکھیں، اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کا سوچا تھا، میرے سر کیا احسان ہے؟ میری آنکھیں تو تب سے سلگ رہی ہیں اور ہمیشہ سلگیں گی۔ میرے تصور کی دنیا میں آگ لگ گئی ہے۔ اب مجھے کسی سے کیا؟ آپ خوش ہو گئیں۔ آپ کو مبارک ہو، اب میرا خیال نہ کریں۔"

"کیسے نہ کریں خیال؟ تمہارا خیال نہ کریں اپنی عزت کا تو کریں گے۔ بات پھیلے گی تو ہماری رسوائی ہو گی۔ تمہارا کیا جائے گا۔ تم تو ہیروئن بنی کونے میں پڑی رہو گی۔ لوگوں کو تو جواب ہم دیں گے..... کیا ہیں کے کیا آسیب کا سایہ ہے ہماری لڑکی پر؟ ارے بیٹا! چھوڑو یہ ڈرامے۔ ماں باپ کی عزت کا کچھ لحاظ کرو۔ ارے نہیں کرنی تھی تو منع کر دیتیں باپ کو۔ اب ہو گئی تو بھگت لو۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھیں۔ عریشہ بیٹھی ہونٹ چباتی رہی۔

اتنا جلدی کیسے بھول جاتی۔ دل کی دنیا بسنے سے پہلے ہی اجاڑ دی گئی تھی۔ ابھی تو آنکھوں نے خوش رنگ سپنے بننے کا آغاز ہی کیا تھا۔ ابھی تو دھڑکنوں نے نئی تال پر دھڑکنا شروع کیا تھا۔ ابھی تو آنکھوں سے روشنی پھوٹتے کچھ وقت ہی گزرا تھا۔ سپنا مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے جھنجوڑ کر جگا دیا گیا تھا اور اب حواس بحال نہ ہونے کی شکایت بھی کی جا رہی تھی۔ اس میں کچھ وقت تو لگنا تھا۔ تتلی کے رنگ اس کی انگلیوں پر رہ گئے تھے۔ ان رنگوں کو مٹنے کے لیے کچھ عرصہ درکار تھا۔

ماں باپ بھی کبھی کبھی کتنے بے مروت ہو جاتے ہیں۔ جس اولاد کی خوشی کا لمحہ لمحہ خیال کر کے اسے پروان چڑھاتے ہیں، جسے شروع سے احساس دلاتے ہیں کہ تمہاری خوشی ہی ہمارا سب کچھ ہے۔ اسی اولاد کی رگ جاں سے سب سے خوش کن احساس کو نوچ کر علیحدہ کر ڈالتے ہیں۔ زندگی بھر چھوٹی چھوٹی خوشیاں ڈھیر کرتے رہتے ہیں

اور جہاں زندگی کی سب سے بڑی خوشی کا معاملہ آتا ہے، وہاں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ زبان کے مسئلے کھڑے ہوتے ہیں، عزتوں کی بات ہوتی ہے۔ خاندان سے تعلق یاد آتا ہے اور جو بات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، اسے بھول جاتے ہیں۔

زبان..... ہر شے سے بڑھ کر اور دل؟

عزت..... ہر شے سے زیادہ اہم اور جذبے؟

خاندان..... وجود کی بنیاد اور روح؟

دل، جذبات، روح پیاسے رہ جائیں۔ زبان، عزت، خاندان، خون جگر سے اپنے ہونے کا خراج مانگیں۔ دل کی ناقابل برداشت اذیت سے آنکھوں میں آنسو بھر آئیں تو یہ ایکٹنگ قرار پائے۔ ڈراموں میں، فلموں میں، قصوں میں، کہانیوں میں، افسانوں میں کیا کچھ بھی سچ نہیں ہوتا؟ آنسو کب جھوٹ بولتے ہیں؟ زبان جھوٹ بول سکتی ہے لیکن آنسو ہمیشہ سچ کہتے ہیں۔

عریشہ جتنا سوچتی، اتنا الجھتی تھی۔ اسے بھولنا چاہتی تھی لیکن وہ آواز خوابوں میں بھی اسے ستاتی تھی۔ وہ سوچتے سوچتے تھک جاتی۔ مگر الجھن کا سرا ہاتھ نہ آتا۔ اسے کیسے فراموش کرے، نئی زندگی کی ابتدا کیسے کرے، خود کو کیا کہہ کر سمجھائے؟ اس وقت جذباتیت، شوریدہ سری اور غم و غصے کا شدید غلبہ تھا۔ وہ کچھ فیصلہ کرنے کے قابل نہ تھی۔



"شربت بنا دوں؟" منیزہ بیگم نے انیقہ کو محبت سے دیکھا۔ وہ کالج سے آئی تھی اور بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ شوز اتار کر لاؤنج میں ہی صوفے کے گداز پن کا لطف اٹھا رہی تھی۔ پنکھا پوری رفتار سے چل رہا تھا۔

"آپ رہنے دیں امی!" اس نے سر اٹھایا۔ "میں خود کچن میں آتی ہوں، بھوک لگی ہے۔"

"آج لنچ نہیں کیا؟" وہ فکر مند ہوئیں۔ "پانچ بج رہے ہیں۔"

"آج بہت مصروفیت رہی۔" وہ اٹھ کر بال سمیٹنے لگی۔ "لنچ کا ٹائم کہاں ملا۔ چائے تک نہیں پی۔"

"ہاں صدقے۔" وہ افسوس سے بولیں۔ "پہلے کیوں نہ بتایا۔ خیر اب جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر آؤ، میں کھانا گرم کر رہی ہوں۔"

"پپا؟" اس نے شہلا کی بابت استفسار کیا۔

"وہ تو ڈھائی بجے آ گئی تھی۔ دونوں ماں بیٹا سو رہے ہیں۔" وہ بتاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ سالن کا ڈونگا مائیکرو ویو اوون میں رکھ کر وہ تازہ روٹیاں پکانے لگیں۔ انیقہ نے پیچھے سے آکر ان کی گردن میں لاڈ سے بازو حمائل کر دیے۔

"سارا دن لگی رہتی ہیں، ہم سب مل کر کتنا ستاتے ہیں آپ کو۔" وہ ان کے شانے پر سر ٹکا کر بولی۔

"ماں کا کام ہی یہی ہے۔" وہ مسکرائی۔ "کبھی بیمار پڑ جاؤں تو خدمت بھی تو تم لوگوں کو کرنا ہے۔ ماں کی زندگی اپنی اولاد کے لیے ہی وقف ہوتی ہے اور اولاد کی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔"

"پھر بھی امی..... مجھے کبھی ایسا لگتا ہے جیسے ہم لوگ بہت تنگ کرتے ہیں آپ کو۔"

"پاگل لڑکی....." وہ ہنس دیں۔ "چلو، میز پر سالن رکھو اور کھانا شروع کرو۔ باتوں میں ہی تم نے سب کچھ ٹھنڈا کر دینا ہے۔"

"بڑے لاڈ ہو رہے ہیں بھئی" شہلا کی آواز پر وہ دونوں مڑی تھیں۔

وہ لبوں پہ مسکراہٹ لیے کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔ آج کل وہ ہر وقت مسکراتی نظر آتی تھی۔

"جی ہاں!" انیقہ مزے سے بولی۔ "امی اب پوری طرح سے میرے تصرف میں آنے والی ہیں۔ عباد بھائی لاہور میں اور آپ سسرال میں۔ میں اور امی خوب جی بھر کر باتیں کیا کریں گے۔"

"باتیں تو میں اب اپنی بہو سے کروں گی، تمہیں تو میں پڑھائی مکمل ہوتے ہی بیاہ دوں گی۔" انہوں نے ہاٹ پاٹ میز پر رکھ کر ہنستے ہوئے کہا

"امی!" انیقہ نے احتجاج کیا۔ "ناٹ فیئر! مجھے کچھ تو لطف اٹھانے دیں، آپ کے پورے پورے پیار کا۔"

شہلا بھی گفتگو سے لطف اندوز ہوتے ہوئے میز پر آ بیٹھی تھی۔

"بھئی تم کیسے لطف اٹھا سکتی ہو۔" وہ بولیں۔ "میرا نواسا جو ہے۔ خدا اسے سلامت رکھے، وہ کہاں تمہیں لاڈ کرنے دیتا ہے مجھ سے۔"

شہلا ان کا مطلب سمجھ گئی تھی یکدم سنجیدہ ہو گئی۔

"شہلا!" منیزہ بیگم نے اب اسے مخاطب کیا۔ "بیٹا! وہ لوگ کل شام آ رہے ہیں نکاح کی تاریخ رکھنے۔ کل تمہارا آف ڈے ہے نا، اسی لیے میں نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا۔ یوں بھی نیک کام میں تاخیر مناسب نہیں۔ میں اب دن تو کیا پل پل گن رہی ہوں۔ کب وہ مبارک گھڑی آئے اور میں تمہیں دلہن کے روپ میں دیکھوں۔"

"امی!" وہ کچھ دیر بعد بولی تھی۔ "میں عمر کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

منیزہ بیگم نے کچھ دیر سوچا پھر مسکرا دیں۔

"شروع شروع میں تو مناسب معلوم نہیں ہوتا بیٹی! ہاشم میاں ماشاء اللہ سلجھے ہوئے، نیک طبیعت آدمی ہیں پھر بھی ان کے بھی جذبات و احساسات کا خیال تمہیں کرنا ہوگا نا۔ ہاں چند ماہ بعد جب زندگی کی گاڑی ایک طے شدہ راستے پر چل نکلے تو آہستہ آہستہ اس گھر میں عمر کی جگہ پیدا کر لینا۔ تب تک میں عمر کا ویسے ہی خیال رکھوں گی جیسا تم خیال کرتی ہو۔ میں اس کی ماں جیسی ہوں۔ مجھے اس کی نانی نہ سمجھو۔ ہمیشہ سے وہ تم سے زیادہ وقت میرے ساتھ گزارتا ہے۔"

شہلا کی پلکوں پر نمی چمکنے لگی تھی۔

"میں اس کے بغیر کیسے جی پاؤں گی؟ ساری رات مجھے اس کا خیال ستائے گا۔ وہ رات کو تو میرے بغیر کسی صورت نہیں رہتا۔"

"بہل جائے گا، بچہ ہے۔ تم کون سا میلوں دور جا رہی ہو، دن میں دو بار آ سکتی ہو اسے دیکھنے۔"

"میں زیادہ دن اس کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی۔" وہ آنکھوں کے گوشے صاف کرتے ہوئے بولی۔ "میں بس ہفتہ بھر میں لے جاؤں گی اسے۔"

"پگلی ہو۔" منیزہ بیگم مسکرائیں۔ "میرا بھی اعتبار نہیں ہے؟"

"آپ کا اعتبار نہ ہوتا تو کبھی ہامی نہ بھرتی۔" وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

"اچھا یہ بتاؤ، اگلے چاند کی تاریخ ٹھہرا دیں؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگیں۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ "اس راہ پر چلنا ہی ہے تو سوچنا کیا؟"

انیقہ بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تو پھر طے ہے بہن، اگلے چاند کی دس تاریخ؟" شفیقہ حیات نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" منیزہ بیگم کے روم روم سے مسرت کی لہریں نکل رہی تھیں۔

"چلیے پھر منہ میٹھا کرتے ہیں۔" انیقہ نے ڈائننگ ٹیبل کی جانب اشارہ کیا، جہاں اس نے بے حد پر تکلف قسم کا اہتمام کیا ہوا تھا۔

سی گرین کلر کے کڑھائی والے لباس میں شہلا صوفے پر بیٹھی تھی۔ سر پر آنچل لیے، نگاہیں جھکائے وہ خالصتاً "مشرقی لڑکیوں کے انداز میں بیٹھی کارروائی ملاحظہ کر رہی تھی۔ وہ وہاں آنے سے بھی گریزاں تھی اور اپنے کمرے میں ہی بیٹھنے پر مصر تھی، لیکن ایقان اور انیقہ اسے پکڑ لائی تھیں۔

ایقان چند لمحوں میں ہی اپنی پلیٹ بھر کر اس کے قریب آ بیٹھی تھی اور اب بے حد شوق سے ایک رول کھا رہی تھی۔ شہلا کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ گہرے سبز رنگ کے لباس میں بے حد بھرے بھرے گداز جسم کی مالک روشن و شاداب چہرہ لیے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ شہلا چند لمحے اس پر سے نظر نہ ہٹا سکی۔

"تم بھی کھاؤ نا۔" ایقان اس کی توجہ محسوس کر کے بولی۔ "ہم سے کیسی جھجک۔ ہم تو سب تمہارے جانے پہچانے دیکھے بھالے ہیں۔ یہ لو گلاب جامن میرے ہاتھ سے کھاؤ۔"

اس نے اپنی پلیٹ میں رکھا گلاب جامن اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ بیشتر حاضرین محفل مسکرانے لگے تھے۔ شہلا نے خفت سے اسے دیکھتے ہوئے ٹشو سے منہ صاف کیا۔

"تم ایقان کی بچی....." وہ بولی تھی۔ "سدھرو گی نہیں۔"

"یہ جملہ میرے لیے مخصوص ہو چکا ہے۔" ایقان ہنسی۔

اس کی ہنسی میں شرارت تھی۔ شہلا اسے پھر سے بغور دیکھنے پر مجبور ہوئی۔ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ وہ غالباً ہر شے سے مکمل انصاف کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھی۔

"پھر کچھ دن تمہارے منہ میں؟" ایقان نے شرارتاً پوچھا۔

شہلا جھینپ گئی۔

ایقان اپنی پلیٹ مزید بھرنے کے ارادے سے اٹھی تو فردوس بیگم وہاں آ بیٹھیں پھر انہوں نے غور سے شہلا کی جانب دیکھا۔

"کچھ کھاؤ تم بھی۔ جان بناؤ! ڈیوٹیاں کر کر کے کیسی دبلی ہو رہی ہو۔"

شہلا ہنس کر خاموش ہو گئی۔

"اب اچھی بھلی نوکری تو تم چھوڑو گی نہیں۔ نہ ہی ہم کوئی زور زبردستی کریں گے، تمہاری اپنی مرضی ہے۔ کمانا چاہتی ہو تو شوق سے کماؤ لیکن چھٹیاں لے لینا، ماہ دو ماہ کی۔ آخر ہمارے بھی تو کچھ ارمان ہیں۔ پہلا پہلا لڑکا ہے ہمارا..... کچھ تو شوق پورے کر لیں۔"

انہوں نے حسرت سے سانس بھری تھی۔ شہلا خفیف سی ہو گئی۔

"وہ....." وہ بے وجہ ہی کھنکھاری۔ "عریشہ نہیں آئی؟"

"ارے ہاں..... آج کل کی لڑکیاں اپنی مرضی کی مالک..... ہم نے تو بہتیرا کہا، بہن نے سمجھایا..... وہ منہ لپیٹے پڑی رہیں۔ بے چاری کی طبیعت خراب ہے کافی دن سے۔"

"خیر تو ہے۔" شہلا بولی۔ "کیا ہوا ہے؟ آپ لے آتیں تو میں چیک اپ کر لیتی۔"

"ارے نہیں۔" وہ مزید گھبرائیں۔ "ایسی کوئی خاص بات نہیں، سر درد کی شکایت کرتی ہے۔ میں نے کہا نظر چیک کروا لو۔"

انہوں نے جلدی سے بات سنبھالی پھر موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"عمر کہاں ہے؟"
"جی وہ باہر لان میں ہے۔ ایقان کے بچوں کے ساتھ۔"
"اچھا اچھا... مومن میاں کا دوست ہے نا۔"
"جی ہاں۔" شہلا مختصراً بولی۔
"ماں سے ملنے آؤ تو اس سے بھی مل جایا کرنا، شروع شروع میں تو تنگ کرے گا ناں کو، پھر بہل جائے گا۔" شہلا نے چونک کر سر اٹھایا۔ قدرے فاصلے پر کھڑی انیقہ کے چہرے نے کئی رنگ بدلے۔
"اب ایسے بچوں کا تو مسئلہ اٹھتا ہی ہے بعد میں۔ یہ تو پہلے سوچنے کی باتیں ہیں۔"
اس سے پہلے کہ شہلا کچھ بول پاتی، وہ وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔ شہلا کی الجھی ہوئی نگاہیں انیقہ کی محتاط نظروں سے ٹکرائیں۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔



گلاس ڈور بے فکری سے کھول کر اندر آتا نافع بری طرح سے چونکا تھا۔
وہ سامنے پڑے صوفے پر بیٹھی تھی۔ گیلے بال اس کے تازہ غسل کا پتہ دے رہے تھے۔ لائٹ مسٹرڈ اور لائٹ گرین کامبی نیشن کا سوٹ پہنے وہ قدرے افسردگی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ بیمار سی لگ رہی تھی۔ بے خبری کا یہ عالم تھا کہ اسے نافع کی آمد کا علم ہی نہ ہو سکا تھا۔
وہ پلیٹ میں پڑا آملیٹ بے دلی سے کھا رہی تھی۔
نافع شوخی سے کھنکھارا۔
عریشہ نے اداس نظریں اٹھائیں اور ایک دم گڑبڑا گئی۔
"آپ..." اس ایک لفظ میں بیزاری، کوفت، ناپسندیدگی سب ہی کچھ تھا۔ وہ گڑبڑا سا گیا۔
"ہاں وہ... علی... مجھے اس نے مس کال دی تھی۔"
"علی اوپر ہے..." وہ بے نیازی سے بولی۔
پھر یوں سر جھکا کر بیٹھ گئی تھی جیسے اس کے وہاں سے جانے کی منتظر ہو۔
نافع چند قدم آگے بڑھا شاید اسے کچھ خیال آیا تھا۔
"تم شہلا آپی کے گھر نہیں گئیں، اتنے اہم موقع پر؟"
"نہیں۔" وہ مختصراً بولی۔
نافع نے اس کی صورت دیکھی۔
"کسی سے لڑائی ہو گئی ہے کیا؟" وہ مسکرایا۔
اس کی بچکانہ طبیعت سے چھوٹے بڑے سب ہی واقف تھے۔ عریشہ نے خاموش نظریں اٹھا کر چند لمحے اسے دیکھا پھر دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ اس کی نظروں میں نجانے کیسی غیریت تھی کہ نافع سے پھر کچھ نہ بولا جا سکا۔
وہ چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔
اچانک ہی دل و دماغ شدید قسم کی بغاوت پر اتر آئے تھے۔ اس نے پلیٹ میں رکھا آملیٹ بیزاری سے پرے سرکا دیا۔ نمک دانی ہاتھ مار کر گرا دی۔ میز پہ رکھا اخبار اٹھا کر نیچے پھینک دیا۔ اور پھر جیسے بے بس ہو کہ میز پر سر رکھ کر رونے لگی۔

وہ اس قدر خاموش تھی کہ ترانہ کو اسے مخاطب کرتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے محض ربیعہ کی خاطر چھٹی کی تھی اور صبح سے اس سے بات کرنے کے بہانے تلاش رہی تھی۔
اور ربیعہ روبوٹ کے سے انداز میں روز مرہ کے کام کر رہی تھی۔ کوئی اس سے کچھ پوچھتا تو وہ اسے میکانکی انداز میں جواب دے دیتی اور پھر اپنے کام میں لگ جاتی۔
ترانہ اس کی کیفیت کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اسے ربیعہ سے ڈر لگ رہا تھا۔ یہ ربیعہ بے حد اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے گانگی نہ تھی لیکن شناسائی کا جذبہ بھی نہ تھا۔ بجھی بجھی نگاہوں سے وہ اس کی سمت دیکھتی تو ترانہ نظریں چرا لیتی تھی۔ ترانہ اس سے کچھ کہنے کے لیے پر تولتی تو وہ کترا جاتی۔
پھر ترانہ کو ایک ترکیب سوجھ ہی گئی۔ صولت، تصور اور تمدن گھر پر نہ تھے۔ مینا بیگم حسب معمول محلے کے ٹور پر نکلی ہوئی تھیں۔ ترانہ نے چپکے سے ربیعہ کو دیکھا اور چادر لے کر گھر سے نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ لوٹ آئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں شاپرز تھے۔
"ربیعہ!" وہ شوخی سے بولی۔ "دیکھو تو میں کیا لائی ہوں؟"
ربیعہ بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔
"تمہارے گفٹس۔" ترانہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ "جلدی سے کھول کر دیکھ لو پھر انہیں اپنے سوٹ کیس میں رکھ لو اس سے پہلے کہ کوئی آ جائے۔"
"یہ تم رکھ لو ترانہ۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔ "میں بھلا ان کا کیا کروں گی؟"
"میں؟" ترانہ کو حیرت ہوئی۔ "لیکن یہ تمہارے لیے ہیں ربیعہ! یہ میں نہیں لے سکتی اور پھر ذرا کھول کر تو دیکھو کیا کیا ہے؟"
اس نے بات کرتے ہوئے شاپرز بستر پر الٹ دیے۔ بہت سی چیزیں نکل کر وہاں ڈھیر ہو گئی تھیں۔ کچھ کتابیں تھیں، چاکلیٹ کے ڈبے تھے، ایک خوبصورت ڈائری، قیمتی پین سیٹ اور کچھ اسٹفڈ ٹوائز تھے۔ ترانہ ایک ایک چیز اٹھا کر شوق سے دیکھتی رہی پھر اس نے کچھ کہنے کے لیے اشتیاق سے سر اٹھایا تھا کہ ربیعہ کو دیکھ کر وہ چونک گئی۔ ربیعہ کہیں اور دیکھ رہی تھی۔ وہ نجانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اپنے لب دانتوں سے کچلتے ہوئے وہ غالباً آنسو پیچھے دھکیلنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔
"ربیعہ!" ترانہ نے بے ساختہ ہی اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "اتنی اداس کیوں ہو؟"
"کچھ نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔
ترانہ چپ ہو گئی۔ سب ہی کچھ تو اس کے علم میں تھا۔
"گفٹس اچھے ہیں نا؟" وہ پھر بولی۔
"ہاں۔" ربیعہ جیسے بے خیالی میں بولی تھی۔
"انہیں سنبھال کر رکھ لو۔" ترانہ نرمی سے بولی۔
"انہیں تم رکھ لو ترانہ۔ میں بھلا ان کا کیا کروں گی۔" وہ یاسیت سے بولی تھی۔
"میں... میں بھی ان کا کیا کروں گی ربیعہ؟" ترانہ نے سب چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا۔ "یہ سب تو تمہارے لیے خریدا گیا ہے۔ ایک بات پوچھوں، بہن بن کر؟"
ربیعہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"تم..." ترانہ جھجکی۔ "تم تمدن بھائی سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ ہے نا؟"

ربیعہ سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو گھورنے لگی۔
"تم... عباد کو چاہتی ہو؟" ترانہ نے آہستگی سے پوچھا۔
ربیعہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اس کی نگاہوں میں تحیر تھا۔
"ترانہ! میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے بالآخر لب کھولے اور گلے میں گھلتی نمی کو محسوس کیا۔ "میں بس اتنا جانتی ہوں کہ میں مردوں سے الرجک ہوں۔ کیوں' کب' کیسے..... ان سوالوں کے جواب نہیں ہیں میرے پاس۔ بس میں شادی نہیں کر سکتی۔ میں یہاں' اس گھر میں ساری عمر بتانے کو تیار ہوں ترانہ! میں.... میں پھپھا جان کی خدمت کروں گی..... جب تک ان کی یا میری زندگی ہے' میں تمدن بھائی اور تصور بھائی کی شادیوں کے گیت گاؤں گی' ان کی دلہنوں کے چاؤ اٹھاؤں گی..... پھپھو کے لیے صولت بن جاؤں گی لیکن پلیز ترانہ! مجھ سے شادی کے لیے اصرار نہ کرو۔ مجھے اس سے بچالو' ورنہ.... ورنہ شاید میں مر جاؤں گی۔"
وہ سسک اٹھی۔ ترانہ اس کی پشت سہلانے لگی۔
"پگلی..... میں تو نجانے کیا سمجھ بیٹھی۔ مجھے لگتا ہے ربیعہ! تمہاری زندگی میں کچھ ایسے حادثات گزرے ہیں جنہوں نے تمہیں مردوں سے متنفر کر دیا ہے' ورنہ تمہاری عمر ایسی نہیں کہ تم اس قدر گہرائی سے ان معاملات کا تجزیہ کر سکو۔"
"کچھ بھی سمجھ لو۔" ربیعہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "تم تمدن بھائی کو سمجھا دو ترانہ! انہیں بہت اچھی لڑکی مل سکتی ہے۔"
"تم بھی تو بہت اچھی ہو ربیعہ!" ترانہ نے محبت سے کہا۔
ربیعہ چونک کر ترانہ کی جانب دیکھنے لگی۔ گویا اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔
"دیکھو ربیعہ! اگر بات یہ ہوتی کہ تم تمدن بھائی کو ناپسند کرتیں تب میں کسی کو بھی تم سے زبردستی نہ کرنے دیتی یا اگر تم کہیں اور شادی کرنے کی خواہش مند ہوتیں جیسا کہ عباد سے ———— تب بھی ایک ٹھوس وجہ بنتی لیکن محض اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ تم شادی نہیں کرو گی۔ یہ بات ماننے والی نہیں ہے۔ آج نہیں تو کل تمہیں یہ قدم اٹھانا ہی ہوگا تو پھر آج ہی کیوں نہیں اور.... اور اگر تمہارے ذہن میں واقعی کوئی امیج' کوئی آئیڈیل نہیں ہے تو پھر...."
وہ جھجک کر خاموش ہو گئی۔ ربیعہ نے اب کی بار سر اٹھا کر اسے نہ دیکھا۔ وہ جان چکی تھی کہ ترانہ کا مطلب کیا ہے۔
"ربیعہ!" ترانہ اس کے ہاتھ تھام کر خوشامد سے بولی۔ "ربیعہ! تم اس گھر کو سنبھال سکتی ہو' سنوار سکتی ہو۔ تمہاری "ہاں" اس گھر کا مقدر بدل ڈالے گی' مجھے یقین ہے...."
ربیعہ کے اندر آنسو گرنے لگے۔ طوفانی ہوائیں زور پکڑنے لگیں۔ اس کا دل شدت سے نفی میں سر ہلانے لگا لیکن وہ ساکت بیٹھی رہی۔
"پھپھو نے حقیقتاً" میری آنکھیں کھول دیں۔ مجھے نظر آنے لگا کہ اس گھر کی خوشیاں صرف تمہارے وجود سے وابستہ ہیں۔ یہاں چاہتوں کے گل و گلزار فقط تم کھلا سکتی ہو۔ اتنی محبت' اتنی طاقت میں نے تم میں پائی ہے ربیعہ! تم ایک غیر معمولی لڑکی ہو۔ اس گھر کے معمولی افراد کو اپنا کر غیر معمولی کر سکتی ہو۔ میں جانتی ہوں ربیعہ! میں بہت زیادہ طلب کر رہی ہوں لیکن محض تمہارے اندر موجزن بھلائی کے سمندر کے سہارے میری اتنی ہمت ہو پائی ہے۔"
ربیعہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ترانہ دونوں ہاتھوں سے اور نہایت شدت سے اس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔ اس سے

سانس لینا محال ہونے لگا تھا۔
"بولو نا ربیعہ!" ترانہ جیسے خود بھی کسی سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔
ربیعہ خاموشی سے اپنے بہتے آنسو صاف کرنے لگی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور اس کا انداز ہار مان لینے والا تھا۔ ترانہ نے گویا سکون کا سانس لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

موبائل کی بیپ بہت دیر سے بج رہی تھی۔ عاشر بہت تھک کر سویا تھا' اس لیے اسے شعور کی کیفیت میں آنے میں کچھ وقت لگا۔
"ہیلو؟" بدقت تمام اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔
"ہیلو۔" نزا کی شوخ آواز گونجی۔ "کیسے ہو ڈارلنگ؟۔"
"فائن۔" وہ مکمل طور پر حواسوں میں آنے کی کوشش کرنے لگا۔
"لگتے تو نہیں ہو۔ خیر کیا کر رہے ہو؟"
"اس وقت تو تم سے باتیں کر رہا ہوں۔" وہ بیٹھ کر جماہی لینے لگا۔ "چند لمحوں قبل سو رہا تھا۔"
"اوہ..... میں نے تمہاری نیند خراب کی۔ سوری۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔
اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی نفی کر رہا تھا۔
"کہیے میم! کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی؟"
"خدمت میں آپ کی کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ہنسی۔ "آپ کیا پسند کریں گے؟"
"کیا؟" اس نے ایک اور جماہی لی۔
"میری خدمات....."
"مثلاً"؟"
"مثلاً" یہ کہ چھٹی کا دن ساتھ گزارتے ہیں' میں تمہارے لیے کوئی اچھی سی ڈش بناؤں گی۔ ہم لنچ ساتھ کریں گے اور آؤٹنگ پر چلیں گے۔"
"ہوں۔ اس پورے پروگرام میں آپ کی خدمت محض لنچ بنانے تک محدود ہے مادام؟۔"
"جو آپ چاہیں' پروگرام میں شامل کیا جا سکتا ہے۔" وہ بے باکی سے بولی تھی۔
عاشر کو رگوں میں لہو گرم ہوتا محسوس ہوا۔
"کافی اوپن مائنڈڈ ہیں آپ۔" وہ ٹالنے والے انداز میں بولا۔
"صرف تمہارے لیے۔" اس نے جتایا۔
"مائی گاڈ۔" اس نے سرہلایا۔ "تم کچھ کر کے رہو گی۔"
"شیور۔" وہ ہنسی۔
"یا پھر میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا۔
"مائی پلیژر۔" وہ گنگنائی۔
"یار..... تم چاہتی کیا ہو؟" وہ زچ ہوا۔
"آجاؤں؟"
"اوکے۔" اس نے ہار ماننے والے انداز میں کہا۔

"سو نائس آف یو ڈارلنگ....." وہ خوش ہو گئی تھی۔
عاشر نے موبائل آف کر دیا۔ دونوں بازوؤں کا تکیہ بنا کر وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ آج کا پورا دن وہ سو کر گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس نے گیارہ بجے ہی اٹھا دیا تھا۔ ساری نیند آبی بخارات کی مانند اڑ گئی تھی۔
وہ گہری سوچ میں گم تھا پھر سر جھٹک کر وہ نہانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

ہاشم آفس جانے کی تیاری میں مصروف تھا۔ ٹائی صحیح انداز میں سیٹ کرنے کے بعد اب پلین وائٹ شرٹ کے کف لنکس لگا رہا تھا۔ ایک نظر اس نے آئینے پر ڈال کر بالوں میں جلدی جلدی انگلیاں چلائیں۔
"کافی ہینڈسم ہو یار!" اس نے اپنے عکس سے کہا اور مسکرایا۔
فون کی بیل بج رہی تھی۔ وہ برش کرتا ہوا وہاں تک آیا۔
"ہیلو ہاشم از ہیئر۔"
"ہیلو..... ہاشم انکل..... میں عمیرات کر رہا ہوں۔" معصوم آواز کی چہکار گونجی تھی۔
ہاشم کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"ہیلو شیر جوان! کیسے ہو؟"
"فائن انکل..... آپ آفس جا رہے ہیں؟۔"
"جی ہاں آپ نے چلنا ہے؟" وہ مسکرایا۔
"نہیں انکل میں تو اسکول جاؤں گا' ابھی وین والا نہیں آیا۔"
"اچھا..... میں ڈراپ کر دوں؟"
"نو انکل تھینک یو۔ میں یہ کہہ رہا تھا آج شام میں پارک میں آؤں گا۔"
"اچھا..... [illegible] بھی؟"
"میرے ساتھ ممانی ہوں گی۔" وہ بولا۔
ہاشم کو اچانک ہی احساس ہوا کہ پیغام کے پیچھے کوئی شخصیت کار فرما تھی۔
"..... بھی آئیں؟"
"جی ہاں' شام چھ بجے۔"
"اوکے۔" وہ بولا اور سلسلہ فوراً" منقطع ہو گیا۔ ہاشم ریسیور ہاتھ میں لیے کچھ دیر غور کرتا رہا پھر مسکرا کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
"ہمارا تو بھلا ہی ہونا ہے۔" وہ گنگناتے ہوئے بڑبڑایا۔

☆ ☆ ☆

شام اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ گلابی لباس پہن کر اتری تھی۔ ہاشم نے پارک کی پختہ روش پر چلتے ہوئے موسم کی دلکشی کو محسوس کیا۔ روش کے دونوں جانب تھے' مختلف رنگوں کے پھولوں والے ان گنت پودوں کی قطار تھی جن سے نمی کا خوشنما احساس قریۂ جاں کو معطر کرتا تھا۔ گہری سبز گھاس پر معصوم پرندے دن بھر کی تھکن اتار رہے تھے۔ درختوں کے ٹھنڈے' گھنے سائے بانہیں وا کیے اپنی مہربان آغوش میں بلاتے محسوس ہو رہے تھے۔
وہ بہت خوبصورت شام تھی یا شاید اسے محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا جہاں بے فکری

سے پھرتے ہوئے بادل اپنا رنگ تبدیل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے' پھر اس کی نگاہ سامنے سے آتی شہلا پر پڑی۔ اس کے ساتھ اچھلتا کودتا عمر چلا آرہا تھا۔

"السلام علیکم انکل!" وہ اس کے قریب آکر بمشکل رکا۔

سفید ٹی شرٹ اور گلابی نیکر میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہاشم نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے جھک کر اسے پیار کیا پھر سیدھا ہو کر شہلا پر ایک نظر ڈالی۔

لائٹ پرپل سوٹ میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" ہاشم کی آنکھوں نے شام کے سب ہی رنگ چرا لیے۔

شہلا کو ان نظروں سے نظریں چراتے ہی بنی۔

"جی میں ٹھیک ہوں' شکر ہے اللہ کا۔"

"آئیے ادھر بیٹھتے ہیں۔" ہاشم نے سنگی بینچ کی جانب اشارہ کیا۔

عمر قدرے فاصلے پر کھیلتے ہوئے بچوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہ دونوں بینچ پر آبیٹھے۔ شہلا کے چہرے پر سنجیدگی کی چھاپ تھی۔

"وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا۔" ہاشم نے گہری سانس بھر کر سوچا۔

"مجھے کچھ کہنا تھا۔" شہلا دور کھیلتے عمر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ہمہ تن گوش ہوں۔" اس نے بازو سینے پر باندھ لیے۔

"آپ کی والدہ شاید یہ سمجھتی ہیں کہ میں عمر کو امی کے پاس چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہوں۔" اس نے سر جھکائے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ "حالانکہ میں نے بطور خاص آپ سے گزارش کی تھی کہ آپ اس سلسلے میں کی غلط فہمیاں دور کر دیجیے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے کسی سے اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئی' ہاشم اس کی بات ختم ہو جانے کا منتظر تھا۔

"ہاشم صاحب! اتنا طے ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں سوائے عمر کے۔ میں نے اب تک زندگی میں صرف ایک خوشی پائی ہے اور میں آخری سانس تک اسے خود سے جدا نہیں ہونے دوں گی۔ میں عمر کے بغیر آپ کے گھر نہیں آؤں گی۔"

ہاشم نے اس کے بے مہر چہرے پر نگاہ کی۔

"آپ.... صرف اپنے جذبات کی پروا کرتی ہیں شہلا!" وہ تاسف سے بولا۔ "کم از کم دوسرے شخص کو تھوڑا بہت مارجن تو دے دیا کریں۔ جذبۂ ہمدردی کے تحت ہی سہی۔"

شہلا نے سر اٹھا کر اسے حیرت سے دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیں کہ میں کیا چاہتا ہوں' کیا سوچتا ہوں' میری تمنا کے دائرے میں کیا کچھ آتا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ عمر کے لیے میں وہی سوچتا ہوں جیسا آپ اس کے لیے سوچتی ہیں۔ کیا یہ الفاظ آپ کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہیں۔"

"نہیں۔" وہ بے مروتی سے بولی۔

ہاشم اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔

"شہلا پلیز! مجھے اتنا تو سمجھیں جتنا میں نظر آتا ہوں۔ اندر اترنے کی بات تو علیحدہ ہے۔ اس کا تو میں آپ سے تصور بھی نہیں کر سکتا۔" وہ شاید خفا ہو گیا تھا۔

شہلا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اسے اپنے رویے کے غلط ہونے کا احساس ہوا۔

"سوری.... سوری ہاشم صاحب!" پھر وہ بولی۔ "میں شاید کچھ ناانصافی کر گئی آپ کے ساتھ۔"

"کوئی نئی بات ہے؟"

شہلا لب کاٹ کر رہ گئی۔ ہاشم نے چند لمحے اس کی شرمندگی ملاحظہ کی پھر مسکرا دیا۔

"آپ کیا سمجھتی ہیں شہلا! میں آپ کے ایسے وجود کو حاصل کرنا چاہتا ہوں جس میں "دل" نہ ہو؟ بنا روح کے جسم کی کیا اٹریکشن ہو سکتی ہے؟ میرے لیے "وجود" اور "جسم" اہمیت نہیں رکھتے۔ میں دل اور روح کے رشتے کا قائل ہوں اور میں اتنا جانتا ہوں کہ ایک ماں کے لیے اس کی اولاد اس کا "دل" بھی ہوتی ہے اور "روح" بھی۔ آپ عمر کے ساتھ آئیں گی تو آپ میں زندگی ہو گی.... روح ہو گی.... دل ہو گا.... عمر کے بغیر تو میں نہ آپ کو پا سکوں گا نہ.... خود کو...."

اس کے الفاظ ٹوٹ سے گئے تھے۔

"ویری سوری ہاشم!" شہلا کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔ "میں نے آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ مجھے معاف کر دیجیے۔"

"اتنا ضرور ہے شہلا! کہ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔ میں نے گھر میں اس موضوع پر کسی سے اس لیے بات نہیں کی کہ میں اتنے اہم موڑ پر نیا اختلاف پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں' ایک مرتبہ ہم سب کو اپنی خوشیوں میں شریک کر کے اپنے بندھن کا گواہ بنا لیں پھر زندگی ہماری ہو گی۔ فیصلے بھی ہمارے ہوں گے۔ جذباتیت کے جو مظاہرے اس وقت ہو سکتے ہیں' تب ان کا اظہار فضول اور بے مصرف ہو گا۔ لہٰذا ہمارے اردگرد کے لوگ ان پر اپنا وقت ضائع نہ کریں گے' کیا خیال ہے؟"

شہلا مسکرا دی۔ ہاشم کی نگاہ نے جو رنگ جاتی ہوئی شام کے آنچل سے چرائے تھے' وہ شہلا کی مسکراہٹ کو دان کر دیے۔

❋ ❋ ❋

"نہیں پاپا! میں تو روز آپ کو یاد کرتا ہوں۔ میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں؟ میں تو روزانہ اپنے فرینڈز کو آپ کی باتیں بتاتا ہوں۔ آپ نے اتنے دن سے مجھے فون نہیں کیا' مجھے گھمانے کے لیے بھی نہیں لے گئے۔"

"ضرور لے کر جائیں گے یار! آپ تو اپنے جان جگر ہو۔ بس آپ کے پاپا تھوڑے مصروف ہو گئے تھے۔ فراغت ملتے ہی آپ کے شہر دوڑے چلے آئے ہیں۔"

"پاپا! میں سندباد جاؤں گا اور میوزیم بھی اور سمندر دیکھنے بھی جائیں گے۔ آپ مجھے بہت سارے ٹوائز لے کر دیجیے گا اور.... اور.... چاکلیٹس...." عمر نے ساری فرمائشیں دہرا دیں۔

"آئی پرامس مائی سن! جو آپ کہو گے' پاپا لے کر دیں گے۔"

"تھینک یو پاپا! میرا آپ کو کس (Kiss) کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"ہاہاہا...." اس نے قہقہہ لگایا۔ "سو نائس آف یو ڈارلنگ۔ سمجھو پاپا کو آپ کی کس (Kiss) مل گئی ہے۔"

"پھر ہم کب چلیں گے پاپا؟"

"سنڈے کو۔ ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے۔" وہ خوش ہو گیا تھا۔

"آپ کی مما.... کہاں ہیں؟" اس نے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"ہاسپٹل!" وہ مختصراً بولا۔

"اچھا۔" وہ محتاط انداز میں بولا۔ "مما سے میری باتیں کرتے ہو؟"

"نہیں۔"
"کیا کرو نا یار! کام کے بندے نہیں ہو تم۔"
"مما منع کرتی ہیں نا۔" وہ منمنایا۔
"کیا کہتی ہیں؟"
"وہ کہتی ہیں' مجھ سے پاپا کی باتیں مت کیا کرو۔ وہ تمہارے پاپا ہیں مگر میرے کچھ نہیں ہیں۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔
"اچھا!" لگتا ہے تمہیں وکالت سکھانا پڑے گی۔ خیر ہم بھی تمہارے باپ ہیں یار! کیا یاد کرو گے تم اور تمہاری ماما۔"
"پاپا میں لیپ ٹاپ (کمپیوٹر) لوں گا۔" موضوع تبدیل ہونے سے وہ بیزار ہوا تھا۔ "میرے سب فرینڈز کے پاس ہے اور چھروں والی گن بھی۔ ماما مجھے نہیں دلاتیں۔ وہ کہتی ہیں' تم کسی کو زخمی کر دو گے۔"
"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں دلاؤں گا۔ ویسے تو بہت سافٹ ہارٹڈ ہیں تمہاری مما! مگر ہمارے کیس میں تو....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
"خالہ جانی آ گئیں۔" عمر نے سیڑھیاں اترتی انیقہ کو دیکھ کر کہا تھا۔
"اوکے جانو... خدا حافظ۔" اس نے فی الفور رابطہ منقطع کر دیا تھا۔



ربیعہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ صولت بھی خلاف معمول آج کچن میں نظر آ رہی تھی۔ وہ آلو چھیل رہی تھی۔ غالباً اسے سالن بنانے کا آرڈر ملا تھا۔ تمدن اور مینا بیگم آج بڑے خفیہ انداز میں خوش خوش کہیں روانہ ہوئے تھے اور تاحال نہ لوٹے تھے۔ تصور چھت پر پتنگیں اڑا رہا تھا اور ترانہ اپنی ڈیوٹی بھگتا کر آئی تھی اور کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے لیٹی ہوئی تھی۔
کچن کی کھڑکی سے لال فرش والے صحن کا منظر نظر آ رہا تھا۔ فرش خشک پتوں سے اٹا ہوا تھا۔
"برتن دھو کر میں صحن میں جھاڑو لگا دیتی ہوں۔" ربیعہ نے دل میں سوچا۔
"اچانک ہی اسے اپنا آنگن یاد آیا تھا۔ جہاں ہار سنگھار کے تھلے تھلے پیلے پھول بکھرا کرتے تھے' جنہیں وہ روز سمیٹتی تھی جن کی خوشبو اسے دیوانگی کی حد تک پسند تھی۔ بچپن میں بھی وہ ان پھولوں کا ہار گلے میں ڈال کر پھرا کرتی تھی۔
ربیعہ کو دادی جان یاد آئیں۔ ان کا چمکتا چہرہ' شفیق مسکراہٹ' مہربان لمس' شناسا سا خوشبو۔
ربیعہ کسی اور منظر میں جا پہنچی تھی۔ جب گیٹ کھلنے کی آواز سے وہ حال میں لوٹ آئی۔ تمدن اپنی موٹر سائیکل اندر لا رہا تھا۔ مینا بیگم ہاتھوں میں کئی شاپرز تھامے اس کے ہمراہ تھیں۔
"امی آ گئیں۔" صولت مسرت سے چلائی۔
ربیعہ کو اندازہ ہوا کہ وہ ان دونوں کے ایک ساتھ کہیں جانے کے مقصد سے واقف تھی اور بات کچھ ایسی تھی کہ وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی آلو پرے کھسکا کر کچن سے نکل گئی۔ ربیعہ گومگو کی کیفیت میں کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ اسے کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا پھر مینا بیگم نے کچن میں جھانکا۔ ان کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جو ربیعہ نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔
"ربیعہ... ذرا یہاں تو آؤ۔" وہ بکمال مہربانی سے گویا ہوئیں۔

ربیعہ کے ہاتھوں پر صابن کا جھاگ تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی پھر میکانکی انداز میں وہ انہیں دھونے لگی۔ ہاتھ دھو کر وہ کچن سے نکل کر کمرے میں آئی۔

تمدن، مینا بیگم، صولت اور ترانہ..... چاروں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ ربیعہ کی نگاہ ان کے چہروں سے پھسل کر ان کے درمیان رکھی چیزوں پر گئی۔

"دیکھو ربیعہ! یہ جوڑا کیسا ہے؟" مینا بیگم نے گہرا سرخ، مقیش کے کام سے سجا ہوا سوٹ لہرایا۔

"امی!" صولت جلدی سے بولی۔ "یہ میرا ہوگا۔ ربیعہ کو دوسرا والا دے دیں۔ مجھے لال رنگ پسند ہے۔" ترانہ نے خفگی سے صولت کو گھورا تھا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔" مینا بیگم جلدی سے بولیں۔ "تمہیں یہ پسند ہے تو تم یہ لے لو۔ ربیعہ تو بے چاری بہت صابر و شاکر بچی ہے۔ ایسی باتوں کو محسوس نہیں کرتی۔"

انہوں نے جلدی جلدی شاپر سے دوسرا سوٹ برآمد کیا۔ وہ گہرے جامنی رنگ کا تھا۔ اس پر بھی مقیش کا ہی کام تھا۔

صولت نے دوسرا سوٹ دیکھتے ہی جلدی سے جھپٹ لیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں یہ لے لیتی ہوں۔ یہ زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔ ..... میرا مطلب ہے لال والا تو آپ ربیعہ کے لیے لائی تھیں، امی کو دے دیں۔" ترانہ نے بدمزگی سے اسے دیکھا۔

"سکون سے دیکھتے دو، چیزیں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی ہیں۔ بعد میں جو جو چیزیں پسند آتی جائیں، وہ تم رکھتی جانا۔ ربیعہ کے لیے بے شک کچھ نہ بچے۔" ترانہ جل کر بولی تھی۔

صولت کے چہرے کے زاویے کئی بار بگڑے مگر وہ اس قدر خوش تھی کہ اس نے ترانہ کی خفگی کو زیادہ اہمیت نہ دی۔

"یہ سینڈلیں ہیں۔" مینا بیگم نے سلور کلر کی دو سینڈلیں ایک شاپر سے برآمد کیں۔ "ان پہ لڑائی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں ایک جیسی ہیں۔"

صولت نے سینڈل عجلت کے عالم میں ان کے ہاتھ سے چھین لی اور پہننے لگی۔ مینا بیگم اس کے انداز پر دل کھول کر ہنسیں جبکہ ترانہ کے چہرے پر شدید بیزاری کے تاثرات نمودار ہوئے تھے۔ تمدن صوفے پر بیٹھا خواتین کی کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔ وہ بہت خوش دکھائی دیتا تھا۔ اس نے خواتین کے معاملات میں دخل اندازی کی کوئی کوشش نہ کی۔

ربیعہ کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ سب کچھ کیا تھا، کس لیے تھا، کیونکر تھا؟ وہ سمجھ کر بھی سمجھ نہ پا رہی تھی۔

"آہا..... میک اپ..... " بیوٹی بکس دیکھ کر صولت چلائی۔ "مزہ آ گیا۔ میں تو روز تیار ہوں گی۔" اچانک ہی کمرے میں تصور داخل ہوا پھر اندر ہونے والی کارروائی دیکھ کر وہ کچھ الجھ سا گیا تھا۔ غالباً ربیعہ کی طرح وہ بھی لاعلم تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ آگے بڑھ آیا اور اشیاء کے متعلق استفسار کرنے لگا۔ "یہ کس کے کپڑے ہیں، لشکارے مارتے۔"

"بوجھو تو جانیں۔" مینا بیگم ہنسیں۔

صولت شرمانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ تصور نے الجھے الجھے انداز میں سب کے چہروں پر نگاہ کی۔

"کیا بات ہے آخر؟ کچھ پتا تو چلے۔" وہ قدرے محتاط انداز میں بولا۔

"تمہیں دولہا بنانے کی تیاریاں ہیں۔" مینا بیگم مسکرائیں۔

تصور کے ماتھے پر یک لخت کئی بل نمودار ہوئے، وہ سب کو گھورنے لگا۔

"کیا مطلب؟ یہ کون سی سازشیں ہو رہی ہیں؟"

"سازشیں؟" ترانہ اچھنبے سے بولی۔ "اس میں سازش کی کیا بات ہے۔ کیا آپ بھول گئے کہ دو سال قبل صولت سے آپ کی منگنی ہوئی تھی۔"

"اس منگنی کا یہاں کیا ذکر؟" وہ مسلسل بگڑا ہوا تھا۔

"ذکر یہ کہ منگنی کے بعد شادی بھی ہوتی ہے۔" تمدن نے بالآخر قطع کلامی کی۔ اس کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"اور اب تمہاری شادی ہو رہی ہے، صولت کے ساتھ۔"

"ساتھ ہی تمدن اور ربیعہ کی بھی شادی ہے۔" مینا بیگم نے آرام سے جتایا۔

ربیعہ کے سامنے رکھی ہر شے دھندلانے لگی۔ اس کے کانوں میں شائیں شائیں ہونے لگی۔ دل کو جیسے کسی آہنی پنجے نے اپنی بے رحم گرفت میں سختی سے بھینچ کر تڑپنے اور پھڑکنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

"اگلے ہفتے نکاح ہے۔" مینا بیگم اطمینان سے چیزیں سمیٹنے لگیں۔

"کمال ہے۔" تصور اچانک ہی بھڑک اٹھا تھا۔ "مجھ سے کسی نے پوچھا ہی نہیں اور لگے اپنی اپنی کہنے۔ مجھے نہیں شادی وادی کرنی اور اس صولت سے تو ہرگز نہیں۔ ربیعہ سے تو میں شادی کروں گا۔ بھلا یہ..... یہ آدمی اس قابل ہے؟"

اس نے حقارت سے تمدن کی جانب اشارہ کیا۔ تمدن پر گویا کسی نے تیل ڈال کر تیلی دکھا دی۔ وہ لپک کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے تصور کو زور سے دھکا دیا۔

"کمینے..... تیری یہ مجال..... تو اس پر نگاہ رکھتا ہے..... اور تو خود کس قابل ہے۔"

تصور نے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ دونوں بھائی آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ عورتیں چیخنے لگی تھیں۔ ربیعہ تو کچھ بھی نہ پائی تھی۔ پھٹی پھٹی نظروں سے وہ دونوں بھائیوں کو آپس میں لڑتا دیکھتی رہی۔ ترانہ اور مینا بیگم آگے بڑھ کر انہیں علیحدہ کرنے کی کوشش کرنے لگیں جبکہ صولت زور زور سے رونے لگی تھی۔

"ذلیل..... بد ذات..... " وہ ربیعہ کو دیکھ کر چلائی۔ "بس پڑ گئی ٹھنڈ کلیجے میں؟ لگا دی آگ میری زندگی میں؟ مجھے پتا تھا..... اچھی طرح پتہ تھا تو کوئی غضب ڈھا کر رہے گی۔ ایسے ہی کچھن تھے تیرے۔" ترانہ لپک کر آئی۔ اس نے صولت کے گال پر زور سے تھپڑ مارا۔

"اور تمہارے اپنے کچھن؟" وہ چیخی۔ "اپنے گریبان میں جھانکو۔ تم نے کیا کیا حرکتیں نہیں کیں یہاں سب کی نظروں کے سامنے؟ اس پر الزام لگاتی ہو۔ اپنا آلودہ دامن دیکھو، اسی لیے تصور بھائی نے تم سے شادی سے انکار کیا ہے۔ تم جیسی لڑکیوں کو کون پوچھتا ہے۔" دفعتاً مینا بیگم نے مڑ کر ترانہ کے بال دبوچے۔

"کم بخت! میری فرشتہ صفت بیٹی پر الزام دھرتی ہے۔ خود نجانے کیا کچھ گل کھلا کر آئی ہے باہر۔ پرائے لڑکوں سے تحفے تحائف وصولتی پھرتی ہے۔ ایسے کون کسی کو کچھ دیتا ہے۔ بدلے میں تو کیا دیتی ہے اسے؟"

تمدن تصور سے علیحدہ ہو کر ترانہ کے بال مینا بیگم کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

کمرے میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، چیخنے چلانے کی آوازوں سے پورا کمرہ گونج رہا تھا۔

ربیعہ کی نظروں کے سامنے سب کچھ اوجھل ہونے لگا۔ بالآخر وہ تیورا کر نیچے گری۔ اس کا سر چارپائی کے پائے سے ٹکرایا تھا۔ اچانک ہی خون کا فوارہ سا پھوٹا تھا۔

(باقی آئندہ)

عریشہ نافع کے رشتے کا سنتے ہی منگنی سے انکار کر دیتی ہے۔ لیکن فاروق حسن سمجھا بجھا کر اسے راضی کر لیتے ہیں۔
رافع شاعری شروع کر دیتا ہے۔ اس کی نظم ہاشم کو بہت پسند آتی ہے۔
ابرار، شہلا کو فون کرتا ہے اور دوبارہ تعلقات کی استواری کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ شہلا سنتے ہی دنگ رہ جاتی ہے۔
ایقان کے دوبارہ استفسار پر شہلا، ہاشم کے لیے نیم رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔ فردوس بیگم بھی بیٹے کی خواہش پر مجبور ہو جاتی ہیں۔
ترانہ، ربیعہ کو یونیورسٹی کا فارم لا کر دیتی ہے۔ تصور کی حرکتیں صولت کی نظر میں جاتی ہیں۔ جس پر وہ ربیعہ پر گھناؤنے الزام لگاتی ہے۔ جس پر ترانہ، صولت کو تھپڑ مارتی ہے اور اسے سنگین نتائج کی دھمکی دیتی ہے۔
انیقہ، ابرار جیلانی کو چھپ کر فون کرتی ہے۔ اور اسے شہلا کے رشتے کے متعلق بتاتی ہے۔ وہ یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ عمر کو شہلا سے نہیں چھینے گا۔
پارک میں ربیعہ کی ملاقات دوبارہ عباد سے ہوتی ہے۔ تمدن۔ پارک میں ربیعہ کو عباد کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور اس کے پارک جانے پر پابندی لگا دیتا ہے۔
فردوس بیگم اپنی ساس اور نند کے ساتھ جا کر شہلا کو منگنی کی انگوٹھی پہناتی ہیں، شہلا، ہاشم پر واضح کر دیتی ہے کہ وہ شادی کے بعد عمر کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ ہاشم اس کی بات مان لیتا ہے۔
تمدن، ربیعہ کو یونیورسٹی فارم بھرتے دیکھ لیتا ہے اور اس کا فارم پھاڑ دیتا ہے۔ جس کا ربیعہ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔
لیکن اس پر غم کا پہاڑ اس وقت ٹوٹتا ہے۔ جب مینا بیگم تمدن سے اس کی شادی کا اعلان کرتی ہیں۔

۱۷

سترہویں قسط

ایک کراہ کے ساتھ اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولی تھیں۔ اگلے ہی پل اس کے لبوں سے چند بے معنی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ اس کے سر میں دھماکے سے ہو رہے تھے۔ اٹھتی ہوئی ٹیسیں بپھری ہوئی موجوں کی مانند اس کے احساسات سے پوری شدت سے آ کر ٹکرا رہی تھیں۔
ربیعہ کی ادھ کھلی آنکھوں کے سامنے منظر واضح ہونے میں چند لمحے لگے پھر اسے ترانہ نظر آئی۔ ترانہ کے چہرے پر تاسف اور فکر مندی واضح تھی۔ ربیعہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے بولنا چاہا تو کراہ کر رہ گئی۔
"تت۔۔۔ ترانہ۔۔۔" وہ بمشکل بولی تھی۔
"ہاں ربیعہ!" اس نے اپنے ہاتھ کو ترانہ کے گرم، پُرخلوص ہاتھوں میں پایا۔ "میں ہوں تمہارے پاس۔۔۔ اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ تم ٹھیک تو ہو نا۔ درد زیادہ تو نہیں ہو رہا؟"
ربیعہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کچھ دیر ترانہ کا چہرہ دیکھتی رہی جس پر اب ایک مہربان، پُرخلوص مسکراہٹ تھی۔
"تم گر گئی تھیں ربیعہ۔۔۔ تمہارا سر پھٹ گیا تھا۔۔۔ پھر خون بہنے کی وجہ سے تم نقاہت سے بے ہوش ہو گئیں۔ ابھی ڈاکٹر آیا تھا۔۔۔ اس نے تمہاری بینڈیج کی اور انجکشن بھی لگایا ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ تمہارا بلڈ پریشر بہت زیادہ لو ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا۔"
ترانہ اسے دھیمے انداز میں بتا رہی تھی۔ ربیعہ آنکھیں موندے سنتی رہی۔
"کیا بات ہے ربیعہ۔۔۔ تمہارا بلڈ پریشر آخر اتنا لو کیسے ہو گیا؟ کیا تم نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے؟ یا۔۔۔ یا۔۔۔ تم نے

بہت زیادہ ٹینشن لی ہے؟ کیا بات ہے، مجھے تو بتاؤ۔"

ربیعہ کی بند پلکوں سے ایک قطرہ نکل کر اس کی کنپٹی سے ہوتا ہوا اس کے بالوں میں کہیں گم ہو گیا۔ اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے کانپنے لگے۔ وہ شاید خود بہت ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ترانہ اس کا ہاتھ ہولے ہولے تھپکتے ہوئے پرسوچ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے پتا تھا... مجھے پہلے ہی پتا تھا امی! جس دن میں نے اس چڑیل کا یہ سفید چہرہ دیکھا تھا، اسی دن میرے دل میں ایک سوئی سی کھب گئی تھی۔ آخر وہی ہوا نا جس کا مجھے ڈر تھا... ہوا نا وہی؟" صولت فریاد کناں تھی۔

"چل اب بند کر اپنی بکواس۔ کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑا تیرے سر پر۔" مینا بیگم کی تند آواز آئی۔

دودھ کا پیالہ ربیعہ کی انگلیوں میں کانپ کر رہ گیا۔ اس نے سامنے بیٹھی ہوئی ترانہ پر ایک تھکی تھکی سی نگاہ ڈالی۔ ترانہ نے اس کی نظریں محسوس کیں لیکن اس نے نگاہ اٹھا کر ربیعہ کو نہیں دیکھا۔ وہ مسلسل کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی لگتی رہی۔

"اور کیسے ٹوٹتا ہے آسمان؟ وہ ڈائن میرا کلیجہ نوچ کر لے گئی اور آپ کہتی ہیں کہ..." آگے شدتِ غم کی وجہ سے صولت کی آواز بیٹھ گئی۔ اس سے بولا نہ گیا۔

"نہ مر... نہ مر... ہو جائے گا سب کچھ ٹھیک..." مینا بیگم قدرے اکتاہٹ سے بولیں۔ "آدھا کام تو نپٹ گیا ہے، باقی آدھا بھی نپٹ جائے گا۔"

"کیسے... کیسے ہو گا سب کچھ؟ وہ تو کہتا ہے صرف اسی جنم جلی سے شادی کرے گا۔"

"یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے صولت! ہم بیٹھے ہیں تم لوگوں کے سروں پر۔ اتنا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" مینا بیگم اب کی بار قدرے سہولت سے بولیں۔

"شادی کر کے بھی وہ تو اسی کا دم بھرے گا نا... مجھے کب پوچھے گا... مجھ سے تو دل بھر گیا اس کا... اب تو نئی ہواؤں میں اڑنا چاہتا ہے۔ یہ دن رات سامنے رہے گی تو..."

"مرجا کمینی!" مینا بیگم اب یکایک درشت ہو گئیں۔ "پھر کھا لے زہر... یہاں ہم پہلے ہی پریشان بیٹھے ہیں، تجھے ماتم سوجھ رہے ہیں۔ کہہ جو دیا سب ٹھیک ہو جائے گا پھر بھی وہی راگ الاپ رہی ہے۔"

صولت غالباً ماں کے جارحانہ تیور دیکھ کر سہم گئی پھر اس کی سسکیاں بھی اچانک ہی تھم گئیں۔ ترانہ ہونٹ چبانے لگی تھی۔ ربیعہ کو نجانے کیوں ترانہ سے بھی ڈر لگنے لگا تھا۔ اس نے جلدی سے ہلدی ملا دودھ کا پیالہ لبوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

"سوٹ کا کلر ہاشم سے پوچھ لینا چاہیے۔" پُرجوش ہوتی ایقان، فردوس بیگم سے کہہ بیٹھی پھر فوراً ہی ٹھنڈی پڑ گئی۔ انہوں نے ازحد بدمزگی سے تھوک نگلا تھا۔

"جی پھپھو... زبردست آئیڈیا پیش کیا ہے آپ نے۔" رافع اندر چلا آیا تھا۔ "دولہا میاں کا سوا سیر خون بڑھ جائے گا اس استفسار پر۔ گالوں پر گلال پھر جائے گا۔ آنکھوں میں ایسی قندیلیں روشن ہوں گی کہ شادی میں لائٹنگ وغیرہ کی قطعاً کوئی ضرورت نہ پڑے گی اور چشمِ تصور سے وہ شہلا بھابھی کو وہ رنگ پہنا دیکھیں گے تو... واہ... واہ... واہ... ان کا اپنا چہرہ دیکھنے... دیکھنے... والا... میرا مطلب ہے، آہم!"

تب ہی اس کی نظر بھی اپنا جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی فردوس بیگم کے خون آشام تاثرات اور ایقان کی تنبیہی نظروں پر پڑ گئی تھی۔

"کب آ رہی ہیں پھپھو آپ!" وہ یکایک ہی موضوع بدل کر خوش گواری سے یوں بولا جیسے چند لمحوں قبل وہ کچھ کہہ ہی نہ رہا تھا۔

"میں..." ایقان سے مسکراہٹ ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ "میں... بس... ابھی... بھابھی بیگم کا فون آیا تھا کہ ہاشم کی بری کی تیاری کرنا ہے... چند ایک روز کے لیے آ گئی ہوں۔ میں، رائمہ اور دُردانہ مل کر شاپنگ کر لیں گے۔"

"اور ہم... ہم کیا کریں؟" فاطمہ جوش سے کہتے ہوئے آ ٹپکی تھی۔

"تم ڈھولک بجاؤ... گانے گاؤ... اب دن ہی کتنے ہیں شادی میں... گنتی کے پچیس دن ہیں... کتنے سال بعد اس گھر میں خوشی کا ایسا موقع آیا ہے۔ جم کر منائیں گے۔"

رافع بے حد خوش نظر آتا تھا۔ چوری چوری اس نے اپنی بات کا ردِعمل فردوس بیگم کے چہرے پر ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بہ مشابہ آہ کے بھری اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہاں رافع میاں! کہتے تو سچ ہی ہو۔" وہ جاتے جاتے بولی تھیں۔ "اچھا ایقان! پھر یوں کرو، بازار جانے سے پہلے ہاشم میاں سے بھی صلاح کر ہی لینا۔"

تھکے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ رافع اور ایقان نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ جب کہ فاطمہ چہرے سے ہی پُرجوش لگنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہاشم کمرے میں داخل ہوا تو وہ انگلیوں پر کچھ گننے میں مصروف تھی۔ ہاشم دروازے پر ہی رک گیا اور مسکراتی نظروں سے ارتکاز کا لطف اٹھانے لگا۔ اس کی گنتی میں بار بار گڑبڑ ہو رہی تھی۔ یکایک جھنجلا کر اس نے نگاہ اٹھائی تو سامنے کھڑے مسکراتے ہوئے ہاشم کو دیکھ کر اس نے بری طرح سے اسے گھورا۔

"وہاں کیوں کھڑے ہو تم؟ اندر آؤ۔" ہاشم کے چہرے پر ہنوز دلچسپ و شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"جب ہو نٹوں کا یہ ہال... کس خوشی میں گہرا ہو رہا ہے؟" ایقان نے اسے چھیڑا۔ ہاشم کو ہنسی آ گئی۔

"رافع بالکل ٹھیک ٹھیک رپورٹنگ کر رہا تھا تمہاری۔ اب مجھے اس کی رپورٹ درست ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔" ایقان نے اس کا کان پکڑ لیا۔ "شادی میں ہمیں گھر پر قمقمے لگوانے کی ضرورت بالکل نہ ہو گی، تمہیں چھت پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ دو تمہاری آنکھیں اور بتیس تمہارے دانت، پورے چونتیس بلب روشن ہوں گے۔"

"میرا کان چھوڑیں اور اپنی گنتی پوری کر لیں۔" وہ ہنسا۔ "ایک آدھ دن کہیں مس نہ ہو جائے۔ ہائے داوے، کس دن تشریف لا رہے ہیں پھوپھا موصوف؟"

"تمہارے منہ میں گھی شکر۔" ایقان نے اس کا کان چھوڑ کر گہری سانس بھری۔ "ابھی تک تو وہاں سے ایسی کوئی خبر نہیں آئی۔"

"پھر یہ کون سے دانے پڑھ رہی تھیں آپ؟ میرا مطلب ہے کیا گن رہی تھیں۔ عاشر... عاشر کا وظیفہ تو نہیں بتا دیا کسی "بابے" نے؟"

"ارے۔۔۔ ایسے چار سو بیس لوگوں پر یہ ہلکے پھلکے وظیفے کام نہیں کرتے۔" وہ جھنجلائی۔
"چار سو بیس؟ یعنی باب وغیرہ؟"
"جی نہیں، تمہارے پھوپھا موصوف۔" وہ جلی بیٹھی تھی۔
"چچ۔۔۔ چچ۔۔۔ بہت افسوس کی بات ہے ڈیئر پھوپھو! آپ کی محبت سے مجھے اس "جلی کٹی" کی امید نہ تھی۔"
"محبت نام ہی "جلنے" اور "کٹنے" کا ہے ڈیئر بھتیجے! تمہیں تو خوب تجربہ ہے۔"
"بجا فرمایا لیکن ہم نے کبھی ڈاکٹر صاحبہ یعنی آپ کی دوست موصوفہ کو اس طرح نمبر سے یاد نہیں کیا۔" ایقان ہنسنے لگی۔
"تمہیں زیب بھی نہیں دیتا کہ تم میری پیاری سی دوست کو اس نمبر سے یاد کرو۔ یہ تو تمہارے پھوپھا جیسے بے مروت لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔ آج پورا آٹھواں دن ہے، پلٹ کر خبر نہیں لی کہ بیوی! جیتی ہو یا مرتی ہو۔ خیر میری بلا سے۔ یعنی میری جوتی سے۔۔۔ میں بھی کون سی پروا کر رہی ہوں۔۔۔ خوشی خوشی تمہاری بری کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔"
"سچ کہا۔" اس نے شرارت سے سر ہلایا۔ "انگلیوں پر نجانے کون سا اسم پڑھ رہی تھیں ابھی آپ۔ یوں تو آپ کو کیا پروا۔"
"پتا نہیں کیا بات ہے عاشر!" وہ اچانک ہی سنجیدہ ہو گئی۔ "میرا۔۔۔ میرا دل اچانک ہی گھبرانے لگتا ہے۔ جب عاشر مجھ سے یوں غفلت برتنے لگیں تو میرا کسی چیز میں نہ دل لگتا ہے نہ دھیان اٹکتا ہے۔ نجانے کب پوری ہوگی یہ سزا کی مدت۔"
ہاشم نے چند لمحے بغور اس کا چہرہ دیکھا، کچھ سوچا پھر یکایک وہ لہجہ بدل کر بولا۔
"یار پھپھو! سنا ہے آپ ڈاکٹر صاحبہ کا ویڈنگ ڈریس لینے جا رہی ہیں۔" ایقان جو کسی خیال میں کھوئی تھی، چونک اٹھی۔
"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ بھابی بیگم نے اسی لیے تو بلوایا ہے مجھے۔"
"تو پھر ایسا لباس لے آئیں جس میں دھنک کے سب ہی رنگ ہوں۔"
"ہائیں۔" ایقان نے برا سا منہ بنایا۔ "یہ تمہیں ٹیکنی کلر دلہن کا خیال کب سے ستانے لگا۔ تم تو بہت سوبر سے بندے لگتے تھے ہمیں۔"
"ہائے پھپھو۔۔۔ اب میں آپ سے کیا چھپاؤں۔ جو رنگ بھی سوچتا ہوں، اس میں ڈاکٹر صاحبہ کا تصور ایسے جھلملاتا ہے کہ باقی سب ہی رنگ اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھتے ہیں پھر اچانک ہی ڈاکٹر صاحبہ کسی اور رنگ میں نمودار ہوتی ہیں تو بس پھر ہر سو وہی رنگ چھا جاتا ہے۔ ایسے میں کسی ایک رنگ کا انتخاب تو بہت مشکل ہے نا، اسی لیے ٹیکنی کلر والی ترکیب اچھی ہے۔ ذرا ذرا سا کپڑا، ہر رنگ کا لے لیں، پورا لباس تیار ہو جائے گا۔۔۔ کیا خیال ہے؟"
ایقان کے لب مسکرانے لگے۔
"اب اگر تم مذاق بھی کر رہے ہو تو میں ضرور تمہارے ساتھ یہی کرنے والی ہوں۔"
"مذاق۔۔۔؟ میں حد درجہ سنجیدہ ہوں پھپھو!"
"بس تو سمجھ لو کہ تمہاری دلہن کے عروسی لباس میں ایک سو ایک رنگ ہوں گے۔"
"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ تصور میں ایک دنیا آباد کر دی آپ نے تو۔۔۔ کیا خوبصورت جملہ بولا ہے۔"

ایقان ہنس ہنس کر دہری ہو گئی پھر اس نے ہاشم کو ایک دھپ لگائی۔
"اور بے چاری ڈاکٹر صاحبہ کا کیا قصور ہے جو اس کو ایسی عالی شان سزا دی جائے۔ اتنی سوبر، اتنی ڈیسنٹ سی میری اکلوتی اور۔۔۔ اور۔۔۔" ایقان کی ہنسی کسی طور نہ تھم رہی تھی۔
"شاباش ہاشم میاں۔" ہاشم نے چشم تصور سے خود کو تھپکی دی۔

* * *

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"
ربیعہ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تمدن سامنے کھڑا تھا۔ ربیعہ نے سر جھکا لیا۔
ربیعہ نے محسوس کیا کہ نرم لہجے اور نرم بات کے پس پردہ ایک نامحسوس سی تپش تھی جیسے وہ کوئی خاص بات محسوس کر کے یہ سب کچھ کہہ رہا ہو۔
اس نے نگاہیں اٹھا کر تمدن کو دیکھا۔ وہی نامحسوس سی تپش اس کی نگاہوں میں بھی تھی۔
"بات تو کچھ بھی نہیں ہے تمدن بھائی!" وہ رسانیت سے بولی۔ "ترانہ بتا رہی تھی کہ میرا بلڈ پریشر بہت زیادہ لو ہو گیا تھا جس کی وجہ سے۔۔۔"
"ہوں۔ دیکھو ربیعہ! کوئی اور چکر وکر چلا رکھا ہو تو اب بھول جاؤ اسے۔" وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا تھا۔ ربیعہ دنگ رہ گئی۔
"جی۔۔۔؟" اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔
"اس پارک والے لڑکے نے اگر کوئی سہانے خواب دکھائے ہیں تو یہ مت سمجھ لینا کہ وہ خواب کبھی حقیقت بھی بنیں گے۔۔۔ تمہاری حقیقت یہی گھر ہے۔ اس حقیقت کو دل سے قبول کر لو گی تو تمہارا بلڈ پریشر پھر لو نہیں ہو گا۔"
اس کے لبوں پر ایک بہت دل جلانے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ایسی مسکراہٹ ربیعہ اکثر منور امین کے لبوں پر دیکھا کرتی تھی جب وہ اس سے اس کی ماں کے متعلق کوئی بات کیا کرتے تھے۔ ربیعہ کھلی آنکھوں سے تمدن کو منور امین میں اور منور امین سے پھر تمدن میں تبدیل ہوتا دیکھتی رہی پھر وہ اپنی اسٹک کا سہارا لے کر کمرے سے نکل گیا۔

ربیعہ کے کانوں میں اس کے الفاظ کی بازگشت ایسے سنائی دے رہی تھی جیسے اس کا وجود کسی بہت پرانی عمارت کا کھنڈر ہو۔

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے... سنہری... راسلک کا کرتا... شیروانی کالر کے ساتھ... اس پر ڈل گولڈن امبر ائڈری... کیوں علی؟" حمزہ نے کیٹلاگ پر سے نظر اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا۔

"صدقے جاؤں۔" اس نے دانت نکالے۔ "دستار بندی' میرا مطلب ہے سہرا بندی کی رسم آپ کی سرانجام نہیں پا رہی۔"

"نہ ہی آپ کا سہرا لکھا جا رہا ہے۔" نافع اسے مزید ملبوسات دیں۔

"رسم نکاح میں آپ کا نام ہرگز نہیں پکارا جائے گا۔" علی نے ٹکڑا جوڑا۔

"کوئی منگنی شنگنی کا چکر بھی فی الحال نہیں ہے۔" نافع مزید بولا۔

"تو پھر یہ گولڈن کرتا؟" علی ہنسا۔

"ڈل گولڈن امبر ائڈری؟"

"قسم خدا کی..." حمزہ نے دانت کچکچائے۔ "تم میرے بھائی... اور تم میرے ہونے والے دولہا بھائی نہ ہوتے تو اس وقت دونوں اپنا اپنا سر پکڑے بینڈیج وغیرہ ڈھونڈ رہے ہوتے۔ پچھلے دو گھنٹے سے میں اپنے آئیڈیاز پیش کر رہا ہوں اور... اور تم دونوں مل کر میرے آئیڈیاز کی دھجیاں بکھیر رہے ہو۔ تم دونوں کیا چاہتے ہو؟ کیا میں اپنے بھائی کی شادی کوئی دھوتی وغیرہ لپیٹ کر اٹینڈ کر لوں؟ کسی چیز پر ہامی ہی نہیں بھرتے۔ رہنے دو پھر ایک جیسے کپڑے بنوانے کا خیال' میں اپنی ڈریسنگ علیحدہ ہی کر لوں گا۔"

"اپنے دو گھنٹے میں پیش کیے جانے والے سارے آئیڈیاز پر نظرثانی کرو۔" نافع نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ "کیسے کیسے فضول خیالات پیش کر کے تم نے ہم دونوں کا وقت ضائع کیا ہے۔ غور کرو' کیوں علی!"

"صدقے جاواں... میرے دل کی بات کہہ دی دولہا بھائی آپ نے۔ اس کے بتائے ہوئے تمام ملبوسات میں صرف یہ لاسٹ والا آئیڈیا قابل عمل ہو سکتا ہے۔"

"راسلک کا کرتا؟" حمزہ جلدی سے بولا۔

"نہیں یار! یہ دھوتی والا... وہ بھی صرف تمہارے لیے..."

حمزہ اپنے آس پاس کوئی ایسی چیز ڈھونڈنے لگا جسے وہ علی کے سر پر مار سکے۔ علی اس کا ارادہ بھانپ کر اچھل کر بیٹھ گیا۔

"بھئی اب میری بات سنو۔" نافع اس کا جارحانہ انداز بھانپ کر جلدی سے بولا۔ "اب میں ایک آئیڈیا پیش کر رہا ہوں۔ یہ کرتے' یہ کڑھائیاں وغیرہ بعد میں کام نہیں آتیں۔ کچھ ایسا بنواؤ جو بعد میں بھی کام آئے۔"

"مثلاً "بعد" کی وضاحت بھی کر دو۔" حمزہ نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"میرا مطلب ہے سوٹ... ٹو پیس..." اس نے وضاحت کی۔

"اور بعد میں وہی سوٹ تمہاری رسم مہندی میں بھی چل جائے گا۔ ہے نا؟" حمزہ جل کر بولا۔

"بھئی... تم دونوں کی مرضی ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "میں تو اس دن سفید کرتا شلوار پہنوں گا۔" وہ مزے سے بولا تھا۔

"دیکھ لیں گے تیرے کرتے کو بچے۔ رنگین نہ کر دیا تو سالا نہ کہنا۔" حمزہ نے منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"پھر اس دو سو روپے کی کیٹلاگ کا کیا ہوگا؟" اچانک علی نے دہائی دی۔ "یہ کیوں خریدی گئی؟" یہ رقم چونکہ اس کی جیب سے ادا کی گئی تھی' اس لیے درد اسی کے دل میں اٹھا تھا۔

"مجھ سے یہ فضول خرچی کیوں کروائی گئی؟ اس سے تو اچھا تھا میں اپنی موٹر بائیک میں اتنے روپوں کا پیٹرول ہی ڈلوا لیتا۔ وہ غریب بھی کیا سوچتی ہوگی۔ کیا قسمت پائی ہے اس نے۔"

"کوئی بات نہیں۔" نافع نے اس کا شانہ تھپکا۔ "وہ بڑی متکبر المزاج قسم کی موٹر بائیک ہے اور پھر ایسی نیک اور متقی' ہر وقت حالت صوم میں ہوتی ہے۔ وہ غریب کیا سوچے گی؟"

"بیوی ڈھونڈنے نکلو تو اپنی بائیک کی تمام خصوصیات ذہن میں رکھنا۔" حمزہ نے بھی اگلے پچھلے ادھار اتارنے کی ٹھانی۔ "صلح جو' شکر گزار... تھوڑے کو ہی بہت سمجھنے والی..." علی دیدے گھما گھما کر باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک لباس میں زندگی بتا دی غریب نے۔" نافع مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ "آج تک سیٹ کور تبدیل ہونے کی نوبت نہ آئی۔"

"لیکن یار... بیوی کچھ صفائی پسند ہو' کبھی کبھی نہا دھو بھی لیتی ہو۔ اس بائیک کے مکھڑے پر تو ہر وقت کیچڑ کے نشان ہی ملتے ہیں۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔" بالآخر علی کا صبر جواب دے گیا۔ "اس کیٹلاگ کا سو روپیہ تم بھرو اور سو تم۔" اس نے باری باری دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ "تم دونوں کے پرزور اصرار پر ہی میں نے یہ خریدی تھی۔ کیا کہہ رہے تھے نافع تم؟ گھر کی پہلی پہلی تقریب ہے' بہت اعلا ڈیزائن کے لباس تیار کروائیں گے اور اب...؟ تھری پیس پر آ گئے۔"

"اب یار... یہ "اور جیش" اور "مکشش" کی ڈیزائننگ اپنی سمجھ سے تو باہر ہے۔ اچھے بھلے کرتے کا گریبان ناف تک آ گیا ہے۔ بھلی سی شیروانی ہے اور آستین غائب۔ وہ لہا میاں کھڑے مسکرا رہے ہیں گہری اورنج برساتی پہنے۔ اب یہ بھی کوئی پہننے والے کپڑے ہیں؟"

"میرا مطالبہ اپنی جگہ ہے۔" علی پر اس کے معذرتی انداز کا کچھ اثر نہ ہوا۔ "سو روپیہ بھرو..."

"اوہ' یاد آیا۔ مجھے تو امی نے ایک ضروری کام بتایا ہوا ہے۔" نافع اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اور میری حالت نیند سے خراب ہونے لگی ہے۔" حمزہ نے جماہی لی اور کیٹلاگ پرے کر کے لیٹ گیا۔ اگلے ہی پل وہ خراٹے لے رہا تھا۔

علی کے چہرے پر نہایت جارحانہ تاثرات تھے۔ وہ بدلہ لینے کے سب ہی طریقوں پر غور کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہنستا مسکراتا وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اوپر آتی عریشہ کسی طور واپس نہ مڑ سکی۔ نافع عین اس کے مقابل اسی سیڑھی پر آ رکا جس پر وہ کھڑی تھی۔

اس کی مسکراتی نظروں نے سیاہ لباس میں ملبوس عریشہ کو لمحہ بھر کے لیے اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"کیسی ہو عریشہ..." اس کے لہجے میں صرف دوستانہ رنگ تھے۔

"ٹھیک ہوں۔" اس کا انداز حد درجہ سرد تھا۔

نافع اب کی بار کچھ ٹھٹکا۔ وہ ریلنگ پر کمر ٹکائے دونوں ہاتھوں سے ریلنگ تھامے اسے دیکھنے لگا۔

"سنو... عریشہ!" وہ نجانے کیوں اسے پکار بیٹھا۔ عریشہ تھم گئی لیکن اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"تم..... ناراض ہو مجھ سے؟ کوئی..... کوئی..... غلطی ہوئی ہے مجھ سے؟" عریشہ نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر اجنبیت اور آنکھوں میں ایسا گہرا دکھ تھا کہ نافع اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹ کر اوپر چڑھتی چلی گئی تھی۔ نافع گہری سوچ میں گم تھا۔



"مما! یہ سب کس کے کپڑے ہیں؟" وہ آنکھوں میں حیرانی کے سب ہی رنگ بھرے رنگ برنگے کپڑوں کے ڈھیر کے پاس آکھڑا ہوا تھا۔ انیقہ مسکرادی۔

"یہ سب کپڑے آپ کی مما کے ہیں۔" اس نے عمر کو بانہوں میں بھرا۔

"اتنے پیارے کپڑے..... چمکیلے....." وہ خوش ہو گیا۔ "میں نے کبھی مما کو اتنے اچھے کپڑے پہنے نہیں دیکھا۔ میری مما کیا دلہن بنیں گی؟"

شہلا کے چہرے پر سنجیدگی تھی لیکن منیزہ بیگم اور انیقہ مسکرادیں۔

"ہاں عمر! آپ کی مما دلہن بنیں گی بہت خوبصورت لگیں گی۔" انیقہ نے اسے اٹھا کر گود میں بٹھالیا تھا۔

"اور دولہا؟" اگلا سوال برق رفتاری سے آیا تھا۔

"دولہا....." ابھی انیقہ کی بات اس کے لبوں میں ہی تھی کہ عمر نے اچک لی۔

"دولہا تو میرے پپا ہوں گے۔ مما دلہن تو پپا دولہا..... ہے نا مما!" اس نے تالیاں بجائیں۔ شہلا کے چہرے نے لحہ بھر میں ہزار رنگ بدلے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ منیزہ بیگم نے تاسف سے اسے جاتا ہوا دیکھا۔ انیقہ نے زچ ہو کر عمر کو دیکھا تھا۔

"تمہاری یہ دو انچ کی زبان قابو میں نہیں رہتی تمہارے؟" وہ چڑ کر بولی۔

"میں نے کیا کہا ہے نانو؟" وہ حیران ہوا۔ "خالہ جانی تو مجھ سے لڑتی ہی رہتی ہیں۔ ان کو تو میں بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔"

اس کی معصوم آنکھوں میں پانی اترتا دیکھ کر انیقہ سب کچھ بھول بھال گئی۔ اس نے چٹا چٹ اس کے گالوں کے کتنے ہی بوسے لے لیے۔

"آپ تو خالہ جانی کی جان ہو..... خالہ جانی کو سب سے اچھے آپ لگتے ہو۔"

"کوئی نہیں لگتا۔" وہ منہ پھلا کر بیٹھا تھا۔ "ابھی آپ نے مجھے ڈانٹا ہے۔"

"نہیں چاند! میں نے آپ کو نہیں ڈانٹا۔"

"مما بھی یہاں سے اٹھ کر چلی گئیں..... انہیں بھی میری باتیں بری لگیں' اسی لیے اب میں کسی سے بات نہیں کروں گا۔" وہ مزید روٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ کی مما نے کتنی بار آپ سے کہا ہے عمر کہ ان کے سامنے اپنے پپا کا ذکر مت کیا کرو۔" انیقہ نے اسے ہلکے پھلکے انداز میں سمجھانا چاہا۔ "پھر بھی آپ.....!"

"کیوں نہ میں پپا کا ذکر کروں؟" وہ اکڑا۔ "وہ مما کے کچھ بھی نہیں ہیں مگر میرے تو پپا ہیں' مجھے اچھے لگتے ہیں..... میں ضرور ان کا نام لوں گا۔ **پپا**..... **پپا**..... **پپا**..... اور بھی لوں گا..... **پپا**..... **پپا**..... **پپا**..... آپ کو بھی میرے **پپا** برے لگتے ہیں نانو؟"

اسے لڑائی کے دوران اچانک ہی منیزہ بیگم کا خیال آگیا۔ اس نے ازحد معصومیت سے سب کچھ بھول بھال کر پوچھا تھا۔

منیزہ بیگم اور انیقہ بے اختیار ہی اس کے بھولپن پر مسکرا دی تھیں۔

"نہیں بیٹا! وہ کسی کو برے نہیں لگتے۔" منیزہ بیگم نے اسے گود میں بٹھالیا۔ "وہ آپ کے ابو ہیں۔ وہ آپ کو اچھے لگتے ہیں تو ہم سب کو اچھے لگتے ہیں۔"

"پھر آپ لوگ انہیں دولہا کیوں نہیں بناتے...... میں نے کہہ دیا ہے...... میری مما کے دولہا بس میرے پپا ہی بنیں گے۔"

منیزہ بیگم ہونق سی ہو کر انیقہ کو دیکھنے لگیں۔ نواسے کا یہ انداز ان کے لیے نیا اور بے حد حیران کن تھا۔ انیقہ نے ماں کی گھبرائی ہوئی صورت دیکھی تو جھٹ کھڑی ہوئی اور عمر کو گود میں اٹھالیا۔

"چلو لان میں چل کر کھیلیں۔ وہاں میں آپ کو ساری بات بتاؤں گی۔" وہ اسے چومتے ہوئے وہاں سے چل دی۔

منیزہ بیگم اپنے چاروں طرف بکھرے ہوئے جوڑوں کو ترتیب سے رکھنے لگیں۔ وہ اور انیقہ ابھی شہلا کی شادی کے لیے خریداری کر کے لوٹی تھیں اور شہلا کو کپڑے دکھا رہی تھیں۔ عمر کے غیر متوقع سوالات نے ماحول کا رنگ ہی بدل ڈالا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہاں بھئی! اب بتاؤ۔" اس نے عمر کو سیڑھیوں پر بٹھایا اور خود اس کے برابر بیٹھ گئی۔ "یہ کیا چکر ہے؟"

"کون سا چکر؟" اس نے الجھ کر خالہ کی صورت دیکھی۔ "آپ تو مجھے اپنے ساتھ کھیلنے کے لیے لائی تھیں۔"

"پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے پپا تمہیں دن میں کتنی مرتبہ فون کرتے ہیں۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگی۔

"کیوں بتاؤں؟" وہ بگڑا۔ "پپا نے منع کیا ہے۔"

"اوہ...." انیقہ کو گڑبڑ کا احساس ستانے لگا۔ "لیکن ہم تو اب آپ کو منع نہیں کرتے بات کرنے سے پھر پپا نے منع کیوں کیا؟"

"وہ کہتے ہیں کہ خالہ جانی اور نانو کو بالکل نہیں بتانا کہ ہم باپ بیٹا کیا باتیں کرتے ہیں۔" وہ مزے سے ٹانگیں ہلانے لگا۔ "اسی لیے آپ کو تو بالکل نہیں بتاؤں گا۔"

"اچھا...." انیقہ نے بے اختیار ہی اس کی صورت دیکھی۔ "اور مما کو بتانے سے منع نہیں کرتے؟"

"نہیں۔" اس نے پرزور انداز میں سر ہلایا۔ "وہ تو کہتے ہیں اپنی مما سے میری باتیں کیا کرو۔ انہیں مما بہت پسند ہیں نا..... مما ان کی دلہن جو ہیں۔"

انیقہ کو دم گھٹنے کا احساس ہوا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی اور سیڑھیاں اتر کر لان میں چلی گئی۔ عمر بھاگتا ہوا اس کے پیچھے چلا آیا تھا۔ پھر وہ پیچھے سے آکر اس سے لپٹ گیا۔

"آپ ناراض نہ ہوں خالہ جانی! میں پپا سے پرمیشن لے لوں پھر آپ کو بھی سب بتایا کروں گا۔"

"یہ.... دولہا اور دلہن..... کی باتیں تمہارے پپا کرتے ہیں عمر؟" اس کی آواز جیسے کسی کنویں سے برآمد ہوئی تھی۔

"ہاں.... نہیں.... آپ کو کیوں بتاؤں؟"

انیقہ بری طرح سے الجھی۔ اس نے پلٹ کر اسے برہمی سے دیکھا پھر فوراً ہی اپنا انداز بدل لیا۔ اس بچے کا اس سارے معاملے میں رتی بھر قصور نہ تھا۔ وہ جھک کر اسے چومنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"سچ رائمہ آپی! اور وہ آپی نے تو مجھے سخت بور کر دیا ہے۔ کیا تھا اگر یہ آپ سے بڑی ہوتیں یا پھر ان کی شادی پہلے ہو جاتی تو.... حالاتِ حاضرہ پر گفتگو تو انہیں بالکل پسند نہیں۔ کرنٹ افیئرز کی بات کرو تو یہ کرنٹ مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ کہیں سے اڑتی اڑتی کوئی سن گن لے آؤ تو یہ اس "اڑتی" کے سارے پر کاٹ کر بندے کے ہاتھ میں تھما دیتی ہیں کہ لو اب جی بھر کر شرمندہ ہو لو۔ قسم خدا کی گفتگو کا مزہ غارت کر دیتی ہیں۔ اچھا ہوا جو آپ آگئیں۔ میں تو سخت بور ہو گئی تھی ان کے ساتھ رہ رہ کر۔"

ناعمہ پیاز بھی کاٹ رہی تھی اور فل والیوم میں کمنٹری بھی نشر کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے لیکن اسے مطلق پروا نہ تھی۔ کبھی کبھار وہ چھری والے ہاتھ کی پشت دونوں گالوں پر پھیر لیتی۔ رائمہ اپنی اہمیت پر نازاں اور فرحاں نظر آتی تھی۔ وہ بہت دلچسپی سے ناعمہ کی فضول گوئیاں سن رہی تھی۔

"اچھا پھر تم نے بتایا نہیں..... وہ منگنی والے دن کے بعد عریشہ سے جو ملاقات ہوئی تھی تمہاری؟ ایک تو ہر بات ادھوری چھوڑ کر تم کوئی دوسری بات شروع کر دیتی ہو..... تمہاری یہ عادت مجھے سخت ناپسند ہے۔"

"بتا تو رہی تھی آپ کو.... کہ وردہ آپی سے سخت ڈانٹ پڑی تھی پھر وردہ آپی کی بات چل نکلی۔ ہاں تو پتا ہے رائمہ آپی! عریشہ کو یہ رشتہ سخت ناپسند ہے۔" ناعمہ نے پھر منہ پر ہاتھ پھیرا۔

"لیکن کیوں؟ کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟" رائمہ کا تجسس اپنے عروج پر تھا۔

"نہیں خیر..... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ایسی بات ہوتی تو کیا مجھے علم نہ ہوتا؟ میں تو اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ بس کچھ آئیڈیل ازم کا چکر ہے۔ عریشہ اپنے آپ کو "کچھ" سمجھتی ہے نا.... تو اس کے معیار پر نافع شاید پورا نہیں اترا۔"

"ہوں۔" رائمہ نے منہ بھر کا سر سمجھ داری سے ہلایا۔ "مجھے بھی شک تو ہوا تھا اس کا بجھا بجھا سا چہرہ دیکھ کر۔ اچھا خیر اب تم یہ بات کسی سے کہنا نہیں، بے وجہ باتیں بنیں گی۔"

"لیں جی! مجھے کیا پڑی ہے جو میں ادھر ادھر کہتی پھروں۔ میں کوئی بی جمالو ہوں۔ میں نے تو ممانی والی بات بھی کسی سے نہیں کی کبھی۔"

اس نے آنسو پونچھ ڈالے جانے کے کمال پھرتی سے روکے اور چھری ایک طرف رکھ کر آنچل پورے منہ پر مسلا۔

"ہاں.... بالکل بھی نہیں کہی تم نے کسی سے اور مجھے تو بالکل پتا نہیں ہے کہ کیا بات ہوئی۔" دروازے پر وردہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

ناعمہ کی آدھی جان خشک ہو گئی۔ اس نے تھوک نگل کر رائمہ سے کمک چاہی۔

"ارے لو.... بڑی بہن ہوں اس کی اور تمہاری بھی۔ کوئی پڑوسن تو نہیں ہوں جس سے تم لوگ پردہ داری برتو۔" رائمہ جی بھر کر خفا ہوئی۔ "مجھ سے اپنے دل کی باتیں نہیں کہے سنے گی تو پھر کس سے کرے گی۔"

"یہ بات نہیں ہے آپا!" وردہ اندر چلی آئی۔ "یہ بات میں اس کو پہلے بھی سمجھا چکی ہوں کہ عریشہ والے معاملے میں اس کا یوں اچھلنا مناسب نہیں ہے۔ خدانخواستہ کل کلاں کو کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو ساری برائی اس کے گلے میں آئے گی.... یہ سمجھتی ہی نہیں ہے۔"

"تم تو وردہ..... ذرا ذرا سی باتوں کو بہت گہرائی میں جا کر سوچتی ہو بھلا اونچ نیچ کیا ہوتی ہے؟" رائمہ بے پروائی سے بولی۔ "اور ہم کون سا ڈھول تاشے پیٹ رہے ہیں۔ آپس میں ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے ہیں نا....!"

وردہ نے افسوس سے سر ہلایا۔ اس کے علاوہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

"تم نے سبوینہ کو کسٹرڈ کھلا دیا؟" رائمہ نے بات بدلی۔

"جی ہاں' اسے امی کے پاس سلا دیا ہے میں نے۔"

"اچھا یہ لیں۔" ناعمہ نے پیاز کی ٹوکری اس کی جانب بڑھائی۔ "بریانی کی پیاز بھی میں نے کاٹ دی ہے گوشت بھی دھو کر فریج میں رکھ دیا ہے۔۔۔ بریانی بنانا آپ کا خاص الخاص ڈیپارٹمنٹ ہے۔"

"یوں کہو کہ میں یہاں سے چلی جاؤں تاکہ تم گفتگو کا ٹوٹا سرا جوڑ سکو۔" وہ مسکرائی۔ "چلو ٹھیک ہے' میں جا رہی ہوں۔" پھر وہ ٹوکری تھام کر کمرے سے نکل گئی۔

"ہاں۔ اب بتاؤ!" رائمہ نے پیر پھیلائے۔ "یہ ممانی جان کا قصہ کیا ہے؟"

"ہوا یوں کہ ایک دن عریشہ سے ملنے گئی۔۔۔" ناعمہ مزے سے شروع ہوئی تھی۔



صولت نے رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ مینا بیگم سخت برہم تھیں' لیکن یہ اندازہ نہ ہو پا رہا تھا کہ در اصل ان کی برہمی کی وجہ کیا ہے؟ شاید وہ خود بھی اس حقیقت سے ناواقف تھیں۔ ربیعہ سے برہم ہونے اور اس پر غصہ اتارنے سے وہ فی الحال احتراز برت رہی تھیں کیونکہ ربیعہ کی اپنی حالت بہ زبان خود بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

صولت کے انداز انہیں غصہ دلا رہے تھے لیکن وہ ان کی اکلوتی اولاد اور دنیا بھر میں ان کی محبت و چاہت کا واحد مرکز تھی۔ سو اس پر اٹھتا غصہ بھی وہ اپنے اندر دبانے پر مجبور تھیں۔ ترانہ تو کئی دن سے میکے بلب تھی۔ فی الحال تو ہر طرح کی پریشانی کا عنوان تصور تھا جو تین دن سے گھر نہ لوٹا تھا۔

صولت سے شادی سے علی الاعلان انکار کر کے وہ گھر سے چلا گیا تھا۔ اور اب تین دن سے اس کا کچھ اتا پتا نہ تھا۔ صولت نے محبوب کی جدائی کو ازحد دل پر لیا تھا۔ اور وہ نہ صرف رو پیٹ رہی تھی بلکہ کھانے پینے سے بھی گریزاں تھی۔

اسے رہ رہ کر ربیعہ پر غصہ اتارنے کا جوش چڑھتا تھا اور وہ جو منہ میں آتا سو کہنے لگتی تھی۔ شروع شروع میں مینا بیگم نے اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کی پھر وہ بھی ہار مان کر چپ ہو گئی تھیں۔

ربیعہ کو اس وقت آرام اور ذہنی سکون کی ضرورت تھی۔ لیکن باہر سے آتی صولت کی آواز بار بار اس کے اعصاب جھنجھوڑ ڈالتی۔ صولت اسے کوستی' منحوس قرار دیتی۔ اس کی اس گھر میں آمد کو سازش گردانتی پھر تھک ہار کر چپ ہو جاتی۔ کچھ دیر کے بعد اسے پھر نئے سرے سے جوش چڑھ جاتا۔

"میں کہتی ہوں امی۔۔۔ نکال باہر کریں اس چڑیل کو یہاں سے۔ اس کے یہاں ہونے سے میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ آرے چل رہے ہیں آرے۔۔۔ بار بار مجھے خیال آتا ہے کہ جانے کس وقت میں اس نے کیا منتر پڑھ کر پھونکا تصور پر۔۔۔ وہ تو ایسا نہ تھا۔۔۔ ہائے میری قسمت۔۔۔۔۔"

"کیا بات ہے۔۔۔ کیا بکواس ہے یہ؟" گھر میں یکایک تمدن کی ترش آواز گونجی تھی۔

"جس وقت گھر میں داخل ہو تمہارے یہی بین سننے کو ملتے ہیں۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟ مر نہیں گیا وہ۔۔۔ پڑا ہو گا اپنے کسی یار کے گھر منہ چھپائے۔ چار دن اور گزریں گے۔۔۔ بے غیرتی سے چلا آئے گا۔"

صولت پھر خاموش ہو گئی تھی۔ اسے خاموش ہونے کے لیے ایسے ہی کسی ہیوی ڈوز کی ضرورت پڑتی تھی۔

"پتا تو کیا ہو تا تمدن!" مینا بیگم قدرے سہولت سے بولیں۔ "غصے میں گھر سے گیا ہے۔ جوان خون ہے کچھ ایسا ویسا نہ کر بیٹھے۔"

"ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔" تمدن کو یہ بات کافی پُرمزاح لگی۔ "جوان خون! پھپھو جوان خون ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ خون میں غیرت بھی ہونا چاہیے۔ جو اس بے چارے کے پاس بالکل نہیں ہے۔ سالا بد معاش' ہونے والی بھابھی پر نظر رکھے بیٹھا ہے۔ خبیث۔"

صولت پھر بھوں بھوں کر کے رونے لگی تھی۔ مینا بیگم اور تمدن نے اس مرتبہ اسے بالکل لفٹ نہ کروائی۔ چند لمحوں بعد وہ دونوں کمرے میں چلے آئے تھے۔ ربیعہ نے اٹھنے کی کوشش کی تو مینا بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

"آرام کرو۔۔۔" تمدن بھی نرمی سے بولا۔ "تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

پھر وہ مینا بیگم کی سمت مڑا۔

"پھپھو! فی الحال اس سے گھر در کا کوئی کام نہ کروانے لگنا۔۔۔ ابھی اس کی حالت ایسی نہیں ہے۔۔۔ شکل سے ہی نڈھال لگتی ہے۔"

"اب خیر میں اتنی ظالم بھی نہیں ہوں۔۔۔" مینا بیگم کو برا محسوس ہوا۔ بالفاظ دیگر انہوں نے قدرے ظالم ہونے کا اعتراف بھی کیا۔

"تصور کے چھپ جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" تمدن اسی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ جس پر ربیعہ لیٹی ہوئی تھی۔

ربیعہ نے جھک کر خود کو سمیٹا۔ وہ بالکل پرے ہو گئی۔ تمدن نے ایک سرسری نگاہ اس کی حرکت پر ڈالی تھی۔

"میں نے اپنے سب دوستوں کو مدعو کر لیا ہے۔ اور اپنا پروگرام بدلنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس جمعے کو میں مولوی لے آؤں گا۔ گھر میں ہی نکاح پڑھوا لیں گے۔ چند دوستوں اور رشتے داروں کو بلا کر ہلکا پھلکا ارینج منٹ کر لیں گے۔"

ربیعہ کے اندر تیلے بگولے اٹھنے لگے۔ وہ کسی صحرائی طوفان میں جا پھنسی۔ تمدن اس کی کیفیت سے بے خبر بول رہا تھا۔

"ہمارا کام تو یونہی سادگی سے چل جائے گا۔"

"لیکن تمدن!" مینا بیگم تذبذب کا شکار تھیں۔ "تصور کے نہ ہونے پر بہت باتیں بنیں گی۔ یوں بھی جن لوگوں کو میں نے دعوت دی تھی' انہیں دونوں شادیوں کے متعلق بتایا تھا۔ اب اگر صرف تمہاری رسم نکاح منعقد کروی جائے تو لوگ لازماً اندیشوں کا شکار ہوں گے اور تصور کا اس موقع پر نہ ہونا ان اندیشوں کو اور بھی ہوا دے گا۔"

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ خود غرضی سے بولا۔ "وہ ساری عمر نہ لوٹے تو کیا میں اور ربیعہ ساری عمر اس کا انتظار ہی کرتے رہیں گے؟"

"ایسے نہ کہو تمدن۔۔۔ اتنے خود غرض نہ بنو۔۔۔۔" مینا بیگم خود پر مزید جبر نہ کر سکیں۔ یوں بھی تصور ان کا ہونے والا داماد تھا۔ سو تمدن کی نسبت وہ اس سے زیادہ انسیت رکھتی تھیں۔

"اس میں خود غرضی کی کیا بات؟ حقیقت پسندی ہے یہ۔ اور یوں بھی اگر آپ غور کریں تو ہمارا نکاح ہونے سے اس معاملے پر اچھا اثر پڑے گا۔ تصور کی امیدوں پر پانی پھرے گا تو وہ خود ہی چلا آئے گا۔۔۔ یہ سوچ کر کہ اب تو کچھ ہو نہیں سکتا۔"

تمدن کی بات پر مینا بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔

"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ آہستہ سے بولیں۔

"سو فیصد یہی بات ہے پھپھو....! ربیعہ سے مایوس ہو کر وہ ضرور صولت سے شادی پر آمادہ ہو جائے گا.... آپ دیکھ لینا.... وہ دوسرے دن ہی صولت، صولت کرتا چلا آئے گا اور پھر ہم تو سب کچھ بہت سادگی سے کریں گے سارا دھوم دھڑکا، رسمیں و سمیں صولت اور تصور کی شادی پر ہو جائے گا! کیوں ربیعہ؟"

اس نے پہلی بار اسے ایک جیتی جاگتی ہستی کا درجہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن ربیعہ اب خود یہ مقام قبول کرنے پر تیار نہ تھی۔ وہ پتھر کا بت بنی لیٹی رہی۔

"ٹھیک ہے۔!" مینا بیگم نے تمدن کے پروگرام پر تصدیق کی مہر ثبت کی۔ "میرا خیال ہے تم ٹھیک ہی ہو۔ تو پھر اس جمعے کو طے ہے یہ نکاح۔"

"بالکل...." وہ کھل کر مسکرایا۔

مینا بیگم آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی ربیعہ کو دیکھنے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کتنا اچھا ہوتا اگر عریشہ بھی ساتھ ہوتی تو...." ناعمہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے افسوس سے کہہ رہی تھی۔ وردہ نے اسے جی بھر کر گھورا لیکن وہ اپنے اردگرد کا جائزہ لینے میں مشغول تھی۔

"اتنا تو کہا تھا اسے۔" ثانیہ تنکی۔ "اب کیا گود میں اٹھا کر لے آتے.... اس کی عادت ہی ایسی ہے نک چڑھی کہیں کی۔ جب سے یہ رشتہ طے ہوا ہے۔ میرا تو دل ہی ڈرتا رہتا ہے۔ وہ تو بھائی ہیں ہمارے.... کون سے دس گیارہ ہیں جو ایک نک چڑھی بھاوج پر صبر کر کے بیٹھ جائیں...."

"جانے دو ثانیہ.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وردہ نے ثانیہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا اور ناعمہ کو جی بھر کر آنکھیں دکھائیں۔

ناعمہ کا اس کی آنکھیں دیکھنے کا قطعاً "کوئی موڈ نہ تھا۔ وہ اپنے فیورٹ شاپنگ ایمپوریم میں آ کر ایسے خوش تھی جیسے چاند گاڑی سے ابھی ابھی چاند پر اتری ہو۔ مختلف دکانوں کی سجاوٹ دیکھ دیکھ کر اس کا اپنا چہرہ بھی دکانوں کی طرح جگمگانے لگا تھا۔

"ہائے اپیا.... مرگئی میں تو...." اچانک ہی ناعمہ کی دردناک صدا ابھری تھی۔

وردہ اور ثانیہ گھبرا کر مڑیں۔

"کیا ہوا ناعمہ...." وردہ نے جلدی سے اسے سر سے پاؤں تک چیک کیا۔

"وہ دیکھیں، وہ میرون لہنگا.... کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔"

وردہ کی جان میں جان آئی۔ اب کی بار اس نے نظروں سے کام لینے کے بجائے ہاتھ سے کام لیا اور نظریں بچا کر ایک دھپ اس کی پشت پر رسید کر دی۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ۔!" وہ آواز دبا کر غرائی تھی۔

"بدتمیزی...." وہ سہم گئی۔ "لہنگا ہے اپیا!"

"بالکل انسان بن جاؤ اب.... ورنہ اگلی مرتبہ میں تمہارے ساتھ نہیں آؤں گی۔"

وردہ کی دھمکی میں بہت جان تھی۔ ناعمہ شرافت کا مجسمہ نظر آنے لگی۔

وہ تینوں آج ہاشم کی شادی کی تقریبات میں پہننے کے لیے کپڑوں کی خریداری کرنے نکلی تھیں۔ انہوں نے عریشہ سے بھی ساتھ چلنے کے لیے بے حد اصرار کیا تھا لیکن وہ صاف انکار کر گئی تھی۔

"ماہین آپی ہی کریں گی میری شاپنگ بھی...." وہ بے زاری سے بولی تھی۔ "مجھے نہیں جانا کہیں۔" ناعمہ اور ثانیہ خاموشی سے چلی آئی تھیں۔

وردہ نے ناعمہ کے اصرار پر میرون لہنگا خریدنے کی کوشش کی لیکن اس کی قیمت ان کی قوتِ خرید سے دوگنی تھی سو وہ اسے لے کر دوسری شاپ پر چلی آئی۔

ناعمہ کی حسرت بھری نظریں بار بار ادھر کا ہی طواف کر رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"جی امی.... میرا تو جی چاہتا ہے کہ اڑ کر پہنچ جاؤں.... مجبوری ہے۔ ابھی کلاسز آف ہونے میں چند دن باقی ہیں۔ کس طرح سے یہ دن گزریں گے، میری سمجھ میں نہیں آتا.... میرا یہاں بالکل دل نہیں لگ رہا ہے۔" عباد بہت بیزار تھا۔

"کوئی بات نہیں بچے! چند دن اور سہی۔ دل لگا کر کلاسیں لو اپنی۔"

انیقہ نے بے صبری سے منیزہ بیگم سے ریسیور لے لیا تھا۔

"عباد بھائی.... مجھے بالکل مزہ نہیں آرہا ہے آپ کے بغیر.... بس آپ جلدی سے آجائیں۔"

"شہلا آپی خوش ہیں انو؟" وہ جانے کیا سوچ کر بولا۔

"ہاں خوش ہیں اپیا.... آپ کو تو پتا ہے نا.... کتنا چھپا چھپا کر رکھتی ہیں اپنے دل کی بات.... کہیں سے بھی لیک آؤٹ نہیں ہونے دیتیں۔ پھر بھی.... اتنا اندازہ تو ہے مجھے.... بہت مطمئن نظر آتی ہیں وہ اس فیصلے پر، مطلب خوش ہیں۔"

"ہوں.... اور عمیر....؟ اسے کس نے بریف کیا؟" وہ خوش دلی سے بولا۔

انیقہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی پھر کھنکھار کر بولی۔

"عمر تو بچہ ہے عباد بھائی.... ابھی اسے ان باتوں کا زیادہ پتا نہیں ہے.... آہستہ آہستہ وہ گزرتے ہوئے حالات سے ہی اخذ کرے گا سب کچھ۔"

"نہیں انو.... وہ اتنا بھی بچہ نہیں ہے.... ایسے ہی تو نہیں وہ خود کو "سپرمین" کہتا ہے، اسے ذہنی طور پر اس حقیقت کے لیے تیار کرو۔ کہیں بعد میں کوئی پرابلم نہ کری ایٹ کرے.... شہلا آپی ڈسٹرب ہو سکتی ہیں۔"

"اوکے.... میں کوشش کرتی ہوں، آپ بس جلدی سے آجائیں.... یہاں میں اکیلی کچھ بھی نہیں کر پا رہی ہوں۔ آپ آجائیں تو مل کر خوب ہلا گلا کریں گے۔"

"میں جلد سے جلد پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ، لاہور سے کیا کیا خرید کر لاؤں؟ میں نے تمہارے اور شہلا آپی کے لیے کچھ ڈریسز لیے ہیں۔ امی کے لیے گرم شالیں لی ہیں۔ اور کچھ چاہیے تو بتاؤ۔" انیقہ مسکرا دی۔

"اب آپ کی یہاں موجودگی کے علاوہ کچھ بھی نہیں چاہیے.... میں اور امی جی بھر کر شاپنگ کر چکے.... ضرورت سے زیادہ ہی خرچا کر لیا ہے ہم نے ایکسائٹمنٹ میں...."

"خرچے کی پروا مت کرو انو.... اتنے عرصے بعد تو خوشیوں نے ہمارا دروازہ کھٹکھٹایا ہے۔ خدا ان خوشیوں کو قائم و دائم رکھے۔" وہ قدرے جذباتی ہو گیا۔

"آمین....!" انیقہ آہستہ سے بولی تھی۔

"سب کا خیال رکھنا انو.... میں جلد آرہا ہوں۔" اس نے رابطہ منقطع کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وردہ بری طرح سے جھنجلا گئی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا تمہیں کچھ لینا ہے۔ تمہاری سوئی اسی لہنگے پر اٹک چکی ہے۔ سب نشریات اپنی اپنی جگہ رُک گئی ہیں... اب تم سکون سے بیٹھو اور مجھے اپنی شاپنگ کر لینے دو..."

"تو آپ کریں نا شاپنگ... میں نے آپ کو منع کیا ہے۔" ناعمہ کچھ خفا سی ہو گئی۔

"میں نے سوچا تھا' پہلے تم سے نمٹ لوں... پھر دیکھوں کیا بچتا ہے میرے لیے۔"

"اتنا سیکریفائز نہ کیا کریں وردہ آپی! صحت کے لیے مضر ہوتا ہے۔" وہ طنز سے بولی۔ وردہ اور ثانیہ کو اس کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر ہنسی آ گئی۔ اسے مزید تاؤ آ گیا۔

"میں اپنے فیورٹ سانگز کی سی ڈیز لے رہی ہوں۔ اس شاپ پر ہوں۔" ناعمہ نے اشارے سے بتایا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" وردہ نے اس کے پھولے ہوئے منہ کے پیش نظر سہولت سے اس کی بات مان لی۔ ورنہ عموماً "وہ مارکیٹ میں بھی کسی لڑکی کو تنہا کسی شاپ پر نہیں جانے دیتی تھی۔ وردہ اور ثانیہ کپڑا دیکھنے لگیں۔ ناعمہ سی ڈیز دکان کی جانب بڑھ گئی تھی۔

سیلز مین سے کافی ساری سی ڈیز نکلوا کر وہ بہت دھیان سے ان کے گانوں کے بول پڑھ رہی تھی۔ جب اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

ناعمہ نے نگاہیں اٹھائیں۔ وہ اس کے قریب اس طرح سے کھڑا تھا جیسے وہ اسی کے ساتھ ہو۔ اس کے چہرے پر اپنی پُرتپش نگاہیں جمائے۔ ہونٹ بھینچے وہ اسے عجیب انداز سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ان کی برسوں کی شناسائی ہو۔

جیسے ان کا بہت قریبی رشتہ ہو۔

جیسے وہ کسی بات پر اس سے بے حد خفا ہو۔

جیسے اس کو ٹھیس لگی ہو... جیسے وہ آزردہ ہو۔

ناعمہ سے نگاہیں نہ جھکائی گئیں۔ وہ اسے کھلی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔

"کیوں کیا میرے ساتھ ایسا...؟" اس کا لہجہ بھی آنچ آنچ تھا۔

وہ خوف زدہ ہو گئی۔

"جی... جی...!" وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"کوئی کھیل تھا تمہارے لیے؟ وقت گزاری تھی؟" وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

ناعمہ نے پسینہ پسینہ ہوتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھی ان کی جانب متوجہ نہ تھا۔ چند لڑکے اپنی پسند کی سی ڈیز لے رہے تھے۔ سیلز مین انہیں ڈیل کر رہا تھا۔

"آپ... کیا کہنا چاہتے ہیں؟" اس نے حسب معمول ہتھیلی کی پشت سے پیشانی صاف کی۔

"جاننا چاہتا ہوں... تمہارے اس طرز عمل کی وجہ..." وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

ناعمہ سخت پریشان ہو گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟ کیا بگاڑا ہے آپ کا؟"

"اپنے دل سے پوچھو..." وہ طنز سے مسکرایا۔

ناعمہ کو اس کی شکل دیکھی دیکھی سی لگی۔ وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی کہ اس دیوانے کو اس نے پہلے کہاں دیکھا تھا۔

وہ بھی بے حد غور سے اس کا نقش دیکھ رہا تھا۔

"اسی بھول پن پر مرمٹا تھا میں..." پھر وہ بولا۔ "کیا خبر تھی کہ بھول پن کے پردے میں کتنا فریب پوشیدہ

ہے۔"

ناعمہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا وہ کیا کرے۔ مدد کے لیے کسے پکارے۔

"فراز...!" کسی لڑکے نے آواز دی تھی۔

"کم آن یار...!"

فراز نے ایک بے بس نگاہ اس کے پسینہ پسینہ ہوتے وجود پر ڈالی اور بادل نخواستہ اپنی جگہ چھوڑی۔ شاپ سے نکلنے سے پہلے بھی اس نے بُت بنی ناعمہ پر نظر ڈالی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مما!" عمر بے حد غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

شہلا چونک اٹھی۔ وہ پندرہ دن کی چھٹی کے لیے تحریری طور پر درخواست تیار کر رہی تھی۔ پین ایک طرف رکھ کر وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"جی جناب کہیے!" وہ مسکرائی۔ "خالہ جانی سے لڑائی ہو گئی ہے شاید۔"

"آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہی ہیں؟" اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔

شہلا مدھم سا مسکرائی پھر اس نے عمر کو اٹھا کر اپنے زانو پر بٹھا لیا۔

"میں آپ کی مما ہوں جانو... مما اپنے جانو کو چھوڑ کر کہیں جا سکتی ہیں بھلا۔"

"نہیں... آپ جا رہی ہیں۔ مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ آپ ہاشم انکل کے گھر جا رہی ہیں ان کی دلہن بن کر۔ مجھے نانو نے بتا دیا ہے... میں یہاں نانو کے پاس رہوں گا اور آپ ادھر ہاشم انکل کے پاس رہیں گی... ہے نا...!"

وہ منہ بسورنے لگا تھا' شہلا کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اس نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ اس کا ماتھا چوما پھر اس کے بال سنوارنے لگی۔

"عمر... میں آپ کو یہاں نانو کے پاس صرف ایک ہفتے کے لیے چھوڑوں گی... میری جان! آئی پرامس میں ہمیشہ آپ کو اپنے پاس رکھوں گی۔"

"کہاں؟ کہاں رکھیں گی؟ ہاشم انکل کے گھر؟ میں وہاں نہیں رہوں گا۔"

شہلا کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل اپنی مٹھی میں مسل دیا ہو۔

"کیوں؟" اس نے کمزور سی آواز میں پوچھا۔ "کیوں نہیں رہو گے وہاں؟"

"وہ میرا گھر نہیں ہے... وہ مومن کا گھر ہے۔ میں اس کے گھر میں کیوں رہوں؟"

"بیٹا!" وہ جز بز ہوئی۔ "وہ تو مومن کی نانو کا گھر ہے۔"

"تو اسی کا گھر ہوا نا؟ یہ میری نانو کا گھر ہے تو میرا گھر ہے نا۔"

شہلا کی سمجھ میں نہ آیا' وہ اسے کیسے سمجھائے۔

شہلا نے جواب نہ دیا۔ صرف استفہامی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکا دیں۔

"بچوں کا گھر وہ ہوتا ہے جو ان کے پاپا کا گھر ہوتا ہے..."

شہلا کو یوں لگا جیسے چھت اس کے سر پر آگری ہو۔ وہ خوف زدہ ہو گئی۔

"جو میرے پپا ہیں نا... ان کا نام ابرار جیلانی ہے۔ انہوں نے میرے لیے بہت اچھا گھر بنوایا ہے۔ اسلام آباد میں۔ اگر آپ میرے پپا کی دلہن بن جائیں تو ہم تینوں وہاں رہیں گے۔ میں' آپ اور پپا! کتنا مزہ آئے گا نا..."

شہلا کا سانس اس کے گلے میں پھنس گیا۔ اس سے آواز نکالنا مشکل ہو گیا۔ اپنی ہتھیلیوں کو اس نے نم ہوتا محسوس کیا۔

"مما!" اس نے شہلا کو ہلایا۔ "بتائیں نا! آپ چلیں گی نا اسلام آباد!" شہلا کا حوصلہ جواب دے گیا۔ بنا سوچے سمجھے اس نے ایک طمانچہ اس کے گال پر دے مارا تھا۔

"بند کرو بکواس... کس نے سکھایا ہے تمہیں یہ سب کچھ۔" وہ پھنکاری۔

عمر گال پر ہاتھ رکھے سخت خوف زدہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کاغذ پر اس کا قلم نہایت برق رفتاری سے رواں تھا۔ چند اسائنمنٹ تھے۔ جنہیں چند ایک روز میں پورا کرنا بے حد ضروری تھا۔ اس کا پورا پورا دھیان اپنے کام کی جانب تھا۔

اس کے موبائل کی بپ بجی تو اسے سخت کوفت ہوئی۔

اس نے آنے والی کال کا نمبر دیکھا۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ کالر کون ہے۔ اس نے منہ بنا کر کال ریسیو کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے نوٹس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"کیا ہوا؟" عبدالباری نے اس کا فکر مند چہرہ دیکھا۔

"پتا نہیں۔ وہ کال کیوں ریسیو نہیں کر رہا ہے' موبائل تو اس کے پاس ہی ہو گا نا..." ترانہ نے فکر مندی سے کہا۔

"پریشان مت ہو' ہو سکتا ہے وہ واش روم وغیرہ میں ہو..." عبدالباری نے اسے تسلی دی۔

"میں نہیں جانتی' وہ کس انسٹیٹیوٹ میں پڑھتا ہے۔ ورنہ ہم اس سے ملنے چلے جاتے۔ میرے پاس صرف اس کا موبائل نمبر ہی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ ربیعہ نے لکھوایا تھا۔"

"ڈونٹ وری ترانہ... سب ٹھیک ہو جائے گا... ٹرائی اگین۔"

ترانہ نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک مرتبہ پھر نمبر ملانے لگی۔

اس نے موبائل Silent کر دیا تھا۔ لیکن اب اس کی روشن اسکرین اطلاع دے رہی تھی۔ کہ کال کرنے والا بات کرنے پر مُصر ہے۔ گہری سانس بھر کر اس نے پین رکھ کر فائل بند کی اور موبائل آن کیا۔

"ہیلو... عباد صاحب... میں ترانہ بات کر رہی ہوں۔"

"ترانہ...؟" اسے حیرت ہوئی۔ "میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"میں ربیعہ کی کزن ہوں... اکثر آپ نے مجھے اس کے ساتھ دیکھا ہے۔"

"اوہ گاڈ! ہاؤ کین آئی فارگیٹ! سو سو سوری ترانہ... میں اس وقت کسی اور دھیان میں تھا۔ جی کہیے' کیسے مزاج ہیں... ربیعہ کیسی ہیں۔ ایوری تھنگ از آل رائٹ نا؟"

"جی نہیں!" ترانہ دھیمے سے بولی۔ "یہاں کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ عباد! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کہنا ہے۔"

"کہیے..." وہ بری طرح سے چونکا تھا۔

"عباد... آپ... آپ... ربیعہ سے شادی کر لیں۔ فوری طور پر... آج ہی' آپ کو منظور ہے؟"

"وہاٹ...؟" وہ بھونچکا رہ گیا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

ہے۔
ایقان کے دوبارہ استفسار پر شہلا، ہاشم کے لیے نیم رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔ فردوس بیگم بھی بیٹے کی خواہش پر مجبور ہو جاتی ہیں۔
ترانہ، ربیعہ کو یونیورسٹی کا فارم لا کر دیتی ہے۔ تصور کی حرکتیں صولت کی نظر میں جاتی ہیں۔ جس پر وہ ربیعہ پر گھناؤنے الزام لگاتی ہے۔ جس پر ترانہ صولت کو تھپڑ مارتی ہے اور اسے سنگین نتائج کی دھمکی دیتی ہے۔
انیقہ، ابرار جیلانی کو چھپ کر فون کرتی ہے۔ اور اسے شہلا کے رشتے کے متعلق بتاتی ہے۔ وہ یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ عمر کو شہلا سے نہیں چھینے گا۔
پارک میں ربیعہ کی ملاقات دوبارہ عباد سے ہوتی ہے۔ تمدن۔ پارک میں ربیعہ کو عباد کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور اس کے پارک جانے پر پابندی لگا دیتا ہے۔
فردوس بیگم اپنی ساس اور نند کے ساتھ جا کر شہلا کو منگنی کی انگوٹھی پہناتی ہیں، شہلا، ہاشم پر واضح کر دیتی ہے کہ وہ شادی کے بعد عمر کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ ہاشم اس کی بات مان لیتا ہے۔
تمدن، ربیعہ کو یونیورسٹی فارم بھرتے دیکھ لیتا ہے، اور اس کا فارم پھاڑ دیتا ہے۔ جس کا ربیعہ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اس پر غم کا پہاڑ اس وقت ٹوٹتا ہے جب مینا بیگم تمدن سے اس کی شادی کا اعلان کرتی ہیں۔

۱۸
اٹھارہویں قسط

اس نے ایک مضطرب نگاہ گرد و پیش پر اور دوسری اپنی رسٹ واچ پر ڈالی تھی۔
باری مسکرا دیا۔ پھر اس نے میز پر رکھے ہوئے ترانہ کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنا ہاتھ رکھا۔ ترانہ چونک اٹھی۔
"ریلیکس۔" باری نے اسے تسلی دی۔ "تم بہت ٹینس نظر آ رہی ہو۔"
"ٹینس ہوں تو۔ نظر بھی آؤں گی۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔ "واحد اطمینان یہ ہے کہ تم میرے ساتھ ہو..... اتنا وقت میں اسی لیے کاٹ پائی ہوں..... پتا نہیں وہ آئے گا بھی یا نہیں۔" عبدالباری نے بھی اپنی رسٹ واچ دیکھی ہے۔
"وہ آئے گا ترانہ..... میں یقین سے کہتا ہوں۔ یوں بھی ہم اس کے دیے ہوئے وقت سے بہت پہلے ہی یہاں پہنچ گئے ہیں۔ اس نے پانچ بجے آنے کو کہا تھا اور ابھی صرف سوا پانچ ہوئے ہیں۔"
"پتا ہے باری..... جو کچھ میں کرنے جا رہی ہوں، اس کے لیے بہت ہمت درکار ہے۔ مجھے یہ ہمت نجانے کس چیز نے دی ہے۔ شاید۔ شاید میرے احساس جرم نے۔ یا پھر اس محبت نے جو میں ربیعہ کے لیے اپنے دل میں محسوس کرتی ہوں۔ جب سے میں نے اسے تمدن بھائی سے شادی کرنے پر فورس کیا ہے میں ایک عجیب سی خلش، ایک ناقابل بیان احساس جرم میں مبتلا ہوں۔ یہ جانتے بوجھتے کہ کسی بھی طرح تمدن بھائی اس کے لائق نہیں ہیں۔ میں پھپھو کی باتوں میں آ کر اسے ایک آگ کے دریا میں دھکیلنے لگی تھی۔ وہ گھر ہی آگ کا دریا ہے باری! میں یہ بات، بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ پھر بھی، پھر بھی میں ربیعہ کو وہاں عمر قید کی سزا سنانے والوں میں شامل ہو گئی۔ ربیعہ تو موم کی گڑیا ہے۔ وہ کیسے جی پائے گی وہاں؟ گھل گھل کر مر جائے گی وہ....."
باری گال کے نیچے ہاتھ رکھے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ترانہ بات مکمل کرتے کرتے جھینپ گئی۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہو باری؟"
"سوچ رہا ہوں!" وہ واقعی سوچ میں گم تھا۔

"کیا؟" ترانہ نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔
"ایسا ہی ایک آگ کا دریا میرے گھر میں بھی بہتا ہے ترانہ۔۔۔ یہ کیسی حقیقت ہے؟ ہم انسان اپنے
رویوں سے آگ کے دریا کیوں بناتے ہیں؟ ہم پر سکون ٹھنڈی میٹھی جھیلیں کیوں نہیں بناتے ترانہ؟ ابھی تم
جب یہ سب کچھ کہا تو میں۔۔۔ میں بھی ایک احساس جرم میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ کہیں میں بھی تمہارے ساتھ ز
تو نہیں کر رہا۔"
ترانہ مسکرا دی۔
"نہیں باری! دونوں سچویشنز میں بہت فرق ہے۔ ربیعہ اس سیٹ اپ کا دائمی حصہ بننے پر آمادہ نہیں ہے۔
نے کبھی ایسے ماحول کو نہیں برتا۔ وہ بالکل الگ نیچر کی لڑکی ہے۔ جب کہ میں تو ہمیشہ سے ہی آگ کے دریا کی
ہوں۔ مجھ پر جگہیں بدلنے سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ پھر میں خود اس بات پر ذہنی طور پر رضامند ہوں۔۔۔
کہ میں ترانہ ہوں، موم کی گڑیا نہیں۔"
باری اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔ تب ہی ان کی نگاہ گلاس ڈور کھول کر اندر آتے عباد پر پڑی تھی۔ وہ اندر
اب متلاشی نگاہوں سے مختلف میزوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ترانہ کو باری کے ساتھ بیٹھا دیکھ لیا۔ تو ان
طرف بڑھا۔
ترانہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔ باری عباد کے استقبال کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کر چند قدم آگے بڑھ
ترانہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سلام دعا کے مرحلے طے کر کے وہ تینوں اپنی اپنی نشستوں پر آبیٹھے تھے۔ ترانہ
جانچتی ہوئی نظروں سے عباد کو دیکھا۔ گرے شرٹ اور گرے جینز میں وہ ہمیشہ کی طرح فریش اور خوبرو لگ رہا
شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑے وہ قدرے بے پروا انداز میں تھا۔ شرٹ کا اوپری بٹن کھلا تھا اور اس
گلے میں پڑا ہوا سیاہ تعویذ دکھائی دیتا تھا۔
ترانہ نے چشم تصور سے اسے ربیعہ کے ہمراہ دیکھا اور خوشی سے مسکرا دی۔ ربیعہ جیسی خوبصورت، ن
نازک، حساس لڑکی کے لیے ایسا ہی شاندار سابندہ ہونا چاہیے تھا۔
"جی مس ترانہ۔" اس نے کریم کے پیالے سے چمچ بھر کر منہ میں ڈالتے ہوئے بالآخر عباد نے گفتگو کا آغاز
تھا۔ "تو اب ہم بات کر سکتے ہیں۔"
ترانہ نے ایک نگاہ باری پر ڈالی اور ہولے سے کھنکارتے ہوئے بات شروع کی۔
"عباد۔۔۔ میں نے آپ سے فون پر ایک درخواست کی تھی۔"
"اور ایسی باتیں فون پر تو ہرگز نہیں ہوتیں۔" وہ مسکرایا۔ "اسی لیے میں نے آپ لوگوں کو یہاں آنے
زحمت دی ہے۔ اچھا ہوتا کہ آپ ربیعہ کو بھی ساتھ لے آتیں۔"
"وہ فی الوقت ایسی پوزیشن میں نہیں ہے۔" ترانہ افسردگی سے بولی۔ "اور پھر اسے تو بالکل علم نہیں ہے کہ م
نے آپ سے ایسی کسی بات کے لیے رابطہ کیا ہے۔"
اس نے عباد پر نگاہ ڈالی، وہ سوچتی نگاہوں سے اس کی گفتگو میں تسلسل آنے کا منتظر تھا۔
"دراصل عباد! بات یہ ہے کہ میری پھپھو اور میرے بڑے بھائی تمدن نے ربیعہ سے زبردستی کی رضامندی
کر اس کی شادی تمدن بھائی سے طے کر دی ہے۔ اس۔۔۔ اس جمعہ کو ان کا نکاح ہے۔ شروع میں تو میں بھی سو
تھی کہ اگر ایسا ہو جائے تو شاید ہمارے بدقسمت خاندان کو ایک بہت اچھی، سلجھی ہوئی، پیار سا لڑکی غیبی مدد کی ما

حاصل ہو جائے گی۔ شاید۔۔۔ شاید اس کے ہمارے خاندان کا حصہ بن جانے سے خوش قسمتی کا کوئی دریچہ ہمارے لیے بھی کھل جائے۔ لیکن گزشتہ چند روز میں مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل غلط سمجھتی اور سوچتی تھی۔ ہمارا خاندان واقعی اس قابل نہیں ہے کہ وہاں ربیعہ جیسی معصوم، فرشتہ صفت لڑکی اپنی تمام زندگی کسی ناکردہ گناہ کی ناقابل معافی سزا کے طور پر گزار دے۔ وہ گھر تو کالے پانی کی سزا ہے۔ میں بچپن سے وہیں پلی بڑھی ہوں۔ لیکن ان درودیوار میں میرا دم گھٹتا ہے تو ربیعہ۔۔۔ ربیعہ تو بہت نازوں سے پلی ہوئی، نرم و نازک بیل جیسی لڑکی ہے۔ وہ تو دِنوں میں مرجھا جائے گی۔۔۔۔"

عباد سپاٹ چہرہ لیے اپنی نگاہیں بولتی ہوئی ترانہ پر جمائے ہوئے تھا۔

"دوسرا کوئی آپشن میرے یا ربیعہ کے پاس نہیں تھا۔" ترانہ نے نظریں جھکا کر جیسے اپنے جرم کا اعتراف کیا تھا۔ "اور ربیعہ بے چاری کے ذہن میں تو ایسا بھی کوئی آپشن نہیں ہے۔ وہ تو آپ کو ایک بھائی کی طرح مخلص مددگار سمجھتی ہے۔ لیکن عباد! یہ پوزیشن کچھ ایسی ہے کہ ربیعہ کو اس صورت حال سے نکلنے کے لیے ایک مضبوط رشتے کی، ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ اس دنیا کی نظر میں منہ بولے رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر میں کسی طرح ربیعہ کو اس گھر سے نکال بھی لاتی ہوں تو اسے ایک سائبان چاہیے۔ ایک مضبوط رشتہ چاہیے۔ اس لیے میں نے آپ سے یہ بات کی تھی۔"

ترانہ نے نظروں میں آس بھر کر اسے دیکھا۔

"میں جانتی ہوں عباد! اس نے لبوں پر خاموشی کی مہر لگائی ہوئی ہے لیکن اس کا دل دہائیاں دے رہا ہے۔ اس کی آنکھیں خشک ہیں مگر اس کے احساسات اشک بار ہیں۔ وہ اس حالت میں زیادہ عرصہ نہ جی سکے گی۔۔۔ اس کے اندر جینے کی آس اگر کہیں موجود بھی ہوئی تو میرا ظالم بھائی اسے کسی شمع کی لو کی مانند ایک ہی پھونک میں بجھا دے گا۔ پلیز عباد۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ اس کا ہاتھ تھام لیں۔ اگر آپ کے دل میں اس کے لیے ذرا سی بھی ہمدردی ہے تو آپ اس سے شادی کرلیں۔"

عباد نے پہلو بدلا۔ چند لمحے خاموش رہ کر اس نے جیسے صورت حال پر غور کیا تھا۔

"لیکن ترانہ! آپ کے گھر والے؟ انہیں کون ڈیل کرے گا؟"

"کوئی نہیں!" وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" عباد کو الجھن ہوئی۔ "ربیعہ آپ کے گھر میں ہے۔ اس کا جمعہ کو نکاح ہے۔ ایسی صورت میں میرا اس سے شادی پر حامی بھرنا کس درجہ حماقت کے زمرے میں آتا ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے؟"

"عباد۔۔۔!" ترانہ کو اس کی بات سمجھ گئی۔ "میں آپ سے کوئی بارات وغیرہ لانے کے لیے نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں تو آپ سے ربیعہ کو بھگا کر لے جانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔۔۔"

"وہاٹ۔۔۔!" عباد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

عبدالباری نے بڑی مشکلوں سے اپنی مسکراہٹ ضبط کی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کا پسندیدہ میرون لہنگا اس کی نظروں کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ لیکن اس کا دھیان کہیں اور مرکوز تھا۔ گہری سوچ میں گم بیٹھی وہ اپنی چھنگلی کا ناخن دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ نجانے کون تھا وہ اجنبی جو دل کو بے چینی کا عارضہ دے گیا تھا۔

ناعمہ کو بار بار جیسے کچھ یاد آ آتا تھا پھر ذہن پر بننے والے یاد کے نقش کسی دوسری سوچ کی لہر میں بہہ جاتے تھے۔ کون تھا وہ؟ پہلے کہاں دیکھا تھا اسے؟ وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا؟ وہ اس سے خفا کیوں تھا؟ پھر اس کا نام۔۔۔ سنا سنا سا۔۔۔ جانا پہچانا سا۔۔۔

"فراز۔۔۔!" اس کے کانوں میں بار بار آواز گونجی۔

اس کا مڑ کر ناعمہ کو بے بسی سے دیکھنا اور بادل نخواستہ وہاں سے ہٹنا۔۔۔ ناعمہ کے دل و دماغ پر وہ منظر نقش ہو گیا تھا۔ پھر اس کی وہ دیوانوں کی سی باتیں۔۔۔ نہ سمجھ میں آنے والی، نہ رد کی جانے والی۔ کچھ مطلب تھا ان بے سروپا باتوں میں۔۔۔ کوئی ڈور تھی جو ہاتھ میں آجاتی تو سب ہی معمے حل ہو جاتے۔۔۔ لیکن وہ ڈور۔۔۔ اس کا سرا۔۔۔ کہاں تھا؟

"کیوں کیا میرے ساتھ ایسا؟ کیوں؟"

"کوئی کھیل تھا تمہارے لیے؟ وقت گزاری تھی؟"

"اسی بھولپن پر مرمٹا تھا میں۔ کیا خبر تھی کہ اس بھولپن کے پردے میں کتنا فریب پوشیدہ ہے۔ کیا خبر تھی؟ کیا خبر تھی۔۔۔"

ناعمہ کے ارد گرد اس کے الفاظ میں چھپی بے بسی چکرانے لگتی۔۔۔ اس کی سوچ کی پرواز نڈھال ہو کر گر پڑی۔ اس نے سر بستر کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"کیا بات ہے ناعمہ! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وردہ کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں ٹھیک ہوں آپا۔۔۔ مجھے بھلا کیا ہونا ہے؟ آپ نے بجٹ کو نظر انداز کر کے مجھے میری پسند کا لباس دلوایا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"ہائیں۔۔۔!" وردہ دنگ رہ گئی۔ "یہ۔۔۔ یہ تم ہی ہو ناعمہ؟ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں؟ یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ امی کو بلاؤں؟"

ناعمہ بری طرح جھل ہو گئی۔

"کیا ہے وردہ آپی! میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ آپ کو کسی اور کا گمان ہونے لگا۔ آج سے پہلے کیا میں نے کبھی کسی بات پر آپ کا شکریہ ادا نہیں کیا؟"



وردہ کے لب مسکرانے لگے۔ اس نے ناعمہ کے سامنے پڑے لباس پر ایک نگاہ ڈالی۔
"ویسے ڈریس تو واقعی اچھا پسند کیا ہے تم نے۔ پہن کر دیکھا ہے؟"
"نہیں..... ابھی تک تو نہیں!" وہ کسلمندی سے بولی۔
وردہ نے ایک مرتبہ پھر آنکھیں پوری طرح سے کھول کر اسے دیکھا۔
"ناعمہ..... تم مجھے واقعی بہت بدلی ہوئی لگ رہی ہو۔ یعنی کل سے تم نے اسے پہن کر ہی نہیں دیکھا۔ کہاں تو تمہارا بس نہیں چل رہا تھا کہ تم اسے وہاں ایمپوریم میں ہی پہن کر کھڑی ہو جاتیں..... "
ناعمہ کو بہن کی باریک بینی کا احساس ہوا۔ وہ خود پر قابو پاتے ہوئے مسکرادی۔
"میں ابھی آپ کو پہن کر دکھاتی ہوں۔" وہ چٹکی بجا کر بولی۔
وردہ بے ساختگی سے مسکرادی۔



"کیا بات ہے عریشہ! سچ سچ بتاؤ مجھے!" ماہین سب کام سمیٹ کر اب بے حد فراغت سے اس کے سامنے یوں آکر بیٹھی تھی کہ فرار کے سب ہی راستے مسدود تھے۔ عریشہ نے کتاب پر سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر نظریں چرا کر لب کاٹنے لگی۔ ماہین بغور اس کے تاثرات ملاحظہ کر رہی تھی۔
"آپ کیا جاننا چاہتی ہیں!" وہ دھیرے سے بولی۔
"تمہارے اس بالکل بدلے ہوئے رویے کی وجہ! اور آج میں جان کر رہوں گی۔ دیکھو عریشہ! گڑیا گڈے سے کھیلنے کی عمر گزر گئی ہے تمہاری۔ زندگی کو کچھ سنجیدگی سے لو..... اگر تمہارے ساتھ کہیں کچھ غلط ہوا ہے' کوئی زیادتی ہوگئی ہے ہم سے تو بتاؤ ہمیں..... تمہارے لب آزاد ہیں۔ کیوں اپنی گویائی کو قید کیا ہوا ہے تم نے..... "
"کیا بات ہے اپیا!" وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ "آج تو بہت فلسفیانہ گفتگو کر رہی ہیں آپ' اتنے دنوں بعد آج آپ کو یہ خیال آگیا کہ میرے لب آزاد ہیں..... اور لبوں کے آزاد ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ گویائی کی طاقت ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ بات تو سماعتوں کی ہے اپیا..... سننے والوں نے سماعتوں کے در بند کر رکھے ہیں تو گویائی کی بے اثر دستک ان پر اثر انداز نہیں ہوا کرتی۔ یہاں سب کی سماعتیں بھری ہیں۔"
ماہین نے ہمدردی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔
"عریشہ! بہت ڈسٹرب لگتی ہو تم مجھے۔ تم یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟ تمہیں نافع پسند نہیں ہے یا پھر تمہیں کوئی اور پسند ہے؟"
عریشہ کا دل یکبارگی کسی اور تال پر دھڑکا تھا۔ "کوئی اور" نے عجب طرح سے احساسات کو چھوا تھا۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔
"بولو..... جواب دو..... میں تمہارا جواب سنے بغیر یہاں سے اٹھنے والی نہیں ہوں۔"
"اپیا..... کیوں راکھ کرید رہی ہیں۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "سب چنگاریاں بجھ چکی ہیں۔"
"جھوٹ..... غلط..... پورا الاؤ روشن ہے یہاں تو..... اس کی تپش باہر والوں تک نہ پہنچے' اس بات کا خوف ہے ہمیں۔ عریشہ! یہ خاندان کا معاملہ ہے۔ اور وہ خاندان جو برسوں سے ایک ہے..... تمہاری کسی بچکانہ حرکت سے اس کی بنیادوں کو نقصان پہنچا تو ساری عمر پچھتاؤ گی تم بھی۔ اور ہم بھی..... ابھی وقت ہے' فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے جو کہنا ہے وضاحت سے کہہ دو..... تمہارا یہ رویّہ گھر والوں کو تکلیف دے رہا ہے اور باہر والوں کو

شک میں مبتلا کر رہا ہے۔ سب لوگ تمہارے اس برتاؤ کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔ جب سے نافع سے تمہاری منگنی ہوئی ہے تم نے کسی سے بھی کلام کرنا چھوڑا ہوا ہے۔ تم کہیں آنا جانا' ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اور اب ہاشم بھائی کی شادی کی تاریخ ٹھہر گئی ہے اور تم نے اس معاملے میں بھی رتی برابر دل چسپی نہیں لی بھی۔ خاندان کی سب ہی لڑکیاں بہت شوق سے اپنی تیاریاں کر رہی ہیں اور تم دولہا کی بہن ہوتے ہوئے بھی لاتعلق سے کونے میں پڑی ہوئی ہو۔ آخر کیوں؟"

عریشہ نے سر جھکاتے ہوئے پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا۔ کیا بتاتی وہ کسی کو؟ اس سارے قصے میں بتانے والی آخر کیا بات تھی؟ بس صرف اتنی سی بات تھی کہ اس کا دل اسے کسی گھڑی' کسی پل چین نہ لینے دیتا تھا۔ اسے آنکھیں یاد آتی تھیں۔ اسے باتیں یاد آتی تھیں۔ اور وہ یوں پہلو بدلتی تھی جیسے کسی الاؤ پر بیٹھی ہو۔

ماہین اسے دیکھتی رہی۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔

"نافع سے کوئی شکایت ہے؟" اس نے پھر زچ ہو کر پوچھا تھا۔

"نہیں۔!" وہ گلو گیر لہجے میں بولی۔ "اس میں ہے کیا اچھا یا برا لگنے کو۔"

"اوہ!" ماہین اچانک ہی جیسے کسی نتیجے پر پہنچی تھی۔ "عریشہ! حد ہو گئی بچپنے کی۔"

وہ تاسف سے بولی تو عریشہ نے آنسو بھری نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بس..... نہیں پسند مجھے۔" وہ ضد سے بولی۔

"پھر..... توڑ دیں منگنی؟" ماہین نے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔ "کچھ ایسا ناممکن تو نہیں۔ گھر ہی کی بات ہے۔ بعد میں تم اس کے ساتھ یہی رویہ اپنائے رکھو گی تو کچھ نہ ہو پائے گا۔"

عریشہ لب چبانے لگی۔

"بولو..... جواب دو..... کہتی ہو تو میں بڑوں سے بات کروں..... ایقان پھپھو کو بیچ میں ڈال کر میں دادی جان تک بات پہنچا دیتی ہوں۔"

عریشہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے الفاظ ہونٹوں پر ہی دم توڑ گئے۔ چشمِ تصور سے اس نے ایک مضبوط ہاتھ کو اپنے سر پر آتے اور ٹھہرتے دیکھا تھا۔ اس ہاتھ کے دباؤ میں جو مان تھا' جو بھروسہ اور جو اعتبار تھا... عریشہ کا رواں رواں اسے محسوس کر سکتا تھا۔

"بولو عریشہ..... جواب دو.....!" ماہین جھنجلا گئی۔ "ہاشم بھائی کی شادی کے بعد میں سب سے بات کرتی ہوں۔ توڑ ڈالتے ہیں یہ منگنی..... جب تم ہی خوش نہیں ہو۔"

"نہیں ایسا.....!" وہ کانپتے لبوں سے بولی۔ "اب کچھ نہیں ہو گا! میں..... میں خوش ہوں۔"

ماہین نے گہری سانس بھری اور کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر اپنا رویہ درست کرو۔ انسان بن کر رہو۔ اب کسی کو تم سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ اور ہاں' کل ہم تمہارے کپڑے لینے جا رہے ہیں۔ سب تیاریاں مکمل ہیں۔ ایک تمہارے ہی کپڑوں کا کام رہتا ہے۔"

عریشہ چپ رہی' اس کی پلکوں پر نمی تھی۔

☼ ☼ ☼

نہا دھو کر وہ بستر پر بہت آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن ذہن' جسمانی آرام کا اثر قبول کرنے پر قطعاً آمادہ نہیں تھا۔ وہ بے حد منتشر الخیالی کا شکار ہو رہی تھی۔ بالوں سے ٹپکتے پانی سے خنک ہوئے بستر پر اس نے کروٹ بدلی اور

گیلے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ کیا راز تھا اس سارے قصے کے پیچھے۔ انیقہ کا ذہن جیسے کسی خفیہ راز تک رسائی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ عمر سے گفتگو نے اس کے ذہن کو بے حد الجھا دیا تھا۔

"وہ کہتے ہیں کہ خالہ جانی کو بالکل نہیں بتانا کہ ہم باپ بیٹا کیا باتیں کرتے ہیں۔" اس کے کانوں میں عمر کے کہے ہوئے الفاظ گونجے۔

"اور مما کو بتانے سے منع نہیں کرتے؟"

"نہیں! وہ تو کہتے ہیں اپنی مما سے میری باتیں کیا کرو۔ انہیں مما بہت پسند ہیں نا!"

انیقہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ صورتِ حال سے بہت کچھ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر نتیجہ واضح طور پر سمجھتے ہوئے خوفزدہ ہو رہی تھی۔

اسے ابرار جیلانی سے اپنی گفتگو یاد آئی اور گفتگو کے دوران محسوس ہوتی ابرار کی بے بنیاد خوشی بھی۔

"کون ہے وہ خوش قسمت؟" اس کا وہ مسکراتا ہوا سوال۔

انیقہ بری طرح سے الجھ کر رہ گئی۔

"تو کیا..... آپا؟ آپا..... بھی شامل ہیں اس کھیل میں؟" انیقہ کو یقین نہ آتا تھا اور کوئی تھا جو اسے اس بات کا یقین دلانے پر مسلسل اصرار کر رہا تھا۔ وہ بستر سے اتر آئی اور تھکے تھکے انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"اگر آپا بھی اس کھیل میں شریک ہیں تو وہ بہت غلط کر رہی ہیں..... ایک بار آزمائے ہوئے شخص کو دوبارہ آزمانا سوائے غلطی کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور اس مرتبہ اس غلطی کا نتیجہ بہت برا ہو سکتا ہے۔" انیقہ کا دل بیٹھنے لگا۔ اسے یہ صورتِ حال ڈسکس کرنے کے لیے ایک سامع کی' ایک ہمدرد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اور اس کی واحد سامع شہلا تھی۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر ٹہلتے ہوئے خود ہی سے باتیں کرتی رہی۔

"ہاشم بھائی جیسا مخلص اور محبت کرنے والا جیون ساتھی فی زمانہ دستیاب ہونا' عظیم ترین خوش قسمتی کے سوا کچھ نہیں۔ اور پھر جس طرح کے حالات سے آپا گزری ہیں۔ اس طرح کے حالات کے بعد تو یہ ایک معجزہ ہی ہے۔ خدا کا بے پناہ کرم ہے شہلا آپی کے حال پر' ان کی غلطیوں کی معافی مل جانے کا اشارہ ہے..... واضح اشارہ..... شہلا آپی یہ اشارہ سمجھ کر ہاشم بھائی کا ساتھ ایک نعمت سمجھ کر اپنا رہی ہیں یا پھر..... یا پھر..... ان کے قدم ایک بار پھر اپنے رستے سے بھٹک رہے ہیں۔"

انیقہ کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی تو وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

جالی کے سفید پردوں کو وہ خالی الذہنی کے عالم میں گھور رہی تھی۔ بیڈ پر دونوں ٹانگوں کو سمیٹ کر بیٹھی ہوئی وہ نجانے کیا کچھ سوچے جا رہی تھی۔ کچھ دن بعد اس کی سونی اجڑی مانگ پھر سے سجنے والی تھی۔ ہتھیلیوں سے روٹھی ہوئی مہندی کے رنگ پھر سے دوستی کرنا چاہتے تھے۔ سرخ زرتار آنچل پھر سے لہرانے کو تھا۔ لیکن روٹھا ہوا دل..... مان کر نہ دیتا تھا۔ نجانے کیا چاہتا تھا یہ دل' شہلا اپنے آپ سے ڈر رہی تھی۔ اسے خود سے باتیں کرنے سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ مگر ایسا کرنے سے قاصر تھی۔

عمر کی باتوں نے اس کے دل کو آنچ سی لگا دی تھی۔ نجانے وہ ایسی باتیں کیوں کر رہا تھا۔ شہلا جانتے بوجھتے بھی بے نیاز رہنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی کوشش کچھ ایسی کامیاب نہ ہو پاتی تھی۔

"بچوں کا گھر وہ ہوتا ہے جو ان کے پاپا کا گھر ہوتا ہے....."

"انہوں نے میرے لیے بہت اچھا گھر بنوایا ہے' اسلام آباد میں..... اگر آپ میرے پپا کی دلہن بن جائیں تو ہم

تنہاں وہاں رہیں گے۔ میں ' آپ اور پپا۔۔ کتنا مزہ آئے گا نا !"
شہلا نے بے ساختہ ہی دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا پکڑا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبا رہا ہو۔
"محبت کے اس تناور درخت کو مل کر سیدھا کرتے ہیں شہلا!" اس کے کانوں میں ابرار جیلانی کی آواز گونجی تھی۔
"میرا ایک دوست یہ قربانی دینے کو تیار ہے۔۔۔ ہاں کہہ دو شہلا!۔ ہاں کہہ دو۔۔۔۔"
شہلا کے لبوں سے بے اختیار ہی سسکی نکلی تھی۔ وہ تکیہ میں منہ چھپا کر اوندھی لیٹ گئی۔ قسمت نجانے کیوں ہر موڑ پر آزمانے کھڑی ہو جاتی تھی۔ اس نے مطمئن اور پرسکون رہنے کے لیے ایک راہ پر چلنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب لگتا تھا کہ اس نے غلط فیصلہ کیا تھا۔ اس نے راہ نہیں دوراہا منتخب کر لیا تھا۔ سامنے تو دو رستے کھلے ہوئے تھے پوری وضاحت کے ساتھ۔



دوڑتے دوڑتے وہ حسبِ معمول رک گیا تھا۔ رافع کافی آگے نکل گیا پھر وہ بھی رکا اور پلٹ کر واپس آنے لگا۔ ہاشم دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اس سفید ماربل سے بنے بنگلے کو دیکھ رہا تھا۔ پام کے خوبصورت پودوں سے سجا ہوا ٹیرس فی الوقت سنسان تھا۔ کاسنی پھولوں سے لدی ہوئی بیل جس کھڑکی تک جا رہی تھی وہ کھڑکی بھی بند تھی۔ اس کے شیشوں کے پیچھے پڑے دبیز پردے نظر آتے تھے۔ رافع اس کے قریب آکر رکا اور اس کی حد درجہ محویت دیکھ کر مسکرا دیا۔
"میاں رانجھے ایسا سوچنے لگتے ہو یہاں تک پہنچ کر تم؟"
ہاشم نے رافع کو دیکھا۔ اس کے لب مسکرانے لگے۔
"اب تو خیر سے شاعر ہیں جناب!" وہ بولا تھا۔ "اب تو میرے جذبات و احساسات تمہیں بغیر میرے کچھ کہے بھی سمجھ لینے چاہئیں۔ شاعر تو انسانی احساسات کے سب ہی زیر و بم پہچانتا ہے' کیوں!"
رافع نے اس کے کھلتے چہرے' مسکراتے لبوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں کو دیکھا اور دل ہی دل میں ان تمام چیزوں کے دائمی ہونے کی دعا مانگی۔ دونوں اب ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔
"یار رافع!" ہاشم نے اس کے کاندھے پر اپنا بازو رکھ لیا۔ "وہ جو لڑکی ہے تیرے خیال میں' حقیقت میں وہ کہاں ہے؟"
"کیا مطلب؟" رافع نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "جو خیال میں ہے وہ خیال میں ہے۔ حقیقت سے خیال کا واسطہ ہی کیا؟"
"نہیں یار! اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے تو نے "اسے" ہی اپنے خیالوں کا پیکر بنایا ہے۔ لاشعوری طور پر' اتنی بڑی حقیقت تیرے سامنے ہے اور پھر بھی تو اس سے انکاری ہے۔ میرا دل نہیں مانتا۔۔۔"
"نہ مانے دل!" رافع مسکرایا۔ "اسے منانا میری ذمہ داری تو ہے نہیں۔ اور میاں رانجھے! تمہیں یہ گمان کب سے ہوا کہ میں تم سے کچھ چھپاتا ہوں۔ "اس" کا وجود میرے خیالوں کی اس ماورائی دنیا میں نہیں ہے۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔"
ہاشم کو الجھن نے آگھیرا۔ دونوں اب پارک میں داخل ہو چکے تھے۔ ایک بینچ پر بیٹھ کر رافع گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے صبح کی خوبصورتی کو اپنے اندر سمونے لگا۔

"رافع...!" کچھ دیر کے بعد ہاشم بولا۔ "کیا یہ خطرناک نہیں ہے؟"
"کیا...؟"
"یہی... اتنا بڑا ٹکراؤ۔"
"کہیں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے... یو ڈونٹ وری۔" رافع اٹھ کر پنجوں کے بل اچھلنے لگا۔
"ٹکراؤ ہے رافع! تم ابھی اس کی سنگینی سے آگاہ نہیں ہو۔ لیکن میں سمجھ سکتا ہوں' انسان کے خیالوں اور اس کی حقیقت میں اتنا بڑا تضاد نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ ٹکراؤ ہو کر رہتا ہے۔ رافع! ایک مشورہ دوں...؟"
رافع نے اچھلتے اچھلتے ہی ایک نظر اس پر ڈالی۔
"شاعری کرنا چھوڑ دو... پھاڑ دو اپنی نظمیں' غزلیں... سبھی کچھ! بھول جاؤ کہ تم نے لفظوں سے خیال میں ایک پری پیکر تراشا تھا۔ بھول جاؤ۔"
رافع رُک کر حیران و پریشانی سے اسے گھورنے لگا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا وہ کچھ دیر کے لیے کچھ بول نہ پایا۔ پھر وہ آ کر ہاشم کے برابر بیٹھ گیا۔
"یار ہاشم!" کچھ دیر کے بعد وہ خود پر قابو پا کر بولا تھا۔ "میں تیری گردن دبا دوں گا کسی دن۔"
ہاشم بے ساختہ ہی مسکرا دیا۔
"بندہ "چوں" نہیں کرے گا۔ ہم یاروں کے یار ہیں۔"
"میں سکون سے جی رہا تھا' اطمینان ہی اطمینان تھا میری لائف میں۔ اتنا سیدھا پن تھا اس شاہراہ میں کہ آنکھیں بند کر کے بلا خوف و خطر دوڑ لگا سکتے تھے۔ تو نے مجھے ابھارا۔ بار بار ابھارا... اتنا کہ میں مجبور ہو گیا' خود سے باتیں کرنے پر۔ میں نے اپنے اندر ایک خیالی دنیا بسائی۔ میں نے ایک خیالی محبوبہ اس دنیا کی مکین بنائی۔ اسے سب سے چھپا کر صرف اور صرف خود تک محدود رکھا۔ اور اب جب کہ میں اس دنیا کی سیر کرنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ تو فرماتا ہے... بلکہ بکواس کرتا ہے کہ میں آگ لگا دوں اس دنیا میں۔ جل کر راکھ ہو جانے دوں' بھول جاؤں کہ میں نے کبھی کچھ سوچا تھا؟ یار ہاشم! میں انسان ہوں یا روبوٹ ہوں؟ اپنے احساسات کو سنگ دلی سے پھاڑ کر پھینک دینے کا ظالمانہ مشورہ کیوں دیا تو نے؟ وضاحت کر؟"
ہاشم نے گہری سانس بھری' اس کی سانس میں رافع کے ہر لفظ کی تائید تھی۔
"رافع! میں تجھے مشینی خیالات کے حوالے سے چھیڑتا تھا تو مجھے کیا خبر تھی کہ... یہ خیالات تو اس چاند کی طرح ہیں جو بے خبری کے سیاہ بادلوں کے پیچھے سفر کر رہا ہے۔ میں نے انجانے میں ہی بادلوں کو پرے کر دیا رافع! اور اس چاند کی روشنی سے خوفزدہ ہو گیا ہوں یا تو اس روشنی کو "اس" کے نام کر دو... یا پھر... بجھا دو اسے... گل کر دو... ! تم سے بہت محبت کرتا ہوں رافع۔ اسی لیے ایسا کہہ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم بری طرح سے پھنس جاؤ گے۔ کسی بھی وقت... کسی بھی وقت رافع!"
"فی الوقت۔ "اس" کے نام کچھ بھی نہیں کر سکتا ہاشم! مجھ میں یہ خیال ڈیولپ ہی نہیں ہو پاتا... مجبور ہوں۔ آگے کی آگے دیکھی جائے گی اور خیال تو خیال ہے۔ اس سے کیا ڈرنا؟ حقیقت کی سب ہی ڈوریاں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔"
"ابھی تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ جذبے اور خیال حقیقت کو کس طرح بے بس کر ڈالتے ہیں۔"
"ابے... دیکھی جائے گی!" وہ شیر جوان کی مانند اٹھ کھڑا ہوا۔ "چل دیکھتے ہیں کون اس پیپل کے درخت کو پہلے ہاتھ لگاتا ہے۔"
"تو جیت جائے گا یار...!" ہاشم نے جماہی لی۔ "میری دراصل نیند پوری نہیں ہوئی رات کو۔ میں کچھ سست

ہو رہا ہوں۔"
"ابھی سے یہ حال ہے۔" رافع نے شوخی سے دانت نکالے۔
"آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا!" ہاشم نے بھی خوش دلی سے ٹکڑا لگایا۔
دونوں کے زبردست قہقہے نے پاس بیٹھی چڑیوں کو اڑا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ربیعہ!" ترانہ نے سرگوشی کی تھی۔
اور وہ تو نجانے کتنی راتوں سے جاگی ہوئی تھی۔ رات کی تاریکی پھیلتے ہی اس کا دل جیسے کسی آہنی شکنجے کی گرفت میں آ کر پھڑپھڑانے لگتا تھا۔ وہ کھلی آنکھوں سے چھت پر گھورتے پنکھے کو دیکھا کرتی' بے سوچ' خیالی ذہن کے ساتھ وہ دیواروں کے اکھڑے ہوئے پینٹ سے بنے ہوئے نقش و نگار بھول بھلیوں میں پھرا کرتی۔ کمرے میں سوتے ہوئے نفوس کی سانسوں کے زیروبم سنتی اور اپنی کھوئی ہوئی نیند کے بارے میں سوچتی کہ کبھی وہ اس کی کتنی اچھی سہیلی تھی۔
ایسے میں ترانہ کی مدھم سرگوشی سے فوراً ہی چونکنا لازم تھا۔ ربیعہ نے آنکھیں کھول کر اپنے اوپر جھکے ہوئے سائے کو دیکھا۔ اگر ترانہ نے اسے پکارا نہ ہوتا تو وہ یقیناً ڈر جاتی۔
"ربیعہ...!" ترانہ پھر بولی تھی۔ "میں اوپر چھت پر ہوں۔ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آ جاؤ۔ کسی کو پتا نہ چلے۔"
ترانہ بات مکمل کر کے آہستہ سے پیچھے ہٹی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی باہر کے اندھیرے میں مدغم ہو گئی۔ ربیعہ کو کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ چارپائی اس کی غیر متوقع حرکت پہ جھنجلا کر کراہی تھی۔ ربیعہ کا دل سہما ہوا... وہ آہستہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
کچھ دیر کھڑی وہ مینا بیگم اور صولت کی سانسوں سے ان کی گہری نیند کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے قدم باہر کی جانب بڑھا دیے تھے۔
چھت پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ فضا میں قدرے خنکی کا احساس' ربیعہ کو نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے ٹھنڈ محسوس ہونے لگی۔ اس نے دونوں بازو اپنے گرد لپیٹنے کی کوشش کی۔ ترانہ اس کے قریب کھڑی تھی۔ اس نے ہمدردی سے ربیعہ کے شانے پر بازو پھیلایا اور اسے لے کر کونے میں رکھی کرسی کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے ربیعہ کو کرسی پر بٹھایا اور خود اس کے قریب فرش پر بیٹھ کر اس کے زانو پر اپنے بازو رکھ لیے۔
"کیا بات ہے ترانہ!" ربیعہ نقاہت سے بولی تھی۔ "رات کے اس پہر... کوئی خاص بات ہے؟"
"ہاں..." ترانہ نے اس کے ہاتھ تھامے۔ "بہت خاص' یہاں اس لیے لائی ہوں تمہیں کہ یہ بات ابھی ہمارے فرشتوں کو بھی پتا نہ چلے تو اچھا ہے۔"
ترانہ بہت مدھم آواز میں گفتگو کر رہی تھی۔ ربیعہ نے ڈر کر اندھیرے میں اسے غور سے دیکھا۔
"جلدی کہو ترانہ! مجھے... مجھے... ڈر لگ رہا ہے۔"
"بس ربیعہ... اب تمہارے سارے ڈر اور خوف ختم ہونے والے ہیں... ایک نئی' خوبصورت' مسکراتی ہوئی زندگی تمہارے تعاقب میں دبے پاؤں چلی آ رہی ہے۔"
"ترانہ!" ربیعہ کے لب کانپے "مجھ سے ایسے مذاق مت کرو... پلیز۔"
اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے اور ترانہ کے ہاتھوں پر گرے۔ وہ تڑپ اٹھی تھی۔
"ربیعہ...! ربیعہ' مجھے معاف کر دو' میں اپنے خاندان کے لیے بہت خود غرض ہو گئی تھی۔ میں کسی سفاک

پجاری کی طرح تمہارا خون بہا کر اس گھر کے لیے عافیت مانگ رہی تھی۔ ربیعہ! بہت بڑی زیادتی کرنے جا رہی تھی میں تمہارے ساتھ۔"

"ایسا نہ کہو ترانہ!" ربیعہ آہستگی سے بولی۔ "میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا' کوئی شکایت نہیں کی۔ پھر تم کیوں ایسا سوچ رہی ہو؟"

"میں جانتی ہوں ربیعہ! تم کتنی صابر' شاکر' معصوم اور نیک فطرت لڑکی ہو۔ اسی لیے تو میری نیت میں بھی فتور آیا تھا.... لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ گھر اور اس گھر کے مکین اس لائق ہی نہیں ہیں کہ تمہاری جیسی بے غرض اور بے لوث لڑکی اپنی خوشیوں کی قربانی دے۔"

ربیعہ خاموش رہی۔

"مجھے معاف کر دینا ربیعہ! لیکن تم سے پوچھے بغیر ہی میں تمہارے مستقبل کے بارے میں ایک فیصلہ کر بیٹھی ہوں۔!" ترانہ قدرے شرمندگی سے بولی۔

"میں تو یہ فیصلہ کب کا قبول کر چکی ہوں ترانہ!" ربیعہ نے گہری سانس بھری۔ "تم اب اس بات کا ذکر کیوں کر رہی ہو؟"

ترانہ نے سر اٹھا کر محبت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں ربیعہ! میں کسی اور فیصلے کی بات کر رہی ہوں۔"

"اور فیصلہ.... وہ کیا ہے؟"

"ربیعہ.... کل.... کل رات کو اسی وقت ہم لوگ خاموشی سے اس گھر سے نکلیں گے....." ترانہ مدھم آواز میں بولنے لگی۔ "ہم لوگ.... ہوٹل جائیں گے۔ وہاں عباد ہمارا منتظر ہو گا....."

ربیعہ حیرت سے بت بنی اس کی بات سن رہی تھی۔

"ربیعہ! ہوٹل میں باری اور باری کے ایک دوست کے سامنے عباد سے تمہارا نکاح پڑھوایا جائے گا۔ پھر ایک گھنٹے بعد تم دونوں ٹرین میں بیٹھ کر کراچی چلے جاؤ گے..... ہمیشہ کے لیے۔"

"ترانہ....!" ربیعہ بمشکل بول پائی تھی۔ "تم.... تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟"

"نہیں ربیعہ! میں اب مکمل ہوش و حواس میں آ چکی ہوں۔ ہاں شاید پچھلے دنوں میں پاگل ہو گئی تھی۔" ترانہ سکون سے بولی۔

"جانتی ہو..... تم کیا کہہ رہی ہو..... کیا کرنے جا رہی ہو؟ تم اس گھر کا ایک فرد ہو ترانہ! تمہارا ہر قدم اس کی بہتری اور بھلائی کے لیے اٹھنا چاہیے۔ اور تم..... یہاں آگ لگا دینے والا کام کرنا چاہتی ہو؟" ربیعہ جذباتی ہو گئی۔

ترانہ نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

"ہاں ربیعہ! تم ٹھیک کہتی ہو۔ کچھ دن پہلے تک میں یہی سوچ رہی تھی کہ میرا ہر قدم' ہر عمل صرف اپنے گھر کی بہتری اور بھلائی کے لیے ہی ہونا چاہیے۔ لیکن اب میں جان چکی ہوں کہ صرف اپنے گھر کے متعلق سوچنے والے خود غرض ہوتے ہیں۔ اپنے گھر کی خوشی کے لیے کسی معصوم کی زندگی جھونک دینا سخت ترین خود غرضی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں خود غرض بن کر جینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"اور میں ایسا کچھ بھی کرنے پر تیار نہیں ہوں ترانہ!" ربیعہ آہستگی سے بولی۔ "مجھے تمہارا یہ فیصلہ منظور نہیں ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"ربیعہ..... ربیعہ!" ترانہ نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ "تم پاگل مت بنو' اس گھر میں کوئی تمہارا ایسا خیر خواہ نہیں ہے جو تمہارے اس ایثار اور خلوص کے بدلے تمہیں کبھی چاہت اور محبت کا ایک لفظ بھی خیرات میں دے

دے۔ مجھ سے پوچھو..... مجھ سے..... میں نے اس گھر کی بنیادوں کو اپنا خونِ جگر دیا ہے۔ اور اگر آج میری طرف سے رتی برابر بھی کوتاہی ہو جائے تو یہ لوگ میرا خون پینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میں اپنے خونی رشتوں کو بخوبی جانتی ہوں۔"

"جو بھی ہے ترانہ.... اب یہی میرا مقدر ہے۔" ربیعہ آنسو پی کر بولی۔ "ان باتوں پر سوچنے اور بولنے کا وقت گزر چکا ہے۔ اب تو فیصلے پر عمل درآمد ہونا باقی ہے۔ سو ہو جانے دو..... اور پھر میں تمدن بھائی سے شادی کر سکتی ہوں، لیکن عباد بھائی سے..... کبھی نہیں..... تم نے ایسا سوچا بھی کیسے۔ اور وہ..... وہ کیسے مان گئے؟" ربیعہ کی آواز بھرا گئی۔

"انہوں نے اپنی رضامندی تمہاری رضامندی اور خوشی سے مشروط کی ہے ربیعہ!" ترانہ نے جیسے کسی گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے سر جھکا لیا۔

"اور میں قطعاً رضامند نہیں ہوں۔"

"ربیعہ! بے وقوف مت بنو..... تم کھائی میں گرنے جا رہی ہو۔" ترانہ جیسے گڑگڑائی تھی۔

"یہ رستہ تم نے ہی تو چنا تھا ترانہ!" وہ یاسیت سے بولی۔ "اب یہ کنویں کو جائے یا کھائی کو..... میری قسمت.....!"

ترانہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔



وہ یوں روٹھے روٹھے انداز میں چلتی ہوئی فون تک آئی تھی۔ جیسے دوسری جانب وہ دیکھ ہی رہا ہو گا۔ چند لمحے اس نے ریسیور کو غصے سے گھورا..... منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی، پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہوں.....!" وہ بولی تھی۔

"ہیلو....." دوسری جانب صورتِ حال سمجھ نہ پایا۔

"ہوں.....!" اس نے اصرار کیا۔

"بھئی یہ "ہوں" کیا ہے؟ نہ دعا نہ سلام..... منہ میں کچھ رکھا ہے کیا؟"

"ہاں! غصہ رکھا ہے..... منہ میں..... دماغ میں....." وہ منہ پھلا کر بولی۔

"ہاہاہا....." عاشر نے خوب لطف اٹھایا تھا۔ "بے وجہ غصہ تو خرِ دماغی کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ ہماری پیاری سی بیگم صاحبہ خردماغ ہو گئی ہیں شاید۔"

"ایقان نے ایک ہاتھ سے ریسیور سنبھالا ہوا تھا دوسرا ہاتھ اس نے لڑنے والے انداز میں کمر پر رکھا تھا۔

"اس وقت اگر تم میرے سامنے ہوتے نا.....!" اس نے دانت پیسے۔

"اچھا! پھر..... کیا کرتیں؟" اس نے بہت سارومانس لہجے میں سمو کر پوچھا۔

غصہ سے بھری ہوئی ایقان دفعتاً ہی مسکرا دی تھی۔

"عاشر تم!"

"ہاں بھئی..... ایسے خوبصورت جملے ادھورے نہیں چھوڑا کرتے۔" وہ مسلسل اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھا۔ ایقان کو اپنی بے بسی پر رونا ہی آ گیا۔ اس کے آنسو اس کا چہرہ بھگونے لگے۔

"ہیلو..... دیکھو تمہاری خاموشی بھی خوبصورت ہے بیگم! لیکن میرا ابل اگر تمہاری کھنکتی آواز سے بنے تو زیادہ اچھی بات ہے۔"

ایقان نے زور سے "ہوں" کیا تھا۔ بصورتِ دیگر اسے علم ہی نہ ہوپاتا کہ وہ رو رہی تھی۔

"ہائیں..... یہ کیا... اوہو... دیکھو ایقان! یہ بہت بری بات ہے۔ تم مجھے اتنی دور ہونے کی سزا تو مت دو۔"

"سزا تو تم مجھے دے رہے ہو عاشر... شاید اس محبت کی جو میں تم سے کرتی ہوں۔ آخر تم مردوں کو بیوی کو یوں ستانے میں کیا لطف آتا ہے۔" وہ سسک کر بولی۔

"ہاں یار! مزہ تو خیر آتا ہے۔ لیکن آنسوؤں کا سارا لطف تو قرب میں ہے انہیں اپنے ہاتھ سے نہ صاف کرو تشنگی نہیں جاتی... اس لیے تم ان آنسوؤں کو میرے آنے تک سنبھال کر رکھو۔ فون پر تو بس تم ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔"

"اتنے دنوں سے فون کیوں نہیں کیا تم نے؟" وہ پھٹ پڑی۔

"میں یہاں نہیں تھا یار... ! کمپنی کے کام سے تائیوان گیا ہوا تھا۔"

"وہاں فون لائنز نہیں ہیں؟ کوئی گاؤں ہے؟" وہ بپھری "یا میرا نمبر بھول گئے تھے تم!" عاشر کو ہنسی آگئی۔

"ایسا کچھ نہیں تھا جانو... میں بزی بہت زیادہ تھا۔ اب معاف بھی کر دو... ساری کال تو تم نے لڑنے میں ضائع کر دی ہے۔"

"عاشر... ! تمہیں میرے جذبات کا بالکل خیال نہیں ہے۔" اس نے خود پر قابو پایا۔ "جس طرح کی صورت حال سے میں گزر رہی ہوں۔ اس میں یوں اکیلا اور پریشان رہنا کتنا مشکل اور کتنا خطرناک ہے۔ تمہیں اس بات کا بھی احساس نہیں ہے۔ ایک کمانے کے چکر میں پڑ کر تم ہر طرح کی فکروں سے بے نیاز ہو گئے ہو۔ مرد کا کام صرف اور صرف کمانا ہی تو نہیں ہے عاشر...!"

عاشر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ ایقان کا لفظ لفظ سچا تھا۔ وہ اپنی سچائی کہاں سے پیش کرتا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ایقان!" پھر وہ قدرے شرمندگی سے بولا۔ "میں واقعی اپنی ذمہ داریوں سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ شاید تم پر بے پناہ یقین کا مظہر ہے یہ کہ میری ایقان نے سب کچھ بہت احسن طریقے سے سنبھالا ہوا ہے۔"

"ہاں... بس ایک اپنا دل ہی نہیں سنبھلتا....." اس نے خفگی سے سر کو جھٹکا دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ... حالات کی کیا پوزیشن ہے؟ ہاشم میاں کے ارمان کب پورے ہو رہے ہیں؟"

"اگلے ہفتے بارات جائے گی۔ سب اسی کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔"

"میرے بچوں نے کپڑے بہت اچھے ہونے چاہئیں... اور بیوی نے بھی۔"

ایقان نے گہری سانس بھرنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا... اور بچوں کا بھی... سب کو سلام کہنا۔ خدا حافظ۔"

لائن ڈس کنکٹ ہو گئی تھی۔ ایقان نے بے دلی سے ریسیور رکھا۔ الفاظ جیسے اپنے معنی اور اپنا اثر کھوتے جا رہے تھے۔



نافع اور علی ڈھول کا ایک ایک سائیڈ بری طرح سے پیٹ رہے تھے اور حمزہ کھڑا لڈی ڈال رہا تھا۔ لڑکیوں کی ٹولی رستے میں ہی رک گئی تھی اور اب حیرت اور غصے سے وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ... یہ پھاڑ دیں گے اس ڈھول کو..." ثانیہ قدرے خفگی سے بولی۔ "جنگلیوں کی طرح سے پیٹ رہے ہیں۔"

"او... اد... او... کو... د..." حمزہ نے اس کی بات سن کر افریقی قبائلیوں کی سی تان لگائی۔ علی اور نافع نے

بھی کانگو اسٹائل اپنالیا۔۔۔ اب حمزہ قبائیوں کا مخصوص رقص پیش کرنے لگا۔

"بھئی کیا بدتمیزی ہے یہ۔۔۔" وردہ بھنا کر آگے بڑھی۔ "ہم نے یہاں یہ سارا ارینج منٹ تمہارا یہ جنگلی رقص دیکھنے کے لیے نہیں کیا ہے۔۔۔ واپس دو ہمارا ڈھول۔۔۔ ہمارا بہت اچھا موڈ ہے اس وقت۔۔۔ اسے خراب مت کرو پلیز۔"

"ان سب کو درختوں سے باندھ دو۔۔۔ اور الاؤ روشن کیا جائے!" علی نے جیب سے رومال نکال کر ماتھے پر پٹی کے انداز میں باندھ لیا۔

"یہ ایسے نہیں ماننے والے۔۔۔" ماہین نے حسام کو گود سے اتارا اور آگے بڑھی۔

علی اور حمزہ بڑی بہن کو خطرناک تیوروں سے اپنی جانب آتا دیکھ کر بدک کر بھاگے۔ نافع بیٹھا مسکراتا رہا۔ اور وہ اپنا رشتہ بخوبی پہچانتا تھا۔ ماہین کے لب بھی مسکرا دیے۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔۔۔ بہت لحاظ کروں گی میں تمہارا؟"

"کرنا تو چاہیے!" وہ شرارت سے ہنسا۔

ماحول کی خوش گواریت محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک شریر سی نظر لڑکیوں کے درمیان کھڑی عریشہ پر ڈالی تھی۔ عریشہ کے گال سرخ ہو گئے۔ اس کے اندر ناگواری کی بہت منہ زور لہر اٹھی تھی۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"اٹھیے جناب!" اب ماہین قدرے رسانیت سے بولی۔ "نہیں تو ہم آپ کے جوتے چھپا دیں گے۔" ایک قہقہہ لگا۔ نافع سچ مچ بہت خجل ہوا تھا۔ کان کھجاتا وہ لڑکیوں کے درمیان سے نکل بھاگا۔

"چلو تان سین کی شاگرد دو ن تان لگاؤ!" ماہین نے ڈھول سنبھالا۔ وہ ہمیشہ سے ہی اس ساز کو بجانے میں مہارت رکھتی تھی۔

اس نے ایک ہاتھ ڈھول پر مارا اور اگلے ہی پل دکھ سے چلائی۔

"کیا ہوا ہے؟"

لڑکیاں چونک اٹھیں۔ ڈھول کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے سر پیٹ لیے۔



بہت دیر تک وہ فون کے پاس ہی کھڑی رہی تھی پھر اسے دھیان آیا۔ لڑکیوں کا ارادہ تو پچھلے لان میں جمع ہو کر گانے بجانے کا تھا۔ وہ بھی رائمہ کے ساتھ وہیں جا رہی تھی جب عذرا بیگم نے اسے عاشر کے فون کا بتایا۔

فون کے پاس سے ہٹ کر وہ رافع کے کمرے سے نکل آئی۔ بے دلی اور بے دھیانی کے عالم میں اس نے پہلی سیڑھی پر نجانے کس طرح سے قدم رکھا تھا کہ پیر اس کا بوجھ نہ سہار پایا۔ ایقان ایک دردناک چیخ کے ساتھ لڑھکتے ہوئے آخری سیڑھی پر آ گری تھی۔

(باقی انشاء اللہ آئندہ ماہ)

ہے۔
ایقان کے دوبارہ استفسار پر شہلا' ہاشم کے لیے نیم رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔ فردوس بیگم بھی بیٹے کی خواہش پر مجبور ہو جاتی ہیں۔
ترانہ' ربیعہ کو یونیورسٹی کا فارم لا کر دیتی ہے۔ تصور کی حرکتیں صولت کی نظر میں جاتی ہیں۔ جس پر وہ ربیعہ پر گھناؤنے الزام لگاتی ہے۔ جس پر ترانہ' صولت کو تھپڑ مارتی ہے اور اسے سنگین نتائج کی دھمکی دیتی ہے۔
انیقہ' ابرار جیلانی کو چھپ کر فون کرتی ہے۔ اور اسے شہلا کے رشتے کے متعلق بتاتی ہے۔ وہ یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ عمر کو شہلا سے نہیں چھینے گا۔
پارک میں ربیعہ کی ملاقات دوبارہ عباد سے ہوتی ہے۔ تمدن۔ پارک میں ربیعہ کو عباد کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور اس کے پارک جانے پر پابندی لگا دیتا ہے۔
فردوس بیگم اپنی ساس اور نند کے ساتھ جا کر شہلا کو منگنی کی انگوٹھی پہناتی ہیں' شہلا' ہاشم پر واضح کر دیتی ہے کہ وہ شادی کے بعد عمر کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ ہاشم اس کی بات مان لیتا ہے۔
تمدن' ربیعہ کو یونیورسٹی فارم بھرتے دیکھ لیتا ہے' اور اس کا فارم پھاڑ دیتا ہے۔ جس کا ربیعہ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اس پر غم کا پہاڑ اس وقت ٹوٹتا ہے جب مینا بیگم تمدن سے اس کی شادی کا اعلان کرتی ہیں۔

۱۹

اُنیسویں قسط

"اٹھو بیٹی..... یہ ذرا سی یخنی پی لو....." شفیقہ حیات نے بہت محبت سے اسے پکارا۔
ایقان نے بے دلی اور بے زاری سے یخنی کا پیالہ دیکھا پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں اماں! بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا ہے۔ صبح بھی بھابی جان نے زبردستی ایک پیالا پلا دیا تھا۔ اب تو ذرا بھی من نہیں ہے۔"
"نہ بیٹی!" انہوں نے اسے چکارا۔ "ایسی باتوں میں من نہیں دیکھتے' جسم و جان کا بھلا دیکھتے ہیں۔ جتنا کھاؤ گی' اتنی ہی جلدی اٹھ کر کھڑی ہو جاؤ گی اپنے پیروں پر۔ شاباش۔"
ایقان چند لمحے چھت کو گھورتی رہی۔ دنیا بھر کی بے زاری اور کوفت اسے اپنے اندر بھری ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ کسی سے کلام کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ آنکھیں موند کر لیٹے رہنا ہی ہر غم کا علاج محسوس ہوتا تھا۔
شفیقہ حیات اس کے قریب بیٹھ گئیں۔ ان کے انداز میں محبت بھرا اصرار تھا۔ ایقان کو محبت سے منہ موڑنا دنیا کا مشکل ترین کام لگتا تھا۔ وہ ناچار اٹھ کر بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔
"ایسے چھوٹے موٹے حادثات تو عورت کے مقدر کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں بیٹی! ان کو اس طرح دل پر لے لینا اچھا نہیں ہے۔"
انہوں نے موقع غنیمت جان کر اسے سمجھانا چاہا' ورنہ وہ تو پچھلے چار دن سے کسی سے دو لفظ بولنے پر آمادہ نہ تھی۔ کسی بے جان لاش کی طرح دن رات آنکھیں بند کیے لیٹی رہتی۔
ایقان نے پیالہ لبوں سے ہٹا کر ماں کو ایک نظر دیکھا۔ اس کی نظروں میں افسردگی اور عجیب سا گلہ تھا۔ شاید ان کی بات اس کے دل پر لگی تھی۔ شفیقہ حیات اس کی نگاہوں کی زبان سمجھ گئیں۔
"آٹھ اولادیں ہوئی تھیں میری' چار بیٹے اور چار بیٹیاں۔ ان میں سے صرف چار نے زندگی پائی۔ اللہ تم چاروں

کو سلامت رکھے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تم لوگ لیکن جو چار نہ رہے، ان کا دکھ آج تک سینے میں سلگتا محسوس ہوتا ہے۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"اس زمانے میں نہ تو پیدائشی ٹیکوں کا طریقہ بچاؤ تھا، نہ ہی دوسرے جدید علاج نکلے تھے بیماریوں کے۔ چار بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑتے دیکھا ہے میں نے۔ اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا ہے۔ بتاؤ بیٹی! ہم بھی جیتے ہیں ہنستے ہیں، کلام کرتے ہیں، تم لوگوں کی خوشیوں اور تندرستی کے لیے دعا کرتے ہیں۔ تم اس حادثے کو جی کا روگ بنائے بیٹھی ہو۔ بچے تمہارے ارد گرد پھر پھرا کر، مایوس ہو کر کمرے سے نکل جاتے ہیں۔ کچھ ان کا خیال کرو، انہیں پیار دو، تسلی دو۔ عجیب ہونق سے پھرتے ہیں دونوں۔"

ایقان کو ماں کی باتوں سے یک گونہ تسلی ملی۔ اس کے دل کو قرار سا آیا۔

"کہاں ہے ایمان؟ کس کے ساتھ ہے؟ اور مومن کیا کر رہا ہے؟" اس نے بے چین سے ہو کر پوچھا تھا۔

شفیقہ حیات مسکرادیں۔

"ایمان کو وردہ اپنے ساتھ لے گئی ہے اور مومن کو شہلا ساتھ لے گئی تھی، صبح، جب سے وہیں ہے۔ اس کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی کھانا کھا کر عمر کے ساتھ ہی سو گیا ہے۔"

ایقان کے لبوں پر بجھی بجھی سی مسکراہٹ در آئی۔ اس نے یخنی کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کیا سوچتی ہوگی شہلا بھی اور بے چارہ ہاشم! کس قدر خوش تھا اپنی برات کے تصور سے۔ میں نے اس کے ارمانوں کو مزید انتظار کی سزا سنادی۔"

"اے لو... اچھی کہی۔" انہوں نے برا مان کر اسے دیکھا۔ "بیٹی! لکھے پر کس کا زور؟ جس وقت ملنا لکھ دیا گیا ہے، اسی وقت ملیں گے..... نہ گھڑی بھر آگے نہ گھڑی بھر پیچھے۔ تم سے بھلا کسی کو کیا شکایت ہوگی..... تم تو خود اس وقت سب کی توجہ اور ہمدردی کے لائق ہو..... لاحول ولا قوۃ..... یہ کیا کچھ خرافات سوچتی رہتی ہو تم..... ہفتہ بھر بعد برات چلی جائے گی..... ہمارے ہاں صد شکر کہ شبھ گھڑیوں کا فضول چکر نہیں ہوتا۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسی لمحے عذرا بیگم جوس کا گلاس لے کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ ایقان کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی اداس سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"لیجیے، اگلی شفٹ تیار ہے۔" وہ بولی۔

شفیقہ حیات بھی مسکرادی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"بے چاری ایقان!" منیزہ بیگم تاسف سے شہلا کے کپڑے اٹیچی کیس میں رکھتے ہوئے بولی تھیں۔ "کس قدر خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں حصہ لے رہی تھی اور ناگہانی حادثہ پیش آگیا۔"

"بس امی جی!" انیقہ نے گہری سوچ کے اثر سے نکل کر سانس بھری۔ "میرا دل تو لمحہ بھر کے لیے جیسے کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا تھا۔ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ اچانک ہو کیا گیا ہے۔ جس تاریخ کا اتنے دن سے شدت سے انتظار تھا، وہ تین روز بعد ہے لیکن اب....."

"دل برا نہ کرو..." منیزہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "انہوں نے زیادہ دن آگے نہیں بڑھائے، صرف ہفتہ بھر کی مہلت مانگی ہے۔ ایقان صحت یاب ہو جائے، ہنسی خوشی شادی میں شریک ہو تو ہمیں بھی خوشی ہوگی۔" پھر وہ کچھ سوچنے لگی تھیں۔

"شہلا کی زندگی میں پھر سے بہار لوٹ آئے، اس کے لیے اس کی مخلصانہ کوششوں کا بہت ہاتھ ہے۔ ہمیں اس کا احسان مند ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر خوشی منانے کو تو میرا دل بھی ہامی نہ بھرتا اور شہلا..... وہ کہاں مانتی، تین دن بعد نہ سہی، دس دن بعد سہی۔"

انیقہ نے نظروں کا زاویہ بدل کر انہیں دیکھا اور دھیرے سے مسکرادی۔

"کہتی تو آپ ٹھیک ہی ہیں۔ ایقان آپی کا بہت ہاتھ ہے یہ رشتہ یوں آسانی سے طے ہو جانے میں، اور ان کے بغیر تو شادی میں بالکل بھی مزہ نہ آتا۔"

"شہلا کہاں ہے؟" منیزہ بیگم نے متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "صبح سے کمرے سے ہی نہیں نکلی۔"

"بیٹھی ہوں گی اداس شاعری کی کوئی کتاب کھولے۔ عجیب ہی مخلوق ہیں قسم سے۔ میری شادی اتنی قریب ہو تو میں صرف شادی کے گانوں کی کتاب پڑھوں اور اچھے اچھے گانے سلیکٹ کروں، انہیں تو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ میں نے اتنا اچھا ابٹن لا کر دیا تو بولیں۔ مجھے اس کی خوشبو سے سخت الرجی ہے۔ مہندی کے ڈیزائن دکھائے تو بولیں۔ کوئی بھی ہلکا سا ڈیزائن ہو، زیادہ بیل بوٹے نہ ہوں۔ ان کا بس چلے تو سفید رنگ کا ویڈنگ ڈریس پہن کر بیٹھ جائیں اپنی شادی والے دن۔ کہہ دیں گی کیا فرق پڑتا ہے۔ آج کل تو اس جملے کی رٹ لگائی ہوئی ہے انہوں نے۔"

انیقہ جل کر کہہ رہی تھی۔ منیزہ بیگم مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے دیکھتی رہیں۔

"ہاں تو دلہنیں پہنتی ہی ہیں سفید لباس بھی۔" پھر وہ بولی تھیں۔ "مجھے تو خود بہت پسند ہے سفید لباس۔"

"ہائیں۔" انیقہ نے تعجب سے ان کی صورت دیکھی۔ "کمال ہے امی..... اچھا! آپ نے کون سے رنگ کا لباس پہنا تھا اپنی شادی میں؟"

منیزہ بیگم دھیرے سے مسکرادیں۔

"سفید۔" وہ آہستہ سے بولیں۔

انیقہ حیران ہو کر ان کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے ساتھ ساتھ لیٹے ہوئے عمر اور مومن کو دیکھا پھر مسکرادی۔ وہ نہا کر واش روم سے نکلی تھی۔ گیلے بالوں میں تولیہ رگڑتے ہوئے وہ کھڑکی تک چلی آئی اور پردہ ہٹا کر سلائیڈنگ ڈور کھسکا دیا۔ باہر منظر خوشگوار تھا۔ آسمان پر بادلوں کے سرمئی ٹکڑے چہل قدمی کر رہے تھے۔ کہیں چھپے ہوئے سورج کی کرنیں ان کے کناروں کو روپہلی بیل لگا رہی تھیں۔ ہوا میں نامعلوم سی خوشبو تھی۔ شہلا کی خوبصورت، سیاہ آنکھیں بادلوں سے پرے دیکھنے کی جستجو کر رہی تھیں۔ پاس رکھے موبائل کی بیپ بجنے لگی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو..... شہلا....." دوسری جانب موڈ خوشگوار تھا۔

شہلا کا سانس لمحہ بھر کے لیے اس کے سینے میں مقید ہوا پھر پھڑپھڑا کر نکلا۔ اس سے کچھ بھی نہ بولا جا سکا۔

"شہلا! ابرار بات کر رہا ہوں۔"

"یہ..... یہ نمبر....." وہ ہکلائی۔

"عمر نے بتایا تھا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"لیکن... لیکن آپ کو اس طرح سے مجھے فون نہیں کرنا چاہیے۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے خفگی سے بولی۔

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا۔ "تمہیں برا لگا؟" وہ کچھ دیر بعد بولا۔

شہلا اس غیر متوقع سوال پر جھنجلا سی گئی۔

"بات اچھا یا برا لگنے کی نہیں ہے ابرار!۔ ہمارے بیچ کوئی رشتہ، کوئی تعلق نہیں ہے۔" اس نے گہری سانس بھری۔

"شہلا..! بہت سے لوگوں سے ہمارا کوئی رشتہ، کوئی تعلق نہیں ہوتا پھر بھی ہم ان سے ملتے ہیں، بات کرتے ہیں۔"

"ابرار! جو تعلق بن کر ٹوٹ جائیں، ان میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔"

"گنجائش نکالی جاسکتی ہے شہلا!" وہ قدرے لجاجت سے بولا۔ "اتنی سنگ دل کیوں بن رہی ہو؟"

"ابرار پلیز۔"

اندر قدم رکھتی انیقہ ٹھٹک کر رکی تھی۔ دروازے کی جانب شہلا کی پشت تھی۔ انیقہ بجلی کی سی سرعت سے ایک طرف ہوگئی۔

"شہلا! کچھ مانگ تو نہیں رہا ہوں تم سے میں، صرف چند خوشگوار پل۔ جو یہ سوچے بغیر بھی شیئر کیے جاسکتے ہیں کہ کون سا تعلق تھا، کون سا ہے، کون سا ہو سکتا ہے۔ تم اس قدر گہرائی میں اتر کر کیوں سوچنے لگتی ہو اور پھر ہمارے درمیان ایک تعلق ایسا ہے جو ٹوٹنا ناممکن ہے۔ میں اور تم ایک ڈور میں بندھے ہیں اور اس ڈور کا نام عمر ہے۔ کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکتی ہو؟ کیا یہ سچ نہیں کہ تم جس بچے کو دیکھ کر جیتی ہو، میں اس بچے کا باپ ہوں۔"

شہلا کا حلق بالکل خشک ہوگیا۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک اجنبی انداز میں رواں ہوئی۔

"ابرار! تم... تم آخر کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا... کیا چاہتے ہو تم؟"

"شہلا! میں تو صرف تمہیں... نئی زندگی کی ابتدا کی مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔" وہ فوراً ہی بولا۔ "تین دن بعد تم کسی خوش قسمت کے در و دیوار سجانے جارہی ہو۔ میں نے سوچا، تمہیں وش کروں۔"

"تین دن بعد نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "ایک مسئلے کی وجہ سے یہ شادی ایک ہفتے کے لیے ملتوی ہوگئی ہے۔"

"اچھا۔" وہ گویا مسکرایا تھا۔ "مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری سانس میرے حلق میں پھنسی ہوئی ہو۔ تم نے کچھ ریلیف سا دیا ہے یہ خبر سنا کر۔"

"ابرار! پلیز، مجھے اس طرح ڈسٹرب مت کرو۔" شہلا کو رونا آنے لگا۔

"اوکے۔" وہ فوراً بولا۔ "تم ڈسٹرب مت ہو... میں تمہیں بالکل بھی پریشان نہیں کرنا چاہتا۔"

"خدا حافظ۔" شہلا حتمی انداز میں بولی تھی۔

"عمر کا خیال رکھنا شہلا!"

"تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ قدرے تیز لہجے میں بولی۔ "میں اس کی ماں ہوں۔"

"جانتا ہوں۔" اس کا لہجہ مٹھاس لیے ہوئے تھا۔

شہلا پھر ٹھٹکی تھی۔

"پھر بھی... میں یہی کہوں گا... عمر کا خیال رکھنا... اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ ٹیک کیئر۔"

رابطہ منقطع ہوگیا تھا۔ شہلا نے گہری سوچ میں ڈوب کر موبائل سائیڈ پر رکھ دیا۔

ابرار کے انداز غیر متوقع تھے۔ شہلا کو کسی گڑبڑ کا احساس ستانے لگا تھا۔ وہ چند لمحے پہلے جن بادلوں کو پُرشوق انداز میں دیکھ رہی تھی، اب ان ہی کو کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ موسم یک لخت ہی بدل رہا تھا۔

باہر کھڑی انیقہ ایک عجب کش مکش میں گرفتار، اپنی ہی سوچوں سے جنگ کرتی، اپنے ہی واہموں کی نفی کرتی مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

موسم ابر آلود تھا۔ ربیعہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی چلی جارہی تھی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ اچانک ہی ماحول میں اس قدر تبدیلی آجائے گی۔ وہی بادل جو کچھ دیر قبل خوشگوار سرمئی رنگت لیے ہوئے تھے، یکایک کالے سیاہ ہوگئے۔ کومل، متوالی ہوا نے اچانک ہی چولا بدلا اور تھپیڑوں کی شکل اختیار کرنے لگی۔ پانی کے موٹے موٹے قطرے اس کے اوپر اور پھر چاروں طرف گرنے لگے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے اوپر چھت سی بنانے کی ناکام کوشش کی پھر کسی پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر اُدھر دیکھا۔

اسے احساس ہوا کہ اپنی دھن میں چلتے چلتے وہ آبادی سے بہت دور نکل آئی تھی۔ وہ تو جیسے کسی سنسان سی چراگاہ میں کھڑی تھی۔ اس کے آس پاس آگے پیچھے، بھوسے کے ڈھیر بنے ہوئے تھے۔ دور کسی جنگل کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس مشکل گھڑی میں کہاں جائے، کس سے مدد مانگے؟ بارش آہستہ آہستہ شدت پکڑنے لگی۔ ہواؤں کے جھکڑ اسے دھکیلنے لگے۔ ماحول کالا سیاہ ہوتا چلا گیا۔ سارے منظر جیسے نگاہوں سے اوجھل ہونے لگے تھے۔

"کہاں جاؤں میں آخر کہاں جاؤں؟" ربیعہ کے دل نے دہائی دی۔

موسلا دھار برستا ہوا پانی اسے ہراساں کرنے لگا۔ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین غائب ہونے لگی۔ اس کے لیے قدم اٹھانا مشکل ہوگیا۔

"میں کہاں جاؤں؟"

"ربیعہ... ربیعہ..." کوئی اسے دور سے پکارنے لگا۔

ربیعہ نے آواز کی شناسائی محسوس کی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آواز کہاں سے آرہی تھی، اسے اندازہ نہ ہوسکا۔

"ربیعہ... ربیعہ، یہاں آؤ... یہاں... میرے پاس..." دعوت میں اصرار تھا۔

ربیعہ مزید پریشان ہوگئی۔ اس کا ذہن آواز سے شناسائی محسوس کر رہا تھا لیکن وہ کس کی آواز تھی اسے پوری طرح سے اندازہ نہ ہو پایا تھا۔

"دادی... دادی...!" ربیعہ نے زور سے پکارا۔ "دادی... یہ آپ ہیں؟"

اس کی اپنی ہی آواز کی گونج ناکام ہو کر پلٹ آئی۔ دعوت دینے والی آواز اب غائب تھی۔

"دادی... دادی آپ کہاں ہیں... ؟ آپ کہاں ہیں... ؟" وہ چلائی۔

چاروں طرف اب گہرا سناٹا تھا۔ ربیعہ نے محسوس کیا، بارش اب تھم گئی تھی۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں کبھی کبھار کوئی بوند ٹپک کر سناٹا توڑتی تھی۔ اس ٹپ ٹپ کی آواز میں عجیب سی تنہائی کا احساس اور خوف تھا۔ ربیعہ کو شدت سے خوف محسوس ہوا۔

"ربیعہ!" کوئی اس کے بالکل قریب سے بولا۔

اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کے جسم کا رواں رواں کھڑا تھا۔ اس کا حلق دھوپ میں پڑے ہوئے گھڑے کی مانند خشک ہو رہا تھا۔ بدن میں ارتعاش تھا اور اسے سردی لگ رہی تھی۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح لیٹی کانپتی رہی پھر وہ آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھی۔ اپنے سن ہوتے ہاتھوں کو آپس میں مل کر اس نے بدن کے ارتعاش اور سردی کے احساس کو ختم کرنے کی کوشش کی پھر پیروں میں پڑی ہوئی چادر اٹھا کر اوڑھ لی۔ وہ پانی پینا چاہتی تھی۔ آہستہ سے چارپائی سے اتر کر اس نے چادر کو اچھی طرح سے اپنے اردگرد لپیٹا اور باہر کی جانب قدم بڑھائے۔ کمرے سے باہر نکل کر وہ کچن میں جانا چاہتی تھی' جب اس نے منور امین کے کمرے سے آتی ہوئی آوازیں سنیں۔

ربیعہ کو چند لمحوں تک ان گھٹی گھٹی آوازوں کا مفہوم سمجھ میں نہ آسکا پھر وہ قدرے تیزی سے ان کے کمرے کی جانب بڑھی۔ اگلے ہی پل وہ دروازے کے ایک طرف ہو گئی تھی۔ کمرے کا منظر ناقابلِ برداشت اور ناقابلِ یقین تھا۔

تمدن نے منور امین کو گردن سے پکڑا ہوا تھا اور وہ انہیں جھٹکے دے رہا تھا۔ ربیعہ نے اپنی چیخ کو اندر ہی گھونٹنے کے لیے لبوں پر سختی سے ہاتھ رکھ لیا۔

"تمہیں وہ رقم مجھے دینی پڑے گی..... سمجھے تم..... ورنہ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گا' جان لے لوں گا میں تمہاری۔"

تمدن بہت دبی دبی لیکن نہایت درشت آواز میں بول رہا تھا پھر اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ وہ کھانسنے اور ہانپنے لگے تھے۔ ربیعہ نے خوف زدہ نظروں سے ذرا کی ذرا اندر جھانکا۔ وہ سہم کر رہ گئی تھی۔ ساٹھ واٹ کے بلب کی زرد سی روشنی میں تمدن کسی دیوانے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے' آنکھیں چڑھی ہوئی اور سرخ تھیں۔ لبوں سے گویا جھاگ سا نکل رہا تھا۔

"بدبخت..... کمینے..... نافرمان....." منور امین نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ "تو کیا سمجھتا ہے' میری جان لے کر تو وہ رقم پالے گا....؟ کبھی نہیں مردار..... کبھی نہیں..... لے..... لے تو میری جان..... مار دے مجھے..... میں دیکھتا ہوں کیا ملے گا تجھے..... چڑیا کی بیٹ بھی مل جائے تو کہنا..... ناخلف..... خدا سمجھے گا تجھ سے..... کیڑے کھائیں گے تیرا جسم..... کھوں کھوں کھوں..... کھوں کھوں کھوں....."

"ہونہہ!" تمدن نے سر جھٹکا۔ "تم اپنی فکر کرو بڈھے! جیسے میں جانتا نہیں تمہاری پارسائی کو..... تمہاری قبر میں کیا کچھ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

وہ اپنی چھڑی ڈھونڈنے لگا تھا۔

ربیعہ نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور واپس جانے کے لیے مڑی۔ اس کی چیخ بس نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔ اس کے پیچھے ترانہ کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ترانہ..... ترانہ..... ! میں یہاں نہیں رہ سکتی۔" وہ کانپتے ہوئے بول رہی تھی۔ اسے جیسے بخار چڑھنے کو تھا۔

ترانہ نے متاسف نظروں سے اسے دیکھا پھر اس نے اپنی شال اتار کر اسے پہنا دی۔

وہ دونوں چھت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ چار بجے کا عمل تھا۔ افق پر اب پو پھٹنے کے آثار نمایاں ہو چلے تھے۔ بادِ نسیم

رک رک کر چل رہی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا ربیعہ! لیکن تم نہیں مانیں۔" ترانہ بولی۔ "جانتی تھی میں..... بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ تمہارا نازک دل ان حالات کو برداشت کرنے کے لیے نہیں بنا ہے۔ مرجاؤ گی تم یہاں..... کتنا سمجھایا میں نے تمہیں..... لیکن تم نہیں مانیں۔"

"پلیز..... پلیز ترانہ!" وہ ملتجی انداز میں بولی۔ "میں نے اس وقت جو کچھ دیکھا ہے' اس کے بعد میں اگر یہاں رہی تو یا تو مر جاؤں گی یا پھر پاگل ہو جاؤں گی۔ مجھے یہاں سے بھیج دو' کہیں دور بھیج دو۔"

ترانہ اپنے لب کاٹتے ہوئے کچھ سوچنے لگی تھی۔

"اس کی بہن کی شادی تھی۔" پھر وہ بولی۔ "ہو سکتا ہے وہ کراچی چلا گیا ہو پھر تو کیا کر پاؤں گی میں تمہارے لیے..... یہ لوگ زبردستی تمہارا نکاح پڑھوا دیں گے۔"

ربیعہ کی نظروں میں تمدن کا وحشت ناک چہرہ گھوم گیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ ترانہ نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ ربیعہ سسکنے لگی تھی۔

"مت روؤ ربیعہ! جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں..... مت روؤ....." ترانہ نے اسے تھپکا۔

ربیعہ نے بچوں کی طرح سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ترانہ..... وہ نہیں ہوں گے..... میں جانتی ہوں..... عباد بھائی مجھے مشکل میں چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ترانہ بولی۔ "وہ تمہارے لیے بے حد فکر مند تھا' کچھ کرنا چاہتا ہے وہ تمہارے لیے۔"

"ترانہ! تم میرے لیے جو بھی بہتر سمجھتی ہو' وہ کرو۔" ربیعہ نے گویا ہار مان کر کہا تھا۔ "اتنا طے ہے کہ میں تمدن بھائی کے ساتھ زندگی گزارنے کا اب سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں..... میں کیا جانتی تھی ترانہ..... کہ وہ..... اس قدر....."

ربیعہ اپنی بات مکمل نہ کرسکی۔ آنسوؤں سے اس کا گلا رندھ گیا تھا۔ ترانہ کسی سوچ میں گم تھی پھر اس نے سر اٹھایا۔

"اگر وہ یہیں لاہور میں ہے تو تم آج رات اس کے ساتھ چلی جاؤ گی۔ اپنا سامان اس طرح سے سمیٹنا کہ کسی کو رتی برابر بھی شک نہ ہونے پائے۔ خاص طور پر صولت سے محتاط رہنا۔ وہ ایک نمبر کی جاسوس ہے۔"

ربیعہ نے جلدی سے سر ہلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم۔" دونوں نے ایک ساتھ کہتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔

ایقان نے آنکھوں پر سے بازو ہٹایا اور کسل مندی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ابھی ابھی اس کی آنکھ لگی تھی۔ اس کا اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا پھر بھی اخلاقی تقاضے نبھانے کی خاطر وہ اٹھ بیٹھی۔

وہ دونوں اس کے سامنے پڑی کرسیوں پر آ بیٹھے تھے۔

"کیسی ہیں پھپھو اب آپ؟" رافع اس کے پاس پڑے ہوئے انگور کھانے لگا۔

"ٹھیک ہوں۔" ایقان نے ایک شرمندہ شرمندہ سی نظر ہاشم پر ڈالی۔

وہ بہت ہمدردی اور اپنائیت سے مسکرا رہا تھا۔ ایقان نے آنکھوں میں بھر آنے والے پانی پر قابو پایا اور پلکیں جھپکنے لگی۔

"بھئی پھپھو! یہ بہانے نہیں چلنے والے۔" ہاشم دفعتاً بولا۔ "آپ نے تو گھر میں ویرانی پھیلا دی۔ اتوائی

کھٹوائی..... وہ کیا ہوتا ہے یار! وہ لے کر پڑ گئی ہیں..... انھیں بھئی..... دولہا کی پھپھو ہیں خیر سے۔ کوئی ڈھول تاشے' کوئی گانے شانے یار....."

ایقان چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول بھال کر مسکرانے لگی۔

"ہاں پھپھو! وہ کون سا گانا تھا جو آپ سلائی مشین کا ڈبہ بجا کر گایا کرتی تھیں اپنی گڑیا کی شادی میں؟" رافع ذہن پر زور دینے لگا۔

"میں لکھ لکھ بھیجوں بتاشے میں....." ہاشم کو ٹکڑا یاد آگیا۔

"اللہ ہٹو بھی....." ایقان کو بے حد شرم آئی۔ "کون کون سی باتیں یاد کر رہے ہو بے وقوفو۔"

"ہاں ہاں..... کیا تھا وہ..... میں لکھ لکھ بھیجوں بوتل میں' سیاں آؤ گے کون سے ہوٹل میں....." رافع کو پورا مصرعہ یاد آگیا۔

پھر دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔

"پھپھو! یہ گانا تو ضرور سننا ہے آپ سے۔ آخر آپ کی عزیز از جان سہیلی کی شادی ہے۔" ہاشم خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"ابے رانجھے.....!" رافع نے اسے چھیڑا — "تو عزیز از جان بھتیجا بھی کہہ سکتا تھا لیکن وہ کیا کہا ہے شاعر نے۔ بات کوئی ہو تیرا ذکر چھیڑ دیتے ہیں۔"

ہاشم کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے کئی رنگ بکھرے۔ ایقان اب دلچسپی اور شوق سے ان کی باتیں سنتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

"ہر بات میں پھپھو کی سہیلی کا ذکر نکال لیتا ہے یہ۔"

"ارے یار! قلم زباں بندی کی اس قدر طویل سزا بھگتائی ہے' اسی کا رد عمل ہے یہ۔" ہاشم نے بات کا اثر کم کرنے کی کوشش کی۔ "اندر اتنا اسٹاک جمع ہے' وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے۔"

ایقان چند لمحے محبت سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے گہری سانس بھری تھی۔

"تم بھی سوچتے ہو گے ہاشم! اچھی بھلی طے شدہ تقریب میری وجہ سے....."

"اففوہ..... یار پھپھو!" اس نے فوراً ہی اس کی بات کاٹی۔ "آپ بھی..... ہم میں سے کوئی بھی ایسا سوچ سکتا ہے؟ آپ ہماری ہیں..... ہم میں سے ہیں..... غیروں کی سی بات کیوں کی آپ نے..... ہمارے دکھ سکھ' خوشی' غم' تکلیف' راحت سب مشترکہ ہے یار! اور پھر خوشی کو تو ہم اپنی مٹھی میں قید کر چکے ہیں۔ اب یہ بھاگنے والی نہیں ہے۔ آپ بے فکر رہیے۔"

"اور جھٹ پٹ بھلی چنگی ہو کر ڈھول سنبھالیں..... وہ گانا ہم نے ضرور ہی سننا ہے....." رافع نے مزے سے فرمائش داغی۔

"کوئی نہیں سننا گانا وانا....." ایقان نے صاف انکار کیا۔ "میں ہرگز اتنے پرانے گانے نہیں گاؤں گی..... لوگ کیا سوچیں گے..... یہ اتنی پرانی خاتون ہیں۔"

ہاشم اور رافع نے ایک مرتبہ پھر قہقہہ لگایا۔ اس مرتبہ ایقان بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔



"تائی امی..... اندر آ سکتا ہوں.....؟" وہ پرشوق انداز میں اندر جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

زیورات کی جانچ پڑتال کرتی ہوئی فردوس بیگم یکلخت ہی بوکھلا اٹھیں۔

"ہائیں۔۔۔ کون۔۔۔ نافع۔۔۔ ارے آؤ بچے۔۔۔ آؤ۔۔۔ یوں غیروں کی طرح باہر کھڑے ہو کر پوچھتے ہو کہ ہمیں ہی شرم آجاتی ہے۔"

انہوں نے بڑی بڑی جھمکیوں کو ڈبے میں واپس ٹھونسنے کی کوشش کی۔ نافع خوش دلی سے مسکراتے ہوئے اندر چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیک کیا ہوا ڈبہ تھا۔

"یہ کیا اٹھا لائے؟" انہوں نے چشمے کی کمانی سنبھالتے ہوئے اس کا ہاتھ میں تھاما ہوا ڈبہ بغور دیکھا۔

نافع نے قدرے جھینپتے ہوئے ڈبہ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔

"آپ کیا کر رہی ہیں تائی امی!" اس نے بات بدلنے کی کوشش کی جو کامیاب ہوئی۔

"ارے بچے! کیا کہوں تم سے۔۔۔ دس ہزار جھنجھٹ چمٹے ہوئے ہیں جان کو۔۔۔ میری لڑکیاں تو کسی کام کی نہیں ہیں۔۔۔ اب یہی دیکھو۔۔۔ کچھ پرانا زیور بھی بری میں رکھنے کا سوچ رہے تھے' اسی کا مینا اور نگینے دیکھ رہی تھی۔ ماہین بچاری تو جوڑے ٹانک رہی ہے۔ عریشہ کو اپنی ازلی ڈھٹائی سے فرصت نہیں۔ بھتیرا کہا لڑکی سے کہ میری نظر اب کام نہیں کرتی۔ ذرا ان جھمکیوں اور گلوبند کے نگینے چیک کر لے۔ مجال ہے جو یہ سنے کسی کی بات۔"

وہ قدرے غصے اور جھنجلاہٹ کا شکار تھیں۔ سو انہوں نے نافع کے سامنے بھی عریشہ کی پردے داری کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"لائیے مجھے دیں۔ میں چیک کرتا ہوں۔" اس نے مخلصانہ پیشکش کی۔

"اچھا۔۔۔ تم کر لو گے۔۔۔ ہاں کر تو سکتے ہو؟" انہوں نے پھر ڈبہ کھولا۔ "یہ لو۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔ تین رنگوں کے نگینے ہیں ان جھمکیوں میں۔ ذرا دیکھو تو' پورے ہیں۔"

نافع جھمکیوں کو بغور دیکھنے لگا۔

"نہیں تائی امی۔۔۔!" پھر وہ بولا۔ "کئی خانے خالی پڑے ہیں۔ نئے نگینے لگوانے ہوں گے۔"

"اچھا۔۔۔!" انہوں نے سوچا پھر تم ہی یہ سیٹ سنار کے حوالے کر آؤ۔۔۔ اس سے کہنا کل پرسوں تک تیار کر دے۔۔۔ پالش وغیرہ بھی کر دے۔۔۔" وہ جھمکیاں اور گلوبند ڈبے میں رکھنے لگیں۔

"تائی امی! میں ذرا عریشہ سے مل لوں۔"

"ہیں۔۔۔؟" وہ بری طرح چونکیں۔ "عریشہ!"

"تائی امی! آج اس کی سالگرہ ہے نا۔۔۔ میں صرف وش کرنا چاہ رہا تھا۔ اور۔۔۔ اور یہ گفٹ بھی دینا تھا۔" نافع نے صاف گوئی اختیار کی اور منتظر نظروں سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

فردوس بیگم کافی جز بز ہوئیں' لیکن اسے منع کرنے کا حوصلہ نہ کر سکیں۔

"اچھا۔۔۔!" پھر وہ نیم دلی سے گویا ہوئیں۔ "دے آؤ اسے۔۔۔ اپنے کمرے میں ہو گی۔" نافع جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جلدی آجاؤ۔۔۔ میں یہیں بیٹھی ہوں۔" پیچھے سے انہوں نے جتایا تھا۔

"جی جی۔۔۔ میں بس ابھی آیا۔۔۔" وہ مڑے بغیر بولا تھا۔

اس کے کمرے کا دروازہ بجا کر اس نے کچھ دیر انتظار کیا تھا۔ پھر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ نیم اندھیرے کمرے میں عریشہ لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے کانوں پر سی ڈی پلیئر کا ہیڈ فون تھا۔ شاید اسی لیے وہ دستک کی آواز نہ سن سکی تھی۔

نافع چند قدم آگے بڑھا تو عریشہ نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے کھڑے ہوئے نافع کو دیکھ کر وہ چند لمحے کچھ نہ سمجھ پائی تھی۔ پھر اچانک ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے قدرے غصے سے ہیڈ فون کانوں پر سے کھینچا تھا۔

"تم۔۔۔ یہاں!" اس کے انداز جارحانہ تھے۔

نافع بے چارہ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"وہ۔۔۔ عریشہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں تمہیں یہ دینے آیا تھا۔" اس نے جلدی سے وہ گفٹ باکس اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس کے ابرو ہنوز چڑھے ہوئے تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ تمہارے لیے گفٹ ہے۔" وہ جیسے شرمندگی سے بولا تھا۔

"گفٹ۔۔۔؟"

"ہاں۔۔۔ آج تمہاری سالگرہ ہے۔ اس لیے۔۔۔" نافع کے انداز ایسے تھے جیسے اس سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

عریشہ نے نظروں کا زاویہ بدل لیا۔ گویا اسے جانے کا اذن دیا ہو۔

"اچھا۔۔۔ پھر۔۔۔ میں چلوں۔۔۔!" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

جواباً خاموشی چھائی رہی۔ نافع بے چارگی سے دروازے کی سمت ہو لیا۔ پھر وہ جیسے ہی باہر نکلا' اچھل ہی پڑا تھا۔ فردوس بیگم بالکل دروازے کے ساتھ لگی کھڑی تھیں۔ وہ نافع کو دیکھ کر سٹپٹا کر پرے ہوئیں گویا انہیں اس کے اس قدر جلد برآمد ہونے کی قطعاً توقع نہ تھی۔

"ارے۔۔۔!" وہ خجالت سے ہنسیں۔ "میں بس۔۔۔ تمہیں بلانے ہی آرہی تھی۔"

نافع نے حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔

"پھر جا رہے ہو سنار کے پاس۔۔۔!" وہ شرمندگی مٹانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"جی۔۔۔!" اس نے سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔۔۔ پھپھو جان۔۔۔!" دروازے میں سے رافع نے سر نکالا تھا۔

بچوں کے کپڑے دیکھتی ہوئی ایقان چونک اٹھی۔

"رافع! آجاؤ نا۔۔۔"

"نہیں اکیلا نہیں۔۔۔ پھپھو۔۔۔! میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔۔۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"کوئی اور۔۔۔!" ایقان کو الجھن ہوئی۔ "کیا مطلب؟"

"یعنی میرا ایک دوست۔۔۔ آپ کی عیادت کے لیے۔۔۔ لے آؤں اندر۔!"

"ہائیں۔۔۔" وہ اپنا دوپٹہ ڈھونڈنے لگی' جو ہمیشہ کی طرح اتار کر سائیڈ پر رکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی اسے حد درجہ الجھن اور کوفت ہوئی۔ بھلا رافع کے کسی دوست کا اس کی عیادت کے لیے آنے کا کیا جواز تھا؟ اور پھر جس طرح کے حادثے کا وہ شکار ہوئی تھی ایسے میں کسی غیر مرد کی عیادت ایک ذہنی بوجھ کی مانند تھی۔

"آجائیے۔۔۔" رافع آنے والے کو اندر آنے کی اجازت دے رہا تھا۔

ایقان کو ہنوز دوپٹہ نہ ملا تھا۔ وہ گھبراہٹ میں رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی اور جی ہی جی میں رافع کو صلواتیں سنانے لگی۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ نو وارد کے جانے کے بعد وہ اس کی اچھی طرح سے خبر لے گی۔

کافی دیر گزرنے کے بعد جب اسے اپنے پیچھے کسی قسم کی آہٹ یا آواز سنائی نہ دی تو وہ رافع کی شرارت سمجھتے

ہوئے جھنجھلا کر مڑی تھی۔ پھر اگلے ہی پل وہ جیسے پتھر کی ہوئی۔
سامنے مسکراتا ہوا عاشر کھڑا تھا۔

"عا... شر...!" ایقان کے لب کانپے۔

عاشر ایک قدم آگے بڑھا تھا۔ ایقان کئی قدم دوڑ کر اس کے سینے سے جا لگی۔

"عاشر...!" سارے بند ایک ساتھ ہی ٹوٹے تھے۔ ایقان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"بس جانو...!" وہ اسے تھپکنے لگا۔

ایقان کا بس نہ چلتا تھا وہ ساری کی ساری آنسوؤں میں بہہ جاتی۔ جانے کہاں کہاں سے کون کون سے گلے، شکوے، شکایتیں، دکھ، تکلیفیں... آنسوؤں کی زبان میں نکلتے چلے آرہے تھے۔

"بس ایقان! بس کرو یار... میں بہہ جاؤں گا۔"

ایقان نے سر اٹھایا۔

"شربتی آنکھوں کو شبنمی کرکے مزید ظلم نہ ڈھاؤ..." وہ مسکرایا۔

"بہت برے ہو تم!" اس نے ایک مکا اس کے سینے پر مارا تھا۔ "تمہیں بس باتیں بنانا ہی آتا ہے۔"

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" وہ شوخی سے بولا۔

"ہونہہ..." ایقان نے اسے دھکیلا اور اس کے پیچھے رافع کو تلاشنے لگی۔ پھر اس نے مڑ کر اسے خفگی سے دیکھا۔

"تم نے اپنے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"اطلاع ہم سے اچھی ہے کیا؟" اس نے اطمینان سے بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے ایک پُرسکون سانس کھینچی۔

"میرا ہارٹ فیل ہو جاتا پھر...؟" وہ بگڑی۔

"ہارٹ تمہارے پاس ہوتا تو یقیناً اتنا ہی ننھا ہوتا... وہ تو خیر سے میرے پاس ہے۔" وہ آنکھوں کو دباتے ہوئے بولا۔ یقیناً وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔

ایقان اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"بچے کہاں ہیں؟" اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"حمزہ انہیں قریبی پارک لے گیا ہے... بس آتے ہی ہوں گے۔" وہ محویت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم کیسی ہو؟" اس نے دفعتاً اس کا ہاتھ تھاما "طبیعت ٹھیک ہے اب؟" ایقان نے نظریں جھکائیں اور ہونٹ کاٹنے لگی۔

"بولو... بولو نا ایقان!"

"بس عاشر... کچھ مت پوچھو...!" وہ لرزتی آواز میں بولی تھی۔ "ورنہ مجھے پھر سے رونا آجائے گا۔"

"ہم شام کو اپنے گھر چلیں گے۔" وہ قدرے اداسی سے بولا۔ "ٹھیک ہے نا؟"

ایقان نے اثبات میں سر ہلایا۔

اسی لمحے دروازے پر دستک دے کر شفیقہ حیات اور عذرا بیگم اندر چلی آئی تھیں۔ دونوں کے چہروں پر خوشگوار مسکراہٹ تھی۔ عاشر اٹھ کر ان دونوں سے ملنے لگا۔

ایقان یکدم ہی بہت ہلکی پھلکی اور خوش باش ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسی چمک آگئی تھی جو پہلی نظر میں ہی محسوس ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ خالی خالی نظروں سے پورے گھر کو دیکھتی پھر رہی تھی۔ ایک مرتبہ پھر دیس نکالا مل رہا تھا... ظلم و ستم نے ایک بار پھر ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔

ربیعہ نے درحقیقت اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ بچپن سے جوانی تک خونی رشتوں کی مہک سے، اپنے پیاروں کے لمس سے محروم رہی تھی۔ سو اس نے ان کو بھی اپنا سمجھنے کی غلطی کی تھی جو اس کے اپنے نہ تھے۔ نتیجتاً اس کے حصے میں صرف خلش اور دکھ ہی آئے تھے۔

ترانہ اسے آفس جانے سے پہلے ایک مرتبہ پھر تلقین کر گئی تھی کہ وہ اپنا سامان وغیرہ خاموشی سے اپنے سوٹ کیس میں رکھتی رہے۔ اس طرح کہ مینا بیگم یا صولت کو رتی برابر شک نہ ہونے پائے۔ ترانہ آج بینک سے اس کی رقم اور زیور وغیرہ بھی نکلوا کر لانے کا کہہ گئی تھی۔ اس نے ربیعہ کو آج عباد سے منسلک کرنے کا پورا پروگرام بنا رکھا تھا۔ ربیعہ کی اپنی ذہنی کیفیت یہ تھی کہ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کا ارادہ تو کر چکی تھی، لیکن اب اس کا ذہن بالکل خالی ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے، کیوں جانا ہے، وہ کہیں اور جا کر آخر کیا کرے گی۔

اسی کیفیت میں قطعاً غائب دماغی سے چلتے ہوئے وہ منور امین کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بستر پر پڑے اونگھ رہے تھے۔ اس کی آہٹ پا کر چونکنے سے ہو گئے۔

ربیعہ ان کی چوٹ اور اس کے بعد ہونے والی کمزوری کی بناء پر کچھ دن سے ان کے کمرے کی صفائی وغیرہ نہ کر سکی تھی۔ اس وقت ان کا بستر، ان کا لباس اور کمرے کی ہر شے بہ زبانِ خود ربیعہ کی غیر حاضری کی کہانی سنا رہی تھی۔

ربیعہ ان کے بستر کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ منور امین نے قدرے نفرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"تمہارا دماغ تو ابھی سے بہت خراب ہو گیا ہے لڑکی!" وہ پھنکارے۔

ربیعہ [illegible] انہیں دیکھنے لگی۔

"جی..."

"تم نے ابھی سے [illegible] کنا شروع کر دیا... ہنہ... تم کیا سمجھتی ہو۔ تمدن تمہارے سر پر [illegible]"

ربیعہ کچھ [illegible] آ سکا۔ وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

"اس کمرے [illegible] چند دن صفائی کر کے جو احسان کیا تھا نا... اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ چکا ہوں میں۔ شاید تم سمجھتی تھیں کہ میں تمہیں اس رقم کے متعلق کچھ بتا دوں گا... ہے نا!"

ربیعہ کو اب ان کی باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔

"چچا جان... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!" وہ اداسی سے بولی۔ "میں بھلا ایسا کیوں سوچوں گی۔ آپ کی کسی بھی رقم سے میرا کیا واسطہ... میں تو... میں تو صرف آپ کی محبت اور توجہ چاہتی تھی۔"

"ہاہاہا... محبت... توجہ... ہاہاہا..." وہ ہمیشہ کی طرح دیوانگی سے ہنسے۔ "لڑکی! تم تو بہت زیادہ چالاک ہو... شاید تمہاری ماں بھی اتنی چالاک نہ ہو۔ ہاہا... محبت... تمدن سے شادی بھی تم محبت کے لیے ہی کر رہی ہو؟ ہے نا؟ ہاہاہا..."

ربیعہ کے لب کانپے، اس کی پلکوں پر ایک قطرہ جھلملانے لگا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"تمدن انتہا درجے کا بے وقوف انسان ہے۔" پھر وہ نفرت سے منہ بگاڑتے ہوئے بولے۔ "اس کی ذہنیت اس

قدر گری ہوئی ہے۔ اس سے مجھے یہی امید ہونا چاہیے تھی۔۔۔ تمہارا انتخاب کر کے اس نے مجھے حیران نہیں کیا۔۔۔"

اب کی بار ربیعہ نے سر اٹھایا تھا۔ اس کے آنسوؤں میں اس ظالم شخص کے لیے لحہ بھر کے لیے شکایت چمکی، پھر اس نے دوبارہ سر جھکا لیا تھا۔

"تم بھی۔۔۔ تم بھی اپنی ماں والی روایت دہراؤ گی۔ دیکھ لینا۔۔۔ بھاگ جاؤ گی ایک دن کسی کے ساتھ۔"

ربیعہ کے سر پر انہوں نے آسمان لاگرایا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"میری ماں!" اس کے لب کانپے۔

"ہاں ہاں تمہاری ماں!" وہ نفرت سے پھنکارے۔۔۔ "دو کوڑی کی عورت۔۔۔ جسے تمہارا باپ کہیں سے اٹھا لایا تھا۔"

ربیعہ کو چکر آنے لگے۔ اس نے اپنا سر تھام لیا۔

"مسلمان نہیں تھی وہ۔۔۔ اور اسے مسلمان کیے بغیر ہی تمہارے باپ نے اس سے شادی کر لی تھی۔ اسی گناہ کی پیداوار ہو تم۔۔۔!"

ربیعہ کو یوں لگا جیسے ابھی اسے الٹی ہو جائے گی اور اس کی آنتیں منہ کے رستے باہر آ جائیں گی۔

"پھپھا جان۔۔۔!" وہ بمشکل بولی تھی۔ "خدا کے لیے۔۔۔ خاموش ہو جائیں۔"

"ارے سنتی کیوں نہیں ہو اب۔۔۔ جو سچ ہے وہ سننے کی ہمت پیدا کرو خود میں۔۔۔ بھاگ کر آئی تھی کہیں سے اور تمہیں پیدا کر کے پھر بھاگ گئی کسی کے ساتھ۔۔۔ آخ تھو۔"

ربیعہ کے لیے اس وقت ہلنا بھی محال تھا۔ پھر بھی وہ بہت ہمت کر کے اٹھی اور مردہ قدموں کو گھسیٹتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں آ کر وہ منہ کے بل چارپائی پر اوندھی گری اور سسکیاں بھرنے لگی۔ آج اس کے کانوں نے اس کی پوری زندگی کی بدترین بات سنی تھی۔ ہمیشہ ہی سے وہ اپنے ماں باپ کے متعلق جاننے کے لیے بہت پُرشوق رہا کرتی تھی۔ دادی سے کرید کرید کر باتیں پوچھا کرتی تھی۔ جہاں کہیں ان کے لبوں سے کچھ نکلتا۔ ربیعہ کے کان کھڑے ہو جایا کرتے۔ لیکن آج جیسے کسی نے دو دھاری تلوار سے اس کا کلیجہ چیر ڈالا تھا۔ ربیعہ سخت ترین اذیت کا شکار تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ رو رہی تھی۔

آج اس نے جانا تھا کہ کیوں دادی جان ہمیشہ ہی اسے کچھ بھی بتانے سے گریزاں رہا کرتی تھیں۔ ربیعہ کے ماں باپ کا ذکر ان کے لیے تکلیف دہ کیوں تھا؟ وہ اسے اس روحانی تکلیف سے بچانے کی سعی کرتی تھیں جس سے اسے منور امین نے دوچار کیا تھا۔

آج ربیعہ کو علم ہوا تھا کہ کیوں مینا بیگم اور صولت اسے اتنی حقارت بھری نظروں سے دیکھا کرتی ہیں۔ کیوں ان کے انداز میں ربیعہ کے لیے اس قدر تنفر ہوتا ہے۔

آج جیسے اسے اپنی ہستی کے بے وقعت ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔ اسی دوران اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس گھر سے کہیں نہیں جائے گی۔

اس کے وجود کے ساتھ جو کہانی جڑی ہوئی تھی اس نے ربیعہ کو اس قابل ہی نہ چھوڑا تھا کہ وہ اس دنیا میں سر اٹھا کر ایک باعزت زندگی گزار پاتی۔ اور جب اپنی ذات مٹا کر بھلا کر، سر جھکا کر زندگی گزارنا تھی تو اس کے لیے یہ گھر دنیا میں سب سے موزوں تھا۔

☼ ☼ ☼

آنکھیں موندے وہ گویا جنت کے کسی باغ میں لیٹی ہوئی تھی۔ اسے اپنے بالوں میں دھیرے دھیرے چلتی انگلیوں کا مدھر، مسحور کن احساس پوری شدت سے ہو رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ کبھی آنکھیں نہ کھولے۔

"ایقان...!" عاشر نے محبت سے اسے پکارا۔

ایقان نے آنکھیں کھول کر عاشر کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"کیا سوچ رہی ہو... میں تو سمجھا تم سو گئیں۔"

"نجانے کون سی حالت میں ہوں عاشر...! نہ یہ نیند ہے، نہ بیداری ہے۔ نہ خواب ہے نہ حقیقت، نہ کوئی سوچ ہے، نہ احساس... بس سکون ہے، اتنا گہرا، اتنا گھنا، اتنا خاموش سکون کہ ان چند لمحوں میں پوری زندگی بتا دینے کو جی چاہتا ہے۔"

عاشر نے گہری سانس بھری اور کچھ سوچنے لگا تھا۔ ایقان نے مخمور نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ متوجہ نہ تھا۔

"کیا سوچنے لگے اب... کہیں وہ موئی نوکری تو نہیں یاد آنے لگی؟" اس نے جل کر پوچھا تھا۔

عاشر بے ساختہ ہی ہنس دیا۔

"کمال کرتی ہو یار...! اس قدر خاتون پن۔ میری وہ چلبلی، شرارتی سی ایقان کہاں ہے، جسے میں "نکو" کہہ کر چڑایا کرتا تھا۔"

"تمہاری جدائی کے غم میں گھل گھل کر ختم ہو گئی بے چاری!" ایقان نے آہ بھری۔ "اب تو یہی بھاری بھر کم "خاتون نما" بچی ہے۔ اسی سے کام چلاؤ۔"

"کام تو خیر ہم اپنی اخیر عمر تک چلائیں گے۔" وہ مزے سے بولا۔ "لیکن کام میں دل تو لگے۔"

"کیا مطلب؟" وہ بگڑی۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں جانو...! کہ "موئی نوکری" اور "موئی چھوکری" سے اپنے بندے کا دھیان چھڑانا ہو تو خاتون کو کافی جتن کرنے پڑتے ہیں۔ تم جانتی ہو تمہارا بندہ کس قدر حسن پرست واقع ہوا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔"

وہ اسے چڑانے کے موڈ میں لگتا تھا۔ ایقان اٹھ کر بیٹھ گئی اور کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگی۔

"اب یہی دیکھ لو..." وہ فوراً بولا۔ "شادی سے پہلے تم نے کبھی مجھے اتنی بری شکل بنا کر نہیں گھورا... اور اب تمہیں پرواہی نہیں ہے کہ ایسے گھورتے ہوئے تم کتنی بری لگتی ہو۔"

"میں اب تمہیں بری بھی لگنے لگی ہوں۔" وہ رونی صورت بنا کر بولی تھی۔

"میں تو صرف گھورتے وقت کی بات کر رہا ہوں..." وہ چمکارنے والے انداز میں بولا۔

"تم کچھ بدل گئے ہو عاشر!" وہ مشکوک ہوئی۔ "پہلے تو میں تمہیں کسی صورت بری نہیں لگتی تھی۔"

"ارے جانم! وہ ہنس پڑا۔ "مذاق بھی نہیں سمجھتیں تم۔ مجھے تم بری لگتیں تو یوں کھنچا چلا آتا... میرے لیے تو تم مقناطیس ہو... اور میں محض لوہے کا ٹکڑا..."

ایقان چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی، پھر یقین سے مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"آداب عرض!" وہ اپنے مخصوص، مطمئن و شاداب انداز میں بولا تھا۔ "مزاج بخیر ہیں!" شہلا دھیمے سے مسکرا دی۔ فون اتفاق سے اسی نے اٹھایا تھا۔

"جی!" وہ آہستہ سے بولی "اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیے۔ خیریت سے ہیں!"

"بس جناب... گننے پر لگے ہوئے ہیں... دن ہوں کہ پل ہو... گزرنا مشکل!" شہلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

"ایقان کیسی ہے اب!" اسے خیال آیا۔

"فرسٹ کلاس۔ اپنے میاں جی کے ساتھ ہنستی مسکراتی پھر رہی تھیں، یہاں سے وہاں..." وہ بشاش انداز میں بولا۔

"عاشر صاحب آ گئے ہیں!" شہلا نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں... پھپھو کے بارے میں سنا تو فوری چھٹی کی درخواست منظور کروا کر دو ماہ کے لیے آئے ہیں۔" ہاشم نے اسے اطلاع دی۔

"چلیں یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ایقان تو بہت خوش ہو گی۔"

"کیا خبر!" اس نے گہری سانس بھری۔ "آپ زیادہ بہتر بتا سکتی ہیں۔ میاں جی کی آمد پر کیا تاثرات ہو سکتے ہیں؟"

شہلا کے لبوں پر ایک خوشگوار مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اب آپ بتائیں مت...!" وہ دھیمے سے بولی۔ "ان باتوں کا تو اچھا بھلا تجربہ ہے آپ کو۔"

"آپ کو اگر اندازہ ہے تو میرے لیے تو یہ احساس بھی بہت ہے۔ کم از کم ہمارے متعلق کچھ سوچتی تو ہیں آپ..." ہاشم نے شوخ ہونے کی جسارت کی۔ "ورنہ یہ بے چارہ دل تو عجب خدشات کا شکار رہتا ہے۔"

شہلا کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔

"خدشات...!" وہ کچھ سوچ کر بولی تھی۔ "کیسے خدشات...!"

"جانے دیجیے!" وہ مسکرایا۔ "آپ برا نہ مان جائیں۔"

"نہیں نہیں... آپ... آپ کہہ دیجیے جو بھی آپ کے دل میں ہے۔ ہاشم صاحب! میں بعد کی بدگمانیوں سے پہلے کی وضاحتیں زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔"

"ارے..." وہ کھل کر ہنس دیا۔ "آپ تو اس قدر گھبرا گئیں۔ چلیے، یہ بھی اچھا لگا مجھے۔ یعنی ناچیز کی آپ کے نزدیک اتنی اہمیت تو ہے۔ ویسے میں تو صرف اس خدشے کا اظہار کر رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میری پیہم خواہشِ وصال نے آپ کو اکتاہٹ کا شکار کر دیا ہو، میرا یوں بار بار فون کرنا... ناگوار تو نہیں گزرتا آپ کو؟"

"اللہ!" شہلا جھینپ گئی۔ "کتنی مشکل باتیں کرتے ہیں ہاشم آپ؟"

ہاشم نے ایک قہقہہ لگایا۔

"بعد میں بتائیں گے آپ کو ایسی باتوں کا مطلب... ایک شاعر خیر سے یار غار ہے۔"

شہلا کے لیے تو "بعد میں" ہی کافی تھا۔ وہ جھینپ گئی۔

سانحہ ارتحال

آپ کی پسندیدہ مصنفہ میمونہ خورشید علی کی بڑی بہن قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون O

ادارہ خواتین ڈائجسٹ، میمونہ خورشید علی کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے۔

میمونہ خورشید اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

"اچھا... تو پھر... خدا حافظ...؟" اس نے اجازت چاہی۔
"ہمارا' آپ کا... سب کا!" اس نے گویا اس کی بات سمجھ لی۔
سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ شہلا ریسیور آہستگی سے کریڈل پر ڈالتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بے حد کوفت اور بددلی سے وہ سامنے پڑے ہوئے لاکٹ سیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ عام سا' نقلی نگینوں کا لاکٹ اور ساتھ چھوٹے چھوٹے سے بندے۔ اس گفٹ باکس میں سے بس یہی کچھ برآمد ہوا تھا۔ عریشہ کا کوفت سے برا حال تھا۔ اسے نافع پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا۔

"حد درجہ احمق اور... اور... بدذوق شخص کو میرے سر تھوپ دیا ہے سب نے مل کر۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے سوچنے لگی۔ "یہ ذوق جس بندے کا ہو گیا وہ پائے گا ساری زندگی وہ مجھے... اسے تو ڈھنگ سے دو لفظ بولنا نہیں آتے... نہ کوئی شخصیت' نہ کوئی ہنر نہ فن... ہونہہ... کسی کو تحفہ دینے کا سلیقہ نہیں ہے... یہ نقلی نگینوں کا لاکٹ... میری جوتی پہنے گی اسے۔"

اس نے جھنجلا کر وہ لاکٹ اور بندے واپس باکس میں ٹھونسے اور اسے ایک طرف ڈال دیا۔

☼ ☼ ☼

"ربیعہ...!" ترانہ نے پریشانی سے اسے پکارا۔

ربیعہ چھت پر کھڑی دور سے آتے ہوئے بادلوں کو دیکھ رہی تھی۔ مڑ کر ترانہ کو دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں میں کوئی ایسی بات تھی کہ ترانہ بے حد پریشان ہو گئی۔

"ربیعہ...! میں تم سے کیا کہہ کر گئی تھی۔ تم نے تو... تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ اب تک... تمہارا سامان یونہی رکھا ہے' اور تم خود...؟" اس نے ربیعہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"تم نے کپڑے تک تبدیل نہیں کیے۔ ربیعہ! میں۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں بولی۔ دیکھ کر آواز کم کی۔ "میں عباد سے بات کر کے آرہی ہوں... وہ یہیں ہے... لاہور میں... ہماری خوش قسمتی سے اس کی بہن کی شادی چند دنوں کے لیے ملتوی ہو گئی تھی۔ عباد آج رات کی گاڑی سے کراچی جارہا ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ میں ربیعہ کو ساتھ لے کر آؤں گی۔"

"میں کہیں نہیں جارہی ہوں ترانہ...!" وہ گہرے دکھ کی کیفیت میں بولی۔ "میں اب یہیں رہوں گی۔ جب تک خدا نے میری زندگی لکھ دی ہے۔ میں... میں اپنے گناہوں کی سزا سمجھ کر اسے یہیں گزاروں گی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو...؟" ترانہ نے پریشان ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔ "ربیعہ...! تمہیں بار بار کیا ہو جاتا ہے۔ تمہارے رویے میں یہ تبدیلی کیوں آجاتی ہے؟"

ربیعہ نے آنسوؤں سے بھری نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"ترانہ...! میں اپنے ماں باپ کے گناہوں کا جیتا جاگتا ثبوت بن کر کہاں جا سکتی ہوں بھلا؟ کسی نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم کون ہو؟ کس سے ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ کیا جواب دوں گی' ترانہ میں..."

ترانہ چند لمحے دکھ سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تم ہر سوال کا جواب خود ہو ربیعہ! تم ایسی لڑکی ہو جو خود کسی کا قابل فخر حوالہ بن سکتی ہے... حوالے کی ضرورت نہیں ہے... ربیعہ! خود کو پہچانو... خود کو عزت دو... تم اپنی پہچان آپ ہو..."

"ترانہ... مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو...!" ربیعہ نے منہ پھیر لیا۔ "میں اگر یہاں سے گئی تو سب یہی کہیں گے کہ اپنی ماں کی طرح... میں بھی... کسی کے ساتھ...!"

اس کا گلا رندھ گیا۔ اس سے آگے بولا نہ جا سکا۔

"ربیعہ...!" ترانہ نے اس کا بازو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لے کر زور سے دبایا۔ "لوگوں کے کہے کی پروا کر کے اپنی زندگی خراب کرنے کے تصور سے نفرت ہے مجھے... میں تمہیں کبھی ایسا نہیں کرنے دوں گی... میں تمہیں زندگی خراب کرنے کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"ترانہ...!" اس نے بولنے کی کوشش کی۔

"بس ربیعہ! ایک نہیں سنوں گی تمہاری... کل تک تم مجھے سمجھاتی تھیں' آج میں تمہیں سمجھا رہی ہوں... کل تم اپنی مرضی سے یہاں سے جانا چاہتی تھیں تو میں نے تمہیں بہن کہہ کر روکا تھا۔ آج تم رکنا چاہ رہی ہو تو میں تمہیں ہر صورت یہاں سے بھیجوں گی... کیونکہ تم مجھے ایک بہن کی طرح عزیز ہو اور میں اپنی بہن کو اپنی زندگی تباہ کرنے سے ضرور روکوں گی۔"

ترانہ کے انداز میں حد درجہ حتمی پن تھا۔ ربیعہ اس کی صورت دیکھتی رہ گئی۔

"میں تمہارا سوٹ کیس اماں کے گھر رکھ کر آرہی ہوں ربیعہ!" وہ سرگوشی میں بولی۔ "تم اس میں سے ابھی رات کے لیے کپڑے نکال لو اور باتھ روم میں چلی جاؤ... میں موقع پاتے ہی تمہارا سوٹ کیس وہاں چھوڑ آؤں گی... اور ٹھیک آٹھ بجے ہم دونوں گھر سے نکلیں گے... سمجھیں تم...!"

"ترانہ...!" ربیعہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔ "مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

"مجھے سب سمجھ میں آرہا ہے ربیعہ!" ترانہ نے محبت سے اس کا سر سہلایا۔ "اور دیکھو... اب ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ عباد سے تمہارا نکاح کیا جا سکے... تمہیں کراچی جا کر..."

"نہیں ترانہ...!" ربیعہ نے الگ ہو کر اسے دیکھا اور حتمی انداز میں بولی۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں مر کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتی... میں تمہارے کہنے پر جا تو رہی ہوں لیکن وہاں جا کر میں کسی ہوسٹل میں رہوں گی' اور عباد بھائی سے کہہ کر کوئی نوکری وغیرہ ڈھونڈ لوں گی۔"

"ربیعہ...!" ترانہ نے بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں ترانہ...!" اس نے سر جھکا لیا۔ "نہیں... میں شاید کبھی بھی... کسی سے شادی نہیں کر پاؤں گی۔ میرے دل میں اس رشتے کے لیے رتی برابر گنجائش نہیں ہے... اور... اور... شاید تقدیر کی بساط پر یہ خانہ بنا ہی نہیں ہے..."

ترانہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا تھا۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ خالی الذہنی کے عالم میں بالکل مشینی انداز میں بیٹھی اپنے بال سلجھا رہی تھی۔ ترانہ نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا۔ ربیعہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ آٹھ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

ربیعہ نے سر جھکا لیا۔

اسی وقت دروازہ کھول کر تمدن اندر داخل ہوا۔

(باقی انشاء اللہ آئندہ ماہ)

ترانہ ربیعہ کو یونیورسٹی کا فارم لا کر دیتی ہے۔ تصور کی حرکتیں صولت کی نظر میں جاتی ہیں۔ جس پر وہ ربیعہ پر گھٹاؤنے الزام لگاتی ہے۔ جس پر ترانہ صولت کو تھپڑ مارتی ہے اور اسے سنگین نتائج کی دھمکی دیتی ہے۔

ربیعہ ابرار جیلانی کو چھپ کر فون کرتی ہے۔ اور اسے شہلا کے رشتے کے متعلق بتاتی ہے۔ وہ یہ یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ عمر کو شہلا سے نہیں چھینے گا۔

پارک میں ربیعہ کی ملاقات دوبارہ عباد سے ہوتی ہے۔ تمدن پارک میں ربیعہ کو عباد کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور اس کے پارک جانے پر پابندی لگا دیتا ہے۔

فردوس بیگم اپنی ساس اور نند کے ساتھ جا کر شہلا کو منگنی کی انگوٹھی پہناتی ہیں' شہلا' ہاشم پر واضح کر دیتی ہے کہ وہ شادی کے بعد عمر کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ ہاشم اس کی بات مان لیتا ہے۔

تمدن' ربیعہ کو یونیورسٹی فارم بھرتے دیکھ لیتا ہے۔ اور اس کا فارم پھاڑ دیتا ہے۔ جس کا ربیعہ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اس پر غم کا پہاڑ اس وقت ٹوٹتا ہے جب مینا بیگم تمدن سے اس کی شادی کا اعلان کرتی ہیں۔

ربیعہ' ترانہ سے التجا کرتی ہے کہ وہ کسی طرح اسے عباد بھائی تک پہنچا دے۔ ترانہ تمام پروگرام ترتیب دے لیتی ہے۔ نافع عریشہ کو اس کی سالگرہ پر تحفہ دیتا ہے۔ عریشہ بے حد بے اعتنائی سے پیش آتی ہے۔ نافع کو اس کے رویے پر افسوس ہوتا ہے۔

عاطر کی اچانک پاکستان آمد پورے خاندان کو مسرور کر دیتی ہے۔ تاہم ایقان اس کے رویے میں کچھ تبدیلی محسوس کرتی ہے۔

منور امین کی سخت باتیں سن کر ربیعہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے۔ لیکن ترانہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ جس پر ربیعہ کو تیار ہونا پڑتا ہے۔ گھر سے نکلنے سے قبل عین موقع پر تمدن گھر پہنچ جاتا ہے۔ جس پر ربیعہ خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

[illegible] سے شروع کریں۔

بیسویں قسط

ربیعہ بے اختیار ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ترانہ نے اسے نظروں ہی نظروں میں پُرسکون رہنے کے لیے کہا پھر وہ دونوں تمدن کا چہرہ دیکھنے لگیں جو کمر پر ہاتھ رکھے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ چونک کر ان کی جانب متوجہ ہوا اور ایک گہری نگاہ ربیعہ پر ڈالتے ہوئے ترانہ سے مخاطب ہوا۔

"ترانہ ۔۔۔ اسے تیار کر دو۔"

ربیعہ اور ترانہ ایک مرتبہ پھر چونک اٹھی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تیار کر دوں؟" پھر ترانہ الجھے سے بولی۔ "یہ کہاں جا رہی ہے؟"

تمدن ایسے ہنسا جیسے ترانہ نے کوئی بہت پر مزاح بات کی ہو۔

"کہیں جا نہیں رہی' ہمیشہ کے لیے اس گھر کی ہونے جا رہی ہے۔ میرا ایک دوست نکاح خواں اور گواہوں کو لے کر پہنچ رہا ہے۔ اسی وقت میرا اور ربیعہ کا نکاح ہو گا۔"

اس نے پھر ایک گہری نظر ربیعہ پہ ڈالی جس کا چہرہ یکدم شعلے کی زد میں آئے ہوئے پھول کی مانند کملا گیا۔ ربیعہ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر دیوار کا سہارا لے لیا ورنہ شاید وہ گر ہی جاتی۔ ترانہ کے چہرے پر از حد فکرمندی اور آنکھوں میں بے حد گہری سوچ کے سائے ابھرے تھے۔ وہ ایک ٹک تمدن کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"یہ تم دونوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا؟" تمدن قدرے غرایا۔ "میں نے وہی کچھ کہا ہے جو طے شدہ ہے۔ کوئی نئی بات تو نہیں کی۔"

دوسرے کمرے سے نکل کر مینا بیگم اور صولت بھی چلی آئیں۔

"کیا بات ہے تمدن؟" مینا بیگم نے ماحول میں تناؤ سا دیکھ کر باری باری سب کو دیکھا۔

"کچھ نہیں پھوپھو! آپ نے شاید ان لوگوں کو بتایا نہیں کہ صبح میں آپ سے کیا کہہ کر گیا تھا۔" تمدن وہیں پڑی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔۔۔ میں چاہتی تھی کہ انہیں یہ خوش خبری اچانک ہی دی جائے۔"

"کیا۔۔۔ کون سی خوش خبری۔۔۔ کیا ہو رہا ہے؟" صولت لڑنے والے انداز میں پوچھنے لگی۔

شاید مینا بیگم نے صبح سے یہ خبر اسی لیے پوشیدہ رکھی تھی کہ انہیں اپنی ہی بیٹی کے رد عمل کا خوف تھا۔

"کچھ نہیں صولت! تم خاموش رہو۔" مینا بیگم نے اسے جھڑکا۔ "بچیاں اپنے معاملات میں [illegible] کچھ بولتی اچھی نہیں لگتیں۔"

"خدا کے لیے امی۔۔۔" وہ جھنجلائی۔ "اپنے یہ سو سال پرانے اصول اپنے پاس ہی سنبھال کر رکھیں۔۔۔ مجھے بتائیں یہاں کیا ہو رہا ہے؟ مجھے لگتا ہے تمدن بھائی اکیلے ہی اپنی برات کا انتظام کر رہے ہیں۔ میرے اور تصور کے معاملے کی یہاں نہ کسی کو فکر ہے نہ پروا اور کیوں کسی کو پروا ہو گی۔ جب پیار رنگ جم رہا ہو تو دوسروں کی زندگی کے پھیکے پن کی فکر کیوں ہو کسی کو۔۔۔ ہم بے موت مرتے رہیں۔ انہیں ہری ہری سوجھے۔۔۔"

"صولت!" تمدن چیخ اٹھا۔ "بے شرم لڑکی۔۔۔ دفع ہو جا یہاں سے۔۔۔ غائب کرا اپنی شکل۔۔۔ چل نکل۔"

وہ جارحانہ تیور لیے اٹھا۔ صولت سہم گئی۔ مینا بیگم کے چہرے پر [illegible] کے [illegible] تھے۔ انہیں تمدن کا انداز سخت نا مناسب لگا۔

"دیکھو۔۔۔" تمدن اچانک ہی ان کی جانب مڑا۔ "آپ نے اسے بالکل لگام نہیں ڈالی۔"

"ٹھیک ہے تمدن۔۔۔ وہ تو ہے ہی سرپھری۔۔۔ لیکن تم [illegible] والے ہو۔ تم ہی اپنی زبان کو لگام دو۔ تمہارا اس موقع پر یوں چیخنا چلانا کیا اچھا لگ رہا ہے؟" وہ جل کر بولیں۔ تمدن چپ کر رہ گیا۔ اس نے کچھ بولنا چاہا پھر سر کو زور سے جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو؟" مینا بیگم نے ربیعہ کو بری طرح سے گھورا تھا۔ "[illegible] شرم بھی نہیں آ رہی ہے۔ تمدن کے سامنے تصویر بنی کھڑی ہو۔۔۔ جاؤ جا کر کپڑے بدلو۔ میری بیٹی کی قسمت کے آگے تو تم نے کالی لکیر کھینچ دی ہے جیسے۔۔۔"

ربیعہ کا کمزور جسم زور سے کانپا۔ اس نے تھوک نگلا اور آگے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ ترانہ نے جلدی سے اسے سنبھالا۔

"اسے تیار کر دو۔۔۔ مولوی آتا ہی ہو گا۔" مینا بیگم نے بے حد تلخی سے کہا۔

ترانہ ربیعہ کو ساتھ لگائے کمرے میں چلی آئی۔ ربیعہ سوکھے پتے کی طرح کانپ رہی تھی۔ اس کی حالت اس بکرے کی سی تھی جس کی نظروں کے سامنے قصاب چھری کو دھار دے رہا ہو۔ ترانہ نے تسلی دینے والے انداز میں اس کا شانہ تھپکا پھر کمرے میں موجود صولت کو دیکھا جو تکیے میں سر دیے دھواں دھار رو رہی تھی۔

"صولت!" ترانہ رسانیت سے بولی۔ "پلیز۔۔۔ تم ذرا باہر چلی جاؤ میں ربیعہ کو تیار کر دوں۔"

صولت پر اس کی گزارش کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی رفتار سے ہچکیاں لیتی رہی۔

"صولت۔۔۔ [illegible]"

"[illegible] سر اٹھا کر دھاڑی۔ "میں اس چڑیل کو کیا کہہ رہی ہوں؟ تم شوق سے اسے جتنا مرضی سجاؤ [illegible] نظر میں لگنے والی ہے۔"

[illegible] پھر اس نے سکتے کے عالم میں کھڑی ربیعہ کو دیکھا

"[illegible] ربیعہ کے کپڑے تبدیل کروانے ہیں۔" ترانہ پھر عاجزی سے گویا ہوئی۔ صولت کے سامنے اس طرح [illegible] اس کا شیوہ نہ تھا لیکن اس وقت گدھے کو باپ بنانے والے محاورے پر عمل کر رہی تھی۔

"[illegible] سے کرواؤ۔" صولت ہٹ دھرمی کا بھرپور مظاہرہ کر رہی تھی۔

"صولت۔۔۔" مینا بیگم کی خوشی سے لبریز آواز پر وہ تینوں ہی چونکی تھیں۔ "تصور آیا ہے۔"

صولت کی حالت میں ایکا ایکی واضح تبدیلی نمودار ہوئی۔ اس کے چہرے پر چھائی تلخی اور غم و غصے کی جگہ بڑی [illegible] سے خوشی اور مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ کسی بچی کی طرح اچھلتی کودتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ ترانہ اور ربیعہ [illegible] گئیں۔

"[illegible] جانتا ہوں۔۔۔" تصور کی کاٹ دار آواز ان تک پہنچی تھی۔ "الو کا پٹھا نہیں ہوں جیسا تم لوگوں نے [illegible] ہے۔"

"تو الو کا پٹھا ہی ہے۔" تمدن دھاڑا۔ "کمینہ ہے۔"

"جو بھی سمجھ لو لیکن میں یہ شادی [illegible] ہونے دوں گا۔"

"تیرا تو باپ بھی۔۔۔" تمدن نے شاید تصور کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

ربیعہ کی لرزش میں شدت آ گئی۔ ترانہ کی سوچ بڑی تیزی سے رنگ بدلنے لگی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر [illegible] باہر جھانکا کمرے کا دروازہ بند [illegible] سی نکلی۔

"[illegible]" ربیعہ کو اطلاع دی۔

ربیعہ [illegible] باہر سے تمدن اور تصور کی گالم گلوچ اور مینا بیگم اور صولت کی چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"ترانہ۔۔۔ ترانہ کچھ کرو۔۔۔" ربیعہ بے بسی سے بولی۔

"یہی تو وقت ہے سب کچھ کر گزرنے کا۔" ترانہ حتمی انداز میں بولی۔

پھر اس نے آگے بڑھ کر الماری سے دو چادریں نکالیں۔ ایک چادر اس نے ربیعہ کی طرف اچھالی۔

"جلدی کرو۔۔۔ اوڑھ لو اسے۔" ترانہ نے جلدی جلدی دوسری چادر میں خود کو لپیٹا پھر ربیعہ کو حیران کھڑا دیکھ کر [illegible]

"ربیعہ۔۔۔ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔۔۔ جلدی۔۔۔ ہری اپ۔"

ربیعہ کپکپاتے ہاتھوں سے چادر اوڑھنے لگی۔ ترانہ گلی میں کھلتی کھڑکی کی جانب بڑھی اور اس کے پٹ کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ گلی میں سناٹا تھا جبکہ گھر کے اندرونی حصے سے آتی آوازوں میں بے حد شدت آ چکی تھی۔ ترانہ کھڑکی سے باہر اترنے میں ربیعہ کی مدد کرنے لگی۔

پتوں کی سرسراہٹ اور انجن کی چنگھاڑ نے ایک مرتبہ پھر ربیعہ کے دل کو انجان وسوسوں اور خدشات کی بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ وہ بے اختیار ترانہ سے لپٹ گئی۔

"ترانہ۔۔۔ ترانہ۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" ربیعہ روئی۔ ترانہ نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

"تم تو بہت بہادر ہو ربیعہ۔ یاد ہے ایک مرتبہ تم اکیلی ہی ہم لوگوں کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی تھیں۔"

"نجانے کیوں ترانہ۔۔۔ میں اس وقت۔۔۔ اس وقت سے زیادہ خوف محسوس کر رہی ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے

ایک اندھی 'سیاہ سرنگ میں داخل ہونے جا رہی ہوں جس کے دوسری جانب کیا ہے۔ کچھ پتا نہیں۔"

"حوصلہ رکھو ربیعہ! دوسری جانب زندگی ہے 'یہ میرا یقین ہے۔"

"تمہارے یقین کے سہارے ہی اتنا بڑا قدم اٹھا پائی ہوں میں۔" وہ مایوسی سے بولی۔ "ورنہ میرے اندر تو نہ آس ہے 'نہ امید' نہ یقین' نہ حوصلہ۔ میں۔۔۔ میں خود کو بہت ٹوٹا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ ترانہ۔۔۔ ذرا سی ٹھیس سے بکھر جاؤں گی۔"

"خدا نہ کرے کہ تمہیں کوئی ٹھیس لگے۔ میری ساری دعائیں صرف تمہارے لیے ہیں۔ تم مجھ سے باری کے موبائل پر رابطہ رکھنا۔"

"تم۔۔۔ تم اب گھر جا کر سب سے کیا کہو گی ترانہ؟" ربیعہ کو پھر اندیشوں نے آگھیرا۔

"دیکھو بھی۔۔۔ تم میری فکر مت کرو۔" وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں اضطراب پوشیدہ تھا۔ ربیعہ۔۔۔ کو پھر پچھتاوے ہونے لگا۔

"یہ۔۔۔ عباد کیوں نہیں آیا اب تک؟" ترانہ نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔ "عبدالباری کا بھی کچھ پتا نہیں کہاں رہ گئے ہیں یہ دونوں؟"

☼ ☼ ☼

منیزہ بیگم انیقہ کے قریب چلی آئیں۔ وہ ریسیور تھامے گم صم کچھ سوچ رہی تھی۔

"کیا بات ہے انیقہ۔۔۔ کس کا فون تھا؟"

انیقہ نے چونک کر ان کی سمت دیکھا پھر گہری سانس بھرتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ "عباد بھائی کا۔"

"عباد کا۔" منیزہ بیگم مسکرا دیں۔ "کیا کہہ رہا تھا؟"

"کہہ رہے تھے کہ۔۔۔" انیقہ نے ایک مرتبہ پھر الجھ کر ان کی طرف دیکھا۔ "ایک لڑکی ہمارے گھر آ رہی ہے۔"

منیزہ بیگم بے اختیار ہی ایک قدم پیچھے ہٹی تھیں۔

"لڑکی آ رہی ہے۔۔۔ عباد کے ساتھ۔۔۔؟ کون ہے وہ لڑکی؟"

"یہ تو انہوں نے نہیں بتایا۔۔۔ وہ بہت جلدی میں تھے۔" انیقہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

"یا اللہ خیر۔۔۔" منیزہ بیگم نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ "یہ کیا ماجرا ہے۔ کیوں آ رہی ہے وہ لڑکی۔۔۔ تم نے پوچھا تو ہوتا۔"

"میں کیا پوچھتی امی! میں نے بتایا نا 'وہ بہت عجلت میں تھے۔ انہوں نے بس اتنا کہا کہ امی کو بتا دینا میں اکیلا نہیں ہوں۔ میرے ساتھ ایک لڑکی بھی آ رہی ہے۔ اس کے لیے بیڈ روم وغیرہ تیار کروا دیں۔"

"انیقہ مجھے تو بہت فکر ہو رہی ہے۔" منیزہ بیگم پریشانی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"مجھے تو صرف یہ خیال ستا رہا ہے کہ پرسوں آپی کی مہندی اور اس سے اگلے دن برات ہے۔ پتا نہیں یہ عباد بھائی کو ایسے موقع پر کیا سوجھی ہے۔" وہ پیشانی مسلنے لگی۔

منیزہ بیگم اب بے حد تشویش کا شکار تھیں۔

کراچی جانے والی ٹرین کی آمد کا اعلان ہو رہا تھا۔ تب ہی دور سے عباد اور باری تیزی سے آتے ہوئے نظر آئے۔ ترانہ کی جان میں جان آئی۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ لوگ۔۔۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔"

"آپ ڈر رہی تھیں؟" عباد مسکرا کر ربیعہ سے پوچھنے لگا۔

ربیعہ نے نظریں جھکائیں اور آنسوؤں کا ریلا روکنے کے لیے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ربیعہ!" عباد اس کی کیفیت بھانپ کر ترانہ کو دیکھنے لگا۔ "ٹرین دوسرے پلیٹ فارم پر آ رہی ہے۔ جلدی چلیں۔"

ربیعہ ترانہ سے لپٹ کر رو دی۔ ترانہ بھی رہا سہا حوصلہ ہار بیٹھی۔ دونوں زار و قطار رونے لگی تھیں۔ عباد اور باری اس۔۔۔ رقت آمیز منظر سے متاثر ہو کر ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔

☼ ☼ ☼

چاندنی رات میں سفید جھاگ بناتی 'منہ زور' بلند و بالا لہروں کا نظارہ مسحور کن تھا۔ ایقان خاموشی سے سامنے پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ رہی تھی پھر اسے احساس ہوا کہ برابر میں کھڑا عاشر بھی ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔ کل سے اب تک اس نے ایقان کو مخاطب نہ کیا تھا۔ ایقان نے گردن موڑ کر عاشر کو دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرح کسی پلکیں جھپکائے بغیر لہروں کو دیکھ رہا تھا۔

"عاشر!" وہ نرم آواز میں بولی۔

عاشر چونک اٹھا۔ اس نے ایقان کو دیکھا اور مسکرا دیا پھر وہ پیکٹ میں سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔

"کہو۔۔۔" کافی دیر بعد وہ بولا تھا۔ "کیا کہہ رہی تھیں؟"

"یہ تم کن سوچوں میں گم رہنے لگے ہو۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "جب سے تم آئے ہو میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کچھ بدل سے گئے ہو۔"

[illegible] حائل کر کے اسے خود سے قریب کر لیا تھا پھر ایک کش لگا کر [illegible]

"اور۔۔۔ اور یہ سگریٹ کیوں اس قدر پینے لگے ہو تم۔" ایقان جھنجلائی۔ "جب دیکھو۔۔۔ پریشر ککر کی طرح پھوں پھوں کرتے رہتے ہو۔ کس بات کا ریشرہ۔۔۔"

عاشر نے بے اختیار ہی قہقہہ لگایا تھا پھر اس نے جلتا ہوا سگریٹ ایک طرف اچھال دیا اور ایقان کو شرارتی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بس۔۔۔ اب خوش ہو صاحب؟ لیکن ہائی داوے۔۔۔ یہ تم مٹی کی ہانڈی کی طرح چپکے چپکے کیوں بجے جاتی ہو؟ کن اندیشوں کا شکار ہو محترمہ! بار بار مجھے بدلنے کا طعنہ دے رہی ہو۔ ارے بابا۔۔۔ میں وہی ہوں۔۔۔ تمہارا عاشر۔۔۔ اول و آخر تمہارا۔۔۔" دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے تھے۔

"میں بچوں کو اماں کے پاس چھوڑ کر آئی تھی کہ جی بھر کر اپنے دل کی باتیں کریں گے۔ ہر فکر اور اندیشے سے بے پروا' بے نیاز ہو کر لیکن جناب کو مراقبے سے فرصت نہیں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے تبت کے پہاڑوں سے اتر کر آئے ہو۔"

عاشر پھر ہنس دیا تھا۔

"بس اب ہنسے جاؤ۔" ایقان مزید جل گئی۔ "کہنے سننے کو تو کچھ رہا نہیں نا۔ پہلے آتے تھے تو تمہاری باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں اور اب۔۔۔ اب صرف میری باتوں پر ہنستے رہتے ہو جیسے کسی بچی کو بہلا رہے ہو۔"

"ایقان۔۔۔ ایقان۔۔۔ یار کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔ تم بہت چڑچڑی ہو گئی ہو۔ الجھنے کی عادت تو خیر تمہیں پہلے بھی تھی لیکن پہلے کسی کی بات پر الجھا کرتی تھیں اب تو بے بات ہی الجھنے لگی ہو۔"

اس کے انداز میں قدرے برہمی در آئی تھی۔ ایقان یکلخت خاموش ہو گئی۔ عاشر کو بھی ماحول میں کھلنے والی تلخی

کا احساس ہو گیا۔
"چلو... ویج چلیں... ہوٹے ڈنر کرتے ہیں۔" وہ ملائمت سے بولا۔
ایقان نے پلکوں پر چمکتی نمی کو چھپانے کے لیے منہ موڑ لیا تھا۔



شور مچاتی ٹرین تیزی سے منزل کی جانب محوِ سفر تھی۔ عباد نے ایک نگاہ ربیعہ کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی پھر مسکرا دیا۔ وہ حد درجہ پریشان نظر آ رہی تھی۔
"ربیعہ..." وہ آہستگی سے بولا۔
ربیعہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
"ٹیک اٹ ایزی۔ تم بہت زیادہ گھبرا رہی ہو۔ ریلیکس۔"
"عباد بھائی... ہم... ہم کہاں جائیں گے؟" وہ کچھ سوچ کر گویا ہوئی تھی۔
"کہاں جائیں گے؟ میں کچھ سمجھا نہیں؟" وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ "ارے بھئی ہم اپنے گھر جائیں گے' وہاں میری امی ہیں۔ میری دو بہنیں ہیں۔ ایک پیارا سا' کیوٹ سا بھانجا ہے۔"
ربیعہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔
"کیا سوچ رہی ہو ربیعہ؟" عباد کو اس کی ذہنی کشمکش کا اندازہ تھا۔
"عباد بھائی... میں... میں کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "کسی کا بھی نہیں' آپ اپنے گھر جانے سے پہلے مجھے کسی ہاسٹل میں..."
آواز رندھ جانے پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ پھر کچھ دیر اسے خود پر قابو پانے میں لگی تھی۔
"پیسے ہیں میرے... میں... کر لوں گی۔"
"ربیعہ..." عباد تاسف سے بولا۔ "یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ اپنا گھر ہوتے ہوئے میں تمہیں ہاسٹل میں چھوڑوں گا؟ شاید تم اب تک مجھ پر بھروسہ نہیں کر پا رہیں۔"
"عباد بھائی!" ربیعہ تڑپ اٹھی۔ "خدا کے لیے ایسا تو مت کہیں۔ میں نے اس دنیا میں محبت صرف چند ایک لوگوں سے پائی ہے اور آپ ان لوگوں میں شامل ہیں۔"
"پھر... تم نے ایسا کیوں کہا؟"
"اس لیے عباد بھائی کہ میں... میں لوگوں کے سوالوں کے جواب نہیں دے سکتی۔ میں کون ہوں' کہاں سے آئی ہوں' میرے ماں باپ' بہن بھائی' رشتہ دار' سب کون ہیں' کہاں ہیں۔ میں... میں کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے سکتی' نہیں دے سکتی۔" اس نے سر جھکا کر ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔
عباد چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔
"کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھے گا ربیعہ... یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ تمہارا حوالہ صرف اتنا ہو گا کہ تم میرے ایک بہت اچھے دوست کی بہن ہو۔"
"یہ کافی نہیں ہے عباد بھائی۔ انسان کے لیے رشتوں کا حوالہ ضروری ہے... خصوصاً" لڑکی کے لیے۔" وہ مایوسی سے بولی۔
"انسانیت کا رشتہ ہر رشتے سے بڑا ہے ربیعہ... محبت' خلوص' رواداری۔ یہ سب انسانیت کے رشتے سے آتی خوشبو کے نام ہیں... اور... میرے گھر کے افراد میں تمہیں یہ خوشبو ملے گی۔ میری بات کا یقین کرو۔"
"عباد بھائی! میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کسی مشکل کا شکار ہوں۔ میرا آپ کے ساتھ آپ کے گھر

جانا ہے وسوسوں کو نمو دے سکتا ہے۔ آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں ربیعہ! لیکن پھر بھی میں تمہیں اس بے مروت دنیا کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ انسان کے لیے اگر رشتوں کا حوالہ ضروری ہے تو پھر یہ حوالہ تم سے ہر جگہ طلب کیا جائے گا۔ اور اگر تم اپنے رشتوں کو اپنا حوالہ بنانا نہیں چاہتیں تو نئے رشتے بناؤ ربیعہ۔۔۔ محبت اور خلوص کم یاب سہی لیکن نایاب نہیں ہے۔"

"عباد بھائی! کیا کہوں گی آپ کے گھر والوں سے؟ کیا بتا سکوں گی انہیں اپنے بارے میں۔؟"

"میں نے کہا نا تم میرے ایک اچھے دوست کی بہن ہو۔ جو چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر تمہاری ذمہ داری میرے سپرد کر کے باہر چلا گیا ہے۔ اور بس۔ اس سے آگے تم سے کوئی کچھ بھی نہیں پوچھے گا۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ اپنے گھر والوں کو میں خود سمجھا دوں گا۔ ویسے بھی میری ماں، میری بہنیں بہت اچھی ہیں۔ تم ان سے مل کر دیکھو۔"

"یقیناً ہوں گی۔ ان سے ملے بغیر بھی میں جانتی ہوں۔" ربیعہ پہلی مرتبہ مسکرائی۔
اس کے دل کو جیسے قرار سا آ گیا تھا۔ اس نے مطمئن ہو کر اپنا سر سیٹ سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

ہاشم نے اپنے سامنے سجے ہوئے زیورات پر ایک مایوس سی نگاہ ڈالی تھی۔ سیلز مین نے کاؤنٹر پر مختلف ورائٹی کے زیورات کا انبار لگا دیا تھا۔ لیکن ہاشم کی بے چین متلاشی نگاہ کو کوئی بھی چیز مطمئن نہ کر پائی تھی۔ رافع نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے چپ کا گھونٹ بھرا۔
"یہ میں نے کولڈ ڈرنک کا نہیں صبر کا گھونٹ بھرا ہے میاں۔۔۔ [illegible] تو تیرا [illegible]
رہا ہے۔ دو گھنٹے چالیس منٹ ہو چکے ہیں یہاں قدم رنجہ فرمائے۔ اس بے چارے سیلز مین نے سر تک [illegible] ہوں میں۔۔۔ بے چارہ علی بابا سے زیادہ خزانہ اٹھا لایا ہے اپنے آہنی سیف سے اور تو ہے کہ۔۔۔"
ہاشم نے اسے گھورا۔
"جب اپنی دلہن کے لیے زندگی کا پہلا تحفہ ڈھونڈنے نکلے تو میری اس کیفیت کو یاد کرنا۔ پھر تجھے اپنے آپ سے شرمندگی ہو گی کہ تو نے میرے جذبات کو سمجھنے میں غلطی کی تھی۔"
"ابے یار! کوئی بھی چیز اٹھا لے اس ڈھیر سے۔۔۔ یہ انگوٹھی یا وہ بریسلٹ۔۔۔ یہ گلوبند بھی برا نہیں۔"
"یہ اتنا بھاری گلوبند۔۔۔ منہ دکھائی میں دے دوں؟" ہاشم چڑ گیا۔ "یار شاعر! آج تیرے نازک احساسات کہاں جا سوئے ہیں؟"
"میں خود چار دن سے نہیں سویا۔" اس نے جمائی لی۔ "شادی تیری ہے خواری میری۔"
"دوستوں کے لیے خواری عین سعادت ہے۔" ہاشم اس کی حالت سے بے نیاز شوکیس میں تاکا جھانکی کرنے لگا۔ پھر یکایک اس کی نظروں میں چمک سی آ گئی۔
"یار رافع۔۔۔! یہ اس لاکٹ پر پہلے نگاہ نہیں پڑی۔ ذرا دکھانا۔"
سیلز مین نے دل کی شکل کا ننھا سا لاکٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ہاشم نے شوق سے لاکٹ اٹھا کر دیکھا۔
"بیوٹی فل۔۔۔" پھر وہ بولا۔۔۔ "بس ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے یہی چاہیے۔"
"سونے کا دل ہیرے کے امراؤ!" رافع نے تبصرہ کر کے پھر ایک جمائی لی ۔۔۔ "ویری گڈ۔"
"دل تو ہمارا سونے کا ہی ہے۔" ہاشم نے دانت نکالے۔ "اور ان کی محبت اس میں ہیرے کی مانند دمک رہی

[illegible] بس استعارہ تھا لگ کیا جذبات کے اظہار کا۔"
[illegible] رافع بولا۔ "کبھی کبھی میرا جی چاہتا ہے کاش میں ڈاکٹر شملا ہوتا۔"
[illegible] زوردار قہقہہ لگایا۔۔۔ پھر جگہ کا احساس کر کے یکدم چپ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

[illegible] کر اس نے سوچتی ہوئی نظروں سے گھڑی کی جانب دیکھا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ایقان شاور لے رہی تھی۔ وہ سونے سے قبل شاور لینے کی عادی تھی۔ ورنہ اسے نیند نہیں آتی تھی۔
عاشر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اسے ایقان کی باتیں یاد آنے لگیں۔ نجانے کیا تبدیلی آ گئی تھی اس کے [illegible] میں۔ وہ خود سمجھ نہیں پایا تھا لیکن ایقان کی چھٹی حس نے آخر کون سی بات محسوس کی تھی۔ یہ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کے موبائل کی بپ بجی تو وہ بری طرح سے چونکا۔ موبائل پر وہ ٹون بج رہی تھی جو اس نے صرف ایک مخصوص نمبر کے لیے سیٹ کی ہوئی تھی۔
واش روم [illegible] کر رہا تھا اور مدھم سروں میں ایقان کی گنگناہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ عاشر نے جلدی سے کال ریسیو کی۔
"ہیلو۔۔۔"
"ہائے ڈارلنگ۔۔۔" دوسری جانب سے [illegible] بھری گئی تھی۔
"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ۔۔۔"
"کہ فون نہ کروں۔۔۔" وہ اطمینان سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "لیکن کیا کروں عاشر! میرا دماغ تمہارا تابعدار [illegible]"
"[illegible]"
"[illegible] مشکلات مت کھڑی کرو۔"
"ڈونٹ وری ڈارلنگ۔۔۔ میں تو صرف [illegible] چاہ رہی تھی۔ پاکستان کے ٹائم کے مطابق رات کے بارہ بج رہے ہیں نا۔۔۔ میں تو چیک کر رہی تھی کہ تم [illegible] رہے ہو؟" وہ شرارت سے ہنسی۔
"شٹ اپ لزا۔۔۔!" وہ غرایا۔
"اوکے ڈارلنگ۔۔۔ تمہارا [illegible] میں اب آرام سے سو جاؤں گی۔ بائی دا وے۔ کہاں ہے وہ؟" واش روم سے پانی گرنے کی آواز آنا [illegible] گئی تھی۔ عاشر نے سناٹا محسوس کیا۔
"[illegible]۔۔۔" وہ جلدی سے بولا۔ "اور اب فون مت کرنا۔"
اس نے موبائل آف کر دیا۔ واش روم سے نکلتی ایقان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"کسے ڈانٹ رہے ہو؟"
"کیا۔۔۔؟" وہ گڑبڑا گیا۔
"کس سے کہہ رہے ہو کہ اب فون مت کرنا؟" وہ گیلے بال تولیے سے رگڑتی اس کے مقابل آ بیٹھی۔
"اپنے ایک دوست سے۔۔۔"
"کیا کیا ہے بے چارے نے؟" ایقان نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا۔
عاشر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایقان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے خود سے قریب کر لیا۔
"میرے اس قیمتی وقت میں مداخلت کی اس نے۔۔۔ جو میں ہرگز نہیں چاہتا۔"

ایقان نے برا سا منہ بنا کر اپنی ناک پر نیلا تولیہ رکھ لیا۔
"سگریٹ کی بو آ رہی ہے۔ تم نے پھر سگریٹ پی ہے؟"
"تمہاری زلفوں کی خوشبو میں ابھی سب کچھ گم ہو جائے گا۔" عاشر نے تولیہ لے کر دور اچھال دیا۔



پہیوں کی گڑگڑاہٹ کی آواز مدھم ہوتے ہوتے بالکل تھم گئی۔ عباد نے چہرے پر سے اخبار اٹھایا۔ اور نیند بھری آنکھوں سے ربیعہ کو دیکھنے لگا جو ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔
"ربیعہ۔۔۔ ہماری منزل آ گئی ہے۔" عباد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
"جی عباد بھائی!" وہ دھیرے سے بولی۔
"میں قلی وغیرہ دیکھتا ہوں، تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ کچھ لے لوں؟ یا پھر گھر چل کر کھائیں؟ امی نے مزے مزے کی چیزیں بنائی ہوں گی۔"
"جی ٹھیک ہے۔ گھر ہی چل کر کھائیں گے۔" ربیعہ نے اس کا دل رکھنے کو کہا ورنہ فی الوقت اسے بالکل بھی بھوک محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اس کے دل و دماغ ایک مرتبہ پھر اضطراب کا شکار تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پلیٹ فارم پر کھڑے تھے۔ عباد ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔
"کسے دیکھ رہے ہیں؟" ربیعہ نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
"اپنے ایک دوست کو میں نے اسے لاہور سے فون کر دیا تھا وہ ہمیں لینے آئے گا۔ لو۔۔۔ وہ آ بھی گیا۔" عباد چند قدم آگے بڑھا۔ ربیعہ کی نظروں نے اس کا تعاقب کیا۔ سامنے سے ایک خوبرو نوجوان مسکراتے ہوئے چلا آ رہا تھا۔ عباد اس سے بغل گیر ہو گیا۔ پھر وہ اسے لیے ہوئے ربیعہ کے پاس چلا آیا۔
[...]
"یہ ربیعہ ہے۔ میرے ایک دوست کی بہن ہے اور میر[...] سے اس کا تعارف کروانے لگا۔
"اور ربیعہ۔۔۔ یہ فراز ہے۔ میرا بہت اچھا دوست۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ہم دونوں کراچی میں رہتے ہیں اور ہماری دوستی لاہور میں ہوئی۔ یہ پچھلے سال ہی لاہور سے یہاں کراچی آیا ہے۔"
فراز مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ربیعہ نے بھی دھیرے سے مسکرا کر سر ہلا دیا۔
"چلیں۔۔۔؟" فراز نے قلی کو سامان اٹھاتے دیکھ کر پوچھا۔
"بالکل جناب۔" عباد نے قدم بڑھا دیے۔
گاڑی ایک خوبصورت بنگلے کے سامنے جا رکی تھی۔ ربیعہ نے شیشے سے باہر جھانکا اور سفید ماربل سے بنے بنگلے کو دیکھ کر اس کا دل پھر انجانے خدشات کا شکار ہو کر دھڑکنے لگا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ بالکل برف کی طرح سرد ہو رہے تھے۔
عباد اور فراز گاڑی سے اتر کر ڈگی سے سامان نکال رہے تھے۔ پھر عباد نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا۔
"کیا بات ہے ربیعہ! نہیں کہیں اور جانا ہے کیا؟" وہ شگفتگی سے پوچھ رہا تھا۔
ربیعہ گاڑی سے اتر آئی۔ اپنے گھر تک پہنچ کر عباد کے انداز میں بے حد تازگی اور مسرت در آئی تھی جو اس کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کا سکون اور اطمینان محسوس کر کے ربیعہ کے اندر ایک ہوک سی اٹھی۔ یہ سکون اور اطمینان اس کی قسمت میں کہاں پوشیدہ تھا۔ وہ قطعاً "لاعلم" تھی۔
وہ لوگ آگے بڑھے۔ عباد نے باڑ کے ساتھ بنا ہوا لکڑی کا چھوٹا گیٹ کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہو گئے۔ پورچ میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ سائیڈز میں بنے چھوٹے سے لان میں خوشنما پھولوں کی بہتات تھی۔ ہری

[...] اوپر تک جا پہنچی تھیں۔
[...] ربیعہ کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی تھی کہ باہر سے وہ گھر جس قدر پرسکون اور خوشنما دکھائی دیتا ہے اس کے اندر بھی اسی طرح حقیقی مسرت اور سکون کا بسیرا ہو۔
وہ لوگ سیڑھیوں تک پہنچے تھے تب ہی لکڑی کا مضبوط دروازہ وا ہوا اور ایک شفیق سی خاتون کا چہرہ دکھائی دیا۔ ربیعہ اپنی جگہ ہی رک گئی۔۔۔ خاتون چند قدم آگے بڑھیں۔ ان کی نظریں ربیعہ پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ سفید لباس میں ان کا سراپا بے حد پروقار اور شائستہ نظر آ رہا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں ان کا سانولا چہرہ محبت کی نرمی اور شفقت کے احساس سے معمور تھا۔ پھر بھی ان کی نظروں میں تشویش کی لہر تھی۔ جسے ربیعہ نے اتنی دور سے بھی محسوس کر لیا تھا۔
"امی!" عباد نے ایک ہی جست میں سیڑھیاں پار کی تھیں۔
منیزہ بیگم نے محبت سے اس کی پیشانی چومی تھی۔ ربیعہ بھی آہستگی سے آگے بڑھی۔
"السلام علیکم۔" وہ مدھم انداز میں بولی۔
منیزہ بیگم نے عباد سے الگ ہو کر اسے دیکھا۔ چند لمحے دیکھتی رہیں پھر مسکرا دیں۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ [...]"
ربیعہ نے دیکھا۔ ان کی آنکھوں کی ساری تشویش محبت اور اپنائیت کی لہروں میں بہہ گئی تھی۔ انہوں نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کیا پھر محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔
"جیتی رہو۔ اللہ تمہارے نصیب بلند کرے۔ ماشاءاللہ بہت پیاری بچی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟"
"ربیعہ!" ربیعہ دھیرے سے بولی۔
[...] ہاتھ آ کر ٹھہر گیا تھا۔ ربیعہ کو از حد سکون محسوس ہوا۔
[...] صورت ہو۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
"السلام علیکم آنٹی!" فراز سامان سے لدا پھندا چلا آ رہا تھا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔ جیتے رہو۔۔۔ عباد بیٹا۔۔۔ [...] خیال کرو۔ سب کچھ اس غریب کو تھما دیا ہے۔"
"امی! اس کو غریب نہ کہیں۔ [...] امیر ہے یہ۔" عباد اطمینان سے بولا تھا۔
"یہ اور بات ہے کہ تم مجھے [...] مستقل ملازم سمجھتے ہو۔۔۔" فراز نے [...] عباد ہنس دیا۔
"چلو سب لوگ اندر آؤ۔۔۔ انیقہ اور شہلا ناشتہ تیار کر رہی ہیں۔" منیزہ بیگم نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
عباد اور فراز سامان اٹھانے لگے۔ منیزہ بیگم ربیعہ کے شانوں کے گرد بازو پھیلائے اسے اپنی معیت میں لے کر اندر داخل ہو گئیں۔ کچن سے نکلتی انیقہ وہیں ٹھہر گئی تھی۔
"آپی!" پھر اس نے پکارا۔ شہلا بھی کچن سے نکل آئی۔
"آؤ۔" منیزہ بیگم نے ربیعہ کو پیار سے دیکھا۔ "اپنی بہنوں سے ملو۔"
ربیعہ آگے بڑھی۔ شہلا اور انیقہ بھی آگے بڑھیں۔ پھر وہ دونوں بے حد گرمجوشی سے ربیعہ سے ملیں۔
"ہم لوگ کل سے سوچ رہے ہیں کہ نجانے عباد بھائی کے ساتھ کون آ رہا ہے۔۔۔ تمہیں دیکھ کر ساری تشویش خوشی میں بدل گئی ہے۔۔۔ ہے نا امی؟" انیقہ کے چہرے پر بے حد نرم سا تاثر تھا۔
اس نے منیزہ بیگم کو دیکھا جو اس کی بات سن کر مسکرا دی تھیں۔
"ہاں میں ربیعہ سے مل کر واقعی بہت خوش ہوئی ہوں۔ نجانے کیا بات ہے اس میں۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ ہماری اپنی ہو۔"

"بالکل ٹھیک کہا ہی آپ نے!" شملا مسکرائی۔ "میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔"
"آپ جا رہی ہیں نا... اس لیے میں ایک بہن اور لے آیا۔" عباد ان لوگوں کے قریب آتے ہوئے خوش دلی سے بولا۔
"بہت اچھا کیا..." شملا کھل کر مسکرا دی۔ "اور یہ تو اتنی چھوٹی سی تھی کہ تمہارے بھانجے نے بھی فوراً" دوستی کر لی تھی اس سے۔"
عباد بے اختیار ہنس دیا۔
"لیکن وہ ہے کہاں؟"
"سو رہا ہے..." منیزہ بیگم بولیں۔ "ناشتا کر لو تو اسے جگا لینا۔"
سب لوگ ڈائننگ ٹیبل کی جانب بڑھ گئے تھے۔ ربیعہ کو بے حد سکون کا احساس ہوا تھا اسے اچانک ہی بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کل شام اپیا کو مایوں بٹھائیں گے ساتھ ہی رسم مہندی بھی ہے۔ پرسوں نکاح ہے..." انیقہ ربیعہ کو پروگرام سے آگاہ کر رہی تھی۔ شملا خاموشی سے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔
"کل مایوں، کل ہی مہندی، پرسوں نکاح..." ربیعہ نے حیرانی سے شملا کو دیکھا تھا۔ "دلہن کو تو کم از کم ایک ہفتہ پہلے مایوں بٹھاتے ہیں۔"
"ہاں بٹھاتے تو ہیں... پر یہ ہماری اپیا... انگریز ہو گئی ہیں..." انیقہ نے ناک بھوں چڑھائی۔ "دیکھ بھی [illegible] کون کون سے کریمیں لگاتی ہیں... کون کون سے ٹریٹمنٹ کراتی ہیں۔ ان کی مایوں کا تو [illegible] انہیں تو الرجی ہو جاتی ہے ابٹن سے۔"
ربیعہ مسکرا کر شملا کو دیکھنے لگی۔
"انہیں کسی چیز کی ضرورت بھی تو نہیں ہے۔" وہ بولی۔
"بس... اب تم انہیں زیادہ مت سراہو... ورنہ یہ پرسوں تیار ہونے سے بھی منکر ہو جائیں... کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" انیقہ مہندی کے لیے پیتل کی کٹوریاں اور تھالیاں نکال رہی تھی۔ جو وہ خاص طور پر خرید کر لائی تھی۔
"تم اور انیقہ! کتنا بولتی ہو تم۔" شملا نے اسے گھورا۔
"بیلنس کرنا ہے نا معاملہ... آپ جو گونگے کا گڑ شوق سے کھاتی ہیں۔"
ربیعہ ہنس دی۔ اسے بہنوں کی نوک جھونک اور اس میں چھپی محبت کا احساس لطف دے رہا تھا۔ اسی وقت عباد اور عمر دوڑتے بھاگتے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ دونوں ہنس رہے تھے۔
"ممّا..." عمر شملا کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے زور سے بولا۔
"میرا بیٹا!" شملا نے اسے محبت سے چوما۔
ربیعہ لمحہ بھر کے لیے ششدر رہ گئی۔ اسے یہ تو علم تھا کہ عباد کا ایک بھانجا ہے لیکن اپنی سوچوں میں ابھی اس نے کبھی اس بات پر غور نہ کیا تھا کہ عمر کی ماں کون ہو سکتی ہے۔ اب اس وقت اسے اچانک ہی علم ہوا تھا کہ شملا ایک بیٹے کی ماں بھی ہے۔

"عمر! ادھر آؤ، یہ آپ کی ایک خالہ جانی اور آئی ہیں... ان سے ملو... ربیعہ خالہ ہیں آپ کی..." شملا عمر کو اس سے متعارف کرا رہی تھی۔
عمر اس کے قریب چلا آیا اور کچھ حیرت اور شوق سے اسے دیکھنے لگا۔ ربیعہ نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا۔ عمر نے اس کا ہاتھ قدرے جھجکتے ہوئے تھاما تو ربیعہ نے اسے خود سے قریب کر لیا۔ پھر اس نے بے اختیار ہی اس کا گال چوم لیا۔
"بہت پیارے ہو تم... کیا نام ہے تمہارا؟"
"عمر..." وہ مسکرایا۔ "آپ میری خالہ جانی ہیں؟" ربیعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
"آپ کہاں سے آئی ہیں؟"
ربیعہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی تھی۔ دیگر افراد نے اب تک اس سے کوئی استفسار نہ کیا تھا لیکن اب عمر کے سامنے اسے اچانک ہی اندازہ ہوا تھا کہ بچے کے سوالات بہت آگے تک جا سکتے تھے۔
"اللہ تعالیٰ کے پاس سے۔" عباد نے آگے بڑھ کر عمر کو اپنی جانب کھینچ لیا۔
"اللہ تعالیٰ کے پاس سے؟" اس نے حیرانی سے ربیعہ کا جائزہ لیا۔ "یہ اتنی بڑی ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہی رکی ہوئی تھیں؟"
وہ لوگ بے ساختہ ہی ہنس دیے... [illegible] بیگم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مسکرائی تھیں۔
"تنگ کر رہا ہے ربیعہ! یہ تمہارا دماغ کھا جائے گا۔" شملا نے اسے خبردار کیا۔
"مجھے اپیا کا کھا گیا ہے... ہماری اپیا بغیر دماغ کی ہیں..." عباد ہنستے ہوئے بولا۔
[illegible] گئی... ماحول بہت خوشگوار تھا۔ ربیعہ کے اطمینان میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔
"آپ میری دوست بنیں گی؟" عمر پھر اس کے پاس چلا آیا۔
"کیوں...؟" ربیعہ نے مسکرا کر اس کی [illegible] نگاہوں میں جھانکا۔ "خالہ سے دوست بنا رہے ہو؟"
"خالہ جانی تو ڈانٹتی ہیں نا! آپ خالہ [illegible] تو آپ بھی ڈانٹیں گی... اس لیے دوست بنا رہا ہوں۔ پھر آپ مجھے ڈانٹیں گی نہیں... اور ہم [illegible] گیمز کھیلا کریں گے۔"
"یہ بات ہے تو پھر دوستی [illegible]"
[illegible] انیقہ نے اسے گدگدایا۔
"خالہ جانی بہت ڈانٹتی ہیں تمہیں؟ جھوٹے نہیں کے... میرے خلاف محاذ تیار کر رہے ہو... ہاں۔"
عمر نے اسے زبان چڑا دی۔ اور شملا کی خفگی سے بچنے کے لیے کمرے سے بھاگ گیا۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ہی ہاشم میاں کو ابٹن اور تیل لگانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ لان میں سارا انتظام رافع اور نافع نے سنبھالا ہوا تھا۔ علی اور حمزہ کام کم اور باتوں اور تفریح میں زیادہ مصروف تھے۔
شام رعنائی کا ملبوس پہن کر اتر رہی تھی۔ لڑکیاں زور و شور سے تیاریوں میں مصروف تھیں۔
فردوس بیگم سب کاموں کے جائزہ لیتی ہوئی مطمئن سی ہو کر اندر آئی تھیں۔ یکایک وہ بری طرح سے ٹھٹک کر رک گئیں۔ سامنے صوفے پر بے حال اور بے ترتیب سے اختر میاں پڑے ہوئے تھے۔
"آ گئے ہے..." وہ بے طرح پریشان ہوئیں، پھر لپک جھپک ان کے قریب چلی آئیں۔ "یہ تم کہاں سے پیچھے

ہو اس وقت۔۔۔ کہاں جا مرے تھے؟"
اختر میاں نے سرخ سرخ سی نگاہیں اٹھائیں اور سوکھے لبوں پر زبان پھیری۔
"آپا! السلام علیکم۔"
"ارے وعلیکم۔۔۔ میں پوچھتی ہوں کہاں سے چلے آ رہے ہو؟ حلیہ دیکھا ہے اپنا۔۔۔ جیسے گٹر سے نکل کر آئے ہو۔ چلو اٹھو۔۔۔ پہلے نہا کر آؤ۔۔۔ بو سے دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ میں کہتی ہوں فاروق حسن نے اگر تمہیں اس حلیے میں دیکھ لیا تو بھنگیوں سے اٹھوا کر گلی میں پھکوا دیں گے' سمجھے۔۔۔ اے ہاں۔۔۔ جسے دیکھو وہی گلے کا طوق ہے۔۔۔ چلو اٹھو اب۔۔۔" وہ حد درجہ جھنجلا گئی تھیں انہیں دیکھ کر۔
"باجی۔۔۔!" وہ پھر نقاہت سے بولے تھے۔ "چائے تو پلا دو۔"
"ارے سب کھلا پلا دیں گے تمہیں۔ مر نہیں جاؤ گے ذرا سی دیر میں۔۔۔ اب اٹھو بھی۔۔۔ جا کر ہمارا غسل خانہ پلید کرو۔ چلو جاؤ۔"
اختر میاں بہن کی جھاڑ پھٹکار سن کر لڑکھڑاتے ہوئے غسل خانے کی سمت کو بڑھ گئے۔ فردوس بیگم ماتھے پر سو بل ڈالے کھڑی سوچتی رہ گئی تھیں۔

ہاشم میاں کو جی بھر کر [illegible] کیا گیا تھا' لیکن انہوں نے قطعاً برا نہ مانا۔ بقول رافع کے ان کے دانت تک پیلے ہو گئے تھے۔ پھر بھی وہ مسلسل مسکرائے جا رہے تھے۔
"یار۔۔۔ ذرا منہ بند کر لینا۔۔۔" رافع کھڑا تصویر کھینچ رہا تھا۔ "پتا نہیں چل رہا ہے کہ کہاں ختم ہیں اور دانت کہاں سے [illegible]"
"چلو۔۔۔ ہم بھوت ہی سہی' سرہی چڑھیں گے نا کسی کے۔" وہ گال ملتے ہوئے ابٹن اتار رہا تھا۔
"لیٹ بھی سکتے ہیں کسی کو۔" حمزہ بے سوچے سمجھے بولا۔
"یہ بھی برا نہیں۔۔۔" ہاشم نے سر ہلایا۔
بات سمجھ لینے والوں نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔ لڑکیاں بے چاری بس خجل ہو گئیں۔
"چلو کھسکو یہاں سے۔۔۔" ورد نے سرگوشی کی۔ "اب یہ لوگ نجانے کیا کیا اول فول بولیں گے۔"
"بکتے رہیں۔۔۔" ماہین جھلائی۔ "ہم کیوں جائیں۔۔۔ ہم نے تو ابھی گانے گانے ہیں۔"
"تمہارا گلا ابھی دکھا نہیں۔۔۔؟" رائمہ نے اسے گھورا تھا۔
"ارے۔۔۔ میرے بھائی کی شادی ہے۔ کوئی مذاق ہے۔"
"یہ مذاق نہیں آپی۔۔۔ یہ حقیقت ہے۔" یکایک پیچھے سے حمزہ نے جملہ کہا اور جلدی سے ڈھیر سارا ابٹن ماہین کے چہرے پر مل دیا۔ وہ بھوت بنی بیٹھی رہ گئی۔ لڑکیاں قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں تو وہ جھلا کر حمزہ کو مارنے لپکی۔ پھر زور سے چیخ اٹھی۔ اس کے ساتھ ورد بھی چیخی تھی۔
کسی نے ان دونوں کی چٹیا آپس میں باندھ دی تھیں۔ اور اب سارے کے سارے انہیں دیکھ کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔
پھر تو گویا ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ سب ایک دوسرے پر ابٹن کے گولے بنا بنا کر پھینکنے لگے تھے۔ کپڑوں' میک اپ کا حشر ہو گیا تھا۔ قہقہوں سے پورا لان گونج رہا تھا۔ بزرگ حضرات تو یہ صورتحال شروع ہوتے ہی اندر کی جانب بڑھ گئے تھے اور اب کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا۔ لڑکوں کی تو باقاعدہ دھینگا مشتی شروع ہو چکی

تھی۔ علی اور نافع نے حمزہ کو گرا لیا تھا اور اب جی بھر کر اس کا حلیہ بگاڑ رہے تھے۔ ناصحہ اور سدرہ نے تالی [illegible] شامت بلائی ہوئی تھی۔ عاشر نے ایقان کے منہ پر ایٹن کا ماسک بنا رہا تھا۔ اور اب اسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔
عریشہ پر ایٹن کا گولہ آ کر لگا تو وہ جو بیچ بچاؤ کر قدرے کونے تک چلی آئی تھی۔ بھنا کر پلٹی۔ سامنے نافع شرارت سے مسکرا رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ سلگ کر بولی۔

"بدتمیزی۔۔۔؟ یہ تو ماحول کا تقاضا ہے۔" وہ ہنس دیا۔

"شٹ اپ۔۔۔" وہ غرائی اور پلٹ کر وہاں سے چلی گئی۔

نافع کا یک بکا بکا رہ گیا تھا۔ بہت عرصے سے وہ اس کے گریز کو شرم جھجک اور حیا کا نام دیتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن اب کچھ دنوں سے وہ اس گریز میں حقارت نفرت سخت قسم کی ناپسندیدگی کی جھلک دیکھ رہا تھا۔ عمرا سے کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ دور کھڑی ورده نے یہ منظر دیکھا تھا اور نافع کی طرح وہ بھی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔



رات اسے بہت اچھی نیند آئی تھی۔ اسی لیے وہ صبح سویرے ہی بیدار ہو گئی تھی۔ کھڑکی کے پردوں پر صبح کی سفیدی کے آثار نمودار ہونا شروع ہی ہوئے تھے۔ باہر لان میں چہکتی چڑیوں کی معصوم آوازیں اس کے دل کو خوشی اور تشکر کے احساسات بخشنے لگیں۔

ربیعہ بستر سے نکل آئی۔ واش روم میں جا کر اس نے وضو کیا اور کارپٹ پر جائے نماز بچھا کر خدا کے حضور حاضر ہو گئی تھی۔ نماز میں اسے بہت لطف محسوس ہوا تھا۔ دل و دماغ جیسے ہر طرح کے بوجھ سے آزاد بالکل ہلکے پھلکے سے محسوس ہو رہے تھے۔

دعا مانگ کر اس نے دونوں ہتھیلیاں اپنے چہرے پر پھیلائیں [illegible] اترنے لگی۔ تب وہ ہاتھ چہرے پر پھیر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے بیڈ روم کا ایک دروازہ لان کی سمت بھی کھلتا تھا۔

ربیعہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ پھر موسم کی خوبصورتی نے اسے مسحور کر دیا۔ آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور باد نسیم میں بے حد تازگی اور خوشبو تھی۔ ہر شے اپنے اصل رنگ سے زیادہ رنگین اور دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ ربیعہ نے لکڑی کے چھوٹے سفید گیٹ کے قریب آ کر باہر جھانکا۔ تارکول کی سیاہ سڑک دور تک جاتی دکھائی دیتی تھی۔ سڑک کے دوسری جانب بنے پارک کے سرسبز درخت دور سے دھند میں لپٹے دکھائی دیتے تھے۔ جیسے وہ سفید باریک جالی کا لباس پہنے کھڑے ہوں۔ پارک میں چہچہاتے ہوئے پرندوں کی خوش نما آوازیں یہاں تک بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ربیعہ نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ خوبصورت اور خوش کن منظر نہ دیکھا تھا۔ اس نے گیٹ کا اوپری کنڈا ہٹایا اور باہر چلی آئی۔ صاف ستھری، سیاہ سڑک پر چلنا بھی ایک خوشگوار عمل تھا۔ دور دور تک سنسان دکھائی دیتی سڑک پر خنک سے موسم میں چلتے چلے جانا بے حد بھلا لگ رہا تھا۔

ربیعہ پارک میں داخل ہو گئی۔ پارک میں کہیں کہیں کسی ذی نفس کی جھلک دکھائی پڑتی تھی۔ صبح کی سیر کے لیے نکلے ہوئے بڑے بوڑھے یا جاگنگ کرتے نوجوان دور سے نظر آ رہے تھے۔ ربیعہ چنبیلی کے ساتھ پڑی بینچ پر جا بیٹھی۔ اور اس کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔



جاگنگ کرتا ہوا رافع یکلخت ٹھہرا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ پارک تاحد نگاہ خالی پڑا ہوا تھا۔ نرم نرم دھوپ درختوں کی اونچی شاخوں پر اتری تھی اور اب نیچے اترنے کے

[illegible] کی وجہ سے اس کی آنکھ قدرے تاخیر سے کھلی تھی۔ سو ہاشم کو تازہ دم ہونے کے لیے سوتا ہی [illegible] گیا تھا اور اب کھڑا حیرت سے اس بے فکر، دیوانی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ جو پارک کی سنگی بینچ پر بیٹھی [illegible]

[illegible] آنچل اس کے کاندھے پر سرسرا رہا تھا۔ دوسرا پلو ہری گھاس پر پھیلا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ گود میں [illegible] وہ گہری نیند میں تھی۔ سیاہ گھنیرے بالوں کی بدلی اس کے شانے پر پھیلی ہوئی تھی اور گلابی ہونٹوں [illegible] خواب کی مسکان کا سایہ تھا۔

رافع نے زندگی میں ایسا دلکش منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔ پھر جیسے [illegible] دھیان سا آیا۔ اس نے ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک کاغذ برآمد کیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔

[illegible] میں سوچتا ہوں اک سہانی صبح ایسی ہو

[illegible] جاگوں

[illegible] قدموں کے آگے [illegible] دیوار بن جائے

رافع نے نجانے کب سے [illegible] نظم اپنے ٹراؤزر کی جیب میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ کیوں، کس لیے وہ اسے ہمراہ لیے پھرتا تھا۔ [illegible] نے پریشان نگاہوں سے پھر اسے دیکھا۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے کاغذ پھڑپھڑا کر اس کے ہاتھوں سے نکلا تھا۔ [illegible] رافع کی گرفت میں آنے سے پہلے ہی ربیعہ کی گود میں جا گرا۔

ربیعہ زور سے چونکی تھی۔ گھبرا کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور گود میں پڑے کاغذ کو بے اختیار ہی اپنی مٹھی میں بھینچ [illegible] گئی۔ پھر اس کی نظر سامنے [illegible] پڑی تھی۔ ربیعہ نے جلدی سے دوپٹہ سنبھالا اور آگے جانے [illegible]

[illegible] وہ چند قدم آگے بڑھ آیا تھا۔

ربیعہ ٹھٹھری۔ لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ کو یہاں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔"

"جی۔۔۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں یہاں پہلی مرتبہ ہی آئی ہوں۔"

"کہاں تھیں اب تک؟" وہ آہستگی سے بولا۔

ربیعہ بے اختیار [illegible]

"جی۔۔۔؟" [illegible] نے حیرت سے اس اجنبی کو دیکھا۔

"میرا مطلب ہے "آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

ربیعہ نے چند لمحے سوچا پھر نجانے کیوں اس کے لب مسکرا اٹھے۔

"اللہ تعالیٰ کے پاس سے۔" اس کے سنجیدہ انداز میں ہلکی سی شرارت تھی۔

پھر وہ مزید نہیں رکی تھی۔ رافع پوری آنکھیں کھولے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی گھر کے گیٹ کے پاس پہنچی' حیران پریشان عبادہ باہر کی سمت ہی لپک رہا تھا۔ ربیعہ کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔

"ربیعہ! کہاں چلی گئی تھیں تم؟"

"عباد بھائی۔! میں ذرا پارک تک چلی گئی تھی۔" ربیعہ بھی اپنی غلطی پر شرمندہ سی ہو گئی۔

"میں پریشان ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک تمہارا دروازہ بجایا پھر دوسری جانب سے دیکھا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں گھبرا گیا کہ تم نجانے کہاں چلی گئیں۔"

ربیعہ نے اس کا چہرہ دیکھا پھر مسکرا دی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی عباد بھائی!" وہ ہنس دی تھی۔ "بے فکر رہیے۔"

عباد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

"چلو۔ ناشتہ کر لو۔ امی بہت مزے کے پراٹھے بناتی ہیں۔ اور ہاں' رات کو شہلا آپی کی مہندی کی تیاری بھی کرنا ہے۔ تم نے اور انیقہ نے سنبھالنا ہے سب کچھ۔"

"ضرور۔" وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

پھر اپنے کمرے میں آ کر اس نے بے اختیار ہی اپنا ہاتھ دیکھا اور مسکرا دی۔ نجانے کیا تھا جسے وہ اتنی دیر سے مٹھی میں دبائے پھر رہی تھی۔

ربیعہ نے کاغذ پھیلا کر دیکھا پھر حیرانی سے مسکرائی۔ اس پر تو پوری نظم تحریر تھی۔ ربیعہ نظم پڑھنے لگی۔

"کمال ہے۔" پھر وہ بولی تھی۔ "یہ میرے ہاتھ میں کمال ہے۔"

پھر [illegible] اس کے ذہن میں پورا منظر تازہ ہو گیا تھا۔ وہ ان حیران نظروں کو یاد کر کے مسکرا دی۔

"ربیعہ۔!" منیزہ بیگم کی آواز سے وہ چونک اٹھی۔ "ناشتہ کر لو۔"

وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

رات روشنیوں سے معمور تھی۔ عباد نے گھر کی چھت پر تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ ڈیکوریشن والوں نے چھت کو خوبصورتی سے سجانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ ہرے اور پیلے رنگ کے جھلملاتے دوپٹوں سے پورا ماحول سج گیا تھا۔ جگہ جگہ گلاب کے پیلے اور نارنجی پھولوں کے گلدستے سجائے گئے تھے۔ اسٹیج پر گیندے کے پھولوں کی فراوانی تھی۔ رنگین قمقموں نے جا بجا مختلف رنگ کی روشنیوں کو ہم آہنگ کیا ہوا تھا۔

انیقہ اور شہلا کی سہیلیوں نے اسٹیج پر قبضہ جمایا ہوا تھا اور ڈھولک پر طبع آزمائی کر رہی تھیں۔ انیقہ اور ربیعہ کھانے کے انتظامات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ عباد مووی اور تصویریں بنانے والوں کو ہدایات دے رہا تھا۔

تب ہی ہاشم کی طرف سے مہندی لے کر پوری پلٹن آ پہنچی۔ آنے والے بھی ڈھول اور دف بجا رہے تھے۔ ادھر والوں نے بھی فل والیوم میں ڈیک آن کر دیا۔ موم بتیاں روشن ہو گئیں' لائٹیں بجھا دی گئیں۔

دولہا میاں کی بہنوں اور کزنز کے چہرے موم بتیوں کی سحر انگیز روشنی میں چمک رہے تھے۔ تب ہی عرشیہ کی نظریں دو آنکھوں سے چار ہوئیں۔ اس کا دل یک بارگی زور سے دھڑکا۔ لیکن وہاں اجنبیت اور بے نیازی تھی۔ عرشیہ کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ وہ سب کے ساتھ گھسٹنے لگی۔ فراز ایک جانب کھڑا سینے پر بازو لپیٹے خاموش نظروں سے ہنستی مسکراتی' کھلکھلاتی ناعمہ کو دیکھ رہا تھا۔

ناعمہ مہندی کا تھال اٹھائے اس کے بالکل قریب سے گزری تھی۔ گزرتے گزرتے اس نے نظریں اٹھائیں اور اس کے لب جیسے مسکرانا بھول گئے۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

۲۱
اکیسویں قسط

کسی منچلے نے فل والیوم میں ابرار کا "اساں تیری گل کینی" لگا دیا تھا۔ تقریب کا رنگ یکلخت ہی بدل گیا۔ دلہن کی جانب سے آئے ہوئے لڑکوں نے ٹولی بنا کر گانے پر رقص شروع کر دیا تھا۔ عباد، فراز اور عباد کے دیگر دوست بھی ماحول کا اثر قبول کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور سارے لڑکے مل کر خوب ہنگامہ کرنے لگے۔

"ارے بھئی۔۔۔ پہلے رسمیں تو کر لیتے۔" شفیقہ حیات نے پاٹ دار آواز میں کہنے کی کوشش بھی کی لیکن اتنے شور میں کسی نے ان کی ایک نہ سنی۔

لڑکیاں بھی تالیاں بجا بجا کر اپنی طرف کی پارٹی کو پوری داد دے رہی تھیں۔ ربیعہ شوق اور دلچسپی کے عالم میں بیٹھی یہ سارا ہنگامہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کب اپنی زندگی میں اس طرح کا بے فکر اور خوش باش ماحول دیکھا تھا۔ وہ پوری طرح سے تقریب کو انجوائے کر رہی تھی۔

"ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔" کوئی اسے پکار رہا تھا۔

ربیعہ چونکی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ دور کھڑی انیقہ نجانے کب سے اسے پکار رہی تھی اور ہاتھ ہلا ہلا کر توجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ربیعہ جلدی سے کھڑی ہوئی اور شور مچاتے لڑکوں سے بچ بچا کر نکلنے لگی، تب ہی بے خودی میں دھمال ڈالتا رافع اس کے سامنے آ رکا تھا۔ ربیعہ ٹھٹک کر رکی، رافع بھی [illegible] اپنے آپ میں لوٹا اور [illegible] شرمندہ ہوا۔

"اکھیاں وے [illegible]
چھتی گھر آ جا وے چنگے تیرے سورے۔۔۔"

ڈیک پر ابرار چہک رہا تھا۔ ربیعہ اس ٹکراؤ پر خاصی نروس ہو گئی تھی۔ وہ نظریں جھکا کر گلابی چہرہ موڑے جلدی آگے بڑھ گئی۔ رافع اپنی کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا تھا۔ ناچتے، شور مچاتے لڑکوں کی ٹولی کے بیچ وہ یک ٹک کسی سوچ میں گم کھڑا تھا۔ اسے کسی کا دھکا لگا تو وہ جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھا کر پھر شروع ہو گیا لیکن اب کی بار رقص میں وہ پہلی سی سرمستی نہ تھی۔



ربیعہ انیقہ کے ساتھ نچلی منزل پر چلی آئی، جہاں سکون اور خاموشی تھی۔

"میں کسی کام سے نیچے آئی تو دیکھا عباد بھائی کا موبائل بج رہا ہے۔" انیقہ اسے بتانے لگی۔ "میں نے کال ریسیو کی تو دوسری جانب کوئی عبدالباری صاحب تھے۔۔۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتے تھے۔"

"اوہ۔۔۔" ربیعہ کا دل غیر معمولی انداز میں دھڑکا۔ "پھر۔۔۔ پھر۔۔۔؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر میں نے انہیں تقریب کے متعلق بتایا تو وہ کہنے لگے۔ بعد میں بات کر لیں گے، اب اگر تم کہو تو میں اسی نمبر پر کال ملا دیتی ہوں یا پھر یہ تقریب ختم ہو لے تو بات کر لینا۔ کیا خیال ہے؟"

انیقہ اس کے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ ربیعہ کو بھی احساس ہوا کہ یہ موقع اس امر کے لیے مناسب نہ تھا۔ ابھی شہلا کی رسمیں ہونا باقی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں بعد میں بات کرلوں گی۔"

انیقہ مطمئن ہو کر پلٹ گئی۔ ربیعہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ ہر چند کہ اس کا دل ترانہ کی خیریت معلوم کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔

لڑکوں کا جوش کچھ سرد پڑا تو انیقہ اور ربیعہ' شہلا کو تھام کر اسٹیج پر لے آئیں۔ شہلا کے چہرے پر پیلے آنچل کا سایہ تھا' اس لیے اس کے تاثرات سب ہی سے پوشیدہ تھے۔ سب ہی کی پُرشوق نظریں اس کے سراپے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ایقان سے صبر کرنا دشوار تھا۔ وہ جلد از جلد اپنی عزیز از جان سہیلی کے تاثرات معلوم کرنے کی خواہش مند تھی۔

رسمیں شروع کی گئیں۔ شفیقہ حیات' فردوس بیگم اور عذرا بیگم سب سے پہلے اسٹیج پر پہنچیں۔ انہوں نے اسے ابٹن' مہندی' تیل سب ہی کچھ لگایا۔ شہلا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بڑے سے دوپٹے میں چھپے اس کے وجود میں ارتعاش تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک انجانا سا شور بپا کر رہی تھی۔ اسے نجانے کیوں کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ بے شمار نظریں اور مووی کیمروں کے لینس اس پر مرکوز تھے۔ وہ ماتھے پر آیا پسینہ تک پونچھنے سے قاصر تھی' تب ہی اس کے قریب ایک شوخ اور مانوس آواز چہچہائی تھی۔

"ہمیں تو دیدار سے محروم نہ کرو سہیلی۔۔۔ آج تو اپنا یہ پیارا پیارا سا روپ دکھا دو۔"

یہ ایقان تھی جو شوخی پر کمربستہ تھی پھر وہ اس کے گھونگھٹ میں سے جھانکنے لگی۔ شہلا کے لبوں پر مدھم سی مسکان دوڑ گئی۔

"ہوں۔۔۔" پھر وہ مطمئن ہو کر بولی۔ "اب کم از کم دولہا میاں کے سوالوں کے جواب تو دے پاؤں گی۔"

شہلا کے کانوں میں ایک مرتبہ پھر سائیں سائیں سی ہوئی۔ نجانے کیوں اسے یہ حوالہ بہت اجنبی لگ رہا تھا' نجانے کیوں۔



ہاشم چائے کی طلب محسوس کر کے کمرے سے نکلا تھا۔ شادی کے کاموں کی غرض سے رکھی جانے والی جز وقتی ملازمہ کچن میں موجود تھی۔ اس کا ارادہ اس سے چائے بنوانے کا تھا۔ وہ سیڑھیوں پر آ کر ٹھٹک گیا۔ بیزار بیزار سی عریشہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ وہ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس تھی اور اس کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔ حالانکہ وہ تیار ہو کر سب کے ساتھ اس کی مہندی لے کر شہلا کے گھر گئی تھی۔

عریشہ نے بھی ہاشم کو دیکھ لیا' وہ چور سی ہو گئی۔

"عریشہ!" ہاشم نے تشویش سے پکارا۔

"جی۔۔۔ جی بھائی!"

"تم واپس آگئیں؟"

"جی!" وہ نظریں جھکا کر بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"کیوں' خیریت؟" وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میری۔۔۔ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ سر میں۔۔۔ درد تھا۔" اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔ ہاشم چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"اکیلی ہی آگئیں؟ اتنی رات میں۔" پھر وہ بولا۔ "اچھا خیر۔۔۔ آ ہی گئی ہو تو ذرا چائے بنوا دو' میں بھی سر درد

محسوس کر رہا تھا۔"

"جی۔۔۔" وہ چونکی۔

"سنو۔۔۔" ہاشم کو دفعتاً خیال آیا۔ "کسی کو بتا کر آئی ہو؟"

عریشہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی پھر آہستگی سے بولی۔

"دھیان ہی نہیں رہا بھائی!"

"او گاڈ!" وہ قدرے برہم ہوا۔

پھر جیب سے موبائل نکالتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

سب لوگ کھانا کھا رہے تھے جب حمزہ نے ہاشم کی کال ریسیو کی۔

"عریشہ؟" وہ بولا۔۔۔ "وہ آپ کے پاس ہے؟ کمال ہے یہاں کسی سے کچھ کہہ کر ہی نہیں گئی۔ نہیں۔۔۔ اسے ہنگامے میں کسی کو خیال ہی نہیں آیا۔۔۔ اچھا میں امی سے کہہ دیتا ہوں۔۔۔"

موبائل جیب میں رکھ کر وہ پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا تھا جبکہ قریب کھڑے [...] نے گہرا سانس بھرا تھا۔ کتنی دیر سے اس کی متلاشی نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں اور وہ بنا کسی کو بتائے واپس چلی گئی تھی۔ اس کا ذہن یہ معمہ حل کرنے سے قاصر تھا۔ وہ اپنی ذات میں ایک عجیب سا [...] محسوس کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اور کچھ لیں گی آپ؟" کوئی اس کے بالکل قریب سے بولا۔ ناعمہ چونک کر مڑی اور ڈر گئی۔ فراز اس کے عین عقب [...] اور قدرے شرمندہ سی ہوئی۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ نہیں شکریہ۔۔۔" وہ بمشکل بولی۔ بروسٹ [...] اس کے حلق میں جیسے اٹک سی گیا تھا۔

فراز نے ہاتھ میں تھامی ہوئی پیپسی آگے کی۔ ناعمہ نے [...] سے بوتل تھام کر گھونٹ بھرا۔ وہ بنا کسی تاثر کے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ناعمہ نے چند گھونٹ جلدی جلدی بھرے اور [...] اسے لوٹانی چاہی تب اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکان نرمی کی صورت ابھری۔

بڑھا کے پاس مری اس نے ہاتھ [...] دیا
وہ کر رہا تھا مروت بھی دل تھی کی

وہ مدھم سروں میں بولا۔۔۔ ناعمہ کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا تو وہ جلدی سے مڑ کر سدرہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ فراز اس کی گوری گردن میں دمکتی چین کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ کے ذمے انیقہ نے شہلا کو کھانا کھلانے کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔ وہ پلیٹ میں چاول اور بروسٹ کا پیس رکھ کر اب بیٹھنے کی تلاش میں نظریں دوڑا رہی تھی۔

"ام یکسکیوزمی۔" کسی نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔

ربیعہ چونک اٹھی۔ رافع اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ربیعہ نروس ہوئی پھر ہونٹوں پر رسمی سی مسکان

سجا کر اسے دیکھنے لگی۔

"جی۔۔۔ آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟"

"جی ہاں آپ سے ہی کہا ہے۔" وہ بھی مسکرایا۔

"جی۔۔۔ جی کہیے۔" وہ مجبوراً پھر مسکرائی۔

ربیعہ اس قدر کم اعتماد نہ تھی لیکن اس اجنبی کی بھوری نظروں میں شوق اور جستجو کی جو حیران کن کیفیت تھی اس سے ربیعہ بوکھلا سی جاتی تھی۔

"کچھ۔۔۔ جان سکتا ہوں آپ کے متعلق؟" وہ جیسے کسی کشمکش کا شکار تھا۔

"جی۔۔۔ مثلاً "کیا؟" وہ پریشان ہو گئی۔ "کیا جاننا چاہتے ہیں آپ؟"

"مجھے کیوں لگتا ہے جیسے آپ کو کہیں دیکھا ہے؟"

"اس لیے کہ آپ نے دیکھا ہے۔"

"[...]" وہ چونکا۔

"جی۔۔۔ پارک میں [...] کی بار وہ اعتماد سے مسکرائی۔

"اوہ!" اس نے جیسے ربیعہ کی حماقت پر تاسف سے سر ہلایا۔ "میں اس سے بھی پہلے کی بات کر رہا ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔ بقول آپ کے۔۔۔ اس سے پہلے تو آپ اللہ میاں کے پچھواڑے رہتی تھیں۔۔۔ شاید۔۔۔ شاید میں نے وہیں آپ کو دیکھا ہو۔۔۔ سنا ہے روحیں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔۔۔"

[...] دیا تھا۔ ربیعہ کی آنکھوں پر گھنی پلکوں کی چلمن آ گری۔

"[...] جا سکتی ہوں؟"

"[...]"

ربیعہ [...] تھامے آگے بڑھ گئی۔

☼ ☼

رات کے دو بجے تھے جب کسی نے [...] کا دروازہ بجایا۔ عریشہ جاگ رہی تھی اور نامعلوم اذیت کا شکار ان دو بے نیاز آنکھوں کو سوچے چلی جا رہی تھی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ باہر [...] بیگم کھڑی تھیں۔ وہ اسے کڑے تیوروں سے گھور رہی تھیں۔ عریشہ کی نظریں جھک گئیں۔

"آپ۔۔۔ اس وقت!"

"جن ماؤں کی بیٹیاں بے لگام گھوڑوں کی طرح دوڑیں لگائیں ان کی نیندیں یونہی روندی جاتی ہیں بی بی" وہ طنز سے بولیں۔

عریشہ ایک طرف ہو گئی تھی لیکن انہوں نے کمرے میں قدم نہ دھرا۔

"کسی سے اجازت لیے بنا بھری تقریب چھوڑ کر اکیلی دندناتی چلی آئیں۔۔۔ اچھا تاثر پڑا ہو گا تمہارے بھیا کے سسرالیوں پر۔"

"میں۔۔۔ میری طبیعت خراب ہو رہی تھی۔۔۔"

"طبیعت تو تمہاری پچھلے کئی ماہ سے خراب ہے بیٹا! اچھا ناٹک رچائے بیٹھی ہو۔۔۔ نہ مرتی ہو نہ ہمیں جینے دیتی

ہو۔"

عریشہ کے دل پر چوٹ پڑی۔ اس نے آنسوؤں سے لبریز شکایتی نظریں اٹھائی تھیں۔
"گھر میں اتنے مہمان، نئے لوگوں سے واسطہ... بھائی کی خوشی کا موقع... تمہیں کسی شے کا لحاظ نہیں۔ تمہارا ماتم ہے کہ پورا ہو کر نہیں دیتا... ہماری عزتوں کا بھی پاس نہیں تمہیں۔"
"میں نے آخر کیا کیا ہے امی!" وہ مدھم لہجے میں شکایتاً بولی۔ "آخر کیوں سب لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟ آپ لوگ مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔" وہ خود بے اختیار سسک اٹھی۔
"تم اپنے حال پر توجہ کر و بیٹی! تو کسی دوسرے کو یہ تکلیف کرنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئے۔"
ان کے دل کو بھی اس کی بے بسی دیکھ کر کچھ ہونے لگا تھا۔ انہوں نے لہجہ کچھ نرم کر لیا۔
"بھائی کی شادی کا موقع ہے، اپنے آپ کو کچھ عقل کی بات سمجھاؤ۔ ہماری باتیں تو تمہاری سمجھ میں آتی نہیں ہیں، اب کسی کو تم سے شکایت نہ ہو۔"
اسے تنبیہہ کرتی ہوئی وہ مڑ گئی تھیں۔ ان کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑے فاروق حسن دفعتاً راہداری میں ہو گئے۔ فردوس بیگم اپنی دھن میں نکلتی چلی گئیں۔
عریشہ دروازے سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔



رات کے چار بجے کا عمل تھا۔ گھر کے تمام افراد تقریب کے اختتام پر تھک کر چور ہو کر سو رہے تھے۔ رافع دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے جمائے سیدھا لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ عجیب ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کرتا تو آسمانی آنچل ذہن کے پردے پر لہرانے لگتا۔ وہ گوری آنکھیں شرارت سے چمکتیں اور شرم سے جھک جاتیں۔ گلابی ہونٹ مسکراہٹ چھپانے کی کوشش میں کپکپانے لگتے اور شفاف قطروں سے پیشانی کی محراب نم ہونے لگتی تھی۔
بے چینی حد سے بڑھی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اسے ہاشم کی یاد آئی۔ بے سوچے سمجھے اس نے موبائل اٹھایا اور نمبر پش کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہاشم کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔
"ابے الو... تیرے سونے کا وقت نہیں ہوا؟"
"یار ہاشم... یار... عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے مجھے۔"
"ہائیں...؟ ٹھہر... مجھے صحیح سے ٹائم دیکھنے دے۔ ہائیں! ابے الو کی دم... یہ اس وقت تجھے کون سی الجھن ستانے لگی؟"
"پتا نہیں۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "جی چاہتا ہے کچھ کہوں... کچھ... کچھ اعتراف کروں۔"
"میں پادری نہیں ہوں میرے بھائی...!" وہ عاجزی سے گویا ہوا۔ "اور دیکھ... مجھے سونے دے، کل مجھے جاگنا ہے۔ پلیز... کوئی الٹا سیدھا اعتراف کر کے کہیں تو میری نیند ہی غائب کر دے۔"
"ابھی سے بے مروتی کا یہ عالم!" وہ چیخ کر بولا۔ "ابھی تو رات پڑی ہے درمیان میں۔"
"ہاں..." اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "رات تو گزرنے والی ہے... ہاں پورا دن ضرور پڑا ہے... ایک عالم انتظار کا باقی ہے۔"
رافع کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھر اسے ہنسی آ گئی۔ اس کی ہنسی کی آواز سن کر ہاشم نے پھر ایک سرد آہ بھری... رافع نے ہنستے ہنستے موبائل آف کر دیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے کھڑکی کا پردہ سرکا کر صحن میں اترتی شام کو دیکھا پھر نجانے کیوں وہ خوفزدہ ہو گئی۔ ایک عجیب اضطراب تھا جو اپنا آہنی پنجہ دل کے گرد تنگ کرتا ہی چلا جا رہا تھا۔ ایک بے کلی تھی جو کسی طور کم ہونے میں نہ آ رہی تھی۔ ایک بے چینی جو بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت انیقہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا، وہ شیشے کے پار دیکھ رہی تھی۔

"آپا!" شملا آہستگی سے مڑی۔

انیقہ اندر چلی آئی۔

"پارلر سے یاد دہانی کے لیے فون آیا ہے۔ آپ کو ٹھیک پانچ بجے وہاں پہنچنا ہے۔ ساڑھے چار بج رہے ہیں۔"

شملا نے بے جان سی نظروں سے گھڑی کی سمت دیکھا۔

"آپ کو... چائے بنا دوں؟" انیقہ بھی بے چین اور اداس سی نظر آ رہی تھی۔

شملا نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ جانے کے لیے مڑی۔

"سنو... انو..." شملا مضطرب ہو کر بولی۔

انیقہ رک گئی۔

"عمر... کہاں ہے...؟ اسے میرے پاس بھیج دو۔" اس کی آواز [illegible] آنسوؤں کی نمی غالب آنے لگی تھی۔ انیقہ مڑ کر دیکھنے کا حوصلہ نہ کر پائی۔ چپ چاپ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

چند لمحوں بعد مسکراتا ہوا عمر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ شملا کے قریب چلا آیا۔

"مما... آپ نے مجھے..." وہ جملہ مکمل نہ کر پایا۔

اس کی توجہ بیڈ پر پڑے عروسی جوڑے نے اپنی جانب [illegible]

"مما..." وہ پُرشوق انداز میں کپڑوں کی طرف بڑھا۔ "آج آپ یہ ڈریس پہنیں گی؟"

شملا نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ عمر اس کی جانب مڑا۔

"مما... آج آپ دلہن بنیں گی؟" شملا جزبز ہو کر رہ گئی۔

"ادھر آؤ چندا!" اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ وہ بھی ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا۔

"مما... آپ دلہن بن کر مجھے یہیں چھوڑ جائیں گی؟"

شملا کو یوں محسوس ہوا جیسے عمر نے دودھاری تلوار اس کے دل پر رکھ دی ہو۔ اس نے یکایک اسے خود سے لپٹا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ عمر کے سوال نے اسے سرتاپا ایک کاٹ دار احساس سے دوچار کیا تھا، وہ دھواں دھار روتی رہی۔

اس وقت انیقہ چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی، ربیعہ اس کے پیچھے تھی۔ وہ دونوں کچھ وقت اس کے ہمراہ گزارنے کی غرض سے اس کے ساتھ چائے پینے کے ارادے سے آئی تھیں۔ شملا کو یوں روتا دیکھ کر انیقہ نے چائے کی ٹرے میز پر رکھ دی اور تیزی سے شملا اور عمر کے قریب آ گئی۔ اور پھر شملا کے آنسوؤں میں اس کے بھی آنسو بھی شامل ہو گئے۔ ربیعہ کے لیے یہ رقت آمیز منظر ناقابل برداشت تھا، وہ بھی سسک اٹھی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سب کی سب دھواں دھار رو رہی تھیں۔ یکایک کمرے کے دروازے پر منیزہ بیگم نمودار

ہوئیں۔ عمر بہ کا بکا رہ گئیں پھر وہ اندر آ کر شملا کو پیار سے چپ کروانے لگیں۔

"بس بیٹی... اب یہ آنسو پونچھو اور نئی زندگی کو مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہو۔ بھول جاؤ ان آنسوؤں کو... خوشیاں تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں..."

شملا آنسو پونچھنے لگی۔

"فراز تمہارے کپڑے اور زیور مانگ رہا ہے، وہ تمہیں پارلر لے جانے کے لیے آیا ہے۔"

انیقہ بھی اٹھ کر چھوٹے سے بیگ میں شملا کا عروسی جوڑا اور زیورات کے ڈبے رکھنے لگی۔ ربیعہ نے گم صم سے عمر کو خود سے لپٹا لیا اور چومنے لگی۔

"آپا... آپ بالکل بے فکر ہو کر جائیں... میں عمر کے لیے میں آپ کی جگہ لے رہی ہوں۔ میں اسے آپ سے زیادہ چاہنے کا دعوا تو نہیں کر سکتی لیکن عمل میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" ربیعہ نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

شملا اندر سے بجھے بجھے انداز میں مسکرائی۔

"شکریہ ربیعہ... تم نے [illegible] الفاظ کہہ کر مجھے بہت تسلی دی ہے۔"

"گویا میری جانب سے آپ کو [illegible] تھا؟" انیقہ نے آنکھیں نکالیں۔

"تم میرے بیٹے کو ڈانٹتی بہت ہو۔" [illegible] سے ہنسی۔ "شکایتیں لگا تا ہے یہ تمہاری۔"

"روز ملوانے لاؤں گی آپ سے... پھر پوچھیے [illegible] اس سے۔" انیقہ نے عمر کو گدگدایا۔

شملا کچھ سوچنے لگی تھی۔ منیزہ بیگم نے [illegible] سے اس کا شانہ دبایا، وہ چونکی۔

[illegible]

ربیعہ [illegible]

☼ ☼

قد آدم آئینے میں وہ خود کو ہر ہر زاویے سے چیک کر رہا تھا۔ نگاہوں میں تشویش کی لہریں تھیں۔ عقب میں کھڑے رافع نے بمشکل مسکراہٹ [illegible] دبائی اور بظاہر اپنی ٹائی درست کرنے لگا۔

"یار شاعر...!" پھر وہ بولا... "یہ ٹائی اچھی تو لگ رہی ہے نا اس سوٹ کے ساتھ؟" رافع نے تھوڑا سا بن کر [illegible] سے بولا۔

"ہاں ٹائی تو اچھی لگ رہی ہے۔"

"ٹائی تو...؟ یہ "تو" کا کیا مطلب؟ خراب کیا لگ رہا ہے؟"

رافع نے بغور اس کا منہ دیکھا پھر یوں خاموش ہو گیا جیسے اپنے عمل سے اس نے اس بات کا جواب دے دیا ہو۔ ہاشم اس کی بات سمجھ کر بے مزہ سا ہوا اور غور سے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگا۔ رافع کی ہنسی چھوٹ گئی۔ ہاشم نے اس کی پیٹھ پر ٹھونسا رسید کیا۔

"تیرے نصیب میں بھی خدا نے ایسا دن لکھا ہو گا پھر ہم بھی ایسے ہی ہنسیں گے۔"

رافع کی ہنسی یک لخت رک گئی، وہ پھر سے ٹائی کی جانچ کرنے لگا۔ ہاشم نے بغور اس کی یہ حرکت دیکھی۔

"رات تو نے مجھے چار بجے فون کیا... کس خوشی میں؟"

"بس یونہی..." رافع بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔ "نیند نہیں آ رہی تھی۔"

ہاشم اب خود سے مطمئن ہو چلا تھا۔ لہٰذا سرسری سا آئینہ دیکھنے لگا۔
"اور وہ اعتراف؟ جو وقت تہجد نازل ہوا۔۔۔ وہ کیا تھا؟"
"اعتراف؟" رافع یوں بنا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ "کون سا اعتراف؟" ہاشم نے پھر ایک دھمو کا اسے رسید کیا۔ رافع کراہ اٹھا۔
"اوف۔۔۔ کچھ نہیں یار۔۔۔ ایسے ہی تجھے چھیڑ رہا تھا وقت تہجد۔۔۔ تو سچ سمجھ بیٹھا۔"
"اور جو میرے منہ سے کچھ نکل جاتا اللہ سید ھا۔۔۔ پھر؟ قبولیت کا وقت تھا۔"
"قبولیت کا؟" رافع سوچنے لگا۔ "قبولیت کا وقت تھا؟"
اسی لمحے کمرے میں حمزہ نے جھانکا اور اپنے دانتوں کی نمائش کی۔
"حضرات۔۔۔ وقت سہرا بندی ہوا چاہتا ہے۔۔۔ ابو جی دونوں ہاتھوں میں سہرا تھامے دولہا کے منتظر ہیں۔۔۔ تشریف لے آیئے۔"

"سس۔۔۔ سہرا۔۔۔؟" ہاشم کو جھٹکا سا لگا۔ "یعنی کے سہرا؟ میں سہرا باندھوں گا؟ ٹوپیں پر؟"
رافع اور حمزہ ہنسنے لگے۔
"وہ بھی نوٹوں کا۔۔۔ ہزار ہزار کے نوٹ ہیں آپ کے سہرے میں۔" حمزہ چہچہایا۔
"نوٹوں کا سہرا۔۔۔؟" ہاشم کو پھر کرنٹ لگا۔ "او خدا کے لیے بھائیو۔۔۔ مجھ پر ترس کھاؤ۔ میں سترہویں صدی کا بکری نما دولہا نہیں ہوں۔ اندھوں کی طرح کہاں ٹامک ٹوئیاں ماروں گا؟"
کمرے میں رافع اور حمزہ کے قہقہے گونجے تو علی اور نافع بھی چلے آئے۔
"تو بے فکر ر[illegible]"
"آخیر تک؟" [illegible]س کے ابرو چڑھائے۔ "کیا مطلب؟"
"میرا مطلب ہے۔۔۔ جب تک تو اپنے سہارے آپ چلنے کے قابل نہیں ہوتا تب تک۔"
"میں ہرگز سہرا نہیں باندھوں گا۔" وہ بگڑا۔ "اور وہ بھی نوٹوں کا سہرا۔"
"سوچ لے۔۔۔ تایا ابو کو غصہ آگیا تو جوتوں کا سہرا باندھ کر لے جائیں گے۔" رافع نے دھمکایا۔
"اچھا۔۔۔" وہ سہم گیا۔ "پھر نوٹوں کا ہی سہی۔۔۔ ہائے واوے۔۔۔ کل کتنے نوٹ ہوں گے اس میں لگ بھگ؟ ہنی مون کا بندوبست ہو جائے تو میں یہ قربانی بھی دے سکتا ہوں۔"
"صدقے جاواں۔" علی نے دانت نکالے۔ "بھائی جان۔۔۔ محتاط رہیے' ہزار کا تو اس میں صرف ایک نوٹ ہے باقی سب پانچ کے نوٹ ہیں۔"
"پانچ کے نوٹ؟" وہ چیخا۔ "وہ تو کب کے متروک ہو چکے ہیں۔"
"تب ہی تو ابو جی نے نوٹوں کا سہرا بنوایا ہے۔ صرف سو آنے کے پیسے دیے ہیں انھوں نے۔"
"یا خدا۔۔۔" ہاشم کو چکر آگیا۔ اسی لمحے ہانپتی کانپتی فردوس بیگم نمودار ہوئیں۔
"ارے بیٹا۔۔۔ سب کے سب ہی دولہا بن رہے ہو کیا؟" وہ خفگی سے بولیں۔ "نیچے ہال میں ایک لڑکا نہیں جو ہمارے کچھ کام آئے۔۔۔ اور ہاشم بیٹے! تیار ہو تو چلے آؤ۔ برات لے جانے میں اب کون سی کسر ہے؟"
"امی جی۔۔۔ میں سہرا نہیں باندھوں گا۔"
"سہرا۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولیں۔ "کون سا سہرا۔۔۔؟ تمہارے ابا میاں نے تو صرف پھولوں کے ہار منگوائے

ہیں رحم کے لیے۔"
ہاشم نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر حمزہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب تھا۔



اس نے انیقہ کالائٹ پرپل غرارہ سوٹ پہنا تھا۔ لباس اس پر اس طرح سے سجا تھا جیسے اسی کے لیے بنا ہو۔
ڈریسنگ روم سے نکلتی انیقہ ٹھٹک کر رک گئی۔
اس کے لانبے سیاہ بال کمر سے نیچے تک اپنی چھب دکھلا رہے تھے۔ گوری رنگت ذرا سے میک اپ سے دمک اٹھی تھی۔ سیاہ آنکھوں کو لائنر نے نمایاں کر دیا تھا۔ نیٹ کا بڑا سا ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے وہ کوئی مغل شہزادی لگ رہی تھی۔
"بیوٹی فل!" بے ساختہ ہی انیقہ کے لبوں سے نکلا۔ "ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔ یہ تمہی ہو نا۔" ربیعہ شرما سی گئی۔
"بس ایک کمی ہے۔" انیقہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔
ربیعہ اسے دیکھنے لگی۔
"جیولری کی۔۔۔ گردن بھی خالی ہے اور کانوں میں بھی کچھ نہیں۔"
"اسی لیے میں اس کے لیے یہ لائی ہوں۔" منیزہ بیگم کی [illegible] دونوں چونکیں۔ وہ ہاتھوں میں جیولری باکس تھامے کھڑی تھیں۔
"ربیعہ۔۔۔ تم یہ پہن لو۔۔۔ یہ میرا سچے موتیوں کا سیٹ ہے۔ تمہارے اس لباس کے ساتھ بہت اچھا لگے گا۔"
"آنٹی۔۔۔ لیکن۔۔۔" وہ ہچکچائی۔
"اور اب مجھے امی کہا کرو۔۔۔ میری بیٹیوں جیسی ہو تم۔" [illegible] انیقہ کی جانب [illegible] ہو گئیں۔ "تم بھی فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔۔۔ ہال پہنچنے میں بھی ٹائم لگے گا۔"
"بس امی جی۔۔۔ میں یوں تیار ہوئی۔" اس نے چٹکی بجائی۔
ربیعہ ڈبہ تھامے کھڑی رہ گئی تھی۔ محبتوں کی خوشبو اس کے اردگرد [illegible] تھی۔ اس کا وجود پھول بن کر کھلنے لگا تھا۔



عاشر اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رک گیا تھا۔ سفید موتیوں کے کام والے فیروزی لباس میں ملبوس ایقان کی آج چھب ہی نرالی تھی۔ عاشر کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ ایقان نے ایک بے نیازی سے نظر اس پر ڈالی اور پھر اپنی لپ اسٹک درست کرنے میں مگن ہو گئی۔ کھلے ہوئے براؤن بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور اس کا بے پروا قاتل روپ بجلیاں گرانے پر آمادہ تھا۔
عاشر نے اس کے قریب آ کر اسے کمر سے تھام لیا اور اپنا چہرہ اس کے شانے پر ٹکا دیا۔ ایقان گڑبڑا گئی۔
"عاشر۔۔۔ عاشر۔۔۔ دروازہ کھلا ہے۔۔۔ کیا کر رہے ہو۔۔۔"
"ایسا کچھ نہیں جس کے لیے دروازوں کا دھیان رکھا جائے۔۔۔ یونہی قریب سے دیکھ رہا ہوں تمہیں۔" وہ آئینے میں اس سے نگاہیں چار کرتے ہوئے شوخی سے مسکرایا۔

"اوں ہوں۔۔۔" وہ کسمسائی۔ "ذرا دور سے دیکھو تو اچھا ہے۔۔۔ یہ میرا میکہ ہے۔۔۔ ابھی میرے ایک اشارے پر میرے بھائی بند آ جائیں گے۔۔۔ سمجھے۔"
"او فوہ۔" وہ ہنس دیا اور قریب رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا۔ "بڑا ٹھیکہ ہے بھائی بندوں کا۔ ذرا بلاؤ تو۔۔۔ ہم نے ابھی کوئی قوال نہ بلوا لیا تو کہنا۔"
ایقان نے بڑے ناز سے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا اور نخوت سے ناک سکوڑی۔
"اڑی پر آ جائیں ہم تو کوئی قوال بھی کچھ نہ کر پائے۔۔۔ یاد رہے۔"
"اور ہم اگر ضد پر آ جائیں تو بھری محفل میں بھی منہ چوم لیں گے۔۔۔ تمہیں بھی یاد رہے۔"
"اوہ!" وہ ہاتھ میں پکڑی لپ اسٹک میز پر رکھ کر اسے مصنوعی حیرت سے دیکھنے لگی۔ "دو بچوں کی ماں کا منہ چومتے شرم نہ آئے گی آپ کو؟"
"اوں ہوں۔۔۔ تم کہو تو ہم کسی چار بچوں کی۔۔۔"
"[illegible]" ایقان نے ہیئر برش سے اسے دو تین ضربیں لگائیں۔ "جاؤ یہاں سے۔۔۔ مجھے تیار ہونے دو۔۔۔ جاؤ۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!" اس نے [illegible] اطمینان سے نفی میں سر ہلایا۔
ایقان جز بز ہوئی تب ہی عاشر کا موبائل بجنے [illegible] فون سنتے ہی عاشر اٹھ کھڑا ہوا۔
"او کے تم جلدی تیار ہو میں ذرا فون سن لوں۔" [illegible] تیزی سے کمرے سے نکلا تھا۔ ایقان دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا [illegible] آئینے کی جانب متوجہ ہو گئی۔
[illegible] ابداری میں آتے ہوئے دبی دبی آواز میں غرایا
"[illegible] ذا رنگ اور [illegible] ن لوگے۔" وہ انداز سے بولی۔
"ہوں۔۔۔ میں تمہیں کتنا سمجھا کر آیا تھا لیکن۔۔۔" وہ زچ ہوا۔
"لیکن سمجھ پاتی تب نا۔۔۔ کب آؤ گے؟"
"ابھی تو مہینہ پڑا ہے تم آرام سے [illegible]"
"آرام؟ تمہارے بغیر؟ NO way۔"
"کچھ نہیں ہو سکتا!" [illegible] بے رخی سے بولا۔
"[illegible] جاؤں؟" وہ فراخدلی سے بولی۔
"[illegible]!" وہ چیخ کر بولا۔ "اپنے حواسوں میں رہو اور یاد رہے اب فون مت کرنا۔" وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔ سامنے سے علی اور رافع آ رہے تھے۔ عاشر نے فون آف کر کے جیب میں ڈالا اور مسکرانے لگا۔
"چلیں عاشر بھائی۔۔۔ بارات بالکل تیار ہے۔۔۔ دولہا ایک دم ریڈی۔۔۔" رافع بولا۔
"چلو۔۔۔ میں ایقان کو لے کر آتا ہوں۔" وہ جلدی سے کمرے کی جانب مڑ گیا۔



بارات بہت شان سے اتری تھی اور ہاشم بے حد ارمان لیے گاڑی سے باہر آیا تھا۔ رنگ و بو کا عجب سماں تھا۔ ہر سو بہار ہی بہار تھی۔ مسکراتے جھلملاتے چہرے ایک دوسرے کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔
ربیعہ اور انیقہ خواتین کو گجرے پیش کر رہی تھیں۔ تب ہی ایقان سے کوئی مشورہ کرتے رافع کی نظر اس کی

جانب اٹھی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے گم صم سا ہوا۔
"لیکن بھائی صاحب کو ہوا کیا اچانک؟" ایقان کچھ بھنا کر پوچھ رہی تھی۔ رافع چونکا اور جلدی سے کھنکھارا۔
"پتہ نہیں..... وجوہات کا علم نہ ہو سکا لیکن اصرار میں بے حد شدت ہے..... دادی جان راضی ہیں۔"
"اچھا..... اماں بھی مان گئیں؟ اور اصل پارٹی؟ اس سے کسی نے پوچھا؟"
"ابا جان اور تایا ابا اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔
"کمال ہے! کوئی تک ہے بھلا۔" اس نے خفگی سے سر جھٹکا "اب میں کیا کر سکتی ہوں؟"
"آپ سے انہوں نے عریشہ کو سمجھانے کے لیے کہا ہے..... بلکہ بتانے کے لیے....."
"یا اللہ!" اس نے سر تھام لیا۔
"قاضی صاحب کو میں لے کر آتا ہوں آپ اسے بھی وہاں لے آئیں۔"
وہ کہہ کر آگے بڑھا۔ تب ہی اس نے پھر ایک اچٹتی سے نظر اس پر ڈالی تھی۔ مسکراتی ہوئی ربیعہ بھی کسی سے بات کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ رافع کو متوجہ پا کر اس کی نظریں فوراً جھک گئیں۔

ڈریسنگ روم کے قد آدم آئینے میں شہلا کو اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ موو اور لائٹ گرین کامبی نیشن کے غرارہ سوٹ میں اسے اپنا آپ اجنبی لگ رہا تھا۔ یہ وہ شہلا تو نہیں تھی جسے وہ اب تک دیکھتی آئی تھی یہ تو کوئی اور ہی تھی۔

اجنبی سا چہرہ!
اجنبی سی سوچیں!
اجنبی سی راہیں!
سب کچھ کسی سے ادھار مانگا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ گم صم سی بیٹھی تھی، جب دروازہ کھلا اور یلغار سی ہوئی۔ ایقان، ورده، ثانیہ، عذرا بیگم ہنستی مسکراتی اندر چلی آئی تھیں۔ شہلا کی نظریں جھک گئیں۔
"ہائے سہیلی..... آج تو پہچانی نہیں جا رہیں۔" ایقان نے اسے گدگدایا "وہ میری، سادگی اور متانت کا نمونہ بنے رہنے والی دوست کہاں ہے؟"
شہلا دھیرے سے مسکرا دی۔
"خیر، خیر..... مجھے اس کی کچھ ایسی تلاش بھی نہیں..... یہ نئی دوست مجھے زیادہ بھائی ہے..... خدا کرے کہ ہمیشہ تمہیں ایسا ہی سجا، بنا مسکراتا دیکھوں....."
ایقان نے اس کا گال چوم لیا۔ شہلا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ سب کی نظریں اس کے اس انمول روپ کو سراہ رہی تھیں۔
تب ہی دروازہ کھلا اور فردوس بیگم عریشہ کو لیے چلی آئیں۔ ان کے چہرے پر پریشانی رقم تھی، عریشہ کا چہرہ ازحد تنا ہوا تھا۔ شہلا کے مدھم سروں میں کیے گئے سلام کا بھی وہ جواب نہ دے پائی تھیں۔
ایقان اور عذرا بیگم نے ایک دوسرے کو بے بس نظروں سے دیکھا۔ ورده، ثانیہ نظریں چرانے لگیں۔
اسی لمحے رافع اور عاشر قاضی صاحب کو لے کر وہاں چلے آئے تھے۔ پیچھے عباد اور فراز تھے۔ خواتین دور دور ہو

گئیں۔ فردوس بیگم نے عریشہ کا بازو پکڑ کر اسے شہلا کے قریب بٹھا دیا اور اس کا دوپٹہ اس کے سر پر ڈال دیا۔ سب دم بخود تھے۔

قاضی صاحب نے شہلا سے ایجاب و قبول کروایا۔ اس نے سر جھکائے جھکائے کاغذات پر دستخط کر دیے۔ مبارک سلامت ہوئی۔ پھر وہ عریشہ کی جانب متوجہ ہوئے۔

"عریشہ بی بی۔۔۔! آپ کو بعوض پچاس ہزار روپے سکہ رائج الوقت میاں نافع حسن ولد سلجوق حسن کے نکاح میں آنا منظور ہے؟؟"

عریشہ پتھر کے بت کی مانند ساکت بیٹھی تھی۔ ایقان اور وردہ نے پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ شہلا متعجب تھی۔

قاضی صاحب نے اپنا سوال دہرایا۔ تب اس نے کاٹ دار نگاہیں اٹھا کر بے خوفی سے عباد کے پہلو میں کھڑے فراز کو دیکھا تھا۔ وہ نظریں جھکائے، سینے پر بازو لپیٹے بے نیازی سے کھڑا تھا اور اپنے جوتوں کی شیپ پر غور کر رہا تھا۔ عریشہ کے سینے میں سانس اٹکنے لگی۔

"بیٹی! جواب دو۔" قاضی صاحب نرمی سے بولے۔

"ہاں!" وہ چیخی۔۔۔ "منظور ہے۔ منظور ہے۔ مجھے منظور ہے۔"

سب چند لمحوں کے لیے دم بخود رہ گئے تھے۔ قاضی صاحب قدرے بوکھلائے حتیٰ کہ بے نیازی سے کھڑا فراز بھی بے طرح چونکا۔

"ادھر دستخط کرو بیٹی!" قاضی صاحب نے جیسے اس کے رویے پر غور کرتے ہوئے کاغذات آگے بڑھائے تھے۔ اس نے جھ[illegible] وہاں رکھ کر ڈریسنگ روم سے باہر نکل گئی۔ وہاں موجود افراد ایک دوسرے کے چہرے پر اس کے رویے کی وجہ کھوج رہے تھے۔ فردوس بیگم بھی چپکے سے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

عاشر نے بے وجہ کھنکھار کر گلا صاف کیا اور گواہ کے طور پر دستخط کرنے لگا۔

✡ ✡ ✡

عریشہ کے اصرار پر حمزہ اسے گھر چھوڑ آیا تھا۔ تھوڑی بہت بد مزگی جو چند افراد نے محسوس کی تھی وہ کچھ ہی دیر میں ماحول کی ست رنگی اور تازگی میں کھو گئی تھی۔ سب ہی نے ہاشم میاں کی بے پناہ خوشی اور مسرت کو محسوس کیا تھا اور نئے جوڑے کے لیے دعائیں کی تھیں۔

وقت رخصت شہلا کی متلاشی نظروں کا عندیہ پا کر انیقہ چپکے سے اس کے گلے لگتے ہوئے بولی۔

"عمر کو فراز کے ساتھ مصروف کیا ہے۔ آپ بے فکر رہیں میں اسے صبح ضرور لے کر آؤں گی۔"

اس کی سرگوشی شہلا نے اور شہلا کے عین عقب میں موجود ہاشم نے بھی سنی تھی۔ انیقہ کی بات پر شہلا بے اختیار ہی رو پڑی تھی۔ پھر منیزہ بیگم، عباد اور پھر ربیعہ سے گلے لگ کر وہ سسکتی ہی رہی۔

ہاشم نے قدرے پیچھے ہو کر برابر کھڑے رافع کے کان میں کچھ کہا۔ رافع خاموشی سے مڑ گیا تھا۔ پھر بجی ہوئی گاڑی میں بیٹھ کر شہلا زندگی کے نئے سفر پر روانہ ہو گئی۔



کرسٹل کا گلدان زور سے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے سے ٹکرایا۔ گلدان وہ میز اور پھر فرش پر گرا اور چکنا چور ہو گیا۔ آئینہ چیخ کر کئی حصوں میں بٹ گیا تھا۔ پھر شیشے کا ننھا سا تاج محل دیوار پر لگا اور زمین پر گرنے سے پہلے ہی کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔ چینی کی گڑیا، پلاسٹر آف پیرس کا مجسمہ اور ایسے ہی کئی شو پیس کمرے میں ادھر سے اُدھر جا کر گرے اور انجام کو پہنچتے گئے۔ اس کے بعد بستر کے تکیے، بیڈ شیٹ، میک اپ کا سامان، سی ڈیز، کتابیں غرض کہ کچھ بھی اس کے جنون اور وحشت سے محفوظ نہ رہ پایا۔ ایک کے بعد ایک وہ ہر ہر چیز کو توڑتی اور بکھیرتی چلی گئی۔

ایک عالمِ جنون تھا جو اس پر طاری تھا۔ اس کی روح کسی نادیدہ قوت سے مصروفِ جنگ تھی۔ دماغ تو شاید کہیں تھا ہی نہیں، صرف اور صرف وحشت کا راج تھا۔

پھر اس نے چیخ چیخ کر رونا چاہا مگر اس کی آواز گلے سے نکل نہ پائی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ گونگی ہو گئی ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس نے دیکھنا چاہا مگر اسے کچھ سجھائی نہ دیا۔ غم و غصے کی بے پناہ شدت نے شاید اسے اندھا بھی کر دیا تھا۔ اس نے خود کو آواز دینا چاہا لیکن اسے اپنی ہی پکار کا جواب نہ مل سکا۔۔۔۔ وہ شاید خود سے بھی بچھڑ گئی تھی! وہ دنیا میں بالکل اکیلی۔۔۔۔ اندھی، بہری اور گونگی ہو گئی تھی۔ اس سوچ نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔۔۔۔ پٹی پھٹی آنکھوں سے گرد و پیش کو تکتے ہوئے وہ خود کو پکارنے لگی، غبار بیٹھنے لگے، وحشت شانت ہونے لگی، جنوں رخصت ہونے لگا۔

عریشہ تھک کر گہری گہری سانس بھرنے لگی تھی۔ اسی لمحے شہنائیوں کی آواز سے گھر کے در و دیوار گونج اٹھے۔ بارات دلہن کو لے کر آ پہنچی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہلا کو ماہین [illegible] خوب [illegible] قابلِ دید تھی۔

دن بھر رافع، نافع، حمزہ، علی اور خود ہاشم میاں بھی کمرے میں موجود رہے تھے اور اب وہ لوگ ان کی محنت کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ بیڈ کے بیچوں بیچ گلاب کی سرخ، نرم پتیوں سے بڑا سا دل بنایا گیا تھا۔ جبکہ بیڈ کے چاروں جانب گلابی اور نارنجی پھولوں کی لڑیاں تھیں۔ کمرے میں جا بجا گلدستے سجے ہوئے تھے جن کی مہک سے ماحول میں حسن، محبت اور انتظار کی سب ہی کیفیتیں نمایاں تھیں۔

ایقان اور ماہین سحر انگیز ماحول کو زیادہ دیر سہہ نہ پائیں۔ وہ شہلا کو خدا حافظ کہہ کر باہر چلی گئیں۔ یوں بھی لڑکے لڑکیوں نے چھت پر رت جگے کا پروگرام بنایا ہوا تھا اور ان کا خوب خوب ہلا گلا کرنے کا پروگرام تھا۔

شہلا ایک نامعلوم سی کیفیت کا شکار تھی، بھاری بھاری سے پپوٹے اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ سب ہی کچھ محبت کی طرح خوب صورت تھا۔

تب ہی دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکی تھی۔

"ممّا۔۔۔۔" چہکتی ہوئی آواز سن کر شہلا کا اپنا دل بھی جیسے چہکا تھا۔

سامنے عمر کھڑا تھا۔ شہلا کی آنکھوں میں بے ساختہ چمک نمودار ہوئی تھی۔

"عمر۔۔۔۔" تمنا کی حیرت اور مسرت سے اس نے کہا تھا۔

وہ دوڑ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔

"واؤ ممّا! سب کچھ زبردست ہے۔ اب ہم یہاں سویا کریں گے؟"

ہلکی سی ہنسی کی آواز کے ساتھ فضا دل کش کھنکھا رہی تھی۔ شہلا چونکی، سامنے ہاشم مسکرا رہا تھا۔
"آداب!" اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ شوخی سے بولا۔ شہلا قدرے جزبز ہوئی۔
"یہ۔۔۔ عمر؟" اسے اور کچھ نہ سوجھا۔
"رونمائی کا تحفہ سمجھ لیجیے۔ آپ وقت رخصت بے حد اداس تھیں۔ ہمیں اپنے دل کی توہین محسوس ہوئی سو حال دل کہنے سے پہلے آپ کی اداسی دور کرنا مناسب جانا۔ کیسے۔۔۔ تحفہ پسند آیا؟"
وہ بھی قریب آ بیٹھا تھا۔ عمر نے حیرانی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔
"کون سا تحفہ انکل؟" وہ بولا۔
ہاشم ہنس دیا اور اس کے گال پر چٹکی بھری۔
"یہ ایک پیارا سا تحفہ۔۔۔ اور یار اب یہ انکل ونکل چھوڑو۔۔۔ پپا کہا کرو!"
"پپا؟" اس کی شفاف آنکھوں میں حیرت چمکی۔ "پپا تو میرے ہیں نا!"
شہلا کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ ہاشم ہنس دیا۔
"ضرور ہیں جناب۔۔۔ ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں۔۔۔ چلو یوں کرو بابا کہہ لیا کرو بابا جانی!"
"یہ ٹھیک ہے!" اس نے اطمینان سے سر ہلایا۔
"گڈ بوائے۔" ہاشم نے اس کے بال سہلائے۔
شہلا نے جھجکی جھجکی نظریں اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔ وہ عمر کی جانب متوجہ تھا۔ دولہا کے روپ میں اس کی مردانہ وجاہت بے حد نمایاں تھی۔ اعتماد اور اعتبار نے اس کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے۔ اس کی نظروں کو محسوس کر کے ہاشم نے جھٹ اس کی چوری پکڑتے ہوئے اسے دیکھا۔۔۔ شہلا نظر چرا گئی تو وہ کھل کر مسکرایا تھا۔
دروازے پر دستک ہوئے کر انیقہ اور ربیعہ اندر داخل ہوئی تو۔۔۔ دونوں کھلی کھلی نظر آ رہی تھیں۔
"السلام علیکم۔۔۔" وہ دونوں
"وعلیکم السلام جیتی رہیے۔" ہاشم چہکا۔
"یہ آپ بس کے ساتھ ساتھ ہمارا بھانجا بھی لے آئے ہاشم بھائی! [illegible]" انیقہ مصنوعی خفگی سے بولی۔
"جناب!" وہ سر خم کرتے ہوئے بولا "ان کو قبول کیا ہے تو ان کے ساتھ وابستہ ہر رشتے کو قبول کیا ہے ہم نے اور جہاں تک آپ کے بھانجے کا تعلق ہے تو یہ جتنا آپ کا ہے، ہم اس سے زیادہ ہمارا ہے اب [illegible]!"
"بالکل، بالکل۔۔۔" وہ گرم جوشی سے بولی۔ "لیکن فی الوقت ہم اسے ساتھ لے جا رہے ہیں [illegible] دل لگنا محال ہے وہاں چلو عمر!"
"اوں ہوں!" اس نے منہ بنایا "میں یہاں رہوں گا۔۔۔ آپ لوگ جائیں!"
ہاشم نے مسکراہٹ چھپانے کو منہ پھیر لیا۔ شہلا کا سر جھک گیا تھا۔
"عمر۔۔۔!" ربیعہ نے پکارا۔ "یہاں دیکھو میری طرف۔ میرے ساتھ نہیں چلو گے؟ مجھی دوستی کی ہے تم نے؟"

وہ جھٹ شہلا کے پاس سے اٹھ کر ربیعہ کے پاس چلا گیا۔
"مما۔۔۔! میں صبح آؤں گا۔" اپنی جانب سے اس نے شہلا کو تسلی دی تھی۔ سب ہی کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ ربیعہ نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔

"اچھا۔۔۔ ہم سب آئیں گے صبح۔" انیقہ بولی تھی۔
شہلا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دونوں باہر کی جانب بڑھ گئیں۔ ہاشم بھی انہیں باہر تک چھوڑنے کے لیے گیا تھا۔
شہلا نے سکون سے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے گہرا سانس بھرا تھا۔ تب ہی اس نے اپنے چھوٹے سے پرس میں ارتعاش محسوس کیا۔ حیران ہوتے ہوئے اس نے پرس میں سے اپنا سیل فون نکالا اور پھر کانپ کر رہ گئی۔ اسکرین پر ابرار جیلانی کا نمبر چمک رہا تھا۔ شہلا لمحہ بھر میں پسینہ پسینہ ہو گئی۔
"ہیلو۔" اس نے بجلی کی سرعت سے کال اٹینڈ کی۔
"شہلا!" دوسری جانب اس کی گمبھیر آواز ابھری تھی۔ "مبارک ہو۔"
شہلا سے کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ بت کی مانند موبائل کان سے لگائے ہوئے تھی۔
"[illegible] شادی کی مبارک باد نہیں دی ہے جانو!" وہ جیسے نیند میں بول رہا تھا۔ شہلا کی آنکھیں پھٹ سی گئیں۔
"میں نے تمہیں۔۔۔ اپنا [illegible] سے قریب تر ہونے کی مبارک باد دی ہے۔۔۔ اس کمزور۔۔۔ بے جان، رسمی تعلق کو جلد از جلد ختم کر کے۔۔۔ مجھ تک [illegible] آؤ شہلا! میں تمہارا منتظر ہوں
Waiting for you Darling."
شہلا نے فون آف کیا اور بے جان ہاتھوں سے ایک طرف ڈال دیا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ [illegible] ہاشم کمرے میں داخل ہوا تھا۔ [illegible] وہ دروازے کے قریب کھڑا رہا پھر دروازہ لاک کر کے وہ آہستگی [illegible] چلا آیا۔
"شہلا!" اس کے لہجے میں دھنک کے سب ہی رنگ تھے۔ شہلا سمٹ گئی۔
"جذبوں کی کہانی۔۔۔ کہاں سے شروع کروں۔۔۔" اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما پھر وہ اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ ساتھ ہی [illegible] اس نے شہلا کے بالوں کی لٹ کو چھوا اور مسکرا دیا۔
"سنا ہے گمشدہ چیزیں۔۔۔ جہاں [illegible] کھوئی جاتی ہیں۔۔۔ وہیں سے مل بھی جاتی ہیں۔"
وہ دھیرے سے بولا پھر آنکھیں کھول کر اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھنے لگا۔
"تمہارے بالوں میں میرا دل تو نہیں ہو گا لیکن میرا دل کہیں پر اٹکا ہوا مجھے ضرور مل جائے گا اجازت ہو تو ڈھونڈ لوں؟"
شہلا نے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ وہ کیا کہتی؟ ہاشم نے جو کچھ بھی کہا اس نے ایک لفظ نہ سنا تھا۔ اس کے کانوں میں تو ابرار کا لفظ لفظ گونج رہا تھا۔
"اس کمزور۔۔۔ بے جان رسمی سے تعلق کو ختم کر کے مجھ تک لوٹ آؤ شہلا!
Waiting for you Darling"

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔)

بائیسویں قسط

ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے وہ قدرے گم صم سی بیٹھی تھی۔ واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی وہ جیسے چونک کر خود میں واپس آئی۔ لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے فریش فریش سا ہاشم ہاتھ گاؤن میں ملبوس باہر نکلا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تیزی سے بالوں میں چلاتے ہوئے وہ اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔

شہلا بھی خاموشی سے برش کرنے لگی تھی۔ ہاشم نے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو بغور دیکھا۔ لائٹ پنک کے لباس میں وہ بے حد سادگی کے عالم میں بھی بجلیاں گرا رہی تھی۔ سیاہ بالوں کی بدلی نے اس کے دلکش سراپے کو مزید جاذبیت بخش دی تھی۔

کانوں میں ہیرے کے ننھے آویزے دمک رہے تھے۔ اسے اپنی جانب متوجہ پا کر شہلا نے خاموش نظریں اٹھا کر اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا پھر پلکیں گرا لیں۔

"کیا بات ہے شہلا۔۔۔" ہاشم قدرے جھک کر بولا تھا۔ "گریز کے اس پردے کو درمیان سے ہٹا کیوں نہیں دیتیں تم؟ کھل کر مسکراؤ۔۔۔ کھل کر دیکھو۔۔۔ کھل کر اپنی لگو۔۔۔ یہ کیا کہ بے رخی کی یہ چادر تم ساتھ ساتھ لیے چلی آئیں۔"

وہ اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب لے آیا تھا۔ شہلا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ہاشم بھی بے ساختہ ہی سیدھا ہوا تھا۔

"وہ۔۔۔" شہلا [illegible] دروازہ [illegible]

"اچھا!" ہاشم [illegible] ب ہوا۔ "دستک ہوئی ہے؟"

ابھی شہلا کوئی جواب سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پر سچ مچ دستک ہوئی۔

"سنگی!" ہاشم دھیرے سے ہنس دیا۔ "میں کچھ زیادہ ہی بے خود ہو گیا تھا شاید۔"

ہاشم دروازے کی جانب بڑھا تو شہلا نے خود کو کمپوز کرنے میں چند سیکنڈ ہی لگائے تھے۔

دروازہ کھلنے پر باہر کھڑے کئی افراد مسکراتے اندر آئے تھے۔ ماہین کی رہنمائی میں انیقہ، ربیعہ، عمر، عباد کے علاوہ ناعمہ، وردہ، ثانیہ اور سدرہ بھی تھیں۔ لمحہ بھر بعد ہی سب ہی چہک رہے تھے ہنس رہے تھے۔ شہلا عمر کو یوں ساتھ لگائے بیٹھی تھی جیسے برسوں بعد ملی ہو۔

فردوس بیگم نے کمرے میں جھانکا۔ ان کی سب سے پہلی نگاہ شہلا اور عمر پر ہی پڑی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے ان کے چہرے پر نہایت بدمزگی کے تاثرات ابھرے۔ شہلا بھی اتفاقاً ان کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ قدرے خفیف سی ہو گئی۔

"امی جی۔۔۔ آئیے نا۔۔۔ باہر کیوں کھڑی ہیں۔" ہاشم اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی جانب بڑھا۔

"ہم باہر ہی بھلے۔۔۔ تل دھرنے کی جگہ نہیں اندر۔۔۔" وہ بے زار سے لہجے میں گویا ہوئیں۔ "اے ماہین۔۔۔ یہاں بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی ہو، باہر ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔۔۔ دلہن کی بہنیں جو سامان لائی ہیں، وہ بھی ویسا ہی پڑا ہے۔۔۔ چلو ذرا ناشتہ لگواؤ۔"

ان کے بیزار لہجے اور کرخت آواز نے لمحہ بھر کے لیے گل و گلزار ہوئی محفل کو سراسیمہ سا کر دیا تھا۔ سب ہی خاموش ہو کر رہ گئے۔ ماہین خجل سی ہو کر اٹھی تو وردہ اور ثانیہ بھی جلدی سے اس کا ہاتھ بٹانے کے خیال سے کھڑی

ہو گئیں۔

"آؤ یار۔۔۔ ذرا رافع کی خبر لیں۔" ہاشم نے عباد کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا "اس کے بغیر ہر محفل کچھ ادھوری سی لگتی ہے۔"

عباد فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔ ناعمہ اور سدرہ بھی ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کمرے میں اب صرف شہلا' انیقہ اور ربیعہ ہی رہ گئی تھیں۔

"بیا۔۔۔ کیا رائے ہے دولہا بھائی کے بارے میں؟" انیقہ نے مسکراتی نظروں سے شہلا کو دیکھا۔ وہ رسانیت سے مسکرا دی تھی۔

"رائے اگر اچھی نہ ہوتی تو ہامی کیوں بھرتی میں۔ ظاہر ہے' رائے تو شروع سے ہی اچھی ہے۔" وہ عمر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

"اور ان کی رائے آپ کے بارے میں؟" اب ربیعہ کی باری تھی۔ "انہوں نے کیا بتایا آپ کو؟"

"کیا جاننا چاہتی ہو تم دونوں؟" شہلا نے دونوں کے کان پکڑ لیے۔ "اب کیا میں لفظ بہ لفظ ان کی باتیں دہراؤں؟ ہاں؟"

وہ دونوں ہنسنے لگیں۔ عمر حیران نگاہوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

"مما۔۔۔ اب آپ یہاں رہیں گی؟" بالآخر اس نے جلد ہی وہ سوال پوچھ لیا جو وہ نجانے کب سے لبوں میں دبائے بیٹھا تھا۔

"عمر۔" ربیعہ نے پیار بھری سرزنش کی۔ "میں نے آپ کو کیا سمجھایا تھا؟ آپ بھول گئے ساری باتیں؟"

"نہیں تو۔۔۔ [illegible]"

اس کی صورت دیکھ کر ربیعہ اور انیقہ کو ہنسی آگئی جبکہ شہلا سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔ اسی وقت وہ کمرے میں آئی تھی۔

"آپ لوگ آجائیں۔۔۔ ناشتہ لگ گیا ہے۔" وہ انیقہ اور ربیعہ سے مخاطب ہوئی پھر اس نے شہلا پر نظر ڈالی۔ "شہلا بھابھی۔۔۔ آپ کا اور ہاشم بھائی کا ناشتہ میں یہیں لے آتی ہوں۔"

"نہیں ورده۔" شہلا جلدی سے کھڑی ہوئی۔ "میں اور ہاشم آپ سب کے ساتھ ہی ناشتا کریں گے۔"

ورده مسکرا دی تھی پھر اس کی ہمراہی میں وہ تینوں کمرے سے نکل گئی تھیں۔

ڈائننگ ٹیبل کے آس پاس مزید کچھ کرسیاں لگا کر سب کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ یوں بھی خاندان کے بڑے اپنے کمروں میں ہی تھے۔

"آپ ادھر بیٹھیں شہلا بھابھی۔۔۔" رافع جو ہاشم کے برابر والی کرسی پر بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا اسے سامنے بیٹھتے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں رافع۔۔۔ آپ بیٹھیں۔"

"پلیز۔۔۔" رافع مصر تھا۔

شہلا جھکی جھکی نظریں لیے ہاشم کے برابر آبیٹھی۔ رافع دوسری کرسی پر بیٹھتے بیٹھتے پھر چونک اٹھا تھا۔ اس کی نظر ربیعہ پر پڑی تھی۔ وہ چند لمحے بے اختیار سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ دفعتاً ہاشم کھنکھارا۔ رافع چونک اٹھا پھر وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

"عورشہ کہاں ہے ماہین آپی؟" دفعتاً انیقہ کو خیال آیا تھا۔ "ہم تو اسے نکاح کی مبارکباد دینا چاہتے ہیں اور وہ ہے کہ سلیمانی ٹوپی پہن کر بیٹھ گئی ہے شاید۔"
"وہ ہاں وہ... دراصل وہ ذرا دیر سے اٹھتی ہے۔" ماہین سے بات بنائے نہ بنی تو جز بز ہو کر رہ گئی۔
وردہ اور ثانیہ کی نگاہیں چار ہوئیں پھر دونوں نے ہی ٹھنڈی سانس بھری تھی۔



"عباد بھائی!" ربیعہ نے ہولے سے دستک دے کر کمرے میں جھانکا۔ "میں آجاؤں؟"
عباد کا تیزی سے چلتا ہوا قلم رک گیا۔ وہ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی سے مسکرایا۔
"آؤ ربیعہ۔"
"آپ مصروف تو نہیں؟" اس نے اس کے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات کے ڈھیر کو دیکھا۔
"کچھ ایسا خاص نہیں۔" اس نے ربیعہ کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "کہو کوئی پرابلم ہے؟"
"نہیں... بالکل نہیں۔" وہ بشاشت سے مسکرائی۔ "میں تو آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں عباد بھائی! آپ... آپ میری زندگی میں بھائی نہیں' فرشتہ بن کر آئے ہیں۔"
ربیعہ کی نظریں جھک گئی تھیں اور چہرے پر احسان مندی کے جذبات ابھر آئے تھے۔
"او گاڈ!" عباد نے مصنوعی غصے سے اسے دیکھتے ہوئے اور [illegible] ایا۔ "اگر تم صرف یہی بات کرنے آئی ہو تو یقین مانو میں بہت مصروف ہوں۔"
"نہیں..." وہ جلدی سے بولی... "اس کے علاوہ یہ کہ میں [illegible] اگر آپ [illegible] ایڈمیشن یونیورسٹی میں کروا دیں تو..."
"واہ یہ بات!" اب کی بار وہ کھل کر مسکرایا۔ "یہ تو بہت اچھی بات سوچی ہے تم نے۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ تم گھر بیٹھی فضول سوچوں سے الجھتی رہو۔ میں کل ہی ضرور [illegible] انفارمیشن حاصل کرتا ہوں۔ تمہارا ایڈمیشن ہو جائے گا۔ ہاں بیچلرز وغیرہ کے بارے میں مجھے بتا دینا۔"
"عباد بھائی..." ربیعہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔ "ایک بات اور..."
"ہاں ہاں بولو۔ جھجکنے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ربیعہ! میں نے تمہیں بہن [illegible] نہیں' دل سے سمجھا بھی ہے۔ تمہاری ہر ضرورت پوری کرنا میرا فرض ہے۔"
ربیعہ کی پلکوں پر موتی چمکنے لگے تھے۔ اس نے احسان مندی کے جذبات کے ساتھ اسے دیکھا۔
"عباد بھائی... یہاں اکثر لوگ مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں۔ میں... میں سمجھ نہیں پاتی کہ انہیں کیا جواب دوں۔ آپ... آپ مجھے بتائیں کہ آپ نے میرے بارے میں سب سے کیا کہا ہے تاکہ مجھے کیا کہنا چاہیے۔"
"ربیعہ! ایک بات یاد رکھو۔" عباد چہرہ [illegible] رکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ "اپنے بارے میں اتنا زیادہ کانشس ہونے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ تم جو بھی ہو' اپنا حوالہ آپ ہو۔ کوئی دوسرا شخص تمہاری ذات کا حوالہ نہیں بن سکتا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے سانس لینے کو رکا پھر بولا۔
"دوسرے یہ کہ میں نے تمہارے بارے میں سب کو صرف یہ بتایا ہے کہ تم میرے ایک عزیز از جان دوست کی بہن ہو جو کچھ عرصے کے لیے تمہاری ذمہ داری مجھے سونپ کر گیا ہے اور بس۔ تم سے کوئی کچھ پوچھے تو تمہیں یہی

کہنا ہے کہ بھائی کے سوا دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے۔ دیکھو ربیعہ! دنیا کو بات سے بات نکالنے کی اور کھوج در کھوج کی عادت ہوتی ہے۔ تم خود کو جتنا پردوں میں چھپاؤ گی' دوسرے اتنا ہی تمہارے بارے میں تجسس برتیں گے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم خود کو دوسروں سے الگ رکھنے کی یا چھپانے کی کوشش ہی نہ کرو۔ دوسروں کی پروا کرنا چھوڑ دو' دوسرے تمہاری پروا کرنا چھوڑ دیں گے۔ رائٹ!"
ربیعہ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
"اور اب میرے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "تم نے میرے سر میں درد کر دیا ہے۔"
ربیعہ دھیرے سے ہنس دی اور اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ کچن میں آ کر وہ چائے کے برتن نکالنے لگی۔ اس کا ذہن شملا کی شادی کی وجہ سے بٹ گیا تھا لیکن اب ہنگاموں سے فارغ ہو کر وہ مسلسل اس گھر کے متعلق سوچ رہی تھی' جہاں اس نے چند ماہ قیام کر کے اپنا سکھ' چین غارت کر کے چلی آئی تھی۔ اس کے ذہن کے پردے پر [illegible] رہی تھی جہاں [illegible] امین کے طنز بھرے تیر تھے' تمین کی مکار مسکراہٹ تھی' منصور کی حرص سے چمکتی آنکھیں تھیں' صولت کی گستاخیاں اور حنا بیگم کی آپا رہوتی نظریں... اور ان سب سے پرے سب سے الگ فراز کی گرم جوش اور پرخلوص محبت [illegible] نظر تھے۔ ربیعہ فراز کو شدت سے یاد کر رہی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی کہ اس کے چلے جانے کے بعد اس پر [illegible] وہ سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔
اس نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کیا کہ رات کو وہ ضرور عباد سے کہے گی کہ اسے عبدالباری کا نمبر اپنے موبائل سے ملا دے... وہ گھر کا فون استعمال کرنے سے گریز کر رہی تھی کہ کہیں انیقہ یا منیزہ بیگم کوئی غلط خیال نہ [illegible] مطمئن [illegible] چائے کی ٹرے اٹھا کر وہ عباد کے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔



دونوں بازو تکیے کی صورت سر کے نیچے رکھے وہ بستر پر چت لیٹا ہوا تھا۔ سی ڈی پلیئر پر مدھم سروں میں نور جہاں کی مترنم آواز میں "دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا" چل رہا تھا۔ ذہن کے پردے پر کچھ مناظر متحرک تھے۔
اسے وہ شوخ و شنگ لڑکی یاد آ رہی تھی [illegible] بھولتی تھی جو ایک روز بڑے دھڑلے سے اس کی گاڑی کا دروازہ کھول کر یوں بیٹھ گئی تھی جیسے [illegible] کی ذاتی گاڑی ہو اور وہ اس کا ڈرائیور۔ سارا راستہ وہ بیک ویو مرر میں اس کے بھولے [illegible] نگاہوں سے تکتا رہا تھا۔ کیا خبر تھی کہ ذرا سی دل لگی' دل کی لگی میں تبدیل ہو جائے گی۔ پھر فون پر اس کا وہ شرمایا شرمایا' متبسم لہجہ۔ بچوں کی سی باتیں "اس لڑکی کو شاید تجربہ تھی کہ اس کا یوں ذرا سا کھیل کسی کے دل کی دنیا کا سکھ چین تہ و بالا کر ڈالے گا۔
فراز اپنے جذبوں میں سنجیدہ ہو چلا تھا اور وہ... وہ محض ایک کھیل کھیل رہی تھی جس سے دل اکتا جانے پر اب وہ اسے پہچاننے کی بھی روادار نہ تھی۔ کتنی بار وہ ٹکرائی تھی اور ہر بار اس کی نظروں میں بے نیازی اور اجنبیت تھی۔ فراز نے کئی بار اسے مخاطب کر کے دیکھا تھا اور ہر بار وہ نئی کترا کر نا آشنا سی بن کر گزر گئی تھی۔
"تم نے... میرے ساتھ اچھا نہیں کیا..." وہ دکھ سے بڑبڑایا۔ "میرے جذبے اتنے ارزاں تو نہیں تھے کہ تم انہیں یوں روند کر چلتی بنو۔ مانا کہ تم آج بھی دل کو اتنی ہی عزیز لگتی ہو' جتنی کہ کل' لیکن غرور کی' نا انصافی کی' دھوکہ دہی کی کچھ سزا بھی تو ہونی چاہیے نا۔ سزا تمہیں ملے گی' ضرور ملے گی۔"
وہ جلتی آنکھوں پر بازو رکھ کر دکھ کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

صبح کے چھ بج رہے تھے۔ ایقان کو پہلے پہل نیند میں کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کسمسا کر اس نے آنکھیں کھولیں۔ عاشر کے موبائل پر مدھم سروں میں بیپ بج رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر گہری نیند سوئے ہوئے عاشر کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اسے جگانا چاہا تب ہی عاشر از خود جاگ گیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایقان نے پھر آنکھیں موند لیں۔

"ہیلو..." عاشر کی مدھم لیکن قدرے خفا خفا سی آواز آئی تھی۔

نجانے کیوں ایقان کی سوئی ہوئی تمام حسیات جاگ اٹھیں۔ عاشر مزید کچھ بات کیے بغیر اٹھا اور ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ وہاں سے اس کے مدھم مدھم بولنے کی آواز آ رہی تھی لیکن ایقان کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

چند لمحوں بعد وہ بے حد تیزی سے باہر آیا تھا۔ اس کی نظریں جاگتی ہوئی ایقان کی نظروں سے ٹکرائیں۔ عاشر ٹھٹک گیا۔

"کیا بات ہے عاشر! کس کا فون تھا؟" ایقان اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کسی کا نہیں تم سو جاؤ۔" وہ سلیپنگ سوٹ کے بٹن کھولنے لگا۔ "میں ذرا ایئرپورٹ جا رہا ہوں۔"

"ایئرپورٹ؟" وہ نہایت حیرانی سے بولی۔ "خیریت؟"

"ہاں خیریت ہے۔ ایک دوست کی فیملی پہنچ رہی ہے۔ اسے گھر تک ڈراپ کرنا ہے اسی کا فون تھا۔"

"تمہیں چائے بنا دوں؟" وہ بستر سے اتر آئی۔

"نہیں۔" وہ شرٹ پہننے لگا۔ "جہاز لینڈ کر چکا ہے' دیر ہو جائے گی۔ میں چائے ایئرپورٹ پر ہی پی لوں گا۔"

"ہوں۔" اس نے مدھم سروں میں کہا اور اس کی عجلت بھری حرکات دیکھنے لگی۔

عاشر پانچ منٹ میں تیار ہو گیا تھا۔ اس نے گم صم سی ایقان پر ایک نظر ڈالی اور پھر دھیرے سے اس کا گال تھپتھپایا۔

"ڈونٹ وری ڈارلنگ۔ میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں لوٹ آؤں گا۔ تم آرام سے سو جاؤ۔" ایقان نے اثبات میں سر ہلایا۔ عاشر تیزی سے باہر نکل گیا۔



وہ برہم برہم سا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ لزا نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا کالر کھینچا۔

"اے مسٹر! میں تمہاری جدائی میں بے تاب ہو کر یہاں تک چلی آئی ہوں اور تم ہو کہ ٹھیک سے بات تک نہیں کر رہے ہو۔ یہی صلہ ہے میری بے تابیوں کا تمہارے پاس؟"

عاشر نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی۔

"تمہاری اس حرکت سے میری ازدواجی زندگی متاثر ہو سکتی ہے لزا! تمہیں احساس نہیں؟"

"اوہ... ڈونٹ وری..." وہ اطمینان سے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ "میں تمہاری بیوی سے کوئی مناظرہ کرنے کے ارادے سے نہیں آئی پھر بھلا تمہاری ازدواجی زندگی کس طرح متاثر ہونے لگی؟ ہر سال لاکھوں سیاح تمہارے ملک میں گھومنے پھرنے کے ارادے سے آتے ہوں گے۔ ایک میں بھی ہوں۔ تم کس بات کی فکر میں پڑ گئے؟"

"وہ لاکھوں سیاح ہر گھنٹے بعد میرے سیل فون پر کال نہیں کرتے۔" اس نے دانت پیسے۔ "تم سب کچھ سمجھ کر بھی کچھ سمجھنا نہیں چاہ رہیں' بات یہ ہے۔"

لزا نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا اور دلکش انداز میں مسکرا دی۔

"تمہاری بے بسی مزہ دے رہی ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔ "جاپان میں تو تم قابو میں آکر نہیں دیتے تھے۔ میں نے اچھا کیا جو یہاں چلی آئی۔"

وہ کار سے باہر دیکھنے لگی۔ صبح کی نرم دھوپ بلند عمارتوں کے اوپری حصے سے نیچے اترنے کی تیاری میں تھی۔ لوگ گاڑیوں، بسوں، ٹیکسیوں میں یا پھر پیدل ہی اپنی اپنی منزلوں کی جانب رواں دواں تھے۔ ماحول میں صبح کی مخصوص پُرجوش سی چہل پہل تھی۔ گاڑی ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے احاطے میں جا کر رکی تھی۔

باوردی دربان نے آگے بڑھ کر کار کا دروازہ کھولا۔

"تم چلو... میں گاڑی پارک کر کے آتا ہوں۔" عاشر نے اسے ایک نظر دیکھ کر کہا۔

وہ مسکرا کر سر ہلا کر اتری تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو... ہیلو... باری بھائی؟ میں ربیعہ بات کر رہی ہوں کراچی سے۔" وہ لان میں بیٹھی [illegible] تھی۔

"او ربیعہ... کیسی ہو تم؟" عبدالباری اس کی آواز سن کر حقیقتاً خوش ہوا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، بالکل خیریت سے... آپ مجھے ترانہ کے بارے میں بتائیں۔ کیسی ہے وہ، ٹھیک تو ہے نا۔ گھر میں سب خیریت تو ہے؟"

عبدالباری چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"ہیلو۔" ربیعہ بے تابی سے بولی۔ "باری بھائی..."

"ہاں ربیعہ..." پھر وہ بولا۔ "سب ٹھیک ہے، تم بے فکر رہو [illegible] شکایت ہو تو سب سے پہلے مجھے فون کرنا۔"

"باری بھائی! مجھے ترانہ کے بارے میں بتائیں۔" وہ بے تابی سے بولی۔

باری کے لہجے سے اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ خیریت نہیں ہے۔ [illegible] خاموش سا لگ رہا تھا۔ ربیعہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

"ترانہ ہسپتال میں ایڈمٹ ہے..." عبدالباری دھیرے سے بولا۔ "اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد گھر والوں نے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا... وہ اتنے مضبوط اعصاب کی لڑکی بھی اتنا کچھ برداشت نہ کر پائی۔"

ربیعہ کے ہاتھ پیروں سے گویا جان نکل گئی۔ چند لمحوں کے لیے گویا اس کے دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا تھا۔ باری کچھ دیر اس کے کچھ کہنے کا منتظر رہا پھر بولا۔

"تم فکر مند مت ہو ربیعہ! آزمائش کے یہ چند دن ہی ہیں گزر جائیں گے ان شاء اللہ۔ جو کچھ بھی ہو گا ہمارے حق میں بہتر ہو گا۔"

"باری بھائی... میری کسی طرح ترانہ سے بات ہو سکتی ہے؟" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"مشکل ہے... میرا خود رابطہ نہیں ہے۔ آفس والوں کے ذریعے اس کی خیریت پتا چلتی رہتی ہے۔"

"اچھا... ہو سکے تو اسے میرا سلام پہنچا دیجیے گا۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔" وہ بولا۔

"خدا حافظ۔" ربیعہ نے تھکے ہوئے انداز میں موبائل آف کر دیا۔ اس کے ذہن میں بھرے کئی مناظر رواں

ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

شہلا ملنے آئی تھی۔ گھر میں گویا خوشیاں، روشنی کی صورت اتری ہوئی تھیں۔ انیقہ، ربیعہ، عمر، منیزہ بیگم سب ہی اسے گھیرے میں لیے بیٹھے تھے۔

"سب لوگ کیسے ہیں وہاں اپا؟" انیقہ جوش و خروش سے پوچھ رہی تھی۔ "جب آپ کی اور ایقان بھائی کی بہت دوستی تھی تب تو مجھے وہ گھر بہت اچھا لگتا تھا۔ اتنے سارے لوگ، اتنی ڈھیر ساری رونقیں... اتنی چہل پہل... سب کچھ کتنا اپیل کرتا تھا۔ اب وہاں کا ماحول کیسا ہے؟"

"دور کے ڈھول سہانے۔" شہلا دھیرے سے ہنس دی۔

"کیا مطلب؟" سب کے ہی کان کھڑے ہو گئے۔

"[illegible] کہ اب سب کے سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ ان محفلوں کا، ان رونقوں کا تو اب ڈھونڈے سے کوئی نشان نہیں ملتا۔ زیادہ تر افراد اپنے اپنے پورشن میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہاں وردہ بہت اچھی لڑکی ہے، وہ اکثر مجھ سے [illegible] آتی ہے۔ ثانیہ بھی خیال کرتی ہے۔"

"اور عریشہ؟" انیقہ نے جلدی [illegible] پوچھا تھا۔ "وہ تو مجھے عجیب سرپھری سی لڑکی لگتی ہے۔ اپنے آپ میں گم۔ نہ کسی سے کچھ لینا نہ دینا... شادی کے ہر فنکشن میں وہ غائب تھی۔"

"عریشہ؟" شہلا لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ "ہاں شاید... جتنی بار بھی وہ میرے سامنے آئی ہے... میں نے اسے گم صم ہی [illegible] نہیں اس کے ساتھ کوئی نفسیاتی پرابلم ہے یا کچھ اور... میں اب تک سمجھ نہیں [illegible]"

تب ہی باہر گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ عمر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ لمحہ بھر میں اچھلا اور "تایا" پکارتا بھاگا۔ شہلا نے نام دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"میرا خیال ہے ابا شام آ گئے ہیں... میں [illegible] لے کر آتی ہوں۔"

انیقہ اور ربیعہ اٹھ کر [illegible] بکھری ہوئی چیزیں جگہوں پر رکھنے لگیں۔ منیزہ بیگم دوپٹہ ٹھیک کرنے لگیں۔ بھاگتے ہوئے عمر کے پیچھے پیچھے شہلا لاؤنج کے گیٹ تک جا پہنچی تھی۔ تب ہی وہ ٹھٹک کر رکی اور بے اختیار نظریں [illegible] سے ٹیک لگا کر کھڑے ابرار کو دیکھنے لگی جو ایک ٹک اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"پپا... پپا جانی..." عمر بھاگتا ہوا اس سے جا لپٹا۔

ابرار نے عمر کو گود میں اٹھا کر چوما اور چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"کیسی ہو شہلا؟" اس نے ایک گہری نگاہ اس کے سجے سنورے سراپے پر ڈالی تھی۔

"میں... ٹھیک ہوں۔" وہ قدرے ناگواری سے بولی۔ "تمہیں یہاں آنے سے پہلے بتا دینا چاہیے تھا۔ یوں اچانک..."

"میں نے فون پر عمر کو بتایا تھا کہ میں اسے لینے آ رہا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر اس کا گال چوما۔ "یہ شاید تمہیں بتانا بھول گیا... کیوں شہزادے؟"

"میں بھول گیا تھا پپا... مما آ گئیں تو انہیں دیکھ کر میں ہر بات بھول گیا۔"

"بے قصور ہو یار!" اس نے معنی خیز لہجہ اپنایا۔ "کچھ ایسی ہی ہیں تمہاری مما۔"

شہلا نے اسے غصے سے دیکھا۔ اس نے لمحہ بھر میں لہجہ اور انداز بدل لیا۔

"اچھی ویسے اب تم یہاں تک آہی گئی ہو... تو... اجازت بھی دے دو... کیا میں عمر کو لے جاسکتا ہوں؟"

شہلا متذبذب ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دے پاتی' کسی گاڑی کی روشن ہیڈلائٹس ان تینوں پر پڑی تھیں۔ شہلا اور ابرار بے ساختہ ہی اس جانب متوجہ ہوئے۔ لائٹس آف ہوئیں اور گاڑی میں سے ہاشم برآمد ہوا۔

شہلا کو ایک پل کے لیے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس منظر میں اس کی پوزیشن کچھ آکورڈ سی تھی۔ اس کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا۔

ہاشم گاڑی بند کر کے قدم قدم چلتا اس کے قریب آکھڑا ہوا... اس نے سوالیہ نظروں سے ابرار کو دیکھا۔ گویا اس کا تعارف چاہتا ہو۔

شہلا کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا تو وہ پلٹ کر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر چلی آئی۔ اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ شرمندگی کا ایک گہرا احساس اس کے پورے وجود پر غالب تھا۔ وہ سیدھی کچن میں چلی آئی۔ فریج کھول کر پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔

"کیا ہوا آپا... "پیچھے سے انیقہ کی آواز آئی تھی۔ "یہ ہاشم بھائی کہاں رہ گئے؟"

"ہاں۔" اسے کوئی جواب نہ سوجھا تو اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا۔

"السلام علیکم۔" ہاشم کی خوشگوار آواز نے سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔

انیقہ' ربیعہ اور منیزہ بیگم ہاشم سے ملنے میں مصروف ہو گئیں۔ شہلا اتنے عرصے میں خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

شیفون کا دوپٹہ [illegible] ہاشم [illegible] اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ شہلا نے بے اختیار ہی اس کی نظروں میں کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ وہ مسکراتی جگمگاتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے جناب! اکیلے آئے ہو تو ہمیں لفٹ ہی نہیں کرا رہیں۔"

"جی... نہیں... وہ میں... دراصل وہ..." شہلا کے ذہن میں سب ہی الفاظ گڈمڈ ہوئے۔ ہاشم دھیرے سے ہنس دیا۔

"عمر کہاں ہے شہلا؟" منیزہ بیگم کو اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔

ربیعہ اور انیقہ جلدی جلدی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگانے لگی تھیں۔ شہلا ایک مرتبہ پھر الجھن کا شکار ہوئی۔ کیا کہے کیا نہ کہے۔

"عمر کو اس کے والد ابرار جیلانی لے کر گئے ہیں۔" ہاشم نے ڈائننگ ٹیبل پر رکھی ہوئی سلاد میں سے کھیرے کا پیس اٹھا کر منہ میں ڈالا اور عام سے انداز میں اطلاع دی۔

شہلا نے قدرے متحیر ہو کر اسے دیکھا۔ ربیعہ اور انیقہ دفعتاً اپنی اپنی جگہ تھم سی گئی تھیں۔ منیزہ بیگم بھی کچھ پریشان سی ہو کر ہاشم کو دیکھنے لگیں۔

وہ بے حد نارمل انداز میں اپنی بات کہہ کر اب پانی کا گلاس بھر رہا تھا۔

"ابرار؟" پھر منیزہ بیگم بولیں۔ "ابرار آیا تھا؟"

"جی ہاں وہ باہر سے ہی عمر کو... لے گئے ہیں۔ چند گھنٹے بعد چھوڑ جائیں گے۔"

شملا سر جھکا کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا دل یکدم ہی مطمئن سا ہو گیا تھا۔ ہاشم کا انداز قطعاً "نارمل" تھا۔

منیزہ بیگم چند قدم آگے بڑھ آئیں پھر انہوں نے ہاشم کا چہرہ تھام کر سر جھکایا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

"جیتے رہو بہت نیک بچے ہو۔"

ہاشم مسکرا دیا۔ اس کی نگاہیں شملا کی نگاہوں سے ٹکرائی تھیں۔ شملا ان نظروں کی چمک کی تاب نہ لا پائی۔ اس نے پھر سر جھکا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بھائی۔۔۔" اس نے اندر جھانکا۔ "میں آ سکتا ہوں؟" کمپیوٹر پر مصروف۔۔۔ رافع چونک اٹھا۔

"نافع تم۔" اس کے انداز میں حد درجہ مصروفیت تھی۔

نافع چند لمحے دروازے پر ہی کھڑا رہا۔ وہ قدرے تذبذب کا شکار تھا۔ رافع نے ایک مرتبہ پھر نظر اٹھائی۔

"میں پھر بات کر لوں گا بھائی اگر آپ مصروف ہیں تو۔"

رافع کو اس کے لہجے کے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ وہ کمپیوٹر آف کرنے لگا۔

"نہیں آ جاؤ۔" وہ کرسی گھماتے ہوئے بولا۔

نافع اندر چلا آیا۔ وہ کچھ سنجیدہ اور خاموش خاموش سا تھا۔ اس کے بعد وہ رافع کی کرسی کے مقابل پڑے کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔"

"ہو لو۔" رافع نے غور سے اسے دیکھا۔

"بھائی۔۔۔ میرے اور عریشہ کے متعلق۔۔۔ خاندان کے بڑوں [illegible] آپ کیا ہے [illegible] کہتے ہیں؟" وہ سر اور نظریں جھکائے ہوئے تھا۔

"میں؟" رافع لمحہ بھر کے لیے سوچ میں پڑا۔ "میں کیا کہہ سکتا [illegible] اصل بات تو تمہاری رضامندی کی تھی جو کہ میرا خیال ہے تم نے دی تھی۔"

"جی ہاں۔" "امی نے مجھ سے بات کی تھی اور میں نے ہامی بھی بھری تھی لیکن۔"

"لیکن؟" رافع نے ابرو چڑھایا۔

"لیکن بھائی۔۔۔ گزرتے وقت کا لمحہ لمحہ مجھے یہ احساس دلا رہا ہے کہ کہیں کچھ غلط ہو گیا ہے۔ اس [illegible] لیے میری رضامندی ضرور شامل تھی لیکن عریشہ۔"

رافع نے اب بغور اسے دیکھا۔ وہ تھکا تھکا اور آزردہ سا دکھائی دیتا تھا۔

"عریشہ شاید خوش نہیں ہے۔ بلکہ۔۔۔ یقیناً۔۔۔ وہ یقیناً خوش نہیں ہے۔۔۔ میرے ساتھ اس کا رویہ از حد تکلیف دہ ہے۔ مجھ پر اس کی نگاہ بھی پڑ جائے تو وہ یوں منہ پھیرتی ہے جیسے اس کے لیے یہ انتہائی اذیت ناک امر ہو پھر یہ کہ میرے علم میں یہ بھی آیا ہے کہ جب سے یہ رشتہ طے ہوا ہے۔ اس کا رویہ اپنے گھر والوں سے بھی تبدیل ہو گیا ہے۔۔۔ وہ خود کو تنہا سے تنہا کرتی چلی جا رہی ہے۔۔۔ اب آپ ہی بتائیں بھائی۔۔۔ یہ صورت حال میرے لیے کتنی تکلیف دہ ہو سکتی ہے۔۔۔ میں۔۔۔ میں مضطرب رہتا ہوں یہ سب کچھ سوچ کر۔"

"ہوں۔" رافع کچھ دیر بعد بولا تھا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے بھی محسوس تو کیا تھا لیکن پھر اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ یوں بھی عریشہ شروع سے ہی کچھ سرپھری سی لڑکی ہے لیکن تمہارے ساتھ اس کا یہ رویہ کسی

اور ہی صورت حال کی نشان دہی کرتا ہے۔" وہ سوچنے لگا۔

"اگر وہ اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھی تو گھر والوں کو اس کے ساتھ جبر سے کام نہیں لینا چاہیے تھا۔۔۔ لیکن اب۔ اب کم از کم تمہاری جانب سے کوئی ایسی بات نہیں ہونا چاہیے رافع! جس سے خاندانوں میں دراڑیں پیدا ہوں یا دراڑ پڑے۔"

"میں سمجھتا ہوں بھائی۔۔۔ لیکن میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اگر وہ ابھی سے میرے لیے اپنے دل میں اتنا تنفر جمع کرے گی تو بعد میں اس رشتے کو نبھاتے نبھاتے چلے جانا میرے لیے بھی مشکل ہو جائے گا اور اس کے لیے بھی۔ بہتر یہی ہے کہ صورت حال کو ابھی واضح کر لیا جائے۔" وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو ہمیں ایسے حالات میں کیا قدم اٹھانا چاہیے؟" رافع نے اسے ایک نظر دیکھا۔

"یہی مشورہ کرنے آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔ میری تو اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں اس گھر کے بڑوں کو کسی پریشانی میں بھی نہیں ڈالنا چاہتا۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"ہوں۔" رافع نے گہری سانس بھری اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

"دیکھو نافع۔۔۔" کچھ دیر بعد وہ بولا۔ "میری مانو۔۔۔ تو صورت حال کو ابھی جوں کا توں رہنے دو۔ تم لوگوں کی شادی کا معاملہ اٹھنے میں ابھی کافی وقت پڑا ہے ہو سکتا ہے اس کا یہ وقتی ابال خود بخود ہی ٹھنڈا ہو جائے اور اسے اپنی غلطی کا احساس وقت سے پہلے ہو جائے۔ ایسا ہو جائے تو سب کے لیے اچھا ہو گا۔ تم دونوں کے لیے بھی اور اس خاندان کے لیے بھی۔ اور اگر تب تک ایسا نہیں ہوتا۔۔۔ پھر ہم یہ مسئلہ اٹھائیں گے کہ کسی کے ساتھ جبر یا زور [illegible] معاملات [illegible] کے ساتھ ہو وں تو ٹھیک ہے ورنہ انہیں ختم ہی کر دیا جائے تو بہتر ہو [illegible] اور [illegible]۔۔۔ بھول جاؤ کہ تمہارا کسی کے ساتھ کوئی تعلق قائم ہوا ہے۔۔۔ سب کچھ بھول کر اپنا مستقبل بناؤ۔ اگر تب تک عریشہ کے اپنے دل میں اس تعلق سے متعلق کوئی واضح خیال پیدا ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنے والدین سے بات کرے۔ ہمارا اور درد سر نہیں ہے کہ آیا وہ تمہیں پسند کرتی ہے یا ناپسند۔۔۔ ہم خود یہ بات چھیڑ کر اپنے بڑوں کے [illegible] کیوں ٹھہریں؟ رافع! خاندان بنتے بہت مشکل سے ہیں اور ٹوٹنے میں لمحے بھی نہیں لگتے۔ ہم بھی کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس سے خاندانوں کے ٹوٹنے کا الزام ہمارے کاندھوں پر آئے ہاں اگر کوئی اور ایسا کرنا چاہے تو اس کی مرضی۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟"

نافع نے ایک نظر بڑے بھائی کو دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے میرا بوجھ کافی حد تک ہلکا ہو گیا ہے۔" وہ بولا۔

رافع بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے تسلی دینے والے انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔

☼ ☼ ☼

جاگر زکے تسمے کستے ہوئے وہ ٹھہر گیا۔ چند لمحوں کے لیے اس کا دل بھی جیسے ٹھہر گیا۔ نظر پھر اسی دشمن ایمان پر جا ٹھہری تھی۔

رافع کو لمحہ بھر کے لیے خود پر تاؤ آیا۔ کیا تھا جو وہ بھی ہاشم میاں کی طرح گھوڑے بیچ کر سویا رہتا۔ اسے کیا تکلیف ہوئی تھی جو صبح صبح نیند کی شدتوں کو خیرباد کہہ کر بستر سے نکل آیا تھا۔

"اب لڑتے رہو خود سے اور خود سر دل سے۔" وہ بڑبڑایا۔

ربیعہ کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی لیکن وہ رخ موڑ کر قدرے بے نیازی سے کیاریوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگی

تھی۔
رافع بھی مڑ کر جاگنگ ٹریک پر دوڑنے لگا۔ دل ٹھہر گیا تھا قدم دوڑ رہے تھے جب ایک جنگ سی اس کے وجود کے اندر بپا ہونے لگی۔

"یہ سپیدی افق سے اتری ہے۔ یا تری مرمریں پیشانی سے۔"
وہ خود بخود ہی گنگنایا تھا پھر وہ ٹھہر گیا۔
"او خدا۔ یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔" اس نے مڑ کر دیکھا۔
پارک دور دور تک خالی تھا۔ اس کی نظریں بے قرار ہوئیں پھر اس نے سر جھٹکا۔ خود کو کوسا اور پھر بھاگنا شروع کر دیا۔

"یہ سپیدی افق سے اتری ہے۔ یا تری مرمریں پیشانی سے۔"
دل تھا کہ تکرار کیے جا رہا تھا۔ رافع یہ نظم شروع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ نظم کی طرح وہ اپنے انجام سے بھی واقف تھا۔ یکایک وہ ٹھٹک کر رکا۔ ربیعہ اس کے سامنے سے آ رہی تھی۔ رافع کی مانند وہ بھی پلٹ کر چل پڑی تھی۔ نتیجہ یہ کہ ایک گولائی میں چلتے چلتے وہ پھر آمنے سامنے تھے۔
فاصلہ اب اس قدر کم تھا کہ گریز ممکن نہ تھا۔ رافع چند قدم آگے بڑھ آیا۔
"السلام علیکم۔" وہ بشاشت سے مسکرایا۔
"وعلیکم السلام۔" وہ بھی جیسے رسماً مسکرائی تھی۔ "آپ۔ روز آتے ہیں یہاں؟"
"جی ہاں، تقریباً۔" رافع کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔
"پہلے ایک دوست ہمراہ ہوا کرتا تھا، اب کچھ عرصے سے [illegible] کسی اور کا ہو گیا ہے [illegible] بیدار کرنے کے لیے مس کال [illegible]"
ربیعہ اس کی بات سمجھ کر مسکرا دی۔
"چلیں صبر کریں۔ خدا نے چاہا تو آپ کو کوئی اور دوست مل جائے گا۔"
رافع چلتے چلتے رک گیا۔ ربیعہ کی سادہ انداز میں کہی گئی بات نے اس کے اندر شرارت کی رگ پھڑکا دی۔ اس کے رک جانے پر ربیعہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی معصومیت تھی۔ رافع معمول کی مانند پھر چل پڑا۔
"پڑھتی ہیں آپ؟"
"میں نے گریجویشن کیا ہے۔ اب ماسٹرز کرنے کا ارادہ ہے۔" وہ مختصراً بولی۔
"آپ۔ شہلا بھابھی کی رشتہ دار ہیں؟ میرا مطلب ہے پہلے کبھی آپ سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"
"میں۔" ربیعہ کچھ کہتے کہتے رک سی گئی۔ "جی۔ رشتہ دار ہی سمجھ لیجئے۔ ہاں وہ اس روز آپ کی ایک نظم میرے پاس رہ گئی تھی۔ آپ کہیں تو میں واپس کر دوں؟"
رافع مسکرایا اور ایک گہری سی نظر اس پر ڈالی۔ صبح کی خوشگوار روشنی میں وہ ہار سنگھار کے پھولوں کی سی لگتی تھی۔
"نہیں۔ واپس کرنے کے بجائے آپ رکھ لیں تو مجھے اچھا لگے گا۔"
اس کے جواب میں نجانے کس جذبے کی حدت تھی۔ ربیعہ کی پیشانی چمک اٹھی۔ اس نے رسمی سا مسکرا کر اسے دیکھا اور گھر جانے والے رستے پر چل دی۔

آنکھوں میں گہری سوچ لیے رافع اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔
"یہ سپیدی افق سے اتری ہے۔۔۔ یا تری مرمریں پیشانی سے۔۔۔" ذہن نے پھر تکرار شروع کی۔ رافع نے گہری سانس بھری۔ نظم نے خود کو مکمل کروا کر ہی رہنا تھا۔



وہ واش روم سے نکل کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔ ہاشم بستر پر نیم دراز بے دلی سے ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔ شہلا کو آتا دیکھ کر اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ گویا وہ اسی کے انتظار میں تھا۔
شہلا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آئی اور اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ ہاشم نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"فارغ ہیں آپ؟"
"جی!" وہ آہستہ سے بولی۔
"کچھ باتیں کر لی جائیں؟" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ شہلا چونک اٹھی۔
"ضرور۔۔۔۔"
ہاشم کھسک کر اس کے قریب ہوا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"شہلا۔۔۔ کتنا اعتبار کرتی ہو مجھ پر؟"
"جی؟" شہلا نے حیران نظریں اٹھائیں۔ "میں کچھ سمجھی نہیں ہاشم۔۔۔"
"میں نے پوچھا۔۔۔ کتنا اعتبار کرتی ہو مجھ پہ۔ نہ سمجھنے والی کون سی بات ہے اس میں؟"
"آپ۔۔۔ میرے شوہر ہیں۔۔۔ میں نے اپنی مرضی سے یہ تعلق قبول کیا ہے۔۔۔ تو ظاہر ہے کہ۔۔۔ اعتبار کروں گی آپ پہ۔"
"اسی طرح تم بھی میری بیوی ہو شہلا۔۔۔ میری عزت ہو۔۔۔ میری محبت بھی ہو۔۔۔ میں نے تمہیں بہت خواہش سے اپنایا ہے۔۔۔ میں بھی بھرپور اعتبار کرتا ہوں تم پہ۔۔۔ اعتبار بھی' اعتماد بھی۔۔۔ تم سے وفا کے سب ہی رشتے استوار کر لیے ہیں میں نے۔" شہلا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھے۔
"اس روز تمہیں گھبرایا ہوا دیکھ کر میرے دل میں یہ سوال اٹھا تھا شہلا کہ کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتیں؟ تمہارے انداز کہہ رہے تھے کہ تم مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئی ہو۔ ایسا کیوں تھا؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارے حوالے سے بھی کوئی غلط خیال میرے دماغ میں آ سکتا ہے؟ بولو۔"
شہلا چند لمحے خاموش رہی۔ اسے ہاشم کی نگاہ کی گہرائی کا اندازہ ہوا۔
"دیکھو شہلا۔۔۔ میں تمہارے ماضی سے بخوبی واقف ہوں۔ اس کے باوجود میں نے تمہیں اپنایا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں نے تمہیں تمہارے سب ہی حوالوں کے ساتھ قبول کیا ہے۔ تمہارے اور عمر کے ساتھ اس شخص کا نام وابستہ تھا۔ عمر کے ساتھ اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس تعلق کے حوالے سے تمہارا اس سے سامنا بھی ہو سکتا ہے' بات بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ خدانخواستہ تمہارے دل میں کوئی غلط خیال ہو۔۔۔ میں مر کر بھی یہ بات نہیں سوچ سکتا۔۔۔ تم میری جانب سے اپنا دل صاف کر لو۔۔۔ اور آئندہ ایسی کسی بھی سچویشن کو بولڈلی فیس کرو۔۔۔ تم میری بیوی ہو شہلا۔۔۔ میرا اعتماد ہو۔۔۔"
شہلا دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی۔
"از ڈاٹ کلیئر؟" وہ اس کی صورت دیکھ کر شرارت سے مسکرایا۔
"ہوں؟" وہ چونکی۔ "یس۔۔۔ آف کورس۔۔۔"

"جاگنا ہے یا سونے کے ارادے ہیں؟" اس کے انداز میں شرارت بڑھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں سونا چاہتی ہوں ہاشم۔۔۔ پلیز۔۔۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو۔"

"نیور مائنڈ۔" وہ اپنا تکیہ اٹھا کر قدرے دور ہوا۔ "یوں تو آپ جاگنا چاہتی ہیں لیکن اکیلے میں۔۔۔ چلیں جناب۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ شب بخیر۔"

وہ تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گیا۔ شہلا نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کر دی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہاشم نے درست کہا تھا۔ وہ جاگنا چاہتی تھی مگر تنہائی کے ساتھ، اسے مختلف باتوں پر غور کرنا تھا۔ اس کے ذہن میں بگولے سے پھر رہے تھے۔

ابرار کے اندازے اسے بے حد خوف زدہ کر چکے تھے۔ اس کے مقاصد اسے بے چین کر رہے تھے۔ اس کی بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔



رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر دیکھا۔ عاشر اپنے بستر پر موجود نہ تھا۔ اور اس کے موبائل کی بیپ بج رہی تھی۔ غالباً کوئی کال آ رہی تھی۔ عاشر نے موبائل کی آواز بے حد کم کی ہوئی تھی۔

ایقان اٹھ کر بیٹھ گئی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی جس کا مطلب وہاں عاشر کی موجودگی تھی۔ بیپ مسلسل بج رہی تھی۔ شاید عاشر کو پانی گرنے کی وجہ سے بپ سنائی نہیں دی تھی۔ ایقان نے ٹائم دیکھا، صبح کے چار بجے کا عمل تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا۔ روشن اسکرین پر "عنزا کالنگ" کے الفاظ چمک رہے تھے۔

"عنزا؟" اس کی نیند لمحہ بھر میں اڑن چھو ہو گئی۔

موبائل آن کر کے اس نے کان سے لگایا اور خاموش رہی۔

"عاشر۔۔۔ ڈیئر۔۔۔ ٹاک ٹو می۔۔۔ پلیز۔۔۔" لہجہ التجائیہ تھا۔

ایقان نے موبائل آف کر کے جگہ پر رکھا اور کسی چور کی طرح اپنے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔ واش روم سے عاشر نکلا تھا۔ وہ اپنی جگہ آ کر لیٹا پھر اس نے بازو بڑھا کر ایقان کو گھیرے میں لے لیا۔

ایقان کی بند، لرزتی پلکوں سے ایک موتی نکلا اور اس کے بالوں میں گم ہوا۔

"عنزا ناٹ یو؟" وہ لہجہ اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

یقین کے محل میں پہلی دراڑ پڑی تھی۔ اس کا وجود جیسے تیز ہوا کی زد میں تھا۔ عاشر کا بازو اسے آگ سے بنا محسوس ہونے لگا۔

باقی آئندہ شمارے میں

۲۳
تیئسویں قسط

بے حد رغبت سے سیب کا مربہ کھاتے ہوئے وہ بہت فریش اور قدرے خوش نظر آرہا تھا۔ ایقان نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھا۔ عاشر اس کی طرف بالکل متوجہ نہ تھا' وہ مربے کی شیشی میں چمچہ ڈال کر سیب کے ٹکڑے نکالتا اور منہ میں رکھ لیتا۔ ایقان چند لمحے اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس قدر بے فکری' خوش باشی' زندگی سے بھرپور انداز۔۔۔ جیسے کوئی غم کبھی چھو کر بھی نہ گزرا ہو۔ وہ اتنا خوش کیوں تھا؟ اس کے اردگرد سوالیہ نشان پھرنے لگے۔

"عاشر۔۔۔ ازاٹ یو؟" وہ لہجہ پھر اس کی سماعتوں میں سرسرانے لگا تھا۔

"عاشر۔۔۔ ڈ۔۔۔ پلیز ناک ٹو می۔۔۔" وہ التجائیہ انداز' اس کا دل چھیدنے لگا۔

"لزا۔۔۔ یہ لزا کون تھی؟ کیا عاشر اسے جانتا ہے؟ کیا وہ اس سے بات کرتا ہے؟ کیا وہ اس سے ملتا ہے؟" سوالوں کی ایک یلغار تھی جو اسے رات کے پچھلے پہر سے لے کر اب تک پریشان کر رہی تھی۔ عاشر نے مربے کا جار بند کرتے ہوئے نظریں اٹھائی تھیں پھر وہ ٹھٹک سا گیا۔

ہاتھ میں سلائس تھامے وہ بے حد عجیب سی نظروں سے اسے تکے جا رہی تھی۔ وہ اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ اسے ہاتھ میں موجود سلائس کی بھی خبر نہ تھی۔

عاشر نے مسکرا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ ایقان بری طرح سے چونکی پھر اس نے سلائس واپس پلیٹ میں رکھ دیا اور سامنے رکھی ٹھنڈی ہوتی چائے کا گھونٹ بھرنے لگی۔

"کیا بات ہے' کوئی ڈائٹنگ پلان چل رہا ہے؟" اس نے ایقان کی ناشتے میں عدم توجہی محسوس کی۔

"ہوں۔" وہ پھر چونکی۔

"کیا کہا؟"

عاشر نے ہاتھ بڑھا کر اس کے گال پر زور سے چٹکی بھری۔ وہ "سی" کر کے رہ گئی۔

"کیا ہے عاشر!" خلاف توقع وہ بیزاری سے کہتے ہوئے کھڑی ہوئی پھر وہ ناشتے کے برتن سمیٹنے لگی۔

عاشر نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر ان پر اپنا چہرہ رکھا اور بغور اسے دیکھنے لگا۔ بظاہر وہ برتن سمیٹ رہی تھی لیکن اس کے پورے وجود میں ایک اضطراب سا تھا۔ ایک بے کلی تھی جو محسوس ہوتی تھی۔ ایک تناؤ تھا جو اس کے انداز سے بھی جھلکتا تھا' اور چہرے سے بھی۔

"ایقان۔۔۔" عاشر نے اسے پکارا۔

"کہو۔" وہ کچن کی جانب جاتے جاتے رک گئی۔

"تم۔۔۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔"

ایقان نے مڑ کر نجانے کیسی نگاہوں سے اسے دیکھا' وہ گڑبڑا سا گیا پھر وہ کوئی بھی جواب دیے بغیر کچن میں چلی گئی۔ عاشر الجھنے لگا۔ چند لمحے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اس نے کچھ اندازے لگانے کی کوشش کی پھر اٹھ کر کچن میں چلا آیا۔ وہ ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ رہی تھی۔ عاشر آہستگی سے اس کی پشت پر جا کھڑا ہوا۔

ایقان چونکی۔ اس کے ہاتھ ٹھہر گئے۔

"کیا بات ہے ایقان۔۔۔" عاشر نے اپنا چہرہ اس کے بالوں پر رکھ دیا۔ "بیزار ہو گئی ہو مجھ سے' واپس چلا جاؤں؟"

"پاگل ہوئے ہو۔" وہ کھوکھلے سے لہجے میں بولی۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"جیسا تم سلوک کر رہی ہو....." وہ دھیرے سے بولا۔
"میں نے کیا کیا ہے عاشر؟"
"عدم توجہی کی مار مار رہی ہو اور پوچھتی ہو..... چلو بتاؤ۔" اس نے اس کا رخ اپنی جانب موڑا۔ "کیا بات پریشان کر رہی ہے تمہیں؟"
اس کے دونوں ہاتھ ایقان کے کاندھوں پر تھے۔ ایقان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ نجانے کیوں اسے محسوس ہوا کہ عاشر کے انداز میں بناوٹ کی پیوند کاری بھی تھی۔
"یہ لڑکا کون ہے؟" اس نے پوچھنا چاہا لیکن الفاظ اس کے لبوں تک آنے سے پہلے ہی تحلیل ہو گئے۔ جانے اس سوال کا کیا جواب آتا؟ اگر وہ یکلخت نظریں چرا لیتا..... اگر ایقان کے شانوں پر دھرے اس کے ہاتھ بے اختیار پھسل جاتے..... اگر وہ پھیکے سے انداز میں ایسی وضاحتیں دینے لگتا جو ایک ان دیکھے جھوٹ کا آئینہ معلوم ہوتیں..... پھر..... پھر کیا ہوتا؟ ایقان اپنی خوش فہمیوں سے اس قدر جلد دستبردار ہونا نہیں چاہتی تھی۔ ایک گہری سانس بھر کر اس نے پھر سے رخ موڑا اور چولہا جلانے لگی۔
"رات مجھے ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔ طبیعت مضمحل ہو رہی ہے۔ دل چاہ رہا ہے' جلد از جلد سب کام سمیٹ کر سو جاؤں۔"
"ہوں۔" عاشر نے چند لمحے اس کی بات پر غور کیا۔ "نیند کیوں نہیں آئی؟ کوئی پریشانی؟"
"کمال ہے عاشر۔" وہ زبردستی مسکرا دی۔ "مجھے بھلا کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے..... کہیں کوئی کمی نہیں ہے..... نہ زندگی میں..... نہ تمہاری..... محبت میں....." اب کی بار اس نے سوچ میں گم ہوتے عاشر کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ قدرے چونکا پھر مسکرایا۔
"چلو پھر ٹھیک ہے..... تم آرام کرو..... میں ذرا کام سے جا رہا ہوں' شام تک لوٹوں گا۔"
"کام سے؟" ایقان نے اسے دیکھا۔ "مثلاً کیا کام؟"
"چند ایک پرانے دوستوں سے ملوں گا..... سوچتا ہوں' واپس لوٹ کر جو کاروبار کرنا ہے' ابھی سے اس کی سمری تیار کر لوں..... اچھا ہے' یہ معلومات جمع ہوتی رہیں گی تو کام آئیں گی۔"
"ہوں۔" وہ بے دلی سے بولی۔ "ٹھیک ہے..... تازہ چائے تمہارے لیے ہی بنا رہی تھی..... اب پی کر جاؤ۔"
"نہیں یار..... تم پی لو..... مجھے تو ابھی نجانے کہاں کہاں چائے پینا ہوگی۔" وہ ایک بار پھر بے فکر اور خوش باش لگنے لگا تھا۔
"چلتا ہوں..... دروازہ بند کر لو۔" ایقان پر سوچ نگاہ لیے کچن کے دروازے پر ہی ایستادہ ہو گئی تھی۔
وہ آئینے میں خود کو بغور دیکھتے ہوئے سفید شرٹ کا کالر ٹھیک کر رہا تھا' جب اس کے پیچھے شہلا کا عکس نمودار ہوا۔ ہاشم کے لبوں پر خوشگوار مسکراہٹ جاگی۔ اس نے غور سے خود کو اور اسے ایک ساتھ دیکھا اور پھر مسکرایا۔ شہلا آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔
"صبح بخیر مادام!" وہ شگفتگی سے بولا۔
"ہاشم..... ایک بات کہنا تھی آپ سے....."
"ہوں ہوں' جتنی چاہے کہیے۔ آپ کے لیے تو ہم آفس سے لیٹ بھی ہو سکتے ہیں۔"
"اس کی ضرورت نہیں۔" شہلا مسکرا دی۔ "میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ میں نے جتنی چھٹیاں لی تھیں' وہ ختم ہو چکی ہیں..... میں اب ہسپتال جایا کروں گی۔"
"ضرور جائیے۔" وہ خوش دلی سے بولا۔
شہلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی جیسے اسے کسی بات کے کہنے سے جھجک سی تھی پھر وہ دھیرے سے بولی۔

"امی سے آپ بات کر لیجیے گا... وہ سمجھ رہی ہیں کہ میں جاب مستقلاً" چھوڑ چکی ہوں... میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے..."

ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے ہاشم کے ہاتھ رک گئے تھے۔ اس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے تذبذب ابھرا تھا۔

"شملا... تم امی کو مناسب الفاظ میں یہ وضاحت کرو کہ تم چھٹیوں پر تھیں... میرا خیال ہے میرا اس سلسلے میں کچھ کہنا غیر مناسب ہو گا... ہاں پھر اگر وہ کوئی نکتہ اعتراض اٹھاتی ہیں تو میں انہیں سمجھا لوں گا... یا ایسا کرو... ماہین بھی آئی ہوئی ہے... اس سے تذکرہ کر دو... امی خود سمجھ جائیں گی... کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کر لیتے ہیں۔" وہ آمادہ ہو گئی۔ "میں ماہین سے بات کر لوں گی۔ ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" وہ اب بریف کیس میں رکھی فائلیں چیک کر رہا تھا۔

"میں کچھ دن کے لیے عمر کو اپنے پاس لے آؤں؟"

ہاشم چونکا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے اس سوال کا جواب نہ دے پایا۔ چند تنبیہی جملے اس کی یادداشت سے ٹکرائے تھے۔

"اس گھر میں صرف ہماری نسل پروان چڑھے گی۔"

"لوگ کیا کہیں گے... بہو کے ساتھ پوتا بھی ملا ہے۔"

شملا اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی' ہاشم چونک کر خود پر قابو پانے لگا۔

"آں... ہاں... ٹھیک ہے... ہم چلیں گے ان سب سے ملنے تو... عمر کو بھی لے آئیں گے... کچھ دن ہمارے ساتھ رہ لے گا..."

"کچھ دن۔" شملا کے دل میں پن سی چبھی۔

اس نے قدرے بے اعتباری سے ہاشم کا چہرہ دیکھا۔ ہاشم اس کی کیفیات سے بے خبر بریف کیس بند کر رہا تھا۔ پھر اس نے مسکرا کر شملا کو دیکھا اور اس کے قریب آ کر اس کا گال تھپتھپایا۔

"میں اب چلوں' شام کو ملتے ہیں۔"

اس نے بے دلی سے سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

"ایم اے کی کلاسز اسٹارٹ ہو چکی ہیں پھر بھی تم فکر مت کرو' میری کچھ جان پہچان ہے' تمہارا ایڈمیشن کروا دوں گا۔ ہاں یہ ہے کہ یونیورسٹی میں اب ایڈمیشن مشکل ہے۔ کالج سے ماسٹرز کر لو' کیا خیال ہے؟"

ربیعہ نے چونک کر عباد کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"میرے لیے پڑھائی اہم ہے عباد بھائی! یونیورسٹی یا کالج نہیں۔ آپ مجھے فارم اور پراسپکٹس وغیرہ لا دیں تاکہ یہ مراحل جلد سے جلد طے ہو جائیں۔"

"یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "یہ سارے کام کل ہی ہو جائیں گے۔ تمہارے پاس تمہارے ضروری ڈاکومنٹس تو ہیں نا؟"

"جی ہاں... میں انتہائی عجلت میں بھی اپنی فائل لینا نہیں بھولی تھی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ پردۂ ذہن پر چند مناظر پھر گئے تھے' اس کا دل اداس ہوا۔

"شملا آپی کے سسرال سے بھی کافی لڑکیاں کالج جاتی ہیں۔" عباد بولا۔ "تمہیں وہاں سے اچھی خاصی ہیلپ مل سکتی ہے۔ تم یوں کرو کہ انیقہ کے ساتھ شام کو شملا آپی سے ملنے چلی جاؤ۔ ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور

ضروری انفارمیشن بھی مل جائے گی۔"

"کیسی انفارمیشن درکار ہے جناب کو..." انیقہ چائے کی ٹرے اٹھا کر کمرے میں آ رہی تھی۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ "وہ بھی شملا آپی کے سسرال سے... خیر تو ہے؟" وہ جھک کر چائے میز پر رکھنے لگی تو عباد نے اس کا کان پکڑ لیا۔

"تمہاری کھوپڑی الٹی فٹ ہے' اس لیے تمہارے سوچیں بھی الٹی سمت میں سفر کرتی ہیں۔"

"پھر اس میں میرا کیا قصور ہے' میرا تو کان چھوڑیں۔" وہ کراہی۔

"جلدی سے ڈاکٹر بن جاؤ تو تمہارا بھی کچھ علاج کریں۔" انیقہ زور سے ہنس دی۔

"لیجیے... ڈاکٹر بنوں میں... اور علاج کریں آپ... یہ تو لطیفہ ہو گیا اور مجھے آپ کہہ رہے ہیں کہ میری سوچیں الٹی سمت میں سفر کرتی ہیں۔ واہ... واہ... اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا..."

"بہت نیک خیال ہے..." وہ اطمینان سے پیر پھیلا کر بولا۔ "چلو چائے بناؤ۔"

"یہ کام ربیعہ کرے گی..." وہ مزے سے کشن گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

ربیعہ دونوں بہن بھائی کی نوک جھونک مزے سے سن رہی تھی' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میز کے قریب آ بیٹھی اور چائے بنانے لگی۔

"ربیعہ... اتنے دن ہو گئے..." انیقہ نے کہا۔ "تم نے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا' اپنی فیملی کے بارے میں... اپنا بیک گراؤنڈ... ماں باپ' بہن بھائی۔"

ربیعہ کا دل دھڑکا' ہاتھ کانپا' چائے کپ سے چھلک کر ساسر میں گری۔ وہ عباد کو چائے پکڑا رہی تھی۔

"ربیعہ کے ماں باپ حیات نہیں ہیں۔" عباد چائے کا کپ تھامتے ہوئے سکون اور اطمینان سے بولا۔ "اس کا ایک ہی بھائی ہے جو میرا بہت اچھا دوست ہے۔ جاب کے سلسلے میں اسے ملک سے باہر جانا پڑ گیا۔ چند لالچی رشتہ داروں کے خوف سے وہ ربیعہ کی ذمہ داری میرے سپرد کر گیا ہے اور اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں... ہم جو ہیں۔" منیزہ بیگم اندر داخل ہوتے ہوئے مسکرائیں۔ "ایسا کیوں کہتے ہو کہ اس کا کوئی نہیں ہے' میں اس کی ماں ہوں۔ انیقہ اور شملا اس کی بہنیں ہیں۔" انہوں نے ربیعہ کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ ربیعہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ منیزہ بیگم کے وجود سے اٹھتی خوشبو اسے بہت اپنی' بہت مسحور کن محسوس ہوئی۔ اس نے بے اختیار ہی اپنے بازو ان کے گرد حمائل کر لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا... وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا۔"

مدھر آواز میں غزل کے دلکش بول کمرے کی خاموشی میں گونج رہے تھے۔ ناعمہ کمرے میں داخل ہوئی تو ٹھٹک کر رک گئی۔

عریشہ بستر پر دراز تھی۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے' آنکھیں بند کیے وہ کسی لاش کی مانند ساکت لگ رہی تھی۔ چند دنوں میں اس کا وجود جیسے برف کی طرح سے گھلا تھا۔ چہرہ جو کبھی شگفتہ گلاب کی مانند تھا' بے رونق اور زرد ہو رہا تھا۔ آنکھیں گڑھوں میں دھنسی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

ناعمہ کو اس پر بے حد ترس آیا اور اس سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔ وہ اس کے قریب آ بیٹھی۔ آہٹ محسوس کر کے عریشہ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چند لمحے ناعمہ کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے ریموٹ سے سی ڈی پلیئر آف کر دیا۔

"عریشہ... کیسی ہو۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"ٹھیک ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"اتنے دن ہوگئے' تم تو اب ملنے آتی ہی نہیں ہو۔ خود کو قید کر لیا ہے تم نے اس کمرے میں۔ ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔"
عریشہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر اداسی سے مسکرائی۔ ایک قطرہ اس کی آنکھوں سے نکل کر بالوں میں گم ہو گیا۔
"بیمار تو... ہو گئی ہوں ناعمہ... شاید ہمیشہ کے لیے..."
"ایسا کیوں کہتی ہو' خدا نہ کرے جو ہمیشہ کے لیے بیمار پڑو تم۔" ناعمہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ اسے دھچکا سا لگا۔ اس کا ہاتھ ہڈیوں سے بنا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
"ایک بات پوچھوں تم سے۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔
"کون سی نئی بات ہے پوچھنے کو ناعمہ!" وہ بے دلی سے بولی۔ "کیا جان لو گی تم؟"
"تمہیں نافع پسند نہیں ہے؟" وہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی۔
عریشہ تلخی سے ہنس دی۔ اس کے چہرے پر تنفر پھیل گیا تھا۔
"اب ان باتوں سے کیا فائدہ' مردے کو دفنا کر پوچھنا کہ تمہیں قبر پسند آئی یا نہیں۔ عجب لاحاصل سوال ہے ناعمہ!"
ناعمہ خوف اور وحشت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ اسے عریشہ واقعی ایک مردے کی مانند محسوس ہوئی۔ سرد اور بے جان۔
"عریشہ!" وہ ایک مرتبہ پھر ہمت کر کے بولی۔ "تم نے ایک چھوٹی سی بات کو خود پر سوار کر لیا ہے۔ باہر نکلو' ہنسو بولو تو تمہاری یہ بے سکونی کچھ کم ہو۔ ماحول بدلنے سے خیالات پر بہت اثر پڑتا ہے عریشہ!"
"مجھے اب کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔" اس نے آنکھیں موند لیں۔ "اب تم جاؤ ناعمہ! میرے پاس بیٹھنے سے تمہیں ضرور فرق پڑے گا۔ کہیں تم میں سے بھی کافور کی بو نہ آنے لگے۔"
ناعمہ سُن سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ عریشہ نے پھر آنکھیں نہیں کھولیں۔ ناعمہ اٹھ کر مرے مرے قدموں سے دروازے کی سمت بڑھ گئی۔



"ہوں۔"
وردہ متفکر ہو کر کچھ سوچنے لگی تھی۔
"میں سچ کہہ رہی ہوں وردہ آپی! وہ... وہ مر جائے گی... وہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس نے خود کو ایک مردہ تصور کر لیا ہے اور اس کے اندر یہ یقین پختہ ہوتا جا رہا ہے۔"
ناعمہ اسے لفظ بہ لفظ ساری کہانی سنا کر بیٹھی تھی۔ دونوں بہنیں حقیقتاً پریشان ہو گئی تھیں۔
"کیا کیا جائے۔" وردہ سوچ رہی تھی۔ "اب کیا ہو سکتا ہے' فاروق ماموں نے بہت عجلت دکھائی ہے فیصلہ سنانے میں۔ لڑکیاں بھی جیتی جاگتی مخلوق ہیں۔ وہ بھی جذبات و احساسات رکھتی ہیں' ان کی بھی پسند ناپسند ہو سکتی ہے۔ اگر اسے نافع پسند نہیں تھا تو بڑوں کو اس بات کو سمجھنا چاہیے تھا۔ انہوں نے تو اسے انا کا مسئلہ بنا لیا۔ مجھے لگتا ہے ناعمہ! عریشہ کے ساتھ زیادتی ہو گئی ہے۔ وہ اتنی زیادہ حساس ہے' اس کا کسی کو اندازہ نہ ہو سکا۔" ناعمہ

نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایک بات تو بتاؤ۔" وردہ نے ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم عریشہ اور ثانیہ تو ایک دوسرے کی ہم راز و دمساز تھیں۔ اس نے کبھی کسی اور کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا؟ کیا کبھی تم نے محسوس کیا کہ وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے؟"

"نہیں۔" ناعمہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "کبھی بھی نہیں۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور ہم سے ذکر کرتی۔"

"ہوں۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا پھر "تو سارا مسئلہ بس یہی ہے کہ وہ نافع کو شدت سے رد کر رہی ہے۔ اتنی زیادہ شدت سے کہ اس کی اپنی ہستی مٹتی جارہی ہے اور اسے یا کسی اور کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے۔"

"ہم اس کے لیے کیا کرسکتے ہیں اپیا؟" ناعمہ نے تاسف کے احساس میں گھر کر پوچھا پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا۔

"آپ.... آپ.... رافع بھائی سے بات کریں نا۔" وردہ نے اسے بری طرح گھورا۔

"پاگل ہوئی ہو' میں رافع سے کیوں بات کروں۔ بات کرنا ہوئی تو میں ڈائریکٹ نافع سے کروں گی۔ تمہارا دماغ بھی نجانے کہاں سے کوڑیاں لاتا ہے۔"

وہ بڑبڑانے لگی تھی۔ ناعمہ کے لب شرارت سے مسکرا اٹھے۔ اس نے پیار سے بسن کی جانب دیکھا تھا۔



یہ سپیدی افق سے اُتری ہے
یا تری مرمریں پیشانی سے
یہ کرن آسماں سے ٹوٹی ہے یا پھر
تیری مسکان کی ضوفشانی سے
دل کے جذبوں نے بولنا سیکھا
تیری نظروں کی مہربانی سے

وہ سادہ صفحے پر رقم الفاظ کو تک رہا تھا۔ عجب آرزوئیں تھیں جو شہر تمنا میں نمو پانے لگی تھیں۔ رافع نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں سختی سے بند کرلیں۔

"یار رافع!" اس کے کانوں میں ہاشم کے الفاظ گونجے تھے۔ "خدا کرے تجھے بھی کسی سے محبت ہوجائے۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ بے چینی حد سے سوا ہونے لگی تھی۔ کھڑکی کے کھلے پٹ سے کاسنی بیل جھک جھک کر اندر جھانکنے لگی تھی۔ رافع کا دل چاہا' وہ بھاگے.... بھاگتا جائے.... اتنا بھاگے کہ تھک کر چور ہوجائے۔ ٹوٹے ہوئے تھکے ہارے وجود میں صرف ایک دھڑکتے دل کی آواز ہو اور ہر آواز معدوم ہوجائے' ہر خیال پس پشت چلا جائے۔ ہر احساس ختم ہوجائے۔ صرف.... صرف ایک احساس کے سوا' وہ ہر بات بھلا ڈالنا چاہتا تھا لیکن.... لیکن کیا ایسا ممکن تھا۔

"کون ہو تم۔" اس نے سختی سے آنکھیں میچیں۔ "کہاں سے آئی ہو' کیوں آئی ہو؟ کیا ملا تمہیں کسی کی پرسکون دنیا کو بے سکون کرکے.... کیا پایا.... بولو.... جواب دو....." ذہن کے افق پر ایک مرمریں وجود کی مسکراتی شبیہ نمودار ہوئی۔

"ہار سنگھار کے پھولوں سی لڑکی! لوٹ جاؤ' جہاں سے آئی ہو۔ میں نہیں چاہتا میرے گلاب جذبوں کی خوشبو تم تک پہنچے اور.... اور تم بھی میری طرح بے سکون ہوجاؤ۔ میں نہیں چاہتا.... لوٹ جاؤ.... لوٹ جاؤ۔"



"میری چھٹیاں بھی ختم ہو چکی ہیں۔" اس نے سلاد کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے بظاہر عام سے انداز میں کہا۔ "میں بھی کل یا پرسوں سے جوائن کروں گی۔"

کھانا کھاتے فردوس بیگم کے ہاتھ رک گئے۔ ان کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ شہلا ان کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی پھر بھی اس نے ان شکنوں کو محسوس کر لیا۔ منہ میں نوالہ ڈالتی ماہین کے ہاتھ بھی سست ہو گئے۔

"ابھی سے... ابھی سے بھابھی!" پھر وہ بولی۔ "ابھی تو ہم نے اپنے چاؤ بھی پورے نہیں کیے۔"

"اے ہاں... کیسے چاؤ۔" فردوس بیگم نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی روٹی ہاٹ پاٹ میں رکھ دی۔ "ہم نے تو پہلے دن ہی ہر چاؤ چونچلے سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ جیسے چاہو کرو۔ ہم بے چارے نہ لینے میں نہ دینے میں۔"

"امی!" ماہین نے ماں کو تنبیہہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

شہلا خفیف سی ہو گئی۔ اس نے ایک نظر سب ہی پر ڈالی۔ مردہ دلی سے ٹونگتی ہوئی عریشہ نے تو گویا اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔ حمزہ ماں کے انداز پر بے حد شرمندہ ہو کر ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گیا تھا۔ ماہین چور بنی بیٹھی رہ گئی تھی۔ ماحول میں عجیب سی ناگواری گھل گئی تھی۔

"ماہین!" شہلا نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ "کیا بات ہے... کیا امی جان کو میرا نوکری کرنا پسند نہیں ہے؟ دیکھو ماہین! میں تمہیں ایک بات بتاؤں... مجھے اس بات سے بے حد خوف محسوس ہو رہا ہے کیونکہ... کیونکہ..."

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ جھجک آڑے آ گئی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے پہلے تعلق کے بارے میں بات نہ کر پائی۔ ہر چند کہ وہ ماہین کو بتانا چاہتی تھی کہ اس کا پہلا تعلق ختم ہونے کے پیچھے بھی ایسی معمولی بات کا ہاتھ تھا۔

"آپ دل پر نہ لیں بھابھی!" ماہین دبے دبے انداز میں بولی۔ "امی کی تو عادت ہے ذرا ذرا سی بات پر موڈ خراب کرنے کی پھر خود ہی ٹھیک بھی ہو جاتی ہیں پھر اصل بات تو ہاشم بھائی کی اجازت کی ہے۔ اگر وہ راضی ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے برتن سمیٹنے کے بہانے اٹھ کھڑی ہوئی۔ شہلا سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسے اپنا میکہ اور اس کا بے حد پرسکون ماحول ٹوٹ کر یاد آیا پھر وہ ایک گہری سانس بھر کر کھڑی ہو گئی۔



گاڑی گرلز کالج کے باہر کھڑی ہوئی تھی۔ فریحہ نے جوس کا خالی ڈبہ باہر پھینکا اور بھائی کی جانب دیکھا۔ وہ ہونٹ بھینچے نجانے کس سوچ میں گم تھا۔ سن گلاسز کے پیچھے چھپی آنکھیں اپنا بھید چھپانے میں کامیاب تھیں۔ فریحہ نے اس کے تاثرات دیکھے اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ وہ کاندھے اچکا کر کالج کا گیٹ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔

تب ہی گھڑی کی سوئیوں نے ایک بجنے کا اعلان کیا۔ چند لمحوں میں بڑا آہنی گیٹ وا ہوا تھا۔ لڑکیاں جوق در جوق باہر نکلنے لگیں۔ آپس میں باتیں کرتی' ایک دوسرے کو ہاتھ ہلاتی' خدا حافظ کہتی' بے فکر لڑکیاں ہنستی کھلکھلاتی گھروں کو جانے کی عجلت میں تھیں۔

"وہ..." فراز نے فریحہ کو مخاطب کیا۔ "وہ سامنے... جس کے ہاتھ میں دو کتابیں ہیں اور کاندھے پر بلیک بیگ..."

فریحہ نے جلدی جلدی گاڑی کے قریب سے گزرتی لڑکی کا مشاہدہ کیا اور مسکرائی۔

"گڈ... پسند تو اچھی ہے آپ کی۔" فراز نے گہری سانس بھر کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"یاد رکھو گی نا۔"

"بالکل۔" وہ یقین سے بولی۔

"مجھے اس نے اپنا نام غلط بتایا تھا۔ شہلا آپی کی شادی میں علم ہوا کہ اس کا نام ناعمہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی۔ "میں بالکل غلطی نہیں کروں گی۔ ویسے کیوں نہ اسے گھر تک ڈراپ کر دیں؟"

فراز نے ایک نظر بہن پر ڈالی اور زخمی سے انداز میں مسکرا دیا۔

"غلطی بار بار نہیں دہراتے۔" وہ بولا تھا۔

پھر اس نے گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ فریحہ نے نا سمجھی سے کاندھے اچکا دیے۔



"ہم اندر آ سکتے ہیں؟" شہلا نے جالی کا دروازہ کھول کر اندر جھانک کر پوچھا۔

کروشیہ سے بیل بناتی رابعہ بیگم نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں اور ایک دم پُرجوش ہو گئیں۔

"زہے نصیب..... زہے نصیب....." وہ والہانہ انداز میں اٹھیں۔ "یہ آج چاند کہاں سے نکل آیا۔ وہ بھی ہمارے گھر میں..... آؤ آؤ نا۔"

شہلا مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔ اس کی ہمراہی میں انیقہ اور ربیعہ بھی تھیں۔ وہ آپس میں سلام دعا کرنے لگیں۔ ان کی آوازیں سن کر اندر سے وردہ اور ناعمہ بھی نکل آئیں۔

"شکر ہے..... آپ کو ہمارا خیال تو آیا۔" ناعمہ نے شہلا کے گلے لگ کر جھٹ شکوہ کیا۔ وردہ اسے آنکھیں دکھانے لگی۔ انیقہ اور ربیعہ مسکرا دیں۔

وردہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ انہیں بٹھا کر وہ خود باہر نکل گئی تھی۔

"واہ بھئی..... بہت ذوق و شوق سے سنوارا ہے گھر۔" شہلا نے خوبصورتی سے سجے ہوئے در و دیوار کو دلچسپی سے دیکھا۔

"یہ سب وردہ کا کمال ہے۔" رابعہ بیگم مسکرائیں۔ "گھر کو سجانے بنانے کا جنون ہے اسے۔ کتنے ہی کورسز کر ڈالے ہیں اسی چکر میں۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ بناتی ہی رہتی ہے۔"

"اور ناعمہ....." شہلا نے بھرے بھرے چہرے والی گلابی لڑکی کو شوق سے دیکھا۔ رابعہ بیگم نے آہ سے مشابہ سانس بھری تھی جو اس کے استفسار کا خوب جواب تھی۔ ناعمہ شرمندگی سے مزید سرخ ہوئی۔ انیقہ اور ربیعہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"ہاں تو یہ چھوٹی بھی تو ہے نا۔" شہلا بول اٹھی۔ "چھوٹی بیٹیاں لاڈلی زیادہ ہوتی ہیں نا۔"

"کوئی نہیں ایسا....." انیقہ نے احتجاج کیا۔ "میں چھوٹی ہوں لیکن امی آپ کو زیادہ چاہتی ہیں۔ مجھے تو ڈانٹتی ہی رہتی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" ناعمہ جھٹ سے بولی۔ "گھر میں سب سے زیادہ ڈانٹ میں ہی کھاتی ہوں۔ کہاں کا لاڈ، کیسا لاڈ۔ سارے نمبر تو یہ وردہ آپی لے جاتی ہیں۔" ایک بار پھر سب اس کے احتجاج پر ہنس دیے۔

"وردہ میری سب سے پیاری اور نیک بچی ہے۔" رابعہ بیگم کے لہجے میں سچی محبت بول رہی تھی۔ "میرا سب سے زیادہ خیال کرنے والی، سلیقہ مند اور سمجھ دار۔ یہ ناعمہ تو ابھی بچپن سے ہی نہیں نکلی۔"

وردہ چائے کی ٹرے اٹھا کر اندر داخل ہوئی۔ چائے کے ہمراہ پائن ایپل کیک اور شامی کباب بھی تھے۔ ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ کر وہ سب کو سرو کرنے لگی۔

"مجھے تو یہ کباب اور کیک بھی وردہ کے ہاتھوں کا کمال لگتے ہیں۔" شہلا نے کہا۔
"اسی نے بنائے ہیں۔" رابعہ بیگم مسکرائیں۔
"وردہ!" شہلا نے کباب کا پیس منہ میں رکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "ربیعہ بھی دراصل تم ہی سے ملنے آئی ہے۔ تم ماسٹرز کر رہی ہو نا؟"
"جی ہاں' سوشیالوجی میں۔"
"ربیعہ بھی ایڈمیشن لے رہی ہے۔ یہ تم سے کچھ مشورہ وغیرہ کرنا چاہتی ہے۔"
"ضرور۔" وہ مسکرائی۔ "میرا ہی سبجیکٹ لے لو تو ہم دونوں کو بہت آسانی ہو جائے گی۔ ویسے میں تمہیں سارے سبجیکٹس کے متعلق تھوڑا بہت گائیڈ کر دوں گی۔ تم اپنی مرضی سے سلیکشن کر لینا۔"
"یہ ٹھیک ہے۔" ربیعہ نے سر ہلایا۔
"آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں بکس وغیرہ دکھاتی ہوں۔" وردہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ربیعہ بھی اس کے ہمراہ اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔
"بہت پیاری بچی ہے۔ ماشاءاللہ۔" رابعہ بیگم اس کے جانے کے بعد بولیں۔ "تم لوگوں کی رشتہ دار ہے؟ شادی سے پہلے اس بچی کو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"
"رشتہ دار ہی سمجھیے۔" شہلا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ "ابھی کچھ عرصہ ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔"
"پڑھائی کی غرض سے آئی ہوگی۔" وہ پر خیال انداز میں بولی تھیں۔
"جی!" انہوں نے مختصراً" کہا۔

"بس تو پھر طے ہو گیا' میں سوشیالوجی ہی سلیکٹ کر لیتی ہوں۔ اچھا مضمون ہے۔" ربیعہ کتابیں اور سلیبس وغیرہ دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی۔ وردہ خوش ہو گئی۔
"چلو پھر تو بہت اچھا ہو گا' ہم دونوں ساتھ ہی کالج آیا جایا کریں گے۔ نوٹس وغیرہ بنانے میں بھی سہولت رہے گی اور ویسے بھی مجھے تم اچھی بھی لگتی ہیں۔ جی چاہتا تھا تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنے کو' تمہیں قریب سے دیکھنے کو۔" وردہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ربیعہ حیران ہی رہ گئی۔
"اچھا۔۔۔۔ تو تم نے کبھی مخاطب بھی نہیں کیا مجھے۔"
"تمہارا رعب حسن تھا نا۔" وردہ ہنس دی۔
ربیعہ بھی قدرے شرمندگی سے مسکرا دی۔
"مجھے اپنی تعریف بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"
"انگیجڈ ہو؟" وردہ نے دلچسپی سے پوچھا۔
"ارے نہیں۔" ربیعہ ہنس پڑی۔ "اور کوئی ارادہ بھی نہیں۔"
"وہ کیوں؟" اسے حیرت ہوئی۔
"بس۔" ربیعہ اداس سی ہو گئی۔ "کوئی وجہ تو نہیں پھر بھی۔"
"کبھی کوئی اچھا نہیں لگا' اس لیے؟"
ربیعہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی۔ دریچہ خیال پر دو چمکتی شناسا' مہربان نگاہیں ابھری تھیں۔ وہ مسکراتے

لب۔۔۔ خاموش مگر ہمہ وقت کچھ کہتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ وہ خاموش مہربان تبسم دل کو اچھا لگا تھا۔ نجانے کیوں اس وقت وردہ کے سوال پر ربیعہ کے ذہن میں اس نگاہ کا ہر لمحہ پھر گیا۔
وردہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی جیسے کچھ سمجھ کر مسکرا دی۔



"آپ کی امی کو میرا فیصلہ پسند نہیں آیا۔" چہرے پر کلینزنگ کریم ملتے ہوئے اس نے عام سے انداز میں کہا۔ ویکلی میگزین کی ورق گردانی کرتا ہوا ہاشم قدرے چونک اٹھا۔ اس نے چند لمحے اس کے لہجے اور بات پر غور کیا پھر محتاط سے انداز میں بولا تھا۔
"امی کی پسند ناپسند سے اتنا فرق نہیں پڑتا شہلا! میں بارہا تمہیں کہہ چکا ہوں، تمہیں میرا اور مجھے تمہارا اعتبار ہونا چاہیے۔ جب میں تمہیں اجازت دے چکا ہوں پھر تمہیں کسی اور کی اجازت درکار تو نہیں ہونا چاہیے اور امی کی نیچر تم کسی حد تک تو سمجھتی ہی ہوگی۔ مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں ہے۔"
"فرق کیوں نہیں پڑتا ہاشم!" وہ کاٹن بال سے چہرہ صاف کرنے لگی۔ "ایک گھر میں رہتے ہوئے ان باتوں سے فرق تو پڑتا ہے۔ خیر میں مینیج کرلوں گی۔ آپ میرے ساتھ ہیں تو میں مطمئن ہوں۔"
"میں تو کب سے آپ کے ساتھ ہوں محترمہ!" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر میگزین بند کیا۔ "آپ دھیان ہی نہیں دے رہیں۔ اب تو مایوس ہو کر سوچتا ہوں، رافع سے گپ شپ لگا آؤں۔"
"ضرور۔" وہ مسکرائی۔ "میں نے آپ کو کبھی روکا تو نہیں۔"
"کاش!" اس نے آہ بھری۔
"آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" شہلا کو حیرانی ہوئی۔
"روک لو اگر چاہو تو۔" وہ شرارت سے ہنسا۔
شہلا جھینپ گئی تھی۔ ہاشم مسکراتا ہوا باہر کی سمت بڑھ گیا۔



"یا حضرت۔" رافع نے اسے حیرانی سے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ "یہ واقعی آپ کی سواری باد بہاری ہے یا پھر میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔"
"ابے۔۔۔" ہاشم نے شرمندہ ہوتے ہوئے اسے ایک دھپ سے نوازا۔ "تجھ پر بھی یہ اچھا وقت آئے گا، بے فکر رہ۔"
"آہ۔۔۔" رافع نے مصنوعی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "یار ہاشم! اچھی دعائیں دیا کر یار! مجھے لگتا ہے تیری زبان اچھی بھلی کالی ہے۔"
ہاشم نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ رافع آنکھیں موند کر دھیمے سُروں میں کچھ گنگنانے لگا۔
"یہ جو ایک اچھی سی لڑکی ہے 'ربیعہ'!" ہاشم بولا۔
رافع نے اس قدر بے اختیار آنکھیں کھولیں کہ ہاشم کا دل "حقیقتاً" زور سے دھڑکا۔
"یار رافع! سنبھل کر میرے بھائی۔" وہ "حقیقتاً" پریشان ہوا۔
رافع کے لبوں پر جھینپی جھینپی ــــ سی مسکراہٹ در آئی تھی۔
"یونہی۔۔۔ خوامخواہ۔۔۔ ہواؤں میں تیر!" وہ سر جھٹک کر بولا۔
"تیر تو ہواؤں میں ہی چھوڑے جاتے ہیں دوست۔۔۔ تب ہی نشانے پر لگتے ہیں۔۔۔" ہاشم کے لہجے میں یقین

بھی تھا' بے یقینی بھی۔ ''میں تیرا دوست ہوں رافع۔۔۔ تیرا ہمدم' ہم نفس۔۔۔ تو مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

رافع سر جھکا کر اپنی ہتھیلیاں مسلنے لگا' پھر اس نے سر اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

''میں خود اس سے بھی جھوٹ بولنے کی سعی پیہم میں مصروف ہوں دوست۔۔۔ پر کامیابی ہوتی نظر نہیں آتی تو بڑا ظالم دوست ہے ہاشم۔۔۔ تو نے مجھے بہت بددعائیں دی ہیں۔''

''اوہ۔۔۔'' ہاشم جیسے بالکل ہی بیٹھ گیا تھا۔ ''آئی۔۔۔ آئی ایم سوری رافع۔۔۔ کیا خبر تھی۔۔۔ اوہ۔۔۔ آئی ایم رئیلی سوری۔''



''چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' ایقان نے اسکول سے آئے ہوئے مومن کو ہدایت دی تھی۔

''حمزہ بھائی آرہے ہیں ہمیں لینے۔ ہم نانی امی کے گھر چل رہے ہیں۔'' وہ خود ایمان کو شوز پہنا رہی تھی۔

''ہرّے۔۔۔'' مومن نے نعرہ لگایا۔ ''ہم وہاں رہیں گے نا مما؟''

''ہاں۔۔۔ آج رات رہیں گے۔۔۔ کل واپس آجائیں گے۔۔۔'' وہ اب ایمان کی پونیاں بنانے لگی۔

''اتنی جلدی۔۔۔'' اس نے منہ بسورا۔ ''مجھے عمر کے ساتھ کھیلنا ہے بہت سارا۔''

''بیٹا! آپ کی چھٹیاں تو نہیں ہیں پھر پیا آئے ہوئے ہیں آپ کے۔۔۔ وہ کیا نہیں گے۔''

''پپا کتنے دن بعد واپس جائیں گے مما؟'' ایقان نے ٹھہر کر اسے دیکھا اور گہری سانس بھری۔

''پتا نہیں۔'' وہ قدرے خفگی سے بولی۔ ''آپ کپڑے چینج کر لو' جلدی۔''

وہ اچھلتا کودتا اندر چلا گیا۔ ایمان کو تیار کر کے اب وہ خود بال بنا رہی تھی۔ جب ڈور بیل بجی۔ باہر حسب توقع حمزہ ہی تھا۔ اپنے لاابالی انداز میں ایمان کو کاندھے پر چڑھائے وہ اندر چلا آیا۔

''چلیں پھپھو؟''

''ہاں چلو' ہم لوگ تیار ہیں بالکل۔''

''اور پھپھا حضور۔۔۔ وہ کہاں ہیں؟''

''کچھ خبر نہیں ملتی ان کی۔'' وہ جلے بھنے سے انداز میں بولی۔ ''کبھی بالکل فارغ' کبھی بے حد مصروف۔ سنا ہے آج کل کسی بزنس وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر گھر سے باہر ہی پائے جاتے ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے سر ہلایا اور فریج کھول کر کوئی کام کی چیز تلاش کرنے لگا۔ ''میں نے انہیں چند دن پہلے دیکھا تھا' ایک فارنر لڑکی کے ساتھ آئس کریم پارلر پر۔ شاید بزنس وغیرہ کے سلسلے میں مصروف تھے۔''

ایقان جہاں تھی' وہیں کھڑی رہ گئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے بے اعتباری سے حمزہ کی جانب دیکھا کہ شاید وہ مذاق کر رہا ہو لیکن وہ اپنی بات پوری کر کے اب سنجیدگی سے مٹھائی کے ڈبے پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

''تم نے۔۔۔ تم نے۔۔۔ عاشر کو دیکھا تھا۔۔۔ آئس کریم پارلر پر۔۔۔'' وہ بے اعتباری سے بولی۔ ''کب؟ کب کی بات کر رہے ہو؟''

''اوں۔۔۔'' اس نے سوچا۔ ''شاید پرسوں کی بات ہے۔ پرسوں رات کی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ یقیناً میں اسی دن رہبر کے ساتھ نکلا تھا۔''

''پرسوں۔۔۔'' ایقان نے کھوئے کھوئے انداز میں سوچا۔

اس روز عاشر رات بہت دیر سے لوٹا تھا اور ایقان کے استفسار پر اس نے ایک دوست کے ہاں دعوت کا ذکر کیا تھا۔

''چلیں پھپھو۔۔۔'' حمزہ نے قدرے اکتا کر کہا۔ ''مجھے دیر ہو جائے گی۔ میری شام کی کلاسز ہیں۔''

''آں۔۔۔'' وہ چونکی۔ ''ہاں چلو۔''

خود پر قابو پانا اس وقت دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔ بدقت تمام اس نے بیگ شانے سے لٹکایا۔ اس وقت اس کا اپنا جی کسی کے شانے سے لگ کر آنسو بہانے کو چاہ رہا تھا۔

''ایک فارنر لڑکی کے ساتھ۔۔۔ آئس کریم پارلر پہ۔۔۔'' حمزہ کے الفاظ اس کا دل کاٹ رہے تھے۔

''لزا کالنگ۔۔۔'' عاشر کے موبائل کی اسکرین اس کے ذہن پر روشن تھی۔



''اوکے۔۔۔ میں اب چلوں گا۔'' کافی کا خالی مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ لزا نے الماری کے پٹ بند کرتے ہوئے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

''آج یہیں رک جاؤ۔'' وہ اس کے قریب چلی آئی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔'' وہ برش سے بال سنوارنے لگا۔

''کیا حرج ہے؟''

عاشر نے اسے گھورا۔

''لزا! میں تمہیں ایک ہزار ایک مرتبہ سمجھا چکا ہوں۔ ایسے مطالبات مت کرو جو میرے لیے ناقابل قبول ہوں۔''

''جو مطالبات تمہارے لیے قابل قبول ہوں' ان کی ایک لسٹ بنا دو۔'' وہ شرارت سے ہنسی۔

''میں تمہیں اپنا دائرہ عمل بتا چکا ہوں۔'' وہ قدرے بے رخی سے بولا۔

''آ۔۔۔ ہا۔۔۔'' اس نے منہ کھول کر کاندھے اچکائے۔ ''اب کب آؤ گے؟''

''پرسوں تمہاری فلائٹ ہے' تمہیں سی آف کرنے آؤں گا۔'' وہ چند لمحے ٹھہرا۔

''کم آن۔۔۔ ڈونٹ سے کہ تم کل نہیں آؤ گے۔'' وہ اس کے قریب چلی آئی۔

''اوکے۔۔۔ کوشش کروں گا۔۔۔'' وہ نرمی سے اس کا ہاتھ ہٹا کر دروازے کی سمت بڑھ گیا۔

''عاشر۔۔۔'' اس نے پیچھے سے پکارا۔

وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''کل۔۔۔ شادی کرو گے مجھ سے؟''

عاشر اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔

''یہ کون سا مذاق ہے؟''

''میں بالکل سنجیدہ ہوں۔'' وہ حقیقتاً سنجیدہ تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں

عاشر نے اس کی بات کا جواب نہ دیا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا بے تاثر سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔
لزا چند قدم آگے بڑھ کر اس کے مقابل آ رکی۔ مدھم مدھم روشنی میں وہ بلا کی سحر انگیز لگ رہی تھی۔ بے داغ چمکتے چہرے پر سجی سیاہ آنکھیں صراحت سے اپنا مدعا کہہ رہی تھیں۔
"بولو عاشر!" اس نے دھیمے سے کہا "شادی کرو گے مجھ سے؟"
پھر اس نے اپنا سر اس کے کاندھے پر ٹکا دیا۔ چند لمحوں کے لیے ماحول میں بے حد گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔ عاشر کو اس لمحے میں بھری ہوئی جادو اثر رومانیت سے نکلنے میں کچھ دیر لگی تھی۔ پھر اس نے آہستگی سے اس کا سر اپنے کاندھے سے ہٹایا۔
"نہیں لزا۔" وہ بولا تو اس کا لہجہ مضبوط تھا "میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"
"کیوں؟" وہ ایک دم بھڑک اٹھی "کیوں نہیں کر سکتے؟ کیا رکاوٹ ہے؟ تم مسلمانوں کو تو چار چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے؟"
عاشر کو لمحہ بھر کے لیے جھٹکا سا لگا پھر مسکرا دیا۔
"ہاں بالکل ہے اجازت' لیکن یہ آپشن ہے مجبوری نہیں۔"
"کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے اس آپشن سے؟" وہ ضدی پن سے بولی۔
"کیونکہ میں اپنی بیوی کو بہت چاہتا ہوں لزا! میں اسے دکھی نہیں کر سکتا۔ میرے بچے مجھے بہت عزیز ہیں۔ میں نہیں چاہتا' کل کو ان کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو۔ دو شادیاں کر کے میں انصاف کے تقاضے پورے نہ کر پاؤں گا۔"

"عاشر... عاشر! میں تمہیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی ہوں۔" اس کے انداز میں انتہا درجے کی بے بسی تھی۔
"سوری لزا! میری کوئی قیمت ہے ہی نہیں۔ جو چیز نان فار سیل ہو' اس کی قیمت نہیں ہوتی۔ یہ بات میں تمہیں نجانے کب سے سمجھا رہا ہوں لیکن تم سمجھتیں نہیں۔ ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہیں تمہارے حصے کا وقت دے چکا ہوں۔ تمہیں مجھ سے یہی درکار تھا۔ تم خود کہتی تھیں۔ اب شکایت کا حق تمہارے پاس نہیں ہے۔"
"جھوٹے ہو' تم جھوٹے۔ تم مسلمان مرد دوغلے ہوتے ہو... منافق ہوتے ہو دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور... تم سے اچھے تو وہ ہیں جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ کم از کم ان کے تعلق میں منافقت تو نہیں ہوتی۔"
وہ الماری کے پٹ سے ٹیک لگا کر جنونی انداز میں بول رہی تھی۔ عاشر نے بے حد سکون سے اس کی بات سنی تھی۔
"ٹھیک ہے..." پھر وہ بولا "تمہارے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا... تم کسی ایسے مرد سے شادی کرو جس کا کوئی مذہب نہ ہو۔ مسلمان مرد سے شادی کر کے تمہیں کیا ملے گا سوائے منافقت کے۔"
اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تھا۔
"عاشر... عاشر..." وہ اس کے پیچھے لپکی "عاشر! میری بات سنو۔"
باہر کاریڈور سنسان پڑا تھا۔



"کیا بات ہے بچی... جب سے آئی ہو' یونہی کھوئی کھوئی' خاموش خاموش سی ہو... طبیعت تو ٹھیک ہے

تمہاری؟" شفیقہ حیات نے بے حد محبت سے اسے مخاطب کیا
ایقان نے مرجھائے ہوئے انداز میں ان کی جانب دیکھا۔ اس کا زبردستی بھی مسکرانے کو جی نہ چاہا تھا۔
"جی اماں!" وہ گہری سانس بھر کر بولی "طبیعت تو ٹھیک ہی ہے۔"
"عاشر میاں سے کوئی کھٹ پٹ تو نہیں ہو گئی؟" وہ قدرے فکرمند ہوئیں۔
ایقان کے لبوں پر مردہ سی مسکان پھیلی۔
"کیا کھٹ پٹ ہونی ہے اماں..... کھٹ پٹ کے لیے بھی وقت درکار ہے اور وقت ان کے پاس ہے ہی نہیں!"

"اوہ!" انہوں نے بغور اس کی بات سنی اور اطمینان کی سانس بھری۔ "تو بیٹیا! مرد آدمی ہے۔ سارا وقت تو تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ اس کے اپنے سو دھندے ہوں گے نمٹانے کو..... تم اپنے کاموں میں جی لگاؤ۔"
"جی جلاؤ کہیے..... " وہ جل کر رہ گئی۔ "اور میرے کسی گھٹنے ٹخنے کی ایسی قسمت نہیں ہے کہ وہ اس کے ٹوٹنے پر بھی دو گھڑی کو لگ کر بیٹھ جائیں۔ انسان کس سے دل کا دکھ کہے۔ مائیں بھی شادی سے پہلے بیٹوں کی اور شادی کے بعد دامادوں کی ہوتی ہیں۔"
"بٹیا! بات تو حق کی کہنا چاہیے 'چاہے بیٹی ہو یا داماد!" وہ اطمینان سے پان لگانے لگی تھیں۔
ایقان زیرلب بڑبڑانے لگی۔ عذرا بیگم نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے تاثرات کا جائزہ لیا اور مسکرا دی تھیں۔
"کیوں ایقان..... !عاشر کی واپسی قریب ہے کیا؟" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں۔
"نہیں بھابھی..... ابھی قریباً پندرہ بیس دن کا قیام مزید ہے۔"
"تمہارا چہرہ تو کہہ رہا ہے جیسے وہ کل ہی جا رہا ہو۔"
"میرا چہرہ ہی ایسا ہے..... " وہ خفگی سے بولی۔
عذرا بیگم ہنس دیں۔ شفیقہ حیات بھی مسکرا دی گئیں۔
"آپ سنائیں کچھ نئی تازی۔" وہ موضوع بدلنے کی خاطر بولی۔ "کیا حال احوال ہیں سب کے..... شہلا اور ہاشم خوش ہیں؟"
"سنا ہے بھالی بیگم کے مزاج اچھے نہیں ہیں۔" عذرا بیگم دبا دبا سا مسکرائیں "شہلا نے نوکری جوائن کر لی ہے اور بھالی بیگم کے مزاج پر یہ بات گراں گزری ہے۔"
"کیوں..... اس میں اعتراض کا کیا سوال؟" وہ حیران ہوئی "بھالی بیگم جانتی ہی تھیں کہ شہلا ڈاکٹر ہے۔ اب اس نے اتنی محنت گھر بیٹھ کر برتن مانجھنے کے لیے تو کی نہیں تھی۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں جو انہوں نے بدمزگی پھیلانا شروع کر دی۔ بے چاری شہلا کتنی مشکلوں سے راضی ہوئی تھی۔ کتنے دھڑکے تھے اس کے دل کو۔ کیا سوچتی ہو گی وہ غریب؟"
"شہلا سمجھدار بچی لگتی ہے..... وہ معاملہ سنبھال لے گی۔" شفیقہ حیات بولیں "پھر اس کو پرانا تجربہ بھی ہے..... سنبھل کر ہی قدم اٹھائے گی۔"
"سب سے بڑھ کر یہ کہ خود ہاشم میاں بہت سمجھدار ہیں..... وہ بدمزگی کی نوبت آنے ہی نہیں دیں گے۔" عذرا بیگم بولیں۔
"ہاں..... یہ کہی سو باتوں کی ایک بات۔" شفیقہ حیات نے خوش ہو کر سو کو داد دی۔

ایقان خاموش ہو کر اب شہلا کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

پارکنگ ایریا میں گاڑی کھڑی کر کے وہ مصروف و مطمئن سے انداز میں چابی بیگ میں ڈالتے ہوئے آگے بڑھی تھی تب ہی عقب سے آتی آواز سن کر اس کے قدم تھم گئے۔
"شہلا!" شہلا تیزی سے گھومی۔ اس کے گلاسز پر ابرار جیلانی کا عکس پڑنے لگا۔
"تم..." اس کے لبوں نے بے آواز سرگوشی کی پھر اس نے جھٹکے سے گلاسز اتار کر ادھر ادھر دیکھا۔
"کیا چاہتے ہو تم ابرار؟ میری بدنامی؟ میری تباہی؟ بربادی؟" وہ دبی دبی آواز میں بولی۔ وہ اداسی سے مسکرایا اور دو قدم آگے بڑھ کر اس کے مقابل آ گیا۔
"میں تو خوشی، سکون اور شاد آباد زندگی کے متعلق سوال کرنے آیا ہوں شہلا....."
"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی؟" اس نے جھٹکے سے رخ پھیرا۔
"سمجھ کر بھی انجان بنو تو الگ بات ہے۔"
"پبلک پلیس پر میرا تماشا بنوانا چاہتے ہو؟ تم چاہتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ بدنام ہو جاؤں؟ ابرار..... خدا کا واسطہ مجھے اب سکون سے جی لینے دو..... میرے راستے میں آنا چھوڑ دو پلیز!"
"میں تمہیں تمہارے ہر راستے میں ملوں گا شہلا..... جانتی ہو کیوں..... اس لیے کہ اب تمہاری ہر راہ مجھ تک آتی ہے۔ میں تمہاری منزل ہوں یہ بات یاد رکھنا۔ تم جہاں پل دو پل کے لیے ٹھہری ہو وہ تمہاری منزل نہیں محض ایک رہ گزر ہے ورنہ تم کبھی ادھر آ جاؤ۔"
شہلا نے رخ موڑ کر آگے جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ ابرار نے اپنا بازو گاڑی کی چھت سے ٹکا کر غیر محسوس طور پر اس کا راستہ روکا۔ شہلا نے پریشان ہو کر نگاہیں اٹھائیں۔ لمحہ بھر کو اس نے ابرار کی نگاہوں میں دیکھا تھا پھر گہری سانس بھر کر نظر پھیر لی۔
"تم اچھا نہیں کر رہے ہو ابرار..... نہ اپنے ساتھ نہ میرے ساتھ۔" پھر وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔
"منزل پر پہنچ کر تمہارے خیالات بدل جائیں گے..... یہ میرا دعوا ہے۔ زندگی میں اتنے رنگ بھر جائیں گے شہلا کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ جلد سے جلد فیصلہ کر لو۔ میں تمہارا منتظر ہوں۔"
شہلا اسے تیوری پر نگاہ پھیرے کھڑی رہی۔
"چلتا ہوں..... جو کچھ میں نے کہا اس پر منطقی انداز میں سوچنا..... مشکلوں کو چھوڑ کر آسانیوں کا انتخاب کر لو۔"
وہ مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔ چند لمحوں میں اس کی گاڑی شہلا کی گاڑی کے قریب سے نکل گئی۔ شیشے میں سے ابرار نے پتھر کا بت بنی شہلا کو غور سے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ تھکی تھکی سی فون تک آئی تھی۔
"ہیلو....." وہ اجنبی پن سے بولی۔
"ہیلو ایقان....." دوسری جانب وہ قدرے تھکا تھکا سا تھا "کمال ہے یار..... بتائے بغیر چلی گئیں..... کم از کم مجھے اپنے پروگرام تو بتا دیتیں۔ گھر لوٹا ہوں تو سناٹے استقبال کر رہے ہیں۔ کیا کروں اس اکیلے پن میں؟"
ایقان طنز سے ہنسی۔

"اُفوہ..... اتنے سالوں سے وہاں جاپان میں بھی "اکیلا پن" سہہ رہے ہو؟ وہاں تو تمہیں کوئی شکایت نہ ہوئی۔ یا وہاں بہت قربتیں میسر ہیں؟"

عاشر چونکا۔ اس کے لہجے کا طنز اور بدلاؤ بہت واضح تھا۔

"بچے کہاں ہیں؟" اس نے گویا سنی ان سنی کی۔

"یہیں ہیں گھر میں۔" وہ مختصراً بولی۔

"لینے آجاؤں؟"

ایقان لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی۔ جی چاہتا تھا..... کوئی ایسا جملہ کہے کہ اس کے اندر کی ساری تپش اس جملے میں گھل کر اس کی سماعتوں میں اتر جائے۔ پھر اگلے ہی لمحے ہر طرح کی مصلحتیں اس کی زبان کے آڑے آگئیں۔

"مرضی ہے۔" وہ مختصراً بولی۔

"کیا بات ہے ایقان..... "وہ الجھ گیا" تمہیں ہوا کیا ہے؟"

"خدا حافظ!" وہ فون رکھ کر مڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

"انیقہ!" ربیعہ نے کمرے میں جھانکا "بزی ہو؟"

"ہاں ہوں تو..... "اس نے جرنل پر سے سر اٹھا کر چہرے پر آئے بال سمیٹتے ہوئے کہا "کوئی ضروری کام ہے؟ میں ذرا یہ ڈایاگرام بنا رہی تھی۔"

"مجھے وردہ سے کچھ کام ہے۔ بکس کے متعلق بات کرنا چاہ رہی تھی۔" انیقہ نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔

"ہاں تو چلی جاؤ نا..... اب تو تمہارا آنا جانا رہے گا۔"

"میں اکیلی؟" وہ متذبذب ہوئی۔

"یار ربیعہ..... یہ گز بھر کے فاصلے پر تو گھر ہے پھر بھی تم کہو تو چلتی ہوں۔" وہ کتابیں سمیٹنے لگی۔

"نہیں نہیں..... انیقہ! تم اپنی اسٹڈی کرو..... میں چلی جاؤں گی۔ تم ٹھیک ہی کہتی ہو اب تو اکثر آنا جانا ہو گا۔" ربیعہ نے اسے کتابیں چھوڑتا دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"شیور؟" اس نے پوچھا۔

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور کمرے سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں نے ماحول کو رنگ دیا تھا۔ اس سنہری شام میں اپنی دُھن میں آگے بڑھتا ہوا رافع ٹھٹکا تھا۔ لکڑی کے چھوٹے گیٹ کے دوسری جانب کھڑی ربیعہ بھی اسے دیکھ کر اپنی جگہ ٹھہری گئی۔

"آپ؟" وہ مسکرایا "یہاں؟"

ربیعہ بھی متانت سے مسکرائی "کیوں..... میں یہاں نہیں آسکتی؟"

"زہے نصیب۔" وہ قدرے شریر ہوا۔ "ہزار مرتبہ آئیے۔"

"آپ دروازہ کھولیں تب نا۔" وہ ہنس پڑی۔ رافع کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ بھی ہنس دیا۔ پھر اس نے کنڈی کھول کر گیٹ وا کیا۔

"تشریف لائیے..... یو آر موسٹ ویلکم۔"

ربیعہ قدرے جھینپ سی گئی۔ اندر آکر اس نے لمحہ بھر کے لیے اپنے سامنے پھیلے بنگلے کے طول و عرض کو دیکھا

تھا۔ شہلا کی ہمراہی میں وہ رابعہ بیگم کے پورشن میں گئی تھی لیکن اب اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ اس کے قدموں کو کس سمت میں بڑھنا ہے۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" رافع نے اس کا چہرہ پڑھا۔ "میرا خیال ہے، شہلا بھابی اپنے کمرے میں ہی ہوں گی۔"

"جی ہاں..... لیکن اس وقت میں وردہ کے پاس آئی تھی..... مجھے اس سے کچھ ضروری کام تھا۔ شہلا آپی تو خود ہمارے گھر آنے والی ہیں۔ میں واپس جا کر ان سے ملوں گی۔"

"وردہ سے!" رافع کا چہرہ واضح طور پر بجھا تھا "اوہ..... اچھا آئیں میں آپ کو پھپھو کے پورشن تک چھوڑ دیتا ہوں۔"

ربیعہ نے روش پر اس کی ہمراہی میں قدم بڑھائے تھے۔ رافع اس سے دو قدم ہٹ کر قدرے آگے چلنے لگا۔ اپنا اڑتا ہوا آنچل سنبھالتی ربیعہ نے بھی قدموں کی رفتار تیز کی۔

اسی لمحے سامنے والے پورشن کا مرکزی دروازہ کھول کر ہاشم اور شہلا باہر نکلے تھے۔

رافع اور ربیعہ رُک گئے۔ ہاشم بھی انہیں دیکھ کر جیسے ٹھٹک کر اپنی جگہ پر ٹھہرا تھا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت اور استعجاب کے رنگ تھے۔

ربیعہ شہلا کو دیکھ کر تیز قدموں سے اس تک پہنچی۔

"السلام وعلیکم۔" اس نے بے حد گرمجوشی سے ان دونوں کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" شہلا نے محبت سے اسے ساتھ لگایا "تم مجھ سے ملنے آئی ہو ربیعہ..... اندر چلیں؟"

"آپ سے ملنے نہیں آئی تھی۔" ربیعہ شرارت سے ہنس دی "کیونکہ مجھے علم تھا کہ آپ کو ابھی ہم لوگوں سے ملنے آنا ہے..... میں وردہ کے پاس آئی تھی۔ بکس خریدنے سے پہلے اس سے مشورہ کرنا چاہ رہی تھی۔"

"اچھا..... یہ بات ہے۔" شہلا نے گلابی لباس میں ملبوس ربیعہ کو غور سے دیکھا "بہت پیاری لگ رہی ہو ربیعہ..... یہ رنگ بہت اچھا لگ رہا ہے تم پر۔"

"اچھا۔" وہ جھینپ سی گئی۔

ہاشم ان دونوں کو محوِ گفتگو پا کر چپکے سے رافع کی سمت کھسک لیا۔

"ابے شاعر..... "اس نے سرگوشی کی "تو تو بڑھتا ہی جا رہا ہے..... یوں سرِعام بہانگِ دہل۔"

"بکواس مت کرو۔" اس نے دانت پیسے۔ "میں اسے پھپھو کے پورشن تک پہنچانے جا رہا ہوں۔"

"ہائے" ہاشم نے آہ بھری "قسمت کی خوبی دیکھیے کہ کہاں پہنچانے جا رہا ہے" رافع نے زیرِ لب اسے برا بھلا کہا۔

"ویسے سچ کہوں رافع..... "وہ نزدیک تر ہوا "جوڑی خوب جچ رہی ہے..... اگر میں تعصب کی عینک اتاروں تو میری اور شہلا کی جوڑی کو بھی مات دے دی تو نے....." رافع نے گہری سانس بھری تھی۔

"ہاشم! ہاشم!"

"اوکے..... اوکے۔" اس نے مصالحتی انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے "ہم چلتے ہیں..... تم تھوڑی دور اور اس کے ساتھ چل لو۔"

پھر اس نے پلٹ کر شہلا کو دیکھا۔ شہلا اس کی نگاہوں کا اشارہ پا کر ربیعہ سے اجازت چاہ کر آگے بڑھ آئی۔

"جلدی آجانا....." اس نے ربیعہ کو تاکید کی تھی۔

"بس آپی..... آدھے گھنٹے میں آتی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

رافع نے جز بز ہو کر اپنی نگاہ پھیری تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہائے ربیعہ تم!" وردہ اسے دیکھ کر کھل ہی اٹھی "ابھی میں تمہیں ہی یاد کر رہی تھی..... پوچھو تو ناعمہ سے"

"بالکل سچ!" ناعمہ بھی مسکرائی "وردہ آپی آپ کا ہی ذکر کر رہی تھیں۔"

"آؤ اندر چل کر بیٹھیں..... ناعمہ! تم ہمارے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" وردہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر کی جانب چل دی تھی۔

ربیعہ ان لوگوں کی محبت اور خلوص سے حقیقتاً متاثر ہوئی تھی۔ خصوصاً وردہ اسے بہت اچھی لگی تھی "حیات ولا" کے جتنے افراد سے وہ اب تک متعارف ہوئی تھی ان میں سے دو افراد اسے خصوصیت سے اچھے لگے تھے۔ ان دو میں سے ایک وردہ تھی۔

ناعمہ چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو وہ دونوں گہری سہیلیوں کی طرح کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ ناعمہ نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"کتنی اچھی لگتی ہیں آپ ہنستے ہوئے۔" اس نے ٹرے ان کے سامنے رکھی اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"زیادہ سے زیادہ ہنسا کریں۔"

ربیعہ دفعتاً سنجیدہ سی ہو گئی تھی۔

"ایسی ہنسی تو کبھی کبھار ہی آتی ہے۔" نجانے کیا سوچ کر وہ بولی تھی پھر قدرے چونک کر ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"اور تم لوگ تو یوں ہی ہنسی مذاق کرتی رہتی ہو گی۔ بہنوں کی تو آپس میں خوب بنتی ہے۔"

ناعمہ نے وردہ کو دیکھ کر منہ بنایا۔ وردہ مسکرا دی تھی۔

"ان کے ساتھ اور ہنسی مذاق؟" وہ بولی۔ "انہیں تو میری ہر بات پر نکتہ اعتراض اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے..... بہن کم اور ناصح زیادہ ہیں یہ..... ہاں رائمہ آپی سے میری خوب بنتی ہے۔"

"بہنوں کی اصل قدر شادی کے بعد ہی آتی ہے۔" وردہ نے اسے چڑایا۔ "کیوں ربیعہ؟"

"بالکل ٹھیک۔" وہ مسکرائی۔ "وردہ کی شادی کے بعد تم اسے بھی یونہی یاد کرو گی۔"

"جی رہنے دیں۔" اس نے کپ ربیعہ کو تھمایا۔ "یہ کون سا رائمہ آپی کی طرح کہیں دور جائیں گی جو میں انہیں یاد کروں گی۔ ناصح بن کر یہیں رہیں گی..... دن رات نصیحتیں کرنے کے لیے....."

"کیا مطلب؟" ربیعہ نے دلچسپی سے وردہ کی شرمگیں مسکراہٹ اور ناعمہ کے بھنائے ہوئے انداز کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ سلجوق ماموں کے بڑے صاحبزادے رافع حسن ان کے منگیتر ہیں....."

ربیعہ کو نجانے کیوں لمحہ بھر کے لیے چکر سا آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا گیا۔ ہاتھ کانپا۔ چائے ساسر میں چھلک گئی۔ لمحہ بھر کی بات تھی پھر منظر صاف ہو گیا۔ اس نے خود پر قابو پایا اور دھیرے سے مسکرائی۔

"اچھا....." وہ بولی۔ "وردہ نے تو بتایا ہی نہیں کہ یہ انگیجڈ ہے۔"

"یہ ایسی ہی ہیں..... گھنی سی....." ناعمہ مزے سے بولی۔

"شرم کرو کچھ۔" وردہ نے اسے جھڑکا لیکن اس نے قطعاً پروا نہ کی۔

"چند سال قبل بزرگوں کی باہمی رضامندی اور رافع بھائی کی پسند سے یہ رشتہ طے پایا ہے۔" ناعمہ مسلسل بول رہی تھی۔

ربیعہ کو یوں محسوس ہوا گویا اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکے ہیں۔ اس نے چائے کی پیالی ٹرے میں رکھ دی۔

"کوئی نہیں پسند وسند۔" وردہ جھٹ بولی تھی۔ "ناعمہ! تم کچھ زیادہ ہی بول رہی ہو۔"

"بھئی میں تو سچ ہی بول رہی ہوں۔ کیا غلط ہے کہ رافع بھائی نے عریشہ کے بجائے آپ سے منسوب ہونا پسند کیا تھا؟ ان کے سامنے دونوں آپشنز تھے۔"

"انہوں نے محض ترجیح دی تھی کیونکہ ان کے مطابق عریشہ ان سے کافی چھوٹی ہے۔ باقی یہ کہ اس رشتے کے طے پانے میں کسی قسم کی ذاتی پسندیدگی نہیں تھی۔"

"اللہ..... تو آپ اس قدر صفائیاں کیوں دے رہی ہیں۔" ناعمہ شرارت سے آنکھیں مٹکا کر بولی۔ "پسندیدگی اگر ہو بھی تو میں اور ربیعہ ہرگز معترض نہ ہوں گے۔ کیوں ربیعہ؟"

ربیعہ محض مسکرا کر رہ گئی تھی۔ ذہن کے افق پر چمکتی دو نگاہیں اپنی جگہ ہنوز موجود تھیں اور ان میں موجود وہ جذبہ 'وہ کہانی' 'وہ سچائی' 'وہ اخلاص؟

جھوٹ کہاں تھا؟ کس جگہ تھا؟ ربیعہ سمجھ نہ پائی۔

"آپ کس سوچ میں کھو گئیں؟" ناعمہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ جلدی سے مسکرا دی۔

"کچھ نہیں..... اب چلوں..... شاید آپی بھی منتظر ہوں گی۔" وہ بیچ بیچ کھڑی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔" عاشر اندر داخل ہوا۔

شفیقہ حیات اور عذرا بیگم نے بے حد خوش دلی اور گرم جوشی سے اس کے سلام کا جواب دیا جبکہ وہ بے نیازی سے اپنے ناخنوں کا جائزہ لینے لگی تھی۔

عاشر نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ لائٹ براؤن لباس میں 'اپنی شربتی آنکھوں سے بے نیازی سے ادھر ادھر دیکھتی وہ دل میں اترتی لگی لیکن اس کی بے نیازی کی وجہ سمجھنے سے وہ ہنوز قاصر تھا۔

"آؤ بھئی عاشر میاں۔" شفیقہ حیات نے قریب رکھے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ "یہاں بیٹھو ادھر میرے پاس۔ اچھے لوٹے ہو باہر سے..... دنوں چہرہ نہیں دکھاتے۔"

"بس اماں!" وہ قدرے شرمندہ ہوا۔ "کچھ دوستوں کے ساتھ مصروف تھا۔ بات بھی کچھ ایسی تھی کہ چاہنے کے باوجود جان نہ چھڑا سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔"

"ارے اب جانے بھی دو۔" وہ محبت سے بولیں۔ "میں نے تو یونہی ایک بات کی۔ تم اپنی طبیعت کا سناؤ خوش باش ہو؟"

"جی اماں..... اللہ کا شکر ہے۔ آپ بتائیں 'آپ کیسی ہیں؟" وہ سعادت مندی سے کہہ رہا تھا۔

ایقان منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی تھی۔ اس کا سعادت مندانہ رویہ دیکھ کر اس کی جان جل کر رہ گئی تھی۔

"ارے لی..... یہ تم کون سے منتر پڑھنے لگیں؟" شفیقہ حیات نے اسے گھورا۔ "بچہ کب سے آیا بیٹھا ہے چائے پانی ہی پوچھ لو۔"

ایقان جز بز ہوئی۔ عاشر کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ اسے شرارت سے دیکھنے لگا۔
"میں چائے بناتی ہوں۔" عذرا بیگم اٹھنے لگی تھیں۔
"آپ بیٹھیں بھابھی جان!" ایقان پھرتی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں لے کر آتی ہوں۔" پھر وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ یوں بھی وہ بہت دیر تک ان نگاہوں کا سامنا کرنا نہ چاہتی تھی۔
چائے و لوازمات اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کی گپ شپ کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"چلیں؟" اس نے منتظر نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"ہوں۔" وہ نیم دلی سے بولی۔ "میں بیگ لے آؤں.... بچوں کو بھی لاتی ہوں.... لان میں کھیل رہے ہیں...."
عاشر سب سے اجازت طلب کرکے باہر نکل گیا تھا۔



گھر آ کر وہ کتنی ہی دیر چھوٹے چھوٹے کام نپٹاتی رہی تھی۔ عاشر لباس تبدیل کرکے ٹی وی کے سامنے دراز ہو گیا تھا۔ ایقان کا ذہن بری طرح سے الجھا ہوا تھا۔ وہ عاشر سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ اس سے اپنے تمام سوالات کے تسلی بخش جواب چاہتی تھی۔
یہ لزا کون تھی جو اکثر اسے رات کو فون کرتی تھی؟ وہ لڑکی جسے حمزہ نے پارلر پر عاشر کے ہمراہ دیکھا تھا۔ کیا وہی لزا تھی؟ عاشر کا اس سے کیا تعلق تھا؟ وہ اس سے کیوں ملا تھا؟ آیا ان تمام باتوں کے پیچھے کوئی مربوط کہانی تھی یا یہ محض چند اتفاقات کے سرے تھے، جو آپس میں کہیں نہیں ملتے تھے۔
وہ مصروفیت میں بھی ان سب سوالوں سے برسرپیکار تھی۔ اسے عاشر سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا اور اپنے آپ سے بھی۔ اسے یہ سب باتیں پوچھنے سے اور ممکنہ جوابات سے ازحد خوف محسوس ہو رہا تھا۔
سب کاموں سے فراغت پا کر بچوں کو ان کے کمرے میں سلا کر جب وہ بیڈ روم میں آئی تو اس پر منوں اوس پڑ گئی۔ وہ ٹی وی آف کرکے اب گہری نیند سو رہا تھا۔
ایقان پیر پٹخ کر رہ گئی۔ کیا کچھ نہ سوچ ڈالا تھا اس نے پچھلے دو گھنٹوں میں۔ کیسے کیسے الفاظ ترتیب دیے تھے اس نے کہ وہ سب کچھ سچ سچ کہنے پر مجبور ہو جائے اور وہ بے فکری سے تکیہ بغل میں دبائے دنیا و مافیہا سے غافل نجانے خوابوں کی کس وادی میں اترا ہوا تھا۔
ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ایقان واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ اب وہ بھی غسل کرکے سونا چاہتی تھی۔ دماغ سوچ سوچ کر شل ہو گیا تھا۔ سکون کے چند لمحے چاہتا تھا' وہ بھی اب عاشر کی طرح ہر بات بھول کر نیند کی وادی میں اترنا چاہتی تھی۔
واش روم میں ٹاول اسٹینڈ پر عاشر کی پینٹ شرٹ پڑی تھی۔ ایقان بھنا ہی اٹھی۔ اسے میلے کپڑے اِدھر اُدھر چھوڑنے پر سخت اعتراض ہوتا تھا۔
حسب عادت کپڑے جھاڑ کر اس نے عاشر کی جیبیں چیک کیں۔ تب ہی ایک معطر ٹشو پیپر اس کے ہاتھ میں آیا۔ ایقان نے اس پر لگے سرخ لپ اسٹک کے داغ دیکھے۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس کو دیوار کا سہارا لینا پڑا۔ سر جھٹک کر اس نے پھر اس ٹشو کو دیکھا پھر اس نے اس کی تہیں کھولیں۔ اگلے ہی لمحے اس کا تنفس تیز تر ہو گیا تھا۔ سرخ لپ اسٹک سے ٹشو پر "آئی لو یو" لکھا گیا تھا اور جابجا ہونٹوں سے مہر لگائی گئی تھی۔
ایقان چند لمحے بے یقینی اور بے یقینی میں گھری وہ ٹشو اور اس پر ثبت وہ مہریں دیکھتی رہی پھر اس نے اسے مٹھی میں

بھیج لیا۔

یقین اور بے یقینی کے اس پل پر سفر کرتی اس کی سوچ اب یقین کے سرے پر آکر ٹھہر گئی تھی۔ وہ جیسے سارے قصے سے آگاہ ہو گئی تھی۔ شک اور بے یقینی اپنا کام دکھا کر تحلیل ہو چکے تھے۔ وہ ایک فیصلہ کن موڑ پر تھی۔

٭ ٭ ٭

بچوں کو اسکول کے لیے بھیج کر ایقان اندر آئی تو بیڈ روم کے دروازے پر آکر ٹھہر گئی۔ وہ نہا دھو کر آئینہ کے سامنے موجود تھا۔ بالوں میں تولیہ رگڑتے ہوئے بے حد فریش موڈ میں وہ کوئی گیت گنگنا رہا تھا۔

"یار..... چائے دو جلدی سے۔" آئینے میں ایقان کا عکس دیکھ کر وہ بولا اور بالوں میں برش پھیرنے لگا۔

ایقان خاموشی سے پلٹی تھی۔ کچن میں آکر چائے بناتے ہوئے وہ خود میں چولہے سے زیادہ تپش اور کھولتے ہوئے پانی سے زیادہ کھولاؤ محسوس کر رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا' یہی آگ وہ عاشر کے وجود میں بھی بھڑکا دے۔

بے حد مصروف سے انداز میں وہ ٹیبل پر اخبار بچھائے شہ سرخیاں دیکھ رہا تھا۔ ایقان نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا اور کمرے میں چلی گئی۔ چند لمحوں بعد وہ باہر آئی تھی۔ کرسی گھسیٹ کر وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ چائے پیتے پیتے عاشر نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور بے حد چونکا۔

"ایقان..... کیا ہوا تمہیں؟"

وہ جواب دیے بنا اسے دیکھتی رہی۔

"طبیعت خراب ہے؟ اتنی سرخ آنکھیں جیسے روتی رہی ہو رات بھر..... " اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ماتھا چھونا چاہا' ایقان نے اپنے ہاتھ سے اس کا ہاتھ پرے کیا۔

"ایقان..... " اس نے بے یقینی سے دیکھا۔

ایقان نے عین اس کی نظروں کے سامنے مٹھی کھولی تھی' اس کے ہاتھ پر وہی ٹشو دھرا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" عاشر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟ اٹھاؤ اسے اور بتاؤ کہ یہ محبت کی نشانی کس کی ہے' کس کے لیے ہے اور کیوں ہے؟"

عاشر محتاط سا ہو گیا۔ اس نے دھیرے سے ٹشو اٹھایا اور اگلے ہی پل سب سمجھ گیا۔ اس میں سے لزا کے مخصوص پرفیوم کی نہایت تیز خوشبو آ رہی تھی۔

ایقان پلک جھپکائے بغیر اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ عاشر نے ٹشو کی تہہ کھولی پھر غیر ارادی طور پر ہی اس کے لبوں سے گہری سانس بر آمد ہوئی تھی۔

"یہ کہاں سے آیا؟" اس نے ایقان سے پوچھا۔

"غیر ضروری سوال ہے..... ان ضروری سوالوں کا جواب دو عاشر! جو میں نے تم سے پوچھے ہیں؟" عاشر نے جز بز ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"میں کہہ سکتا ہوں ایقان! کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے..... لیکن میں ایسا نہیں کہوں گا۔ یہ لزا کی حرکت ہے..... اسی نے جان بوجھ کر یہ میری جیب میں رکھا ہو گا..... "

ایقان کا تنفس تیز ہو گیا۔ وہ اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

"جانتے ہو عاشر! مرد کے زیب تن کیے لباس میں اگر کوئی لڑکی کچھ رکھنا چاہے تو اسے اس مرد کے کتنا قریب ہونا پڑتا ہے؟"

عاشر لمحہ بھر کے لیے دم بخود سا ہوا پھر وہ کچھ بولنے کے لیے الفاظ کا انتخاب کرنے لگا۔

"دیکھو ایقان! بات وہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو..... دراصل..... میں تمہیں بتانا چاہ رہا تھا..... "

"کون ہے یہ لزا؟" وہ جیسے اس کی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔

"لزا..... لزا میری دوست..... وہاں جاپان میں وہ میرے ساتھ..... "

"جاپان؟" بے یقینی سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "وہ جاپان سے تمہارے ساتھ آئی ہے۔"

"نہیں..... " وہ جز بز ہوا۔ "وہ میرے ساتھ نہیں آئی..... وہ..... بعد میں..... ابھی کچھ دن پہلے ہی آئی ہے..... "

"تم..... تم اسے لینے ایئر پورٹ گئے تھے؟"

ایقان کو گزشتہ دنوں میں رونما ہونے والے واقعات یاد آنے لگے۔

"اور..... اور تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہارے دوست کی فیملی آئی ہے..... اور..... اس دن کے بعد سے تم پورا پورا دن..... آدھی آدھی رات تک غائب رہے..... مجھ سے مختلف جھوٹ بول کر اپنی مصروفیت کا جواز پیدا کرتے رہے۔ اوہ..... اوہ عاشر..... میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"ایقان..... پلیز یار..... مجھ پر اعتبار کرو..... میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ محض وقت گزاری کے چند لمحات..... دراصل اس نے مجھے اتنا مجبور کر دیا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی..... وہاں جاپان میں اکیلے پن کی وجہ سے ہم کچھ قریب ہو گئے تھے۔"

وہ ہکلانے والے انداز میں' بے تکے پن سے وضاحت کرنے کی کوشش میں نجانے کیا کچھ کہتا چلا جا رہا تھا۔ ایقان بھیگی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

"تم نے مجھے بہت بڑا دکھ دیا ہے عاشر..... بہت بڑا..... بے یقینی' بے اعتباری کا دکھ..... بے وفائی کا دکھ..... میں سب کچھ سہہ سکتی ہوں لیکن اپنی بے توقیری نہیں..... تم نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا..... کبھی معاف نہیں کروں گی تمہیں..... کبھی نہیں..... کبھی بھی نہیں..... "

وہ روتے ہوئے اٹھی اور بھاگتے ہوئے بیڈ روم میں چلی گئی۔ دروازہ اس نے اندر سے لاک کر لیا تھا۔ عاشر پشیمانی کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھا رہ گیا تھا۔

٭ ٭ ٭

ربیعہ کو دور سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ سامنے جو جھلملاہٹ دکھائی دے رہی ہے۔ وہ یقیناً پانی کی ہے۔ وہ بہت بڑا تالاب تھا۔ اتنا بڑا کہ اس پر جھیل ہونے کا گمان ہو رہا تھا۔ چاندنی رات میں اس کے شفاف پانی کی چمک چاندنی کرنوں کا عکس تھی۔ یوں جیسے روپہلی چادر بچھی ہو۔

ربیعہ قدم بڑھاتی چلی گئی لیکن یہ کیا؟ وہ جتنا آگے بڑھتی تھی۔ پانی بھی اتنا ہی دور ہٹ جاتا تھا۔ وہ تیز تیز چلنے لگی۔ پانی بھی تیزی سے دور ہونے لگا۔

کیا وہ سراب تھا' کیا وہ کسی ریگ زار میں تھی' کیا وہ فریب نظر تھا' یا وہ کوئی تمنا تھی؟

ربیعہ بھاگنے لگی۔ بھاگتے بھاگتے اس کی ٹانگوں میں درد ہونے لگا لیکن پانی اتنا ہی دور۔

"ربیعہ..... " ایک ٹھنڈی' میٹھی آواز کہیں سے ابھری تھی۔ "ربیعہ..... ! آؤ..... میرے پاس آؤ..... " ربیعہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"کس کی آواز ہے یہ؟" اس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ شناسا مہربان آواز.....

"ربیعہ... ربیعہ آؤ... میں یہاں ہوں ربیعہ... تمہارے سامنے۔"

ربیعہ نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ دفعتاً چاند کو بادلوں نے اپنی اوٹ میں لے لیا۔ کچھ لمحے قبل جگمگاتا ماحول اچانک اندھیرے میں بدل گیا اور پھر ربیعہ نے بارش برستی محسوس کی۔

اس نے ہاتھ پھیلائے اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ آواز اسے مسلسل پکار رہی تھی۔ ربیعہ کا ذہن اس کی پہچان کو گرفت میں لانے سے قاصر تھا لیکن شناسائی مسلسل محسوس ہو رہی تھی۔

"کون ہو تم...؟ کون ہو تم...؟ کہاں ہو تم...؟" وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

یکایک اسے ٹھوکر لگی۔ بڑے زور کی ٹھوکر... اور اس سے پیشتر کہ وہ گر پڑتی، اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ بستر پر لیٹی ہوئی گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی۔ اس کے سانسوں کی آواز اتنی تیز تھی کہ برابر میں لیٹی ہوئی انیقہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ربیعہ..." وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔ "کیا ہوا ہے؟"

ربیعہ بھی اٹھ کر بیٹھی۔ "پانی..." وہ بمشکل بولی تھی۔ "مجھے پانی چاہیے۔"

"میں لاتی ہوں... تم شاید خواب میں ڈر گئی ہو..." انیقہ نے اس کا شانہ تھپتھپایا پھر وہ بستر سے اتر کر فریج کی جانب بڑھ گئی۔

اپنی سانسوں سے الجھتی ربیعہ اب خود سے الجھ رہی تھی۔ کیوں دیکھتی تھی وہ ایسے خواب؟ کس کی دعوت پیہم اسے بلاتی تھی؟ اسے کہاں جانا تھا؟ اس کے لاشعور میں کیا چھپا تھا؟

انیقہ اسے پانی پلا کر پھر سے لیٹ کر سو چکی تھی لیکن ربیعہ اب پچھلی کئی بار کی طرح نہ سو سکی۔ اب وہ سنجیدگی سے ان خوابوں کے متعلق سوچ رہی تھی۔ یہ تسلسل اتفاقی نہیں تھا۔ کوئی واقعی اس کا منتظر تھا... لیکن کون؟

☆ ☆ ☆

وہ تیزی سے ریکٹ گھماتے ہوئے اپنے پورشن کی جانب جا رہا تھا جب اس نے لان کے پچھلے حصے میں چھت کو جاتی ہوئی سیڑھیوں پر کسی کو بیٹھے دیکھا۔

نافع ٹھہر گیا۔ دور سے واضح نہیں تھا لیکن وہ سمجھ گیا کہ اس وقت اس یاسیت بھرے ماحول میں اس طرح تنہائی میں کون بیٹھ سکتا ہے۔ ایک کڑواہٹ سی اس کے حلق میں اتری۔ سر جھٹک کر اس نے پہلے کی طرح ریکٹ گھماتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا لیکن نجانے کیا بات ہوئی۔ وہ آگے بڑھ نہ سکا۔

اس نے پھر اسی جانب دیکھا۔ چند لمحے سوچا پھر اس کے قدم بے اختیار ہی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئے تھے۔

وہ عریشہ ہی تھی۔ کاسنی رنگ کے ملگجے شکن آلود لباس میں ملبوس گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ نافع اس کے قریب جا رکا۔ عریشہ نے سر اٹھایا، دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں پھر اس نے کسی تاثر کے بغیر واپس سر جھکا لیا۔ نافع نے دیکھا، ان نگاہوں کی وہ پچھلی حقارت اور نفرت اب معدوم تھی۔ اب وہاں بجھے ہوئے چراغوں کی سی کیفیت تھی۔ نہ کوئی تاثر، نہ سوچ، نہ خیال۔

اس نے گہری سانس بھری پھر وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ عریشہ کے وجود میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

"عریشہ..." اس نے نرم لہجے میں پکارا۔

"کہو؟" بے تاثر جواب آیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟"

"سب مسئلے ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو ایک انتظار باقی ہے۔"

"کیسا انتظار؟" وہ الجھا۔

اس بات کا کوئی جواب نہ آیا تھا۔ نافع کچھ دیر خاموش رہ کر لفظوں کو ترتیب دینے لگا۔

"دیکھو عریشہ...!" پھر وہ بولا۔ "کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کا کوئی حل نہ نکالا جا سکے۔ میں جانتا ہوں... جب سے ہماری منگنی ہوئی ہے، تم ذہنی طور پر ڈسٹرب ہو گئی ہو اور جب سے نکاح ہوا ہے، تب سے تو... تم جیسے... بالکل بجھ ہی گئی ہو۔ دیکھو... میں ایک کھلے ذہن کا انسان ہوں... میں چاہتا ہوں، ہر انسان کو اپنی ذاتی رائے، پسند ناپسند کے مطابق فیصلے کرنے کا کلی اختیار ہو۔ میرا خیال ہے، ہمارے معاملے میں تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ اسی بات نے تمہیں ہرٹ کیا ہے غالباً شاید... شاید میں تمہارے اس معیار پر پورا نہیں اترا جو تم نے اپنے جیون ساتھی کے بارے میں اپنے ذہن میں قائم کیا تھا۔"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔ عریشہ یوں بیٹھی تھی جیسے وہ یہ سب کچھ کسی اور سے کہہ رہا ہو اور عریشہ کا ان باتوں سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"عریشہ! اگر ایسی بات ہے اور تمہاری اس کیفیت کی وجہ یہی ہے تو یقین مانو میں کسی جبر کسی زبردستی کا ساتھ نہیں دوں گا۔ تم میں نہ ہو لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں ایسے جبری فیصلوں کے خلاف آواز بلند کر سکتا ہوں۔ قانوناً، شرعاً تم میری بیوی ہو لیکن اگر تمہارا دل اس رشتے کو تسلیم کرنے سے شدت سے انکاری ہے تو میں اتنا ظرف رکھتا ہوں کہ تمہیں پابند رکھنے کے بجائے آزاد کر دوں لیکن... لیکن پلیز... ایک مرتبہ اپنے منہ سے کہہ دو کہ تم آزادی چاہتی ہو۔ یہ بندھن تمہارے لیے تکلیف دہ ہے... تم ایک مرتبہ کہہ دو پھر... پھر روتی ہو [illegible] ایک جیتے جاگتے انسان کو اس تکلیف دہ حالت میں دیکھنا کم از کم میری برداشت کی حد سے باہر ہے۔"

[illegible] نافع زچ ہوا۔

"بولو عریشہ... [illegible] جواب دو میری بات کا۔"

"مجھے کسی بندھن یا آزادی سے اب فرق نہیں پڑتا نافع...!" بالآخر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر گویا ہوئی تھی۔ "میں اب جیسی ہوں، مرتے دم تک شاید ایسی ہی رہوں گی۔ آخری دم... بس اسی کا انتظار ہے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں... اگر تم اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرنا چاہو... کوئی قدم اٹھانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے... جہاں تک میرا سوال ہے... میں ہر خوشی سے دست بردار ہو چکی ہوں۔"

وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھی۔ نافع حیرانی سے بیٹھا اس کے لفظوں پر غور کرتا رہا۔

☆ ☆ ☆

شہلا تھکی ہاری ہاسپٹل سے لوٹی تو شدید پیاس لگ رہی تھی۔ پانی پینے کی غرض سے وہ کچن میں داخل ہوئی تو جلے بھنے تیوروں سے فردوس بیگم نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ شہلا ٹھٹھک سی گئی۔

"السلام علیکم۔" اس نے مسکرا کر شیریں لہجے میں سلام کیا۔

"ہوں... وعلیکم السلام..." انہوں نے جواب دینے کے ساتھ سر کو بھی جھٹکا دیا تھا۔

"آپ... کیا کر رہی ہیں؟" اس نے ان کے لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"رو رہے ہیں اپنی جان کو۔" وہ زہرخند لہجے میں گویا ہوئیں۔ "بوڑھی ہڈیوں کو گھس رہے ہیں۔ سوچا تھا، بہو گھر میں آئے گی تو جان کو سکھ نصیب ہوگا۔ ہم بھی تھوڑا آرام کریں گے... لیکن ہم سے بدنصیبوں کی قسمت

میں آرام ہوتب نا..... صبح ہانڈی شام ہانڈی..... یہی کرتے ہم چار دن بیمار ہوں گے اور خیر سے اپنی آرام گاہ کو پہنچیں گے۔ بہو کو دوسرے مریض نپٹانے سے فرصت نہیں۔"

شہلا حد درجہ خجل ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر چمچہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آئی ایم ویری سوری۔ میں کل سے ضرور کھانا پکا کر ڈیوٹی پر جاؤں گی۔ آفٹر آل یہ بھی میری ڈیوٹی ہے۔ آپ آرام کریں، میں کھانا پکاتی ہوں۔"

فردوس بیگم نے ہاتھ میں پکڑا چمچہ اسے دینے میں تامل نہ کیا تھا۔

"آلو ڈلیں گے گوشت میں..... دال بھی رکھنی ہے دوسرے چولہے پر۔ میں سوچ ہی رہی تھی....."

"میں..... میں دیکھ لیتی ہوں..... آپ جائیں پلیز....." وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"اے ہاں..... ہم بھی انسان ہیں..... کہاں تک چپ رہتے۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلی تھیں۔

شہلا نے نجانے کب کا رکا سانس خارج کیا۔ اس نے کپڑے تبدیل کرنے کا ارادہ ترک کر کے گوشت بھوننا شروع کر دیا تھا۔



"ویسے سچ کہوں رافع! جوڑی خوب جچ رہی ہے۔" اس کے کانوں میں ہاشم کا شرارتی لہجہ گونجا۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچیں۔

آنکھیں بند کرتے ہی گلابی کپڑوں میں ملبوس وہ ہار سنگھار کے پھولوں سی لڑکی پردۂ افق پر مسکرانے لگی تھی۔

رافع نے گھبرا کر جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

"خدا کرے رافع! تجھے بھی کسی سے محبت ہو جائے۔" ہاشم پھر تصور میں کھلکھلایا تھا۔

"ستیاناس تیرا....." وہ بڑبڑایا۔ "اور کوئی بددعا نہیں دے سکتا تھا؟"

"میں نے تجھے بددعا نہیں، دعا دی ہے۔" ہاشم کی ہنسی اس کے کانوں میں گونجی۔ رافع نے گہری سانس بھری۔

"ٹھیک ہی کہتے تھے تم ہاشم میاں..... بددعا دی تھی تم نے مجھے۔ میری پرسکون، مطمئن زندگی میں اضطراب کی لہریں تمہاری اس بددعا سے ہی اٹھی ہیں۔ ہم نے تمہارے لیے دعائیں کیں اور دیکھو تم مطمئن اور شاداب بیٹھے ہو۔ بولو، حق دوستی کس نے ادا کیا؟"

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ رات کی ٹھنڈی ہوا میں کھلی چھت پر ٹہلتا رہا۔

رات پھیلی ہے تیرے سرمئی آنچل کی طرح
چاند نکلا ہے تجھے ڈھونڈنے پاگل کی طرح

نجانے کہاں کس نے نور جہاں کی آواز میں خوبصورت غزل لگائی ہوئی تھی۔ ہوا کے دوش پر تیرتے ہوئے رسیلے لیکن اپنی آنچ میں مدھم مدھم سلگتے بول اس کی سماعتوں سے آ ٹکرائے۔

رافع کا دل یکدم اداس ہو گیا، بے طرح، بے حد اداس۔ ایک عجیب تڑپ تھی جو اس کے اندر اٹھی تھی۔ اسے دیکھنے کی تڑپ..... اسے پانے کی تڑپ۔

پھر اسے کچھ چہرے یاد آئے..... اپنی ماں کا شگفتہ، مسکراتا چہرہ۔ اپنے باپ کا بارعب مگر پرشفقت چہرہ۔ اپنی بیوہ پھپھی کا اداس مگر پریقین چہرہ۔

وہ اتنے چہروں سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔ وہ صرف خود سے جھوٹ بول سکتا تھا اور اب تک بول رہا تھا لیکن شاید اب اس میں بھی ناکام ہو چلا تھا۔

"رافع.....!" اسے اپنے باپ کے الفاظ اب تک یاد تھے۔ "تم میرے سب سے بڑے بیٹے ہو۔ میری امیدوں، آرزوؤں کا مرکز۔ نجانے کیوں ہر باپ کو اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی اتنی شدید تمنا ہوتی ہے۔ خیر..... تمنا پوری ہونے میں تو ابھی وقت ہے لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں بیٹا کہ اس خاندان کے افراد ایک دوسرے کی مضبوطی ہیں۔ ایک دوسرے کی طاقت، ایک دوسرے کا مان ہیں اور ہم بزرگوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی طاقت میں اضافہ کریں گے، کمی نہیں۔ بیٹا! تم جوان ہو، یقیناً تمہیں تمہارے فیصلے کرنے کا اختیار ہونا چاہیے لیکن اگر تم یہ اختیار اپنے والدین کو سونپ دو تو ہم مرتے دم تک تمہاری فرماں برداری پر مشکور رہیں گے۔"

"آپ جیسا کہیں بابا.....!" اس نے سعادت مندی سے کہا تھا۔

"بھائی صاحب کا عندیہ عریشہ کے لیے ہے اور رابعہ کا وردہ کے لیے..... اب تم بتاؤ، تمہاری پسند کیا ہے؟"

"میری پسند ناپسند کچھ نہیں ہے بابا..... میں نے کہا نا، آپ کو اختیار ہے۔"

"تم کسے ترجیح دیتے ہو؟"

"عریشہ تو....." وہ جھجکا۔ "ابھی کافی کم عمر ہے اور قدرے ناسمجھ۔"

"ہوں! اور وردہ.....؟"

"وردہ..... پتا نہیں بابا..... میں نے کبھی اس طرح نہیں سوچا۔ جو آپ بہتر سمجھیں۔"

"ہوں، ٹھیک ہے بیٹا! اب تم جاؤ، آگے سوچنا ہمارا کام ہے۔"

اور وہ مطمئن سا چلا آیا تھا۔ گزرے ہوئے سالوں میں اسے کبھی یہ باتیں یاد نہ آئی تھیں لیکن اب اکثر یاد آتی تھیں۔

کبھی کبھی اس کا جی چاہتا تھا وہ گھڑی کی سوئیوں کا رخ موڑ دے۔ وقت الٹے قدموں چل پڑے۔ اس کا دل یہ لاحاصل تمنا کرنے لگا تھا۔



دیوار کے ساتھ لگے ہوئے چھوٹے گملوں میں پانی ڈالتے ہوئے وردہ ٹھٹکی تھی۔

حمزہ کی ہمراہی میں ایک بے حد خوبصورت، چھوٹے قد کی، ماڈرن سی لڑکی اندر داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم آپی!" وہ خوش دلی سے مسکرائی۔

وردہ آگے بڑھ آئی۔ اس سے ہاتھ ملایا۔

"وردہ آپی..... یہ ناعمہ کا پوچھ رہی تھیں۔" حمزہ بولا۔ "میں انہیں یہاں لے آیا ہوں۔"

"آپ..... ناعمہ کی فرینڈ ہیں؟" وردہ نے دلچسپی سے اس کا روشن چہرہ دیکھا۔

"نہیں....." وہ ہولے سے ہنسی۔ "میں نے انہیں کالج میں دیکھا ہے۔ ویسے میرا نام فریحہ ہے۔ آپ کی تعریف؟"

"میں وردہ ہوں۔ ناعمہ کی بڑی بہن۔"

"اوہ..... ناعمہ گھر پر ہیں؟"

اسی لمحے کمرے سے کوئی گانا تیز سروں میں گنگناتی بے فکر ناعمہ باہر نکلی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں

منورا مین کی سخت باتیں سن کر ربیعہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے لیکن ترانہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ جس پر ربیعہ کو تیار ہونا پڑتا ہے۔ گھر سے نکلنے سے قبل عین موقع پر تمدن گھر پہنچ جاتا ہے۔ جس پر ربیعہ خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

ربیعہ کا عباد کے گھر میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ منزہ بیگم 'ربیعہ کو اپنی بیٹی بنا لیتی ہیں۔

ہاشم اور شہلا کی شادی کی تقریب میں ہی نافع اور عریشہ کا نکاح پڑھوا دیا جاتا ہے جس پر عریشہ سخت کبیدہ خاطر ہوتی ہے۔

شادی کی اولین رات ابرار جیلانی کا فون شہلا کو پریشان کر دیتا ہے۔ شہلا شادی کے بعد اپنی ماں سے ملنے آتی ہے تو وہیں اس کی ملاقات ابرار سے ہو جاتی ہے۔ عین موقع پر ہاشم شہلا کو اطمینان دلاتا ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرتا ہے۔

فراز جو درحقیقت ناعمہ کو پسند کرتا ہے' ہاشم کی تقریب میں اسے دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ دوسری طرف عریشہ کے لیے فراز کی آمد پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ فراز یہی سمجھتا ہے کہ فون پر اس سے ناعمہ باتیں کرتی تھی۔

رافع کو ربیعہ میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے۔ جس کا علم ہاشم کو ہو جاتا ہے۔

لزا' عاشر کو پاکستان پہنچ کر فون کرتی ہے عاشر اسے لینے ایئرپورٹ جاتا ہے۔ ایقان' عاشر کے پراسرار رویے پر مشکوک ہو جاتی ہے۔

شہلا سب کے سامنے چھٹی ختم ہونے کا ذکر کرتی ہے تو فردوس بیگم کا سرد رویہ اسے پریشان کر دیتا ہے۔ تاہم ماہین اسے دلاسا دے کر مطمئن کر دیتی ہے۔ شہلا' ربیعہ کے ساتھ رابعہ بیگم کے گھر آتی ہے۔ سب ربیعہ کی سادگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ربیعہ' وردہ کے مشورے سے ایم اے سوشیالوجی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔

عاشر' لزا سے ملنے ہوٹل آتا ہے تو لزا اسے پرپوز کرتی ہے۔ عاشر لزا کی پیش کش رد کر دیتا ہے۔ تاہم لزا کا رومال ایقان کے ہاتھ لگ جاتا ہے۔ جس پر وہ عاشر سے حقیقت پوچھتی ہے۔ عاشر بوکھلاہٹ میں سب کچھ بتا دیتا ہے جس پر ایقان حقیقتاً "صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔

ربیعہ' وردہ سے ملنے اس کے گھر آتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ وردہ کی منگنی رافع سے ہو چکی ہے۔ یہ خبر اسے صدمے سے دوچار کر دیتی ہے۔ دوسری طرف رافع بھی اسے جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ سمجھ رہا ہے۔ وہ وردہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات محسوس نہیں کرتا۔

۲۵
پچیسویں قسط

فریحہ نے بے حد اشتیاق سے بھولے چہرے والی ناعمہ کو دیکھا تھا۔ وردہ جو فریحہ کو بغور دیکھ رہی تھی' ان نگاہوں کی معنویت پر قدرے چونک سی گئی تھی۔ ناعمہ بھی ایک اجنبی مگر خوبصورت اور خوش لباس لڑکی کو گھر میں دیکھ کر ٹھٹکی۔

"ناعمہ... یہ فریحہ ہیں... تم سے ملنے آئی ہیں۔" وردہ نے نرم لہجے میں کہا۔

ناعمہ نے ایک مرتبہ پھر گڑبڑا کر ان دونوں کو دیکھا۔ "مجھ سے ملنے؟" وہ حیرانی سے ناک چڑھا کر بولی۔

فریحہ کے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔ وردہ قدرے بھنائی تھی۔

"آئیں فریحہ!" وہ خود ہی بولی تھی۔ "اندر چل کر آرام سے بیٹھتے ہیں۔ باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔"

فریحہ نے ہنوز مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وردہ آگے بڑھی تو فریحہ بھی اس کی ہمراہی میں قدم بڑھانے لگی۔ ناعمہ پہلے تو ہونقوں کی مانند کھڑی رہ گئی پھر کچھ خیال آنے پر وہ بھی تیزی سے ڈرائنگ روم کی سمت بڑھی تھی۔

"کیا لیں گی آپ؟" وردہ نے شائستہ انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔ "کولڈ ڈرنک یا پھر چائے؟"

"میں چائے شوق سے پیتی ہوں۔" وہ بات بے بات مسکراتے اچھی لگتی تھی۔
"آپ ناعمہ سے باتیں کریں' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ورد وہاں سے اٹھ گئی۔
اس کے جانے کے بعد فریحہ' ناعمہ کی جانب متوجہ ہو گئی جو خود بھی اسے دھیان سے دیکھ رہی تھی۔
"تو آپ ہیں ناعمہ!"
"جی ہاں... میں ہی ناعمہ ہوں... آپ مجھے کس حوالے سے جانتی ہیں؟" وہ قدرے حیرانی میں مبتلا تھی۔
"ہے ایک حوالہ۔" وہ کھل کر مسکرائی۔ "پھر بتاؤں گی۔"
"آپ... مجھ سے ملنے ہی آئی ہیں؟" ناعمہ کو یقین نہ تھا۔
"یہی سمجھ لیں..." وہ مختصراً بولی۔ "کون کون ہوتا ہے آپ کے گھر میں؟"
"یہ میرے نانا ابو مرحوم کا بنگلہ ہے۔" ناعمہ اسے بتانے لگی۔ "یہاں ہم لوگ علیحدہ علیحدہ پورشنز میں آباد ہیں۔ دو پورشنز میں ہمارے دو ماموں اور ان کی فیملیز ہیں۔ یہاں امی' میں اور ورد ہوتے ہیں۔ بڑی بہن کی شادی ہو چکی ہے۔"
"آپ کے والد؟"
"ہمارے بچپن میں ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔"
"اوہ... ویری سوری۔" فریحہ بولی۔
"اور آپ؟" ناعمہ اب تک الجھی ہوئی تھی۔ "آپ بھی کچھ بتائیں اپنے بارے میں نا؟"
فریحہ نے اچانک ہی اپنا پرس کھول کر ایک تصویر برآمد کی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے وہ تصویر ناعمہ کی آنکھوں کے سامنے کی تھی۔
"میں ان کی بہن ہوں... انہیں جانتی ہیں نا آپ؟"
ناعمہ نے فراز کی تصویر دیکھی۔ کئی مناظر اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔ اس کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔
فریحہ نے تصویر واپس پرس میں ڈال لی۔
"فراز بھائی اکثر آپ کا ذکر کرتے ہیں' اسی لیے مجھے آپ سے ملنے کا شوق تھا۔ بس اسی شوق کے تحت میں یہاں چلی آئی۔"

ناعمہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ وہ دیوانہ سا لڑکا جو چند ایک مرتبہ اس سے ٹکرایا تھا' وہ بھلا اس کا ذکر کیوں کرتا تھا؟ اور فریحہ کے "یونہی" چلے آنے کے پیچھے کیا عندیہ پوشیدہ تھا؟ اس کا دماغ الجھ سا گیا۔
"تم پریشان کیوں ہو گئی ہو ناعمہ؟" فریحہ نے اس کا چہرہ دیکھا تو اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولی۔
"میں یہاں تمہیں پریشان کرنے تو نہیں آئی۔"
ناعمہ نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ اسی لمحے ورد چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی تو فریحہ اطمینان سے صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ورد چائے بنانے لگی۔ اسی اثناء میں رابعہ بیگم بھی وہاں چلی آئیں۔
"السلام علیکم۔" فریحہ انہیں دیکھ کر تعظیماً اٹھ کھڑی ہوئی۔
"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "پڑھتی ہو ناعمہ کے ساتھ؟"
"جی؟" وہ لمحہ بھر کو رکی۔ "یونہی سمجھ لیں آنٹی!"

ناعمہ نجانے کیوں اس ساری صورت حال سے ہراساں سی ہو رہی تھی۔ رابعہ بیگم کے وہاں بیٹھتے ہی وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ فریحہ کی آمد کا مقصد کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا لیکن اس کا معنی خیز سا انداز اسے الجھا رہا تھا۔
"میں نے ناعمہ کو شہلا آپی کی شادی میں دیکھا تھا۔" فریحہ' رابعہ بیگم کو بتا رہی تھی۔ "میرے بڑے بھائی فراز احمد' عباد بھائی کے بہت اچھے' جگری دوست ہیں۔ اسی حوالے سے ہم ان لوگوں کو جانتے ہیں۔"
"اچھا اچھا..." رابعہ بیگم مسکرائیں۔
"ناعمہ مجھے اچھی لگی... اسی لیے میں آج آپ لوگوں سے ملنے چلی آئی۔" وہ کیک پیس کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
رابعہ بیگم اور ورد نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہوں میں خوشی کی کیفیت تھی۔ فریحہ کو دیکھ کر اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔
پھر جب تک وہ وہاں رکی چھوٹے چھوٹے معنی خیز جملوں میں اپنا مدعا بیان کرتی رہی تھی۔
"اپنے گھر والوں کو بھی لانا بیٹی!"
اس کے اٹھنے پر رابعہ بیگم نے بے حد خوشی اور شوق سے کہا تھا۔
"ضرور آنٹی! اب تو آنا جانا رہے گا۔" وہ مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ممّا... ممّا...!" مومن نے ایقان کا شانہ ہلایا۔
ایقان نے بوجھل آنکھوں سے مومن کی جانب دیکھا۔
"ممّا... آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ ہم سے بات کیوں نہیں کرتیں؟" وہ اس کی آنکھوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ایقان نے گہری سانس بھر کر اسے خود سے لپٹا لیا۔
"ممّا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے جانو۔ سر میں درد ہے' اس لیے۔"
"آپ پپا سے ناراض ہیں؟ انہوں نے رات آپ کو اتنی آوازیں دیں... آپ نے بیڈ روم کا دروازہ کیوں نہیں کھولا؟"
ایقان چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی پھر اس نے اس کے ماتھے سے بال ہٹائے۔ "آپ نے ہوم ورک کیا؟"
"آپ کروا دیں نا... آپ کو پتا ہے میں اکیلا ہوم ورک نہیں کر سکتا... لیکن پہلے کھانا تو دیں' مجھے اتنی بھوک لگی ہوئی ہے۔ آپ نے آج کھانا نہیں پکایا ممّا؟"
چند آنسو ایقان کے اندر گرے۔ اس نے مومن کو سینے سے لگا لیا۔
"میں نے بتایا نا بیٹا! آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اس لیے... ایمان سو رہی ہے اب تک؟"
"وہ تو سو رہی ہے ممّا... لیکن مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"
"چلو میں آپ کو برگر بنا دوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
"نہیں... مجھے آپ چکن ڈال کر نوڈلز بنا دیں..." اس کے چہرے پر چمک آ گئی۔
"اچھا... بنا دیتی ہوں۔"
وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ اس کے سر میں درد کے دھماکے سے ہو رہے تھے۔ پچھلے پندرہ گھنٹوں سے اس نے پانی کا گھونٹ تک حلق سے نہ اتارا تھا۔ عاشر نے پہلے اس سے بات کرنے کی بہتیری کوشش کی تھی پھر وہ اسے

اس کے حال پر چھوڑ کر نجانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ ایقان نے رو رو کر برا حال کرلیا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی شریانیں پھٹنے کے قریب ہوگئی تھیں۔ اس کی سمجھ میں تو کچھ بھی نہ آیا تھا..... اسے تو بس اتنا ہی علم ہوسکا تھا کہ عاشر کی زندگی میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے..... اور یہ خیال سوہانِ روح تھا۔ جتنا سوچ رہی تھی گتھیاں اتنی ہی الجھتی چلی جارہی تھیں۔

سومن کو نوڈلز کا پیالہ دے کر وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لے کر پھر کمرے میں چلی آئی۔ گھونٹ گھونٹ ٹھنڈا پانی اپنے اندر اتارتے ہوئے اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ عاشر کو معاف کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ عاشر نے اس کے اعتماد کو بے حد ٹھیس پہنچائی تھی۔ اور بات صرف اعتماد کی کب تھی؟ یہاں تو محبت جیسی شے داؤ پر لگی ہوئی تھی جس کے پیچھے وہ آنکھیں بند کیے اتنے سالوں سے چلتی چلی جارہی تھی۔

ایقان کی نگاہوں میں گزشتہ زندگی کے سارے مناظر ایک ریل کی مانند چل رہے تھے۔ وہ کالج کا خوبصورت زمانہ، شہلا اور اس کی بے مثال دوستی کے دن..... پھر شہلا کو ابرار اور اسے عاشر مل گیا تھا۔ دونوں سہیلیوں نے تو ایک ساتھ ہی زندگی کے نئے دور کا آغاز کیا تھا۔

ایقان اس حساب سے خوش قسمت نکلی تھی کہ اس کی محبت کو کسی بڑی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ عاشر کا رشتہ آنے پر جب گھر والوں کو اس کی عاشر کے ساتھ انوالومنٹ کا علم ہوا تب اماں اور بھائیوں کی پیشانیوں پر بل ضرور پڑے تھے لیکن کسی نے بھی ان دونوں کے مابین آنے کی کوشش نہ کی تھی سوائے فردوس بیگم کے جو اس کی شادی اختر میاں سے کرنے کی خواہش مند تھیں لیکن گھر والوں نے ایقان کی خواہش کو مقدم جانتے ہوئے عاشر کا رشتہ قبول کرلیا تھا۔

عاشر ایک خوبرو، متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا اور اونچے خوابوں میں جینے والا نوجوان تھا۔ جسے ایقان کی صورت بہت سے خوبصورت خوابوں کی تعبیر مل گئی تھی لیکن اس کے خوابوں کا ایک بڑا حصہ حصول آسائشات سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے آگے سے آگے بڑھنے کی جستجو تھی۔ سو ایقان کے بہت روکنے پر بھی وہ خود کو آگے جانے سے نہ روک سکا۔ شادی کے ابتدائی چند سالوں میں ہی وہ سمجھ چکا تھا کہ اگر کچھ بننا ہے تو جدائی کے سمندر کو پار کرنا پڑے گا۔ سو وہ کوشش پیہم میں مصروف رہا اور ایک دن اسے سالوں کی جدائی کی نوید سنا کر جاپان چلا گیا۔

ایقان محبت کے پانی کی مچھلی تھی۔ اس کی زندگی میں سب کچھ محبت سے ہی عبارت تھا لیکن محبت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر نہایت متضاد صورت میں انا اور خود پسندی کا جذبہ بھی اسی شدت سے موجود تھا سو جیتے وقت محب اور محبوب دونوں بننا چاہتی تھی۔ وہ محبت میں پوجا کی قائل نہ تھی۔ کچھ دو کچھ لو کا اصول اس کے اندر پورے توازن کے ساتھ کام کررہا تھا اور اتنے سالوں بعد اچانک یہ توازن اس طرح بگڑا ہوا محسوس ہورہا تھا کہ وہ خود کو مچھلی کی صورت تالاب سے باہر پڑا ہوا محسوس کررہی تھی۔ ایک تڑپ تھی جو عضو عضو کو کرب میں مبتلا کررہی تھی۔ اس نے عاشر کو اتنا چاہا تھا کہ اس کی بے وفائی کا خیال اس کی رگ جاں کو خنجر کی مانند کاٹ رہا تھا اور جتنا تڑپ رہی تھی کچھ کر گزرنے کا خیال اتنا ہی قوی ہوتا جارہا تھا۔

٭٭٭

پلاؤ کو دم دے کر ربیعہ سلاد بنانے کے لیے فریج سے سبزیاں نکال رہی تھی۔ جب اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے آواز دے رہا ہے۔

ربیعہ نے فریج بند کرکے لمحہ بھر کے لیے غور سے سنا پھر وہ ٹوکری ایک طرف ڈال کر تیزی سے اندر کی جانب بھاگی تھی۔ کمرے کا منظر اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دینے کے لیے کافی تھا۔ منیزہ بیگم بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے دونوں ہاتھ ان کے پیٹ کے نچلے حصے پر سختی سے جمے ہوئے تھے اور وہ بری طرح سے کراہ رہی تھیں۔ ربیعہ دوڑتی ہوئی ان تک پہنچی۔

''آنٹی..... آنٹی..... کیا ہوا ہے آپ کو.....؟'' وہ انہیں سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

''درد..... درد بہت ہے ربیعہ.....!'' وہ رونے کو تھیں۔

شدت ضبط سے ان کا چہرہ سیاہ ہورہا تھا۔ آنکھیں گہرے حلقوں میں اتری ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔

''آنٹی.....! آنٹی..... میں..... میں کیا کروں.....؟'' ربیعہ کے ہاتھ پیر پھول چکے تھے اور عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

''میری بچی..... میری بچی.....!'' منیزہ بیگم تڑپنے لگی تھیں۔ ''میری بچی کو بلا دو.....''

''اوہ'' ربیعہ کی عقل گویا ٹھکانے پر آئی۔ وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے ٹیلی فون تک آئی تھی۔ فون اٹھا کر وہ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے شہلا کا موبائل نمبر ملانے لگی۔

٭٭٭

شہلا ہاسپٹل جانے کے لیے تیاری کے آخری مراحل میں تھی جب اس کے موبائل کی بیپ بجی۔ عجلت میں کلائی پر نازک سی سفور ریسٹ واچ باندھتے ہوئے وہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل تک آئی۔ اسکرین پر روشن نمبر دیکھ کر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

''ہیلو..... السلام علیکم۔'' اسے دوسری جانب سے منیزہ بیگم کی آواز کی توقع تھی۔

''شہلا آپی..... میں ربیعہ..... آپ..... آپ جلدی سے یہاں آئیں۔ آنٹی کی طبیعت بہت خراب ہے.....''

ربیعہ کا انداز ہی نہیں الفاظ بھی ایسے تھے کہ شہلا کا وجود کانپ کر رہ گیا۔

''کیا..... کیا ہوا امی کو.....؟'' وہ ہکلائی۔

''مجھے نہیں پتا..... بس آپ جلدی آئیں۔'' وہ رو دینے کو تھی۔

شہلا پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگی۔ لمحہ بھر میں وہ مرکزی گیٹ پر تھی۔ سامنے ہی رافع اپنی بائیک اسٹارٹ کررہا تھا۔ شہلا تیزی سے لپکی۔

''رافع.....! رافع پلیز..... مجھے امی کے گھر لے چلو..... ان کی طبیعت بہت خراب ہے.....''

''کیا ہوا بھابھی.....؟'' وہ بھی گھبرا گیا۔ ''ایسا کیا ہوگیا؟''

''پتا نہیں..... بس تم جلدی چلو۔'' وہ اس کے پیچھے بیٹھتے ہوئے بولی۔

رافع نے بائیک دوڑا دی تھی۔

چند منٹوں میں وہ دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئے تھے۔ منیزہ بیگم کو سنبھالنے کی کوشش کرتی ربیعہ نے انہیں سلام کیا۔ وہ پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

شہلا نے اپنا فرسٹ ایڈ باکس منگوایا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ اس نے انہیں فوری طور پر اثر کرنے والی پین کلر ٹیبلٹ دی پھر پیڈ پر کچھ لکھنے لگی۔

"رافع۔۔۔ پلیز یہ انجکشن لا دو۔۔۔ اگر امی کو آرام نہ آیا تو میں انہیں انجکشن بھی دے دیتی ہوں۔"

"ضرور۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "لیکن آنٹی کو ہوا کیا ہے؟"

"میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ٹیسٹ وغیرہ کروانے کے بعد ہی کوئی حتمی رائے دی جا سکتی ہے۔ شاید اپنڈکس ہو۔۔۔ لیکن اپنڈکس لگتا نہیں ہے۔۔۔"

وہ منیزہ بیگم کے چہرے پر سے بال ہٹاتے ہوئے بولی۔ رافع فوری طور پر نسخہ لے کر باہر نکل گیا تھا۔

"انیقہ؟" شہلا نے سوالیہ نظروں سے ربیعہ کو دیکھا۔ "لوٹی نہیں اب تک؟"

"نہیں۔۔۔" ربیعہ نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ "لیکن اب آتی ہی ہو گی۔ عمر کے آنے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔"

عمر کے ذکر پر شہلا کے چہرے کے تناؤ میں قدرے کمی آئی تھی۔ وہ پھر منیزہ بیگم کو دیکھنے لگی جو اب آہستہ آہستہ کراہ رہی تھیں۔ ان کے درد میں کافی کمی واقع ہوئی تھی۔ شہلا کافی متفکر انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"شہلا آپی۔۔۔ آنٹی کو پہلے کبھی ایسا درد اٹھا ہے؟" ربیعہ ان کا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔۔۔" وہ کچھ سوچنے لگی۔ "کبھی کبھار ہلکے پھلکے سے درد کی شکایت کرتی تھیں۔ ہاضمے کی دوائیاں بھی اکثر استعمال کرتی ہیں لیکن اتنا شدید درد۔۔۔ کبھی نہیں ہوا۔"

"آنٹی کا مکمل چیک اپ کروانا چاہیے نا؟"

"ہاں ربیعہ۔۔۔ میں کل ہی انہیں ہاسپٹل لے کر جاؤں گی۔"

رافع ہولے سے دروازہ بجا کر اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شاپر تھا جو اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"بہت شکریہ رافع۔" شہلا نے ممنونیت سے اسے دیکھا۔ "میں تمہیں پیسے دینا بھی بھول گئی۔"

"بھابھی۔۔۔!" وہ شاکی ہوا۔ "کیسی غیروں جیسی باتیں کرتی ہیں۔ آنٹی میرے لیے بھی ماں جیسی ہیں' اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟"

"آرام آ گیا ہے۔۔۔ لیکن کل میں ان کا مکمل چیک اپ کرواؤں گی۔"

"یہ بہت ضروری ہے۔" پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ "میں اب چلوں بھابھی؟"

"چائے پیتے جاؤ۔" شہلا نے ربیعہ کو دیکھا۔

وہ جلدی سے کھڑی ہوئی تھی۔ رافع نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"نہیں ربیعہ! پلیز۔۔۔ بس چلوں گا۔۔۔ آپ تکلف میں نہ پڑیں۔"

"تکلف کیسا۔۔۔ چائے بننے میں بھلا کتنا وقت لگتا ہے؟"

رافع نے لحہ بھر کے لیے نگاہ اٹھائی پھر بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"بیٹھ جائیں نا پلیز۔۔۔ میں صرف پانچ منٹ میں چائے بنا لیتی ہوں۔" وہ شگفتگی سے مسکرائی۔ رافع کسی معمول کی مانند کرسی پر بیٹھ گیا۔



"امی۔۔۔ امی جی۔۔۔! کیا ہو گیا تھا آپ کو۔" انیقہ' منیزہ بیگم کی گود میں منہ چھپائے منمنا رہی تھی۔ انہوں نے

مسکراتے ہوئے اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"کچھ بھی نہیں۔ تم لوگ یونہی پریشان ہو رہی ہو۔ پرسوں میں نے بوائل انڈا کھالیا تھا اور تم جانتی ہو انڈا مجھے موافق نہیں آتا۔ پرسوں سے ہی ہلکا ہلکا سا درد تھا۔ کل وہی درد بڑھ گیا۔ بدہضمی ہوگئی تھی اور کچھ بھی نہیں۔"

"دو دو ڈاکٹرز کی موجودگی میں آپ کی اپنی رائے کا وزن کچھ بھی نہیں ہے امی جان!" شہلا مصنوعی خفگی سے بولی۔ "یہ معاملہ آپ ہم پر چھوڑ دیں، ہم خود تحقیق کریں گے مرض کی۔ آپ کل میرے ساتھ ہاسپٹل چل رہی ہیں بس۔"

"اچھی ڈاکٹر ہو تم دونوں۔" وہ ہنس دیں۔ "مریض خود بتا رہا ہے اپنے مرض کے بارے میں اور تمہیں کچھ پتا ہی نہیں چل رہا۔ ٹیسٹوں پر دارومدار ہے تشخیص کا۔ ایک زمانہ تھا کہ ڈاکٹر اور حکیم نبض پکڑتے ہی مرض پکڑ لیا کرتے تھے۔"

شہلا اور انیقہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" انیقہ نے تائید کی تھی۔ "جیسے جیسے سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کر رہی ہے انسانوں کی اپنی قابلیت گھٹتی جا رہی ہے۔ آج کا ڈاکٹر جب تک دس ٹیسٹ نہ کروا لے نسخہ تجویز نہیں کرتا۔"

"ہاں تو اپنے پاس ہی رکھو اپنی ڈاکٹری کو۔" وہ اطمینان سے پیر پسارتے ہوئے بولی تھیں۔ "میں اپنا نسخہ خود تجویز کر چکی ہوں۔"

"وہ کیا؟" وہ دونوں ایک ساتھ بولیں۔

"آئندہ میں انڈا نہیں کھاؤں گی۔"

شہلا اور انیقہ نے برا سا منہ بنایا تھا جبکہ ربیعہ کی ہنسی نکل گئی تھی۔

وردہ کافی پُرجوش سے انداز میں ماں کے پاس آکر بیٹھی تھی۔ رابعہ بیگم نے کروشیے کی بیل بناتے بناتے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر مسکرا دیں۔

"امی جی۔۔! آپ کا کیا خیال ہے؟" وردہ نے مدھم سی آواز میں پوچھا۔

"کس بارے میں؟" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اُفوہ۔۔ اسی لڑکی فریحہ کے متعلق۔۔۔" اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر ناعمہ کے موجود نہ ہونے کا یقین کیا۔

"ہوں۔۔ لڑکی تو اچھی ہے۔۔۔" وہ بے نیازی سے بولیں۔

"امی جی۔۔! اس کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ کسی بہت اونچے اور شریف خاندان کی لڑکی ہے۔ ہے نا؟"

رابعہ بیگم نے کروشیہ اور دھاگا ایک طرف رکھ دیا اور قدرے سنجیدہ سی ہوگئیں۔

"لیکن وردہ۔۔۔ اپنی ناعمہ تو بہت بھولی سی ہے ابھی۔ مجھے تو رہ رہ کر یہی خیال آرہا ہے کہ مجھے ناعمہ کا رشتہ خاندان میں ہی کرنا چاہیے۔ اپنے پھر اپنے ہی ہوتے ہیں۔"

"لیکن اپنے خاندان میں اب ہے کون؟" وہ قدرے چڑ سی گئی۔ "اور جب سے نافع اور عریشہ کا نکاح ہوا ہے تب سے میں خاندان میں رشتہ ہونے سے خوف سا کھانے لگی ہوں۔ نجانے کیا بات ہے جوان لوگوں کی خوشیوں کو گھن سا لگ گیا ہے۔ آج کل کے لڑکے لڑکیاں کون سی ہوائی دنیا میں رہنے لگے ہیں جو حقیقتوں کو قبول ہی نہیں کر پاتے۔ خیر۔۔ یہ تو ایک بے معنی سی گفتگو ہے۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر وہ لوگ ناعمہ کا رشتہ لے آتے ہیں جو کہ ایک لازمی بات ہے تو پھر ہمارا جواب کیا ہوگا؟"

رابعہ بیگم کے چہرے پر تفکرات کے سائے پھیلے۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو وردہ! جانے کیوں مجھے بھی وہم سے ہونے لگے ہیں۔ رافع۔۔۔ یوں تو ہر لحاظ سے بہت ہی اچھا لڑکا ہے لیکن۔۔۔ لیکن تمہاری طرف سے وہ کچھ زیادہ ہی بے نیاز لگتا ہے جیسے۔۔۔ جیسے اسے اس رشتے کی اہمیت کا احساس ہی نہ ہو۔"

"اُفوہ۔۔۔" وردہ نے سر ہی پیٹ لیا۔ "امی جی۔۔! یہ تو سوال گندم، جواب چنا والی مثال ہوئی۔ میں کیا پوچھ رہی ہوں، آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں اپنی نہیں، ناعمہ کی بات کر رہی ہوں۔"

"ناعمہ سے زیادہ اب مجھے تمہاری فکر ہے وردہ!" انہوں نے گہری سانس بھری۔ "ناعمہ کا رشتہ طے ہو جانے کے بعد اگر انہوں نے فوری شادی کی فرمائش کی تو میں کیا جواب دوں گی؟"

"تو کیا؟ ہم ناعمہ کی شادی کر دیں گے۔" وہ مزے سے بولی۔ "پھر میں اور آپ عیش کریں گے یہاں۔ وہ موٹی میری بنائی ہوئی ساری چیزیں کھا جاتی ہے۔ تنگ کیا ہوا ہے اس نے مجھے۔"

رابعہ بیگم ہولے سے مسکرا دیں۔

"مذاق کی بات نہیں ہے وردہ! اصل بات یہی ہے کہ عذرا بھابھی ابھی رافع کی شادی کی بات نہیں کریں گی۔ ثامیہ اور سدرہ کی ابھی کہیں بات نہیں چلی۔ نجانے انہوں نے تمہیں کتنے سال یونہی بٹھا کر رکھنا ہے۔"

"تو آپ کو کاہے کی فکر ہے؟" اس نے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔ "میں تو خود ہی آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ ساری عمر۔"

"خدا نہ کرے۔" وہ کانپ سی گئیں۔ "اچھی بات منہ سے نکالتے ہیں بیٹا! مائیں بیٹیوں کو ان کے گھروں میں بستا دیکھ کر خوش ہوتی ہیں، اپنے ساتھ رکھ کر نہیں۔"

"اچھا۔۔۔ چھوڑیں اس بات کو۔ میں تو ناعمہ کی بات کر رہی تھی۔"

"دیکھو۔۔۔ جو اس کا نصیب۔" انہوں نے سانس بھری۔ "اگر اس کا نصیب اسی گھر میں جڑنا لکھا ہے تو ایسا ہی ہوگا لیکن سچی بات تو یہ ہے بیٹا کہ رشتہ ہمیشہ اپنے جیسوں میں ہی کرنا چاہیے۔ وہ بہت اونچے لوگ لگتے ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ ہماری ناعمہ کسی سے کم ہے کیا؟ کم از کم اس کا دماغ تو بہت ہی اونچا ہے۔" وہ شرارت سے ہنس دی تھی۔



ہاشم منیزہ بیگم کی مزاج پرسی کے لیے آیا تھا۔ کافی دیر سے وہ ان کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

"یہ لوگ درست کہہ رہی ہیں آنٹی! آپ کو ضرور اپنا تفصیلی چیک اپ کرانا چاہیے۔"

"تمہیں بھی انہوں نے اپنا ہم نوا بنا لیا ہے۔" وہ مسکرائیں۔ "چلو۔ دیکھتے ہیں۔ ابھی تو مجھے مکمل آرام ہے۔ کوئی درد ورد نہیں ہے۔ آئندہ کبھی اٹھا تو چیک اپ بھی ہو جائے گا۔"

"خدا نہ کرے۔" شہلا نے خفگی سے انہیں دیکھا۔ "آئندہ کیوں اٹھے درد۔۔۔ آپ بھی بچوں جیسی باتیں کرنے لگی ہیں۔"

ہاشم نے بے حد پُرشوق انداز میں شہلا کو دیکھا تھا۔ اس کا خفا خفا سا انداز اسے بہت دلچسپ لگا۔ اسی لیے شہلا نے بھی نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور پزل سی ہوگئی۔

"گھر چلیں جناب؟" وہ بشاشت سے پوچھنے لگا۔

شہلا نے نگاہ اٹھا کر گھڑی میں ٹائم دیکھا۔ نجانے کیا بات تھی، اس کا "حیات ولا" میں دل لگ کر رہ گیا تھا۔ یہاں آکر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنی گم گشتہ جنت میں چلی آئی ہو۔

ہاشم نے اپنے سوال کے جواب میں اس کے بدلتے ہوئے تاثرات کو بے حد دھیان سے دیکھا۔ اسے احسا ہوا تھا کہ شہلا کا وہاں سے جانے کا موڈ نہیں ہے۔

"میں چلوں پھر؟" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

شہلا چونکی تھی۔ اس نے ہاشم کا سوال یاد کیا پھر خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی چل رہی ہوں' آپ اکیلے ہی جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کیا؟"

ہاشم ذرا سا مسکرایا "لگ رہا تھا کہ اکیلے ہی جانا پڑے گا۔ چھٹی حس الارم بجا رہی تھی۔"

"کیسے تو آپ کی چھٹی حس کا علاج کردوں۔ صحیح صحیح کام نہیں کر رہی یہ۔" وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہو یونہی بولی۔

ہاشم ایک مرتبہ پھر اسے غور سے دیکھنے اور مسکرانے پر مجبور ہو گیا۔ شہلا کے انداز میں جیون ساتھی وال رنگ ابھرنے لگے تھے۔ اس کی روز اول والی اجنبیت میں کمی آتی جا رہی تھی۔

"اچھا امی جی... ! میں اب چلتی ہوں... کل آپ سے ملنے آؤں گی... دوا ٹائم پہ لیجیے گا بلکہ میں نے انیا اور ربیعہ کو بھی یاددہانی کرائی ہے۔"

"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" وہ بھی مسکرائیں۔ "ربیعہ تو میرے منٹ منٹ کا حساب رکھتی ہے۔ وقت پر کھا وقت پر دوائی... بیٹیوں سے بڑھ کر ہو گئی ہے میرے لیے۔"

اندر داخل ہوتی ربیعہ نے ان کے جملے سنے۔ اس کی روح ہلکی پھلکی ہو کر مسکرانے لگی جیسے ہر ریاضت کا صل پالیا ہو۔ شہلا نے بھی اس کا چہرہ بہت محبت سے دیکھا تھا۔

ربیعہ کی ہمراہی میں اندر آتا عمر بھاگ کر شہلا سے لپٹ گیا تھا۔

"ماما... ! آپ جا رہی ہیں پھر..."

"عمر..." ربیعہ نے اسے پکارا۔

"نہیں..." وہ ضدی پن سے بولا۔ "میں آج مما کے ساتھ جاؤں گا۔ میں بہت دنوں سے مما کے ساتھ نہیں سویا۔ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔"

"جھوٹے۔" ربیعہ نے اسے ایک چپت لگائی۔ "روزانہ میں تمہیں کہانی سناتی ہوں اور تم کہانی ختم ہونے سے پہلے ہی سو جاتے ہو؟"

"تو میں کیا کروں۔ آپ کی کہانی اتنی لمبی ہوتی ہے۔ بور ہونے لگتی ہے تو میں سو جاتا ہوں۔" اس کی بات پر سب ہنس دیے۔

"ربیعہ... ! اس کے کپڑے اور یونیفارم وغیرہ رکھ دو۔" شہلا نے محبت سے اس کا سر ہلایا۔ "میں اسے اپنے ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

"ہرے..." اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

ماں بیٹے کی خوشی دیکھ کر پھر کوئی بھی کچھ نہ کہہ سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے گھر کا پتہ نہیں ملتا
ہم کو اک رہنما نہیں ملتا
ایک عالم کو چھان بیٹھے ہم

آپ سا دوسرا نہیں ملتا
لفظ کے پیچ و خم کھنگالے ہیں
"پیار" بھی بے "ریا" نہیں ملتا
اپنی گہرائیوں میں ڈھونڈ لے اب
بت کدوں میں خدا نہیں ملتا

رافع "حیات ولا" کے پچھلے بڑے لان میں ٹہل رہا تھا۔ دماغ پر نجانے کیوں ایک بڑا بوجھ دھرا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اس بوجھ کو خود پر سے اتار کر پھینک دینا چاہتا تھا لیکن کسی طور کامیابی نہ ہوتی تھی۔ ایسے عالم میں لفظ سے لفظ جڑتا گیا۔ خیال سے خیال بنتا گیا اور غزل ہوتی گئی۔

وہ گھاس پھونس سے بھرے ہوئے حوض کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن نجانے کیوں اسے اس وقت ایک سگریٹ کی طلب ہونے لگی تھی۔ ذہن میں بھرا ہوا دھواں کسی بہانے نکالنے کا جی چاہنے لگا تھا۔

نجانے وہ آسمانی رنگ اتنا کیوں پہنتی ہے؟ شاید اسے علم ہے کہ آسمانی رنگ اس کی صبیح رنگت پر بہت جچتا ہے۔ اس رنگ میں اس کی سیاہ آنکھوں کی چمک اور سیاہی مزید بڑھ جاتی ہے۔ شنگرفی لبوں کی مسکان اور کھلی معلوم ہوتی ہے... شاید!

لیکن نہیں... وہ تو خود سے اتنی بے نیاز محسوس ہوتی ہے جتنی باقی دنیا سے۔ اس کا دھیان تو نجانے کہاں رہتا ہے 'بادلوں پر... چاند کی چاندنی پر... ان ہی دنیاؤں میں... پریوں کی نگری میں۔ شاید وہ خود بھی وہیں سے آئی ہے... وہ پریوں جیسی لڑکی...

رافع نے آنکھیں بند کیں۔ وہ روشن پیشانی' وہ سیاہ چمکتی آنکھیں' وہ... وہ...

"اوفوہ..." وہ اپنی بے بسی پر جھنجھلا کر رہ گیا۔

کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ رافع اچھل ہی پڑا پھر اس نے ہاشم کے مخصوص "Gucci" کی خوشبو محسوس کی۔ وہ اس کے برابر حوض کی منڈیر پر بیٹھ گیا تھا۔

"تو یہ طے ہے کہ تو اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ تیرے رت جگے بتا رہے ہیں۔"

رافع خاموشی سے بیٹھا رہا۔ ہاشم نے اس کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کی لیکن رات کافی سیاہ تھی۔

"تو کیوں جاگ رہا ہے؟" رافع نے چند لمحوں کے بعد پوچھا۔ "اگر محبت ہی جگاتی ہے تو... اب تو تجھے سونا چاہیے۔"

ہاشم اس کی بات پر دھیرے سے ہنس پڑا۔

"کیوں؟ شادی محبت کا اختتام ہے۔" جیسے لاثانی جملے پر تیرا یقین ہے کیا؟"

"نہیں..." رافع بھی مسکرا دیا۔ "میرے کہنے کا یہ مطلب تو نہیں... میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اگر محبت میں جدائی رت جگے دیتی ہے تو محبتوں کی قربت تو مدہوشی عطا کرتی ہے۔ یہاں ویرانے میں تو ہم سے اُلو بھلے لگتے ہیں۔"

ہاشم زور سے ہنسا پھر دفعتاً خاموش ہو گیا۔

"یار رافع... !" وہ کچھ دیر بعد بولا۔ "یہ ون وے محبت کا فارمولا کیسا ہے؟ کیا کہتا ہے تو اس بارے میں؟ ون وے محبت کی قربت کتنی دیر مدہوش رکھ سکتی ہے بندے کو؟"

رافع چونک سا گیا۔ ہاشم کے لہجے میں کچھ تھا۔

"ڈاکٹر صاحبہ سے کوئی شکایت؟" اس نے محتاط سا ہو کر پوچھا۔

"او نہیں یار۔ شکایت تو جب بھی ہوئی، مجھے اپنے آپ سے ہوگی۔" وہ بے پروائی سے بولا۔
"خدا نہ کرے۔" رافع بڑبڑایا۔
"اچھا غزل سنا۔" ہاشم قدرے بے فکری سے پھیل کر بیٹھا۔
"کون سی غزل؟"
"جو ابھی وارد ہوئی ہے۔ ایسی رات اور ایسی تنہائی۔۔۔ شاعر غزل نہ کہے۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"
رافع دھیرے سے ہنس پڑا۔ ہاشم یار غار تھا۔ اس سے کچھ بھی چھپانا اس کے لیے ناممکن تھا۔ وہ اسے غزل سنانے لگا۔ ہاشم بغور سن رہا تھا۔
"ہوں۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔" پوری غزل سن کر وہ بولا "خواہش کی رنگین تتلی۔۔۔ تصور کی حسین نگری سے نکل کر اب حقیقتوں کی دنیا کی جانب محو سفر ہے۔"
"وہ کیسے؟"
"تیری غزل کا وہ ماورائی، تصوراتی رنگ غائب ہو رہا ہے جس میں صرف محبوب کو سوچنے سے ہی خوشی بلکہ روحانی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ تیری سوچ میں اب لاحاصلی کی تلخی اتر رہی ہے۔" رافع خاموش سا ہو گیا۔ شاید ہاشم ٹھیک کہہ رہا تھا۔
"یار شاعر۔۔۔! خوش رہنا چاہتا ہے تو۔۔۔ اسی تصوراتی دنیا میں لوٹ جا۔۔۔ محبوب کو سوچ اور۔۔۔ اور بس سوچ۔۔۔ جہاں اسے پالینے کی تمنا کی۔۔۔ وہیں سے سوچ کا ریگ زار شروع ہو جائے گا اور تمنا سراب کی صورت دور۔۔۔ اور دور ہوتی چلی جائے گی۔"
"ہاشم۔۔۔" وہ دھیرے سے بولا۔
"ہوں؟"
"تیرے پاس سگریٹ ہے؟"
"رکھتا تو ہوں۔" اس نے جیب پر ہاتھ مارا پھر ٹٹول کر ایک سگریٹ برآمد کی۔
رافع نے اس سے سگریٹ لے کر سلگائی اور بہت سا دھواں چھوڑا۔
"بس اب تو جا۔" پھر وہ بولا تھا۔
"اچھا۔" ہاشم حیران ہوا پھر گہری سانس بھر کر کھڑا ہو گیا۔ "ٹھیک ہے۔۔۔ چلتا ہوں۔"
پھر رافع پر ایک ترحم بھری نظر ڈال کر وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا چل پڑا تھا۔



شہلا کا ڈیوٹی ٹائم شروع ہونے میں اب زیادہ دیر نہ تھی۔ روٹی پکاتے پکاتے اس نے ایک نظر لاؤنج کی دیوار پر نظر آتے وال کلاک پر ڈالی۔ محض آدھا گھنٹہ ہی رہ گیا تھا۔ اس نے پریشانی سے ماتھے پر آتے بال بازو سے ہٹائے۔ فردوس بیگم کچن کی ہر ذمہ داری اس کے سپرد کر کے خود ہر فرض سے سبکدوش ہو چکی تھیں۔ عریشہ کا گھر میں ہونا نہ ہونا بالکل برابر تھا بلکہ شہلا کو تو اس کی صورت بھی ہفتے میں دو تین بار بمشکل نظر آتی تھی۔ ایسے میں شہلا کو اپنی ذمہ داریوں میں توازن قائم رکھنے میں کافی دقت پیش آ رہی تھی۔
"میرا خیال ہے مجھے کچن کے لیے ایک عدد ملازمہ رکھ ہی لینا چاہیے۔" اس نے ہاٹ پاٹ میں روٹی رکھتے ہوئے سوچا "میں ہاشم سے کہتی ہوں وہ اس سلسلے میں اپنی امی کو خود ہی قائل کریں تو بہتر ہوگا۔"
روٹیاں پک چکی تھیں۔ شہلا نے سنک میں ہاتھ دھوتے ہوئے اپنے آج کے ڈریس کے متعلق لمحہ بھر کے

لیے سوچا پھر مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

گیلے ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ جیسے ہی مڑی اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کچن کے دروازے پر ایک بڑے ڈیل ڈول کا سانولا آدمی کھڑا تھا۔ اس کی سرخ نظریں شہلا کو اپنے وجود کے آرپار گزرتی محسوس ہوئیں۔ لمحہ بھر کے لیے شہلا کے اعصاب بالکل جواب دے گئے تھے۔

"آپ کے ہاں بڑوں کو سلام کرنے کا رواج نہیں ہے کیا؟" وہ بولا۔

تب شہلا کے حواس دھیرے دھیرے واپس ہوئے۔ اس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور پہچان لیا۔

"اوہ..." اس کے لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی۔ "السلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ...؟"

"وعلیکم السلام" وہ مسکرائے۔ "ہم تو ویسے ہی ہیں شہلا بیگم! جیسا آپ کی دوست چھوڑ گئیں ہمیں۔"

"اوہ گاڈ..." شہلا نے دل میں سوچا۔ "یہ اختر میاں اب تک..."

"آپ کو شادی کی مبارک باد..."

"شکریہ" وہ مختصراً بولی تھی۔

اختر میاں کچن کے دروازے پر جم کر کھڑے ہوئے تھے۔ باہر نکلنے کے راستے مسدود تھے۔ شہلا کو کوفت نے آگھیرا۔ اسے پہلے ہی دیر ہو گئی تھی نجانے فردوس بیگم کہاں تھیں جو اپنے بھائی کو سنبھال لیتیں۔

"دولہن بیگم...! ہمیں ایک کپ چائے بنا دیں اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو..." اختر میاں نے جیسے اس کی کوفت اور بیزاری محسوس کر لی تھی۔ وہ کچن کے دروازے پر سے ہٹتے ہوئے بولے۔

"جی... جی ضرور..." شہلا نے اپنی کوفت کو حتی الامکان دبانے کی کوشش کی۔

اختر میاں پلٹ گئے تھے۔ شہلا نے جلدی جلدی ساس پین چولہے پر دھرا تھا۔ تب ہی اس کے کانوں میں دبی دبی آواز آئی تھی۔

"ائے ہئے... تم پھر آن مرے... ہمارا سکون سلامت نہ رہنے دو ظالم..." یہ چڑا بھنا انداز سوائے فردوس بیگم کے اور کس کا ہو سکتا تھا۔

"باجی...! کوئی سلام دعا کا موقع بھی دے دیا کرو..." اختر میاں ہنسے تھے۔ "ہمیں دیکھتے ہی تم تو یوں کوسنے دیتی ہو جیسے ہم تمہارا کچھ لے بھاگے ہوں۔"

"ہماری عزت، ہمارا وقار دو کوڑی کا کر جاتے ہو تم بھیا...! اور بھلا کیا لوگے اور؟ نئی دلہن گھر میں ہے... کیا سوچے گی تمہارا یہ "شریفانہ" حلیہ دیکھ کر۔"

"ہاہاہا..." وہ ہنسے تھے۔ "اچھا... تو یہ فکر ستائی تمہیں... کوئی بات نہیں باجی...! زمانہ ہی سفید خون کا ہے... سرخ لہو تو اب شاید ہماری ہی رگوں میں دوڑتا ہے جو ہم "اپنوں" سے ملنے چلے آتے ہیں۔ ویسے "نئی" دلہن کی بات بھی خوب کی تم نے، ہم کیا اسے جانتے نہیں۔ ہاہاہا..."

ٹرے میں چائے اور بسکٹ لے کر آتی شہلا کے ذہن کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکی۔ اس نے اپنا چہرہ سرخ ہوتا ہوا محسوس کیا۔ پھر گرم گرم لہو اس کے پورے جسم میں گردش کرنے لگا۔ اس نے ٹرے اختر میاں کے سامنے تقریباً پٹخ ہی دی تھی۔

فردوس بیگم نے حیرانی اور قدرے خفگی سے اسے دیکھا جیسے اس بدتہذیبی کا مطلب جاننا چاہتی ہوں۔ شہلا نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے پھر لمحہ بھر سوچا۔ اس کے بعد وہ لب کاٹتے ہوئے مڑ گئی۔ تھکے تھکے ذہن اور پژمردہ اعصاب کے ساتھ وہ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے تک چلی آئی تھی۔ اسے تازہ دم ہو کر اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا تھا۔ سوچوں میں الجھ کر خود کو تھکانے سے کچھ حاصل ہی نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

پودوں کو پانی دیتی ربیعہ کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ لکڑی کے چھوٹے سفید پھاٹک کے دوسری جانب وردہ کھڑی تھی۔ ربیعہ نے پائپ کیاری میں ڈال دیا اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے پھاٹک تک آئی۔

"السلام علیکم۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرنے لگی۔

"وعلیکم السلام۔" وردہ اندر چلی آئی۔ "کیسی ہو ربیعہ...!"

"بالکل ٹھیک۔ آؤ اندر بیٹھتے ہیں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ انیقہ اپنے کمرے میں اسٹڈی میں مصروف تھی جبکہ منیزہ بیگم عصر کی نماز سے فارغ ہو کر چائے پی رہی تھیں۔ وردہ کی آمد پر وہ دونوں بھی ڈرائنگ روم میں چلی آئی تھیں۔

"اتنے سالوں میں تم کبھی مجھ سے ملنے نہ آئیں اور ربیعہ سے دوستی ہوئی تو اس سے ملنے آئی ہو۔" انیقہ نے اپنے مخصوص دھونس والے انداز میں شکایت کی تھی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وردہ ہنس دی۔ "میں اپنی غلطی مانتی ہوں لیکن یہ بھی تو دیکھو، ربیعہ بھی تو مجھ سے ملنے آتی ہے جبکہ اتنے سالوں میں تم کبھی مجھ سے ملنے نہ آئیں۔"

"چلو بھئی... تم نے تو بدلہ ہی چکا دیا۔" انیقہ بے بسی سے بولی۔ سب ہی ہنس دیے۔

"یہ ربیعہ ہے ہی ایسی۔" منیزہ بیگم نے محبت سے اس کی جانب دیکھا۔ "یہ سب کو اپنا بنا لیتی ہے۔ سب ہی گرویدہ ہو جاتے ہیں اس کے۔"

ربیعہ جھینپ کر اپنی ہتھیلیاں دیکھنے لگی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" وردہ نے تائید کی۔ "ہمارے گھر میں بھی سب اس کے دیوانے ہیں، سب ہی اس کا ذکر کرتے ہیں۔"

ربیعہ کا دل نجانے کیوں دھڑکا تھا۔ "سب" کا مطلب نجانے کیا تھا؟ وہ لمحہ بھر کے لیے کہیں کھو گئی۔ دو مہربان نگاہیں اسے تکنے لگی تھیں۔ دو مسکراتے لب اپنا مدعا کہہ رہے تھے۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمکیں۔

"ہمارے ماموں سلجوق حسن کے بڑے صاحبزادے رافع حسن ان کے منگیتر ہیں۔ ان کی پسند سے ہی رشتہ..." ناعمہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے تھے۔

"[illegible]..." وردہ کا وہ جھینپا جھینپا سا انداز۔

"ربیعہ...!" انیقہ نے اسے دوسری مرتبہ آواز دی تھی۔

ربیعہ چونک کر اپنے آپ میں لوٹی۔ ایک ایک کر کے اس نے سب کے چہرے دیکھے پھر دھیرے سے مسکرائی۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" انیقہ نے مسکرا کر کہا۔

"بس یونہی ایک خیال آگیا تھا۔" وہ اپنے خیال کی حدت سے گھبرا کر کھڑی ہوئی۔ "آپ لوگ گپ شپ کریں میں اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"میں چائے پی کر آئی ہوں ربیعہ!" وردہ کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ ربیعہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

"آنٹی...! میں دراصل آپ کے پاس آئی تھی۔" وردہ نے منیزہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"ہاں بیٹا! بولو..." وہ شفقت سے بولیں۔ "میں اگر آپ کے کسی کام آسکوں تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"آنٹی! عباد بھائی کے ایک دوست ہیں فراز احمد۔۔۔ ہیں نا؟"
"ہاں ہاں۔۔۔ فراز تو ہمارے گھر کے ایک فرد کی مانند ہے۔ ہمارے لیے تو وہ عباد جیسا ہی ہے۔"
"اچھا۔۔۔" دروہ خوش ہو گئی۔ "میں دراصل یہی جاننا چاہ رہی تھی، ان کا فیملی بیک گراؤنڈ، خاندان کے افراد وغیرہ۔۔۔ سب کیسے ہیں؟"
"سب ہی بہت اچھے ہیں۔ دو بہنیں اور دو ہی بھائی ہیں۔ سب ماشاءاللہ سلجھے ہوئے، پڑھے لکھے افراد ہیں۔ بہت کھاتا پیتا گھرانہ ہے۔"
دروہ کے چہرے پر چمک آ گئی تھی۔ منیزہ بیگم کے الفاظ اور انداز بہت حوصلہ افزا تھے۔
"پہلے یہ تو بتاؤ کہ بات کیا ہے؟" انیقہ نے اسے گھورا۔
"بات یہ ہے کہ فراز کی بہن فریحہ ہمارے گھر آئی تھیں، ان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ لوگ ناعمہ میں انٹرسٹڈ ہیں۔"
"وری گڈ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" انیقہ بھی خوش ہوئی۔ "ان دونوں کی جوڑی تو خوب سجے گی۔ ویسے فراز بھائی تو چھپے رستم نکلے۔ آنے دو انہیں، سمجھتی ہوں ان سے۔"
"ارے نہیں انیقہ، پلیز۔۔۔" دروہ التجائیہ انداز میں بولی۔ "ابھی تو ان لوگوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ یہ محض میرا اندازہ ہے۔ ابھی تم ان سے کچھ مت کہنا، ورنہ وہ ہمارے متعلق کیا خیال کریں گے۔"
"تم بے فکر رہو دروہ بیٹی!" منیزہ بیگم نے اسے تسلی دی۔ "ہمارے گھر سے ایسا کوئی ذکر نہیں ہوگا اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے، وہ بہت اچھی فیملی ہے، ہر لحاظ سے اچھی۔ اگر رشتہ آئے تو قبول کرنے میں تامل نہ کرنا۔"
"بہت شکریہ آنٹی!" دروہ ممنونیت سے بولی۔ "میرا بوجھ ہلکا کر دیا آپ نے۔"
"یہ ناعمہ تمہارا بوجھ کب سے ہو گئی؟" انیقہ حیرت سے ہنسی۔
دروہ نے اس کی بات پر غور کیا پھر خود بھی اس کی ہنسی میں شریک ہو گئی۔ چائے لے کر اندر داخل ہوتی ربیعہ نے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔ موٹی موٹی آنکھوں والی گندمی رنگت کی حامل دروہ واقعی پرکشش تھی اور ہنسی اس کے چہرے پر ملکوتی تاثر لے آئی تھی۔ ربیعہ نے دل سے اس کے یونہی مسکراتے رہنے کی دعا کی۔ نجانے کیوں یہ لڑکی اسے بہت اپنی سی لگتی تھی۔



کولر سے پانی لے کر وہ جیسے ہی پلٹی، لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ سرخ نگاہیں لیے وہ مقابل تھا۔ ایقان ان نگاہوں میں دیکھنا نہ چاہتی تھی۔ سو پانی لے کر سائیڈ سے نکلنے لگی۔ عاشر نے اس کا رستہ روکا۔
"یہ کون سا کھیل کھیل رہی ہو تم میرے ساتھ ایقان!" نظروں کی طرح اس کا لہجہ بھی تپا تپا سا تھا۔
ایقان نے بھی سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"کھیل؟ کھیل کا مطلب جانتے ہو تم عاشر صاحب؟ میں ایک کمزور عورت بھلا کون سا کھیل کھیل سکتی ہوں؟ کھیل تو تمہارے جیسے مرد کھیلتے ہیں۔ ہم عورتوں سے۔۔۔"
"یہ کیا لفاظی ہے!" وہ جھنجھلا گیا۔ "میرے واپس جانے میں محض تین دن رہ گئے ہیں۔ محض تین دن۔۔۔ اور تم۔۔۔ تم اپنی ہر ذمہ داری، ہر تعلق کو پس پشت ڈال کر کمرہ بند کیے نجانے کس ماتم میں مصروف ہو۔"
"ذمہ داری۔۔۔ تعلق۔۔۔" ایقان نے بھرا ہوا گلاس سنک میں دے مارا۔ "میں یاد رکھوں اپنی ذمہ داریوں کو۔۔۔

ہر تعلق بناؤں۔۔۔ اور تم!" اس نے انگلی سے عاشر کی جانب اشارہ کیا۔ "تم آزاد پنچھی بن کر ڈال ڈال پھرتے رہو۔"
"کیا کیا ہے میں نے ایسا؟"
"تم اپنے آپ سے پوچھو اگر ضمیر نام کی کوئی شے ہے تمہارے اندر۔ اور اگر نہیں ہے تو پھر تمہارے اس سوال کا جواب تمہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔"
وہ پھر اس کے قریب سے گزر کر جانے لگی تھی۔ عاشر نے اس کا بازو اس سختی سے پکڑا کہ اس کی انگلیاں ایقان کے بازو میں کھب سی گئیں۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لایا اور بستر پر دے مارا۔ ایقان کے لبوں سے گھٹی گھٹی سی چیخیں برآمد ہوئی تھیں۔
"تم مجھے میرے وفادار رہنے کا یہ صلہ دے رہی ہو؟ کیا کر لیتیں تم اگر میں اس سے شادی کر لیتا تو؟ کیا کر سکتی تھیں تم اگر میں اس کی اداؤں اور حسن کا دیوانہ بن جاتا اور اسی دیوانگی میں تم کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتا؟ بولو۔ جواب دو؟۔۔۔ جواب دو۔۔۔ کیا بگاڑ سکتی تھیں تم میرا اور کیا بگاڑ لو گی اب؟"
ایقان بستر پر گری اسے خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"ایقان بیگم! تم نجانے کون سی فینٹسی میں زندہ ہو۔ آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس دنیا میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مرد اگر خراب ہونا چاہے تو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی نہیں، بیوی تو ایک بہت کمزور سی شے ہے۔"
ایقان کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو آ گئے تھے۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔
"میں نے ایسا [illegible] تمہیں بیویوں کی طرح ماتم کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ سمجھیں تم!" وہ [illegible] بے حد سنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔
"مردوں کی زندگیوں میں ایسے چھوٹے موٹے واقعات آتے رہتے ہیں۔ ہوا کے جھونکے کی مانند عورتیں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔ اور ہوا کے جھونکوں کے پیچھے کوئی نہیں بھاگتا۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔"
ایقان نے اپنے چہرے پر سے بال ہٹائے اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر وہ قدم قدم چلتی اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔
"ہوا کے جھونکے کی مانند اگر کوئی میری زندگی میں بھی آ جائے مسٹر عاشر! تب بھی تمہارے خیالات یہی رہیں گے؟ اگر میں بھی تمہارے جانے کے بعد کسی مرد سے وقتی تعلق استوار کر لوں۔"
اس کے الفاظ اس کے لبوں میں ہی رہ گئے تھے۔ عاشر نے اس کے چہرے پر اس زور سے تھپڑ مارا تھا کہ وہ پلٹ کر پھر بستر پر جا گری تھی۔
"اپنی حد میں رہو ایقان بیگم۔۔۔!" وہ غرایا تھا۔ "تم نے صرف میری محبت دیکھی ہے۔ اسی پر قناعت کرو۔ اس سے آگے جانے کی کوشش کی تو۔۔۔ تو۔۔۔ آئی ول کل یو۔۔۔"
وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ نجانے کیا بات تھی، چہرے پر اٹھتی ٹیسوں کے باوجود اسے رونا نہ آیا تھا۔ کھلی آنکھوں سے دیوار کو تکتے ہوئے وہ کچھ سے کچھ سوچے چلی جا رہی تھی۔

٭ ٭ ٭

مندی مندی آنکھوں سے شہلا نے ٹائم دیکھا۔ شام کے سات بج چکے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آج اس کا آف

ڈے تھا۔ اس نے دوپہر بہت مزے سے سونے میں بتادی تھی۔

اس نے اپنے برابر خالی جگہ پر نگاہ کی۔ عمر کو اس نے اپنے ساتھ ہی سلایا تھا لیکن اب وہ وہاں نہیں تھا نجانے کس وقت وہ اسے سوتا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

شہلا نے اپنے بال سمیٹے اور اٹھ کر لائٹس آن کیں۔ پھر وہ واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ٹھنڈے پانی سے منہ دھو کر پرسکون اعصاب کے ساتھ چائے کی طلب لیے وہ کمرے سے نکلی تھی کہ سیڑھیوں پر پہنچ کر وہ ٹھٹک گئی۔

"یہ چھوکرا تو جان کو آگیا ہے۔ اتنا شیطان' اتنا شریر۔" فردوس بیگم کا پارہ نہایت ہائی ہو رہا تھا۔

شہلا کی نظر پام کے گملے پر پڑی جو اوندھا ہو کر ٹوٹ گیا تھا اور عمر اس کے قریب کھڑا منہ بسور رہا تھا۔

"مجھے کیا پتہ' آپ لوگوں نے رستے میں گملے رکھے ہوئے ہیں۔۔۔" وہ اپنے انداز میں بولا۔ "یہ کوئی جگہ تو نہیں پودوں کی۔ انہیں باہر رکھیں لان میں۔ آپ لوگوں کا لان کتنا بڑا ہے۔"

"اے ہے۔۔۔ اپنی زبان قابو کر لڑکے۔۔۔ بے لگام کہیں کا۔" انہوں نے اس کی کمر پر ایک دھپ رسید کی۔ شہلا کے دل کو نجانے کیا ہوا تھا' وہ لمحہ بھر میں سیڑھیاں اتر گئی۔

"آنٹی پلیز۔۔۔" اس نے عمر کو کھینچ کر خود سے لپٹا لیا۔ "آپ اسے اس طرح ٹریٹ نہ کریں بچوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔"

اس کا لہجہ ضبط کے باوجود تلخ ہو چلا تھا۔

"بی بی۔ ! ہمارے گھر میں بچوں کو الو لک کا پٹھا نہیں بناتے۔۔۔ سمجھیں تم۔۔۔" انہوں نے ہاتھ ہلایا۔ "اتنا ہی لاڈلا ہے تو رہے نانی اماں کے گھر۔۔۔ ہم نے تو پہلے دن ہی صاف کہہ دیا تھا کہ ہم بہو تو لے جا رہے ہیں۔ یہ تو ہمارا اپنا خون ہی ہو گا۔ یہ پھر بھی ہر دوسرے دن یہیں مونگ دلتا ہے۔" وہ بات مکمل کر کے گملے کا جائزہ لینے لگی تھیں۔

"میری عریشہ کتنے شوق سے لائی تھی۔ سب ستیاناس کر دیا۔" وہ بڑبڑا رہی تھیں۔ شہلا آنکھوں میں آنسو بھرے لب کاٹ رہی تھی۔ عمر نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"آئی ایم سوری مما! انہوں نے میری وجہ سے آپ کو ڈانٹا۔ نانو نے تو آپ کو کبھی نہیں ڈانٹا ہے نا۔۔۔!"

"چلو بیٹا! ہم نانو کے گھر چلتے ہیں۔" اس نے بے حد ضبط سے خود پر قابو پایا تھا۔

"ٹھیک ہے!" اس نے سر ہلایا۔ "میں واپس نہیں آؤں گا مما۔ مجھے ان کا گھر پسند نہیں ہے۔ آپ واپس آئیں گی؟"

شہلا لب کاٹ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یہ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو ایقان تم۔۔۔؟" عذرا بیگم خوف سے پیلی پڑ گئی تھیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں بھابھی بیگم!" اس کے لہجے کی استقامت سے انہیں مزید خوف محسوس ہوا۔ "اور آپ جانتی ہیں میں کس قدر ضدی ہوں۔"

"لیکن ایقان۔۔۔ اماں۔۔۔ تمہارے بھائی۔" وہ ہکلا کر رہ گئیں۔ "تم نے اماں سے ذکر تک نہیں کیا اور اب مجھے بتا رہی ہو۔"

ایقان نے گہری سانس بھری' وہ اپنا ضروری سامان اور بچے لے کر دوپہر میں ہی "حیات ولا" چلی آئی تھی۔ سارا دن عجب بے کلی میں گزرا تھا۔ دل کو پنکھے لگے ہوئے تھے۔ اماں کے سوجانے کے بعد وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

عذرا بیگم سے اس نے سب احوال کہہ ڈالا تھا۔

"اماں کو میں بتا دوں گی۔ بھائی کو آپ بتا دیں۔۔۔ دنیا کو خود ہی پتا چل جائے گا۔"

"ایقان۔۔۔" وہ رونے کے قریب ہو گئیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو۔ کیا کر رہی ہو۔ ارے کچھ سوچ سمجھ تو لو۔"

"اتنا طے ہے بھابی بیگم! کہ میں پلٹ کر اس شخص کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ بولی "آپ جانتی ہیں نا۔ ابا مرحوم نے "حیات ولا" کے حصے اپنی زندگی میں ہی کروا لیے تھے۔ دو بڑے حصے دونوں بھائیوں کے لیے اور دو چھوٹے حصے ہم دو بہنوں کے۔۔۔ ہے نا۔ میرے حصے کا پورشن اب تک ویران اور خالی پڑا ہے۔ میں وہیں رہوں گی۔"

"ہمیں تمہارے رہنے کی نہیں۔ تمہارے آباد رہنے کی فکر ہے۔ ایقان۔۔۔!" انہوں نے آنسو پونچھے۔ "میرے لیے تم ثانیہ اور سدرہ کی طرح ہو۔ میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ تمہارا ہنستا بستا گھر برباد ہو۔"

"آپ کے یا میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے بھابھی جان!" وہ گہرے دکھ میں ڈوب کر بولی۔ "تقدیر کا وار چل چکا۔"

"خدا نہ کرے۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ تم تو یونہی باؤلی ہو رہی ہو۔"

"شاید آپ سب لوگ ایک آواز ہو کر یہی کہیں گے۔" اس نے پلک پر اترا موتی توڑا۔ "لیکن میری سوچ' میرا دل اپنی ہی بات کہہ رہے ہیں۔ چاہے کوئی اس بات کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ اگر کسی نے مجھے مجبور کرنے کی کوشش کی۔ تو میں خود کو آگ لگا لوں گی۔ یاد رکھیے گا۔"

عذرا بیگم ہونق ہو کر اسے دیکھتی رہیں۔ ایقان اٹھ کر چل دی تھی۔

☆ ☆ ☆

بے حد تھکا ہارا عاشر دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ کر اس نے کافی دیر تک نہ ہٹائی۔ چند لمحوں تک کوئی جواب نہ آنے پر اس نے پھر کال بیل کا بٹن پش کیا تب ہی سامنے والا دروازہ کھول کر اس کے پڑوسی فضل صاحب نکلے تھے۔

عاشر غیر متوقع آواز پر چونک کر مڑا۔ فضل صاحب نیند سے سرخ آنکھیں لیے کھڑے تھے۔

"چابی؟"

"آپ کی مسز دے گئی تھیں۔ آپ کے لیے۔۔۔ آپ تو بڑی دیر سے لوٹے۔"

"اوہ۔۔۔" وہ شرمندہ ہوا۔ "آپ کو زحمت ہوئی فضل صاحب۔۔۔ معذرت' بہت معذرت۔۔۔" وہ سر ہلا کر مڑ گئے۔

عاشر چابی لیے سوچ میں گم کھڑا رہا۔ صبح کے مناظر اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے تھے۔ اس نے ڈیڑھ بجاتی گھڑی کو دیکھا۔

دروازہ کھول کر وہ گھر میں داخل ہوا پھر سیدھا فون کی جانب بڑھا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

منورامین کی سخت باتیں سن کر ربیعہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے لیکن ترانہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ جس پر ربیعہ کو تیار ہونا پڑتا ہے۔ گھر سے نکلنے سے قبل عین موقع پر تمدن گھر پہنچ جاتا ہے۔ جس پر ربیعہ خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

ربیعہ کا عباد کے گھر میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ منزہ بیگم ربیعہ کو اپنی بیٹی بنا لیتی ہیں۔

ہاشم اور شہلا کی شادی کی تقریب میں ہی رافع اور عریشہ کا نکاح پڑھوا دیا جاتا ہے۔ جس پر عریشہ سخت کبیدہ خاطر ہوتی ہے۔ شادی کی اولین رات ابرار جیلانی کا فون شہلا کو پریشان کر دیتا ہے۔ شہلا شادی کے بعد اپنی ماں سے ملنے آتی ہے تو وہیں اس کی ملاقات ابرار سے ہو جاتی ہے۔ عین موقع پر ہاشم شہلا کو اطمینان دلاتا ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرتا ہے۔

فراز جو درحقیقت ناعمہ کو پسند کرتا ہے ہاشم کی تقریب میں اسے دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ دوسری طرف عریشہ کے لیے فراز کی آمد پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ فراز یہی سمجھتا ہے کہ فون پر اس سے ناعمہ باتیں کرتی تھی۔

رافع کو ربیعہ میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے جس کا علم ہاشم کو ہو جاتا ہے۔

لزا عاشر کو پاکستان پہنچ کر فون کرتی ہے عاشر اسے لینے ایئرپورٹ جاتا ہے۔ ایقان عاشر کے پراسرار رویے پر مشکوک ہو جاتی ہے۔

شہلا سب کے سامنے چھٹی ختم ہونے کا ذکر کرتی ہے تو فردوس بیگم کا سرد رویہ اسے پریشان کر دیتا ہے۔ تاہم ماہین اسے دلاسا دے کر مطمئن کر دیتی ہے۔ شہلا ربیعہ کے ساتھ رابعہ بیگم کے گھر آتی ہے سب ربیعہ کی سادگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ربیعہ وردہ کے مشورے سے ایم اے سوشیالوجی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔

عاشر لزا سے ملنے ہوٹل آتا ہے تو لزا اسے پرپوز کرتی ہے۔ عاشر لزا کی پیش کش رد کر دیتا ہے۔ تاہم لزا کا رومال ایقان کے ہاتھ لگ جاتا ہے جس پر وہ عاشر سے حقیقت پوچھتی ہے۔ عاشر بوکھلاہٹ میں سب کچھ بتا دیتا ہے جس پر ایقان حقیقتاً صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔

ربیعہ وردہ سے ملنے اس کے گھر آتی ہے تو اسے پتہ چلتا ہے۔ وردہ کی منگنی رافع سے ہو چکی ہے۔ یہ خبر اسے صدمے سے دوچار کر دیتی ہے۔ دوسری طرف رافع بھی اسے جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ سمجھ رہا ہے۔ وہ وردہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات محسوس نہیں کرتا۔

۲۶

چھبیسویں قسط

بیل ایک تواتر سے بجی تھی۔ عذرا بیگم افتاں و خیزاں فون تک پہنچی تھیں۔

"ہیلو....." انہوں نے بجھی ہوئی سی آواز میں کہا۔

عاشر چند لمحوں کے لیے خاموش رہا تھا پھر ان کے دوبارہ "ہیلو" کہنے سے قبل ہی وہ آہستگی سے بولا۔

"السلام علیکم بھابی جان..... عاشر بات کر رہا ہوں۔"

اب چند لمحے خاموش رہنے کی باری عذرا بیگم کی تھی۔ پھر وہ بھی مزید مدھم آواز میں بولیں۔

"ہاں عاشر میاں! کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں بھابی جان..... یہ ایقان کہاں ہے؟" اس کی زبان اٹکنے لگی تھی۔ عجب شرمندگی کا احساس دامن گیر ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی دل کی تہوں سے غصہ بھی اُمڈ رہا تھا۔

"ایقان....." عذرا بیگم بھی جیسے اس کے جیسی کیفیات کا شکار تھیں۔ "ایقان تو..... شاید سو رہی ہے۔"

عاشر نے گہری سانس بھری۔ اسے نجانے کیوں ایک وہم سا تھا جیسے وہ اسے وہاں نہیں ملے گی جیسے وہ کہیں اور

چلی گئی ہوگی۔ اب اس کی وہاں موجودگی کا علم ہو جانے پر وہ قدرے مطمئن سا ہو گیا۔
"نہیں بھائی جان... وہ سو نہیں رہی جاگ رہی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ آپ پلیز میری اس سے بات کروا دیں۔"
"عاشر! وہ... ایسا ہے کہ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ تم صبح فون کرلو۔" عذرا بیگم اب کے قدرے شرمندگی سے گویا ہوئیں۔ "ایقان کی طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے۔"
عاشر نے ایک گہری سانس لی۔ اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔
"بھائی جان... آپ اسے بلائیں!" وہ قدرے نروٹھے انداز میں بولا "میں اس سے ابھی بات کروں گا۔"
"اچھا!" وہ مدھم پڑیں۔ "میں دیکھتی ہوں تم ہولڈ رکھنا۔"
ریسیور ایک طرف رکھ کر وہ پریشانی کے عالم میں اس کمرے کی جانب بڑھی تھیں جہاں شفیقہ حیات اور ایقان لیٹی تھیں۔ انہیں خوف تھا کہ رات گئے شفیقہ حیات کی نیند اگر خراب ہوئی تو شاید ان کی طبیعت بھی بگڑ جائے۔ وہ گولیاں کھا کر سویا کرتی تھیں۔
کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھٹک گئیں۔ ایقان دیوار سے ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پر باندھے باہر ہی کھڑی تھی۔ نیم اندھیرے میں بھی وہ اس کے متورم پپوٹوں کو دیکھ چکی تھیں۔
"ایقان!"
"مجھے خبر ہے بھائی جان!" وہ ہولے سے بولی۔ "میں بیل کی آواز سن رہی تھی۔"
"ٹھیک ہے... میں کمرے میں جا رہی ہوں تم بات کرلو۔"
ایقان چپ رہی۔ عذرا بیگم پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ ایقان یونہی سینے پر بازو لپیٹے کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی۔
جی تو چاہ رہا تھا کہ فون کا ریسیور یونہی ایک طرف رکھا رہے اور دوسری جانب وہ انتظار اور غصے کی کیفیت میں مبتلا رہے۔ لیکن عقل کہہ رہی تھی کہ آج یا کل اسے بات تو کرنا ہی تھی۔ سو کچھ دیر بعد وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی فون تک آئی۔
"ہیلو..." اس نے بالکل بے تاثر انداز میں کہا۔
"کیا طریقہ ہے یہ..." وہ دوسری جانب اپنا غصہ دبانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "گھر چھوڑ کر بغیر کسی اطلاع کے یوں چلے جانے کا کیا مقصد ہے؟"
"مقصد صرف ایک ہے۔" وہ مضبوط لہجے اور دھیمی آواز میں بولی۔ "وہ یہ کہ میں تمہارا گھر اور تمہیں دونوں کو چھوڑ آئی ہوں ہمیشہ کے لیے۔"
"وہاٹ؟" اسے جیسے کرنٹ لگا۔ اس بات کا تو اس کے وہم و گمان میں کہیں سایہ تک نہ تھا۔
"ایقان؟ تم پاگل ہوگئی ہو کیا؟ جانتی ہو کہ کیا کہہ رہی ہو؟"
"بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ ہنوز سابقہ انداز میں بولی۔ "اتنے سالوں میں تم شاید مجھے نہ جان پائے... اور شاید اتنے سالوں میں بھی تمہیں نہ سمجھ سکی۔ شاید اتنے سال علیحدہ رہے اس لیے لیکن کیا اچھا نہیں ہوا کہ بہت جلد میں نے تمہیں پہچان لیا؟ اور یہ بھی اچھا ہی ہوگا کہ اب تم مجھے بھی جان لو میرے نزدیک محبت میں ہر خطا قابل معافی ہے ماسوائے بے وفائی اور ہرجائی پن کے۔ تم نے میرے جذبوں کی توہین کی ہے عاشر... میں مر کر بھی

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

یہ بات نہیں بھولوں گی۔"
عاشر کا جی چاہا ریسیور مار کر اپنا سر پھوڑ لے۔
"ایقان... ایقان تم کوئی سولہ سترہ سال کی جذباتی لڑکی نہیں ہو۔ ایک میچور عورت ہو... دو بچوں کی ماں ہو تم ہوش سے کام لو۔ یہ کیا اول فول بکے جا رہی ہو۔ مجھے یہ بتاؤ تمہیں ابھی لینے آجاؤں یا صبح آؤں؟ میرا خیال ہے میں ابھی آجاتا ہوں تمہیں جو کچھ کہنا سننا ہو رات بھر میں کہہ لینا تاکہ صبح تمہارا یہ پاگل پن اترے۔"
"عاشر صاحب!" وہ طنزیہ مسکرائی تھی۔ "مجھے آپ کی طرح نہ کسی کے حسن کا نشہ چڑھا ہے، نہ ہی غم غلط کرنے کے لیے میں نے شراب کا سہارا لیا ہے... میں نے جو کچھ کہا وہ بقائمی ہوش و حواس کہا ہے... آپ کو نہ اس وقت زحمت کرنے کی ضرورت ہے نہ صبح... میں یہاں سے واپس جانے کے لیے نہیں آئی۔ تمہاری صورت دیکھنا اب میرے لیے دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔"
"ایقان!" وہ سلگ اٹھا۔ "اپنی اوقات میں رہو۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔ بدتہذیبی کی کوئی حد ہوتی ہے۔"
"آپ کے نزدیک تہذیب کیا ہے میں جان چکی ہوں!"
"مرو تم!" وہ بلبلا گیا۔ "اور میں صبح آؤں گا بات کروں گا تمہارے گھر والوں سے۔ کیا سمجھا ہوا ہے تم نے میں تو اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں۔ قانونی بیوی ہو میری کوئی معشوقہ نہیں ہو جو یہ دھمکیاں دے رہی ہو۔ خناس چڑھ گیا ہے تمہیں۔"
بڑبڑاتے ہوئے اس نے ریسیور کریڈل پر دے مارا تھا۔ ایقان چند لمحوں کے لیے سن سی رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں برسات اتر آئی۔ پیاز کی طرح تہہ در تہہ اترتے روپ کے متعلق اس نے کئی بار سنا اور پڑھا تھا، دیکھ پہلی بار رہی تھی۔



عاشر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھنسا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے قدرے فاصلے پر چہرے پر خاصے تناؤ کی سی کیفیت لیے فاروق حسن بیٹھے تھے۔ ایک طرف شفیقہ حیات بیٹھی بار بار سفید دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ ان کے ایک طرف طلوت حسن اور دوسری جانب عذرا بیگم بیٹھے ہوئے تھے۔
کمرے کی کھڑکی کے قریب ایقان کھڑی تھی۔ دونوں بازو سینے پر لپیٹے وہ مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ کتنا ہی وقت اسی خاموشی کے عالم میں گزر گیا۔ پھر عاشر نے سر اٹھا کر سب کی جانب دیکھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے سب ہی اس سے نظر چرا رہے ہوں۔ اس نے پتھر کا بت بنی ہوئی ایقان کو دیکھا۔ پھر جیسے زچ ہو کر گویا ہوا تھا۔
"کیا فیصلہ ہے تمہارا؟ تم میرے ساتھ چل رہی ہو یا نہیں؟"

ایقان نے رخ پھیر کر اسے فقط ایک نظر دیکھا۔
"نہیں!" وہ بے حد ٹھوس انداز میں بولی۔
کمرے میں موجود نفوس میں سے زیادہ تر نے بے اختیار گہری سانس بھری تھی۔ عاشر نے ایقان کی بے پناہ ضدی طبیعت کے مقابلے میں ان سب کی بے بسی محسوس کی۔
"آخر میں نے کیا کیا ہے؟" وہ چلا ہی اٹھا "اور اگر کچھ کیا ہے تو" تو ٹھیک ہے دنیا میں بے شمار مرد ہیں جو کبھی نہ کبھی رستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ کچھ دیر کے لیے بہک بھی جاتے ہیں اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ان کی بیویاں اس سرکشی پر اتر آئیں۔ اس طرح تو "اس طرح تو کتنے گھر ٹوٹ جائیں برباد ہو جائیں۔ آپ "آپ سب لوگ اسے سمجھاتے کیوں نہیں آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ اس سے کہیں یہ سامان اور بچے لے اور میرے ساتھ چلے۔ میں اسے لینے آیا ہوں ایک طرح سے معذرت خواہ ہی ہوں اور یہ ہے کہ اور اکڑ رہی ہے آپ لوگ بھی اپنی خاموشی سے اسے شہہ دے رہے ہیں۔"
اس کے لفظ لفظ سے بے بسی اور دبا دبا غصہ جھلک رہا تھا۔ ایقان کو یک گونہ سکون کا احساس ہوا۔ عاشر کے آنے سے قبل ہی اس نے اپنی ماں اور بھائیوں پر واضح کر دیا تھا کہ فی الحال وہ اس کے ساتھ جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی اور یہ کہ اگر کسی نے اسے مجبور کرنے کی کوشش کی تو وہ کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ وہ ماں اور بھائیوں کی لاڈلی تھی۔ سب سے چھوٹی تھی اور ہمیشہ سے اپنی منواتی آئی تھی۔ اس وقت بھی اس کی دھمکی نے جیسے سب کے لب سی دیے تھے۔ یوں بھی ان کا گھرانہ اخلاقی قدروں کی اہمیت کو پہچاننے اور ان پر زور دینے والوں میں سے تھا۔ فاروق حسن اور مجوق حسن کو ایقان کی ناراضی کی وجہ جان کر حقیقتاً "دھچکا لگا تھا۔ انہیں عاشر سے اس بے راہ روی کی امید نہ تھی۔ دل ہی دل میں وہ ایقان کو درست جان رہے تھے۔
فاروق حسن نے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر دھیمے انداز میں بولے۔
"دیکھیں عاشر میاں! آپ کہتے ہیں کہ آپ کا یہاں آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ معذرت خواہ ہیں۔ حالانکہ اب تک جو کچھ آپ نے کہا اس ساری گفتگو میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کو معذرت خواہ ثابت کرتا ہو۔ آپ دنیا کے سارے مردوں کے ایک ہی صف میں کھڑا ہونے پر اصرار کر رہے ہیں جس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ اپنے کیے کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور آپ کے خیال میں اس روش میں کوئی برائی نہیں ہے!"
"میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا بھائی میاں!" وہ بھی قدرے نرم پڑا۔ "میں تو بار بار یہی کہہ رہا ہوں کہ ٹھیک ہے مجھ سے غلطی ہوئی لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اس ذرا سی بات کے پیچھے اپنا گھر خراب کیا جائے۔ میں اسے چاہتا ہوں۔ اپنے بچوں کو چاہتا ہوں۔ پھر یہ مجھے کس بات کی سزا دینا چاہ رہی ہے؟"
فاروق حسن نے اس کی بات مکمل ہونے پر سوالیہ نظروں سے ایقان کی جانب دیکھا تھا وہ اب ہونٹ چباتے ہوئے جیسے خود کو بہت کچھ کہنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔
"بولو ایقان!" فاروق حسن بولے۔
"بھائی میاں!" وہ سلگتے لہجے میں بولی۔ "پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اگر معذرت خواہ ہیں بھی تو مجھے ان کی معذرت پر رتی برابر بھی یقین نہیں ہے۔ چور اگر چوری کرتے ہوئے پکڑا جائے اور اسی وقت معافی مانگ لے تو کون ہے جو یہ یقین کرے گا کہ آئندہ یہ چور مزید چوری کا ارتکاب نہیں کرے گا؟ اس نے تو پکڑے جانے پر ایک رسمی کارروائی کے طور پر ہی معذرت کی ہے نا؟ یہی حال ان کا بھی ہے۔ یہ چکر کتنا پرانا ہے' کب سے چل رہا ہے اور بات کہاں تک جا پہنچی ہے۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ مجھے تو صرف اتنا علم ہے کہ میں نے ان کے رویے میں

کھنچاؤ اور فرق محسوس کیا لیکن یہ مجھے جھوٹی تسلیاں دیتے رہے..... میں نے کئی بار ان سے وقت کی کمی کا رونا رویا یہ ہر بار کچھ نہ کچھ کہہ کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہے اور جب میں نے ایک واضح ثبوت ملنے پر انہیں یہ باور کرایا کہ میں بہت کچھ سمجھ چکی ہوں تب انہوں نے اعتراف جرم اس انداز میں کیا جیسے سر سے بلا اتارتے ہیں۔ میرے نزدیک جو بات زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ ان کے لیے محض وقتی کھیل جسے بہت سے لوگ کھیلتے ہیں انہوں نے بھی کھیل لیا تو کیا برائی؟ معذرت اس کو کہتے ہیں؟ شرمندگی اس کا نام ہے؟ کیا گارنٹی ہے اس بات کی کہ کل کو یہ کھیل دوبارہ شروع نہ ہو گا؟ وہ حسین بلا وہاں جاپان میں ان کی دو روزہ جدائی برداشت نہ کر پائی۔ ان کے پیچھے وہ یہاں تک پہنچ گئی۔ یہ اسے لیے لیے پھرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہوٹلوں میں عیاشیاں کرتے رہے مجھ سے جھوٹ بولتے کہ آئندہ شروع کرنے والے بزنس کے متعلق معلومات حاصل کر رہے ہیں یا شاید یہی تھا ان کا "آئندہ" ہونے والا "بزنس" وہاں جاپان میں انہیں کس کا ڈر ہو گا؟ وہ حسینہ ہو گی..... اور یہ ہوں گے میں یہاں ان کے بچے پالتی ہوں' اپنی جان جلاتی رہوں' گھل گھل کر رہ جاؤں یہ ہر سال دو سال بعد تشریف لائیں اور اپنا "ہنستا بستا گھر" دیکھ کر خوشی خوشی اپنی دنیا میں واپس لوٹ جائیں۔ بس! ان کی معذرت خواہی کے پیچھے یہی خواہش کار فرما ہے۔"
ایقان کے لفظوں میں سچائی گونج رہی تھی۔ کمرے میں کافی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر عاشر نے گہری سانس بھرتے ہوئے اسے دیکھا۔
"جو کچھ تم نے کہا سچ ہے۔ میں چاہتے ہوئے بھی اپنا دل کھول کر تمہیں دکھا نہیں سکتا۔ تم میری کسی بھی بات پر یقین نہیں کرو گی۔ لیکن چلو یہ تو بتاؤ کہ تم اس مشکل کا کیا حل نکالتی ہو؟ اب جو ہوا' سو ہوا لیکن آئندہ کیا کیا جائے؟ میں طلاق دے دوں؟ نوکری چھوڑ کر تمہارے پاس گھر میں بیٹھا رہوں؟ کیا کروں میں؟ کیا چاہتی ہو؟"
"میں تم سے علیحدگی چاہتی ہوں۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔ ایک بجلی سی سب پر گری تھی۔ شفیقہ حیات نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دونوں بھائی بھی سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھے رہ گئے تھے۔
"اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ میں کبھی تمہیں طلاق دوں گا۔" عاشر غصے سے تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔
"تمہاری حماقت اور تمہارے پاگل پن کی سزا میں اپنے بچوں کو کبھی نہیں دوں گا۔ سمجھیں تم؟"
"میں طلاق نہیں چاہتی!" وہ اطمینان سے بولی۔
"میں اپنے بچوں سے تم سے زیادہ محبت کرتی ہوں۔ کبھی بھی نہیں چاہوں گی کہ یہ ایک بروکن فیملی کا حصہ کہلائیں..... مطلب یہ ہے کہ مجھ پر تمہارا کوئی حق نہیں ہو گا..... قانونی طور پر تم سے وابستہ ضرور رہوں گی لیکن..... لیکن عملی طور پر تمہارا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔"
وہ جھجک سی گئی تھی۔ بھائیوں کی موجودگی نے اسے بہت کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔ لیکن اس کے الفاظ کا مفہوم بے حد واضح تھا۔ عاشر ششدر ہی رہ گیا تھا۔
"ایقان!" وہ قدرے بے بسی سے بولا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"
"دوسرے یہ کہ میں اب تمہارے گھر میں نہیں رہوں گی میں یہاں رہوں گی" "حیات ولا" میں بنے اپنے پورشن میں' لیکن اپنے بچوں کا ماہانہ خرچ تم مجھے دو گے کیونکہ بہر حال تم ان کے باپ ہو' ان کے کفیل۔"
"لیکن..... لیکن تم اپنا گھر چھوڑ کر یہاں رہنا کیوں چاہتی ہو؟ جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو تمہیں وہاں رہنے میں کیا قباحت ہے؟" وہ بالآخر ضبط کھوتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔
ایقان چند لمحے اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ اس کی نظروں کی بے بسی' جھنجھلاہٹ اور کچھ نہ کر پا سکنے والی کیفیت سے وہ عجب مسرت سے ہمکنار ہوئی۔

"تمہارے گھر میں رہوں گی تو تم سے وابستہ رہنے کا احساس مجھے شکست و ریخت میں مبتلا رکھے گا..... میں مسلسل اسی کیفیت میں گھری رہوں گی کہ میں یہاں رہ کر تمہارے گھر کی دیکھ ریکھ ایک باندی کی طرح کر رہی ہوں اور تم! تم وہاں کسی اور کی زلفوں کے سائے میں زندگی کی خوشیاں کشید کر رہے ہو۔ نہیں! میں اپنے گھر میں رہوں گی اس احساس کے ساتھ کہ میں اور میری زندگی ہر قید و بند سے آزاد ہیں۔ کسی کو میری پروا نہیں اور مجھے کسی کی پروا نہیں۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔ پہلا اور آخری۔ کسی رد و بدل کی توقع کے بغیر تم سے میرا تعلق صرف اور صرف ہمارے دو بچوں کی زندگی کے اہم معاملات تک محدود رہے گا۔ جب بھی پاکستان آؤ ان سے ملنے آجانا اور بس"

عاشر کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے جیسے دھند سی اتری۔ پھر اس نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔

"ٹھیک ہے....." وہ بولا تو اس کے لہجے میں دکھ کی گہری پرچھائیں کے ہمراہ سرکشی کا تاثر بھی نمایاں تھا "تم ساری زندگی ایک بیوہ..... یا ایک مطلقہ کی سی محرومی میں مبتلا رہنا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی..... لیکن جیسے ہی تنہائی کی رات میسر ہو تو یہ سوچنا کہ کس کو کتنا فرق پڑے گا۔"

وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کمرے کے دروازے تک جا پہنچا۔ پھر لمحہ بھر کے لیے رک کر اس نے کمرے میں موجود افراد پر ایک نظر ڈالی۔

"صبح میری فلائٹ ہے..... اب کب لوٹوں گا نہیں جانتا! میری طرف سے خدا حافظ..... الوداع۔"

وہ کمرے سے نکل گیا۔ سب ہی نے دکھ کی گہری کیفیت میں ڈوب کر قدرے ملامتی نظروں سے ایقان کی جانب دیکھا جو پتھر کا بت بنی کھڑی تھی۔ سب کی نگاہوں کو محسوس کر کے وہ اپنے آپ میں لوٹی تھی پھر جیسے ان نگاہوں میں موجود سوالوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بھی تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

"میری بچی....." شفیقہ حیات زار و قطار رونے لگیں تھیں۔ "ٹھیک ہی تو کہہ گیا ہے وہ..... شوہر والی ہو کر بھی بیوہ یا طلاق یافتہ کی سی زندگی گزارے گی..... ارے کوئی اسے سمجھاؤ سلجوق..... فاروق ارے تم لوگ بھی کچھ نہ بولے۔"

"کچھ نہیں ہوتا اماں!" فاروق حسن نے کسی سوچ سے نکلتے ہوئے انہیں تسلی دی۔ "یوں سمجھیں کہ ایک طوفان تھا جو ٹل گیا۔ آج کی اس ملاقات میں ان دونوں نے ہی اس انتہائی قدم کو اٹھانے سے گریز کیا جس سے میں خوف زدہ تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں یہی چاہت انہیں ایک دن پھر قریب لے آئے گی۔ ایقان نا سمجھ ہے لیکن میں بھی چاہتا ضرور ہوں کہ عاشر کو اس کے کیے کی کوئی نہ کوئی سزا ضرور ملنی چاہیے' ایقان کا فیصلہ ایک لحاظ سے درست بھی ہے۔ آخر مرد کے لیے بھی خدا کی جانب سے مقرر کردہ حدود ہیں جن کا اسے پاس کرنا چاہیے۔ عاشر نے ایقان کو زمانہ قدیم کی کوئی بے بس ناخواندہ عورت سمجھا' غلطی کی۔ ایقان اس کے نرم رویے اور واپس آجانے کے وعدے پر سمجھوتہ نہیں کرنا چاہتی۔ ساری عمر کی جدائی چاہتی ہے یہ بھی غلط! لیکن بہر طور جلد یا بدیر ان دونوں کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گا۔ تب تک انہیں علیحدہ علیحدہ اپنی سوچوں سے نبرد آزما رہنے دیں۔ یہی دونوں کے لیے بہتر ہے۔"

شفیقہ حیات کے آنسو تھم گئے تھے۔ سلجوق حسن اور عذرا بیگم نے بھی مطمئن انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا فاروق حسن ماں کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔



وہ سر جھکائے بے حد انہماک سے اپنی کتابوں کا جائزہ لے رہی تھی جب انیقہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"ربیعہ....."

ربیعہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ کارڈلیس اس کی جانب بڑھا رہی تھی۔

"تمہاری کسی دوست کا فون ہے۔"

ربیعہ نے قدرے الجھے سے فون تھاما۔

"ہیلو....."

"ربیعہ!" دوسری جانب سے نہایت جوش و جذبے سے کہا گیا۔

ربیعہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ اس کی تمام حسیات بیدار ہو گئیں۔

"ترانہ..... ترانہ۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں ربیعہ! میں ہوں ترانہ' کیسی ہو تم ربیعہ تم؟ ٹھیک تو ہو نا تم' تم خوش تو ہو نا ربیعہ۔" ترانہ بھی اس کی آواز سن کر اس سے زیادہ جذباتی ہو گئی تھی۔ اس کی آواز میں بے پناہ جوش تھا۔

ربیعہ کی پلکوں پر موتی چمکنے لگے۔ کتنے عرصے بعد اس نے ترانہ کی آواز سنی تھی۔ کسی خونی رشتے کی مہک کو محسوس کیا تھا۔ سچی محبت کو بہت قریب محسوس کیا تھا۔

"ترانہ میں ٹھیک ہوں..... بالکل ٹھیک ہوں۔ تم میرے لیے بالکل فکر مند مت ہو نا تم' تم کیسی ہو گھر میں سب لوگ کیسے ہیں؟"

"بس ربیعہ..... کیا بتاؤں تمہیں۔" ترانہ دکھ سے بولی ..... "یہ عرصہ کس طرح گزارا ہے میں نے۔ میرا دل ہی جانتا ہے اور' اور گھر والوں کا کیا پوچھتی ہو وہ سب ویسے ہی ہیں جیسا تم چھوڑ گئی تھیں۔"

"ترانہ!" ربیعہ کو اس کی آواز سے گہرے دکھ کا اندازہ ہوا تو وہ بھی بے تحاشا دکھی ہوئی۔

"ترانہ! میرے لیے تم نے بہت پریشانی اٹھائی ہے نا؟ میری وجہ سے صرف میری وجہ سے۔ میں یہاں سکون اور اطمینان سے ہوں اور تم اپنے گھر میں ہی اجنبی بن کر رہ گئیں قیدی بن کر....." اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"ارے نہیں..... نہیں ربیعہ۔" ترانہ جلدی سے بولی "تم جانتی ہو نا..... اتنی کمزور میں بھی نہیں ہوں کہ ہر کسی کی بری بھلی سہ جاؤں اور جتنی محبت مجھے تم سے ہے اس کے مقابلے میں یہ تھوڑی سی تکلیف اور پریشانی کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے۔ ہر کسی کو اس کے کیے کا پھل ملتا ہے ربیعہ ..... جیسے ابا کو ان کے کیے کا پھل ملا ہے۔"

"چچھا کو؟ کیا ہوا انہیں؟"

"پھر کبھی بتاؤں گی ربیعہ..... ابھی اتنا وقت نہیں ہے۔ میں اپنی دوائی کا بہانہ بنا کر گھر سے تھوڑی دیر کے لیے نکلی ہوں۔ تیمور اور تصور ہمہ وقت میری پہرے داری کرتے ہیں تاکہ مجھ سے انہیں کسی طرح تمہارا سراغ مل سکے۔ میں صرف تمہاری خیریت جاننا چاہتی تھی۔ تم، تم خوش ہو نا ربیعہ؟"

"ہاں ترانہ! میں ٹھیک ہوں بالکل۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا ہے میں نے اور عباد بھائی کے گھر والے بہت اچھے لوگ ہیں۔ میرے ساتھ بالکل اپنوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" ترانہ سچی خوشی سے معمور ہو کر بولی تھی۔

"اور تم ترانہ؟" ربیعہ نے جلدی سے پوچھا۔

اسی وقت لائن منقطع ہو گئی۔ ربیعہ نے گہری سانس بھر کر فون کی جانب دیکھا پھر عقیدت و محبت سے اسے چوم لیا۔



شہلا نے ایک نگاہ چاروں جانب ڈالی تھی۔ دو کمرے' چھوٹا سا لاؤنج اور اس سے ملحقہ کچن! وہ ایک چھوٹے

سے رقبے پر بنی ہوئی انیکسی یا ایک قدرے بڑے گیسٹ روم کی مانند تھا۔

"تو تم نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے؟" اس کی نگاہ ہر جانب سے ہو کر سامنے بیٹھی ہوئی ایقان کے چہرے پر آٹکی۔

"تمہارے خیال میں یہ ایک غلط فیصلہ ہے؟" ایقان نے جواب دینے کے بجائے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں ایقان۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "ہر مسئلہ ایک دائرے کی مانند ہوتا ہے۔ دائرے کے اندر موجود شخص کو وہ اور طرح سے دکھائی دیتا ہے اور دائرے سے باہر موجود شخص کو اور طرح سے۔ اور دائرے کے باہر جو لوگ موجود ہوتے ہیں وہ دائرے کے اندر موجود شخص کی کیفیت کو پوری طرح سے نہیں سمجھ پاتے۔"

"پھر بھی....." ایقان نے اصرار کیا۔ اپنا اپنا نقطہ نظر تو ہوتا ہے نا۔ تم کیا کہتی ہو؟"

"ایک عورت ہونے کے ناتے میں اس انا کو سمجھ سکتی ہوں ایقان! جس نے تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا لیکن ایقان ایک دن اپنی اسی انا کا گلا عورت اپنے ہاتھ سے گھونٹتی ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں۔"

"تم مجھے بھی اچھی طرح سے جانتی ہو شہلا!" ایقان ضدی پن سے بولی۔

"ہاں!" اس نے گہری سانس لی۔ "تمہیں بھی جانتی ہوں۔ اسی لیے کچھ بھی کہنے سے گریز کر رہی تھی۔ تمہاری انا کی سطح عام انسان کی سطح سے بلند ہے میں سمجھتی ہوں۔"

"شہلا' شہلا تم جانتی ہو گواہ ہو تم' میں نے اتنے سالوں اسے کتنا بے تحاشا چاہا ہے۔ ہر لمحہ' ہر پل اس کا خیال دل و دماغ میں اس طرح پیوست رہا کہ اور کچھ سوچنے یا غور کرنے کی میں نے ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اس کی جدائی میں اس کی قربت اور اس کی قربت میں اس کی جدائی کے بارے میں سوچتی رہی اور' اور اس نے اس نے میری محبت' میرے اعتبار و اعتماد کی دھجیاں اس قدر آسانی سے بکھیر دیں؟ وہ عورت کتنی ہی حسین ہو لیکن وہ..... وہ ایقان تو نہیں تھی۔ وہ اس کی محبت تو نہیں تھی۔ کیسے اس کا دل مانا کہ وہ اس کے قریب جائے۔ کیسے اس کے ضمیر نے گوارا کیا کہ وہ اسے چھوئے' اس سے وہ باتیں کہے جو کبھی اس نے مجھ سے کہیں۔"

"ہو سکتا ہے ایقان یہ تمہاری غلط فہمی ہو۔" شہلا نے کمزور سے لہجے میں کہا تھا۔ "اس عورت نے عاشر بھائی کو مجبور کر دیا ہو۔"

"کس پوائنٹ پر؟" ایقان نے طنز سے اس کی بات کاٹی۔ "دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس بات پر قائل نہیں کر سکتی کہ کسی عورت نے کسی مرد کو مجبور کر دیا۔ یہ صرف اور صرف مرد کے اندر چھپا شیطان ہے جو مخالف کو راضی برضا دیکھ کر کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ اس نے مجھ سے بے وفائی کی ہے..... یہ بات روشنی کی مانند عیاں ہے مجھ پر اور' اور میں اب اس کے قریب نہیں جا سکتی۔ مجھے ہمیشہ اس کے ہاتھوں سے اپنے جذبوں کے خون کی بو آئے گی۔ مجھے' مجھے اس کی سانسوں سے کسی دوسری عورت کے وجود کی۔"

وہ بات مکمل نہ کر پائی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر رو دی۔ شہلا متاسف نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس نے ایقان کو اپنے شانے سے لگا لیا۔

"مت رو ایقان..... مضبوط فیصلے کرنے والوں کو پہلے اپنے آنسوؤں جیسی کمزور شے کو مات دینی پڑتی ہے۔ اگر تم واقعی یہی سمجھتی ہو کہ تمہارا فیصلہ درست ہے اور اٹل ہے تو پھر اپنے آنسوؤں کو یہ باور کروا لو ورنہ یہ ہمیشہ تمہارا اور تمہارے فیصلے کا منہ چڑاتے رہیں گے۔ تمہیں جتاتے رہیں گے کہ تمہارا فیصلہ غلط تھا۔"

"کبھی نہیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے آنسو پونچھ لیے۔

"اور ایقان! کوشش کرنا' تمہارے معصوم بچوں کے ذہنوں میں قبل از وقت وہ سوال نہ اٹھیں جو انہیں بھی پریشان کر دیں اور تمہیں بھی۔ انہیں یہ احساس مت دلانا کہ ان کے باپ سے کوئی غلطی ہوئی ہے جس کی پاداش میں انہیں یہ ہجرت کرنی پڑی ہے۔ میں ان معصوم سوالوں کے درد سے آشنا ہوں اسی لیے تمہیں یہ مشورہ دے

رہی ہوں۔"
"میں سمجھتی ہوں۔" ایقان نے سر جھکا لیا۔
"میں اب چلوں۔" شہلا گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی "اسپتال سے سیدھی تمہارے پاس ہی چلی آئی تھی۔
"سب ہی تمہارے مسئلے سے ڈسٹرب ہوئے ہیں، ہیں نا"
"ظاہر ہے۔۔۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔ "میرے اپنے ہیں۔۔۔ میرے دکھ پر لازماً دکھی ہوں گے۔ ہر کوئی تسلی اور دلاسا دینے آیا ہے۔ ہاشم بھی آیا تھا، ہاشم تو تم جانتی ہو مجھ سے کچھ زیادہ ہی اٹیچ ہے۔"
"ہوں۔۔۔" شہلا ہلکا سا مسکرائی۔
ایقان نے اس کا چہرہ دیکھا پھر کچھ دیر دیکھتی رہی۔
"شہلا۔۔۔ ایک بات پوچھوں؟"
"ہاں۔۔۔" وہ چونکی "ضرور۔"
"تمہیں ہاشم سے میرا مطلب ہے ڈو یو لو ہم؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ شہلا لمحہ بھر کے لیے حیران ہوئی جیسے اسے ایقان کی جانب سے اس سوال کی امید نہ تھی۔ پھر وہ کھل کر مسکرا دی تھی۔
"ہی از ریئلی اے گڈ مین!" وہ شگفتگی سے بولی۔
"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" ایقان نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔
"تمہارے سوال کا جواب کیا ہے مائی ڈیئر فرینڈ۔۔۔ یہ شاید میں خود بھی نہیں جانتی۔" اس نے ایقان کا سر ہلایا۔ "جس دن مجھے مل گیا۔ اس دن تمہیں بھی ضرور دوں گی۔ ٹھیک ہے؟"
ایقان اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

چھوٹے سے پارک کی پختہ روش پر وہ دونوں ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے۔ راستے میں پڑے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو جوتے کی نوک سے اڑاتے ہوئے، بے فکری سے چیپس کھاتے ہوئے منظر کا دل و دماغ بے حد فریش تھا۔ نافع یہ بات پوری شدت سے محسوس کر رہا تھا اور اسے اس بے فکری اور فریش نیس کا پس منظر بھی معلوم تھا۔ کل ہی اس کی منگنی اس کی پسند سے اس کی پھپھی زاد سے ہوئی تھی۔ نافع نے بھی اس فنکشن میں شرکت کی تھی اور وہ جانتا تھا کہ منظر صرف خوش نہیں بلکہ بے حد خوش ہے۔
منظر سے اس کی دوستی زیادہ پرانی نہ تھی۔ ابھی چند ماہ قبل ہی دونوں کی ملاقات ہوئی تھی اور پڑھائی کے سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے کافی قریب ہو گئے تھے۔
کسی رومانوی گانے کی دھن پر سیٹی بجاتے ہوئے وہ بینچ پر جا بیٹھا تھا۔ نافع بھی خاموشی سے اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ منظر نے یکلخت سیٹی بجانا موقوف کر کے اسے دیکھا۔
"کیا بات ہے؟ آج گھر پر دال پکی ہے کیا؟"
"نہیں تو۔۔۔" نافع لمحہ بھر کے لیے گڑبڑا سا گیا۔ "کیا مطلب؟"
"کدو؟"
"کیا ہے یار۔۔۔" وہ جھلا گیا۔ "تم سے کس نے کہا کہ میں تمہاری دعوت کر رہا ہوں۔ میرے گھر پر کیا پکا ہے اس سے تمہیں کیا مطلب؟"
"مجھے اس سے مطلب نہیں۔۔۔ میں تو محض تمہاری سنجیدگی، خاموشی اور افسردگی کے جملہ اسباب جاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"
"تمہیں کس فرشتے نے خبر کی کہ میں افسردہ ہوں؟" وہ مزید جھلایا۔
"سنجیدہ اور خاموش تو ضرور ہو۔۔۔ اس سے تو انکار نہیں کر سکتے نا؟" وہ مسکرایا۔
نافع خاموش ہو گیا۔ یہ بات ہی ایسی تھی کہ وہ اس کی تردید چاہتا بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ منظر کی شگفتگی اور خوشی سے اس کے اندر عجب ملال سے اتر آئے تھے۔ وہ بہت سے سوالوں کے درمیان گھر گیا تھا اور یہی اس کی خاموشی کا سبب بھی تھا۔
"میں سوچ رہا تھا۔" اس نے یونہی گھبرا کر بات بنانی چاہی۔ "کہ تم، تم آج بہت خوش نظر آتے ہو۔"
"ہاں تو میں ہوں۔" وہ مسکرایا۔
"وجہ محض کل کی تقریب ہی ہے یا کچھ اور بھی؟" وہ روکھے پن سے بولا۔
"ارے۔۔۔ بدھو!" منظر نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "یہ وجہ تمہارے نزدیک محض ہے؟ میری منگنی ہوئی ہے یار! میری پسند سے۔ کتنی بڑی وجہ ہے خوشی کی۔ جسے تم محض قرار دے رہے ہو۔ ویسے بائی دا وے تمہارا ابھی تو نکاح ہو گیا ہے نا۔۔۔"
"ہوں۔۔۔" اس نے بے دلی سے ہنکارا بھرا۔
"خوش نہیں ہو شاید؟" منظر نے اس کا چہرہ پڑھا۔
"نہیں۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے میں نے تو کبھی اس بات پر غور ہی نہیں کیا۔"
"اب بناؤ مت یار تم کوئی فرشتہ ہو؟ انسان ہو ہمارے جیسے اور یہ رشتہ تو ہوتا ہی انوکھا ہے۔ دنیا کے ہر رشتے سے الگ، ہر محبت سے جدا۔"
"پتا نہیں۔۔۔" نافع کے انداز میں دکھ اتر آیا تھا۔ "میں نے کبھی اس طرح کی محبت کو محسوس نہیں کیا۔"
"کیوں؟ گدھے ہو کیا؟"
نافع نے خفگی سے اسے دیکھا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔
"کمال آدمی ہو یار! محبت کی لطافت اور ندرت سے انکاری ہو۔ خیر شاید ابھی ہم اتنے کلوز نہیں ہوئے کہ تم اپنے اندر کی باتیں آشکار کرنے کے لیے میرا انتخاب کرو لیکن اتنا ضرور ہے کہ تمہارے اندر کچھ ہے ضرور کوئی غبار، کوئی حبس زدہ سوچ۔" پھر اس نے سوچ میں ڈوبے، خاموش بیٹھے ہوئے نافع کے کاندھے پر تھپکی دی۔
"جب بھی بوجھ ہلکا کرنا چاہو میرا آنگن حاضر ہے۔"
نافع نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہاتھوں میں کتابیں تھامے وہ بے حد مصروف سے انداز میں باہر نکلا تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ سامنے سے آتی ہوئی وردہ پر پڑی۔ وردہ نے بھی رافع کو ٹھٹکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار بھی سست پڑ گئی۔ پھر وہ رافع کے سامنے آ رکی۔
"آپ یونیورسٹی جا رہے ہیں نا؟"
"ہاں۔۔۔" وہ بولا "آج تھیسس جمع کروانا ہے۔ تم؟"
"میں آج نہیں جاؤں گی۔۔۔" وہ سست سے انداز میں بولی۔ "ایقان خالہ کی وجہ سے کچھ بھی اچھا محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ آپ پلیز ایک پیغام پہنچا دیں گے؟"

"ہوں؟" وہ چونکا۔ "ہاں ضرور بولو۔"

"وہ ربیعہ میرا انتظار کر رہی ہوگی ہم دونوں ساتھ ہی نکلتے ہیں نا......"

"ربیعہ؟" رافع کے لب دھیرے سے ہلے اور چہرے نے کئی رنگ بدلے۔

وردہ نے اس کا چہرہ دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

"آپ کو دیر ہو رہی ہو تو کوئی بات نہیں۔ میں خود چلی جاتی ہوں اسے بتانے۔"

"ارے نہیں۔" رافع مسکرایا۔ "میں تمہارا میسج دے دیتا ہوں ڈونٹ وری۔"

"تھینک یو۔" وہ ممنونیت سے مسکراتے ہوئے کر پلٹ گئی۔

رافع مرکزی گیٹ کی جانب بڑھ گیا تھا۔ سیاہ سڑک پر آہستہ روی سے چلتے ہوئے وہ نجانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔ کیسے رستے تھے یہ۔ جو لاکھ گریز کرنے پر بھی ایک ہی سمت کو جا نکلتے تھے۔ کتنے دن لگتے تھے دل کو سمجھانے میں اور پل بھر میں وقت پھر اسے اس کے سامنے لا کھڑا کرتا تھا۔ اسے دیکھ کر لفظ جڑنے لگتے تھے۔ تخیل کا سیل رواں بہا کر کہاں سے کہاں لے جایا کرتا تھا اور اس کی سوچ ایک کمزور تنکے کی مانند بھٹکتی پھرتی تھی۔

یکدم رافع ٹھٹک کر رک گیا۔ سفید بنگلے کی دیواروں پر چڑھتی ہری بیلوں نے اس کے قدم روک لیے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور پھر رک گیا۔

لکڑی کے چھوٹے پھاٹک کے قریب ربیعہ کھڑی تھی۔ لیمن کلر کے کپڑوں پر بڑا سا سفید دوپٹہ اور سفید اسکارف لیے وہ موم سے بنی ہوئی گڑیا لگ رہی تھی۔

اس کا دھیان رافع کی جانب نہ تھا۔ وہ سڑک کے پار گھنے درختوں کے عقب میں چھپے پارک کی سمت دیکھ رہی تھی۔ نجانے وہ اس قدر انہماک سے کیا سوچ رہی تھی۔

رافع اس کے قریب پہنچ کر ہولے سے کھنکھارا۔ ربیعہ بری طرح سے چونک اٹھی۔

"آپ!" اس کے لب کپکپا سے یوں ہلے تھے جیسے رافع کا سامنے ہونا۔ اس کے لیے بے حد باعث حیرت تھا۔

رافع کو نجانے کیوں خوش فہمی سی ہوئی۔ شاید وہ اسی کو سوچ رہی تھی، تب ہی اسے سامنے پا کر یوں حیران سی ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"وعلیکم السلام......" ربیعہ بھی اپنی کیفیات پر قابو پا کر شگفتگی سے مسکرا دی۔

رافع کو یوں لگا تھا جیسے وہ صبح مزید خوب صورت، مزید چمکیلی ہو گئی تھی۔

"یونیورسٹی جانے کی تیاری میں ہیں؟" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں پوچھا۔

"تیاری تو کب کی ہو چکی، میں وردہ کا انتظار کر رہی ہوں وہ اب تک نہیں آئی۔ پوائنٹ نکل جائے گا۔"

"وردہ کا ہی میسج ہے آپ کے لیے، وہ آج یونیورسٹی نہیں جائے گی۔"

"اوہ۔" ربیعہ یکدم پریشان سی ہو گئی۔ "لیکن کیوں؟"

"یہ تو میں نہیں جانتا شاید ناسازی طبع اس کی وجہ ہو......"

"اچھا!" ربیعہ مایوس سی ہوئی۔ "پھر میں بھی نہ جاؤں۔" اس نے جیسے خود کلامی کی تھی۔

"مشورہ مانگ رہی ہیں؟" رافع شوخی سے مسکرایا۔

ربیعہ چونکی پھر دھیرے سے ہنسی۔

"نہیں...... بلند آواز میں سوچ رہی ہوں۔"

"ویسے میں یونیورسٹی ہی جا رہا ہوں۔ مجھے تھیسس کے سلسلے میں تھوڑا کام ہے۔"

ربیعہ اس کا مطلب سمجھ کر چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی تھی۔ پھر وہ لکڑی کا پھاٹک کھول کر باہر نکل آئی۔

"جب ایڈمیشن لے ہی لیا ہے تو کبھی کبھار اکیلے کلاس اٹینڈ کرنے کی عادت بھی ہونی چاہیے۔" وہ بولی۔

"گڈ۔" رافع نے سر ہلایا۔

دونوں صاف ستھری سڑک پر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ رافع نے ایک مرتبہ پھر صبح کی تازگی اور خوب صورتی کو پوری طرح سے محسوس کیا۔ سورج ابھی ٹھیک طرح سے طلوع نہ ہوا تھا۔ آسمان کا رنگ نظروں کو اپنی جانب کھینچتا تھا۔ پارک کی جانب سے آتی ہوا اپنے سنگ مختلف درختوں کی ملی جلی خوشبو کھینچ لائی تھی۔

"کئی دنوں سے آپ... پارک میں نہیں آئیں۔ کیا صبح کی سیر سے جی بھر گیا؟"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں چہل قدمی تو کرتی ہوں لیکن گھر کے لان میں ہی شوق پورا کر لیتی ہوں۔"

"اچھا...." رافع ہنسا۔ "میں بے وجہ ہی منتظر...."

وہ اچانک ہی خاموش ہوا تھا۔ بے خودی میں گھر کر نجانے زبان کیا کہنے چلی تھی۔ لیکن قابو پاتے پاتے بھی شاید دیر ہو گئی تھی۔ لفظوں کا مفہوم پوری طرح سے عیاں ہو گیا تھا۔ رافع جی ہی جی میں بے حد شرمندہ ہوا۔ اس سے پھر کچھ بھی نہ بولا جا سکا۔

دوسری جانب ربیعہ بھی سن ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کو اپنے چہرے پر ہلکی گرمی محسوس ہوئی تھی۔ ان ادھورے لفظوں کا مفہوم کیا تھا؟ وہ سمجھ کر بھی نا سمجھی کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی۔ تب ہی مین سڑک پر آتے ہوئے پوائنٹ کو دیکھ کر دونوں کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔

"خدا حافظ!" ربیعہ نے رسمی سا مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ!" رافع کے لب ذرا سا ہلے۔

وہ اب تک اپنے کہے پر شرمندہ تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ راؤنڈ مکمل کر کے لوٹی تھی۔ ڈیوٹی روم فی الوقت خالی پڑا تھا۔ شہلا نے انٹر کام پر چائے کے لیے کہا اور بیٹھ کر ضروری فائلز دیکھنے لگی۔ تب ہی اس کا موبائل بجنے لگا۔ شہلا نے چمکتی اسکرین پر دیکھی۔ کال انیقہ کی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو آپی....!" دوسری جانب لہجے سے فکر مندی جھلک رہی تھی۔

"ہاں انیقہ بولو.... کیا بات ہے؟" وہ یکدم متفکر ہوئی۔

"وہ میں عمر کو لینے اسکول گئی تھی۔"

"تو پھر؟" اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"وہاں ابرار بھائی موجود تھے وہ عمر کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

شہلا کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ساتھ.... کیا مطلب ساتھ لے گئے ہیں۔ کیوں لے گئے۔ تم نے.... تم نے عمر کو جانے کیوں دیا۔"

"وہ آپی! اتنی زیادہ ٹینشن نہ لیں۔" وہ نرمی سے بولی۔ "آپ تو جانتی ہیں عمر مسلسل ان سے کانٹیکٹ میں رہتا ہے عمر نے ان سے فرمائش کی تھی گھمانے پھرانے اور شاپنگ کروانے کی اس نے مجھے خود بتایا کہ وہ پپا کے ساتھ جانا چاہتا ہے میں پھر کیا کہہ سکتی تھی۔"

"وہ انیقہ....! تم نہیں جانتیں یہ شخص مسلسل عمر کی برین واشنگ میں لگا ہوا ہے۔ نجانے کیا کر کے رہے گا یہ۔"

وہ بے حد پریشان ہو چکی تھی۔

"اور عمر.... یہ لڑکا تو میرے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ میں اسے کتنا سمجھاتی ہوں لیکن...." اس کے الفاظ اس کے لبوں میں ہی رہ گئے۔ اس کی ساتھی ڈاکٹر زدروازہ کھول کر ہنستی مسکراتی اندر آ رہی تھیں۔

"واپسی کے متعلق کیا کہا اس نے؟" اب اس نے قدرے محتاط انداز میں پوچھا۔

"ابرار بھائی کہہ رہے تھے وہ اسے دو دن بعد چھوڑ جائیں گے۔" وہ مدھم سا بولی۔

"دو؟ دو دن؟"

"جی ہاں یوں بھی ویک اینڈ ہے۔ عمر کی چھٹی بھی ہے اسکول سے۔ ویسے آپ پریشان نہ ہوں آپی! عمر تو بے حد خوش تھا۔ اس نے مجھے بالکل لفٹ نہیں کروائی۔"

"تم نہیں جانتیں انیقہ....!" وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ "چلو ٹھیک ہے بعد میں بات کرتے ہیں۔"

"اوکے خدا حافظ!"

سلسلہ منقطع کر کے اس نے موبائل ایک طرف رکھ دیا۔

"اینی پرابلم؟" اس کی ساتھی کولیگ نے جیسے اس کا چہرہ پڑھا تھا۔

"نو.... ناٹ ایٹ آل۔" وہ اپنے چہرے کے تاثرات درست کرتے ہوئے مجبوراً مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"پپا.... یو آر گریٹ!" وہ بے حد خوش تھا۔

بیٹری والی گاڑی میں وہ بڑے سے لان کے کتنے ہی چکر کاٹ چکا تھا۔ ابرار نے اس کی فرمائش کے مطابق اس کو ہر چیز لے کر دی تھی۔ کئی ہزار کی شاپنگ کروائی تھی اور اب وہ اپنی چیزیں دیکھ دیکھ کر بے حد خوش ہو رہا تھا۔

"اچھا.... اب آ جاؤ.... بہت دیر ہو گئی ہے تمہیں کھیلتے ہوئے.... کھانا کھاتے ہیں۔"

"پپا تھوڑی دیر اور...." اس نے التجا کی۔ "اتنا مزہ آ رہا ہے کتنا بڑا لان ہے آپ کا۔ اس میں تو گاڑی چلانے کا مزہ آ گیا۔"

"کھانا کھا لو پھر چلاتے رہنا۔" اس نے سمجھایا۔

عمر گاڑی سے نکل کر اس کے پاس چلا آیا۔ دونوں ماربل کے چکنے فرش پر چلتے ہوئے اندر کی جانب بڑھے۔

"پپا.... کتنا بڑا گھر ہے آپ کا.... اور اتنا اچھا۔" وہ مرعوب ہو رہا تھا۔ ابرار نے جھک کر اسے گود میں اٹھا لیا اور اس کا گال چوما۔

"یہ گھر میں نے آپ کے لیے خریدا ہے میری جان!" وہ بولا تھا۔ "یہ میرا نہیں آپ کا ہے۔"

"لیکن میں تو نانو کے گھر رہتا ہوں۔ میرا گھر تو وہ ہے۔"

دونوں بڑا سا لاؤنج عبور کر کے گلاس ڈور کھول کر ڈائننگ ہال میں چلے آئے۔ ابرار کے ملازم نے ڈائننگ ٹیبل پر کئی طرح کے کھانے چن دیے تھے۔ ابرار نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"نانو کا گھر کبھی بھی بچوں کا گھر نہیں ہوتا عمر....!" وہ اس کی پلیٹ میں روسٹ پیس رکھتے ہوئے بولا۔

"کیوں؟" اس کی آنکھوں میں حیرت اتری۔

"بچوں کا گھر.... ان کے پپا کا گھر ہوتا ہے۔"

"او ہاں' یاد آیا پہلے بھی آپ نے بتایا تھا" وہ خوش ہوا۔"پھر تو میرا گھر یہ ہے نا پاپا؟"
"ہاں میری جان! میں نے کہا نا یہی تمہارا گھر ہے۔" وہ اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔
"لیکن پاپا! یہاں تو صرف آپ رہتے ہیں اکیلے۔ میں تو نانو کے ساتھ سوتا ہوں یا پھر ربیعہ خالہ کے ساتھ۔ میں یہاں کیسے سوؤں گا؟"
ابرار نے اس کی جانب دیکھا اور دھیرے سے مسکرایا۔
"میرے ساتھ سونا....."
"ہاں پاپا...!" وہ نیم دلی سے بولا۔"لیکن مجھے کہانی سنے بغیر نیند نہیں آتی نا۔"
"میں تمہیں ڈھیر ساری اسٹوری بکس دلواؤں گا..... روز پڑھا کرنا۔"
"ایسا کیوں نہ کریں پاپا...! نانو' ربیعہ خالہ اور خالہ جانی کو بھی یہاں لے آئیں۔" اسے نئی ترکیب سوجھی تھی۔ "کتنا مزہ آئے گا سب لوگ مل کر رہیں گے۔"
"مما کا نام نہیں لیا تم نے...؟" ابرار نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔ "تمہاری مما کو یہاں لے آئیں تو کیسا رہے؟"
عمر ایک دم خاموش ہوا تھا۔ وہ روسٹ پیس کانٹے سے توڑنے لگا۔ ابرار نے اس کے انداز کو بطورِ خاص دیکھا۔
"بولو عمر.....؟" اس نے اصرار کیا۔ "تم نے جواب نہیں دیا۔"
"پاپا...! مجھے تھوڑے سے چاول دیں نا....."
ابرار نے اس کی پلیٹ میں چاول ڈالے اور اپنا چمچ پلیٹ میں رکھ دیا۔ دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر وہ چاول کھاتے عمر کو غور سے دیکھنے لگا۔
"عمر!"
"جی پاپا!"
"آپ اپنے پاپا کی بات کو اگنور کر رہے ہو جانو؟"
"نہیں پاپا یہ بات نہیں ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔
"پھر کیا بات ہے؟ مجھے سچ سچ بتاؤ....."
"وہ..... مما کہتی ہیں اپنے پاپا سے میری باتیں بالکل مت کرنا۔ اگر پاپا کوئی بات کہیں بھی تو تم خاموش رہنا۔"
"ہوں!" اس نے گہری سانس بھری۔ "اصل میں جانو' بات یہ ہے کہ آپ کی مما ہم سے ناراض ہیں اسی لیے....."
"انہوں نے ہاشم انکل سے شادی کرلی؟" وہ بے ساختہ ہی بولا تھا۔ ابرار اس کا چہرہ دیکھ کر رہ گیا۔
"لیکن پاپا...! اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب وہ ہاشم انکل کی دلہن بن کر ان کے گھر چلی گئی ہیں۔ اگر آپ نے انہیں یہاں لانا تھا تو آپ ان سے شادی کرتے۔ اب وہ یہاں نہیں آسکتیں۔"
ابرار گم صم سا ہو کر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
"اور آپ بھی ان کی باتیں نہ کریں پاپا! مما ناراض ہوتی ہیں۔" اس نے بے حد مدبرانہ انداز میں گویا اسے سمجھایا تھا۔
ابرار دھیرے سے مسکرایا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے رخسار پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔
"ڈونٹ وری عمر! تم دیکھنا ایک دن ہم تمہاری مما کو منا لیں گے۔"
"ریئلی؟" اس کی معصوم آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ "مما مما مان جائیں گی پاپا؟"

"جی ممانی جان! کیسے کچھ چاہیے آپ کو؟" وہ کیتلی کوٹی کوزی سے ڈھانپتے ہوئے بولی۔

"اے ہٹو' کچھ نہیں چاہیے۔ یہ بتاؤ یہ لوگ پہلے بھی آئے ہیں کیا؟"

"سب تو نہیں البتہ فریحہ ایک مرتبہ آئی تھی۔ ثانیہ! پلیز یہ برتن ٹرالی میں لگا دو....." وردہ نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے ثانیہ کو ہدایت بھی دی۔

"دیکھنے آئے ہیں یا باقاعدہ رشتہ ہی ڈال رہے ہیں۔"

"مجھے خبر نہیں ممانی جان!" وہ مسکرا دی۔ "میں تو تب سے کچن میں ہوں۔ اندر کیا بات چیت چل رہی ہے مجھے خبر نہیں۔ لیکن آپ تو اندر سے ہی آ رہی ہیں نا!"

"اے ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آیا ان کے انداز تو ایسے ہیں جیسے منگنی ہوئے بھی مدت گزر گئی ہو۔ اب تم لوگ کچھ چھپاؤ تو ہمیں کیا خبر!"

وردہ متحیر رہ گئی۔ وہ اپنی بات کہہ کر پھر پلٹ کر ڈرائنگ روم کی سمت چل پڑی تھیں۔

"دیکھا تم نے....." وردہ ثانیہ کی جانب مڑی۔

"برسوں سے دیکھ رہے ہیں۔" وہ بے پروائی سے کباب پلیٹ میں رکھتی رہی۔ "تم اپنا کام کرو۔" وردہ گہری سانس بھر کر ٹرالی کا جائزہ لینے لگی تھی۔

اس چھوٹے سے گھر کے لیے وہ ایک بے حد خوشی کا دن تھا۔ ان کی پھپھی نے وقتِ رخصت اپنے نفیس پرس سے ایک مخملیں ڈبیا نکالی تھی اور رابعہ بیگم کی جانب اجازت طلب نگاہوں سے دیکھا تھا اور رابعہ بیگم سوائے مسکرانے کے کچھ نہ کہہ پائی تھیں۔

تب انہوں نے ڈائمنڈ رنگ ناعمہ کے ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈال کر اس کی پیشانی چوم لی تھی۔

"یہ صرف شگن ہے....." وہ بولی تھیں "باقاعدہ رسم ہم ان شاء اللہ آپ کی مرضی کی تاریخ پر کریں گے۔"

"اور رسم کیسے ہوتی ہے....؟" فردوس بیگم نے ناگواری سے میز پر پڑے مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکروں کو دیکھا تھا۔ صد شکر کہ ان کی بڑبڑاہٹ صرف ان کے پہلو میں کھڑی ثانیہ ہی سن پائی تھی۔

ان کے جانے کے بعد سب ہی بے حد خوشی رابعہ بیگم اور ناعمہ کو مبارک باد دینے لگے تھے۔ رابعہ بیگم کا چمکتا چہرہ ان کی سچی خوشی کا مظہر تھا۔ ناعمہ ہونق پن سے محض سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ خود پر سے گزرنے والی افتاد نے جیسے اس کے حواس مفلوج کیے ہوئے تھے۔

"رائمہ کو فون کر کے بلاؤ وردہ....." رابعہ بیگم کو بڑی بیٹی کی یاد ستائی۔ "اس غریب کو تو کچھ خبر ہی نہیں ہے۔"

"اے میں بھی چلوں!" فردوس بیگم اٹھی تھیں۔ "ماہین کو اطلاع کروں جیسے ہمیں تو لی بھولی بات پتا ہے ویسے اسے بھی بتا دیں ہاں!"

کئی افراد انہیں جاتا دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

ماہین دوڑی دوڑی چلی آئی تھی اور اب بے حد دلچسپی اور انہماک سے ماں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"یہ بڑی گاڑیاں اور دونوں میں ڈرائیور موجود' یوں جیسے کہیں کے رئیس زادے ہوں۔ اے ماہین! یہ بوڑگی ناعمہ تو بڑی ہوشیار نکلی۔ نجانے کہاں سے اس نے ایسا رئیس زادہ قابو کیا۔ ہمیں نہ آئیں ایسی ہوشیاریاں اور بیٹیاں ہم سے زیادہ بھولی۔"

"کچھ پتا نہیں چلا آپ کو یہ رشتہ آیا کیونکر؟ انہوں نے ناعمہ کو کہیں دیکھ کر پسند کیا یا لڑکے اور لڑکی کی باہمی پسند ہے؟"

"ارے ہمیں کوئی کچھ بتائے تو ہمیں پتا بھی چلے۔" وہ مایوسی سے بولیں۔ "کن سوئیاں لیتی تو ہمیں آج تک نہ آئیں۔"

"وہاں موجود افراد کی باتوں سے اندازہ نہ ہوا آپ کو؟" ماہین قدرے خفگی سے بولی۔ "ایک تو آپ کی سمجھ بھی ایسی ہی ہے نا۔"

"اب تمہیں بلایا ہے تم پتہ کرو' ماجرا کیا ہے۔" وہ سرگوشی میں گویا ہوئیں۔ "ارے تم نے بھی بس جلد بازی سے ہی کام لیا۔"

"کس معاملے میں؟" اس نے نا سمجھی سے ماں کو دیکھا تھا۔

"اپنی عریشہ کے معاملے میں اور کس معاملے میں۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

فریج سے پانی کی بوتل نکالتی عریشہ کے ہاتھ اپنا نام سن کر سست پڑے تھے۔

"وہ تو اب تک ناراض ہے آپ لوگوں کے اس غیر منصفانہ فیصلے پر۔ نہ لڑکی کی رضامندی ڈھنگ سے لی نہ کسی اور کی رائے کو کوئی اہمیت دی۔ اب دیکھ لیجیے نافع میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہاں ہماری بہن برتن مانجھے گی اور وہاں و نکسی ناعمہ راج کرے گی۔" ماہین نے بھی پھپھولے پھوڑے تھے۔

"بس ماہین..... غلطی ہی ہو گئی!" انہوں نے کفِ افسوس ملے۔

عریشہ فریج کے پاس ہی کھڑی نجانے کیا سوچنے لگی تھی۔

"کیسا ہے لڑکا؟" ماہین پھر اپنے تفتیشی انداز میں لوٹی۔

"میں کیا جانوں..... کوئی بتائے تو ہو نا۔"

"لیجیے پوچھ کر نہ آئیں آپ؟" ماہین کو ماں پر غصہ آیا۔

"فراز نام ہے لڑکے کا۔ تصویر وردہ نے مجھے دکھائی تھی اس کی۔ اے 'ماشاءاللہ ایسا خوبرو جوان کہ نظر بھر کر نہ دیکھے کوئی۔"

"اچھا..... واقعی؟" ماہین کو حسرت ہوئی۔

"گھر والے ایسے عمدہ لوگ اور بہنیں ایک سے بڑھ کر ایک..... بڑی شادی شدہ ہے ملیحہ اور چھوٹی والی فریحہ کی ابھی کہیں بات نہیں ہوئی....."

عریشہ نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ اس کے کانوں میں سائیں سائیں سی ہونے لگی تھی۔ ان سب ناموں سے وہ بخوبی واقف تھی۔

"مجھے تو لگتا ہے ماہین! یہ ناعمہ کا ہی کام ہے۔ اسی نے کہیں سے یہ لڑکا پیچھے لگایا ہے۔ کیسی گھنی نکلی ہے یہ اور صورت دیکھو تو فرشتوں کی سی۔"

"کیا خبر امی.....!" ماہین بے دلی سے بولی۔ "بغیر جانے بوجھے کیا کسی پر الزام دھرنا ناعمہ اور وردہ ایسی لڑکیاں نہیں ہیں۔"

عریشہ سکتے کی حالت میں اب تک اپنی جگہ کھڑی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں

ماہین کی سخت باتیں سن کر ربیعہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے لیکن ترانہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ جس پر ربیعہ کو ...ڑتا ہے۔ گھر سے نکلنے سے قبل عین موقع پر ...گھر پہنچ جاتا ہے۔ جس پر ربیعہ خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

...یعہ کا عباد کے گھر میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ منزہ بیگم' ربیعہ کو اپنی بیٹی بنا لیتی ہیں۔

...اور شہلا کی شادی کی تقریب میں ہی نافع اور عریشہ کا نکاح پڑھوا دیا جاتا ہے۔ ...پر عریشہ سخت کبیدہ خاطر ہوتی ہے۔

...کی اولین رات ابرار جیلانی کا فون شہلا کو پریشان کر دیتا ہے۔ شہلا شادی کے بعد اپنی ماں سے ملنے آتی ہے تو وہیں اس ...ات ابرار سے ہو جاتی ہے۔ عین موقع پر ہاشم شہلا کو اطمینان دلاتا ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرتا ہے۔

...از جو در حقیقت ناعمہ کو پسند کرتا ہے' ہاشم کی تقریب میں اسے دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ دوسری طرف عریشہ کے لیے ...ی آمد پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ فراز یہی سمجھتا ہے کہ فون پر اس سے ناعمہ باتیں کرتی تھی۔

...فی کو ربیعہ میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے۔ جس کا علم ہاشم کو ہو جاتا ہے۔

...ا عاشر کو پاکستان پہنچ کر فون کرتی ہے عاشر اسے لینے ایئرپورٹ جاتا ہے۔ ایقان' عاشر کے پراسرار رویے پر مشکوک ...تی ہے۔

...شہلا ...ب کے سامنے چھٹی ختم ہونے کا ذکر کرتی ہے تو فردوس بیگم کا سرد رویہ اسے پریشان کر دیتا ہے۔ تاہم ماہین اسے ...ے کر مطمئن کر دیتی ہے۔ شہلا' ربیعہ کے ساتھ رابعہ بیگم کے گھر آتی ہے۔ جب ربیعہ کی سادگی سے متاثر ہوتے ...ہے۔ ربیعہ' وردہ کے مشورے سے ایم اے سوشیالوجی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔

...عاشر' لزا سے ملنے ہوٹل آتا ہے تو لزا اسے پرپوز کرتی ہے۔ عاشر لزا کی پیش کش رد کر دیتا ہے۔ تاہم لزا کا رومال ایقان ...ہاتھ لگ جاتا ہے۔ جس پر وہ عاشر سے حقیقت پوچھتی ہے۔ عاشر بوکھلاہٹ میں سب کچھ بتا دیتا ہے۔ جس پر ایقان ...شدت صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔

...ربیعہ' وردہ سے ملنے اس کے گھر آتی ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ وردہ کی منگنی رافع سے ہو چکی ہے۔ یہ خبر اسے صدمے ...سے دوچار کر دیتی ہے۔ دوسری طرف رافع بھی اسے جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ سمجھ رہا ہے۔ وہ وردہ کے لیے اپنے دل میں ...ی جذبات محسوس نہیں کرتا۔

۲۷

ستائیسویں قسط

...اپنی ڈائری میں دیکھ کر اس نے نمبر ملایا تھا پھر دوسری جانب ہوتی ہوئی بیل کی آواز سننے لگی تھی۔ جلد ہی فون ...اٹھا لیا گیا تھا۔

"ہیلو" حسن اتفاق سے وہ وردہ ہی تھی۔

"ہیلو وردہ...... ربیعہ بول رہی ہوں۔"

"اوہ......" وردہ کی آواز میں خوشی در آئی۔ "کیسی ہو ربیعہ...... سچ میں ابھی تمہیں ہی یاد کر رہی تھی۔"

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ کل یونیورسٹی نہیں آئیں۔" ربیعہ نے پوچھا۔

"میری طبیعت؟" وردہ قدرے گڑبڑا سی گئی تھی۔ "اوہ...... ہاں...... میں ٹھیک ہوں ربیعہ! بس یونہی کچھ موڈ ...ہیں تھا اور پھر شام کو اچانک ہی وہ لوگ چلے آئے۔"

"وہ لوگ......؟" ربیعہ کچھ نہ سمجھی۔

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ فراز کے گھر والے۔۔۔ میں نے تم لوگوں سے ذکر کیا تھا نا پہلے بھی۔ بس وہ اچانک ہی آ گئے۔۔۔ بنا کسی پروگرام کے۔۔۔ اور افراتفری میں ہی ناعمہ کو انگوٹھی بھی پہنا گئے۔ مصروفیت ایسی ہو گئی تھی کہ میں تمہیں فون بھی نہ کر پائی۔"

"ارے۔۔۔" ربیعہ خوش ہو گئی۔ "پھر تو مبارک ہو، بہت بہت۔۔۔ یہ تو بہت اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔ ناعمہ کو میری طرف سے بہت مبارک باد دینا۔ فراز بھائی تو اتنے اچھے ہیں کہ کسی شک شبے کی گنجائش ہی نہیں بنتی۔ ناعمہ واقعی خوش قسمت ہے۔" وردہ دھیمے سے ہنس دی۔

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ ویسے تم مبارک باد دینے خود کیوں نہیں آ جاتیں؟ تم سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔"

"یعنی منگنی کی مٹھائی کھانے بھی میں خود چل کر آؤں؟" ربیعہ مسکرائی۔

"مٹھائی یہاں بھی کھلائیں گے اور گھر بھی دینے آئیں گے۔ تم بے فکر رہو۔" وردہ بھی شگفتگی سے بولی۔

"اچھا میں کوشش کرتی ہوں۔ امی سے پوچھ لوں۔" ربیعہ بولی۔

"اوکے۔۔۔ میں منتظر ہوں۔"

ربیعہ نے ریسیور رکھ دیا پھر وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ "حیات ولا" کی سمت جاتے ہوئے رستے میں جو مانوس سی خوشبو اپنی جانب بلانے لگتی تھی، وہ خوشبو ایک طلسم کی مانند تھی اور ربیعہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اس طلسم کا شکار ہونا نہ چاہتی تھی۔ وردہ کی دعوت میں بے حد خلوص تھا۔ وردہ خود بہت معصوم اور پر خلوص لڑکی تھی۔ ربیعہ گہری سانس بھرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ اس نے "حیات ولا" جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ربیعہ آ رہی ہے۔" وردہ نے ناعمہ کو مطلع کیا۔ "وہ تمہیں بہت مبارک باد دے رہی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ وہ یہاں آ کر مبارک باد دے لے۔"

ناعمہ نے سستی سے بہن کی جانب دیکھا اور ایک بڑی سی جمائی لی۔ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی۔

"آپ ان کے لیے چائے تو ضرور بنائیں گی۔۔۔ ایک کپ مجھے بھی دے دیجیے گا۔"

وردہ نے اچھی خاصی بے حد خفگی سے اسے دیکھا۔

"تھوڑی سی شرم کسی سے ادھار ہی لے لو ناعمہ! امی ویسے ٹھیک ہی فکر مند ہوتی ہیں تمہاری طرف سے۔ میں بے وجہ انہیں طفل تسلیاں دیتی رہتی ہوں۔ دو گھنٹے سے بستر میں گھسی ہوئی ہو اور بجائے اس کے کہ ربیعہ کے آنے پر تم ہمیں چائے وغیرہ سرو کرو، الٹا فرمائشی پروگرام شروع کر دیا۔ کیا بنے گا تمہارا۔ اب تو عقل کرو سسرال والی ہو گئی ہو۔"

"اف آپی۔۔۔ پلیز۔۔۔" وہ جھنجلا کر اٹھ بیٹھی۔ "آپ تو امی کی زبان استعمال نہ کریں۔ سچی، میں تو پہلے ہی بے حد کوفت کا شکار ہوں۔ کیا مصیبت سر پہ پڑ گئی ہے بیٹھے بٹھائے۔"

"ناعمہ! عقل کرو، الٹی سیدھی باتیں وقت بے وقت منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ خدا نے تمہیں اتنی بڑی نعمت بن مانگے دی ہے۔ لڑکیاں تو ایسے رشتوں کے لیے وظیفے پڑھا کرتی ہیں۔" وردہ سنجیدگی سے بولی۔

ناعمہ زور سے ہنس دی۔ وردہ نے پھر اسے گھورا تھا لیکن وہ اس کے گھورنے کی پروا کیے بغیر ہنستی رہی۔

"میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے تمہیں؟" وہ چڑ گئی۔

"اور کیا۔۔۔ لطیفہ ہی ہو گیا یہ تو۔۔۔ یعنی دنیا جہان کے پند و نصائح سننے کا لڑکیوں کو اس قدر شوق ہوتا ہے کہ وہ وظیفے کرنے لگتی ہیں۔ سچی آپی! جب سے یہ بلا میری انگلی میں آئی ہے، میں نصیحتیں سن سن کر مرنے والی ہو گئی ہوں۔ اٹھتے بیٹھتے دس پندرہ اقوال امی کی جانب سے عطا ہوتے ہیں۔ سوتے جاگتے چھ سات آپ بھی ساتھ لگا دیتی ہیں۔ ابھی تو ذرا رائمہ آپی کو آنے دیں، سب سے زیادہ خطرہ تو مجھے ان سے ہے۔ وہ تو مجھے حالت نیند میں بھی نہ بخشیں گی۔ جگا کر کہیں گی۔ ناعمہ! تمہارا منہ کھلا ہوا ہے۔ اسے بند کر کے سونے کی عادت ڈالو۔ سسرال والے کیا کہیں گے۔ ماں نے سونا بھی نہیں سکھایا۔ آپی! یہ سسرال والے ہر وقت کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں؟"

وردہ نے خود پر بہت ضبط کرنا چاہا لیکن مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ ہی گئی تھی۔

"بے وقوف۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

اسی لمحے ان دونوں کو ہی کمرے کے دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ دروازے کی جانب دیکھا تھا۔

"ارے۔" ناعمہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ "عریشہ! تم۔" وہ خوش ہو کر بستر سے نکل کر اس کی جانب بڑھی۔

"شکر ہے خدا کا۔۔۔ تو آخر تمہیں ہماری یاد آ ہی گئی۔"

اس کے قریب پہنچ کر ناعمہ قدرے ٹھٹک سی گئی تھی۔ عریشہ بے حد بے تاثر سے انداز میں کھڑی تھی۔ ناعمہ کے اتنے گرم جوش اور والہانہ انداز نے بھی اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ اس کی آنکھوں میں سرد مہری واضح تھی۔ ناعمہ لاشعوری طور پر قدرے پیچھے ہٹ گئی۔

"آؤ عریشہ!" وردہ نے بھی خوش مزاجی سے اسے مخاطب کیا۔ "اندر آ کر بیٹھو نا، وہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے کیا؟"

عریشہ نے ناعمہ سے نظریں ہٹا کر وردہ کی جانب دیکھا پھر وہ ایک ایک قدم بڑھاتی اندر چلی آئی اور بستر کے کونے پر بے حد تکلف سے ٹک گئی۔ ناعمہ بھی اس کے قریب آ بیٹھی۔

"تم دونوں باتیں کرو، میں تب تک چائے بنا لاؤں۔" وردہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "ہم نے بھی شام کی چائے اب تک نہیں پی ہے۔"

عریشہ نے اسے کمرے سے باہر جاتے ہوئے دیکھا پھر دوبارہ ناعمہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کی نظریں بے حد چبھتی ہوئی تھیں جس نے ناعمہ کو نجانے کیوں خوف زدہ سا کر دیا۔

"کیا بات ہے عریشہ؟" وہ بالآخر بول اٹھی۔ "تم مجھے اتنے عجیب سے انداز سے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"سنا ہے۔۔۔ تمہاری منگنی ہو گئی ہے۔" وہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہاں۔۔۔ تم نے ٹھیک سنا ہے۔" ناعمہ نے سر ہلایا۔

"بہت خوش نظر آ رہی ہو۔" اس کے لہجے میں زہر سا گھلا۔ "کہاں کھلی ہے قسمت؟"

ناعمہ کا منہ حیرت سے کھلا۔ اسے لگا یہ وہ عریشہ ہی نہیں تھی جسے وہ بچپن سے جانتی تھی۔

"ایک بات بتا دوں تمہیں۔" اس سے پیشتر کہ ناعمہ کچھ بول پاتی، وہ پھر اسی لہجے میں گویا ہوئی۔ "دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے والے کبھی خوش نہیں رہ پاتے۔ وقتی طور پر انہیں خوشیاں راس آ بھی جائیں تو بھی ایک دن کسی کی آہ انہیں لے ڈوبتی ہے۔"

"عریشہ..." ناعمہ کے لب کانپے۔ "یہ... یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کس کے حصے پر ڈاکہ ڈالا ہے میں نے۔ کس کے ساتھ زیادتی کی ہے؟"

اس سے قبل کہ عریشہ کچھ بولتی، رابعہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

"ماشاءاللہ... بھئی آج تو ہماری عریشہ بیٹی آئی ہے۔ بڑی خوشی ہوئی تمہیں دیکھ کر۔" عریشہ بادل نخواستہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم۔" وہ جیسے زیر لب بولی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔ کیسی ہو بیٹی؟" رابعہ بیگم نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ ہنوز سرد انداز میں بولی۔

"ناعمہ کی منگنی کے بارے میں پتا چلا تمہیں؟" رابعہ بیگم خوش دلی سے بولیں۔

عریشہ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"مجھے تو چل گیا ہے... ناعمہ کو بھی چل جائے گا۔ چلتی ہوں۔"

وہ مڑ کر اچانک ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔ رابعہ بیگم نے ازحد حیرت سے ناعمہ کی سمت دیکھا۔ ناعمہ نے سر جھکا لیا۔

"کیا مطلب اس بات کا؟" وہ بڑبڑائیں۔

"پتا نہیں امی جی..." ناعمہ منمنائی۔

اسی لمحے وردہ چائے کی ٹرے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہائیں... یہ عریشہ کہاں گئی؟" اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

ناعمہ کے چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیں تھی۔



وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کر کے کچن سے نکلی تھی۔ سامنے بیٹھی منیزہ بیگم کو دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک سی گئی۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"امی جی..." ربیعہ ان کے قریب چلی آئی۔ "کیا بات ہے... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" جب سے ان کی طبیعت ایک مرتبہ بگڑی تھی، تب سے نجانے کیوں اس کے دل کو دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ وہ اب انہیں کچھ بھی نہ کرنے دیتی تھی۔ یونیورسٹی جانا ہوتا تو وہ اگلے دن کے کھانے کی زیادہ تر تیاری رات میں ہی کر لیا کرتی اور اگر آف ہوتا تو نہ صرف ناشتہ بلکہ دوپہر اور رات کا کھانا بھی وہی بناتی تھی۔

منیزہ بیگم اپنی سوچ سے نکل کر اب محبت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھیں۔

"ہاں ربیعہ..." پھر وہ اس کے ہاتھ تھام کر بولی تھیں۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں... تمہاری جیسی خدمت گزار بیٹی جس ماں کو مل جائے... اسے کچھ ہو سکتا ہے بھلا؟" ربیعہ کے دل کو نجانے کیا ہوا تھا۔ وہ یکدم ہی ان سے لپٹ گئی۔

"امی جی... آپ کی بیٹیاں واقعی بہت خوش قسمت ہیں... اتنی اچھی، اتنی پیاری، شفیق ماں قسمت والوں کو ملتی ہے۔"

"تم بھی میری بیٹی ہو ربیعہ! یقین جانو... مجھے شہلا، انیقہ اور تم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔" انہوں نے

محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
ربیعہ کا دل مزید پگھلا۔ اس کی آنکھوں سے چند قطرے نکل کر چپ چاپ منیزہ بیگم کے آنچل میں گم ہو گئے۔ اس نے ان کے کاندھے سے سر نہ اٹھایا۔

"ربیعہ!" انہوں نے اس کی کیفیت محسوس کر کے اسے پکارا۔

"جی... امی..." وہ چند لمحوں بعد بولی۔

"بیٹا... کبھی تم سے پوچھا نہیں... لیکن اب پوچھنے کو دل کرتا ہے... کچھ اپنے بارے میں بتاؤ' اپنے پس منظر کے متعلق' اپنے گھر' گھر والوں کے متعلق۔"

ربیعہ نے ان کے کاندھے سے سر اٹھایا پھر نظریں نیچی کیے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کا دل چاہا' وہ انہیں شروع سے آخر تک سب کچھ ٹھیک ٹھیک بتا دے۔ یوں بھی اس کی زندگی میں کوئی ایسی بات تھی بھی نہیں جسے وہ کسی سے چھپانا چاہتی۔

لیکن پھر اسے عباد کا خیال آیا۔ اس کے سب کچھ کہہ دینے سے عباد یکدم اپنے گھر والوں کی نظروں میں جھوٹا پڑ جاتا اور پھر جن حالات کے تحت جس طرح وہ عباد کے ساتھ آئی تھی' شاید اس کے گھر والوں کے لیے وہ بھی قابل قبول نہ ہوتا۔

منیزہ بیگم اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہی تھیں۔ وہ ہولے سے مسکرا دیں پھر انہوں نے ربیعہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"عباد کہہ رہا تھا... تم اس کے کسی دوست کی بہن ہو اور وہ نوکری کے سلسلے میں باہر گیا ہوا ہے۔"

"جی..." وہ جھجکی ہوئی نظروں سے فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

"تمہارے ماں باپ؟"

ربیعہ نے نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں اعتبار اور محبت تھی۔

"وہ حیات نہیں ہیں۔" وہ دھیرے سے بولی تھی۔

"ماں کے متعلق اب ایسے مت کہنا۔" وہ شفقت سے مسکرائیں۔ "میں تمہاری ماں ہی ہوں... ہیں نا..."

"امی جی..." ربیعہ ایک بار پھر بے اختیار ان سے لپٹ گئی تھی۔



وہ ڈیوٹی آف کر کے ہاسپٹل سے نکل ہی رہی تھی' جب ہاشم کی کال آئی۔ شہلا نے موبائل اسکرین پر چمکتے نام کو قدرے حیرت سے دیکھا تھا۔ ان اوقات میں تو وہ اچھا بھلا بزی ہوتا تھا۔

"ہیلو... ہاشم..." اس نے موبائل آن کیا۔

"عزیز من... کہاں ہیں آپ؟" وہ کافی خوشگوار موڈ میں لگتا تھا۔

"میں بس گھر کے لیے ہی نکل رہی تھی۔ آپ کہاں ہیں؟"

"میں بھی گھر جا رہا ہوں۔ سوچا تمہارا شیڈول پتا کر لوں۔ ڈنر کے متعلق کیا خیال ہے؟ آج کہیں باہر چلتے ہیں۔"

شہلا کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ اس کے لب مسکرا دیے تھے۔

"خیریت؟ بہت موڈ میں لگتے ہیں۔"

"آپ سے بات ہو رہی ہے جناب!" وہ شرارتاً بولا۔ "موڈ تو خود بخود ہی خوشگوار ہو جاتا ہے۔ ویسے آپ مابدولت کا سوال ٹال گئی ہیں۔"

"نہیں' ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کا دل چاہ رہا ہے تو ضرور چلتے ہیں۔" وہ چلتے ہوئے اپنی گاڑی تک آئی تھی۔

"آہ... گویا بات اب تک محض ہمارے ہی دل تک محدود ہے۔" اس نے قدرے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ "خیر... پھر کچھ ڈیسائڈ کرو' کہاں چلیں؟"

"چائنا ٹاؤن..." وہ فوراً بولی تھی۔

"ویری نائس۔" اس نے فوراً اتفاق کیا۔ "چلو پھر گھر پہنچو' تھوڑا ریسٹ کر کے' فریش ہو کر نکلیں گے۔"

"عمر کو بھی لے لیں گے نا۔ میں اسے بتا دیتی ہوں۔"

ہاشم کی جانب سے لمحہ بھر کا توقف ہوا۔

"اوکے۔" چند لمحوں بعد وہ بولا تھا۔

"خدا حافظ۔" شہلا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔ ہاشم کی جانب سے وہ لمحہ بھر کا توقف اسے ڈسٹرب کر گیا تھا۔ نجانے اسے عمر کو بھی ساتھ لے جانے کی بات کرنا چاہیے تھی یا نہیں پھر وہ سر جھٹک کر گاڑی کا لاک کھولنے لگی۔



گھر تک پہنچتے پہنچتے وہ عمر کو اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کینسل کر چکی تھی۔ نجانے کیوں اس نے محسوس کیا تھا کہ ہاشم ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ فی الوقت صرف شہلا کی ہمراہی کا خواہش مند تھا اور شہلا نے شاید اس کی تمنا کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اسے شرمندگی نے آگھیرا۔ وہ ہمیشہ ہی انجانے میں اسے دکھ دے دیا کرتی تھی۔

"گویا بات اب تک محض ہمارے ہی دل تک محدود ہے۔"

اسے ہاشم کے الفاظ یاد آئے۔ گاڑی سے نکل کر وہ بے حد مضمحل سوچوں کا شکار اندر پہنچی تھی۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی۔ سامنے ہی عریشہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ شہلا کو قدرے حیرت ہوئی۔ وہ لڑکی اسے اب تک اپنے کمرے میں محدود ملی تھی۔ یوں گھر کی مرکزی جگہ پر وہ کم ہی ملا کرتی تھی۔

عریشہ نے نگاہ اٹھا کر اسے لمحہ بھر کے لیے دیکھا اور پھر سے اپنی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

"کیسی ہو عریشہ!" شہلا نے اس کے قریب ٹھہر کر ملائمت سے پوچھا۔

"جی؟" اس نے باول نخواستہ سر اٹھایا۔ "ٹھیک ہوں۔" وہ بے زاری سے گویا ہوئی تھی۔

"آنٹی کہاں ہیں؟" اس نے ادھر ادھر نگاہ ڈالی۔

"پتا نہیں۔" اس نے کاندھے اچکائے۔

"نجانے اس لڑکی کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" شہلا نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔

پھر وہ اسے اس کے حال پر چھوڑ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ پورچ میں اس نے اپنی گاڑی ہاشم کی گاڑی کے پیچھے پارک کی تھی لہٰذا اسے علم تھا کہ ہاشم اپنے کمرے میں موجود ہے۔ اس نے دل میں ارادہ کیا کہ وہ ہاشم سے کہے گی کہ آج ڈنر پر وہ دونوں ہی جائیں گے۔ عمر کے ساتھ آؤٹنگ کا پروگرام بعد میں بھی رکھا جا سکتا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی اور پھر جیسے پتھر کی ہو گئی تھی۔

ہاشم بستر پر لیٹا ہوا تھا اور عمر اس کے پیٹ پر بیٹھا زور زور سے ہنس رہا تھا' گویا ہاشم نے اسے کوئی بہت مزے کا

لطیفہ سنایا تھا۔
دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں ہی نے مڑ کر دیکھا۔
"مما..... مما آگئیں!" عمر ہاشم پر سے اتر کر دوڑتا ہوا اس کے پاس چلا آیا۔
ہاشم بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے لبوں پر بے حد خوبصورت مسکراہٹ تھی۔ وہ بھی ابھی ابھی پہنچا تھا۔ شرٹ اتار کر اس نے ایک طرف ڈالی ہوئی تھی اور پینٹ اور بنیان میں بے حد فراغت سے بیٹھا تھا۔
وہ اس قدر پرکشش نظر آرہا تھا کہ شہلا چند لمحے اس کی جانب دیکھتی ہی رہ گئی۔
"کس بات پر یہ آئینہ محو حیرت ہے؟" ہاشم گنگنایا۔
شہلا چونکی پھر عمر کو خود سے لپٹاتے ہوئے آگے بڑھ آئی۔
"یہ عمر؟" وہ بیڈ کے کنارے آٹکی۔
"میں اسے پک کرتا ہوا آگیا تھا....." ہاشم نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
"کیوں؟" بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔
ہاشم نے قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔
"کیوں؟ کیا مطلب کیوں؟ بھئی میرا دل چاہ رہا تھا اس سے ملنے کا..... باتیں کرنے کا اور پھر صاحبزادے ہمارے ساتھ ڈنر کے لیے بھی تو چل رہے ہیں نا....."
اس کے لہجے میں بشاشت تھی۔ شہلا ایک بار پھر جی ہی جی میں شرمندہ ہوئی۔
"نہیں....." وہ آہستگی سے بولی۔ "میں سوچ رہی تھی کہ....."
پھر اس کی نگاہ عمر پر پڑی جو بے حد دلچسپی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔
"عمر....." شہلا نے اس کے بال بگاڑے۔ "مما کے لیے پانی لے کر آؤ۔"
"جی مما....." وہ فریج کی جانب چلا گیا۔
شہلا نے ہاشم کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔
"میں میں سوچ رہی تھی اگر آج ہم دونوں ہی چلتے عمر کے ساتھ پھر کسی دن اچھا سا پروگرام بنالیں گے....."
"لیکن تم نے ہی کہا تھا کہ ہم عمر کو....." ہاشم کی نظروں میں الجھن در آئی۔ "اچانک تبدیلی کیسی؟"
"سوری ہاشم..... میں شاید آپ کے احساسات سمجھ نہیں پائی تھی۔"
ہاشم چند لمحے اس کی جانب دیکھتا رہ گیا۔
"کم آن شہلا، تم نجانے کیا سمجھیں۔ عمر جیسا تمہارے لیے ہے ویسا ہی میرے لیے بھی ہے۔ اتنا ہی عزیز اتنا ہی اہم بلکہ جب تم نے مجھے اس کی بابت یاد دلایا تو میں تو بے حد شرمندہ ہو گیا تھا۔ یہ بات تو مجھے خود کہنی چاہیے تھی کہ ہم عمر کو بھی ساتھ لیں گے۔"
شہلا سے کچھ بولا نہ جاسکا تھا۔ ہاشم کے جذبوں نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔
"مما! مما! آج ہم کہاں جائیں گے؟" عمر پانی کا گلاس بھر کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔ شہلا نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔
"آج ہم چائنا ٹاؤن جائیں گے اور پھر جہاں عمر بابا کہیں گے وہاں چلیں گے۔" ہاشم نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" وہ خوش ہو گیا۔
"کہاں جاؤ گے؟"

"جہاں پپا لے کر گئے تھے۔" وہ جوش سے بولا۔ "وہاں بہت سارے جھولے تھے۔ پپا نے مجھے سارے جھولوں پر بٹھایا تھا پھر انہوں نے مجھے ڈھیر سارے ٹوائز بھی لے کر دیے تھے۔ آئس کریم بھی کھلائی تھی۔ پتا ہے ہاشم انکل، میرے پپا بہت گریٹ ہیں۔"
"عمر!" شہلا نے قدرے غصے میں اسے پکارا۔ "کیپ کوائٹ ناؤ!"
عمر سہم کر ایک دم ہی خاموش ہو گیا تھا جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔
"بولنے دو یار.....!" ہاشم آہستگی سے بولا۔ "بچہ ہی تو ہے۔"
شہلا نے محسوس کیا ہاشم کے انداز میں قدرے سنجیدگی آگئی تھی۔
"میں ذرا چینج کرلوں!" وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مما! ہم یہاں کیوں آگئے ہیں؟" مومن بسور رہا تھا۔ "مجھے یہاں رہنا زیادہ پسند نہیں ہے۔"
ایقان نے لحظہ بھر کے لیے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔
"اچھا! تو گویا اس عمر میں بھی آپ کی پسند ناپسند کی بہت اہمیت ہے..... بڑے ہو کر تو جانے کیا حال ہو گا۔"
"مما! یہاں کبھی کبھی آنا تو مجھے اچھا لگتا ہے لیکن آپ تو یہاں رہنے لگی ہیں۔ اپنے سارے کپڑے بھی لے آئی ہیں۔ وہاں میرے فرینڈز میرا انتظار کر رہے ہوں گے ہم سب شام کو کرکٹ کھیلتے تھے کتنا مزہ آتا تھا۔"
"مومن! میرا دماغ مت کھاؤ۔" وہ بیزاری سے بولی۔ "فرینڈز یہاں بھی بن سکتے ہیں اور عمر بھی تو ہے یہاں اس کے ساتھ کھیلا کرو۔ شام کو پارک چلے جانا۔"
"نہیں مما! مجھے اپنے گھر جانا ہے وہاں میرے اتنے سارے کھلونے ہیں اور وہ گھر بڑا ہے یہ تو بالکل چھوٹا سا ہے یہاں کھیلنے میں مزہ نہیں آتا!"
ایقان خاموش ہو گئی۔ بچے سے بحث کرنا فضول تھا۔ وہ اٹھ کر کچن کی جانب چلی گئی۔ لیکن وہ پیچھے ہی چلا آیا تھا۔
"آپ سامان رکھ لیں ہم شام کو چلیں گے۔" ایقان نے مڑ کر خفگی سے اسے دیکھا۔
"مومن! تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آتی؟"
"آپ کو بھی مما! میری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔" اس نے منہ بگاڑا۔ "مجھے تو ہر وقت پپا یاد آتے ہیں وہ میری ہر بات سمجھتے ہیں۔"
غصے کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔
اسی لمحے بجنے والی فون کی بیل نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تھی۔ وہ غصے میں چلتی ہوئی فون تک آئی۔
"ہیلو....."
"عاشر بات کر رہا ہوں۔"
دوسری جانب سے آتی ہوئی آواز نے اسے سر سے پیر تک سن کر دیا تھا۔ اس سے چند لمحوں کے لیے کچھ بولا نہ جاسکا۔ پھر یکایک اس کا غصہ پھر عود کر آیا۔
"تم؟ تمہیں یہ نمبر کس نے بتایا؟" وہ پھنکاری تھی۔

"بھابی بیگم نے....." وہ بولا۔ "اور زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے محض یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ میں نے پچاس ہزار کا ڈرافٹ بھیج دیا تھا اپنا اکاؤنٹ چیک کر لینا۔ دوسرے یہ کہ میں اپنے بچوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا!"

ایقان چند لمحے خاموش کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر اس نے ریسیور سائیڈ میں پٹخا تھا۔

"مومن... ! یہاں آؤ۔" وہ چلائی۔

مومن دوڑتا ہوا آیا تھا۔

"جی مما.....؟"

"فون پر بات کرو۔" وہ وہاں سے جانے لگی۔

مومن نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تھا پھر اگلے ہی لمحے اس نے بے ساختہ مسرت اور اشتیاق سے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"پپا... پپا! السلام علیکم' میں آپ کو بہت یاد کر رہا تھا۔"

ایقان کمرے میں چلی آئی۔ ایمان بے خبر سو رہی تھی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ ضبط محال تھا۔ اس کی آنکھوں سے کئی قطرے نکل کر اس کے گریبان میں جذب ہوئے۔ کس سنگ دلی سے اور بے مہری سے اس نے بات کی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہی لہجہ پھول برساتا تھا۔

مومن بات ختم کر کے کمرے میں آیا تو وہ اچھا خاصا رو چکی تھی۔ پپوٹے متورم ہو چلے تھے' وہ اسے دیکھ کر جلدی جلدی چہرہ صاف کرنے لگی۔ وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"مما... ! پپا ایمان کا پوچھ رہے تھے وہ بھی ہم لوگوں کو مس کر رہے ہیں۔"

"اچھا!" وہ گلوگیر لہجے میں اتنا ہی بول پائی۔

"اور مما... ! پپا ہمارے لیے پارسل بھی بھیج رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے شاپنگ کی ہے!"

"اچھا بیٹا! ٹھیک ہے۔" اس کا دل پھر بھر آنے لگا تھا۔

"مما... ! آپ پپا کو مس نہیں کرتیں؟" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

ایقان گہری سانس بھر کر خاموش ہو گئی۔



شہلا چہرے پر کلینزنگ ملک لگا کر اب ٹشو سے صاف کر رہی تھی۔ دروازے پہ دستک کی آواز پر اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ یہ یقیناً" ہاشم ہی تھا۔ شہلا آئینے کے سامنے سے ہٹ کر دروازے تک چلی آئی۔

لاک کھولنے تک اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ تھا کہ باہر یقیناً" ہاشم ہی ہے۔ دروازہ کھولتے ہی وہ یکایک اوٹ میں ہو گئی۔ باہر فاروق حسن ہوں گے' اس کے تو وہم و گمان میں نہ تھا۔

"شہلا بیٹے! آپ کا فون ہے۔" وہ باہر سے بولے۔ "کاریڈور والے ایکس ٹینشن سے بات کر لیں۔"

"جی..... جی انکل... !" وہ ہکلا کر ہی رہ گئی تھی۔

پنک نیٹ کی نائٹی میں بنا شال کے ان کے سامنے آ جانے پر وہ حد درجہ خفت کا شکار ہوئی تھی۔ اس نے خود کو سخت سست سنائیں۔ دروازے پر کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ اسے خود شال یا گاؤن وغیرہ لینا چاہیے تھا۔

خود سے لڑتی جھگڑتی، برا بھلا کہتی وہ فون تک چلی آئی تھی۔ اس نے یہ بھی خیال نہ کیا تھا کہ اس وقت بھلا کس کا فون ہو سکتا تھا۔

"ہیلو......" اس نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو......" دوسری جانب ابرار تھا۔

شہلا کے اوپر جیسے پہاڑ ٹوٹا۔ ابرار کا فون اور وہ بھی گھر کے نمبر پر! فون فاروق حسن نے ریسیو کیا تھا۔ یہ سوچ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

"تم، تم نے یہاں..." اس کے حلق سے آواز نکلنا مشکل ہو گئی۔

"کیا کروں؟" وہ بے حد مطمئن تھا۔ "موبائل پر نمبر دیکھ کر تم فون ریسیو نہیں کرتیں۔ مجبوراً مجھے اس نمبر پر فون کرنا پڑا۔"

"میں، میں ریسیو کر لوں گی، تم اس نمبر پر کال کرو۔" اس نے بے تحاشا دھڑکتے دل سے کہہ کر ریسیور پٹخا تھا۔

کچھ دیر وہیں کھڑی وہ اپنے دل کی دھڑکنیں سنتی رہی پھر تیز تیز قدموں سے چلتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ حسب توقع اس کا موبائل بج رہا تھا۔ شہلا نے جھپٹ کر موبائل اٹھایا تھا۔

"کیا بات ہے ابرار! کیوں میرا تماشا بنا رہے ہو تم......؟" اس کے لہجے میں عاجزی در آئی تھی۔

"تم میرے جذبات سے کھیل رہی ہو، تمہیں اس بات کا خیال ہے؟" وہ شکایتی انداز میں بولا۔

"کتنے دن سے میں تمہارا سیل فون نمبر ٹرائی کر رہا ہوں لیکن تم ہر مرتبہ مجھے مایوس کرتی ہو۔ آخر بات کر لینے میں تمہارا کیا جاتا ہے؟"

"ہمارے درمیان اب ایسا کیا ہے، جس پر بات کی جا سکے؟" وہ چیخی۔

"عمر! عمر ہے ہمارے درمیان!" شہلا یک لخت خاموش ہوئی تھی۔

"شہلا...! میں عمر کو اپنی کسٹڈی میں لینا چاہتا ہوں...... قانونی طور پر!"

شہلا کو یوں لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔

"نہیں......" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا "نہیں ابرار! پلیز ایسا مت کہو۔"

"تو پھر تم ایک راستہ منتخب کیوں نہیں کر لیتیں؟ کیا رکھا ہے اس شخص میں، اس گھر میں؟ یہاں آ کر دیکھو شہلا! میں نے تمہارے لیے کیا کچھ رکھا ہوا ہے اور، اور جو کچھ میرے دل میں ہے وہ تو میں تمہیں دکھا بھی نہیں سکتا۔ یقین کرو شہلا! تم مایوس نہ ہو گی۔"

شہلا کو اپنی بے بسی پر رونا آنے لگا۔

"دیکھو شہلا! صاف بات یہ ہے کہ میرے صبر کی حد اب ختم ہو چکی ہے۔" وہ مزید بولا "میں اپنے بیٹے سے اب کسی طور علیحدہ نہیں رہوں گا...... وہ بھی خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہے۔ نہ اس کے پاس ماں رہی نہ باپ...... جب تک تم اس گھر میں تھیں، تب تک بات دوسری تھی۔ اب میں سمجھتا ہوں، اس کے وہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جبکہ اس کے باپ کے پاس کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیا بہتر سمجھتی ہو؟"

"میں؟" وہ غائب دماغی سے بولی۔

"ہاں تم...... فیصلے کی تمام ڈوریاں تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ یونہی ایک مختلف خانوں میں بٹی ہوئی زندگی جیتی رہو یا پھر یہاں آ جاؤ، جہاں زندگی مکمل ہے۔ گھر مکمل ہے۔ ہر چیز تمہاری ہے مکمل تصرف کے ساتھ!"

شہلا کو کمرے میں سرسراہٹ کا احساس ہوا تھا۔ اس نے ذرا سا مڑ کر دیکھا۔ ہاشم نجانے کس وقت چلا آیا تھا۔

لباس تبدیل کر کے وہ ڈریسنگ روم سے باہر آ رہا تھا۔ شاید جس وقت وہ فون سننے کمرے سے باہر گئی تھی تب ہی ہاشم کی واپسی ہوئی تھی۔ موبائل کان سے لگائے وہ غائب دماغی سے ہاشم کو تکنے لگی تھی۔

"اور سنو شہلا...! ایک بات یاد رکھنا جتنے عرصے تم وہاں ہو، اس درمیان تمہیں کسی طور بھی پریگنینٹ نہیں ہونا...... یہ وہ چیز ہے جو تمہیں ایک ناقابلِ تصور مشکل میں مبتلا کر ڈالے گی۔ تم کسی کنارے نہ لگ سکو گی، اسی بھنور میں ہمیشہ کے لیے پھنس جاؤ گی۔ سمجھ رہی ہو نا!"

شہلا کے منہ سے ایک لفظ کا نکلنا محال تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے ہاشم کو تکے جا رہی تھی جو کبھی کبھار اس پر نگاہ ڈال لیتا تھا۔

"حتی الامکان اس بات کا خیال رکھنا۔ بی کیئر فل!"

شہلا نے موبائل آف کر کے بے جان ہاتھوں سے ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ کیسی گفتگو تھی؟" ہاشم نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تھا "نہ ہوں، نہ ہاں، کون تمہیں لمبی بحری غزلیں سنا رہا تھا؟"

"جی؟" شہلا نے اسے دیکھا "کیا کہا؟"

ہاشم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا پھر نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں!" وہ بولا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم اس دن آئیں نہیں۔ میں تمہارا انتظار کرتی رہ گئی۔" وردہ نے شکوہ کیا تھا۔ ربیعہ نے لان کی روش پر چلتے چلتے رک کر اس کی جانب دیکھا۔

"اوہ ہاں وردہ...!" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تھی۔ "مجھے تو تم سے معذرت کا بھی خیال نہ رہا بس اس دن چند ایک کام ایسے نکل آئے تھے۔ میں چاہتے ہوئے بھی نہ آ سکی۔"

"خیر جانے دو۔ میں اب تم سے معذرت کی منتظر نہیں ہوں یونہی ایک ذکر کر رہی تھی۔"

دونوں پھر آگے بڑھنے لگی تھیں۔ کلاس آف ہونے کے بعد وہ چہل قدمی کر رہی تھیں۔ اگلی کلاس شروع ہونے میں تقریباً آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ سو وہ گپ شپ کی غرض سے باہر چلی آئی تھیں۔

"تم نے سر زیدی کے نوٹس تیار کر لیے ہیں؟" وردہ نے اس سے پوچھا۔

"نہیں...... چند ریفرنس بکس کی ضرورت ہے۔ میں آج اپنا کارڈ بھی لانا بھول گئی ہوں۔" ربیعہ نے بے چارگی سے کہا "نوٹس ادھورے پڑے ہیں۔"

"سر زیدی اسائنمنٹس کے معاملے میں اچھے بھلے سخت آدمی ہیں۔" وردہ نے اسے دھمکایا۔ "ذرا خیال رکھنا۔"

"ہوں۔" ربیعہ نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔

اس کی نگاہ قدرے فاصلے سے ان ہی کی جانب آتے ہوئے رافع پر پڑی تھی۔ لائٹ گرین شرٹ اور بلیک پینٹ میں اس کا سراپا کافی جاذب نظر تھا۔ سن گلاسز لگائے کہنیوں تک آستینیں فولڈ کیے وہ بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ربیعہ نظریں ہٹا کر کہیں اور دیکھنے لگی تھی۔

"ارے......" وردہ کی نظر بھی اس پر پڑی تھی "یہ تو رافع ہیں!"

"السلام و علیکم۔" وہ ان تک آ پہنچا۔

"وعلیکم السلام....." وہ دونوں ہی بولی تھیں۔
ربیعہ نے محسوس کیا وردہ کے گالوں پر ہلکی سی سرخی آگئی تھی اور لب مسکرانے لگے تھے۔ ربیعہ بھی بشاشت سے مسکرا دی۔
"کلاس بنک ہو رہی ہے؟" رافع نے انہیں چھیڑا تھا۔
"جی نہیں۔ ہم بہت ریگولر اور پنکچوئل اسٹوڈنٹس ہیں....." ربیعہ مسکرائی "آپ اپنی سنائیے کلاسز ختم ہو جانے کے بعد بھی یہاں نظر آرہے ہیں۔"
"مجھے ذرا لائبریری میں کام تھا۔" وہ ہنس دیا۔ "اور یوں بھی یہاں سے جس کا رشتہ ایک بار جڑ جائے وہ اتنی آسانی سے ختم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔"
"لائبریری!" ربیعہ کو اچانک ہی خیال آیا تھا "دو بکس نکلوا دیں اگر زحمت نہ ہو تو..... آپ کے تو اچھے خاصے تعلقات بنے ہوئے ہیں!"
"مائی پلیژر....." اس نے ذرا سا سر خم کیا۔
ربیعہ نے بیگ سے نوٹ بک نکال کر اسے کتابوں کے نام لکھ دیے۔ رافع نے ایک نگاہ ان ناموں پر ڈالی۔
"اوکے ربیعہ! میں یہ بکس نکلوا دوں گا مجھے ذرا دیر ہو جائے گی۔ میں شام کو بکس آپ کے گھر دے جاؤں گا۔"
"بہت مہربانی ہوگی آپ کی....." ربیعہ خوش ہو گئی۔
"اب پلیز تکلف سے گریز کریں!" وہ ہنسا "میں اب چلتا ہوں۔ مجھے چند ایک ضروری کام ہیں۔ اوکے..... خدا حافظ!"
وہ ایک سمت کھڑے اپنے منتظر دوستوں کی جانب بڑھ گیا۔ ربیعہ نے مسکراتے ہوئے وردہ کی جانب نگاہ کی اور پھر چونک سی گئی۔ وردہ کے رخساروں پر آجانے والی وہ چمک غائب تھی اور لبوں پر گزشتہ مسکان کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کے برعکس وہ خالی خالی نظروں سے دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔ ربیعہ کو سب کچھ سمجھنے میں لمحہ بھر لگا۔ رافع اس مختصر سے عرصے میں محض ربیعہ سے محو کلام رہا تھا۔ وردہ سے مخاطب ہونے کی اس نے ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ دوسری جانب ربیعہ بھی اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبرا پنی ہی کہے گئی تھی۔ شاید ان دونوں نے وردہ کو نظر انداز کیا تھا۔ ربیعہ نے اپنے اندر شرمندگی کی لہر اٹھتی محسوس کی۔ لیکن اس کے پاس ایسا کچھ نہ تھا جس کے لیے وہ ورده سے معذرت ہی کر سکتی۔
"چلیں؟" ورده نے اسے سوچتا دیکھ کر خود ہی کہا تھا "سر نیر کی کلاس شروع ہونے والی ہے!"
"ہوں؟" ربیعہ چونکی "ہاں چلو۔"
جی ہی جی میں شرمندہ ہوتی وہ اس کے ساتھ چل دی تھی۔

✲ ✲ ✲

"آپی.....!" ناعمہ نے کمرے میں جھانکا تھا "چائے پئیں گی؟"
نوٹس بناتی ہوئی ورده چونک اٹھی۔
"ہاں ضرور۔ میں تو خود ابھی چائے بنانے کے متعلق ہی سوچ رہی تھی....." وہ مصروف سے انداز میں گویا ہوئی۔
"پکوڑے بنا لوں ساتھ میں؟ پودینے کی چٹنی کے ساتھ؟"
ورده نے اب کی بار خاصی حیرت سے اس کی جانب نگاہ کی۔

"اس میں پوچھنے کی کیا بات؟ نیکی اور پوچھ پوچھ؟"
ناعمہ کچھ جھینپ کر مسکرائی اور غائب ہو گئی۔ ورده پین دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگی تھی۔ اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ شاید اس کی اور رابعہ بیگم کی نصیحتیں اثر کر رہی تھیں۔ سر جھٹک کر اپنی کتابوں کی جانب متوجہ ہوئی۔ پھر یکدم ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کچھ سوچنے لگی۔
نجانے کیا بات تھی ایسی! کتابوں میں دل نہ لگ رہا تھا۔ نجانے کیسا احساس تھا جو مسلسل تعاقب کر رہا تھا..... وہ کس سوچ سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی اسے خود سمجھ میں نہ آرہا تھا! ناعمہ جلد ہی آگئی تھی۔ اس نے ٹرے میں قرینے سے برتن سیٹ کیے ہوئے تھے۔ ایک پلیٹ میں گرما گرم پکوڑے چینی کی پیالی میں خوش رنگ چٹنی اور ساتھ میں دم کی ہوئی چائے۔
ورده نے بے حد حیرانی سے ہر چیز ملاحظہ کی۔
"یہ اتنی جلدی؟" اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "آدھے گھنٹے سے بھی کم عرصے میں تم نے یہ سب کچھ کر لیا؟"
"کیا کرنا تھا آپی؟" وہ بے حد اطمینان سے بولی "پکوڑا مکس سے پانچ منٹ میں پکوڑے بن جاتے ہیں..... یہ گرین چٹنی بھی نیشنل والوں کی کرامت ہے۔ ہاں چائے میں کچھ دیر لگی ہے۔ اس میں میرا کمال کیا ہے؟"
"اوہ....." ورده نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "میں نے کہا میری بہن سگھڑاپے میں مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے شاید۔ ویسے پیاری بہنا! یہ ریڈی میڈ چیزیں گھر کی بنی ہوئی چیزوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتیں..... خیال رکھنا!"
"میں تو بس اتنا ہی کر سکتی ہوں....." وہ گرما گرم پکوڑوں سے انصاف کرتے ہوئے بولی۔ "اور اس سے پہلے کہ یہ پلیٹ میں اکیلی ہی صاف کر جاؤں اپنا حصہ خود وصول کر لیں!"
"امی کو بھی بلا لو نا....." ورده نے اسے گھورا۔
"جناب امی نانی امی کی طرف گئی ہوئی ہیں۔ وہ اور نانی اماں آج کل ایقان خالہ کے مسئلے پر روزانہ پر زور گفتگو کرتی ہیں۔"
"ہاں!" ورده کے چہرے پر ملال ابھرا "ایقان خالہ!"
"آپی!" ناعمہ نے دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کیے "ایک بات کہنی تھی آپ سے۔ میں کئی دن سے سوچ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے کروں؟"
"بائیں....." ورده کو حیرت ہوئی "تمہارے منہ پھٹ پن سے مجھے یہ امید تو نہیں ہے کہ کوئی بات کہنے میں تم کئی دن لگاؤ اور وہ بھی مجھ سے؟ مجھ سے تمہارا کیا پردہ ہے؟" ناعمہ کے چہرے پر کشمکش کے رنگ ابھرے تھے۔
"آپی..... فریحہ کا فون آیا تھا کچھ دن پہلے..... وہ چاہتی تھی کہ میں فراز سے فون پر بات کروں۔ میں نے اسے پہلے تو منع کر دیا لیکن اس کے اصرار پر میں نے کہا کہ میں آپی سے پوچھ کر بتاؤں گی....."
ورده کے ہاتھ میں پکوڑا تھا جسے وہ منہ میں ڈالنا بھول گئی۔ وہ ناعمہ کو دیکھے گئی۔ جو جھکی جھکی نظروں سے بات کر

رہی تھی۔

"پھر بتائیں آپی...! مجھے کیا اس سے بات کرلینی چاہیے؟ یا پھر امی سے بھی پوچھ لوں؟"

"ناعمہ...!" وہ ہولے سے مسکرائی۔ "مجھے امید تو نہیں تھی کہ میری بدھو سی بہن میں اتنی عقل بھی ہو سکتی ہے!"

"آپ تو ہمیشہ مجھے انڈر اسٹیمیٹ کرتی ہیں!" اس نے شکایتی نظروں سے بہن کی جانب دیکھا "اب میں اتنی بھی کم عقل نہیں ہوں۔"

"اتنی بھی؟" وردہ کو ہنسی آئی "سچ کہا تم نے...بس تھوڑی سی کم عقل ہو اور مجھے لگتا ہے کہ یہ خامی بھی دور ہوتی جا رہی ہے۔ خیر جہاں تک فراز سے بات کرلینے کی بات ہے' میرا خیال ہے کہ ایک حد اور تمیز کے اندر رہ کر بات کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں امی سے بھی ڈس کس کرلوں گی' مجھے نہیں لگتا کہ انہیں کوئی اعتراض ہو گا۔ رافع کے حوالے سے انہوں نے کبھی مجھ پر کوئی معمولی سی پابندی بھی نہیں لگائی۔ اسی لیے مجھے کبھی اس رشتہ کے خاص ہونے کا اتنا احساس بھی نہیں ہوا اور پھر ان کی فیملی اچھی بھلی ماڈرن ہے۔ جب ہم نے ان سے رشتہ جوڑا ہے تو پھر ہمیں ان باتوں کو بھی مدِ نظر رکھنا ہو گا۔ اب اگر فریحہ کا فون آئے تو تم بے شک فراز سے بات کرلینا لیکن اخلاقی تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات کو...؟"

"جی آپی..." ناعمہ کی آنکھیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ اسے وردہ سے یہ ٹاپک ڈسکس کرتے ہوئے جو جھینپ محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا عکس اس کے چہرے پر واضح تھا۔

"چلو اب تم مجھے چائے کا کپ دو اور اپنے یہ ریڈی میڈ پکوڑے لے کر بھاگو یہاں سے... مجھے بہت سارا کام کرنا ہے۔"

وہ اپنی کتابوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ ناعمہ اس کے لیے چائے بنانے لگی۔ ناعمہ کے جانے کے بعد وردہ ایک مرتبہ پھر سوچوں کا شکار ہونے لگی تھی۔ فراز اس نئے رشتے کے حوالے سے ناعمہ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کہیں' کسی گوشے میں اس احساس کو ڈھونڈنے کی ناکام سعی کی... پھر ایک سانس بھر کر چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا تھا!



رات کا شاید آخری پہر تھا۔ سونے کی کوشش میں ہر طرح سے ناکام ہو کر شہلا نے بے چینی سے ایک مرتبہ پھر گھڑی کی جانب دیکھا تھا۔

ساڑھے تین بج رہے تھے۔ شہلا نے بے قرار ہو کر کروٹ بدلی۔

"میں عمر کو اپنی کسٹڈی میں لینا چاہتا ہوں قانونی طور پر..." اس کے کانوں میں ابرار کے الفاظ گونجے۔ وہ بے چین ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر وہ بستر سے اتر کر بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"جب تک تم اس گھر میں تھیں' تب تک بات دوسری تھی۔ اب میں سمجھتا ہوں کہ اس کے وہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ جب کہ اس کے باپ کے پاس کسی چیز کی کمی بھی نہیں ہے!" شہلا نے بے بسی سے لب کاٹے ابرار کی بات کسی صورت بھی غلط نہ تھی۔ عمر اپنے ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی اپنی نانی کے گھر رہ رہا تھا۔ وہ ماں سے بھی دور ہو گیا تھا اور باپ سے بھی۔ ایسی صورت میں اگر واقعی ابرار قانون کے ذریعے اسے حاصل کرنا چاہتا تو اسے پہلی کوشش میں ہی کامیابی مل جاتی۔ یوں بھی شہلا بخوبی جانتی تھی کہ قانونی طور پر عمر ابرار کا ہی تھا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے ہوں۔ عمر سے جدا ہونے کا تصور جان لیوا تھا۔ عمر تو اس کے سینے میں دل کی جگہ دھڑکتا تھا۔ وہ کیسے اسے نظروں سے دور کرنے کے بارے میں سوچ سکتی تھی بھلا؟

"میں نے غلطی کی ہے..." وہ زیر لب بڑبڑائی "شادی کر کے میں نے اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی ہے... وہ اگر عمر کو لے گیا تو کیا رہے گا میرے پاس؟" یہ درست تھا کہ وہ شادی کر کے ہاشم کے ساتھ چلی آئی تھی لیکن اسے اطمینان تھا کہ اس کا عزیز از جان بیٹا چند قدم کے فاصلے پر موجود ہے۔ وہ جب چاہے اس سے ملنے کے لیے جا سکتی ہے... بلکہ وہ خود روزانہ ہی چلا آتا تھا' فردوس بیگم کے نامناسب رویے اور غصیلی نگاہوں کی پروا کیے بغیر۔ پھر شروع سے ہی وہ فردوس بیگم کے بے حد قریب رہا تھا۔ ماں سے زیادہ اسے نانی کے قرب کی عادت تھی۔ ابرار کے ساتھ جا کر وہ مینٹلی طور پر کس قدر ڈسٹرب ہو سکتا تھا' شہلا کو بخوبی اندازہ تھا۔ اس کی شخصیت دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتی۔

"فیصلے کی تمام ڈوریاں تمہارے ہاتھوں میں ہیں..." اسے پھر ابرار کی بات یاد آئی "یونہی ایک مختلف خانوں میں بٹی ہوئی زندگی جیتی رہو یا پھر یہاں آ جاؤ... جہاں زندگی مکمل ہے' گھر مکمل ہے' ہر چیز تمہاری ہے' مکمل تصرف کے ساتھ!"

شہلا نے لب بھینچے تھے۔ ایک تکلیف دہ احساس نے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ وہ اس شخص کا گریبان پکڑ کر اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ جب اس نے ساری دنیا کو چھوڑ کر اس کا انتخاب کیا تھا تب یہ مکمل زندگی' مکمل گھر اور مکمل تصرف کہاں تھا؟ تب کیوں اس نے اسے ایک ایسے گھر میں لے جا چھوڑا تھا جہاں کچھ بھی اس کا نہ تھا بلکہ جہاں ابرار کی دعوے دار ایک عورت پہلے سے موجود تھی۔

وہ عورت اب کہاں گئی؟ وہ بچے کہاں تھے؟ وہ بہت سے سوال پوچھنا چاہتی تھی لیکن اسے ایسا کرنا زیب نہ دیتا تھا۔ ان سوالات سے وہ کوئی بھی مطلب اخذ کر سکتا تھا۔ شہلا دل ہی دل میں شرمندہ ہو جاتی اگر اس کے الفاظ کوئی اور معنی اختیار کر لیتے۔ لیکن اب بھی کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔ اب بھی ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ بے بسی کے احساس تلے دب کر اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئی تھیں۔ آنکھوں کو ہتھیلیوں سے پونچھتے ہوئے وہ بستر تک چلی آئی۔

اپنی جگہ پر لیٹتے ہوئے اسے اچانک ہی دھچکا سا لگا! ہاشم کھلی آنکھوں سے اس کی جانب متوجہ تھا۔ شہلا نے بے اختیار ہی ایک مرتبہ پھر اپنی آنکھیں صاف کرنا چاہی تھیں۔ ہاشم نے ہاتھ بڑھا کر اس کے رخسار کو چھوا اور اپنی انگلیوں پر نمی کو محسوس کیا۔

"شہلا!" وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

"جی..." وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔

"رات کے اس پہر... یوں اکیلے میں اس طرح رونے کی وجہ جان سکتا ہوں؟"

ہاشم کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے شہلا کے اعصاب کو پتھر کی طرح منجمد کر دیا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عاشر کی اچانک پاکستان آمد پورے خاندان کو مسرور کر دیتی ہے۔ تاہم ایقان اس کے رویے میں کچھ تبدیلی محسوس کرتی ہے۔
منور ماہین کی سخت باتیں سن کر ربیعہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے لیکن ترانہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ جس پر ربیعہ کو تیار ہونا پڑتا ہے۔ گھر سے نکلنے سے قبل عین موقع پر ثمدن گھر پہنچ جاتا ہے۔ جس پر ربیعہ خوفزدہ ہو جاتی ہے۔
ربیعہ کا عباد کے گھر میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ منزہ بیگم، ربیعہ کو اپنی بیٹی بنا لیتی ہیں۔
ہاشم اور شہلا کی شادی کی تقریب میں ہی نافع اور عریشہ کا نکاح پڑھوا دیا جاتا ہے جس پر عریشہ سخت کبیدہ خاطر ہوتی ہے۔

شادی کی اولین رات ابرار جیلانی کا فون شہلا کو پریشان کر دیتا ہے۔ شہلا شادی کے بعد اپنی ماں سے ملنے آتی ہے تو وہیں اس کی ملاقات ابرار سے ہو جاتی ہے۔ عین موقع پر ہاشم، شہلا کو اطمینان دلاتا ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرتا ہے۔
فراز جو درحقیقت ناعمہ کو پسند کرتا ہے، ہاشم کی تقریب میں اسے دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ دوسری طرف عریشہ کے لیے فراز کی آمد پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ فراز یہی سمجھتا ہے کہ فون پر اس سے ناعمہ باتیں کرتی تھی۔
رافع کو ربیعہ میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے جس کا علم ہاشم کو ہو جاتا ہے۔
لزا، عاشر کو پاکستان پہنچ کر فون کرتی ہے۔ عاشر اسے لینے ایئرپورٹ جاتا ہے۔ ایقان، عاشر کے پُراسرار رویے پر مشکوک ہو جاتی ہے۔
شہلا سب کے سامنے چھٹی ختم ہونے کا ذکر کرتی ہے تو فردوس بیگم کا سرد رویہ اسے پریشان کر دیتا ہے۔ تاہم ماہین اسے دلاسا دے کر مطمئن کر دیتی ہے۔ شہلا، ربیعہ کے ساتھ رابعہ بیگم کے گھر آتی ہے۔ سب ربیعہ کی سادگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ربیعہ، وردہ کے مشورے سے ایم اے سوشیالوجی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔
عاشر، لزا سے ملنے ہوٹل آتا ہے تو لزا اسے پرپوز کرتی ہے۔ عاشر، لزا کی پیش کش رد کر دیتا ہے۔ تاہم لزا کا رومال ایقان کے ہاتھ لگ جاتا ہے جس پر وہ عاشر سے حقیقت پوچھتی ہے۔ عاشر لوکھلاہٹ میں سب کچھ بتا دیتا ہے جس پر ایقان حقیقتاً صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔
ربیعہ، وردہ سے ملنے اس کے گھر آتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ وردہ کی منگنی رافع سے ہو چکی ہے۔ یہ خبر اسے صدمے سے دوچار کر دیتی ہے۔ دوسری طرف رافع بھی اسے جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ سمجھ رہا ہے۔ وہ وردہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات محسوس نہیں کرتا۔

ایقان، عاشر کا گھر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے میکے آ جاتی ہے اور عاشر کی تمام تر یقین دہانیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کر لیتی ہے۔ وہ عاشر کی بے وفائی معاف کرنے کو تیار نہیں۔ یہ صورت حال گھر کے تمام افراد کے لیے بے حد پریشان کن ہے۔ عاشر جاپان جاتے ہوئے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے۔

۲۸

اٹھائیسویں قسط

"شہلا گھبرا کر اٹھ کر بیٹھی تھی۔ اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ بظاہر سویا ہوا محسوس ہوتا ہاشم نہ صرف جاگ رہا ہو گا بلکہ اس کی بے چینی اور بے قراری کا عینی شاہد بھی ہو گا۔ شہلا کو یوں لگا جیسے ہاشم کی آنکھوں میں اس کے سوال سے بڑھ کر بے اعتباری تھی۔ ہاشم نہایت آہستگی سے اٹھ بیٹھا۔ تکیے سے ٹیک لگا کر اس نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ لیے تھے اور اب سوالیہ نظروں سے شہلا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ خوب صورت ٹائٹ لیمپ کی مدھم دودھیا روشنی میں شہلا ان آنکھوں کو بخوبی پڑھ سکتی تھی۔ اس نے غیر شعوری طور پر اپنے گالوں پر آئے آنسو کو ایک بار پھر صاف کرنا چاہا۔ ہاشم پورے حواسوں کے ساتھ اس کی جانب متوجہ تھا۔
"شہلا!" اس نے بے حد دھیمی آواز میں پکارا۔ "میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟" شہلا سے کوئی جواب بن پڑا نہ ہی نظریں اٹھائی گئیں۔
"کیا ان آنسوؤں کی آمد میں میری کسی کوتاہی کا عمل دخل ہے؟"

"نہیں نہیں۔" اب کی بار وہ بے اختیار ہی بولی تھی۔ "ایسا ہرگز نہ سوچیں ہاشم! آپ سے مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی یہ تو بس یونہی میں کچھ ڈپریسڈ تھی!"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں وجہ ڈپریشن؟" اس نے سرہانے رکھے ٹائم پیس کی جانب دیکھا۔

"آخر ایسی کون سی بات ہے جو رات کے اس پہر تمہیں یوں رُلا رہی ہے..... یہ وقت تو اللہ والوں کا ہوتا ہے پھر دل والوں کا۔"

شہلا نے بے اختیار چونک کر اسے دیکھا۔

"میں..... سمجھی نہیں؟"

ہاشم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ چمکی۔

"جیسے میں نہیں سمجھا..... میرے سوال کا جواب ابھی تک ادھار ہے۔" شہلا بے طرح جزبز ہوئی۔

"ہاشم! میں شاید عمر کو مس کر رہی تھی۔ مجھے یونہی رونا آگیا بے وجہ، بے اختیار۔ آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔"

"عمر کو مس کر رہی تھیں؟" اس نے جیسے خود کلامی کی۔ "عمر کو تو ہم نے رات بارہ بجے گھر ڈراپ کیا ہے۔ کتنی دیر تک ہم نے ساتھ وقت گزارا ہے اور تم عمر کو مس کر رہی تھیں؟" اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا۔ شہلا کا جی چاہا وہ سلیمانی ٹوپی پہن کر وہاں سے غائب ہو جائے۔

"پلیز ہاشم!" وہ لیٹ گئی۔ "میں سونا چاہتی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے۔"

اس نے آنکھوں پر یوں بازو رکھا جیسے اب مزید گفتگو کے لیے کچھ بچا نہ ہو۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ نیند تو اب بہت دیر کے لیے آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے ہاشم کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنی۔ پھر اس نے ہاشم کو اپنی جگہ سے اٹھ کر جاتے ہوئے محسوس کیا۔ وہ گیلری کا دروازہ کھول رہا تھا۔

شہلا سمجھ گئی تھی۔ جب کبھی اسے سگریٹ کی طلب ہوتی تھی تو وہ گیلری میں چلا جاتا تھا۔ رات کے اس پہر اسے سگریٹ کی طلب کیوں ہوئی تھی؟ شہلا کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔ شہلا کی حرکت سے نجانے اس نے اپنے طور پر کیا اخذ کیا تھا..... شہلا کا جی چاہا کہ وہ جا کر اس سے صاف صاف پوچھ لے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے لیکن اس کے اندر اتنی ہمت نہ تھی۔ وہ چپ چاپ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی رہی۔ گیلری میں کھڑا ہاشم سگریٹ کے کش لیتے ہوئے کہیں دور دیکھ رہا تھا۔

باہر گاڑی کا ہارن بجتے ہی وہ تینوں پرجوش انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ عمر سب سے پہلے شور مچاتا ہوا باہر کی جانب دوڑ گیا۔

"ماموں آگئے..... ماموں آگئے۔"

ربیعہ، انیقہ اور منیزہ بیگم بھی لاؤنج کا دروازہ کھول کر سیڑھیوں تک آگئی تھیں۔ فراز اور عباد لکڑی کا دروازہ کھول کر اندر آرہے تھے۔ عمر کو دیکھ کر عباد نے اپنا اٹیچی کیس نیچے رکھ دیا اور اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"بھئی..... بھانجا تو ماشاء اللہ شیر بن گیا ہے!" اس نے اس کا شانہ تھپکا۔ "اب تو تم کر ریسلنگ ہوگی۔"

"ہرادوں گا....." اس نے مکا لہرایا۔

"مائی پلوڑ رجانو.....!" عباد نے قہقہہ لگایا۔

پھر عمر کو اتار کر وہ ان تینوں کی جانب بڑھا تھا۔

"السلام وعلیکم....." وہ ماں سے لپٹ گیا۔

"وعلیکم السلام....." انہوں نے محبت سے اس کا ماتھا چوما۔ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک آگئی۔ اللہ میاں نے میری دعائیں سن لیں..... اب نہیں جانے دوں گی..... سن لو!"

"فارغ ہو کر آیا ہوں....." وہ ہنسا۔ "بے فکر ہو جائیں آپ کی گود میں سویا کروں گا۔" انیقہ اور ربیعہ ہنس پڑیں۔

"اور بھئی کیا حال ہیں آپ دونوں کے....." وہ ان کی جانب متوجہ ہوا۔ "پڑھائیاں کیسی جا رہی ہیں؟ نقلیں وقلیں چل رہی ہیں یا رٹے کا ہی سہارا ہے؟"

اس کی بات پر انیقہ نے ناک چڑھائی جبکہ ربیعہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

"توبہ ہے عباد بھائی! اتنا گیا گزرا سمجھتے ہیں آپ ہمیں....."

"ساری پڑھائیاں انہوں نے جو اپنے نام لکھوالی ہیں۔" انیقہ، فراز کے سامنے ایسے بیمار کس پر خجل ہو رہی تھی۔

فراز بھی ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتا مسکرا رہا تھا۔ اس نے بھی بڑھ کر ان لوگوں سے سلام دعا کی پھر عباد سے مخاطب ہوا۔

"غلام کو اجازت ہے جناب؟ رخصت لے سکتا ہوں؟"

"جی نہیں....." عباد نے اسے گھورا۔ "تمہاری میں نے خبر کہاں لی ہے اب تک ابھی تو تم چائے کے ساتھ کئی طرح کے لوازمات لاؤ گے اور ہماری تواضع کرو گے ہاں البتہ چائے تمہیں ہماری طرف سے مفت دی جائے گی۔ چائے کے بعد میں تمہاری کھل کر خبر لوں گا۔"

"ارے ارے....." منیزہ بیگم حد درجہ حیران ہوئی تھیں۔ "اس غریب نے اچانک کیا قصور کر ڈالا ہے جو اس کے ساتھ یہ مجرموں کا سا سلوک ہے۔" عباد جواب دینے کے بجائے پھر فراز کو گھورنے لگا تھا۔

"ارے میرے بھائی!" اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "کیوں مجھے ظالم ساس جیسی نظروں سے دیکھ رہا ہے میں خود کو مظلوم بہو محسوس کرنے لگتا ہوں۔"

"جی ہاں محترم کو اب اس قسم کے رشتے ہی سجھائی دیں گے۔" عباد نے اسے مزید چڑایا۔

"چپ چاپ ہمارے ہی محلے میں ہمارے ہی رشتے داروں کے گھر منگنی کر کے بیٹھ گیا ہے اور ہمیں خبر تک نہیں....."

"خبر کیوں نہیں۔" منیزہ بیگم نے فوراً ہی فراز کی حمایت کی۔ "بالکل خبر تھی ہمیں۔ منگنی کی مٹھائی بھی دونوں گھروں سے آئی تھی۔"

"لیکن میرا اس کا رشتہ تو ذرا اسپیشل ہے امی جی.....!" عباد ضدی لہجے میں بولا۔ "مجھے تو بہت پہلے سے سارے معاملے کی خبر ہونا چاہیے تھی نا۔"

"چلیں اب جانے بھی دیں عباد بھائی.....!" ربیعہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ "دوستی میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو مائنڈ نہیں کرتے پھر بھلا دوستی کا مطلب کیا ہوا؟"

"ویٹس اٹ!" فراز مسکرایا۔ "تھینک یو ربیعہ!"

"چھوٹی چھوٹی باتیں؟" عباد نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اچھا..... خیر یونہی سہی!"

"جہاں تک چائے کے ساتھ لوازمات کی بات ہے تو اس کا ہم لوگوں نے پورا بندوبست کیا ہوا ہے..... لوازمات بھی تیار ہیں اور چائے بھی....." انیقہ نے بات مکمل کی۔ "اب آپ سب لوگ اندر تشریف لے چلیں تاکہ شام کی خوب صورتی سے لطف اندوز ہوا جا سکے!" انیقہ کی بات پر مسکراتے ہوئے سب ہی کے قدم اندر کی جانب بڑھ گئے۔

* * *

وہ اپنا کہا پورا کرتے ہوئے حقیقت میں منیزہ بیگم کی گود میں سر رکھ کر لیٹا ہوا تھا۔ اور وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

"بس اب کہیں نہیں جانے دوں گی۔۔۔ یاد رکھنا! بہت پڑھائیاں ہو گئیں۔۔۔ اب ماں کے ساتھ رہو۔ نجانے زندگی میں اب کتنی سانسوں کی مہلت باقی بچی ہے!"

"امی۔۔۔" وہ سیدھا ہو کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "ایسی باتیں کریں گی تو میں سچ مچ کہیں دور دراز کے ملک میں کسی مشکل سے کورس کے لیے ایڈمیشن لے لوں گا۔ خدانخواستہ آپ کو کیوں کچھ ہونے لگا۔ ابھی تو ہم نے بہت سی خوشیاں ساتھ مل کر دیکھنا ہیں۔"

"ان شاء اللہ۔۔۔" وہ کچھ مطمئن، کچھ آزردہ سی ہو کر بولی تھیں۔

"سب سے پہلے انیقہ اور ربیعہ کے لیے رشتے دیکھنے ہیں تاکہ ان کی پڑھائی مکمل ہوتے ہی ان کے فرض سے سبکدوش ہوا جا سکے۔۔۔"

"بے فکر رہو۔۔۔" انہوں نے اس کا کان کھینچا۔ "وہ کہتی ہیں کہ اب تمہارے لیے اچھی سی لڑکی ڈھونڈنی ہے۔ تم ماشاءاللہ پڑھائی سے بھی فارغ ہو چکے ہو۔ اور عباد! سچ پوچھو تو میری اپنی خواہش بھی یہی ہے کہ جلد از جلد تمہارے سر پر سہرا سجا ہوا دیکھوں۔"

"اوہو امی!" وہ اٹھ بیٹھا۔ "یہ آپ کن چکروں میں پڑ گئیں ابھی تو میری ڈھیر ساری پلاننگز ہیں جن پر مجھے عمل کرنا ہے۔۔۔ پڑھائی سے فارغ ہوتے ہی سر پر سہرا باندھنے کا مجھے بالکل شوق نہیں، ابھی تو میدانِ عمل میں قدم رکھنا بھی ہے اور جمانا بھی۔"

"تمہارے ابو اتنی زمین چھوڑ گئے ہیں تمہارے لیے۔" وہ خفا ہو گئیں۔ "تمہیں ابھی سے یہ فکر پالنے کی کیا ضرورت؟ اچھا بھلا گزارا ہو رہا ہے ہمارا۔"

"اوہ میری بھولی ماں۔۔۔!" اس نے ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ "یہ دور باپ دادا کی جاگیر پر عیش کرنے والا نہیں ہے، یہاں اپنا زورِ بازو دکھانا پڑتا ہے تب انسان کی کوئی ویلیو بنتی ہے۔"

"ہاں، چاند پر کمند ڈالو گے۔۔۔"

"کوشش تو ضرور کریں گے۔" وہ ہنسا پھر قدرے سنجیدگی سے بولا "امی! میری ملاقات پچھلے دنوں امیر حسن سے ہوئی ہے۔"

"امیر حسن؟" وہ تعجب سے بولیں۔ "یہ کون ہے؟"

"ہے تو میرا ہم عمر۔۔۔ لیکن پڑھائی اور تجربے میں مجھ سے کہیں آگے ہے۔۔۔ اس کا بزنس لندن میں ہے، اب اسے وسعت دینے کے لیے وہ یہاں آیا ہوا ہے۔ وہاں لندن میں اس کے کاروباری پارٹنرز بزنس سنبھال رہے ہیں بہت بڑے پیمانے کا کام ہے۔ جس کے لیے اسے یہاں بھی پارٹنرز کی ضرورت ہے۔ جو پیسہ بھی لگائیں اور کام میں بھی مدد دیں میں نے امیر حسن کے ساتھ بزنس شروع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ چند ایک روز میں ہم پروجیکٹ سائن کریں گے اس کے بعد کچھ عرصے تک دن رات کی مصروفیت ہو گی۔"

"عباد۔۔۔!" وہ کچھ پریشان ہو گئیں۔ "تم نے سب کچھ دیکھ بھال لیا ہے؟"

"آپ بے فکر رہیں۔۔۔ ہاں لیکن ہر نماز کے بعد کامیابی کے لیے دعا کرنا نہ بھولیں۔۔۔" وہ مسکرایا۔ "مجھے آپ کی دعا اور اپنی محنت کی قبولیت کا پورا یقین ہے۔"

"اللہ تمہیں ہر طرح سے کامیاب کرے بیٹے!" وہ کچھ متفکر تھیں۔

"میں بینک سے کافی بڑی رقم بھی نکلواؤں گا امی!"

"میرے بچے سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔" ان کی پلکوں پر نمی چمکنے لگی۔ "تم جانتے ہو۔۔۔"

عباد نے ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سب کچھ آپ کا ہے امی۔۔۔! بینک بیلنس، یہ گھر اور ہم سب۔"

"جیتے رہو۔۔۔" وہ آنکھوں کے گوشے صاف کرنے لگیں۔

پھر جیسے انہیں کچھ دھیان آیا تھا۔

"عباد! ایک بات کہوں تم سے۔۔۔ ڈرتی ہوں، کہیں کچھ غلط نہ کہہ بیٹھوں!"

"کمال ہے!" وہ خفا ہوا۔ "آپ ماں ہو کر ایسی بات کرتی ہیں، آپ کو ہر طرح کی بات کرنے کا حق حاصل ہے۔ کہیں کیا بات ہے؟"

"تم ربیعہ کی شادی کی بات کر رہے تھے نا!" وہ کچھ ہچکچائیں۔

"جی ہاں کیوں کوئی مسئلہ ہے؟" وہ متعجب ہوا۔

"نہیں نہیں۔۔۔" وہ جلدی سے بولیں۔ "مسئلہ کیا ہونا ہے۔ میں سوچتی ہوں عباد! ربیعہ جیسی ہیرا لڑکی آج کے دور میں نایاب ہے اگر تم راضی ہو تو کیوں نہ ہم ربیعہ کو ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ رکھ لیں؟"

عباد یک لخت ہی خاموش ہو گیا۔ منیزہ بیگم نے امید بھری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ عباد نے سر جھکا لیا تھا۔

"میں نجانے کیوں اس سے جدا ہونا نہیں چاہتی!"

"امی۔۔۔" عباد نے آہستہ سے ان کے ہاتھ تھامے۔ "میرے لیے آپ کی خواہش سے بڑھ کر اس دنیا میں کچھ بھی نہیں لیکن کچھ رشتے ایسے بن جاتے ہیں کہ ان کا احترام لازم ہو جاتا ہے۔ وہ مجھے بھائی کہتی ہی نہیں حقیقتاً بھائی سمجھتی بھی ہے پھر میں بھی انیقہ اور ربیعہ میں کوئی فرق نہیں پاتا۔ ایسی صورت میں یہ بہت مشکل ہو جائے گا کہ۔۔۔"

اسی لمحے دروازے کے پاس برتنوں کی کھنک سنائی دی۔ پھر دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ ربیعہ اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔

"حیرت ہے۔۔۔" وہ مسکراتے ہوئے اندر چلی آئی۔ "آپ کو اب تک چائے کی طلب نے نہیں ستایا۔۔۔ میں خود ہی بنا لائی ہوں!"

"مجھے پتا تھا کہ ایک بہن نالائق ہے تو دوسری بہت کیئرنگ اور سلیقہ مند ہے۔" عباد نے اس کا سر سہلایا۔

"اور چائے کی خوشبو تو مجھے بہت دیر سے آ رہی تھی، اس لیے کہنے کا تکلف ہی نہیں کیا!"

ربیعہ مسکراتے ہوئے کپوں میں چائے ڈالنے لگی۔ منیزہ بیگم نے گہری سانس بھری تھی۔

* * *

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی کتابوں کو دیکھا تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ کتنی ہی دیر سے وہ عجب کشمکش کا شکار تھا۔ مشکل تھی کہ سلجھتی ہی نہ تھی۔ حل تھا کہ نکلتا ہی نہ تھا۔ دل کسی طور ایک بات پر راضی نہ ہوتا تھا!

وہ لائبریری سے کتابیں ایشو کروا کر لایا تھا۔ دماغ کہتا تھا کہ یہ کتابیں وہ وردہ کے حوالے کر دے۔ وردہ اس کی

دوست تھی وہ اسے کتابیں پہنچا دیتی لیکن دل! دل کہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، بھول بھال کر اسے کتابیں پہنچانے چل دے۔ آنکھیں ایک مرتبہ اس کے دیدار سے سیراب ہو جائیں پھر جو ہو سو ہو۔

"تم واقعی اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگتی ہو!"

اس نے آنکھیں موند کر سوچا تھا۔ پردہ ذہن پر لمحے کے ہزارویں حصے میں وہی موہنی صورت مسکرانے لگی تھی۔ رافع بے بسی سے آنکھیں کھول کر پیشانی پر ہلکے ہلکے مکے مارنے لگا، اسے ہاشم یاد آنے لگا تھا۔ کتنا مذاق اڑایا کرتا تھا وہ اس کے جذبوں کا، اس کی محبت کا، اس کی بے بسی کا۔ آج وہ خود اسی مقام پر کھڑا تھا اور اس کے اپنے جملوں کی بازگشت اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"یار شاعر!" اسے ہاشم کا اندازِ تخاطب یاد آیا۔ اس کے لبوں پر اداسی بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یار! بندر کیا جانے ادرک کا مزہ!"

"چلو ہم بندر ہی سہی!" وہ مزے سے کہا کرتا۔

"تو گویا عشق نے انسان بنا دیا!" اس نے سوچا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

"عشق؟" کسی نے چپکے سے سرگوشی کی تھی۔ "عشق کرنے لگے ہو؟ واقعی؟" رافع گھبرا سا گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ جیسے چوری پکڑے جانے کا ڈر ہو۔

"ہاں..... شاید!" پھر اس نے بھی دل میں چپکے سے کہا تھا۔

"انجام جانتے ہو؟"

"آغاز پر انجام کب سوچا جاتا ہے....." دل ضدی ہوا۔

"جو عقل رکھتے ہیں وہ سوچ کر چلتے ہیں۔"

"عشق اور عقل؟ ساتھ ساتھ؟" دل استہزائیہ ہنسا۔ "عشق کی کرشمہ سازیاں دیکھ کر تو عقل کا منہ حیرت سے کھلا رہ جاتا ہے!"

"اچھا!" کوئی اور بھی ہنسا۔ "عشق تو جرأت و بے خودی سے معمور ہوتا ہے..... جرأت ہے تو اٹھاؤ کتابیں اور چل پڑو اس کے گھر کی راہ پر۔"

"لیکن..... لیکن....." وہ بے کل ہوا۔

"ہاہاہا....." دوسری جانب سے زبردست قہقہہ پڑا۔

رافع نے بے بسی سے اپنی پیشانی میز پر ٹکا دی تھی۔



رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ ربیعہ نے ایک نگاہ اپنے برابر سوئے ہوئے عمر پر ڈالی پھر اس نے فرطِ محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

انیقہ کے امتحان ہو رہے تھے سو اس نے اسٹڈی روم کو ہی اپنا بیڈ روم بھی بنا لیا تھا۔ ربیعہ عمر کے ساتھ سو جایا کرتی تھی۔ لیکن آج نجانے کیوں نیند آنکھوں سے روٹھی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کھڑکی تک چلی آئی۔ پردہ ہٹا کر اس نے سلائیڈنگ ڈور کھول دیا اور باہر دیکھنے لگی۔ لان میں رات کی رانی کا مکمل راج تھا۔ ربیعہ نے گہری سانس بھری تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے ساتھ ڈھیر سی خوشبو اس کے اندر اتر گئی۔

"ربیعہ جیسی ہیرا لڑکی آج کل کے دور میں نایاب ہے۔۔۔ اگر تم راضی ہو تو کیوں نہ ہم اسے ہمیشہ کے لیے ساتھ رکھ لیں۔۔۔"

اس کے کانوں میں منیزہ بیگم کی آواز کی بازگشت لہرائی۔ وہ لمحہ بھر کے لیے بے کل ہوئی تھی۔ پھر عباد کی باتیں یاد آنے لگیں تو اس نے سکون کا سانس بھرا۔

سچ تو یہ تھا کہ یہ گھر اسے بھی بے حد پسند تھا۔ یہاں کے مکینوں کے لیے اس کے دل میں بے حد فطری اور بے حد سچی محبت پیدا ہو چکی تھی۔ وہ بھی ہمیشہ یہیں رہنا چاہتی تھی لیکن جس حوالے سے منیزہ بیگم نے یہ بات کہی تھی، ربیعہ کے لیے اس کا تصور بھی محال تھا۔ عباد نے ٹھیک کہا تھا۔ ربیعہ کے لیے اب اپنے پرائے، حقیقی غیر حقیقی کا تصور ختم ہو چکا تھا۔ اس کے لیے عباد بھائی تھا، صرف بھائی۔ منیزہ بیگم ماں تھیں اور انیقہ اور شہلا بہنیں۔ اسی گھر میں رہتے ہوئے ان رشتوں کے بدلنے کا خیال قطعاً "ناقابل قبول تھا۔ لیکن طمانیت کی بات یہ تھی کہ خود عباد بھی اس کا ہم خیال تھا۔ ربیعہ وہیں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر اسے خیال آیا۔

"کیا اس کی بے کلی، بے قراری کی وجہ محض یہی تھی؟"

اس سے پرے، اس سے سوا بھی کچھ تھا جس نے اس کی آنکھوں سے نیند کو دور کیا ہوا تھا۔ کیا تھا وہ؟ ربیعہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ عجب مشکل میں دل آن پھنسا تھا۔ آخر کیا تھا "اس" میں جو اسے یوں بے چین کر گیا تھا؟ وہ کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے متعلق سوچتی تھی؟ وہ کیوں اسے دیکھنے کی متمنی رہتی تھی۔ ان مسکراتی آنکھوں کے سحر کو کیا نام دیا جا سکتا تھا؟

دیوار سے لگ کر کھڑے کھڑے اس نے خود سے لاتعداد سوالات کر ڈالے تھے جن میں سے کسی کا بھی جواب اس کے پاس نہ تھا۔

"کیا تم اس سے محبت کرنے لگی ہو؟" اچانک ہی ایک سوال اس کے اندر سے ابھرا تھا۔

ربیعہ اس سوال سے خوفزدہ ہو گئی۔ اس جواب سے تو وہ نجانے کب سے نظریں چرا رہی تھی۔

"شاید۔۔۔ ہاں۔" اس نے سوچنا چاہا۔

تب ہی ایک معصوم، مسکراتی صورت اسے یاد آئی۔ وہ وردہ کا چہرہ تھا۔ پُرخلوص اور سچی وردہ کا۔

"نہیں۔" اس نے بے چین ہو کر کہا "نہیں بالکل نہیں۔ میں اس سے محبت نہیں کرتی۔ میں اس کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتی، مجھے نہیں پتا وہ کون ہے۔"

اس نے سلائیڈنگ ڈور بند کیا اور ایک جھٹکے سے پردہ برابر کر دیا۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی بستر تک آئی تھی۔

تکیے کے سہارے نیم دراز ہو کر اس نے آنکھیں موندیں۔ تب اسے احساس ہوا، اس کے اندر کوئی چپکے چپکے اس پر ہنس رہا تھا۔ ربیعہ نے بے بسی سے اپنا سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔

☼ ☼ ☼

"ناعمہ۔۔۔ ناعمہ!" رابعہ بیگم اسے آوازیں دے رہی تھیں۔ وہ کپڑے استری کر رہی تھی۔ یونہی اٹھ کر باہر چلی آئی۔

"جی امی۔۔۔!" اس نے دروازے کی چوکھٹ سے ہی پوچھا تھا۔

"تمہارا فون ہے۔۔۔" وہ مصروف سے انداز میں بولیں۔ "بات کر لو۔۔۔"

"کس کا ہے؟" وہ فون کی جانب بڑھنے لگی۔

"فریحہ کا!"

ناعمہ کے قدم یک لخت ہی سست پڑے، چہرے پر پریشانی سی نمایاں ہوئی۔ اس نے کنکھیوں سے ماں کی جانب دیکھا۔

وہ جانتی تھی، فون فریحہ کا ہی تھا لیکن فریحہ کے ساتھ کون موجود تھا اسے اس بات کی بھی خبر تھی۔ ہرچند کہ وردہ اسے اجازت دے چکی تھی بلکہ شاید اس نے اب تک رابعہ بیگم سے بھی یہ بات ڈسکس کر لی تھی، لیکن پھر بھی ایک حجاب تھا جسے اٹھانا ناعمہ کے لیے بے حد مشکل امر تھا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے ریسیور اٹھا کر حتی الامکان آہستہ آواز میں کہا۔

"ہائے!" دوسری جانب سے فریحہ کی شوخ، کھنکتی ہوئی آواز آئی "کیا ہو رہا ہے جناب؟"

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس یونہی۔"

"ڈسٹرب تو نہیں کیا آپ کو؟"

"نہیں نہیں۔۔۔" وہ جلدی سے بولی۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، آپ سنائیں کیسی ہیں؟"

"بھئی۔۔۔ یہ ہم نند بھاوج میں آپ جناب نہیں چلنے والا۔" وہ بے تکلفی سے بولی۔ "میری اور تمہاری تو خوب لڑائیاں ہوا کریں گی۔ میں بہت لڑاکا طبیعت کی ہوں۔ خیال رکھنا۔"

ناعمہ کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ تنے ہوئے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے تھے۔ شاید فریحہ نے ہی گپ شپ لگانے کے لیے فون کیا تھا۔ وہ غلط سمجھ بیٹھی تھی۔

"ہم تو [illegible] بھی نہیں ہوں۔" وہ اپنی جون میں آئی۔ "مقابلہ تو پھر کانٹے کا ہی ہو گا!" فریحہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

"اچھا۔۔۔ بھائی سے خوب شکایتیں لگایا کرو گی میری، ہے نا؟" ناعمہ جھینپ سی گئی۔

"نہیں خیر لگائی بجھائی کی عادت تو نہیں ہے مجھے۔ وہ تو وردہ آپی ہی مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔۔۔ انہوں نے ہی کہا ہو گا تم سے۔۔۔"

"لو بھئی۔۔۔ چور کی داڑھی میں تنکا۔" ایک اور قہقہہ لگا "اچھا خیر ہمارا ٹائم تو پورا ہوا۔ یہ بھائی مجھے خوب خوب گھور رہے ہیں اور اب تو انہوں نے مار کھینچا تانی شروع کر دی ہے۔ تم اب ان سے صفائیاں پیش کرو میں تو چلی!"

ناعمہ کو اچانک ہی رگوں میں خون خشک ہونے کا احساس ہوا، اسے لگا اس کی آواز بیٹھ گئی ہے۔

"ہیلو۔۔۔" دوسری جانب سے قدرے سنجیدہ لیکن خوب صورت مردانہ آواز ابھری تھی۔ ناعمہ خاموش رہی۔ اس نے کن انکھیوں سے قدرے فاصلے پر بیٹھی ماں کی جانب دیکھا تھا جو کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ پتا نہیں وہ اس کی جانب متوجہ تھیں یا نہیں۔

"ہیلو!" دوسری جانب سے پھر کہا گیا۔

"جی۔۔۔" وہ کسی مجرم کی طرح مری مری آواز میں بولی تھی۔

"یہ میری آواز سن کر سانپ کیوں سونگھ گیا ہے تمہیں؟ آواز پہچانی نہیں یا پھر آواز پہچان کر یہ حال ہوا ہے؟"

نہایت سنجیدہ اور قدرے سخت انداز میں کہا گیا تھا۔ ناعمہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

"جی۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیسی بات؟ کھل کر بتاؤ۔۔۔ آواز پہچانی ہے یا نہیں پہچانی؟" فراز قدرے طنز سے بولا۔

"آوازیں بھلا کیسے۔۔۔" اسے پھر قریب بیٹھی ماں کا خیال آیا۔

"ہوں!" وہ کچھ سوچ کر بولا۔ "زیادہ لوگوں سے باتیں کرنے سے یہی ہوتا ہے۔ آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو

جاتی ہیں ویسے سچ کہوں تو مجھ سے بھی تمہاری آواز نہیں پہچانی جا رہی ہے۔ تمہارے انداز بڑے بدلے بدلے ہیں۔ تم کیا گلٹ فیل کر رہی ہو؟"

"جی؟" اب کی بار وہ حقیقتاً "پریشان ہوئی۔ "میں نے ایسا کیا کیا ہے؟" فراز دھیرے سے ہنسا تھا۔

"بہت خوب.... بائی داوے یہ نیا نمبر کیوں لیا گیا ہے؟ وہ پچھلا نمبر اب کس کے پاس ہے؟"

"پچھلا نمبر؟" وہ گم صم سی ہوئی۔ "آپ' آپ...."

"ناعمہ....!" رابعہ بیگم اچانک ہی زور سے بولی تھیں۔

"جی امی جی!" وہ پہلے ہی ہراساں تھی۔ زور سے ریسیور رکھ کر پلٹی۔

"کیا جل رہا ہے؟ تم استری کھلی چھوڑ آئی ہو؟"

ناعمہ تیزی سے اندر کی سمت دوڑی تھی۔ رابعہ بیگم بھی اس کے پیچھے آئیں۔ کچن سے نکل کر وردہ بھی آگئی تھی۔ ناعمہ نے واقعی استری بند کیے بغیر اپنی نئی قمیص پر چھوڑی ہوئی تھی۔ قمیص جل کر سیاہ ہو چکی تھی اور اس میں سے دھواں نکل رہا تھا۔

وردہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر بٹن بند کیا اور استری اٹھا کر جگہ پر رکھی۔ ناعمہ صدمے سے اپنی قمیص کا حشر دیکھ رہی تھی۔

"یہ لڑکی اپنے حواسوں میں کبھی ہوتی ہے؟ نجانے دھیان کہاں اٹکا رہتا ہے۔"

رابعہ بیگم بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔ ناعمہ ان کا مطلب سمجھ کر خفت سے سرخ ہو گئی تھی۔ وردہ نے اس کی صورت دیکھی۔ اسے بے اختیار ہی اس پر ترس آگیا۔

"چلو کوئی بات نہیں یہ کپڑا تو بہت ہے مارکیٹ میں' میں تمہیں کل ہی نئی قمیص کا کپڑا لا دوں گی۔"

"ہوں؟" اس نے چونک کر بہن کو دیکھا۔ "کیا کہہ رہی ہیں آپی؟"

وردہ نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

"کس کا فون تھا؟" اس نے سرسری سا پوچھا۔ "فریحہ کا؟"

"جی...." وہ سر جھکا کر بولی۔

وردہ بہت کچھ سمجھ گئی تھی۔ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ ناعمہ اسی پوزیشن میں کھڑی اپنی جلی ہوئی قمیص کو گھورتی رہی۔

☼ ☼ ☼

دل قدموں کو اور قدم اسے یہاں تک لے تو آئے تھے لیکن بیل بجا کر اب وہ خفت کا شکار تھا۔ نجانے کیوں اس کے جی میں پلٹ جانے کا خیال آیا۔ تب ہی لاؤنج کا دروازہ کھول کر عباد باہر آیا تھا۔ لکڑی کے چھوٹے گیٹ کے اوپر سے دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر دوستانہ مسکراہٹ کا تبادلہ کیا تھا۔

"رافع بھائی!" عباد نے پرجوش انداز میں ہاتھ ملایا۔ "آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ کہاں ہوتے ہیں آج کل؟"

"یہ تو تم سناؤ!" اس نے اس کا شانہ تھپکا۔ "کبھی ملتے ہی نہیں.... چھٹیوں میں آکر بھی چپ چپاتے نکل جاتے ہو۔"

"بس" آپ کی شکایتیں ختم" وہ ہنسا۔ "اب مستقل طور پر یہیں ڈیرہ جما لیا ہے ہم نے۔ اب خوب محفلیں جما کریں گی اور ہم آپ کی غزلیں سنا کریں گے۔" رافع دھیرے سے ہنسا تھا۔

"آئیں نا اندر.... اطمینان سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں!"

رافع نے ایک نگاہ سفید سنگ مرمر سے مزین دیواروں پر ڈالی تھی پھر اس نے گہری سانس بھری۔

"نہیں یار....! بس چلوں گا میں۔ یہ کتابیں ربیعہ کو دینا تھیں' یہ پلیز اسے پہنچا دینا۔"

"اچھا!" عباد نے کتابیں لے کر ان کے نام دیکھے۔ "لائبریری سے لائے ہیں؟"

"ہاں.... ربیعہ اور وردہ نے نوٹس وغیرہ بنانے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.... لیکن چائے پیے بغیر تو آپ جا نہیں سکتے.... کچھ تو ہمارے جذبۂ میزبانی کا خیال کیجیے۔"

"پھر سہی...." وہ مسکرایا۔

"اچھا.... چلیں جیسے آپ کی خوشی۔ آپ ہمارا دل توڑ کر خوش ہوتے ہیں تو یونہی سہی!" عباد شگفتگی سے بولا تھا۔

"میں پھر آؤں گا عباد! ابھی ذرا ضروری کام سے جا رہا تھا۔"

"اوکے رافع بھائی....!" عباد نے اس سے ہاتھ ملایا۔ "تافع سے کہیے گا مجھ سے ملے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

اسے ایک نظر دیکھ لینے کا خیال کس قدر فرحت بخش تھا۔ رافع نے اس خیال کو کس مشکل سے مات دی تھی۔ وہی جانتا تھا۔ دل اداس ہو گیا تھا' سوچ آزردہ ہوئی تھی لیکن وہ جانتا تھا' یہی ٹھیک تھا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی اسکول کے سامنے رکتے ہی وہ گیٹ سے بھاگا بھاگا چلا آیا تھا۔ شہلا نے جھک کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ اندر آ بیٹھا۔

"السلام و علیکم مما....!"

"وعلیکم السلام جانو!" اس نے جھک کر اس کے گال چومے "ہاؤ آر یو؟"

"فائن...." وہ مسکرایا۔

"مما کو تنگ کرنے لگے ہو نا...." اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔

"نہیں مما....!" وہ جلدی سے بولا۔ "بس آج میرا موڈ ہو رہا تھا کہ آپ مجھے پک کریں۔ اسی لیے آپ کو فون کیا.... آپ تنگ ہوئیں؟"

شہلا نے ایک مسکراتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"نہیں.... آج تو خیر میری ٹائمنگز بھی یہی ہیں لیکن روز روز یہ نہیں چلے گا۔ سمجھے؟"

"جی...." اس نے سمجھ داری سے سر ہلایا۔

پھر وہ باہر گزرتے مناظر دیکھنے لگا تھا۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"فرسٹ کلاس' منتھلی ٹیسٹ میں میری رپورٹ سب سے اچھی ہے۔"

"زبردست...." شہلا نے خوش ہو کر اس کے بال سہلائے "اب آئندہ بھی یہی کارکردگی ہونی چاہیے۔"

"جی مما'.... مما!" اس نے اچانک ہی پکارا۔ "اس روڈ پر اگر ٹرن کریں نا تو آگے جا کر ایک اور روڈ ہے.... وہاں میرا گھر ہے۔"

شہلا نے متعجب ہو کر اس رستے کی جانب دیکھا جو شہر کے پوش ایریا کی طرف جاتا تھا۔

"کس کا گھر ہے؟"

"میرا!" وہ مزے سے بولا۔
"تمہارا؟ وہ کیسے؟"
"میرے پپا نے بنوایا ہے میرے لیے۔"
شہلا خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔
"پپا تمہیں یہاں لائے تھے؟ اس گھر میں؟" کچھ دیر کے بعد اس نے پوچھا تھا۔
"جی مما...! بہت شاندار گھر ہے۔ پاپا بولے 'یہ تو میں نے اپنے بیٹے کے لیے بنوایا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اتنے بڑے گھر میں اکیلا کیسے رہوں گا... تو وہ بولے...." اچانک وہ زبان دانتوں میں دبا کر خاموش ہو گیا تھا۔
"ہوں...." وہ قدرے خالی الذہنی سے بولی۔ "کیا بولے؟"
"وہ بولے... تمہاری مما کو بھی اس گھر میں لے کر آئیں گے۔"
شہلا خالی خالی نظروں سے سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ قریب گزرتی گاڑی نے زور سے ہارن دیا تب وہ چونکی تھی۔ اس نے عمر کی جانب دیکھا جو اب مزے سے ٹانگیں ہلا رہا تھا۔
"مما...!" کچھ دیر بعد وہ پھر بولا تھا۔
"ہوں... بولو۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔
"بچوں کا گھر کون سا ہوتا ہے؟ ان کے پپا کا یا ان کی مما کا یا پھر ان کی نانو کا؟"
شہلا خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔ اس کے معصوم بیٹے کے لیے واقعی یہ ایک بڑا سوالیہ نشان تھا کیونکہ ہر بچے کی طرح اس کے ماں باپ کا گھر ایک نہیں تھا۔ ان دونوں کے گھر علیحدہ علیحدہ ہو چکے تھے۔ اس پر ستم یہ تھا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ رہنے کے بجائے ایک تیسرے گھر میں رہتا تھا جو کہ اس کی نانی کا تھا۔
"بتائیں نا مما...!" اس نے اصرار کیا۔
شہلا نے ایک گہری سانس بھر کر پلکیں جھپکیں اور نمی اپنے اندر اتارنے لگی۔
"بچوں کے تو سارے ہی گھر ہوتے ہیں بیٹے...! پپا، مما، نانو سب ہی پیار کرتے ہیں نا بچوں سے...."
"لیکن پپا کہتے ہیں کہ نانو کے گھر رہنا میرے لیے صحیح نہیں ہے.... وہ کہتے ہیں پپا کا گھر ہی بچوں کا اصل گھر ہوتا ہے۔"
شہلا کے اندر ملال اترنے لگے۔ اس سے کچھ بولا نہ جا سکا۔
"مما...! میں اب اپنے پاپا کے ساتھ رہوں گا.... ان کے گھر میں۔" وہ اچانک ہی مصمم انداز میں بولا۔
شہلا کی گرفت اسٹیئرنگ پر کمزور پڑنے لگی۔
"کس نے کہا تم سے؟"
"پپا نے کہا ہے.... لیکن مجھے ان کی بات بہت اچھی لگی ہے.... میں نانو سے ملنے جاؤں گا روز، لیکن رہوں گا اپنے پپا کے ساتھ ٹھیک ہے نا مما...!"
شہلا نے مضطرب سی ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا تھا۔
"اور اگر آپ ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں تو آپ بھی آ جائیں...." پھر وہ آہستگی سے بولا۔
"ہاشم انکل بہت اچھے ہیں مما...! وہ آپ کو ضرور پرمیشن دے دیں گے...."
شہلا کی اب سمجھ میں آیا تھا کہ عمر آج اس سے ضد کیوں کر رہا تھا کہ وہی اسے اسکول سے واپسی پر لینے آئے۔ اس نے بے حد صراحت سے ابرار کا پیغام اس تک پہنچا دیا تھا۔ یہ بات ابرار کی زبان سے سن کر وہ جھلا جاتی تھی

لیکن آج عمر کے ہونٹوں سے یہی سب کچھ سن کر اس کا ذہن جیسے دور کہیں خلاؤں میں بھٹک رہا تھا۔ اسے لگا اگر اس نے اپنی کیفیت پر قابو نہ پایا تو وہ ضرور گاڑی کہیں مار بیٹھے گی۔ سر جھٹک کر اس نے سڑک پر نگاہ جمائی اور گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔

☼ ☼ ☼

رات کے کھانے پر وہ بے حد خاموش خاموش سی تھی۔ وردہ نے کئی مرتبہ اس کی کیفیت نوٹ کی لیکن رابعہ کی موجودگی میں اس نے کچھ بھی پوچھنے سے گریز کیا۔ ناعمہ نے بمشکل چند لقمے لیے پھر وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

وردہ جب ٹیبل صاف کر کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ چائے کا کپ لیے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ وردہ اس کے قریب آ بیٹھی۔

"ناعمہ.....!"

"جی....." وہ چونک گئی۔

"کیا بات ہے، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تم نے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا..... مجھے تم کچھ پریشان معلوم ہوتی ہو۔"

"نہیں آپی! ایسی تو کوئی بات نہیں..... وہ تو مجھے ویسے ہی بھوک نہیں تھی، شام کو فروٹ چاٹ کھائی تھی نا....."

"اچھا!" اس نے غور سے اسے دیکھا۔ "مجھے تو لگتا ہے فراز کا فون آنے سے تم کچھ ڈسٹرب ہو گئی ہو۔"

"فراز کا؟" ناعمہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ فون....."

"خیر..... تمہاری طرح بدھو تو ہوں نہیں میں..... دو آنکھیں اور دو کان میں بھی رکھتی ہوں بلکہ الحمدللہ عقل سے ان کا استعمال بھی کرنا آتا ہے مجھے۔"

ناعمہ نے سر جھکا لیا۔

"لیکن میں اتنی بدھو کیوں ہوں آپی؟" وہ بے بسی سے بولی تھی۔ "مجھے تو کوئی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔"

"مثلاً" "کیا؟"

"پتا نہیں..... یہ فراز کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کی ایک بات بھی میرے پلے نہیں پڑی۔ عجیب اشاروں اشاروں میں باتیں کر رہا تھا۔ مجھے تو ایسے لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔ یہ آپ لوگوں نے میرا رشتہ کہاں طے کر دیا ہے۔"

وردہ اس کی بات سن کر پریشان سی ہو گئی۔

"کیسی عجیب باتیں؟ کیا کہہ رہا تھا؟"

"مجھ سے پوچھ رہا تھا، کیا تم نے میری آواز نہیں پہچانی؟ پھر کہنے لگا تم شاید گلٹ فیل کر رہی ہو..... بھلا میرے پاس ان باتوں کا کیا جواب؟ جب میں پہلی مرتبہ اس کی آواز سنوں گی تو پہچانوں گی کیسے اور مجھے گلٹ کیوں ہونے لگا میں نے کون سا جرم کیا ہے؟"

"فون پر نہ سہی..... عام زندگی میں تو تم نے اس کی آواز سنی ہو گی نا؟"

ناعمہ نے چند لمحوں کے لیے سوچا تھا۔

"ہاں..... ہاشم بھائی کی شادی میں اس نے دو ایک مرتبہ مجھے مخاطب کیا تھا۔ لیکن تب بھی اس کا رویہ عجیب سا ہی تھا..... اور ہاں!"

اسے یکدم ہی یاد آیا۔

"ایک مرتبہ وہ ہمیں شاپنگ سینٹر میں بھی ملا تھا..... میں سی ڈیز دیکھ رہی تھی اور وہ وہاں آ گیا تھا سچ آپی! تب تو میں اسے کوئی پاگل ہی سمجھی تھی اس کا رویہ بالکل بھی نارمل نہیں تھا!"

وردہ کے چہرے پر اب اس کی پریشانی کھل کر ظاہر ہو چکی تھی۔ ناعمہ نے اس کا چہرہ دیکھا تو خود بھی پریشان ہو گئی۔

"ہائے آپی.....! اب کیا ہو گا۔ آپ لوگوں نے ایک پاگل سے میری منگنی کر دی ہے۔ میں تو کبھی اس سے شادی نہیں کروں گی۔"

"اچھا چپ کرو....." وردہ نے اس کی بلند وہائی پر اسے جھڑکا۔ "امی کو ہرگز یہ فضول باتیں پتہ نہ چلیں ان کا بلڈ پریشر فوراً ہائی ہو جائے گا۔ مجھے تو تمہاری بات کا زیادہ اعتبار نہیں ہے۔ میں بھی اس سے ملی ہوں، میں نے بھی اس سے بات چیت کی ہے۔ مجھے تو وہ ہر طرح سے ایک معقول بندہ لگا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ عباد کا دوست ہے۔ ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو وہ لوگ آنکھیں بند کر کے یہ رشتہ کرنے کا مشورہ نہ دیتے۔ میں منیزہ آنٹی کی طبیعت سے بخوبی واقف ہوں۔ مجھے ان پر پورا بھروسہ ہے۔"

"اور میری بات پر آپ کو یقین نہیں؟" وہ آزردگی سے بولی۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے....." وردہ نے سمجھانا چاہا۔

"مثلاً" "کیا؟"

"چل جائے گا پتہ، تم خود کو پریشان مت کرو۔"

وہ اسے تسلی دے کر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

عذرا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو شفیقہ حیات کو گہری سوچ میں گم پایا۔ ان کے چہرے پر ازحد رنج و غم کے آثار تھے۔ وہ ان کے قریب آ بیٹھیں۔

"کیا بات ہے اماں بیگم.....! ایسے کیوں بیٹھی ہیں۔"

انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کر بہو کی جانب دیکھا۔

"کتنے دن ہو گئے ہیں..... ایقان دو قدم کے فاصلے پر ہو کر بھی شکل نہیں دکھاتی۔ پہلے گھر دور تھا تو ہر دوسرے دن آیا کرتی تھی اور اب....."

عذرا بیگم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں۔

"دراصل وہ ہماری نصیحتوں سے چڑنے لگی ہے..... یا تو آپ کوئی بات چھیڑ کر بیٹھ جاتی ہیں یا میں۔ وہ کچھ عرصے تک اس موضوع پر بالکل بات نہیں کرنا چاہتی۔ ہمیں بھی اس کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے۔"

"اسے کیا خاک خیال کریں ہم۔ اس نے اپنی اور بچوں کی زندگی کا خیال نہیں کیا۔" ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"اماں! سارا قصور اسی کا تو نہیں ہے نا۔" انہوں نے دبی آواز میں نند کی حمایت کرنا چاہی۔

"اے چپ رہو بی۔" انہوں نے بہو کو ہولے سے جھڑکا۔ "ہم نے بھی اسی دنیا میں زندگی گزاری ہے۔ ہر طرح کے حالات سے گزرے ہیں تجربات بھی حاصل کیے ہیں اور مشاہدے بھی۔ ارے مرد بچہ ہے، چلو جی لیا کسی کھیل تماشے میں چار روز کو، وہ ایسی کانچ سی نازک نکلیں، ہلکی سی چوٹ نہ برداشت کر پائیں چور چور ہو گئیں۔ ارے عورتیں تو شرابی، کبابی، جواری مردوں کو زندگی بھر ہنس کھیل کر برداشت کرتی ہیں کہ گھر نہ ٹوٹے بچے

سے بے گھر نہ ہوں۔"

عذرا بیگم خاموش ہو گئیں۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ......" انہوں نے دل میں سوچا تھا۔ "ظلم، جبر، بے ایمانی، فریب عورت ہنسی خوشی برداشت کرتی رہے تو عورت! ان کے خلاف آواز اٹھائے فریب دینے والے کا گریبان پکڑے، اپنے جذبوں کی توہین کی سزا دینا چاہے تب سارے الزامات کا رخ اس غریب کی طرف۔ اس نے گھر توڑا، اس نے بچوں کو بے گھر کیا۔ خاموش، بے زبان گائے جیسی زندگی گزار کر دنیا سے چلے جانے والی عورتوں کو مثال بنا بنا کر پیش کیا جاتا۔"

"میں کہتی ہوں عذرا...! اب بھی کچھ نہیں بگڑا......" شفیقہ حیات نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی تو وہ چونک اٹھیں۔

"اس کو سمجھاؤ، اب بھی وقت ہے معافی مانگ لے اس سے۔ اپنا گھر پھر سے آباد کرے۔ ارے یہاں بیٹھی اچھی لگ رہی ہے بھلا؟ اپنے گھر کو تالا ڈال کر چلی آئی ہے، تالا ڈال کر چلے آنے سے کیا وہ گھر پرایا اور یہ اس کا ہو جائے گا؟"

"آپ جانتی ہیں اماں...! وہ کس قدر ضدی ہے......" انہوں نے دھیمے سے کہا۔

"اور یہ ضد انسان کو تباہ کر دیتی ہے، تم بھی جانتی ہوگی۔"

"خدا نہ کرے......" وہ بڑبڑائیں۔

"ارے بد دعا نہیں دے رہی اسے، ماں ہوں اس کی لیکن ماں ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ میں بے جا باتوں میں اس کا ساتھ دوں۔ اسے اچھے برے کی تمیز نہ سکھاؤں، آئینہ نہ دکھاؤں...... میرا تو جی کرتا ہے اچھی طرح سناؤں اسے۔"

"جلدی نہ کریں اماں...!" انہوں نے ہولے سے ان کا ہاتھ دبایا۔ "ابھی زخم تازہ ہے۔"

"ارے میرے جی پر بیٹھا رہتا ہے اس کا خیال۔" وہ سسکیں۔ "کچھ اور نہ ہو جائے عذرا!"

"سب ٹھیک ہو جائے گا آپ فکر نہ کریں۔ عاشرا اتنا کم عقل نہیں ہے۔" انہوں نے ساس کو تسلی دی تھی۔

دونوں ہی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو کر اپنی اپنی سوچ میں گم ہو گئی تھیں۔ تب ہی سدرہ کمرے میں داخل ہوئی اس نے ایک نگاہ ماں اور دادی پر ڈالی پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"پھپھو کہاں گئیں؟"

"پھپھو؟" وہ دونوں ہی چونک اٹھیں۔

"ہاں...... ایقان پھپھو آئی تھیں نا ابھی...... میں کچن میں تھی......"

"ایقان آئی تھی؟" شفیقہ حیات حیران سی ہوئیں پھر جیسے بہت کچھ سمجھ گئیں۔

"اس نے یقیناً ہماری گفتگو سنی ہے......" عذرا بیگم متفکر ہوئیں۔ "بے چاری الٹے قدموں لوٹ گئی ہے۔" شفیقہ حیات کچھ سوچنے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ہاشم نے گاڑی گھر کے اندر کھڑی کی تو دیکھا، شہلا کی گاڑی وہاں نہیں تھی۔ اس نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ اس کا ڈیوٹی ٹائم آف ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ منیزہ بیگم کی طرف چلی گئی تھی۔ اپنا بریف کیس اٹھائے وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوا۔ لاؤنج میں فاروق

حسن اور فردوس بیگم موجود تھے۔

"السلام و علیکم۔" وہ بریف کیس میز پر رکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام۔" فاروق حسن نے چشمے کے اوپر سے اسے دیکھا۔

"شہلا نہیں آئیں اب تک؟" بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"پہلے وہ طے تو کر لیں کہ ان کا گھر ہے کون سا......" فردوس بیگم کو گویا اس کے سوال نے تیلی ہی دکھا دی تھی۔ چمک کر بولیں۔

ہاشم چونک سا گیا۔ اس نے باری باری ماں کا تنا ہوا اور باپ کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔

"کیا مطلب...... میں کچھ سمجھا نہیں؟"

"مطلب یہ بیٹے جی... کہ کچھ ہمارا اور ہماری عمروں کا خیال کرو۔ ہمیں بہو چاہیے تھی ہماری خدمت کے لیے وقت پر کھانا، وقت پر دوا دارو...... یہاں تو بہو بیگم کو ڈیوٹی اور پھر میکے سے فرصت نہیں۔ فارغ اوقات میں میں پاس بیٹھنا ہی ہوں، دیکھنا کب تک چلے گا آخر......"

ہاشم خاموش سا ہو گیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ شہلا کے لیے کچھ بھی غلط سننے پر اس کا دل آمادہ نہ ہوتا تھا لیکن ماں آخر کو ماں تھی۔ اس کی بات رد کرنا بھی ممکن نہ تھا کہ وہ شہلا کی طرف داری کرتا۔

"ہاشم بیٹے!" فاروق حسن نے چشمہ اتار کر میز پر رکھا۔ "تمہاری امی کی بات میں اتنی سچائی تو ضرور ہے کہ بہو کو اب کچھ عرصہ گھر میں ہمارے ساتھ گزارنا چاہیے۔ ہم لوگ اس گھر میں سچی خوشیوں کے متمنی ہیں۔ سب مل کر رہیں ساتھ وقت گزاریں ہنسیں بولیں، زندگی کے سچے رنگوں سے لطف اندوز ہوں۔ بیٹا! ہمیں اب ننھے منھوں اور معصوم آوازوں کی ضرورت ہے...... دادا، دادی کے الفاظ سننے کے لیے کان ترس رہے ہیں۔ تم لوگوں کو ہماری خوشیوں کا خیال کرنا چاہیے۔"

"جی...... جی بابا جان!"

وہ آہستگی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے قدم سست پڑ چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج کئی دن کے بعد وہ پارک میں آئی تھی۔ شام کی تازہ ہوا میں چہل قدمی کرتے ہوئے، سورج کی الوداعی کرنوں کے رنگوں پر غور کرتے ہوئے وہ کافی آگے تک چلی آئی تھی۔

تب ہی اسے گھر کا دھیان آیا۔ وہ اسے سوتا چھوڑ کر آئی تھی۔ اٹھ کر وہ یقیناً اسے تلاش کرتا۔ شہلا کے اس گھر سے چلے جانے کے بعد وہ ربیعہ سے بہت زیادہ اٹیچ ہو گیا تھا۔ اکثر وہ اسی کے ہاتھ سے کھانا کھانے کی ضد کرتا تھا۔ منیزہ بیگم یہ سب کچھ دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔ ربیعہ نے ان کی تقریباً سب ہی ذمہ داریاں بانٹ لی تھیں۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے وہ پارک سے نکل کر سڑک پر چلی آئی۔ عین اسی لمحے ایک سیاہ کتا نجانے کہاں سے نکل کر دوڑتا ہوا اس کی جانب آیا تھا۔

ربیعہ کے منہ سے بے اختیار ہی چیخ نکلی۔ وہ بنا دیکھے بھالے سڑک کی طرف دوڑ پڑی تھی۔ خوف کے عالم میں وہ نہایت قریب آتی گاڑی بھی نہ دیکھ سکی۔ ڈرائیور نے حتی الامکان اسے بچانے کی کوشش کی تھی مگر ربیعہ گاڑی سے بری طرح ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص گھبرا کر باہر نکلا تھا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

عاشر کی اچانک پاکستان آمد پورے خاندان کو مسرور کر دیتی ہے۔ تاہم ایقان اس کے رویے میں کچھ تبدیلی محسوس کرتی ہے۔ منورما یمن کی سخت باتیں سن کر ربیعہ گھر چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہے لیکن ترانہ اس کی ایک نہیں سنتی۔ جس پر ربیعہ کو بیزار ہونا پڑتا ہے۔ گھر سے نکلنے سے قبل عین موقع پر تمدن گھر پہنچ جاتا ہے۔ جس پر ربیعہ خوفزدہ ہو جاتی ہے۔

ربیعہ کا عباد کے گھر میں خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ منزہ بیگم، ربیعہ کو اپنی بیٹی بنا لیتی ہیں۔
ہاشم اور شہلا کی شادی کی تقریب میں ہی نافع اور عریشہ کا نکاح پڑھوا دیا جاتا ہے جس پر عریشہ سخت کبیدہ خاطر ہوتی ہے۔

شادی کی اوّلین رات ابرار جیلانی کا فون شہلا کو پریشان کر دیتا ہے۔ شہلا شادی کے بعد اپنی ماں سے ملنے آتی ہے تو وہیں اس کی ملاقات ابرار سے ہو جاتی ہے۔ عین موقع پر ہاشم، شہلا کو اطمینان دلاتا ہے کہ وہ اس پر اعتماد کرتا ہے۔
فراز جو درحقیقت ناعمہ کو پسند کرتا ہے، ہاشم کی تقریب میں اسے دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ دوسری طرف عریشہ کے لیے فراز کی آمد پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ فراز یہی سمجھتا ہے کہ فون پر اس سے ناعمہ باتیں کرتی تھی۔
رافع کو ربیعہ میں اپنے آئیڈیل کی جھلک نظر آتی ہے جس کا علم ہاشم کو ہو جاتا ہے۔
لزا، عاشر کو پاکستان پہنچ کر فون کرتی ہے۔ عاشر اسے لینے ایئرپورٹ جاتا ہے۔ ایقان، عاشر کے پُراسرار رویے پر مشکوک ہو جاتی ہے۔
شہلا سب کے سامنے چھٹی ختم ہونے کا ذکر کرتی ہے تو فردوس بیگم کا سرد رویہ اسے پریشان کر دیتا ہے۔ تاہم مایمن اسے دلاسا دے کر مطمئن کر دیتی ہے۔ شہلا، ربیعہ کے ساتھ رابعہ بیگم کے گھر آتی ہے۔ سب ربیعہ کی سادگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ربیعہ، وردہ کے مشورے سے ایم اے سوشیالوجی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔
عاشر، لزا سے ملنے ہوٹل آتا ہے تو لزا اسے پرپوز کرتی ہے۔ عاشر، لزا کی پیش کش رد کر دیتا ہے۔ تاہم لزا کا رومال، ایقان کے ہاتھ لگ جاتا ہے جس پر وہ عاشر سے حقیقت پوچھتی ہے۔ عاشر بوکھلاہٹ میں سب کچھ بتا دیتا ہے جس پر ایقان حقیقتاً صدمے سے گنگ رہ جاتی ہے۔
ربیعہ، وردہ سے ملنے اس کے گھر آتی ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ وردہ کی منگنی رافع سے ہو چکی ہے۔ یہ خبر اسے صدمے سے دوچار کر دیتی ہے۔ دوسری طرف رافع بھی اسے جلد بازی میں کیا گیا فیصلہ سمجھ رہا ہے۔ وہ وردہ کے لیے اپنے دل میں خاص جذبات محسوس نہیں کرتا۔

ایقان، عاشر کا گھر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے میکے آ جاتی ہے اور عاشر کی تمام تر یقین دہانیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کر لیتی ہے۔ وہ عاشر کی بے وفائی معاف کرنے کو تیار نہیں۔ یہ صورت حال گھر کے تمام افراد کے لیے بے حد پریشان کن ہے۔ عاشر جاپان جاتے ہوئے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لیتا ہے۔

۲۹
انتیسویں قسط

قریب آ کر اس شخص نے ربیعہ کو سہارا دے کر اٹھانا چاہا۔
ربیعہ جھجک کر خود کھڑی ہونے لگی لیکن اگلے ہی لمحے اس کے لبوں سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔ اسے اپنے پہلو اور بائیں بازو میں درد کا احساس ہوا۔
"میں... میں بے حد معذرت خواہ ہوں میڈم...!" وہ شخص بے طرح شرمندہ اور ہراساں ہو رہا تھا۔
تب ہی ایک بائیک ان دونوں کے نہایت قریب آ کر رکی۔ بائیک پر بیٹھا ہوا رافع تیزی سے اترا اور ان لوگوں کی جانب بڑھا۔
"ربیعہ! ربیعہ آر یو آل رائٹ؟" وہ ربیعہ سے پوچھنے لگا۔
"میں... میں ٹھیک ہوں۔" ربیعہ نے رسانیت سے بولنے کی کوشش کی۔ نجانے کیوں رافع کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ سڑک پر اچھا بھلا تماشا کھڑا ہو گیا تھا۔
رافع اب اس کار ڈرائیور کو کڑے تیوروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس کا گریبان پکڑ لیتا۔

"اتنی بڑی گاڑی لی ہے تو اس کو استعمال کرنے کے تقاضوں کو بھی مدِنظر رکھیں مسٹر!" وہ نہایت غصے سے اس شخص سے مخاطب ہوا "کوئی نشہ وغیرہ کرکے گھر سے نکلے تھے آپ؟؟"

"دیکھیں سر.... ! میں معذرت چاہتا ہوں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں میں قصوروار نہیں ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر صفائی پیش کرنے والے انداز میں بولا۔

"جی ہاں.... بھلا آپ قصوروار کیوں ہونے لگے۔" رافع طنز سے بولا "ان معاملات میں اکثر ہی گاڑیوں والے بے قصور ہوتے ہیں۔"

"رافع۔ ! رافع پلیز۔" ربیعہ درد کی شدت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی "یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی بے قصور ہیں.... دراصل میں ہی بغیر دیکھے بھالے سڑک کراس کر رہی تھی۔"

"میرا خیال ہے' ہمیں باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے انہیں ہاسپٹل لے کر جانا چاہیے۔" وہ شخص ربیعہ کا زرد پڑتا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ رافع نے اب ربیعہ کا جائزہ لیا تھا۔

"نہیں نہیں.... " ربیعہ مزید زرد پڑی۔ "میں کہیں نہیں جاؤں گی.... میں بالکل ٹھیک ہوں' میں اب گھر جاؤں گی۔"

اس نے قدم بڑھانے کی کوشش کی تو ایک مرتبہ پھر چیخ اٹھی۔ اسے احساس ہوا کہ اسے واقعی چوٹیں آئی تھیں۔

"ربیعہ....!" رافع نرمی سے بولا۔ "میرا خیال ہے یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں .... تمہیں چیک اپ کروالینا چاہیے۔ یہیں قریب ہی میرے دوست کے بھائی کا کلینک ہے۔"

"میں گھر جاؤں گی.... " وہ اٹل انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے۔" رافع مزید نرم پڑا۔ "میں شہلا بھابی کو فون کر دیتا ہوں۔"

وہ شخص عجیب کش مکش کا شکار ہیں کھڑا تھا۔ رافع نے اپنی بائیک سائیڈ میں کھڑی کی پھر وہ ربیعہ کے قریب چلا آیا۔

اگر تمہیں سہارے کی ضرورت ہے تو میں..." وہ قدرے جھجکا تھا۔

ربیعہ کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ گیا لیکن حقیقت یہی تھی کہ وہ خود کو چلنے کے قابل نہیں پا رہی تھی لیکن وہ رافع کا بازو تھامتی یا رافع اس کا ہاتھ پکڑتا' اس خیال نے ہی اسے شرم سے پانی پانی کر دیا تھا۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو گھر تک پہنچا دوں مس ربیعہ!" عجیب سی صورتحال کے شکار اس شخص نے مداخلت کی۔

رافع نے ایک نظر اس کے خجل چہرے پر ڈالی پھر اس کی گاڑی کو دیکھا۔

"یہ شاید ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" رافع نے ربیعہ کو قائل کرنے والے انداز میں دیکھ کر کہا۔ "تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ.... میرا نہیں خیال کہ تم گھر تک آرام سے چل پاؤ گی۔"

اتنی بات ربیعہ بھی سمجھ چکی تھی۔ وہ چپ چاپ گاڑی کا ہی سہارا لے کر پچھلے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ اجنبی نے اس کے لیے لپک کر دروازہ وا کیا تھا۔ ربیعہ کے بیٹھ جانے کے بعد اس نے دروازہ بند کرکے رافع کو دیکھا۔

"پلیز.... آپ بھی بیٹھیں...."

"نہیں' میں بائیک پر آ جاتا ہوں۔ آپ انہیں گھر تک پہنچا دیں۔ بے حد نوازش ہو گی!" وہ اپنی بائیک کی جانب بڑھ گیا۔

ربیعہ کو آتا دیکھ کر منیزہ بیگم اور انیقہ بے حد گھبرا گئی تھیں۔ ان کی آوازوں سے پریشان ہو کر عباد بھی اپنے کمرے سے نکل آیا۔

"کیا ہوا ہے ربیعہ.... ! خیر تو ہے' زیادہ چوٹ تو نہیں آئی۔"

سب کے سب اس سے مختلف سوالات کرنے لگے.... ربیعہ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی انیقہ نے اسے صوفے پر بٹھایا اور اس کا بازو چیک کرنے لگی۔

ایسے میں عباد کی نگاہ یک لخت سامنے کھڑے اس شخص پر گئی۔

"ارے امیر حسن.... آپ!" وہ بے ساختہ ہی آگے بڑھا۔

"جی ہاں.... " وہ مسکرا رہا تھا "میں آپ ہی کو دیکھ رہا تھا کہ آپ کب متوجہ ہوتے ہیں!" عباد گرم جوش انداز میں اس سے ملنے لگا' پھر وہ منیزہ بیگم کی جانب مڑا تھا۔

"امی جی.... ! میں نے آپ سے ان کے متعلق بات کی تھی.... شاید آپ کو یاد ہو!"

"امیر حسن!" منیزہ بیگم سوچنے لگیں۔ "ہاں' شاید یہ وہی ہیں نا جن کے ساتھ تم اپنا بزنس اسٹارٹ کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں.... " عباد مسکرایا۔

امیر حسن نے بے حد احترام سے منیزہ بیگم کو سلام کیا۔

"جیتے رہو.... " وہ ملائمت سے بولیں "میرا تو خیال تھا' کوئی بڑی عمر کا شخص ہو گا.... تم تو بالکل میرے عباد جیسے ہی ہو۔"

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"دراصل بزنس میرے پاپا اور بھائی سنبھالتے ہیں.... میں یہاں پاکستان میں اس کی پروموشن کے سلسلے میں آیا ہوں.... یہاں عباد صاحب سے ملاقات ہو گئی تو ہم نے سوچا' کیوں نہ مل کر کام کیا جائے۔ آج بھی میں اس سلسلے میں عباد سے ہی ملنے یہاں آیا تھا۔"

"اور ہمارے گھر کے ایک بندے سے آپ سڑک پر ہی مل لیے۔" انیقہ نے مزاحاً' شکایتی انداز میں کہا۔ سب لوگ ہی ہنس دیے تھے۔

"یہ گواہی تو آپ کے گھر کا بندہ ہی دے گا جناب!" امیر حسن اب بشاشت سے گویا ہوا تھا' "کہ اس حادثے میں میرا ہاتھ سرمو نہیں ہے' کیوں مس ربیعہ!"

"جی ہاں.... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" ربیعہ آہستگی سے بولی تھی "دراصل میں ایک کتے سے خوف زدہ ہو کر دوڑی تھی۔ بنا دیکھے ہی سڑک کراس کرنے لگی۔ آپ نے تو پھر بھی حاضر دماغی سے کام لیا ورنہ شاید یہ حادثہ خطرناک ہو سکتا تھا۔"

"بچانے والی ذات خدا کی.... " وہ مسکرایا۔ "ہم انسان تو خطا کے پتلے ہیں۔"

ربیعہ نے اب کی بار پہلی مرتبہ اسے نظر بھر کر دیکھا۔ خوب صورت بھاری آواز رکھنے والا وہ شخص خود بھی متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ آف وائٹ شلوار سوٹ میں اس کا قد و قامت بے حد جاذبِ نگاہ نظر آتا تھا۔ اس کا لہجہ اور بات کرنے کا انداز بھی بہت خوب صورت تھا۔

"ہم لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں امی۔۔۔! ذرا چائے وغیرہ بھیج دیں۔" عباد نے منیزہ بیگم سے کہا پھر وہ امیر حسن کو لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہو تم!" انیقہ نے اس کے بازو وغیرہ اچھی طرح ہلا جلا کر دیکھ لیے تھے "میں پین کلر دیتی ہوں۔ گرم گرم دودھ سے کھا کر تھوڑی دیر آرام کرو۔۔۔۔ کل تک بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

"میں اسے گرم دودھ میں ہلدی ملا کر دیتی ہوں۔۔۔۔" منیزہ بیگم بولی تھیں "کسی اندرونی چوٹ کا خطرہ نہ رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔" انیقہ نے سر ہلایا "ہم دونوں اپنے اپنے ہنر اس پر آزما لیتے ہیں!"

ربیعہ مسکرا دی۔ منیزہ بیگم کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ انیقہ اس کے لیے گولیاں لانے کے لیے اپنے کمرے کی سمت چل دی۔ اس نے گہری سانس بھر کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔ اس کا ذہن رافع کے متعلق سوچ رہا تھا۔

وہ اسے چھوڑنے گھر تک تو آیا تھا۔ پھر نجانے کیوں اندر آنے کے بجائے باہر سے ہی لوٹ گیا۔ لوٹتے سمے اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں، ربیعہ کے لیے فکر مند تھیں۔ ربیعہ کا دل فکر مندی کی اس دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ ان نگاہوں سے پھوٹتا "اپنا خیال رکھنا" کا پیغام اس کے پردہ ذہن پہ سایہ کیے کھڑا تھا۔ وہ بہت دیر کے لیے کہیں کھو سی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے کال بیل کی آواز سنی ضرور تھی لیکن سنی اَن سنی کر کے وہ بیٹھی اپنے نوٹس مکمل کرتی رہی۔ تب ہی وردہ شگفتگی سے مسکراتی ہوئی چلی آئی۔ ناعمہ نے ایک مصروف سی نظر اس پر ڈالی۔

"کون ہے آپی؟"

"ایسے ہی بیٹھی ہو جیسے کچھ خبر ہی نہ ہو۔۔۔۔" اس نے اسے گھورا "گھنی ہوتی جا رہی ہو!"

"جی؟" ناعمہ نے حیران نظریں اٹھائیں۔ "میں سمجھی نہیں۔ کس بات کی خبر ہونی ہے مجھے؟"

"فریحہ نے تمہیں اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی؟" وردہ نے سوال کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی غور سے دیکھا۔

"فریحہ نے؟" ناعمہ مزید حیران ہوئی۔ "فریحہ آئی ہے کیا؟"

"جی ہاں۔۔۔۔ نہ صرف فریحہ بلکہ آپ کے وہ "مجنوں" بھی ساتھ ہیں۔" وردہ مسکرائی "فٹافٹ کپڑے تبدیل کر کے آجاؤ۔"

"میں؟ میں آجاؤں؟" ناعمہ کی جان خشک ہونے لگی۔ "نہیں آپا۔۔۔۔! میں ہرگز ان موصوف کے سامنے نہیں آؤں گی۔۔۔۔ کہہ دیں آپ جا کر انہیں۔"

"امی ڈرائنگ روم میں ہی موجود ہیں اور تمہیں بلا رہی ہیں۔" وردہ سنجیدگی سے بولی۔ "اور کوئی تمہیں کھا نہیں جائے گا۔ حالات کو فیس کرنا سیکھو۔ چلو اٹھو، کپڑے بدل لو۔۔۔۔ بال بناؤ سلیقے سے۔۔۔۔ قسم سے اگر وہ لوگ تمہیں اس حلیے میں دیکھ لیں نا۔۔۔۔"

"تو شوق سے منگنی توڑ دیں۔۔۔۔" ناعمہ جل کر بولی تھی۔ "میں تو دو دن سکون کی نیند سوتی رہوں گی!"

"بکو مت!" وردہ ناراضی سے بولی "شکل اچھی نہ ہو تو انسان بات ہی اچھی کر لے۔"

قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

"آپا! میں سچ کہہ رہی ہوں۔۔۔۔ میں ہرگز ڈرائنگ روم میں نہیں جاؤں گی۔" وہ پین پھینک کر قدرے ضدی پن سے بولی تھی۔

وردہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"ناعمہ۔۔۔۔! یہ نیا دور ہے، اس کے کچھ مختلف تقاضے ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی کہیں کہیں دنیاداری نباہنا پڑتی ہے۔ انسان اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے بھی نباہ سکتا ہے۔ چلو اٹھو، شاباش! میں چائے بنا رہی ہوں۔ اسنیکس بھی تیار کر دیتی ہوں، لیکن سرو تمہیں ہی کرنا ہے۔۔۔۔ اور اب انکار کر کے میرا وقت ضائع مت کرو۔"

"آپی۔۔۔!" وہ روہانسی ہو گئی "اس پاگل کو کس نے کہا تھا آنے کو۔"

اس کے انداز میں ہار ماننے کا اشارہ تھا۔ وردہ کو اس کی بات اور اس کی بے بسی پر ہنسی آگئی۔ وہ ہنسی چھپاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھی۔ ناعمہ کچھ دیر پریشان صورت بنائے بیٹھی سوچتی رہی۔

پھر وہ تھکے تھکے سے انداز میں اٹھ کر الماری کی جانب بڑھ گئی۔

کپڑے تبدیل کر کے لائٹ پنک لپ اسٹک سے چہرہ سجائے جب وہ کچن میں داخل ہوئی تو وردہ کی تیاری بھی مکمل تھی۔ ٹرالی میں کئی قسم کے لوازمات سجے ہوئے تھے اور وردہ کیتلی کو ٹی کوزی سے ڈھانپ رہی تھی۔ ناعمہ کو دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

"ویری گڈ!" اس نے مطمئن نظروں سے اس کا سراپا دیکھا۔ "چلو، یہ چائے لے کر جاؤ اور سلیقے اور تمیز سے سرو کرو۔۔۔۔"

"یہ کام آپ کر لیں نا آپی۔۔۔!" وہ منت بھرے انداز میں بولی۔ "میں آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔ مجھ سے قہوے اور دودھ کا تناسب ٹھیک نہیں رہتا۔"

"زیادہ بہانے بازی کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔" وردہ پر اس کی بات کا کوئی اثر نہ ہوا۔ "چلو، سنبھالو!" اس نے ٹرالی کھینچ کر ناعمہ کے آگے کر دی۔ مزید بحث کی گنجائش ہی نہ تھی۔ سو وہ ٹھنڈی سانس بھر کر ٹرالی لیے آگے بڑھ گئی۔ وردہ بھی اس کے پیچھے تھی۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر اس نے نگاہ اٹھائے بغیر ہی سلام کیا تھا۔ جواب میں فریحہ کی گرم جوش آواز سے اسے اندازہ ہو گیا کہ کون کہاں بیٹھا ہے، سو وہ اسی جانب بڑھ گئی۔

"ناعمہ! بیٹا پہلے سب کو چائے دو۔" رابعہ بیگم نے اسے دھیمے سے پکارا۔ وہ صوفے پر بیٹھنے لگی تھی، لیکن اسے ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ ناچار وہ ٹرالی رابعہ بیگم کے ساتھ بیٹھے ہوئے فراز کے قریب لے آئی۔

"میں صرف چائے لوں گا۔۔۔۔ بنا دیجیے پلیز!" اس نے سروِنگ پلیٹ واپس ٹرالی میں رکھ دی۔

"چینی؟" ناعمہ نے دھیمے سے پوچھا۔

"بغیر چینی کی چائے دیں۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی تپش تھی۔

ناعمہ نے گھبرا کر نظر اٹھائی۔ تب اس نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لہجے سے بھی بڑھ کر تپش تھی۔
"ہائے! کیا ہو گیا بھائی آپ کو..." فریحہ شوخ انداز میں بولی تھی "گھر میں تو آپ آدھا کپ چینی سے بھر لیتے ہیں اور یہاں چینی کی بچت کر رہے ہیں۔"
"کبھی کبھار تلخی اچھی لگتی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔
ناعمہ نے اسے واقعی بغیر چینی کی چائے تھمادی پھر وہ ٹرالی فریحہ کے قریب لے آئی۔
"بھئی' اب تم آرام سے بیٹھ جاؤ..." فریحہ نے پلیٹ اٹھاتے ہوئے کہا "میں تو دل بھر کر انصاف کروں گی۔ ویسے سچ سچ بتاؤ' ان میں سے کیا کچھ تم نے بنایا ہے؟"
"کچھ بھی نہیں!" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی "سب کچھ وردہ آپی کا کمال ہے!" وردہ اسے گھورنے لگی تھی لیکن ناعمہ چونکہ یہ بات جانتی تھی' سو اس نے وردہ کی جانب دیکھنے سے گریز ہی کیا۔
"ویل سیڈ!" فریحہ مسکرائی۔
نہ جانے کیوں ناعمہ کی نگاہ ایک مرتبہ پھر اس کی جانب اٹھ گئی۔ وہاں ہنوز وہی تپش برقرار تھی۔ ناعمہ کو الجھن ہونے لگی۔
چائے کا کپ خالی کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ فریحہ بھی جلدی جلدی پلیٹ صاف کرنے لگی پھر دونوں بھائی بہن کے درمیان نظروں ہی نظروں میں کسی بات کا تبادلہ ہوا تھا۔ فریحہ ٹشو سے ہونٹ صاف کرتے ہوئے رابعہ بیگم کی جانب بڑھی۔
"آنٹی... ایک فرمائش کر سکتی ہوں۔"
"ضرور بیٹا!" رابعہ بیگم مسکرادیں۔ "اس میں بھلا پوچھنے کی کیا بات ہے... بولو۔"
"مجھے امید ہے' آپ خفا نہیں ہوں گی بلکہ خوشی دلی سے مان جائیں گی..." وہ لاڈ بھرے انداز میں بولی۔
"کیوں نہیں..." رابعہ بیگم مسکرائیں "تم کہو تو سہی!"
"آنٹی... ہم لوگ کچھ دیر کے لیے ناعمہ کو باہر لے جائیں؟"
اس کی بات سن کر رابعہ بیگم دفعتاً خاموش سی ہو گئیں۔ وردہ کا چہرہ بھی یکایک سنجیدہ ہوا تھا اور ناعمہ پر تو جیسے بجلی ہی گری تھی۔ وہ تو ہراساں سی کھڑی سب کے چہرے دیکھنے لگی تھی۔
فراز دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے یوں لاتعلق سے کھڑا تھا جیسے اس کا اس بات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو حالانکہ ناعمہ کو پورا اندازہ تھا کہ اس فرمائش میں فریحہ کی صرف زبان ہی استعمال ہوئی ہے۔ اسے یہ خیال بے طرح ستا رہا تھا کہ کہیں رابعہ بیگم اسے ان دونوں کے ساتھ جانے کے لیے نہ کہہ دیں۔ ایسی صورت میں یقیناً" فریحہ درمیان سے ہی کہیں غائب ہو جاتی اور وہ اس کی تپش بھری نظروں کا سامنا کرنے کے لیے تنہا اور بے یارومددگار رہی رہ جاتی! رابعہ بیگم نے ہنوز فریحہ کی بات کا جواب نہ دیا تھا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھیں۔
"بولیں نا آنٹی!" فریحہ اٹھلائی "ہم آئس کریم کھا کر لوٹ آئیں گے... زیادہ دور ہرگز نہیں جائیں گے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔"
"دیکھو بیٹا...!" رابعہ بیگم دھیمی آواز میں بولیں "میں جانتی ہوں کہ یہ نیا زمانہ ہے' اس کے کچھ اور ہی تقاضے ہیں۔ نئے رنگ ڈھنگ ہیں لیکن ہمارے خاندان اور ہمارے گھر میں اب تک ان ہی پرانی قدروں کا رواج ہے ہمارے ہاں شادی سے پہلے لڑکا' لڑکی کے آپس میں ملنے یا ساتھ باہر آنے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تم لوگ یہاں آئے' مجھے بے حد خوشی ہوئی' بلکہ میں نے خاص طور پر ناعمہ کو بھی سامنے بلوایا کیونکہ میں اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتی لیکن بیٹا! جہاں تک تمہارے ساتھ باہر جانے کی بات ہے' اس کی اجازت میں نہیں

دے سکتی کیونکہ ہمارے مشترکہ نظام میں اسے نہ صرف برا سمجھا جائے گا بلکہ میری بیٹی ہمیشہ کے لیے اپنے بڑوں کی نگاہ میں بے باک قرار پائے گی۔ اللہ نے مجھے بیٹا نہیں دیا لیکن میرے بھائیوں کے بیٹے ان لوگوں کو بہنوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کسی کا سامنا ہو گیا تو ناعمہ کبھی ان سے نظر ملا کر بات نہ کر پائے گی۔ اس لیے میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور برا مت ماننا لیکن میں معذرت خواہ ہوں!"

فریحہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ قدرے خفت کا شکار نظر آ رہی تھی لیکن فراز چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"آنٹی... آپ کو معذرت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!" وہ بولا۔ "معذرت تو ہمیں کرنا چاہیے کہ ہم نے آپ سے ایک غلط فرمائش کی... آپ کا لفظ لفظ سچائی پر مبنی ہے۔ مجھے بہت خوشی ہوئی ہے آپ کی باتیں سن کر۔ آپ پلیز ہم لوگوں کو معاف کر دیں۔ آئندہ ہماری طرف سے ایسی کوئی فرمائش نہ ہو گی۔"

رابعہ بیگم کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر فراز کی پیشانی چومی۔

"ماشاءاللہ جیتے رہو بیٹا! بیٹی کی ماں ہوں۔ یہ سب کچھ کہتے ہوئے دل میں خوف بھی تھا کہ نجانے داماد سب کچھ سن کر کس رویے کا مظاہرہ کرے... لیکن تم نے میرا دل ہلکا کر دیا۔ اللہ تمہیں اور نیکی اور سچائی سے نوازے۔ خوش رکھے۔"

ناعمہ نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔ اس لمحے فراز اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ رابعہ بیگم کی دعاؤں پر دھیمے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس لمحے اس کا وہ انداز ناعمہ کے دل میں اترتا چلا گیا۔ ان نگاہوں کی وہ تپش غائب تھی، ہونٹوں پر وہ تلخ کھنچاؤ نہ تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ نرمی اور محبت تھی اور خوب صورت مسکراہٹ سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔

"اب اجازت چاہیں گے آنٹی!" وہ بولا۔

"آتے رہا کرو بیٹا... تمہارا اپنا گھر ہے یہ... اس میں کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اور آئس کریم میں بہت اچھی بناتی ہوں۔" وردہ شوخی سے بولی۔ "پہلے سے بتا کر آئیں گے تو آئس کریم کھانے کے لیے باہر جانے کی اجازت نہیں لینا پڑے گی۔"

"کیا خبر تھی!" وہ ہنس دیا۔

فریحہ اور ناعمہ بھی مسکرا دیں۔ چند لمحوں پیشتر ماحول میں جو کھنچاؤ در آیا تھا اب کہیں اس کا شائبہ تک نہ تھا۔ فریحہ اور فراز باہر جانے کے لیے بڑھے تو رابعہ بیگم اور وردہ انہیں رخصت کرنے کے ارادے سے باہر کی جانب بڑھ گئیں۔ ناعمہ نے سکون کا سانس لیا تھا!

☼ ☼ ☼

اس کے ہاسپٹل سے ڈیوٹی انچارج کا فون آیا تھا۔ شہلا سوتے سے اٹھی تھی۔ اس نے قدرے غائب دماغی سے فون ریسیو کیا۔

"ہاں ڈاکٹر شہلا... ! آپ کو آنا ہو گا۔" وہ کہہ رہے تھے "ایمرجنسی ہے اس وقت!"

"لیکن سر... ! میں تو ابھی دو بجے واپس آئی ہوں۔" اس نے پریشانی سے گھڑی کی سمت دیکھا جو چار بجا رہی تھی۔

"آئی نو ڈاکٹر شہلا... ! لیکن مجبوری ہے! ڈاکٹر رضوانہ اور ڈاکٹر ارم دونوں کے ساتھ کچھ پرابلم ہو گئی ہے اور ہاسپٹل میں چار کیس موجود ہیں جبکہ ڈیوٹی پر صرف ڈاکٹر ناصرہ ہی ہیں... آپ اس وقت ڈیوٹی دے لیں۔ کل آپ کو ریسٹ دے دیں گے۔" وہ نرمی سے سمجھا رہے تھے۔

"او کے... سر!" وہ بولی "میں آجاتی ہوں۔"

"تھینک یو ڈاکٹر شہلا!" انہوں نے ممنونیت سے کہا۔

"اٹس او کے!" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

پندرہ منٹ سے بھی کم وقت میں تیار ہو کر وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ سامنے کھڑی فردوس بیگم نے بے حد کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

تیز گلابی شرٹ کے ساتھ سفید شلوار دوپٹے میں کھلی کھلی سی بہو انہیں ذرا متاثر نہ کر سکی تھی۔ سفید پرس کندھے پر لٹکائے وہ ان کے قریب آ رکی۔

"آنٹی... ! میں ذرا ہاسپٹل جا رہی ہوں۔"

"جہاں مرضی آؤ جاؤ..." وہ نخوت سے بولیں "اجازت کی تو تم نے کبھی ضرورت محسوس ہی نہیں کی... رہی بات اطلاع کی تو اس کی ضرورت ہم محسوس نہیں کرتے۔"

"آنٹی... ! ایمرجنسی ہے۔ ہاسپٹل سے فون آیا تھا۔" وہ نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔ "ورنہ آپ جانتی ہیں میں ابھی آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی کر کے آئی ہوں۔"

"ارے ہم سب جانتے ہیں۔ تم کیا سمجھا رہی ہو۔" وہ ہنسا کر بولی تھیں "وہاں سے آٹھ گھنٹے بعد لوٹو تو اپنے میکے چلی جانا... یہ تو تمہارا بس اڈہ ہے کھانے پینے کا ٹھکانا!" شہلا کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"آنٹی... ! آپ زیادتی کر رہی ہیں۔"

"ہماری مجال!" انہوں نے سر جھٹکا۔ "جتنے اونچے گھر سے آئی ہو اس سے اونچا جانتے ہیں تمہیں ہم اور تم خود اس سے بھی اونچا جانتی ہو۔"

"آپ سے بات کرنا فضول ہے۔" شہلا کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"کیا کہا؟" وہ چلا ئیں۔ "آنے دو ہاشم کو۔ پوچھتی ہوں میں، یہ کیسی بہو میرے سر پر لا بٹھائی ہے۔ ڈاکٹر نہ ہوئی کوئی... ہوئی کہیں کی۔ ہم کوئی باز پرس بھی نہیں کر سکتے۔ لگتا ہی نہیں کہ ماں باپ نے کبھی کوئی تربیت کی ہے۔"

شہلا کو اپنے پیچھے سے مسلسل ان کی آواز آ رہی تھی لیکن وہ سنی ان سنی کر کے چلتی چلی گئی۔ اسے اپنے دماغ میں دھماکے ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے اپنے گھر کا ماحول اس قدر شائستہ اور سلجھا ہوا تھا کہ ایسی کسی بدلحاظی کا اس نے سوچا تک نہ تھا۔

گاڑی کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند کر کے وہ چند لمحوں کے لیے یونہی بیٹھی رہی۔ کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی تھی!

☼ ☼ ☼

وردہ اس سے ملنے آئی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں گلابی پھولوں کا بہت خوب صورت بکے تھا۔ ربیعہ کی طبیعت خوشگوار ہو گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری...؟"

"بالکل ٹھیک ہوں..." ربیعہ نے پھول لیتے ہوئے مسکرا کر کہا "چلو اسی بہانے تم ملنے تو آئیں۔"

"مجھے افسوس ہے ربیعہ!" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ "پچھلے کچھ دن اتنے مصروف گزرے کہ میں تمہیں فون تک نہ کر سکی... اور پھر رافع نے مجھے تو اس حادثے کے متعلق کچھ بتایا بھی نہیں تھا... مجھے تو ثانیہ نے بتایا، آج صبح ہی۔"

"ایسی کوئی بڑی بات ہوئی نہیں جسے خاص طور پر یاد رکھا جاتا یا اس کا ذکر کیا جاتا!" ربیعہ ہلکے پھلکے' شگفتہ سے انداز میں بولی۔

"شکر ہے خدا کا کہ کوئی بڑی بات نہ ہوئی!" وردہ نے اس کا بغور جائزہ لیا پھر اس کے قریب پڑی اسٹک کو دیکھا۔

"اور یہ اسٹک کیسی؟"

"ٹخنے کی ہڈی میں ذرا سی تکلیف ہے..... چلتے وقت سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' بس اسی لیے۔"

"کسی اسپیشلسٹ کو دکھانا تھا ربیعہ!" وردہ فکر مندی سے بولی۔ "ایسی باتوں کو معمولی نہیں لیا کرتے۔"

"ہاں۔ انیقہ مجھے لے گئی تھی زبردستی..... ایکسرے وغیرہ بھی کروالیا ہے' سب ٹھیک ہے!"

"کل سے یونیورسٹی بھی کھل رہی ہے' کیا ارادے ہیں؟"

"ایک دو دن تو نہیں جا سکتی!" ربیعہ بے چارگی سے بولی "جیسے ہی اس اسٹک سے جان چھوٹے گی۔ میں تیار ہو جاؤں گی۔ لیکن پلیز وردہ! میرے لیے نوٹس وغیرہ بنا لینا لیکچرز کے' ورنہ میرا بہت حرج ہو گا!"

"تم بے فکر رہو ربیعہ! یہ بھی بھلا کہنے کی بات ہے۔" وردہ نے محبت سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ربیعہ چند لمحوں کے لیے اس کی جانب دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ وردہ کے چہرے پر جو روشنی تھی' وہ اس کی بہترین طبیعت اور بے پایاں خلوص کا مظہر تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہمہ وقت دیے جلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے اور لبوں کا تبسم جادوئی کیفیت رکھتا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو..... اس قدر محویت سے؟" وردہ نے اس کا ایک ٹک دیکھنا محسوس کر کے کہا۔

ربیعہ چونک اٹھی پھر وہ ایک گہری سانس بھر کر مسکرا دی تھی۔

"کچھ نہیں!" وہ دھیرے سے بولی "سوچ رہی تھی' بہت خوش قسمت ہو گا وہ شخص' جس کے نصیب میں اللہ نے تمہاری بے پایاں محبت درج کی ہو گی!"

وردہ نے چند لمحوں کے لیے کچھ سوچا پھر مسکرا کر سر جھکا لیا۔ ربیعہ نے اس کے ہاتھ کو دھیرے سے دبایا۔ اس دن وردہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھی تھی۔ دونوں سہیلیاں آپس میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھیں۔ پھر وردہ کو وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اب چلوں گی ربیعہ..... !"

"بہت اچھا لگا تمہارا آنا..... " ربیعہ خلوص اور محبت سے مسکرائی "آتی رہا کرو نا۔"

"چلو باریاں لگا لیتے ہیں' اب کے تمہاری باری ہے!" وردہ شوخی سے ہنسی۔

"منظور ہے..... " ربیعہ بھی ہنس دی۔

"میں منیزہ آنٹی سے دعا سلام کر لوں پھر چلوں گی۔" وردہ کمرے سے نکلتے ہوئے بولی۔ تب ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ منیزہ بیگم کی ہمراہی میں فریش سا رافع آ رہا تھا۔ سفید' بے داغ شرٹ اور مسٹرڈ کلر جینز میں وہ بے حد خوبرو نظر آ تا تھا۔ وردہ اپنی جگہ پر کھڑی اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ رافع کے ہاتھوں میں سفید گلابوں کا بڑا سا گلدستہ تھا۔

"ارے!" رافع اسے دیکھ کر رک گیا "وردہ..... تم!"

نجانے کیوں وردہ نے محسوس کیا کہ اسے دیکھ کر رافع کا روشن چہرہ قدرے بجھ سا گیا تھا۔

"جی..... میں ربیعہ کی خیریت پوچھنے آئی تھی۔" وہ دھیمے سے بولی "ثانیہ سے پتہ چلا تھا کہ ربیعہ کا معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا' مل آؤں!"

اس کی نگاہ رافع کے ہاتھوں میں موجود گلدستے پر تھی۔ سفید گلاب بے حد تازہ اور بہت خوب صورت محسوس ہو رہے تھے۔ وردہ کا جی ان پر ہاتھ پھیرنے کو چاہا۔

"ہاں۔۔۔ اچھا کیا۔" رافع قدرے غائب دماغی سے بولا "میں بھی۔۔۔ میں نے بھی سوچا۔۔۔ دراصل اس دن میں بھی ادھر سے ہی گزر رہا تھا۔"

"اچھا آنٹی! میں اب چلوں گی!" وردہ نے اپنی توجہ گلدستے پر سے ہٹا کر منیزہ بیگم کو دیکھا۔

"آتی رہا کرو بیٹی۔۔۔! ربیعہ کا بھی دل لگ جاتا ہے۔۔۔ انیقہ کو تو اپنی پڑھائی سے ہی فرصت نہیں ملتی۔۔۔ گھر میں رہ کر بھی اس کا پتا ہی نہیں چلتا میں اور ربیعہ ہی ایک دوسرے کی تنہائی کے ساتھی ہیں۔"

"جی!" وردہ مسکرائی۔

نہ جانے کیوں رافع کو اس کی مسکراہٹ بے حد بجھی بجھی سی محسوس ہوئی تھی۔ وردہ اس کے قریب سے نکل کر آگے بڑھ گئی تب وہ چونکا۔

"ربیعہ۔۔۔!" منیزہ بیگم اس کے کمرے کے دروازے پر اسے پکارنے لگیں "یہ رافع آیا ہے تمہاری طبیعت کا پوچھنے۔"

اندر بیٹھی ہوئی ربیعہ بری طرح سے چونکی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنا دوپٹہ ٹھیک کیا۔

"اندر آجائیں رافع۔۔۔!" رافع کو سامنے کھڑا دیکھ کر بولی۔

"کیسی ہیں آپ!" اس نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

"شکر ہے اللہ کا۔۔۔ بالکل ٹھیک ہوں۔"

رافع نے گلدستہ اس کی جانب بڑھایا۔ ربیعہ نے اسے تھام لیا۔

"اوہ۔۔۔" وہ بے ساختہ بولی۔ "کتنے خوب صورت پھول ہیں۔ ابھی وردہ بھی میرے لیے بہت اچھے پھول لائی تھی۔"

رافع نے اس کی نظروں کے تعاقب میں گلابی پھولوں والے بکے کو دیکھا۔ ربیعہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے لائے ہوئے پھول، وردہ کے پھولوں کے برابر میں رکھ دیے۔

"آپ کو چوٹ وغیرہ تو نہیں آئی تھی زیادہ۔۔۔" رافع خود کو قدرے غائب دماغ محسوس کر رہا تھا۔

"آئی تو تھی لیکن بچت ہو گئی۔۔۔" ربیعہ دھیمے سے ہنسی۔ "ہڈیوں پسلیوں کی۔"

"آپ۔۔۔ روڈ ہمیشہ ایسے ہی کراس کرتی ہیں؟"

"اگر ایسا ہوتا تو میری کوئی ہڈی سلامت نہ ہوتی۔" ربیعہ شگفتگی سے ہنسی۔ "سب میں کریک ہوتے۔۔۔ دراصل میں ایک کتے سے ڈر کر بھاگی تھی۔ جو شاید مجھے کاٹنے کے ارادے سے بڑی تیزی سے میری سمت آرہا تھا۔ مجھے تو اب پارک کے خیال سے ہی خوف آرہا ہے۔"

"تنہا کیوں جاتی ہیں۔۔۔" وہ بے خیالی سے بولا "کسی کو ساتھ لے لیا کریں۔"

اس نے نجانے کس سوچ کے تحت کہا تھا لیکن ربیعہ چند لمحوں کے لیے خاموش سی ہو گئی۔

"اپنا خیال رکھا کریں۔" وہ پھر اسی انداز سے بولا۔

پھر یکایک وہ چونک کر کھڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال کر اس نے گہری سانس بھری اور جیسے حواسوں میں آتے ہوئے خوش دلی سے مسکرا دیا۔

"میں اب چلوں گا۔۔۔"

"ارے۔۔۔" ربیعہ بھی چونک اٹھی۔ "اس طرح کیسے جا سکتے ہیں آپ۔ میرا خیال ہے امی چائے بنا رہی ہیں۔"

"میرا مقصد آپ کی عیادت کا تھا سو پورا ہوا، چائے پینے پھر کسی دن حاضر ہوں گا!" وہ شرارتاً بولا۔

"پھر آنے کا بہانا؟" نجانے کس رو میں ربیعہ کہہ بیٹھی۔

رافع حیران سا ہوا۔ ربیعہ بے حد خفت زدہ ہو گئی تھی۔ جو کچھ لبوں سے بے اختیار اور بے سبب ہی نکل گیا تھا۔ ذہن میں کہیں اس کا نشان نہ تھا نجانے کیسے وہ کہہ بیٹھی تھی اور اب جی بھر کر شرمندہ ہو رہی تھی۔

"خدا حافظ!" وہ دھیمے سے کہہ کر نکل گیا۔

"خدا حافظ!" ربیعہ کے بھی ہونٹ ہلے تھے۔



کمرے کی لائٹ آف کر کے اس نے بے حد مدھم آواز میں ریڈیو لگایا ہوا تھا۔ ریڈیو پر لیٹ آورز کا غزل پروگرام چل رہا تھا۔ ہر چند کہ یہ کام اس کی طبیعت اور مزاج سے میل نہ کھاتا تھا پھر بھی نجانے کیوں آج ناعمہ کا دل آدھی رات کو موسیقی سے لطف اندوز ہونے پر آمادہ تھا۔ کھلے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وہ مسلسل زندگی کے نئے رخ اور نئے حالات کے متعلق سوچ رہی تھی۔ واقعات میں اتنا الجھاؤ اور اتنی گتھیاں تھیں کہ انہیں سلجھانا اسے اپنے بس کی بات نہ لگتی تھی۔

آج اس نے فراز کا بے حد خوب صورت روپ دیکھا تھا۔ اس کی بہت اچھی باتیں سنی تھیں۔ اب تک وہ اس سے جس انداز سے مخاطب ہوتا آیا تھا اور جن نظروں سے اسے گھورا کرتا تھا، اس سے ناعمہ کے دل میں اس کی طرف سے گرہیں پڑ گئی تھیں لیکن آج! اس کا آج کا وہ نرم، مسکراتا روپ اس کے دل میں کھب گیا تھا۔

کتنا اچھا لگ رہا تھا وہ۔۔۔ رابعہ بیگم سے بات کرتے ہوئے۔۔۔ ناعمہ کے دل نے اس کی پچھلی سب خطائیں بخش دی تھیں۔ آج پہلی مرتبہ دل نے اسے اس رشتے کی بابت پہچانا تھا جو تقدیر نے ان دونوں کے درمیان قائم کیا تھا۔

ناعمہ کا جی چاہا، آج وہ اسے فون کرے۔ اس سے بات کرے۔ اس سے پوچھے کہ وہ کیوں اس کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔

ناعمہ کو علم تھا کہ اس کی منگنی ہونے میں فراز کے فیصلے کا عمل دخل تھا۔۔۔ اس کے باوجود وہ اس سے بات کرتا تھا تو اس کے لہجے سے تپش پھوٹتی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ کبھی اسے فون پر بلواتا ہے، کبھی اپنے ساتھ باہر لے جانے کا متمنی ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ بات کرتے ہوئے عجیب طنزیہ انداز روا رکھتا تھا۔ اسے عجیب نگاہوں سے گھورتا تھا جیسے کسی مجرم کو دیکھ رہا ہو۔۔۔ بھلا ایسا کیوں تھا؟

وہ بے طرح الجھ کر رہ گئی تھی۔ وہ شخص کیا چاہتا تھا، کیا سوچتا تھا، کیا جاننا چاہتا تھا۔ اس کے لفظوں کی بازگشت اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

"آواز پہچانی نہیں۔۔۔ یا پھر آواز پہچان کر یہ حال ہوا ہے؟"

"تم کیا گلٹ فیل کر رہی ہو؟"

"یہ نیا نمبر کیوں لیا گیا ہے؟ وہ پچھلا نمبر اب کس کے پاس ہے؟"

ناعمہ کو عجیب سے احساس نے آگھیرا۔ وہ لیٹی ہوئی تھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

نور جہاں کی آواز ریڈیو سے ابھری تھی۔ بے حد خوب صورت غزل بے حد خوب صورت انداز میں گائی جا رہی

تھی۔ ناعمہ سب کچھ بھول بھال کر غزل کی طرف متوجہ ہو گئی۔

بیٹھ کر سایہ گل میں ناصر
ہم بہت روئے، وہ جب یاد آیا

آخری شعر پر ناعمہ کی آنکھوں میں نجانے کیوں آنسو بھر آئے۔ شاید یہ نور جہاں کی آواز کی گہرائی کا اثر تھا یا پھر لفظوں کی سچائی کا۔ اس نے انگلی کی پور سے آنسو صاف کیے۔

یکا یک اسے کچھ یاد آنے لگا۔ کوئی بات بے چین کرنے لگی۔ اس نے سوچا، غور کیا۔ کیا بات تھی؟ اسے اس غزل سے عریشہ کیوں یاد آنے لگی تھی؟

تب ایک ایک کر کے بہت سی باتیں، بہت سی یادیں کسی البم کی طرح اس کے ذہن میں کھلنے لگیں۔ اسے بہت سے پے در پے واقعات تفصیل سے یاد آئے۔

عریشہ کا اس سے یہ غزل مانگنا..... اس کا ہر روز کھویا کھویا سا انداز۔ کبھی اداسی، کبھی بے پناہ خوشی۔ اس کا نافع سے منگنی ہو جانے پر شدید احتجاج۔ ہر شخص، ہر شے سے روٹھ جانا۔ ناعمہ کا سانس تیزی سے چلنے لگا تھا۔ اس کا ذہن آج شاید ہر راز سے پردہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اپنے ذہن کی ایسی مثالی کارکردگی سے وہ خود ناواقف تھی!

ورنہ تو اسے نہایت کم عقل اور بدھو گردانتی تھی۔ رائمہ اسے معصوم اور سیدھی سادی کہا کرتی تھی۔ ثانیہ اسے کوئی عقل کی بات کہتا دیکھتی تو فرطِ حیرت سے دانتوں میں انگلی دبا لیتی تھی اور آج ناعمہ کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس نے کسی بڑے راز سے پردہ اٹھا لیا تھا۔ جیسے اس نے وہ سمجھ لیا تھا جو اب تک کسی کی سمجھ میں نہ آسکا تھا۔

لیکن اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ وہ یہ سب کچھ سمجھ کر کس ردِّعمل کا مظاہرہ کرے؟ لیکن کیا جو کچھ اس نے سمجھا تھا، وہ واقعی درست تھا؟ سچ تھا؟ یا پھر لوگوں کی اس کے بارے میں رائے بے حد واثق تھی..... جو ربط اس نے بنایا تھا۔ وہ اس کی کم عقلی کا مظہر تھا؟ اس کی انتہا درجے کی حماقت کا کرشمہ؟

ناعمہ کو ابھی اس گتھی کو سلجھانا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کئی ارادے باندھنے لگی تھی۔



چہرے پر پانی کے چھپاکے مارتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل الفاظ کے چناؤ میں مصروف تھا۔ اس نے جو کچھ سوچا تھا وہ اس کے لیے تو بے حد واضح تھا لیکن فریق ثانی کا ردِّعمل کیا ہو سکتا تھا اور کیا نہیں..... وہ اس سلسلے میں کچھ بھی کہنے سے قاصر تھی!

واش روم سے نکل کر وہ تولیہ سے چہرہ تھپکتی ہوئی بیڈ پہ آبیٹھی۔ ہاشم اپنی جگہ پر نیم دراز تھا۔ ایک بازو اس نے آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔

شہلا کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اسے احساس ہوا کہ آج ہاشم ضرورت سے زیادہ خاموش تھا۔ اس نے شہلا کی چند باتوں کے جواب میں سنجیدگی سے چند الفاظ ہی استعمال کیے تھے اور خود سے کوئی بات اب تک نہ کی تھی۔

شہلا اور ہاشم کمرے میں ہوتے تو ہاشم کی توجہ مسلسل اس پر مرکوز رہا کرتی تھی اور موڈ بے حد خوشگوار ہوتا تھا۔ وہ شگفتگی سے اکثر اس کی بے توجہی پر فقرے کسا کرتا تھا۔ آج معاملہ بے حد برعکس تھا۔ شہلا اس کی جانب متوجہ تھی اور وہ آنکھوں پہ بازو رکھے نجانے سو رہا تھا یا کچھ سوچ رہا تھا۔

شہلا نے ہولے سے کھنکھار کر اسے متوجہ کرنا چاہا لیکن نتیجہ حسبِ توقع برآمد نہ ہوا۔

"ہاشم!" اس نے پکارا۔

"ہوں!" وہ اسی انداز میں لیٹے لیٹے بولا۔ بازو ہٹا کر اس نے شہلا کی جانب نہ دیکھا تھا۔ شہلا کے دل کو کچھ ہوا۔

چوٹ سی لگی۔

"آپ سو رہے ہیں؟"

"نہیں!" واضح جواب آیا تھا۔

"پھر.... ایسے کیوں لیٹے ہیں؟"

"بس.... یونہی۔"

شہلا کچھ سوچنے پر مجبور ہوئی۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے غور کیا پھر بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"آپ سے.... کسی نے کچھ کہا ہے میرے بارے میں؟" ہاشم نے بازو ہٹایا اور اسے غور سے دیکھا۔

"مثلاً".... کس نے؟"

"آپ کی امی نے؟" وہ قدرے بے رخی سے بولی۔

ہاشم اس کی بات پر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"شہلا.... !"

"جی؟"

"تم صرف "امی" بھی کہہ سکتی ہو "آپ کی امی" کہنا کچھ معنی رکھتا ہے۔ شاید تم انہیں اپنی ماں نہیں سمجھتیں...."

شہلا خاموش ہو کر انگلی سے بستر کی چادر پر لائنیں کھینچنے لگی۔

"انہوں نے شاید آپ سے میری شکایت کی ہے۔" پھر وہ بولی تھی "اور آپ مجھ سے کچھ بھی پوچھے بنا کوئی بھی وضاحت مانگے بغیر یوں خفا ہو کر لیٹے ہوئے ہیں۔ اٹس ناٹ فیئر ہاشم!"

"تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے خفا ہوں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولا۔ "اور کیا وضاحت مانگوں تم سے؟ میں نے تو تم سے کبھی کسی بھی بات کی وضاحت نہیں مانگی۔ شاید مجھے وضاحتیں طلب کرنے کی عادت نہیں ہے۔"

"خفگی کا اظہار صرف لفظوں سے نہیں ہوتا ہاشم....! اگر آپ نہ بھی کہیں تب بھی میں سمجھ سکتی ہوں.... اور آپ کو وضاحت طلب کرنے کی عادت نہیں ہے تو مجھے بھی صفائیاں پیش کرنے کی عادت کبھی نہیں رہی لیکن میاں بیوی کو دل کی باتیں کر لینی چاہئیں ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔"

ہاشم اس کی بات پر اسے بہت دیر تک دیکھتے پر مجبور ہوا تھا۔

"یہ.... تم کہہ رہی ہو شہلا؟"

"آپ کے انداز میں شکایت کیوں ہے؟" شہلا نے ابرو چڑھایا۔ ہاشم نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"کیا آپ کے دل میں بھی میرے لیے شکایت ہے؟" شہلا نے پوچھا تھا۔

ہاشم خاموش رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا' وہ اس کی بات کے جواب میں کیا کہے۔

"بتائیں ہاشم؟" وہ جاننے پر مصر تھی۔

ہاشم کو بہت پہلے رافع سے کی گئی اپنی گفتگو یاد آئی۔

"ڈاکٹر صاحبہ سے کوئی شکایت؟" رافع نے پوچھا تھا۔

"او نہیں یار....! شکایت تو جب بھی ہوئی' اپنے آپ سے ہوگی!" اس نے کہا تھا۔ وہ گہری سانس بھر کر خود میں لوٹا۔ وہ شاید اپنے کہے سے پھر رہا تھا۔

شہلا اپنی بات کا کوئی جواب نہ پا کر اب سنجیدگی سے کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

"ہاشم! میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں' آپ سے امید ہے۔ آپ میرا مسئلہ برا مانے بغیر حل کریں گے۔"

"ہاں کہو کیا بات ہے ایسی....؟" وہ سب کچھ بھول کر اب اس کے مسئلے کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

"میں علیحدہ گھر لینا چاہتی ہوں۔" وہ قدرے رک کر بولی۔

"علیحدہ گھر؟" ہاشم کی سمجھ میں کچھ نہ آیا "کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ.... میں میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہاں سب لوگوں کی مینٹیلٹی مختلف ہے۔ میری سوچ بے حد مختلف ہے۔ میں' میں یہاں رہوں گی تو میرا دم گھٹ جائے گا۔ آپ' آپ پلیز میرا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔" ہاشم ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہ آرہا تھا کہ شہلا آخر اس سے کہہ کیا رہی ہے۔

"شہلا! کیا کیا چاہتی ہو تم؟" وہ اٹکتے ہوئے بولا تھا۔

"میں چاہتی ہوں کہ میں اور آپ علیحدہ الگ گھر میں رہیں اور اور عمر ہمارے ساتھ رہے۔"

"اوہ!" ہاشم نے گہرا سانس لیا "تو یہ بات ہے!"

"پلیز ہاشم.... میری اس درخواست کو لائیٹلی نہ لیجیے گا۔ میرے لیے یہ ایک بہت بڑی پرابلم بنتی جارہی ہے اسے سولو (Solve) کرنے کی کوشش کریں پلیز!"

وہ ملتجیانہ انداز میں بولی تھی۔ ہاشم سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بے حد خاموش خاموش سی بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔ وردہ نے چپکے سے آکر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ رابعہ بیگم نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہیں اکیلے اکیلے...."

"آؤ.... بیٹھو میرے پاس۔ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کیا سوچ رہی ہوں...."

وردہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

رابعہ بیگم چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے وردہ کی جانب نگاہ کی۔

"وردہ بیٹی! ایک بات کہوں۔"

"لیجیے.... اب یہ اجازت کیوں درکار ہوئی۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"سوچتی ہوں..... تمہارے دل کو شاق نہ گزرے....."

"اوفوہ....." اس نے برا سا منہ بنایا۔ "امی! پلیز ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ کہیں کیا کہہ رہی تھیں؟"

"وردہ..... بیٹی! میں سوچتی ہوں جس طرح فراز' فریحہ کو سامنے لا کر کبھی ناعمہ سے بات کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے' کبھی اسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا ہے تو کیا یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے' اس سے یہ بہتر نہیں کہ ہم جلد از جلد ناعمہ کے فرض سے سبکدوش ہو جائیں؟"

"واہ....." وہ خوش ہو گئی۔ "یہ تو آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی!"

"لیکن بیٹی! تم ناعمہ سے بڑی ہو۔ پہلا حق تمہارا بنتا ہے۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی تھیں۔ "کیا یہ بات تمہارے لیے ناگوار نہ ہوگی؟"

"ارے جانے دیں امی! یہ پرانے زمانے کی باتیں۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی "مجھے شادی کی نہ کوئی خواہش ہے نہ ہی جلدی۔"

"یہی رافع کہتا ہے....." وہ فکرمندی سے بڑبڑائیں "آخر بات کیا ہے؟"

"آپ' آپ کہیں تو میں ناعمہ سے بات کروں....." وہ جلدی سے بول پڑی۔ "آخر ہمیں اس کی رائے بھی معلوم کرنا چاہیے۔"

"میرا خیال ہے میں عذرا بھابی سے بات کروں....." رابعہ بیگم کا ذہن اب دوسری جانب ہی جا نکلا تھا۔ "میں' میں تم دونوں کے فرض سے ایک ساتھ سبکدوش ہو جاؤں' یہ بہت بہتر رہے گا۔ نجانے کل کو..... پتا نہیں کیوں میرا دل خوف زدہ سا رہتا ہے!"

"بے وجہ کے توہمات کا شکار نہ رہا کریں امی!" وہ آہستگی سے بولی۔ "جو تقدیر میں رقم ہوا اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ انسان کو اپنے معاملات خدا کے حوالے ہی رکھنے چاہئیں' خود کو خدشات کے حوالے کرنے سے محض پریشانیاں ہی حاصل ہوتی ہیں!"

رابعہ بیگم نے اپنی سوچوں سے نکل کر اسے دیکھا پھر وہ مسکرا دیں۔

"بہت سمجھ دار ہے میری بیٹی!" وہ محبت سے بولی تھیں۔ "خوش رہو۔ اللہ تمہیں ہر طرح کی خوشیاں دکھائے۔ آمین!"

وردہ نے پھر اپنے بازو ان کے گلے میں حمائل کر دیے تھے!



فون کی گھنٹی دیر سے بج رہی تھی۔ ربیعہ نے اپنے کمرے سے نکل کر دیکھا۔ لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا۔ منیزہ بیگم شاید نہا رہی تھیں۔ وہ اسٹک کے سہارے چلتی ہوئی فون تک آئی تھی۔

"ہیلو....." اس نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو....." دوسری جانب سے خوب صورت بھاری آواز ابھری تھی "مس ربیعہ بات کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں!" وہ قدرے الجھی۔ "ربیعہ ہی بات کر رہی ہوں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

"امیر حسن مخاطب ہوں' آپ کا مجرم!" وہ دھیرے سے ہنسا تھا۔

(باقی انشاءاللہ آئندہ ماہ)

دسویں قسط

ربیعہ نے قدرے غائب دماغی سے چند لمحوں کے لیے غور کیا تھا۔ فوری طور پر اسے وہ نام شناسا تو محسوس ہوا لیکن مکمل طور پر کچھ یاد نہ آسکا۔

"امیر حسن؟" وہ بڑبڑائی۔

"شاید آپ پہچانی نہیں، حالانکہ میں اپنا تعارف ایک مجرم کی حیثیت سے کروا بھی چکا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

تب ہی اچانک اسے امیر حسن بھی یاد آگیا اور اپنے ٹخنے کا درد بھی۔

"اوہ...کیسے ہیں آپ۔" وہ نجانے کیوں شرمندہ سی ہوئی۔

"یہی پوچھنے کے لیے تو میں نے فون کیا ہے۔" وہ ہنس دیا۔ "یہ بتائیں کہ آپ کیسی ہیں، آپ کا پیر ٹھیک ہوگیا؟ عباد بتا رہا تھا کہ آپ کو چلنے میں کچھ پرابلم ہو رہی ہے۔ میں تو یہ سن کر بے حد پشیمان ہوا۔ مس ربیعہ! ایک بار پھر بے حد معذرت چاہتا ہوں۔"

"ارے امیر حسن صاحب! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" ربیعہ فوراً بولی تھی۔ "میں بھی جانتی ہوں اور آپ بھی کہ... قصور صرف اور صرف میرا تھا۔ میں ہی اندھا دھند بھاگتی ہوئی آپ کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔"

"آپ خوامخواہ الزام اپنے سر لے رہی ہیں۔" وہ شگفتگی سے بولا۔ "حالانکہ اصل قصوروار تو وہ پارک کا کتا ہے۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے اس کا؟"

ربیعہ کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ وہ اپنی ہنسی پر قابو نہ پا سکی۔

"میں نے کتے کا نام بھی بتایا تھا؟ شاید میرے اوسان کچھ زیادہ ہی خطا ہوگئے تھے۔" دوسری جانب امیر حسن بھی ہنسنے لگا تھا۔ اس کی ہنسی میں شگفتگی اور دوستانہ پن تھا۔ ربیعہ کو احساس ہوا کہ وہ ایک متوازن اور خوبصورت شخصیت کا مالک ہے۔

"اوسان تو آپ نے میرے خطا کردیے تھے۔ عین ممکن تھا کہ کوئی پتھر مار کر میرا سر ہی پھوڑ ڈالتا۔ شکر ہے گواہی دینے کے لیے آپ ہوش و حواس میں تھیں۔"

ربیعہ قدرے جھینپ گئی۔

"مجھے مزید شرمندہ نہ کریں۔ اب جانے بھی دیں اس ذکر کو۔"

"چلیں جانے دیتے ہیں۔" وہ فوراً ہی بولا۔ "اب اجازت دیجیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی دن حاضر ہوں گا۔ آنٹی کو میرا سلام کہیے گا۔"

"جی ضرور..." ربیعہ بولی۔

"خدا حافظ۔" اس نے سلسلہ منقطع کردیا۔

ربیعہ ریسیور تھامے کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔



"ہاشم بھائی... میں نے آپ سے سمسٹر کی فیس کے لیے کہا تھا۔"

بریف کیس بند کرتا ہوا ہاشم چونک اٹھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ حمزہ شاید یونیورسٹی جانے کے لیے ہی تیار کھڑا تھا۔ ہاشم کو یاد آیا کہ اس نے دو دن پہلے ہاشم سے اپنے سمسٹر کی فیس کا ذکر کیا تھا۔

ہاشم کو قدرے شرمندگی ہوئی۔ اس سے پیشتر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ کسی بھائی کو اپنی کسی ضرورت کا ذکر دوسری مرتبہ کرنا پڑا ہو۔ وہ اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرنا اپنی پہلی ترجیح سمجھتا تھا لیکن پچھلے کچھ دنوں سے وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب سا تھا۔ اسے بہت سی باتیں بھول جاتی تھیں۔

"سوری حمزہ... یار! مجھے یاد ہی نہیں رہا۔" وہ پشیمانی سے بولا۔ پھر اس نے اپنی چیک بک نکالی اور چیک کاٹ کر حمزہ کی جانب بڑھا دیا۔

"علی کو بھی تو فیس جمع کروانی ہوگی؟"

"اس نے بابا سے لے لیے تھے۔" وہ مسکرایا۔ "مجھے تو آپ ہی سوٹ کرتے ہیں ان کاموں کے لیے۔ بہت سے غیر دلچسپ سوالات کے جواب نہیں دینا پڑتے۔" ہاشم بھی مسکرا دیا۔

"میں بھی کسی دن بابا جانی کا روپ دھار سکتا ہوں۔ ہشیار رہنا۔"

"میں اس دن سلیمانی ٹوپی پہن کر آؤں گا۔" حمزہ بے ساختہ بولا۔

ہاشم نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ حمزہ مسکراتا ہوا کمرے سے نکلا تھا۔

ہاشم بریف کیس اٹھا کر کھڑا ہوا، تب ہی ڈریسنگ روم سے شہلا نکلی تھی۔ وہ بھی بالکل تیار تھی۔

"آپ مجھے بھی ڈراپ کردیجیے گا۔ آج تو ٹائمنگز تقریباً ایک سی ہیں۔ واپسی بھی ساتھ ہو جائے گی۔"

"ضرور۔" ہاشم مختصراً بولا۔

"ناشتہ میں تیار کرکے آئی تھی اوپر۔" شہلا نے ایک نگاہ اس کے سنجیدہ سے چہرے پر ڈالی۔ "چلیں میں آپ کے لیے چائے پھر سے بنادوں۔"

"نہیں۔" ہاشم نے گھڑی دیکھی۔ "میں پھر لیٹ ہو جاؤں گا۔ تم ساتھ چل رہی ہو تو میں چائے آفس میں ہی لوں گا۔"

"اگر ایسا ہے تو میں اپنی گاڑی میں چلی جاتی ہوں۔" شہلا فوراً بولی۔ "آپ خالی پیٹ نہ جائیں، آرام سے ناشتہ کرکے نکلیں۔ میری وجہ سے آپ لنچ تک بھوکے ہی رہیں گے۔"

"آپ کی وجہ سے تو ہم عمر بھر بھوکے رہ سکتے ہیں مادام!" ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔ "چلیے اب۔ اتنا تکلف نہ برتا کریں کہ بیوی کے بجائے پڑوسن معلوم ہوں۔"

شہلا نے حیران ہو کر اس کی صورت دیکھی۔ اس کے الفاظ میں شگفتگی لیکن لہجہ ہلکا سا طنز لیے ہوئے تھا۔ شہلا کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہاشم مذاق کر رہا ہے یا طنز۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ہاشم کے پیچھے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کا ذہن اب تک اس کے لفظوں میں الجھا ہوا تھا۔

"آپ کی وجہ سے تو ہم عمر بھر بھوکے رہ سکتے ہیں مادام۔"

شہلا کو خوشگوار سا احساس بھی ہوا۔ کتنے ہی دن سے وہ کچھ سنجیدہ اور اداس سا تھا۔ اس نے شہلا سے کوئی محبت بھری بات، کوئی دل لبھاتا جملہ نہ کہا تھا۔ آج اس کے لبوں سے ایسی بات سن کر اسے اچھا لگا تھا۔ ہرچند کہ ذہن میں اس کے لطیف طنز کا احساس بھی پھانس بن کر چبھا تھا۔

گاڑی آگے بڑھی تو شہلا نے کھنکھار کر جیسے کسی بات کے لیے خود کو تیار کیا تھا۔

"ہاشم... میں نے... آپ سے ایک درخواست کی تھی۔" وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی۔

ہاشم نے کچھ دیر اس کی بات کا جواب نہ دیا تھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ شہلا نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں ہاشم!"

ہاشم نے گہری سانس بھرتے ہوئے موڑ کاٹا تھا۔

"اسی کا جواب دینے کے لیے مناسب لفظوں کا چناؤ کر رہا تھا۔" وہ بولا۔

"مناسب لفظ؟" شہلا چونکی۔ "مناسب لفظ تو کسی معذرت یا انکار کے لیے ڈھونڈے جاتے ہیں۔"
ہاشم پھر کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نرم لہجے میں بولا۔
"تم نے جو فرمائش کی تھی شہلا! میں اس کے جواب میں معذرت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں پاتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ تم میرا پوائنٹ آف ویو نہ سمجھ سکو لیکن میرا خیال یہ ہے کہ میں اپنے گھر کا سب سے مضبوط ستون ہوں۔ فی الحال اس فیملی کی عمارت کا بوجھ زیادہ تر میرے کاندھوں پر ہے۔ ایسی صورت میں....."
"میرا نہیں خیال ہے کہ میرا پوائنٹ آف ویو آپ نہیں سمجھ سکے۔" شہلا مدھم لیکن قدرے تیز لہجے میں بولی تھی۔
"آپ اگر معاشی مسائل کے حوالے سے بات کر رہے ہیں ہاشم! تو میں نے آپ سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کی معاشی سرپرستی سے ہاتھ اٹھا لیں' نہ ہی میں نے اپنے اخراجات میں اضافے کی بات کی تھی۔ میں نے اپنے لیے ایک علیحدہ رہائش کی بات کی تھی لیکن میرا مقصد آپ کے مسائل میں اضافہ کرنا نہیں تھا۔ خدا کا فضل و کرم ہے میرے اخراجات کے لیے میری اپنی آمدنی کافی ہے۔ میں صرف اپنے ذہنی سکون اور ارتکاز کی بات کر رہی تھی۔ اس گھر میں میری سوچ نجانے کتنے پہلوؤں میں سفر کرتی ہے۔ میں مسلسل ٹینشن کا شکار ہوں۔ ایک ماں ہوتے ہوئے میں اپنے بیٹے کی آمد پر ایک خفت سے دوچار ہو جاتی ہوں۔ آپ مجھ سے محبت کا دعوا کرتے ہیں لیکن اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔ اگر ہم قریب ہی کوئی گھر لے کر وہاں شفٹ ہو جاتے ہیں تو اس میں کون سی برائی ہے؟"
"سوچنے کی حد تک تو سب ٹھیک ہے شہلا! لیکن ایک بات سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔ تم بھی میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں اس گھر کا بڑا بیٹا ہوں۔ صرف معاشی مسائل کی بات نہیں ہے اور بھی کئی ذمہ داریاں ایسی ہیں جو علیحدہ ہونے کی صورت میں' میں احسن طریقے سے نہ نبھا پاؤں گا۔"
"مثلاً۔" شہلا نے چڑ کر اسے دیکھا۔
"مثلاً کچھ نہیں۔" وہ دھیمے سے بولا۔ "تم اس وقت ایسے موڈ میں ہو' جب صحیح بات بھی غلط لگتی ہے۔ اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔ تمہارا ہاسپٹل بھی آ گیا ہے۔"
شہلا خاموش ہو کر سڑک کو دیکھنے لگی۔ ہاشم کے انکار سے اسے دھچکا سا لگا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ ہاشم اس مطالبہ پر زیادہ اعتراض نہ کرے گا اور ہنسی خوشی اس کی بات مان لے گا لیکن ہاشم کا فیصلہ کن انداز اسے حیران بھی کر گیا تھا اور برہم بھی۔ ہاشم نے گاڑی ہاسپٹل کی پارکنگ میں روکی تو شہلا اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے قدرے آف موڈ میں اترنے لگی تھی۔
"خدا حافظ۔" ہاشم نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔
"خدا حافظ۔" وہ زیرلب بڑبڑائی تھی۔

☼ ☼ ☼

فون نمبر ڈائل کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا تھا۔ اس گھبراہٹ کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ وہ اپنے منگیتر سے بات کرنے جا رہی تھی۔ وہ بہرحال پڑھی لکھی' باشعور' اکیسویں صدی کی لڑکی تھی۔ البتہ حیادار اور اپنی حدوں میں رہنے کی قائل ضرور تھی۔
مگر اس عجیب سی گھبراہٹ کی اصل وجہ وہ نامعلوم سا احساس اور وہ اندازہ تھا جو اس نے نجانے کیسے 'ایک پہر کے جادوئی لمحے کے طفیل قائم کیا تھا اور اب وہ اپنے اندازے کی تصدیق چاہتی تھی۔ دوسری جانب بیل جا رہی تھی۔ ناعمہ لب کاٹتے ہوئے اپنے تیز ہوتی کی دھڑکنیں سننے لگی۔ وہ لینڈ لائن پر بھی رابطہ قائم کر سکتی تھی لیکن اس نے جان بوجھ کر موبائل نمبر ملایا تھا کیونکہ اس صورت میں کسی اور کے فون اٹھانے کا امکان تھا۔
"ہیلو۔" رابطہ قائم ہونے پر دوسری جانب سے وہی شناسا سا آواز سنائی دی تھی۔
"ہیلو... السلام علیکم۔" وہ مدھم لہجے میں بولی۔ "میں... ناعمہ بات کر رہی ہوں۔"
"وعلیکم السلام۔" وہ چند لمحوں کے بعد بولا تھا۔ "میں ہنڈرڈ پرسنٹ شیور تھا کہ فون وردہ نے کیا ہوگا۔ زہے نصیب! آپ کو یہ نمبر یاد تو آیا۔"
"میں نے... وردہ آپی سے ہی نمبر لیا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔
فراز نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ناعمہ کو اس کے بے وجہ ہنسنے پر حیرت ہوئی۔
"کیوں ہنسے آپ؟" وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
"تجاہل عارفانہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مس ناعمہ۔" وہ عجیب انداز میں بولا۔ "میرا موبائل نمبر آپ نے وردہ سے لیا ہے؟ اس سے پہلے آپ نے کبھی مجھ سے اس نمبر پر بات نہیں کی۔؟"
ناعمہ کا دل ایک مرتبہ پھر اسی اجنبی انداز سے دھڑکا تھا۔ اندازوں کی تصدیق ہونے لگی تھی۔ وہ ایک ایسا راز جاننے کی متمنی تھی جسے جان کر اسے خوشی نہیں' دکھ ہونا تھا پھر بھی وہ سب کچھ جاننا چاہتی تھی۔
"میں نے... پہلے آپ سے کب بات کی تھی؟" اس نے ہولے سے پوچھا۔ "کتنا عرصہ ہو گیا اس بات کو؟"
"عرصہ کتنا ہوا' یہ تو مجھے یاد نہیں۔ مجھے تو صرف چیٹنگ اور دھوکے کا مطلب پوچھنا ہے تم سے۔" وہ قدرے سلگتے ہوئے انداز میں بولا تھا۔
"چیٹنگ... دھوکا... میں نے... میں نے دھوکا کیا آپ کے ساتھ؟"
"تم ہی کہو... وہ سب کچھ کیا تھا؟ ٹائم پاسنگ؟"
ناعمہ بہت دیر کچھ نہ بول سکی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے سے کئی منظر گزرے تھے۔ عریشہ کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اور ایک دوسرے میں پیوست لب... جو کھلنا تو چاہتے تھے لیکن ماں باپ کے جبری فیصلے کے آگے کھلنے کی ہمت نہ کر سکے۔
"نہیں...." پھر وہ آہستہ سے بولی۔ "میں نے ٹائم پاسنگ کے لیے ایسا نہیں کیا تھا فراز... بس کچھ مجبوریاں آڑے آ گئی تھیں۔"
"اوہ...." فراز نے گہری سانس بھری۔ "تو بالآخر... بالآخر تم نے قبول کر ہی لیا۔ کتنے عرصے تک مجھے بے وقوف سمجھتی رہیں تم۔ مزید بے وقوف بنانے کی کوشش کرتی رہیں لیکن آج... آج تم نے تسلیم کر ہی لیا کہ ایک عرصہ مجھے اذیت میں مبتلا رکھا ہے تم نے۔"
"جی ہاں۔" وہ مزید مدھم ہو گئی تھی۔ "میں نے تسلیم کیا... آپ جو سزا دینا چاہتے ہیں' دے دیجیے۔"
فراز چند لمحے کو خاموش ہوا۔ وہ اسے پے در پے حیرت سے دوچار رہی تھی۔
"سوچنا پڑے گا۔ اتنا تو طے ہے مس ناعمہ... کہ یہ منگنی میں نے تمہیں سزا دینے کے لیے ہی کی تھی لیکن سزا کیا ہوگی' اس بات کا فیصلہ میں اس وقت کروں گا جب تم مجھے ان مجبوریوں کے متعلق بتاؤ گی جن کا تم نے ذکر کیا اور میں اس وقت کا انتظار کروں گا۔"
"میں... میں اگر نہ بتانا چاہوں...." وہ گھبرا سی گئی۔
"تب تو سزا میں کسی نرمی کی گنجائش نہیں نکلے گی۔" وہ بے رحم انداز میں بولا تھا۔
ناعمہ کو اس لمحے اس سخت گیر شخص سے عجب خوف سا محسوس ہوا۔ اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

ہونٹ دانتوں تلے دبائے وہ نجانے کیا سوچے جا رہی تھی۔ کیا ہوا تھا‘ کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے جا رہا تھا‘ سب کچھ ایک باریک پردے کے پیچھے تھا‘ نظر آ بھی رہا تھا اور نظروں سے اوجھل بھی تھا۔ اتنا ضرور تھا کہ معمّہ ٹھیک اسی انداز میں حل ہوا تھا جس طرح اس نے اندازہ لگایا تھا۔

سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا تو وہ بے جان سی ہو کر بستر پر گر گئی تھی۔



ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے اس نے ایک نظر آئینے پر ڈالی پھر خوش دلی سے مسکرایا۔

”آج تم ڈیشنگ ہو رافع حسن!“ اس نے زیرلب کہا اور دھیرے سے ہنس دیا۔ اسے ہاشم یاد آ گیا تھا جو ہمیشہ آئینہ دیکھ کر خود کو یوں ہی مخاطب کرتا تھا۔

”بے وفا دوست....“ وہ بڑبڑایا۔ ”بالکل ہی بیوی کو پیارا ہو گیا ہے‘ مہینوں شکل نہیں دکھاتا.... چلو اچھا ہے‘ اگر بیوی کو پیارا ہو جائے تو.... بڑی مشکلوں سے یہ دن دیکھا ہے اس نے.... اور پتہ نہیں پیارا ہوا بھی ہے یا.... اب بھی گیلری میں کھڑے ہو کر سگریٹ پیتا ہے۔“

آستین کا بٹن بند کرتے ہوئے وہ کمرے سے نکلا تھا۔ چائے کے کپ میں دودھ ڈالتی ہوئی عذرا بیگم نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہنے پر مجبور ہو گئیں۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر کپ میں چمچہ ہلانے لگا۔ عذرا بیگم بھی دوسری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔

”رافع.... ایک بات کرنا تھی تم سے۔“

”جی امی.... کہیے۔“ اس نے عجلت میں کئی گھونٹ بھرے۔

”ثانیہ کے لیے جو لوگ پچھلے دنوں آئے تھے‘ انہوں نے ”ہاں“ کہلوائی ہے اور مجھے بھی لڑکا پسند آیا ہے۔ کاروبار بھی اچھا ہے ان لوگوں کا.... پھر کیا خیال ہے تمہارا؟“

”بابا کیا کہتے ہیں؟“ اس نے لمحہ بھر کو سوچا۔

”وہ تو راضی ہیں۔ کہتے ہیں‘ رافع سے بھی پوچھ لو۔“

”ہوں.... ٹھیک ہے۔“ اس نے کپ خالی کیا۔ ”میں دو مرتبہ ملا ہوں اس سے۔ شمس اچھا لڑکا ہے.... شریف ہے‘ ذہین ہے اور کیا چاہیے؟ آپ بسم اللہ کریں۔“

”لیکن ایک مسئلہ ہے بیٹے! وہ دو ماہ بعد عید کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔ اتنی جلدی بازی میں سب کچھ کیسے ہو گا؟“

”کیوں نہیں.... ثانیہ کے لیے تو تقریباً سب ہی کچھ تیار ہے۔ مسئلہ کس بات کا ہے؟“ وہ ماں کے ہچکچاہٹ بھرے انداز پر حیران ہوا۔

”مسئلہ.... مسئلہ تمہارا ہے نا۔ تمہاری نوکری جب تک کسی اچھی جگہ نہ ہو جائے....“

”میرا....؟ میرا کیا مسئلہ ہے امی؟“ اس نے مزید حیرت سے ماں کی بات کاٹی۔ ”بات ثانیہ کی ہو رہی ہے‘ مسئلہ میری نوکری کا کیسے ہو گیا؟“

”سمجھنے کی کوشش کرو بیٹا! تمہارے والد کا خیال ہے کہ ثانیہ کی شادی اور تمہارا ولیمہ ساتھ کر دیں‘ اسی طرح سدرہ کی شادی اور نافع کا ولیمہ ساتھ ہو جائے۔ دو بیٹیاں جائیں گی تو دو بہوئیں آ جائیں گی اور پھر اس طرح کچھ کفایت بھی ہو جائے گی اب تمہاری نوکری پکی ہو جائے تو میں رابعہ سے بات کروں۔ وہ بھی زرد کی وجہ سے فکرمند ہے۔ ناعمہ کی منگنی کے بعد اب وہ حق بجانب بھی ہے اور سب ہی کا خیال ہے کہ اب تمہاری اور سدرہ کی شادی

کردی جائے۔"

بات کرتے کرتے انہوں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا پھر یکدم حیران سی ہوئیں۔ رافع کا چہرہ یوں بجھا تھا جیسے کسی نے شمع دان کو ہوا دکھا دی ہو۔ وہ بالکل گم صم سا ہو گیا۔ عذرا بیگم پریشان ہو گئیں۔

"رافع۔۔۔" انہوں نے پکارا۔

"جی۔۔۔" وہ اپنے خیالوں سے چونکا۔ "جی امی۔۔۔ کہیے۔"

"کیا کہوں میں تو اپنی بات مکمل کر چکی۔"

"کون سی بات؟" وہ غائب دماغی سے بولا۔

"شادی کی۔۔۔ اور کون سی۔۔۔ یہ تم اتنا پریشان کیوں ہو گئے ہو؟ کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی الجھن ہے؟"

"جی۔۔۔؟ نہیں۔۔۔ نہیں امی۔۔۔ کوئی الجھن نہیں ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو مجھے کچھ جواب تو دو۔" وہ اسے جانے کے لیے تیار دیکھ کر قدرے خفا سی ہوئیں۔

"میں ایک سنجیدہ موضوع پر بات کر رہی تھی اور تم یوں ہو گئے جیسے بھوت دیکھ لیا ہو۔ اب بنا کوئی جواب دیے جانے کو پر تولنے لگے۔"

"امی۔۔۔ میں ایک انٹرویو کے لیے جا رہا ہوں۔" اس نے ریسٹ واچ پر نگاہ کی۔ "دعا کیجیے گا اللہ کامیاب کرے۔"

"اچھا۔" ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ "بیٹا! میرا تو رواں رواں تم ہی لوگوں کے لیے دعا گو رہتا ہے۔ کیسی نوکری ہے؟"

"بہت اچھی جاب ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنی ہے، اچھی تنخواہ دیں گے۔ دیگر مراعات علیحدہ۔" کہتے ہوئے چل پڑا۔ عذرا بیگم اس کے پیچھے آ رہی تھیں۔

"پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں ہے۔ تم اگر خیر سے کامیاب لوٹے تو میں رابعہ سے بات کر لوں گی۔ وہ بھی اپنی تیاری رکھے۔"

"امی۔۔۔" وہ اچانک ہی پلٹا۔ "میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ زندگی میں ابھی کرنے کو بہت کچھ باقی ہے۔ شادی میرے مسائل میں اضافہ کر دے گی۔ آپ پھپھو سے ابھی کچھ بھی نہ کہیں، صرف ثانیہ کے لیے سوچیں۔"

"ہائیں۔" عذرا بیگم کا منہ کھلا رہ گیا۔ "یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟"

"باقی باتیں پھر کریں گے امی! میں پہلے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔ خدا حافظ۔" وہ جھپاک سے باہر نکل گیا۔

"خدا۔۔۔ حافظ۔" وہ بڑبڑائیں۔ ان کے ماتھے پر شکنوں کا جال بچھنے لگا تھا۔

✵ ✵ ✵

"سیاں بنا گھر سونا سونا۔۔۔ سیاں بنا گھر سونا۔۔۔ چاند بنا جیسے سونی رتیاں۔۔۔ بن خوشبو جیسے سونی بگیا۔۔۔ سیاں بنا گھر سونا۔۔۔"

کچن میں کھڑی ایقان لمحہ بھر کے لیے سُن سی ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ گانا جو کبھی جنون کی حد تک پسند تھا، آج اس کے بولوں نے اس کا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔ وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی چھری ایک طرف پھینک کر وہ باہر نکل آئی۔

سامنے ہی ایمان بیٹھی تھی۔ سی ڈی پلیئر آن کر کے وہ اپنے کارنامے پر بے حد خوش نظر آتی تھی۔

"ممّا۔۔۔ ممّا۔۔۔ آپ کا فیورٹ سانگ۔" اس نے تالیاں بجا کر اس سے بھی داد وصول کرنا چاہی۔

ایقان نے آگے بڑھ کر پلیئر آف کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

"کیوں مما۔۔۔ یہ سانگ اچھا نہیں لگا؟" ایمان اس کے آنسوؤں سے خوفزدہ سی ہو گئی۔ "میں دوسرا سانگ لگا دوں؟ بلو دے گھر۔"

"آپ ٹی وی پر کارٹون لگا لو بیٹا! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ گانے کی آواز اچھی نہیں لگ رہی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ ماں کی کیفیت سے پہلے ہی گھبرا گئی تھی۔ سعادت مندی سے اٹھ کر بیڈ روم میں چلی گئی۔

ایقان وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔ رات بھی کتنے ہی عجیب و غریب خوابوں سے گھبرا کر اس کی آنکھ کئی مرتبہ کھلی تھی۔ اس کے بعد اسے نیند ہی نہ آئی۔ اب دکھتا ہوا سر اور بہتے ہوئے آنسو لیے وہ سوچ رہی تھی کہ مومن کے اسکول سے آنے سے قبل کھانا کیسے بنائے؟

"یہ گانا میرے دماغ میں سرنگ بنا چکا ہے۔" ایک جھنجلائی ہوئی آواز تھی۔ "آخر کیا جادو ہے اس میں جو تم یوں بے خود ہو جاتی ہو؟"

"یہ گانا اور اس کے بول میرے دل میں سرنگ بنا چکے ہیں اور جو چیز ایک بار دل کو چھو جائے وہ ہمیشہ یونہی بے خود کرتی ہے۔" وہ بے نیازی سے بولی تھی۔ "آپ کو آخر کیا اعتراض ہے اسے سننے میں؟"

"اچھا۔۔۔" وہ قریب ہوا تھا۔ "تب ہی تم ہمیشہ مجھے یونہی بے خود کر دیتی ہو۔ آخر ایک بار دل کو چھو چکی ہو۔"

"ایک بار؟" وہ ابرو تان کر بولی تھی۔ "کیا مطلب ایک بار؟"

"پہلے ایک بار۔۔۔ پھر بار بار۔۔۔ بار بار۔۔۔"

اور اس کی ہنسی کی آوازوں سے کمرہ بھر گیا تھا۔

ایقان چونک کر اپنے آپ میں لوٹی تھی۔ کسی نے کال بیل بجائی تھی۔ اس نے دوپہر کے بارہ بجاتی گھڑی کی سوئیوں کو دیکھا۔

"اماں ہیں شاید۔۔۔ اس وقت وہی ہوتی ہیں۔" اسے خوشی سی ہوئی۔

شفیقہ حیات اس سے خفا تھیں۔ وہ بس کبھی کبھار ہی اس کی خیریت پوچھنے یہاں تک چلی آتی تھیں، ورنہ اکثر ایقان ہی ان سے مل آتی تھی۔ ایک ہی گھر میں آ جانے کے باوجود ماں بیٹی میں ایک نادیدہ سی دوری ہو گئی تھی۔

ایقان تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی۔ دروازہ کھول کر وہ کچھ دیر کے لیے پتھر کی سی ہو گئی۔ باہر اختر میاں کھڑے تھے۔

✵ ✵ ✵

"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ میں بہت پریشان ہو کر رہ گئی ہوں۔" صبح سے دیوانوں کی مانند ادھر سے ادھر پھرتی عذرا بیگم بمشکل دوپہر تک ہی ضبط کر پائی تھیں۔ کوئی چارہ نہ پا کر بالآخر وہ ساس کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"پہلے سوچا تھا کہ سلجوق سے کہوں لیکن پھر خیال آتا ہے کہ اگر وہ انہیں غصہ آ گیا تو کیا ہو گا۔ گھر میں کوئی بڑا فساد نہ کھڑا ہو جائے۔ میرا دل تو بہت گھبرا رہا ہے۔"

"خدا خیر کرے بہو۔۔۔ ایسا کیا ہو گیا؟" شفیقہ حیات بھی گھبرا سی گئی تھیں۔ "دیکھو مجھے کوئی الٹی سیدھی خبر نہ سنانا۔ میرا دل تو پہلے ہی بہت کمزور ہو چکا ہے۔" عذرا بیگم خاموش سی ہو کر ساس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ انہیں الفاظ کا چناؤ کرتے ہوئے بھی دقت سی محسوس ہو رہی تھی۔

"اماں! میں نے صبح رافع سے شادی کی بات کی تھی۔ ثانیہ اور رافع کی شادی چونکہ ایک ساتھ ہی کر دینے کا

ارادہ تھا" اس لیے میں نے سوچا کہ رافع کو بھی ذہنی طور پر تیار کر دیا جائے۔"
وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئیں تو شفیقہ حیات ہراساں سی ان کا چہرہ تکنے لگیں۔ عذرا بیگم کی خاموشی انہیں شاق گزری۔
"اب کچھ آگے بھی کہو۔" وہ بے صبری سے بولیں۔
"اماں... رافع... رافع ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کہتا ہے کہ اتنی جلدی شادی نہیں کرے گا۔" وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولیں۔
"ہاں... پھر؟" انہیں مزید بے تابی ہوئی۔
"پھر کیا؟" انہوں نے حیرانی سے سر اٹھایا۔ "یہی بات تو مجھے صبح سے پریشان کر رہی ہے۔ میں نے پانی کا گھونٹ تک نہیں پیا اور آپ کہہ رہی ہیں پھر؟"
"اے لو..." شفیقہ حیات کی ساری بے تابی جیسے ہوا ہو گئی۔ "تم اس بات کو اتنا بڑا مسئلہ بنائے بیٹھی ہو۔ میں تو ڈر سے جیسے بے جان ہی ہو گئی تھی کہ جانے کیا ہو گیا۔ حد کر دی بہو تم نے۔"
"حد تو آپ کر رہی ہیں اماں!" وہ برا مان گئیں۔ "یعنی یہ پریشان کن بات نہیں ہے؟ رابعہ کتنی ہی بار دبے لفظوں میں کہہ چکی ہیں اور میں انہیں یہی کہہ کر تسلی دیتی آئی ہوں کہ ثانیہ کے ساتھ ہی رافع اور وردہ کی شادی بھی کر دیں گے۔ اب میں رابعہ کو کیا جواب دوں گی؟ پھر یہ کہ وردہ آخر کب تک رافع کے نام پر بیٹھی رہے گی؟ ماشاء اللہ ہاشم میاں کب سے گھر گرہستی کے ہو گئے۔ رافع اور ہاشم ہم عمر ہی ہیں تقریباً۔ یہ رافع کیوں ننھا بچہ بن رہا ہے۔ اب نہیں کرے گا تو کب کرے گا؟ جب مونچھیں سفید ہو جائیں گی؟ پھر سلجوق سے کیا کہوں؟"
"سب ٹھیک ہو جائے گا، تم بے فکر رہو۔" وہ بالکل مطمئن تھیں۔ "بچے نے یقیناً کچھ سوچا ہو گا اپنے مستقبل کے بارے میں۔ بقول تمہارے 'ننھا بچہ' نہیں ہے، بہت سمجھ والا ہے میرا پوتا۔ اگر چند ایک سال مزید مہلت مانگ رہا ہے تو اس میں زور زبردستی کا کیا کام ہے؟ اور رابعہ ہماری اپنی بیٹی ہے کوئی غیر تو نہیں۔ اپنوں کا یہی تو فائدہ ہے۔ سہولت سے بات سمجھ لیتے ہیں اور سلجوق سے میں خود ہی بات کر لوں گی، اس کی تم فکر مت کرو۔"
عذرا بیگم مزید پریشان نظر آنے لگی تھیں۔ جانتی تھیں کہ رافع، شفیقہ حیات کا سب سے لاڈلا پوتا تھا۔ اس کی برائیاں بھی انہیں خوبیاں نظر آتی تھیں لیکن اس موقع پر رافع کی حمایت کرنا انہیں مناسب نہ لگا تھا۔
"اماں! سب کو چھوڑ کر آپ رافع سے بات کیوں نہیں کرتیں؟ آخر شادی کر لینے سے اس کے مستقبل کو کون سے خطرات لاحق ہو جائیں گے؟ ہماری اپنی بچی ہے وردہ۔ اس گھر سے اس گھر میں آجائے گی۔ یہ کرتا رہے آگے جو اس نے کرنا ہے۔ وہ اسے منع تو نہیں کرے گی نا اور مجھے تو فکر اس بات کی ہے کہ اسے انکار فی الحال شادی سے ہے یا... یا پھر وردہ سے شادی سے ہے... آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں؟"
شفیقہ حیات کو بہو کی اصل پریشانی اب سمجھ میں آئی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔
"میرا خیال ہے، رافع اتنا کم عقل نہیں ہے۔ ماشاء اللہ بہت سمجھ بوجھ والا بچہ ہے۔ اسے علم ہے کہ یہ دو گھروں کا ملاپ ہے۔ اس رشتے سے کئی رشتوں کی محبت اور عزت قائم ہے۔ وہ کبھی کوئی الٹا کام نہیں کرے گا۔ تم اگر فکر مند ہو تو میں رافع سے کھل کر بات کر لیتی ہوں۔"
"جی ہاں، یہی چاہ رہی ہوں میں۔ اسے سمجھائیں اور اس سے کہیں چپ چاپ شادی کر لے۔ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں۔"
وہ ساس کے پاس سے قدرے ہلکی پھلکی ہو کر اٹھی تھیں۔



پودوں کو پانی دیتی رابعہ بیگم ٹھٹکی تھیں۔
"تم واپس بھی آگئیں؟" سست روی سے چلتی ہوئی وردہ یوں رکی تھی جیسے کسی خیال سے چونکی ہو۔
"جی... جی امی...؟"
"میں نے کہا۔ واپس بھی آگئی ہو۔ خیر تو ہے، ثانیہ ملی نہیں؟"
"ثانیہ؟ ہاں... وہ... پتہ نہیں... شاید وہ نہا رہی تھی۔ اس کے واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ میں پھر واپس آگئی۔"
وہ ثانیہ کے پاس سے اپنا کڑھائیوں کا کیٹلاگ لینے گئی تھی اور پھر الٹے قدموں لوٹ آئی تھی۔
"اچھا۔" رابعہ بیگم مطمئن ہوئیں۔ "اور... اماں کیا کر رہی تھیں؟ کہہ رہی تھیں کچھ؟"
"جی؟" وہ پھر چونکی۔ "تائی امی؟ پتہ نہیں... میں اندر نہیں گئی... ثانیہ کے کمرے سے ہی لوٹ آئی۔"
"کمال کیا تم نے بھی۔" وہ خفا سی ہوئیں۔ "کم از کم انہیں سلام ہی کر لیتیں، طبیعت پوچھ لیتیں ان کی۔ بھابھی بیگم سے ملیں؟"
"نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں بس واپس آگئی۔"
"تاعمر والا حساب کتاب تمہارا ابھی ہوتا جا رہا ہے۔" وہ بڑبڑائی تھیں۔ وردہ چپ چاپ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔



"السلام علیکم۔" انہوں نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا تھا۔ ایقان خاموش کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔
"آپ یہاں کیسے؟" بالآخر کچھ تو کہنا تھا۔
"ہم تو... وہیں کے وہیں ہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں ہنسے تھے۔ "آپ ہی جا کر واپس آئی ہیں ایقان بیگم۔"
ایقان کا جی چاہا، وہ دروازہ زور سے بند کر لے مگر مروتاً وہ ایسا نہ کر سکی۔ پلٹ کر اندر چلی آئی۔ اختر میاں سے اس نے اندر آنے کے لیے نہیں کہا تھا لیکن ان کی چاپ سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ پیچھے ہی آرہے تھے۔
"میاں سے علیحدگی ہو گئی؟" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بے تکے سے انداز میں پوچھ رہے تھے۔ ایقان تڑپ کر مڑی۔
"اپنے کام سے کام رکھیے اختر میاں... فضول سوال جواب سے پرہیز کریں۔"
"اپنا کام..." وہ پھر ہنسے۔ "ہم نے تو کبھی آپ کو غیر نہیں سمجھا ایقان بیگم... آپ تو ہماری اپنی ہی ہیں۔ اپنا سمجھ کر ہی پوچھ رہے ہیں۔ آپ کو فضول لگتا ہے تو چلیں، نہیں پوچھتے۔"
اندر سے ایمان ایک مردانہ آواز سن کر باہر نکلی تھی۔ اب وہ کمرے کے دروازے پر کھڑی ایک ٹک اختر میاں کو دیکھ رہی تھی۔
"ارے... ننھی گڑیا... آؤ یہاں، ہمارے پاس آؤ۔" انہوں نے اسے چمکارا۔ ایمان دوڑ کر ایقان سے لپٹ گئی تھی۔
"مما... مما... یہ کون ہیں؟" وہ حیرت زدہ بھی تھی اور قدرے خوفزدہ بھی۔
"ہم انکل ہیں گڑیا... آؤ ہمارے پاس۔" وہ مسلسل ہاتھ کے اشارے سے اسے بلا رہے تھے۔

"جاؤ بیٹا! ماموں ہیں آپ کے۔" ایقان قدرے طنز سے بولی۔ "ماموں سے ملو۔"

اختر میاں کھسیانے ہو کر عجیب سے انداز میں کھی کھی کرنے لگے۔ ایمان اب تک ان کے قریب نہ گئی تھی۔

"بھابھی بیگم کو سلام کہیے گا۔" ایقان نے انہیں دھرنا دیے پا کر کہا۔

"اچھا۔" انہوں نے تابع داری سے سر ہلایا۔ "ابھی جائیں گے تو ضرور کہہ دیں گے اور کوئی کام ہو تو ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔ اب ہم یہیں رہیں گے باجی کے پاس۔ اب ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے۔"

"آپ کے لیے تو اتنا کام ہی کافی ہے اختر میاں! یہ بھی اگر آپ سہولت سے کر سکیں تو۔" وہ جل کر بولی تھی۔

اختر میاں کے چہرے پر گہرے دکھ کے آثار نمودار ہوئے۔ انہوں نے ایک آہ سی بھری۔

"آپ نے ہی کسی قابل سمجھا ہوتا ایقان بیگم تو ہم تو دنیا فتح کر لیتے۔ یہ بے کار، بے مصرف زندگی آپ کی مہربانی تو ہے۔"

"اب آپ جائیں اختر میاں!" ایقان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ "مجھے ابھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ میں آپ کی ان عجیب و غریب باتوں کو قابل جواب نہیں سمجھتی، ورنہ کہنے کو تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔"

"اچھا... ہم جائیں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے پیاسی نظروں سے دیکھا۔ ایقان کو لمحہ بھر کے لیے بے حد خوف سا محسوس ہوا۔ اختر میاں کا ڈیل ڈول کسی بھی نازک اندام عورت کو خوف میں مبتلا کر سکتا تھا۔

"رافع..." وہ ایک دم ہی بولی تھی۔ "رافع آنے والا ہے۔ اسے آپ کی یہاں موجودگی اچھی نہیں لگے گی۔"

"اچھا..." وہ قدرے مایوسی سے بولے۔ "پتہ نہیں ہم اتنے برے کیوں ہیں۔ کسی کو ہماری کہیں بھی موجودگی اچھی نہیں لگتی۔ آپ غصہ نہ کریں ایقان بیگم! ہم تو یونہی آپ کو ایک نظر دیکھنے چلے آئے تھے۔ اب ہم چلتے ہیں۔"

"جی ہاں... ضرور۔" اس کی جان میں جان آئی۔

اختر میاں دروازے کی جانب بڑھے۔ ایقان دروازہ بند کرنے کے خیال سے ان کے پیچھے ہی لپکی۔ یکایک وہ رک کر پلٹے تھے۔ ایقان کے لبوں سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی تھی۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو... ہم کبھی کبھی آجایا کریں۔" وہ پوچھ رہے تھے۔

"کیوں؟" وہ بھنا گئی۔

"یونہی... آپ کو دیکھنے۔"

"خدا حافظ۔ بھابھی کو سلام کہیے گا۔" وہ قدرے بے رخی سے بولی۔

"اچھا... خدا حافظ۔" وہ مایوس سے ہو کر باہر نکلے تھے۔

☼ ☼ ☼

"امی... آپ کے لیے چائے بنا دوں...؟" ربیعہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ پھر یکایک وہ رکی۔ بیڈ پر بیٹھی منیزہ بیگم کے چہرے پر درد کے آثار نمایاں تھے۔ ربیعہ تیزی سے ان کے قریب پہنچی۔

"امی... امی... کیا ہوا ہے؟"

"پتا نہیں ربیعہ... پیٹ میں ایک گولہ سا پھرتا محسوس ہوتا ہے۔" انہوں نے تکلیف سے نڈھال ہوتے ہوئے کہا۔

"پھر وہی درد اٹھا ہے نا آپ کو۔" ربیعہ نے ان کے برف ہوتے ہوئے ہاتھ تھامے۔

"ہاں... شاید... لیکن اتنا زیادہ نہیں ہے۔ تم پریشان مت ہو۔" انہوں نے اس کا دھواں دھواں ہوتا ہوا چہرہ دیکھا۔

"کوئی میڈیسن دوں آپ کو؟" ربیعہ کو اچانک خیال آیا۔ "اس دن شہلا آپی نے جو ٹیبلٹ دی تھی آپ کو... وہ ہے میرے پاس۔"

"ٹیبلٹ سے نہیں، اس انجکشن سے آرام آیا تھا لیکن تم ابھی ٹیبلٹ ہی دے دو۔ میں کھا لیتی ہوں۔ شاید اسی سے آرام آجائے۔"

ان کا چہرہ مزید پیلا پڑ رہا تھا۔ ربیعہ ڈر سی گئی۔

"امی... میں شہلا آپی کو فون کر دیتی ہوں، وہ ابھی گھر پر ہی ہوں گی۔"

"نہیں ربیعہ..." انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے۔ "اس کی ساس اس کا یہاں روز روز آنا پسند نہیں کرتی۔ وہ میرا سن کر دوڑی چلی آئے گی۔ خوامخواہ کوئی ناچاقی نہ ہو۔"

"لیکن امی! آپ کی طبیعت..."

"انیقہ آتی ہی ہو گی۔" انہوں نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔ "تم تب تک وہ گولی دے دو مجھے۔"

"ٹھیک ہے۔" ربیعہ ناچار وہاں سے اٹھ کر لاؤنج میں آئی تھی۔

میڈیسن بکس سے گولی لا کر اس نے انہیں کھلائی پھر ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ کچھ دیر میں انہیں قدرے آرام آگیا تھا۔

"ربیعہ..." انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"جی امی!" وہ ان کا ماتھا ہولے ہولے دبا رہی تھی۔

"بہت اچھی بیٹی ہو تم... خدا کا احسان ہے مجھ پر جو اس نے تمہیں یہاں میرے پاس بھیج دیا۔"
"میں بھی اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی امی جی... اس نے مجھے ماں، بھائی، بہنیں... سب ہی کچھ دے دیا ہے۔"

منیزہ بیگم کچھ دیر کے لیے خاموش ہوئی تھیں۔
"تمہارا بھائی... کبھی تمہیں فون بھی نہیں کیا اس نے... کون سے ملک گیا ہے وہ؟"
انہوں نے اچانک ہی پوچھا تھا۔ ربیعہ کو تھوڑی دیر کے لیے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔
"وہ... امی جی..." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی تب ہی فون کی بیل بجنے لگی۔ منیزہ بیگم چونک اٹھیں۔
"دیکھو تو کس کا فون ہے... اور سنو... عبادیا انیقہ کا ہو تو میرے درد کے متعلق کچھ مت کہنا۔ وہ اپنے کام وام چھوڑ کر چلے آئیں گے۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"
"جی اچھا۔" ربیعہ ناچار اثبات میں سرہلاتے ہوئے کمرے سے نکلی تھی۔
"ہیلو..." اس نے فون اٹھایا۔
"ہیلو..." دوسری جانب وردہ تھی۔ "ربیعہ! کیسی ہو تم؟"
"ارے وردہ تم..." وہ خوش ہوگئی۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ... پھر چکر ہی نہیں لگایا تم نے۔"
"میں نے تم سے کہا تھا نا... اب تمہاری باری ہے۔" وہ بولی۔
"چہ... چلو میں ضرور آؤں گی۔" وہ خوش دلی سے بولی۔ "یوں بھی میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔"
"ربیعہ! تم نے اس دن یونیورسٹی میں رافع سے بکس کا کہا تھا نا؟"
"ہاں، رافع دے گئے تھے مجھے، میرے پاس ہی ہیں۔ تمہیں چاہئیں؟ ویسے نوٹس میں بنا رہی ہوں۔ تم مجھ سے لے لینا۔"
"ہوں۔" وردہ جیسے چونکی تھی۔ "ہاں ٹھیک ہے۔ میں پھر دوسری بکس ایشو کروالوں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"
اس نے اچانک ہی فون بند کردیا تھا۔ ربیعہ کو بے حد حیرانی ہوئی۔ اس نے ریسیور کو حیرانی سے دیکھا اور کریڈل پر رکھ دیا۔
"چولہے پر کچھ چڑھایا ہوا ہوگا میڈم نے۔ وہی یاد آگیا ہوگا۔" اس نے مسکرا کر سوچا۔

☼ ☼ ☼

ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ گیلری میں کھڑی شہلا کو سردی سی محسوس ہوئی لیکن وہ پھر بھی کھڑی رہی۔ باریک پنک نائٹی خنکی کا بڑھتا ہوا احساس دبانے میں ناکام ہو رہی تھی لیکن شہلا کو وہاں کھڑے ہو کر بے حد سکون محسوس ہو رہا تھا۔
رات کے دوسرے پہر کی گہری خاموشی، ٹھنڈی ہوا اور ہر طرف پھیلا ہوا اندھیرا، تاروں سے اپنے مسائل ڈسکس کرنا اسے بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ ہر چند کہ صبح اسے جلدی ہاسپٹل پہنچنا تھا پھر بھی وہ سونا نہ چاہتی تھی۔
اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلنے کی تھوڑی سی آواز ہوئی اور ہاشم نے باہر جھانکا۔
"شہلا..." اسے شہلا کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔
"جی..." اس نے چند لمحوں بعد مڑے بغیر کہا۔
"تم یہاں اکیلی کیا کر رہی ہو...؟" وہ بھی باہر ہی چلا آیا۔ "اتنی رات گئے!"

"بس... یونہی..." اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔ "نیند نہیں آرہی تھی تو میں... کچھ دیر کے لیے یہاں آگئی... تازہ ہوا... اچھی لگ رہی ہے۔"
ہاشم اس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ شہلا کے مخصوص پرفیوم کی مدھم سی مہک اس نے سانس کھینچ کر اپنے اندر اتاری پھر اس نے آہستگی سے اسے خود سے قریب کیا تھا۔
"نیند نہیں آئی تو کسی کے ساتھ مل کر بھی جاگ سکتے ہیں۔ تم ہمیشہ اکیلے ہی جاگنے پر اصرار کرتی ہو۔"
اس کی آواز میں محبت، نرمی اور پیار بھرا ابلا وا تھا۔ شہلا کے لیے یہ بے حد مانوس انداز تھا۔ اس نے ہاشم کو ہمیشہ اتنا ہی نرم اور محبت سے بھرا ہوا پایا تھا۔
لیکن نجانے کیوں اس وقت دل تنہائی مانگ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے ہاشم کا ہاتھ ہٹایا۔
"ہاشم... میں... میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں... پلیز... مجھے امید ہے، آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔"
ہاشم کچھ دیر خاموش رہا۔
"اوکے۔" پھر وہ بولا تھا۔
چند لمحوں بعد وہ مڑ کر اندر چلا گیا۔ شہلا کا دل عجب خجالت میں مبتلا ہوا۔ شاید اس نے ہاشم کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ وہ وہیں کھڑی چند لمحے پیشتر والی صورت حال پر غور کرتی رہی پھر اسے احساس ہوا کہ اس نے واقعی ہاشم کے نرم جذبوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ گلٹ کا احساس بڑھا تو وہ مڑ کر اندر چلی آئی۔
یکایک ہی وہ رک گئی تھی۔ ہاشم بیڈ کی اس سائیڈ پر بیٹھا ہوا تھا، جہاں شہلا سوتی تھی۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی ہوئی تھی۔
شہلا کو اندر آتا دیکھ کر اس نے دراز بند کردی۔ شہلا آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے قریب جا بیٹھی۔
"ہاشم۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔
"ہوں۔" اس نے چونک کر اسے دیکھا۔
سائیڈ لیمپ کی دودھیا روشنی میں ہاشم کی بے ریا، شفاف نگاہوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ شہلا کا دل مزید دکھ گیا۔
اس نے ہاشم کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔
"ہاشم... آئی ایم ویری سوری۔ مجھے معاف کردیں۔ میں... میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتی... لیکن ہر مرتبہ زیادتی کر جاتی ہوں۔"
ہاشم اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
"شہلا..." وہ عجیب انداز میں بولا تھا۔
"جی..."
"یہ کیا ہے؟"
اس نے اپنی بند مٹھی کھول کر اس کے سامنے پھیلائی۔ شہلا کا دل لمحہ بھر کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔
"یہ... یہ گولیاں... تم کھاتی ہو؟"
شہلا خاموشی سے شیشی دیکھ رہی تھی۔ مانع حمل گولیاں وہ اوپری دراز میں ہی رکھتی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں

اکتیسویں قسط

اس کی جھکی ہوئی نظریں پھر اٹھ نہ پائی تھیں پھر بھی اس نے ہاشم کی نگاہوں سے برستی شکایت اور بے اعتباری کو محسوس کرلیا تھا۔

"شہلا!" کافی دیر خاموش رہ کر وہ بالآخر بولا۔ "تم... تم اگر..."

شہلا نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں۔ ہاشم نہیں اور دیکھ رہا تھا۔

"فکر مت کرو شہلا!" وہ ایک بار پھر بولا۔ "آئندہ... آئندہ تمہیں یہ گولیاں کھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"ہاشم!" نجانے کیوں اس کا دل جیسے رکا تھا۔

ہاشم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس کے روئیں روئیں میں ایک اضطراب کی کیفیت پنہاں تھی۔

"ہاشم..." شہلا نے بے تاب ہو کر اسے پکارا۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"ہاشم... میری بات سنیں۔ فار گاڈ سیک۔" شہلا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہاشم رکا نہیں تھا، وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ شہلا مضطرب سی ہو کر دروازے تک گئی پھر وہیں ٹھہر گئی۔ ہاشم اس وقت غم و غصے کی جس کیفیت میں تھا، اسے نہ چھیڑنا ہی بہتر تھا۔ وہ اس وقت اس کی بات نہ ڈھنگ سے سن سکتا تھا، نہ سمجھ سکتا تھا۔ شہلا اس کے پیچھے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر کے بے بس سی ہو کر بیڈ پر گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی۔ اپنا چکراتا ہوا سر اس نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ تقدیر کے پرزور شور مچاتے دریا کی لہروں پر وہ خود کو بے آسرا تنکے کی مانند محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دیر تک انتہا درجے کی بے چینی، بے بسی اور اضطراب کا مقابلہ کرنے کے بعد اس نے خود کو ٹوٹتا ہوا محسوس کیا تو سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر نیند کی گولیوں کی شیشی نکالی۔ دو گولیاں پانی ___ کے ساتھ نگل کر اس نے دراز دوبارہ بند کرنی چاہی۔ تب ہی اس کی نگاہ سامنے کارپٹ پر گری اس شیشی پر پڑی جو ہاشم وہاں پھینک کر گیا تھا۔

"فکر مت کرو شہلا! آئندہ تمہیں یہ گولیاں کھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اس کے الفاظ ایک مرتبہ پھر اس کے کانوں میں گونجے۔ شہلا نے جھک کر شیشی اٹھائی۔ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے وہ شیشی ڈسٹ بن میں ڈال دی۔

☼ ☼ ☼

وائٹ ٹریک سوٹ میں ملبوس، تمتماتا چہرہ لیے وہ گھر میں داخل ہوا تھا۔ پاس سے گزرتے ہوئے ملازم کو ریکھ تھما کر اورنج جوس لانے کا کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

نہا دھو کر جس وقت وہ واش روم سے برآمد ہوا، بیڈ پر بے نیازی سے بیٹھی ہوئی فریحہ کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"آپ کا اورنج جوس..." اس نے سائیڈ ٹیبل کی جانب اشارہ کیا۔

"بڑی تکلیف کی آپ نے..." اس نے شرارتاً اس کے کاندھوں پر تولیہ ڈال دیا۔

"چھوٹی موٹی تکلیف تو آپ دیتے نہیں ہیں نا۔" اس نے بھائی کو گھورتے ہوئے اٹھ کر تولیہ جگہ پر ڈالا۔

"ویری رائٹ۔" وہ بیٹھ کر مزے سے جوس پینے لگا۔ "آدمی کو کام بڑا ہی کرنا چاہیے۔"

"اچھا... تو یہ فرمایئے... کہ ایک بے حد بڑا اور اہم کام کب تک کرنے کا ارادہ ہے؟ امی چاہتی ہیں کہ جلد از جلد آپ کے فریضے سے سبکدوش ہوں تاکہ..."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور مسکرائی۔

"ہاں..." گہری سوچ میں ڈوبا فراز چونکا۔ "تاکہ کیا؟"

"تاکہ میری باری آئے۔" اس نے بتیسی دکھائی۔

"شرم کرو لڑکی!" فراز نے مسکراہٹ روک کر اسے گھورا۔ "بڑے بھائی کے سامنے ایسی باتیں... اور پھر مسکرا بھی رہی ہو؟"

"یقینے" بڑے بھائی جب منتیں کر کے پسند کی لڑکی دکھائے، اس سے زیادہ منتیں سماجتیں کر کے منگنی رچائے... منگیتر کو فون پر بلوانے کے لیے آئس کریم اور سوپ کی پیش کش کرے، تب کچھ نہیں اور میں نے صرف امی کا پیغام صراحت سے پہنچا دیا تو بے شرمی کا لیبل فٹافٹ فٹ کر دیا۔" وہ بے پروائی سے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔ "ویسے اصل بات آپ گول کر گئے۔ یہ کہیے کہ شادی کے لیے کون سا مہینہ اور تاریخ رکھی جائے؟"

اس نے سوچ میں گم ہوتے ہوئے بھائی کا چہرہ غور سے دیکھا۔

"ہوں؟" وہ پھر چونکا۔ "تم... ننھی فاختہ... زیادہ فکر مت کرو... اس موضوع پر میں امی سے خود بات کرلوں گا۔"

"کیا بات کریں گے؟" وہ الجھی۔ "اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہیں؟"

"اب تم جاؤ۔" وہ ریموٹ سے ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا۔

"سوچ لیں... اب میں فون پر ناعمہ کو نہیں بلوانے والی۔" وہ تپ کر کھڑی ہوئی۔

"ڈونٹ وری۔ اب ایسی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔" وہ مطمئن تھا۔

"ہائیں! آپ کو ہوا کیا ہے؟"

"تھکا ہوا ہوں اور مجھے آرام کی سخت ضرورت ہے اور تنہائی کی بھی۔ ناؤ... پلیز... لیو می الون۔" اس کے پرسکون لہجے میں کچھ تو پوشیدہ تھا۔ فریحہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"اچھا... پھر امی سے بات کریں۔ میں چلی۔"

"تھینک گاڈ..." وہ بڑبڑایا۔

☼ ☼ ☼

چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لیے وہ کسی سوچ میں گم بیٹھی تھی۔ وردہ کمرے میں داخل ہوئی پھر چند لمحوں کے لیے تھم سی گئی۔

اس طرح بیٹھی ہوئی ناعمہ بہت معصوم اور سادہ سی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سوچ کا تاثر تھا اور آنکھوں میں قدرے اداسی۔ وردہ کچھ سوچ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔ ناعمہ کے استغراق میں فرق نہ آیا۔ وردہ مسکرائی اور کھنکھاری۔ تب وہ چونکی۔

"ارے آپ... دھل گئے آپ کے کپڑے؟" وہ شرمندہ سی ہوئی۔

"صرف میرے نہیں، آپ جناب کے کپڑے بھی دھل گئے ہیں۔" وردہ نے طنزاً کہا۔

"جب آپ کی شادی ہو جائے گی تب تو مجھے ہی دھونا پڑیں گے کپڑے۔" اس نے منہ بنایا۔

"جیسے آپ سے پہلے رائمہ آپی کی ڈیوٹی تھی۔"

"ہاں..." وردہ نے فراغت سے بیٹھتے ہوئے ہینڈ لوشن اٹھایا اور ہاتھوں پر ملنے لگی۔ "ویسے محترمہ... ناعمہ علی خان... آپ کو نوید ہو کہ مجھ سے پہلے امی آپ کو سسرال بھیجنے کی فکر میں ہیں۔ سنا ہے پچھلے دنوں آپ کی ساس صاحبہ کا فون آیا تھا، وہ اس سلسلے میں امی کا عندیہ لینا چاہ رہی تھیں۔"

ناعمہ پر جیسے کوئی بم گرا تھا۔ وہ پریشان نظروں سے وردہ کا چہرہ تکنے لگی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپی....؟"

"آخر اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔" وردہ سے رہا نہ گیا۔ "ناعمہ! تم کئی دنوں سے بہت ڈسٹرب ہو۔ کیا بات ہے، مجھے بتاؤ۔ شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔ کوئی مشورہ ہی دے سکوں۔"

ناعمہ نے جن نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا، اس سے وردہ کو صرف اندازہ ہی نہیں، پورا یقین ہو گیا کہ واقعی کوئی بات ضرور تھی جس کی وجہ سے وہ پریشان تھی۔

"آپی....." چند لمحوں بعد وہ سُست لہجے اور مدھم سی آواز میں بولی۔ "میں یہ بات صرف خود تک محدود رکھنا چاہتی تھی لیکن شاید ایسا ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی بازگشت بہت آگے تک جائے اور اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہو گا۔"

"خدا خیر کرے۔" وردہ گھبرا گئی۔ "بولو ناعمہ! ایسی کیا بات ہے آخر؟" ناعمہ نے نظروں میں مسئلے کی پیچیدگی بھر کر اسے دیکھا۔

"آپی..... فراز نے مجھ سے ایک غلط فہمی کی بنا پر منگنی کی ہے۔"

"کیسی..... کیسی غلط فہمی؟" وردہ کا سانس رکنے لگا۔

"وہ سمجھتا ہے کہ میں وہ لڑکی ہوں جو فون پر کچھ عرصہ اس سے باتیں کرتی رہی ہے۔ جس نے اس سے شاید کچھ عہد و پیمان بھی باندھے ہیں اور پھر..... جب فراز اس معاملے میں سنجیدہ ہوا تو..... تو وہ لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔"

"لیکن..... لیکن وہ لڑکی ہے کون؟" وردہ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں۔

"عریشہ....."

"کیا.....؟" وردہ کا منہ بھی کُھل گیا۔ "عریشہ.....؟ یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو ناعمہ؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آپی! فراز کا گنجلک رویہ مجھے شروع دن سے پریشان کر رہا ہے۔ اس کی مبہم باتوں سے میں کچھ بھی اخذ نہیں کر پاتی تھی لیکن بالآخر مجھے سب کچھ سمجھ میں آنے لگا 'سب کچھ' اور میں پختہ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ فراز کے ساتھ فون پر باتیں کرنے والی لڑکی عریشہ ہی ہے۔ فراز سمجھتا ہے کہ عریشہ نے اس کے ساتھ فلرٹ کیا تھا۔ وقتی کھیل..... دل لگی..... اور..... چونکہ وہ مجھے ہی وہ لڑکی سمجھتا ہے، اس لیے اب وہ مجھے سزا دینا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ منگنی اس نے مجھے سزا دینے کے لیے کی ہے۔"

"اوہ گاڈ!" وردہ کو چکر سا آ گیا۔ "یہ..... یہ سب کیا ہے ناعمہ؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"یقین تو مجھے بھی نہیں آتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ فراز نے میرا ہی گمان کیوں کیا؟ اسے کیوں یقین ہے کہ وہ لڑکی میں ہوں؟ کیا عریشہ نے اس سے کوئی غلط بیانی کی تھی؟"

"تم..... تم عریشہ سے پوچھو....." وردہ بہت ہی گھبرائی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپی؟" ناعمہ آزردگی سے بولی۔ "عریشہ سے کوئی بھی استفسار کوئی بہت بڑا ہنگامہ کھڑا کر دے گا..... آپ نے شاید اس کی ذہنی کیفیت پر غور نہیں کیا..... فراز سے علیحدہ ہو جانے کا فیصلہ اس نے غالباً "نافع" سے منگنی کے بعد کیا تھا اور تب سے وہ ایک پتھر کے بت جیسی زندگی گزار رہی ہے۔ میں اس سے کیا پوچھوں اور کیونکر پوچھوں؟"

"ناعمہ..... ناعمہ..... یہ تو بہت پیچیدہ مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔" وردہ سرگوشی میں بولی۔

وہ جیسے جیسے صورت حال پر غور کرتی جا رہی تھی، ناعمہ کی طرح اس پر بھی غائب دماغی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

"اگر عریشہ کی بات منگنی سے نکاح تک نہ پہنچی ہوتی آپی! تو ابھی بھی بہت کچھ ہو سکتا تھا لیکن اب..... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو ناعمہ! اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ عریشہ نے یہ بات خود تک محدود رکھ کر بہت نقصان اٹھایا ہے۔ اگر وہ منگنی کے وقت اسٹینڈ لے لیتی، تب معاملہ مختلف ہو سکتا تھا۔"

"ماموں اور ممانی نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا آپی!" ناعمہ نے سرد آہ بھری۔

"والدین بھی کبھی کبھار کیسے کیسے غلط فیصلے کر جاتے ہیں۔" اگلی آہ وردہ نے بھری تھی، پھر وہ چونک اٹھی۔

"لیکن..... لیکن ناعمہ..... تمہیں فراز کی غلط فہمی ضرور دور کر دینی چاہیے۔ کہیں وہ سزا کے چکر میں پڑ کر کچھ ایسا ویسا نہ کر بیٹھے۔ اسے بتا دو کہ تم وہ لڑکی نہیں ہو۔"

ناعمہ کچھ دیر خاموش رہی تھی۔

"میں نے اس پہلو پر بھی سوچا ہے آپی!" پھر وہ بولی۔ "اگر میں اس سے یہ کہتی ہوں، تب وہ یہ جاننے پر اصرار کرے گا کہ پھر وہ لڑکی کون ہے؟"

"ہاں تو بتا دو اسے۔" ناعمہ نے وردہ کو غور سے دیکھا اور دھیمے سے مسکرا دی۔

"کمال ہے..... اتنا عرصہ آپ سب لوگ مجھے بے ہوقوف، کم عقل اور نجانے کیا کچھ کہتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اچھی بھلی عقل مند ہوں آپی! عریشہ نافع کی بیوی ہے، اس کی عزت، اس کے حوالے سے ہمارے پورے خاندان کی عزت۔ نافع عباد اور فراز کا دوست ہے۔ میں نے فراز کو یہ بات بتا دی تو اس کی نگاہ میں نافع کی بیوی کی کیا حیثیت ہو گی؟ سمجھ سکتی ہیں آپ؟"

"اوہ!" وردہ کی سمجھ میں یک لخت سب کچھ آ گیا تھا۔ "پھر..... پھر ناعمہ؟"

"پھر یہ کہ میں فراز سے اقرار کر چکی ہوں کہ ہاں..... میں ہی وہ لڑکی ہوں جس نے کچھ عرصہ اس سے دل لگی کی۔"

"ناعمہ!" وردہ دھک سے رہ گئی۔ "وہ..... وہ..... سزا؟"

"اسی کی منتظر ہوں میں۔" ناعمہ نے سر جھکا لیا۔

"اوہ..... ناعمہ..... ناعمہ....." وردہ نے فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"آپی....." ناعمہ کچھ دیر بعد بولی۔ "نافع میرا صرف کزن ہے لیکن رافع بھائی کے حوالے سے آپ سے اس کا رشتہ مختلف اور احترام پر مبنی ہے۔ آپ..... آپ اسے کسی طرح سمجھائیں کہ وہ عریشہ سے متنفر نہ ہو۔ اسے زندگی کی طرف لوٹنے پر مجبور کرے۔ محبت کے جذبے میں بہت طاقت ہوتی ہے۔"

"تم تو واقعی بہت عقل مند ہو....." وردہ نے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔ "تمہارے سامنے یہ خاکسار زانوئے ادب تہہ کرتی ہے۔"

دونوں بہنیں کچھ شوخی، کچھ اداسی سے مسکرا دی تھیں۔



"کیا بات ہے؟" ربیعہ نے پیار سے عمر کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے پوچھا۔ "آج تم نے نہ نوڈلز کی فرمائش کی، نہ نگٹس کی۔ لان میں سائیکل بھی نہیں چلائی۔ یوں منہ لٹکا کر کیوں بیٹھے ہو۔"

عمر نے ربیعہ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں گہرائی اور اداسی تھی۔ ربیعہ چونک اٹھی۔

"کیا بات ہے عمر، طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک ہے خالہ جانی۔۔۔" وہ نیم دلی سے بولا۔
"اداس ہو؟"
"ہاں، ہوں تو۔" وہ کچھ سوچ کر بولا۔
"مما یاد آ رہی ہیں؟" ربیعہ نے آہستگی سے پوچھا۔
اس کی آنکھوں میں یکایک ہی آنسو ابھرے، وہ انہیں پینے کی کوشش کرنے لگا۔ ربیعہ کو اس چھوٹے سے معصوم بچے پر بے حد پیار آیا۔ اس نے اسے سینے سے لگا لیا۔
"عمر۔۔۔"
"خالہ جانی! مجھے مما یاد نہیں آ رہیں۔" وہ اس سے علیحدہ ہوا۔ "میں اب مما کو بالکل یاد نہیں کرتا۔ مما مجھے چھوڑ کر ہاشم انکل کے گھر چلی گئیں۔ اب وہ مجھ سے روز ملنے بھی نہیں آتیں۔ حالانکہ انہوں نے مجھ سے پرامس کیا تھا۔" ربیعہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔
"میں تو اب صرف پپا کو یاد کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا تھا، وہ مجھے لینے آئیں گے۔ ابھی تو وہ اپنے ضروری کاموں سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔"
"آپ کو ہم لوگ اچھے نہیں لگتے عمر؟ میں آپ کی نانو۔۔۔ انیقہ خالہ۔۔۔ عباد ماموں۔۔۔ ہم سب کتنا چاہتے ہیں آپ کو۔۔۔"
وہ اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولی۔
"جی ہاں۔" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ "میں بھی آپ سب سے بہت پیار کرتا ہوں اور۔۔۔ اور مما سے بھی۔۔۔"
اس کی آواز ایک بار پھر بھرا گئی تھی۔
"پھر۔۔۔ آپ ہم سب کو چھوڑ کر جانے کی بات کیوں کرتے ہو؟"
"اس لیے خالہ جانی! کہ میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں۔ مجھے پتا چل گیا ہے۔۔۔ یہ گھر نانو کا ہے۔۔۔ میرا گھر وہ ہے جو میرے پپا کا ہے۔"
ربیعہ نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔
"اتنی سی عمر میں اتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہو۔ مجھے لگتا ہے بڑے ہو کر تم ضرور سائنس دان بنو گے یا کوئی بڑے فلسفی۔" وہ لہجہ بدل کر بات بھی بدلنے لگی۔
عمر پر اس کی بات کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا تھا، وہ پھر سے کچھ سوچنے لگا۔
"اچھا۔۔۔ ایسا کرتے ہیں۔۔۔ سامنے پارک میں چلتے ہیں۔۔۔ میں تو بہت دنوں سے نہیں گئی اور میرا خیال ہے، تم بھی گھر میں بور ہو رہے ہو؟" عمر نے ایک نظر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں، میں تو بور نہیں ہو رہا۔۔۔ ویسے اگر آپ کو اسی کتے سے ڈر لگ رہا ہے تو میں آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔"
ربیعہ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو روکا تھا۔ کتا تو گویا باہر اسی کے انتظار میں ٹھہرا ہوا تھا۔
"ہاں سچ عمر۔۔۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے واقعی اکیلے جاتے ہوئے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ تم پلیز میرے ساتھ چلو نا۔"
"چلیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں اپنا بیٹ لے آؤں۔ وہاں میرے دوست کرکٹ کھیل رہے ہوں گے۔ میں بھی تھوڑا سا کھیل لوں گا۔"

"تھوڑا سا کیوں' اتنا سارا کھیلنا۔" ربیعہ نے مسکرا کر دونوں ہاتھ پھیلائے تھے۔

☆ ☆ ☆

پارک میں واقعی عمر کے کئی ہم عمر بچے کھیل رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اس کے انداز ہی بدل گئے۔ وہ ایک چھوٹے سے بچے کی ساری خوشی اپنے چہرے اور مسکراہٹ سے چھلکاتا ان کی طرف لپک گیا تھا۔ ربیعہ مسکراتے ہوئے ایک بنچ پر جا بیٹھی۔

"ہیلو..." دوستانہ انداز میں کہا گیا تھا۔ ربیعہ بے طرح چونکی۔

"ارے آپ..." رافع کو دیکھ کر اس کے اندر کون سا جذبہ ابھرا تھا' وہ سمجھ نہ پائی یا شاید اس نے جان بوجھ کر اس جذبے سے نظریں چرائی تھیں۔

"کئی دن کے بعد دیکھا... اک شخص..." وہ منہ ہی منہ میں گنگنایا۔

ربیعہ سمجھ کر بھی نا سمجھی سے مسکرائی۔ رافع بنچ کے دوسری طرف بیٹھ گیا۔

"آپ تو بہت ڈرپوک نکلیں ربیعہ..." وہ مسکرا رہا تھا۔ "آنا ہی ترک کر دیا اس حادثے کے بعد..."

"جی..." اس نے سر جھکایا۔ "سمجھ دار لوگ حادثات سے بچ کر چلتے ہیں۔"

رافع چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ اس نے جیسے ذو معنی بات کے اصل معنی پر غور کیا تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے ربیعہ!" پھر وہ بولا۔ "جو لوگ حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں' وہ بے وقوف ہوتے ہیں۔"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا..." وہ جلدی سے بولی۔ "میرا مطلب ہے جان بوجھ کر غلطی نہ کی جائے تو عقل مندی ہے۔"

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "بے سوچے سمجھے دل غلطی کر بیٹھے پھر؟"

"جی؟" اس نے حیران ہو کر اس کی جانب دیکھا۔

"آپ... دل کی غلطیوں پر یقین رکھتی ہیں ربیعہ؟" رافع اسے اتنی گہری اور بھرپور نظر سے دیکھ رہا تھا کہ ربیعہ چند لمحے بھی ان آنکھوں میں نہ دیکھ سکی۔ اس کی پلکیں بے اختیار اس کے رخساروں پر آ گری تھیں۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" رافع اس چہرے کی دلکشی کے سحر میں گرفتار ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا... کیا جواب دوں؟" اسے خود اپنی آواز اجنبی محسوس ہوئی تھی۔

"ایک غلطی کی ہے دل نے... جاننا چاہتا ہوں کہ واجب التعزیر ہوں یا بے اختیار قرار دے کر معاف کر دیا جاؤں گا... کہیے... جو بھی آپ کہنا چاہیں..."

ربیعہ دور کھیلتے عمر کو دیکھنے لگی تھی۔

"جزا یا سزا کا اختیار مجھے نہیں ہے رافع! غور کیجیے' جرم اگر ثابت ہو جائے تو کس کے گناہ گار ٹھہریں گے آپ۔" پھر وہ گہرے لہجے میں بولی۔

رافع بہت دیر تک کچھ کہنے کے قابل نہ رہا تھا۔

"دل... اپنی پسند کا کٹہرا چاہے تو؟" پھر وہ قدرے آزردگی سے بولا۔

"کٹہرے اور منصف دل کی پسند کے تابع تو نہیں ہوتے نا۔" وہ مسکرائی۔

رافع کو اس کی مسکراہٹ ڈوبتے سورج کی آخری کرن کی مانند لگی تھی۔

عمر نے رافع کو وہاں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ وہ بیٹ گھماتا' دوڑتا چلا آیا۔

"آہا... رافع انکل... السلام علیکم..."

"وعلیکم السلام... بھتیجے..." رافع نے اسے چوما۔

"اب آپ خالہ جانی سے شادی مت کر لیجیے گا۔" اس نے منہ بنایا۔

ربیعہ اس کی بات پر دھک سے رہ گئی تھی جبکہ رافع بے حد حیران۔

"کیا... کیا مطلب؟" وہ اسی حیرانی سے بولا۔

"مطلب یہ کہ جب بھی میں اور مما پارک میں آتے تھے' ہمیں یہاں ہاشم انکل مل جاتے تھے پھر انہوں نے مما سے شادی کر لی۔ اب خالہ جانی آتی ہیں تو آپ ملتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ آپ بھی خالہ جانی سے شادی کر کے انہیں اپنے گھر لے جائیں۔"

"عمر..." ربیعہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ "تم بہت عجیب باتیں کرنے لگے ہو۔ چلو گھر..."

"یہ نہ تھی ہماری قسمت۔" رافع کی گنگناہٹ ہرچند کہ بہت مدھم تھی پھر بھی ربیعہ نے اسے بخوبی سنا تھا۔ اس نے جلدی سے آگے جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

"بھتیجے! چلو میرے ساتھ..." رافع نے عمر کو پکارا۔ "اپنی مما سے مل لو۔"

عمر کی نگاہوں میں چمک ایسے اتری تھی جیسے اندھیرے میں جگنو چمکے پھر یک لخت وہ مرجھا سا گیا تھا۔

"نہیں انکل!" وہ بولا۔ "مجھے تو کل کے ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی ہے اور..."

"اور کیا؟"

"اور مما کی ساس مجھے پسند نہیں ہیں۔" اس نے بے نیازی سے کہہ کر ربیعہ کی انگلی تھام لی تھی۔ ربیعہ جز بز ہوئی۔ رافع زور سے ہنس رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ شہلا اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ ہاشم نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"ہاشم! میں... میں کچھ کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔" شہلا کی زبان اٹکنے لگی۔

ہاشم کی نظر نے ایک ساعت کو اسے دیکھا پھر وہ ہیئر برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔

"ہاشم! جو آپ سمجھ رہے ہیں... بالکل غلط ہے... میں... میں... چاہتی ہوں کہ آپ میری بات سن لیں۔" شہلا اضطراب کے عالم میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولی۔

"دراصل ہاشم! میں صرف عمر کے لیے فکر مند تھی۔ میں ایسا نہیں چاہتی ہاشم! کہ میں دوبارہ ماں نہ بنوں۔ بخدا میں ایسا نہیں چاہتی۔"

ہاشم آئینے کے سامنے سے ہٹ کر صوفے پر جا بیٹھا۔ سامنے رکھے بریف کیس کو کھول کر وہ اپنی فائل اور ضروری کاغذات اس میں رکھنے لگا۔ شہلا اس کے قریب آ بیٹھی۔

"ہاشم! میں عمر کی حیثیت کا تعین چاہتی تھی اور بس... میں... میں سوچتی تھی کہ ایک بار عمر کو ایک گھر... ایک جائز مقام مل جائے تب... تب میں دوبارہ ماں بنوں۔ بصورت دیگر وہ بہت کامپلیکسڈ ہو جاتا۔ آپ... آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔"

"شہلا!" وہ بریف کیس بند کرتے ہوئے بے حد نرم لہجے میں بولا۔ "میں نے آپ سے کسی بات کی وضاحت نہیں مانگی۔ آپ کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں ہاشم! آپ کے دل میں بدگمانی ہے۔" وہ روہانسی سی ہوئی۔

"گناہ دل میں ہو تو گناہ نہیں ہوتا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "عمل میں در آئے تب اس پر بات ہو سکتی ہے۔"

اس نے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔ شہلا اس کے پیچھے لپکی۔

"میں نے جو کچھ آپ سے کہا، آپ کو اس پر یقین نہیں ہے ہاشم؟"

ہاشم ٹھہر گیا تھا۔ اس نے پلٹ کر شہلا کو دیکھا اور دھیمے سے مسکرایا۔

"یقین تو آپ نے میرا نہیں کیا شہلا! دکھ تو صرف اس بات کا ہے۔ اینی وے.... طے شدہ بات پر مزید کیا بات کی جائے؟ میرا خیال ہے، میں لیٹ ہو رہا ہوں اور آپ کا بھی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ خدا حافظ۔"

وہ باہر نکل گیا تھا۔ شہلا اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی۔ ہاشم کا اندازِ تخاطب اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔ "آپ" سے "تم" تک کا فاصلہ اس نے خوش رنگ تمناؤں کے سہارے طے کیا تھا اور اب وہ واپس پلٹ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے، میں لیٹ ہو رہا ہوں اور آپ کا بھی وقت ضائع ہو رہا ہے۔"

شہلا کو چکر سا آیا تھا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔ ہاشم اس سے بدگمان ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا نہ تھا لیکن اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ واقعی ایک طے شدہ بات تھی۔

"ممی...." اس نے دروازہ کھول کر جھانکا۔ "میں آسکتا ہوں۔"

ریحانہ بیگم لیٹی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آنکھوں پر رکھا ہوا بازو ہٹایا۔

"ہاں.... آؤ فراز.... اندر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی، اسی لیے نیند بھی نہیں آئی۔" فراز نپے تلے قدم اٹھاتا اندر چلا آیا پھر وہ ان کے قریب بیٹھ گیا۔ ریحانہ بیگم اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ "فراز! میں نے ناعمہ کی ماں سے شادی کی بات کی تھی کہ آیا وہ وردہ سے پہلے ناعمہ کی رخصتی کر دیں گی یا پھر ہمیں انتظار کرنا پڑے گا۔ مجھے خوشی ہے کہ وہ ایک سمجھ دار خاتون ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ ناعمہ کا ہاتھ ہمیں دے دیں گی۔ جب بھی ہم چاہیں۔ تم سن رہے ہو نا؟"

فراز جو کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا، یک لخت چونکا۔

"جی.... سن رہا ہوں۔"

"دراصل بیٹا! میری طبیعت تمہارے سامنے ہے۔ کبھی دن کی طرح بالکل تازہ اور روشن ہوتی ہے تو کبھی سیاہ رات سی تاریک۔ مجھے خود اپنا اعتبار نہیں۔ میں چاہتی ہوں، جلد از جلد تمہارے سر پر سہرا سجا دیکھ لوں۔ کیا بات ہے فراز! تم کہاں کھوئے ہوئے ہو۔ میں اتنی اہم بات کر رہی ہوں اور تم دھیان ہی نہیں دے رہے ہو۔"

"نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں سب سن رہا ہوں لیکن بات یہ ہے امی کہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"ہوں.... یہ مت کہنا کہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے علاوہ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو۔" وہ سائیڈ میز سے اپنا چشمہ اٹھا کر نرم کپڑے سے صاف کرنے لگیں۔

فراز نے ایک نظر اپنی بہت عجیب محبت کرنے والی لیکن قدرے سخت گیر ماں کو دیکھا۔ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ وہ اسے چاہتی تھیں لیکن ان سے بات کرتے ہوئے ایک حدِ فاصل قائم رکھنا بہت ضروری ہوتا تھا۔ البتہ فریحہ سب سے چھوٹی ہونے کے ناطے اس چیز سے مستثنیٰ تھی۔ وہ ان کی لاڈلی تھی اور ان سے ہر بات شیئر کر لیا کرتی تھی۔

"امی..... آپ کو یاد ہوگا..... میری منگنی آپ رخسانہ آنٹی کی بیٹی فرحین سے کرنا چاہتی تھیں؟"
"اب اس بات کا یہاں کیا ذکر۔" انہوں نے اسے گھورا۔
فراز قدرے پزل ہوا۔
"وہ... امی..... دراصل..... میں چاہتا ہوں کہ میں آپ کی خواہش پوری کروں۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئیں۔ "میں کچھ سمجھی نہیں؟ کھل کر کہو؟"
"امی! میں ناعمہ سے شادی نہیں کروں گا۔" بالآخر وہ مضبوط لہجے میں بولا۔
ریحانہ بیگم چند لمحوں کے لیے سکتے میں رہ گئیں۔
"فراز! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ان کی آواز جیسے کسی کنویں سے برآمد ہوئی تھی۔
"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ میری شادی جلد کرنا چاہتی ہیں' کریں لیکن ناعمہ سے نہیں' فرحین سے۔"
ریحانہ بیگم چند لمحے اسے غم و غصے سے دیکھتی رہیں پھر ان کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پر ایک زوردار طمانچے کی صورت پڑا۔ پوری زندگی میں انہوں نے پہلی مرتبہ اپنی کسی اولاد پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ فراز بھی ششدر رہ گیا۔
"امی!" اسے یقین نہ آیا۔
"تم..... تم..... کسی غریب کی عزت کو مذاق سمجھتے ہو۔ چار دن کا کھیل ہے تمہارے لیے؟ کسی کے گھر کی خوشیاں تم اپنی دل لگی کے لیے استعمال کرو گے؟ فراز..... فراز..... میرا دل چاہ رہا ہے' میں تمہیں شوٹ کر دوں۔"
"کر دیں شوٹ مما!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "لیکن یہ امر قطعی ہے' میں ناعمہ سے شادی نہیں کروں گا۔ وہ لڑکی اس قابل نہیں ہے۔ جو الزام آپ نے مجھ پر لگایا ہے' ان ہی الفاظ میں' میں اس لڑکی پر عائد کرتا ہوں۔ کسی کی خوشیاں اس کے لیے محض چار دن کا کھیل اور دل لگی جیسی ہیں۔ ..... سوچنے کے لیے ہی میں نے یہ منگنی کی تھی۔ اب میں یہ منگنی توڑ دوں گا تاکہ اسے کھیل اور دل لگی کا صحیح مطلب سمجھ میں آئے۔"
ریحانہ بیگم بھی اس کے عقب میں کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے فراز کا کاندھا پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔
"سنو فراز!" وہ بولیں۔ "اس سارے معاملے کے پیچھے کیا کہانی پوشیدہ ہے۔ میں نہیں جانتی' مجھے جاننے میں دلچسپی بھی نہیں ہے۔ تمہارا ناعمہ سے کس طرح تعارف ہوا' بات کہاں تک پہنچی' مجھے علم نہیں ہے لیکن اب میں یہ جانتی ہوں کہ یہ معاملہ دو افراد کا نہیں' دو خاندانوں کا ہے۔ افسوس کہ تم نے ایک کریہہ عمل کے لیے اپنے خاندان کی عزت داؤ پر لگانا چاہی لیکن بیٹا! تمہاری ماں ابھی مری نہیں' زندہ ہے۔ میں تمہیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانے دوں گی۔ کیسے سمجھ لیا تم نے کہ جس طرح تمہاری ضد کے آگے مجبور ہو کر ہم منگنی کرلیں گے' اسی ضد کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے اسے توڑ بھی دیں گے۔ نہیں' وہ لڑکی جیسی بھی ہے' اس نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا' اس کا معاملہ صرف تمہارے ساتھ ہے۔ ہمارے لیے وہ ہماری ہونے والی بہو ہے۔ سمجھے تم۔"
"آپ جذباتی ہو رہی ہیں مما!" وہ چڑ گیا۔
"جذبات کا دھارا صحیح سمت میں بہتا ہو تو جذباتی ہونے میں حرج نہیں۔"
"آپ..... آپ بہو پا کر بیٹا کھونا چاہتی ہیں۔" وہ چراغ پا ہونے لگا۔
"اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔ ناعمہ ہر صورت تمہاری دلہن بن کر اس گھر میں آئے گی۔ اس گھر کے لوگ تمہاری طرح عہد شکن اور بے زبان نہیں ہیں۔ سمجھے تم۔ منگنی زبان ہے' عہد ہے۔"
فراز پیر پٹختے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"ایقان! میری بچی! کیوں خود کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ تجھے اپنے بچوں پر بھی ترس نہیں آتا۔" شفیقہ حیات بے بسی اور لجاجت سے بولیں۔
ایقان کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہونے لگیں۔ اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔
"کیوں ترس کھاؤں اپنے بچوں پر؟ خدانخواستہ سڑک پر تو نہیں بیٹھے ہوئے؟ اپنی ماں کے گھر میں ہیں۔ یہ حصہ ابا میاں نے میرے نام کیا تھا۔"
"اری باؤلی عورت۔ اری عقل! بچوں کو باپ کا سایہ چاہیے۔ اسلام اور قانون اسی لیے ممتا کو فراموش کر کے بچہ باپ کے حوالے کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں سمجھتی؟ کل کو اگر اس کے دماغ میں کوئی فتور آجائے خدانخواستہ... اپنے بچے چھین لے وے... تو کیا کرے گی؟ اپنے ابا میاں کا حصہ لے کر بیٹھی رہ جانا۔ بھلا یہ دو کمروں کی چھت بھی اتنا غرور کرنے کے لائق ہے۔"
"اماں....." وہ چھلک ہی پڑی۔ "کیا کہہ رہی ہیں آپ! میں بھلا کیا غرور کروں گی۔ جس عورت کا شوہر اس کا مان' اعتماد' اعتبار' سب ہی کچھ ایک راہ چلتی کو سونپ دے' لیکن آپ اگر مجھ سے یہ چاہتی ہیں کہ میں اس کے پیر پڑوں' اسے مناؤں' بلاؤں اور ایک بار پھر بے شرمی سے اس کے ساتھ چل دوں تو یہ ممکنات میں سے نہیں ہے۔ اتنی عزت نفس میرے اندر ہے ابھی۔"
شفیقہ حیات نے تاسف سے اسے دیکھا۔
"جھوٹی انا کو عزت نفس کا نام مت دو ایقان! یہ تو شیطان کا بہکاوا ہے جس میں آکر اپنا گھر اپنے ہاتھوں برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو تم۔ ارے غلطی انسانوں سے ہی ہوتی ہے نا۔ اس نے بھی مانا تھا کہ اس سے غلطی ہوئی۔ [illegible] انا کے جھنڈے بلند کرتی رہیں۔"
"سمجھانے کی کوشش کیا آپ کو...." وہ چیخ کر رہ گئی۔ "اس کی خامیاں بھی آپ کو دیدہ زیب محسوس ہوتی ہیں۔ خوبیاں نظر آتی ہیں۔"
"ارے بچی..... مجھے تو صرف تیرا گھر نظر آتا ہے۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ "اس سے میرا کیا رشتہ' کیا ناتا۔ سارے رشتے تیرے حوالے سے ہیں۔ میں تو صرف تجھے چاہتی ہوں۔"
"مجھے چاہتی ہیں اماں تو خدا کا واسطہ مجھے مجبور نہ کریں۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک پڑی۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی' مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔"
شفیقہ حیات بے بسی اور تاسف سے اسے دیکھتی رہیں۔
"تیرا غم میری جان لے لے گا ایقان!" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔ "ٹھیک ہے بچی! اماں مر جائے گی تو تجھے علم ہوگا کہ ماں جایوں کی محبت اور مروت کتنے دن کی....."
ایقان کے رونے میں شدت آگئی۔
"میں کب کسی سے کچھ مانگتی ہوں اماں!"
"ہاں تو اس بچے کے دل میں نیکی ہے اس لیے' جس دن اس نے ہاتھ کھینچ لیا' اس دن ہاتھ بھی پھیلانا پڑ جائے گا۔ اتنی سی بات نہیں سمجھتی؟ ارے جس کی کمائی کھا رہی ہے' اس کی چار خطاؤں سے نظر چرا لے تو کون سی قیامت آجائے گی؟"
"اپنے بچوں کی کفالت اس کی ذمہ داری ہے۔" وہ رونا بھول کر زور سے بولی۔ "کوئی احسان نہیں کر رہا ہے مجھ پر۔ پیسہ بھیجتا ہے اپنے بچوں کے لیے۔ نہیں بھی بھیجے گا تو ہم بھوکوں نہیں مریں گے۔ پڑھی لکھی ہوں' نوکری کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکتی ہوں۔"

"وہی مرغ کی ایک ٹانگ۔" انہوں نے اسے گھورا۔ "اس وقت سے ڈر جب وقت سمجھانے پر اتر آئے۔ ابھی تو ماں بدنصیب ہی سمجھا رہی ہے۔"

"چھوڑیں آپ.... میرے حال پر چھوڑ دیں مجھے۔" اس نے گالوں پر اتری نمی صاف کی۔

"یہ بتائیں، چائے بناؤں آپ کے لیے۔ کتنے دن کے بعد آپ کو میرا خیال آیا ہے۔ آپ تو مجھے ماں کم اور ساس زیادہ لگتی ہیں۔"

"میں نہیں پیتی چائے۔" انہوں نے خفگی سے سر جھٹکا۔ "ماں کی ممتا پر تو شک مت کر، شوہر پر تو جو کیا سو کیا۔"

ایقان نیم دلی سے مسکرائی۔ اسی لیے فون کی بیل بجی۔ ایقان کا دل دھڑکا۔ یہ وقت تو عاشر کے فون کا تھا۔ مومن کے اسکول سے آجانے کے بعد وہ بھی کبھار فون پر اس سے اور ایمان سے بات کرتا تھا۔ مومن نہا رہا تھا، ورنہ وہ بیل سن کر دوڑتا بھاگتا چلا آتا تھا۔ ایقان ٹس سی مَس بیٹھی رہی۔

"فون کیوں نہیں اٹھاتیں؟" شفیقہ حیات نے ناگواری سے پوچھا۔

ایقان نے سانس بھری۔ بیل بند ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔ ناچار اسے اٹھنا پڑا۔

"ہیلو...." اس نے اپنے دل کی دھڑکن اپنی سانسوں میں محسوس کی۔

"ہیلو۔" دوسری جانب عاشر ہی تھا "عاشر یات کر رہا ہوں۔"

"ہوں.... مومن نہا رہا ہے۔" وہ شفیقہ حیات پر ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی کہ فون کس کا ہے۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔

"مجھے.... تم سے بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

ایقان کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں۔ دل کی حالت اسے بتا رہی تھی کہ اس شخص سے کیسے کیسے ناتے تھے۔ اس کی پلکیں نم ہو گئیں۔

"کچھ دیر بعد کر لیتا۔" وہ آہستگی سے بولی۔

نجانے کیا بات تھی شفیقہ حیات کے سامنے بات نہ کرنا ہی بہتر تھا۔

"ہوں، ٹھیک ہے۔" وہ جیسے سمجھ گیا۔

لائن ڈس کنکٹ ہوئی تو ایقان نے بے جان ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا۔ وہ مڑ کر واپس آئی تو اسے احساس ہوا کہ شفیقہ حیات پوری طرح چونکی تھیں۔

"کس کا فون تھا؟" انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

"مومن کے دوست کا...." وہ بستر کی چادر ٹھیک کرتے ہوئے اپنے تاثرات چھپانے لگی۔

"اچھا...." وہ مایوس ہو کر کچھ سوچ میں ڈوب گئیں۔ "عاشر میاں! کبھی فون تو کرتے ہوں گے؟"

"جی؟" ایقان چونکی۔ "ہاں کرتے ہیں، کبھی کبھار۔"

"اچھا۔" انہیں جیسے خوشی بھی ہوئی اور اطمینان بھی۔ "کیا کہتے ہیں؟"

"کیا پتا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔ "مومن اور ایمان سے ہی بات ہوتی ہے۔"

"کبھی تم سے بات نہیں کی؟"

"نہیں۔" وہ بے رخی سے بولی۔

شفیقہ حیات مایوس ہوئی تھیں۔



منیزہ بیگم کو دوائی دے کر وہ کمرے سے نکلی تھی، تب ہی باہر گاڑی کا ہارن بجا اور چند لمحوں بعد ہی ڈور بیل

بھی۔ ربیعہ نے لاؤنج میں لگی دیوار گیر گھڑی کی جانب دیکھا۔ یہ وقت ایسا تھا جب شاذو نادر ہی کوئی آیا کرتا تھا۔ لاؤنج کا مرکزی دروازہ کھول کر وہ باہر نکلی‘ تب اس نے دیکھا۔ لکڑی کے گیٹ کے دوسری جانب ابرار جیلانی کھڑا تھا۔ ربیعہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ مڑ کر اندر چلی آئی۔

”امی!“ اس نے دھیرے سے منیزہ بیگم کو آواز دی۔

”ہوں۔“ وہ غنودگی کے عالم میں تھیں۔

”باہر عمر کے پاپا آئے ہیں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”کیا؟“ وہ چونکیں اور بیٹھ گئیں۔ ”کون ابرار؟“

”جی۔“

”کیا کہتا ہے؟“ ان کے چہرے پر ازحد پریشانی نمودار ہوئی۔

”پتا نہیں کس مقصد سے آئے ہیں۔ میں نے ابھی انہیں اندر نہیں بلایا۔“

وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہیں پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”دیکھتی ہوں‘ بات تو کرنی ہی ہوگی ربیعہ۔۔۔۔“

ربیعہ نے ابرار کے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔ اور لا کر بٹھا دیا۔

”آپ کی تعریف؟“ وہ پوچھے بنا رہ نہ سکا۔ ”پہلے کبھی دیکھا نہیں آپ کو۔“

”ربیعہ۔۔۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”اوہ۔۔۔ یس۔۔۔ یاد آیا۔۔۔ مجھے عمر نے آپ کے متعلق بتایا تھا۔ خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“

ربیعہ نے لہجے کی شائستگی سے متاثر ہو کر قدرے غور سے اسے دیکھا۔ وہ دل ہی دل میں اعتراف کیے بنا نہ رہ سکی۔ شہلا نے اگر اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا تو یقیناً بے حد مجبور ہو کر اٹھایا ہوگا۔

ابرار ایک حد درجہ متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ وہ شادیوں کے باوجود وہ نہایت کم عمر نوجوان نظر آتا تھا۔ براؤن‘ جدید تراش خراش کے ٹو پیس سوٹ میں وہ بہت جاذب نظر اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس کے بالوں کا اسٹائل‘ اس کی ریسٹ واچ اور بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی کسی قیمتی پتھر کی انگوٹھی۔ ہر شے سے امارت اور جدید انداز نمایاں تھا۔

وہ ہولے سے کھنکھارا۔ ربیعہ چونک اٹھی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ کتنے انہماک سے اس کا جائزہ لینے میں مگن تھی۔

”معاف کیجئے گا۔“ وہ شائستگی سے بولی۔ ”میں آنٹی کو بھیجتی ہوں۔“

وہ تیزی سے باہر کی سمت بڑھ گئی۔ ایک مرتبہ پھر اس نے سوچا تھا۔ اتنا جاذب نظر بندہ اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اپنے مگن ہو کر اسے دیکھنے کے خیال سے وہ شرمندہ بھی ہوئی اور اسے ہنسی بھی آئی۔

کچن میں آ کر اس نے چائے کے لیے پانی ابلنے کو رکھا اور برتن نکالنے لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کتنا اچھا ہوا جو اس وقت عباد اور انیقہ دونوں ہی گھر پر نہیں تھے‘ وہ دونوں قدرے جذباتی ہو کر سوچتے تھے۔ ان کی موجودگی سے کوئی مسئلہ بھی کھڑا ہو سکتا تھا۔

چائے کی ٹرے لے کر وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو ابرار اور منیزہ بیگم دونوں ہی خاموش تھے۔ ابرار کی خاموشی میں اطمینان تھا جبکہ منیزہ بیگم کے چہرے کا نقش نقش ان کے اضطراب کی داستان سنا رہا تھا۔

ربیعہ نے چائے بنا کر دونوں کو دی۔

”تھینکس۔“ ابرار شائستگی سے بولا۔

”دیکھو بیٹا!“ منیزہ بیگم بولی تھیں۔ ”میں جانتی ہوں کہ قانوناً تم ہی عمر کے اصل حق دار ہو۔ ہم لوگ تمہیں کسی طور اسے یہاں سے لے جانے سے نہیں روک سکتے لیکن اگر تم ہم پر ترس کھا کر‘ دماغ کے بجائے دل سے سوچو۔۔۔ تو۔۔۔ عمر کے لیے تمہارا فیصلہ تمہیں نامناسب لگے گا۔ وہ ہم لوگوں سے بہت اٹیچڈ ہے۔ نہیں رہ پائے گا ہمارے بغیر اور۔۔۔ اور ہم سب عمر کے بغیر۔۔۔“ ان کی آواز بھرا گئی۔

”آنٹی۔۔۔“ اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ ”کیا شہلا کی شادی سے پہلے کوئی سوچ سکتا تھا کہ عمر شہلا کے بغیر رہ پائے گا یا شہلا عمر کے بغیر رہے گی؟ نہیں نا۔ یہ تصور ہی بے معنی لگتا ہوگا خصوصاً شہلا کو لیکن اب آپ دیکھیں‘ دونوں نے اس جدائی کو ایک زندہ حقیقت کی مانند قبول کر لیا ہے۔ یہ سب تو کہنے کی باتیں ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ صحیح کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے بیٹے کو میرے ساتھ رہنا چاہیے۔ نانی اور ماموں کے پاس رہنا مناسب نہیں جبکہ ماں‘ باپ حیات ہوں‘ بچے کو ان باتوں کا احساس نہیں ہو سکتا لیکن آہستہ آہستہ وہ یہ سب اکورڈ فیل کرے گا۔ لوگوں کے سوالات اس کے اندر احساس کمتری پیدا کر دیں گے اور ایک دن وہ ہم سب سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوگا کہ اس کے ماں باپ کے ہوتے ہوئے وہ آخر اپنی نانی کے گھر کیوں رہتا ہے؟ ابھی اسے آپ لوگوں سے بچھڑنے میں تھوڑی تکلیف تو ہوگی لیکن آخر کار وہ اس تبدیلی کو ذہنی طور پر قبول کر ہی لے گا۔“

منیزہ بیگم خاموش ہی رہ گئیں۔ دکھ کی گہری پرچھائیں ان کے چہرے پر تھی۔ وہ عمر کو اس طرح چاہتی تھیں جیسے وہ ان کا نواسا نہ ہو‘ سب سے چھوٹا‘ بے حد لاڈلا بیٹا ہو۔

”میں جانتا ہوں آنٹی! اس کی جدائی وقتی طور پر آپ سب ہی کو شاق گزرے گی لیکن اس میں عمر کا مستقبل‘ اس کی بھلائی پوشیدہ ہے‘ اس لیے اس فیصلے کو خوش دلی سے قبول کر لیں پلیز۔“

”کیا کہہ سکتی ہوں۔“ وہ آزردگی سے بولیں۔ ”تمہاری باتوں کی نفی بھی نہیں کر سکتی لیکن اپنی محبت سے کیا کہوں؟“

”آنٹی! میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ آپ نے یقیناً نانی نہیں‘ ماں بن کر پالا ہے اسے لیکن یقین جانیں‘ میں اسے آپ سے جدا نہیں کروں گا۔ وہ اسی طرح آپ سے ملا کرے گا۔ اس کا صرف گھر تبدیل ہوگا‘ رشتے نہیں۔“

اس کے لہجے میں نجانے کیسا اطمینان تھا۔ ربیعہ کو کسی گہرائی کا احساس ہوا۔

”اور جب آپ دادی بنیں گی تو ان بچوں کی قلقاریوں میں ساری اداسیاں کھو جائیں گی۔ آپ کو یہ سب یاد بھی نہ رہے گا۔“ وہ بشاشت سے بولا۔

منیزہ بیگم اور ربیعہ خاموش تھیں۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں کل شام آ کر اسے لے جاؤں گا۔ اب اجازت دیجئے۔“

وہ کمرے سے نکل گیا۔ منیزہ بیگم نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا‘ ان کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ ربیعہ نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

خوشی سے چمکتا ہوا چہرہ لیے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ تسبیح کرتی شفیقہ حیات نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ ان کے قریب آ بیٹھا۔

”چلیں‘ جلدی سے سارا اثر میری پیشانی میں داخل کر دیجئے پھر آپ کو خوش خبری سناتا ہوں۔“

شفیقہ حیات نے اس کی پیشانی پر دم کیا پھر پیشانی چوم لی۔

"تمہیں دیکھنا ہی بڑی خوشی ہے بچے! ماں باپ کی نظر تو اپنے بچوں کو صرف دیکھنے سے ہی راضی رہتی ہے۔ کہو، کیا بات ہے؟"

رافع نے ان کے ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگائے۔

"دادی جان! آپ بہت اچھی ہیں۔ خوشی کی خبر یہ ہے کہ میری نوکری پکی ہو گئی۔ اپائنٹ منٹ لیٹر لے آیا ہوں۔"

"ارے واہ۔۔۔ مبارک ہو بہت بہت۔" ان کی ساری خوشی ان کی آنکھوں میں اتر آئی۔

"تمہارے باپ کا بھی بوجھ ہلکا ہوا۔ بڑے بیٹے کے روزگار سے لگنے کی تو خوشی ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ دیگ پکواؤں گی۔ کیسی نوکری ہے؟"

"نوکری بہت اچھی ہے اماں۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔ "اس کمپنی میں پہلے بھی ایک مرتبہ ٹرائی کر چکا ہوں، تب کامیابی نہ ہوئی تھی۔ یوں سمجھ لیں یہ میرا خواب تھا جو پورا ہو گیا۔"

"ماشاء اللہ۔ تب ہی تو خوشی ایک ایک ادا سے چھلک رہی ہے۔" وہ ہنسیں۔ "ماں کو بتایا؟"

"امی شاید پھپھو کی طرف گئی ہیں۔" اس نے بند آنکھوں سے ہی بتایا۔

"رابعہ کی طرف؟"

"جی۔۔۔ شاید۔۔۔" اسے جیسے دادی کی گود میں نیند آنے لگی تھی۔

"اچھا رافع۔۔۔ بات سنو۔۔۔ یہ تمہارا اور وہ سے شادی کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ تمہاری ماں کچھ فکرمند ہو رہی تھی۔"

انہوں نے بنا کسی پیش لفظ کے اچانک ہی اصل بات کا آغاز کیا تھا۔ رافع اس اچانک جملے پر چونک اٹھا۔ آنکھیں کھول کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"امی فکرمند کیوں ہیں؟ میں نے ایسا کیا کہا؟" وہ محتاط ہو کر پوچھنے لگا۔

"ارے بچے۔۔۔ ماؤں کے دل تو یوں بھی بہت وہمی ہو جایا کرتے ہیں۔ خصوصاً بیٹوں کے معاملے میں۔ ذرا ذرا سی باتوں سے اندازے لگایا کرتی ہیں۔ تم سے اس کی کیا بات ہوئی۔ یہ تو میں جانتی نہیں۔ تاہم وہ فکرمند ضرور ہے۔ شاید تم نے ایسا کچھ کہا ہو؟"

وہ بات مکمل کر کے بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ رافع سے اپنے تاثرات چھپانا دشوار ہونے لگا۔

"بولو بچے! اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو مجھ سے کہو اپنی پریشانی؟"

"نہیں دادی!" وہ مدھم سا گویا ہوا۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ ابھی کرنے کو بہت کچھ ہے لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا، جلدی کس بات کی ہے؟"

"بڑے لڑکے ہو۔۔۔ جب باپ ہو گے تو یاد کرنا ان دنوں کو۔ ماں باپ کو کیسی آرزو ہوتی ہے ان لمحوں کو دیکھنے کی۔ بہرحال تمہاری بات رکھ کر تم کو کچھ مہلت دے دیں گے ہم لیکن ہمیں اتنا اطمینان تو دلا دو تاکہ وردہ سے شادی کرنے میں تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

رافع نے ایک گہری سانس بھری۔ ایک نظر بوڑھی دادی کی جانب دیکھا پھر لب چباتے ہوئے وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

"مگر میں آپ سے کہوں دادی!" پھر وہ دھیرے دھیرے کہنے لگا۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

31th EPISODE

"نہ جانے کیوں میرا دل اور دماغ کسی بھی بات پر متفق نہیں ہو رہے ہیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس وقت زندگی سے کیا چاہ رہا ہوں اور زندگی مجھ سے کیا چاہ رہی ہے؟ شاید یہ دونوں علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں اور میں اس چیز سے ڈسٹرب بھی ہوں اور خوف زدہ بھی۔ مجھے نہیں لگتا کہ اس صورت حال میں میں کسی سے بھی انصاف کر سکوں گا۔ اسی لیے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فی الوقت میں شادی جیسی بڑی ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا۔"

اس نے سر اٹھا کر شفیقہ حیات کی جانب دیکھا جو نظروں میں بے تحاشا تشویش اور الجھن لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی دھندلی بوڑھی آنکھوں میں بہت گہرائی تھی۔ رافع زیادہ دیر ان سے نگاہیں نہ ملا سکا۔

"رافع!" انہوں نے کچھ دیر بعد اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ "میرے بچے تو نے اس وقت میرے دل کا سب چین، سارا قرار مجھ سے چھین لیا ہے۔ دیکھ بیٹے! دادی کو سچ سچ بتا دے کیا تجھے کوئی اور لڑکی پسند آگئی ہے؟"

رافع خاموش بیٹھا رہا۔ چین اور قرار کی بات کر کے جب وہ یہ بات پوچھ رہی تھیں تو وہ کچھ بھی کہنے کے قابل ہی کہاں رہا تھا۔

"رافع.....!" ان کی آواز بھیگ گئی۔ "میری بیٹی رابعہ بہت ظرف والی' بڑے صبر والی بچی ہے' زندگی کی کٹھنائیوں کا اس نے بہت پامردی سے مقابلہ کیا ہے۔ خدا نے اسے تین بیٹیوں سے نوازا' اس نے بہت خوش دلی سے اپنی پھول سی بچیوں کی پرورش کی [illegible] لیکن کبھی کوئی حسرت' کوئی شکوہ اس کے لبوں پر نہ آیا۔ شوہر کی بھی [illegible] رفاقت اس سے چھوٹی..... ہا..... آہ! اس خدا کی [illegible] نے بہت جلد خود پر اور حالات پر قابو پانے کی اپنی [illegible] کی۔ ایقان پر تو اس کے حوصلے اور صبر کا سایہ تک نہیں پڑا [illegible]..... میں یہ کہہ رہی تھی کہ بیٹا! تم جوان [illegible] خون ہو۔ ذہن کے بجائے زیادہ تر دل سے سوچتے ہو گے۔ یہی تمہاری عمر کا [illegible] ہے۔ لیکن میرے [illegible]۔ جو بھی فیصلہ کرو' اپنی صبر والی پھپھی کے صبر اور حوصلے کو مت آزمانا اور پھر وہ [illegible] پیاری بچی ہے۔ تین لڑکیوں [illegible] گئی [illegible] یہ دو خوبیاں ہوں وہ مر [illegible] زندگی میں [illegible] میری بات [illegible]"

"جی [illegible] رافع چونکا پھر اس نے ایک گہری سانس بھری۔ "سن رہا ہوں دادی! سب سن رہا [illegible] سب سمجھ رہا ہوں..... آپ [illegible] سمجھتی ہیں؟ ان میں سے کوئی بات ایسی بھی ہے جو میرے علم میں نہ ہو [illegible] سب جانتا ہوں میں آپ بے فکر رہیے۔ میں ایسا کوئی فیصلہ نہیں کروں گا جس سے کسی کو کوئی دکھ پہنچے۔ بس مجھے وقت درکار ہے دادی! زندگی اور زندگی کے مطالبات کو سمجھنے کے لیے وقت چاہیے۔ خود کو سمجھانے کے لیے وقت چاہیے۔"

"رافع!" شفیقہ حیات نے اچانک ہی سرگوشی کی۔ "وہ کون ہے؟"

"کون؟" وہ حیران ہوا۔

"وہی لڑکی جسے تو شاید..... چاہنے لگا ہے۔"

"اوہ!" وہ یک لخت ہی اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"بہت..... خوبصورت ہے کیا؟"

"کم آن دادی جان....." وہ ہنس دیا۔ پھر اس نے جھک کر ان کا سر چوم لیا۔ "کہہ رہا ہوں نا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دیں۔"

"بیٹا..... اپنی وردہ بھی بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ تم نے تو کبھی اسے غور سے بھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ کب سے تمہاری منگیتر ہے وہ۔ لڑکیوں کو ایسے رشتوں ناتوں سے بہت توقعات وابستہ ہو جایا کرتی ہیں۔ بہت نازک جذبے ہوتے ہیں ان کے..... ان باتوں کا بھی خیال نہیں کیا تم نے....."

"یا اللہ....." رافع بے حد گھبرا گیا۔ "میں چلوں دادی..... بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔"

...بیٹے۔ کھانا کھاؤ۔۔ چائے پیو۔۔ فریش ہو لو۔۔ لیکن میری باتوں کو ذہن میں دہرا ضرور لینا۔"
رافع خود کو سخت پراگندہ خیال محسوس کرتا ہوا وہاں سے نکلا۔



"آپ جانتی ہیں بھابھی جان! امی کے مشورے سے زیادہ میں آپ کے مشورے کو صائب جانتی ہوں۔ آپ کی رائے میرے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اسی لیے فراز کی امی کا فون آتے ہی میں نے آپ کو کہلا بھیجا۔ آپ کہیے کیا رائے ہے آپ کی۔۔؟"

زاہدہ بیگم نے ایک نظر قدرے خاموش اور سنجیدہ نظر آتی عذرا بیگم کو دیکھا۔

"میرا اور آپ کا نند بھاوج کا کم اور بہنوں والا معاملہ زیادہ ہے۔ اس لیے اپنی رائے دینے میں کوئی تردد نہ کریں۔ جیسی بھی آپ کی آسانی ہو ہم ویسا ہی کریں گے۔ لیکن میرا اپنا خیال یہ ہے کہ آپ ثانیہ اور رافع کے فرض سے فارغ ہو جائیں میں وردہ اور ناعمہ کے فرض سے سبکدوش ہو لوں۔ کیسی آسانی ہو جائے گی ہماری۔"

کچن میں عذرا بیگم کے لیے چائے بناتی ہوئی وردہ کے ہاتھ سست ہو گئے تھے۔ وہ بے دلی سے چائے کی پیالیاں بھرنے لگی۔

"ٹھیک تو تم بالکل درست ہو رابعہ۔۔۔ تمہاری بات کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ رافع ثانیہ سے بڑا ہے اور وردہ ناعمہ سے بڑی ہے۔ پہلا حق بھی ان دونوں کا ہی بنتا ہے۔۔ لیکن۔۔" وہ قدرے رکیں۔

"لیکن کیا بھابھی جان؟ آپ کھل کر کہیے اگر کوئی پریشانی ہے تو ہم مل کر اس کا حل ڈھونڈ سکتے ہیں۔"

"بات یہ ہے کہ رافع۔۔۔ رافع ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔" وہ نظریں جھکا کر آہستگی سے یوں بولیں جیسے کسی جرم کا اقرار کر رہی ہوں۔

"رافع؟" رابعہ بیگم دھک سے رہ گئیں۔ "لیکن۔۔ اسے کیا اعتراض ہے بھابھی جان؟ ان کے تو ہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس معاملے میں رافع کی جانب سے بھی کوئی گریز ہو سکتا ہے۔"

"نہیں رابعہ! تم غلط سمجھ رہی ہو اس بات کو۔ دراصل وہ اپنے کیریئر اپنے مستقبل کے حوالے سے کہتا ہے یہ تم تو جانتی ہو آج کل کے لڑکے ایک ہی جست میں ہی آسمان چھو لینا چاہتے ہیں۔ وہ شادی کو پاؤں کی زنجیر سمجھتا ہے۔ ورنہ وردہ تو اپنی ہی بچی ہے۔ اس کی روشن خیال لڑکی ہے۔ وہ تو الٹا اس کی مدد کرے گی اس کا کیریئر بنانے میں۔"

"میں ایک بار پھر رافع سے بات کروں گی۔ تم خاطر جمع رکھو۔" عذرا بیگم نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر جیسے تسلی دی۔

وردہ کچن سے چائے لے کر نکلی تو وہ دونوں ہی خاموش ہو گئی تھیں۔ وردہ نے بسکٹ ان کے سامنے کیے تو انہوں نے پلیٹ سے ایک بسکٹ اٹھا لیا۔ پھر کوئی خیال آنے پر انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"ارے بھئی وردہ۔۔۔ ثانیہ کب سے یاد کر رہی ہے تمہیں۔۔۔ اسے بازار سے بھی کچھ کام ہے اور اپنی ایک قمیص بھی کڑھوانا ہے تم سے۔۔۔ پہلے تو تم اکثر چکر لگایا کرتی تھیں اب تو صورت نہیں دکھاتیں بھی۔"

"جی تائی امی! میں آؤں گی کل پرسوں تک۔۔۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"سوچتی ہوں ناعمہ کے لیے بھی ایک دو کڑھائی کے سوٹ تیار کر لوں۔ کیا پتہ اس کی ساس کا کب ارادہ بن

عذرا بیگم نے پیار سے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"اور اگر تمہاری ساس کا ارادہ بھی بن گیا پھر؟" انہوں نے اس کی ٹھوڑی کو ذرا سا اٹھا کر شرارت سے پوچھا۔ وردہ قدرے جھینپ سی گئی۔ رابعہ بیگم اور عذرا بیگم ہنس دی تھیں۔



وہ بے حد بے قراری سے ٹہل رہی تھی۔ کل سے وہ اسی بے چینی اور بے کلی کا شکار تھی۔ عاشر کے فون نے اسے بہت ٹینس کر دیا تھا۔ شفیقہ حیات کی موجودگی کے باعث وہ اس سے بات نہ کر پائی تھی۔ اس نے دوبارہ فون کیا تو عذرا بیگم اس کی خیریت دریافت کرنے آئی ہوئی تھیں۔ ایقان نے فون کا تار ہی نکال دیا تھا اور تب سے اب تک وہ ایک ناقابل بیان کیفیت کا شکار تھی۔ عاشر نے اسے کیوں فون کیا تھا... وہ آخر کون سی ضروری بات کرنا چاہتا تھا اس سے؟

شاید تنہا زندگی کے تعاقب میں دوڑتے دوڑتے وہ تھک گیا تھا۔ شاید جھکنا چاہتا تھا... اپنی ہار کا اقرار کرنا چاہتا تھا... اور ایقان اس کی ہار کا اعتراف سننے کی بے حد شدتوں سے متمنی تھی۔ اس [illegible] مومن کے اسکول سے آنے کا وقت ہو چکا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب عاشر [illegible] فون کیا کرتا تھا۔

ایقان نے اپنے دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس کی اور تب ہی [illegible] ہوئی تھی۔ وہ اچھل ہی پڑی پھر تیزی سے چلتی ہوئی وہ فون تک پہنچی تھی۔
"ہیلو...!" اس کا سانس غیر معمولی ہو رہا تھا۔
"ہیلو... عاشر بات کر رہا ہوں۔" اس کے انداز [illegible] بے حد سنجیدگی تھی۔
"ہاں بولو... کیا بات ہے؟" ایقان نے لہجے [illegible] زمانے بھر کی بے رخی سمو کر کہا۔ اس کی ہار کے اعتراف کے موقع پر وہ خود کو بہت بے نیاز اور بے پروا ثابت کر [illegible] تھی وہ احساس دلانا چاہتی تھی [illegible] اتنی گری پڑی، مظلوم اور طالب نہیں ہوتی جتنا کہ [illegible] نہیں جھکتی۔ اپنے بچوں کے مستقبل اور خوشیوں [illegible] لیے کبھی کبھار مرد کو بھی جھکنا پڑتا ہے۔"
"میں... میں ایک بے حد ضروری بات کرنا چاہتا [illegible]..." وہ قدرے رکا تھا۔
"میں سن رہی ہوں۔"
"ایقان... میں۔" ایقان سانس روک کر دم بخود سننے لگی۔
"ایقان! میں نزا سے شادی کر رہا ہوں۔" وہ بالآخر کہنے لگا۔
"کیا؟" اس کے لبوں سے چیخ کے مشابہہ آواز نکلی تھی۔
ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اس نے فوری طور پر دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا تو شاید وہ گر ہی جاتی۔ دوسری جانب خاموشی تھی۔ شاید وہ اس کے جوابی ردِعمل کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن ذہنی جھٹکا ایسا تھا کہ ایقان خود کو مفلوج تصور کر رہی تھی۔
"کیا ہوا؟" کچھ دیر بعد وہ بولا۔ اس کے لہجے میں طنز تھا۔
"کچھ کہو گی نہیں؟ تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کا یہ ایک منطقی نتیجہ ہے سو خود کو شاباش دو ایقان بیگم۔"
ایقان مہر بہ لب ساکت نگاہوں سے دیوار کو گھور رہی تھی۔
"زندگی کی دشوار گزار راہوں پر تم اکیلی چل سکتی ہو۔ میں تمہاری ہمت کو سات سلام کرتا ہوں، تاہم میرے لیے یہ سب کچھ بہت مشکل تھا۔ مجھے زندہ رہنے کے لیے ایک ساتھی کی ایک سہارے کی ضرورت تھی۔ اسی لیے

[illegible] بالآخر فیصلہ کر لیا ہے۔ اب محض اس پر عمل در آمد باقی ہے۔ سوچا، تمہیں ضرور بتا دوں۔ آخر ہمارے بیچ [illegible] نام کا ہی سہی لیکن میاں بیوی کا رشتہ قائم ہے اور یہ رشتہ تقاضا کرتا ہے کہ تمہیں یہ بات بتائی جائے۔"
"[illegible]... آئی ہیٹ یو۔" بالآخر اس کے لبوں سے سرسراتی آواز میں نکلا اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو [illegible] نکلے۔
"آئی ہیٹ یو عاشر... مجھے نفرت ہے تم سے... تمہارے ساتھ جڑے ہر رشتے سے۔ میں تمہارے ساتھ نام [illegible] کا رشتہ رکھنا نہیں چاہتی مجھے طلاق چاہیے۔ ابھی... اسی وقت۔"
وہ ریسیور کان سے لگائے پاگلوں کی مانند چیخ رہی تھی۔ عاشر کافی دیر خاموش رہا۔ اس کی چیخیں تھمیں تو وہ تحمل سے [illegible]
"تمہاری حماقت، جذباتیت اور جلد بازی نے ہی تمہیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے ایقان! لیکن بہرحال میں اتنا [illegible] جذباتی اور کم عقل نہیں ہوں۔ سوچ سمجھ کر ہی فیصلے کرتا ہوں۔ تمہیں طلاق دینے میں مجھے عار نہیں۔ تاہم میں [illegible] چاہتا ہوں کہ یہ ہمارے بچوں کی زندگی پر کیسے اثرات مرتب کرے گا۔ سو اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔"
[illegible] جنرل۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ "کچھ بھی نہیں، مجھے طلاق ابھی اسی وقت... میں تمہارے [illegible] کمینے شخص کے ساتھ ایک پل بھی جڑی رہنا نہیں چاہتی۔"
غم و غصے سے وہ دیوانی ہو رہی [illegible] کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ریسیور میں ہاتھ ڈال کر وہ اس کا گریبان پکڑ [illegible] لے۔ اسے دیوانہ وار مارتی۔ اس کا چہرہ لہولہان [illegible]
"سوچ لو ایقان... اچھی طرح سوچ لو۔ میں چند [illegible] بعد فون کروں گا۔" دوسری جانب اس نے لائن ڈس [illegible] کنکٹ کر دی تھی۔
"ہیلو... ہیلو کمینے... ذلیل... پاجی... بات کرو [illegible] سے بات کرو۔" وہ کریڈل پر ہاتھ مارنے لگی۔ حالانکہ ڈس [illegible]
[illegible] نہیں... " ریسیور پھینک کر وہ دونوں ہاتھوں سے بہتے [illegible] ہوئے آنسو صاف کرنے لگی۔ "تم طلاق نہیں دو گے تو [illegible] عدالت جاؤں گی۔"
آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لیتے تھے۔ سسکیاں [illegible] تھم کر نہ دیتی تھیں۔ وہ بمشکل کمرے میں آئی اور بستر پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔

★ ★

وہ بالکل گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔ اس [illegible] ایک جانب منیزہ بیگم بیٹھی تھیں اور دوسری طرف انیقہ تھی۔ قدرے فاصلے پر کھڑکی کے قریب عماد [illegible] کھڑا ہوا تھا۔ ربیعہ ایک اٹیچی کیس میں عمر کا سامان رکھ رہی تھی۔ وہ ان سب کی [illegible] ایک بال کا تعاقب کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے آج خاص طور پر نیا لباس پہنا تھا اور وہ اپنی حرکات و سکنات سے بہت پرجوش اور خوش نظر آ رہا تھا۔ شہلا کی خاموش نظریں بار بار اس کا طواف کرتی تھیں پھر اس کے اندر سے ایک سسکی سی نکلتی تھی۔
"عمر... آپ کے کھلونے بھی رکھ دوں؟" ربیعہ نے قدرے آزردگی سے پوچھا۔ "یا انہیں یہیں چھوڑ جاؤ۔ جب یہاں آیا کرو گے تو کھیلا کرنا ان سے۔"
"ٹھیک ہے۔" اس نے بے نیازی سے سر ہلایا۔ "ویسے بھی پاپا نے پرامس کیا ہے کہ وہ مجھے بہت سے ٹوائز دلوائیں گے۔ کافی سارے انہوں نے لے کر بھی رکھے ہیں۔"
پھر وہ دوڑتا ہوا شہلا کے قریب آیا اور اس کے گلے میں بازو ڈال کر لٹک گیا۔
"مما... آپ کو پتا ہے پپا نے میرا روم سیٹ کروا دیا ہے۔ اتنا اچھا، اتنا اچھا۔ پپا کہہ رہے تھے۔ انہوں نے گھر

کا سب سے خوبصورت کمرہ میرے لیے سیٹ کروایا ہے۔ مما! آپ کبھی آئیں گی مجھ سے ملنے؟ میں آپ کو اپنی چیزیں دکھاؤں گا۔ پلیز مما۔۔۔ آپ آئیں گی نا؟" شہلا کی آنکھوں سے چند قطرے نکل کر اس کے بالوں میں گم ہو گئے۔ اس نے سر اٹھا کر شہلا کا چہرہ دیکھا۔

"مما پلیز۔۔۔ آپ روئیں مت۔۔۔ میں گلٹی فیل کرنے لگتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے جیسے آپ میری وجہ سے رو رہی ہیں۔ دیکھیں نا۔۔۔ آپ بھی تو ہاشم انکل کے ساتھ گئی تھیں۔ میں تو نہیں رویا۔ آپ سے پرامس جو کیا تھا میں نے۔ اب میں جا رہا ہوں تو آپ کیوں رو رہی ہیں۔"

اس نے اپنے ہاتھ سے شہلا کا چہرہ صاف کیا۔ شہلا سسک پڑی۔ اس نے عمر کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ منیزہ بیگم نے دلاسا دینے والے انداز میں اس کے شانے پر بازو پھیلایا تھا۔

"بچے کو خوشی خوشی بھیجو شہلا! کسی غیر کے نہیں' اپنے باپ کے ساتھ جا رہا ہے۔ دل مضبوط رکھو بیٹا پھر اس نے وعدہ کیا ہے کہ ہمیں محسوس نہیں ہونے دے گا کہ عمر یہاں سے چلا گیا ہے۔ وہ روز عمر کو بھیجے گا۔ ہم روز اس سے ملیں گے۔ اسے پیار کریں گے۔ اگر دماغ سے سوچو تو یہی ٹھیک ہے۔ عمر کو باپ کے مضبوط سہارے کی ضرورت ہے۔ نام کی ضرورت ہے۔"

"نہیں سوچ سکتی دماغ سے۔" اس کے لبوں نے سرگوشی کی۔ "نہیں سوچ سکتی۔ محبت کے پاس صرف دل ہوتا ہے امی! دماغ تو اسے ملا ہی نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی کیا اچھا ہے کیا برا۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں عمر کے بغیر نہیں جی سکتی۔"

"مما۔۔۔" عمر اس کے انداز سے روہانسا ہو گیا۔ "آپ ایسے بی ہیو نہ کریں پلیز۔۔۔ ورنہ میں بھی روؤں گا۔ مجھے آپ کے آنسوؤں سے رونا آ رہا ہے۔ مما۔۔۔ آئی لو یو۔۔۔"

اس نے شہلا کو پیار کیا۔ شہلا نے اسے دیوانہ وار لپٹا لیا تھا۔ عجب منظر تھا۔ سب ہی کی پلکیں نم تھیں اور دل آزردہ تھے۔

باہر گاڑی کا ہارن بجا تو سب نے چونک کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ عباد تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اندر آیا تھا۔

"امی۔۔۔" وہ منیزہ بیگم سے مخاطب ہوا۔ "ابرار صاحب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔ چائے وغیرہ بھیج دیں' ویسے وہ جلدی میں ہیں' فوراً جانا چاہ رہے ہیں۔ بہر حال میں انہیں چائے کے لیے اندر لے آیا ہوں۔ آپ بھی آ کر مل لیں اور۔۔۔ اور۔۔۔ عمر۔۔۔ کو بھی لے آئیں۔"

عمر کو چند لمحوں پیشتر والی خوشی شہلا کے آنسو دیکھ کر بھول چکی تھی۔ وہ خوفزدہ سا نظر آ رہا تھا۔ شہلا نے اس کی صورت دیکھی تو اس کا دل پھٹنے لگا۔

"عمر۔۔۔" وہ سرگوشی میں بولی۔ "تمہارے پپا۔۔۔ آ گئے ہیں۔"

"مما۔۔۔" وہ روہانسا سا ہوا۔ "آپ بھی چلیں نا میرے ساتھ۔۔۔ پپا کہہ رہے تھے اگر آپ چاہیں تو۔۔۔"

"عمر۔۔۔" انیقہ جلدی سے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔ "ڈونٹ ٹاک نان سینس۔ مما کو تنگ نہ کرو جانو۔ وہ پہلے ہی پریشان ہیں۔ چلو ہم تمہارے پپا سے ملتے ہیں۔ کم آن۔" شہلا نے لاشعوری طور پر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔ انیقہ نے نرمی سے اسے چھڑانے کی کوشش کی۔

"انیقہ۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"آپی۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "سمجھنے کی کوشش کریں۔"

"انیقہ۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ پھر سسکی۔ "اس سے جا کر کہو مجھ پر یہ ظلم نہ کرے۔ پلیز۔"

"آپی! خود کو سنبھالیں۔" انیقہ نے اسے سرزنش کی۔ "لوگ اپنے بچوں کو اعلا تعلیم کے لیے بھی تو بھیجتے ہیں کئی سالوں کے لیے۔ آپ بھی سمجھیں کہ عمر اپنا مستقبل 'اپنا کیریئر بنانے جارہا ہے۔ اس طرح رو کر اسے ڈسٹرب نہ کریں۔ کتنا خوش ہے عمر آپ مسلسل اسے ذہنی طور پر پریشان کررہی ہیں۔"

"مجھے یہ طفل تسلیاں نہ دو۔" اس نے آنسو پونچھے۔ "میں جانتی ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ صرف ضد میں آکر اسے لے جارہا ہے تاکہ مجھے تڑپائے' ترسائے۔ میرا تماشا دیکھے۔ میں 'میں جانتی ہوں انیقہ! وہ عمر کو مجھ سے ملنے بھی نہیں بھیجے گا۔"

عمر منہ کھولے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا' اس کے معصوم ذہن کے لیے ساری باتیں کسی پہیلی کی مانند تھیں جسے بوجھنے کی وہ اپنی سی سعی کررہا تھا۔

"آپی! خدا کا واسطہ اتنی کمزور مت بنیں۔" انیقہ لجاجت سے بولی۔

"تم کہہ سکتی ہو انیقہ! تم ابھی ماں نہیں بنیں۔ تم کہہ سکتی ہو۔" اس کی حالت دیوانوں کی سی ہورہی تھی۔ اسی لمحے عباد ڈرائنگ روم کے اندرونی دروازے کو کھول کر باہر آیا تھا۔ شدت جذبات سے اس کی آنکھیں بھی سرخ ہورہی تھیں۔ عمر کا وجود ان سب کے لیے خوشیوں کی اساس تھا۔ جسم میں [illegible]

"عمر۔" اس نے آواز دی۔ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ "کم آن ڈیئر' تمہارے پپا تمہارا ویٹ کررہے ہیں۔"

"مما۔ مما میں جاؤں؟" عمر نے سر اٹھا کر شملا کو دیکھا۔

شملا کی کیفیات سے وہ حد درجہ ہراساں ہورہا تھا [illegible] اب تک اندازہ نہیں تھا کہ اس کا ابرار کے ساتھ جانا شملا کے لیے کیا معنی رکھتا ہے۔ اب اسے اندازہ ہو [illegible] تھا اور وہ سخت پریشان تھا۔

"مما۔ میں نہ جاؤں؟" وہ پھر معصومیت سے پوچھنے لگا۔ "پپا کو منع کردوں؟"

"عمر۔" عباد قریب چلا آیا۔ "کم آن ڈارلنگ۔"

عمر شملا سے مضبوطی سے لپٹ گیا۔ شملا کی حالت [illegible] دوسرے کو تک رہے تھے۔

یک لخت شملا بجلی کی سی تیزی سے اٹھی۔ اس [illegible] عمر کی کلائی تھامی ہوئی تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ عباد اور انیقہ ہکا بکا رہ گئے پھر عباد اس [illegible] پیچھے لپکا۔

"آپی۔ آپا۔ رکیں۔"

لیکن شملا اتنی دیر میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوچکی تھی' جہاں ابرار [illegible] اطمینان سے براجمان تھا۔ اسے دیکھ کر وہ حد درجہ حیرانی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ منیزہ بیگم بھی کھڑی ہو [illegible] عباد اور انیقہ بھی تقریباً دوڑتے ہوئے وہاں چلے آئے تھے۔

شملا تیزی سے اس کے قریب پہنچی پھر اس نے پاگلوں کی طرح اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا۔ کس جنم میں تمہارے ساتھ برائی کی تھی میں نے؟ بولو' جواب دو۔ کتنی بے دردی سے تم نے میری زندگی سے کھیلا ہے اور اب تک کھیل رہے ہو۔ ابرار۔ کیا سمجھتے ہو تم مجھے۔ ایک کھلونا۔ ایک معمہ۔ جسے ہر بار مختلف طریقوں سے حل کرنا چاہتے ہو تم۔"

"شملا۔ شملا کنٹرول یور سیلف۔" ابرار نے نرمی سے اپنے گریبان پر جمے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر علیحدہ کرنا چاہا۔

"میرا بچہ چھیننے آئے ہو اور کہتے ہو کنٹرول یور سیلف۔" وہ بری طرح سے چیخی۔ "میرے گلے پر چھری رکھ کر [illegible] اور کہتے ہو میں چیخوں نہ۔ چلاؤں نہ۔ کیا قصور ہے میرا جس کی اتنی کڑی سزا مل رہی ہے مجھے۔ جس [illegible] سال اپنی سانسوں کی طرح سنبھال کر رکھا میں نے' اسے لینے آئے ہو تم۔ کیونکہ تمہیں اچانک یاد [illegible] اس کے باپ ہو اور میں۔ میں کچھ نہیں۔"

"[illegible] آپ پلیز۔ فار گاڈ سیک۔" عباد بھی قریب آگیا۔

[illegible] بیگم' انیقہ' ربیعہ سب ہی اس کے پاس چلے آئے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"شملا۔ تم۔ تم سب کچھ ہو اس کے لیے۔ سب کچھ۔" وہ [illegible] تسلی سے بولا۔

"[illegible] یو نو' ویری ویل کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

شملا اتنا چیخنے کے بعد اب قدرے حواسوں میں آئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ اب تک ابرار [illegible] مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھے۔ وہ چونکی پھر اس نے مزاحمتی انداز میں اپنے ہاتھ اس سے چھڑا لیے۔

"[illegible] لے جاؤ اسے۔" وہ اچانک ہی خود پر قابو پا کر بولی۔ "لیکن۔ لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ روز بھیجو گے ہم [illegible] ملنے۔"

"[illegible] آئی پرامس یو۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔

شملا چیخی اور پھر یک [illegible] میں رک گئی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہاشم کھڑا تھا۔ وہ اس تمام صورت حال [illegible] نہایت حیرانی سے دیکھ رہا تھا جیسے [illegible] کسی اور ہی دنیا کا قصہ ہو۔ شملا کو چند لمحے پیشتر والی صورت حال یاد آئی۔ [illegible] سے وہاں مزید کھڑا رہنا دشوار ہوگیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ہاشم کے قریب سے ہوتی ہوئی ڈرائنگ روم [illegible] نکل گئی پھر دوڑتے ہوئے بیڈ روم میں جا گھسی۔ [illegible] گر کر وہ بے بسی سے رونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"[illegible] یہاں سب کچھ بہترین طریقے سے ہورہا ہے۔ [illegible] ورری۔" امیر حسن نے چائے کا سپ لے کر کہا تھا [illegible]

"[illegible] بس۔ پلیز [illegible] بات چل رہی ہے۔ [illegible] تمہیں بتایا تھا نا عباد کے متعلق۔ عباد از ریئلی آؤٹ سٹینڈنگ پرسن۔ تم اس سے مل کر خوش ہوگے۔ میں بہت اچھی طرح جاننے لگا ہوں اسے۔ گھر بھی جاچکا ہوں۔ اس [illegible] فیملی بھی بہت اچھی ہے۔"

وہ یہ بات کرتے ہوئے کپ کے کناروں پر انگلی پھیرنے لگا' اس کے ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ سج گئی اور آنکھوں میں چمک سی اتر آئی تھی۔

"تم آؤ گے تو میں ملواؤں گا سب لوگوں سے۔ یس۔ آف کورس۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "مجھے کسی چیز [illegible] نہیں ہے لیکن شہریار! میں چاہتا ہوں کہ ہر کام تمہارے پورے علم کے مطابق ہو۔ کانٹریکٹ اسی وقت سائن کروں گا جب تم یہاں موجود ہوگے۔ تم جانتے ہو نا' میں کوئی بھی کام تمہارے بغیر [illegible] کرتا۔"

وہ پھر دوسری جانب سے ہونے والی گفتگو سننے لگا تھا۔ مسکراہٹ بدستور اس کے چہرے کا حصہ بنی ہوئی تھی۔

"میری جان۔ یہاں آکر تو دیکھو' پاکستان بھی تمہارے لندن سے کچھ کم نہیں ہے۔ ہم تو یہاں آکر یہیں کے [illegible] گئے ہیں۔ جی جناب! بات ہی کچھ ایسی ہے۔" وہ پھر زور سے ہنسا تھا۔

"عزیز من۔ جو کچھ بھی کریں گے آپ کے مشورے سے کریں گے۔ آپ ہی ہمارے مشیر ہیں اور آپ ہی [illegible]"

"ٹھیک ہے۔۔۔ جلد سے جلد آنے کی کوشش کرو۔ فلائٹ کنفرم ہو تو مجھے اطلاع کرنا اور بابا جان کیسے ہیں اب؟ کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟"

"اچھا۔۔۔" اس نے گہری سانس بھری۔ "چلو یار! امید تو ہے نا۔۔۔ او کے شہریار پھر بات کریں گے۔ خدا حافظ۔"

اس نے فون بند کیا پھر کچھ سوچتے ہوئے چائے کا کپ اٹھایا۔



ڈرائنگ روم میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہاں پر کوئی بھی نہیں ہے۔ حالانکہ اس وقت کئی افراد وہاں موجود تھے۔

ابرار کچھ دیر قبل ہی عمر کو لے کر وہاں سے گیا تھا۔ ہاشم کے چلے آنے سے سب ہی کو اپنی کیفیت پر قابو پانا آسان ہو گیا تھا۔ سو باقی کے مراحل آسانی سے طے ہو گئے تھے۔

"آپ۔۔۔ کیا لاعلم تھے اس بات سے کہ ابرار جیلانی عمر کو لینے کے لیے آ رہا ہے؟" عباد نے گہری سانس بھر کر خاموشی توڑتے ہوئے ہاشم سے پوچھا۔ ہاشم کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ چونک گیا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں، میں تو ابھی اتفاقاً" شہلا کو لینے یہاں آ گیا تھا۔ یہاں یہ صورت حال ہو گی میرے سان گمان میں بھی نہ تھا۔"

"کمال ہے "آپی نے آپ سے ذکر نہیں کیا؟" عباد حیران ہوا۔

"اپنے پرسنلز میں وہ ہمیں کم کم ہی شامل کرتی ہیں۔" ہاشم دھیمے سے مسکرایا۔ اس کی بات پر منیزہ بیگم اور انیقہ قدرے چونکی تھیں۔ ہاشم کے انداز میں کہیں ہلکی سی شکایت، بے نام سی تلخی موجود تھی۔

"بیٹا! ایک گزارش ہے تم سے۔" منیزہ بیگم بولیں۔

"جی آنٹی! آپ حکم کیجیے۔" وہ تابعداری سے بولا۔

"کچھ دنوں کے لیے شہلا کو یہاں ہمارے پاس ہی چھوڑ دو۔ اس کا دل بہل جائے گا اور ہماری اداسی بھی۔ خیر ختم کیا ہو گی قدرے کم ہی ہو جائے گی۔"

"جیسے آپ کی مرضی آنٹی اور جیسی شہلا کی خوشی۔" وہ یوں بولا جیسے کسی سوچ میں گم ہو۔ "میں نے شہلا کو ہمیشہ یہی کہا ہے کہ ان کی خوشی میرے لیے مقدم ہے۔ جس طرح وہ خوش رہ سکتی ہیں۔"

"جیتے رہو بیٹا! خدا تمہیں خوش رکھے۔"

منیزہ بیگم نے اسے سچے دل سے دعا دی۔ ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر کھڑی شہلا نے یہ ساری گفتگو سن لی تھی۔ ہاشم کے الفاظ پر اس نے بہت غور کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ڈرائنگ روم میں موجود افراد میں سے کسی نے بھی محسوس نہیں کیا تھا کہ اس کے لہجے اور اس کے الفاظ میں ایک ذومعنی سا فرق موجود ہے لیکن شہلا نے اس فرق کو بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔ بہت کم عرصے میں وہ ہاشم کو بہت اچھی طرح سے سمجھنے لگی تھی۔ اس نے دیوار سے ٹیک لگا کر ایک سانس بھری۔ عمر کا یوں چلے جانا، ہاشم کا بدگمان ہونا۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ ابرار کا یوں پریقین ہونا۔ نجانے تقدیر اس سے کیا چاہ رہی تھی؟ اس نے لاشعوری طور پر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ اسے ابرار کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت یاد آئی۔

"شہلا! تم سب کچھ ہو اس کے لیے۔ اینڈ یو نو ویری ویل۔ میں کیا چاہتا ہوں۔" وہ الفاظ، وہ مسکراہٹ، وہ طلسم کدہ۔

شہلا کا ذہن کہیں پرے خلاؤں میں بھٹک رہا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے گلاسز اتار کر ڈیش بورڈ میں رکھے عمر کو دیکھنے لگا۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے، کسی گہری سوچ میں وہ گزرتے مناظر دیکھ رہا تھا۔

"عمر۔۔۔ مائی سن!" ابرار نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر انہیں بکھرایا۔

"جی پپا!"

"پپا کی جان۔۔۔ مسکراتے نہیں، کیا بات ہے؟"

"کیسے مسکراؤں پپا۔۔۔ میں بہت اداس ہوں۔ مجھے مما کے آنسو یاد آ رہے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ یہ بات ہے۔" وہ بھی قدرے سنجیدہ ہوا۔ "ڈونٹ وری مائی سن! فکر مت کرو۔ تمہارے پپا اتنے ظالم نہیں ہیں کہ ایک بیٹے کو اس کی ماں سے جدا کر دیں۔"

"لیکن مما اتنا رو کیوں رہی تھیں۔" وہ اداسی سے پوچھنے لگا۔ "نہیں میرا آپ کے ساتھ آنا پسند کیوں نہیں آیا۔ حالانکہ وہ بھی مجھے چھوڑ کر ہاشم انکل کے ساتھ چلی گئی تھیں۔"

ابرار نے گہری سانس بھری۔

"بس بیٹا! تمہاری مما بے چاری بہت مجبور ہو گئی تھیں ان کے ساتھ لیکن اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ۔ خوشیاں بہت جلد ہمارے گرد رقصاں ہوں گی۔"

"کیسے پپا۔۔۔" وہ الجھا۔ "ایک پرابلم تو یہ ہے کہ اتنے بڑے گھر میں میں اکیلا کیسے رہوں گا؟"

"اکیلے کیوں رہو گے۔ پپا جو ہیں تمہارے ساتھ۔"

"جب پپا گھر پر نہیں ہوں گے۔۔۔ پھر؟"

"پھر۔۔۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔ "مما تو ہوں گی نا۔"

[illegible]

"میرا تو خیال ہے اماں جان کہ میں سیدھے سبھاؤ یہ معاملہ ان کے ابا جان کے سپرد کر دوں۔ اپنے سپوت سے خود ہی بات کر لیں گے وہ۔ اب بتائیں بھلا۔۔۔ میں اکیلی کس کس کو دیکھوں۔ کس کس جھگڑے سے نمٹوں؟ ادھر ثانیہ کے سسرال والے تاریخ مانگ رہے ہیں۔ وہاں رابعہ کو ناعمہ کی ساس مسلسل فون کر رہی ہے۔ رابعہ مجھ سے پوچھتی ہیں۔ میں کس سے پوچھوں۔" عذرا بیگم سخت جھنجلائی ہوئی تھیں۔ ابھی ابھی شفیقہ حیات نے انہیں رافع سے ہونے والی گفتگو کے متعلق بتایا تھا۔

"غصہ نہ کرو بہو! جوان بیٹوں کے معاملات ایسے ہی بہ حسن و خوبی نبٹانے ہوتے ہیں۔ ماتھے پر شکن لائے بغیر اور پھر بے جا ایسا کیا کہہ رہا ہے۔ کیوں غصہ کر رہی ہو۔ ابھی نہ سہی، اگلے سال سہی۔ میں خود رابعہ سے بات کر لیتی ہوں۔ ہم نے جب وردہ کو اس سے مانگ لیا تو بس سمجھو لے لیا۔ اسے وردہ کی کیا فکر ستا رہی ہے؟ خوش دلی سے ناعمہ کو رخصت کرے، وہ پرایوں کا معاملہ ہے اسے نمٹائے، ہم تو سب اس کے اپنے ہیں۔ کہے گی تو صرف نکاح کے دو بول پڑھوا کر وردہ کو یہاں لے آئیں گے۔"

"لیکن اماں۔۔۔ سلجوق چاہتے ہیں کہ ایک بیٹی جائے تو ایک بہو آ جائے۔ ان کی خواہش ہے یہ اور صحیح کہتے ہیں۔ خرچا بھی کم ہو گا اور پھر ثانیہ نے پورا گھر سنبھالا ہوا ہے۔ اس کے جانے کے بعد میں بہت پریشان ہو جاؤں گی۔ بہو کی ضرورت مجھے بھی ہے۔" ان کا موڈ سخت آف ہو رہا تھا۔ رافع کی گفتگو کے متعلق جان کر۔

"ایسا ہی ہے تو عریشہ کو لے آؤ۔" وہ اطمینان سے بولیں۔

"ہائیں۔" عذرا بیگم حیران گئیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔ ایسا کہیں ہوا ہے کہ بڑا بیٹا کیریر بنانا چاہتا ہے اور چھوٹا جو ابھی نوکری پر بھی نہیں لگا اس کی شادی کردوں؟ پھر رابعہ کیا سوچیں گی؟"

"تمہیں رابعہ کی فکر کیوں ہے بہو؟ رابعہ میری بیٹی ہے میں اسے تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ وہ کچھ نہیں سوچے گی۔ دراصل یہ مشورہ میں نے اس لیے دیا ہے کہ فردوس بیگم عریشہ کے لیے فکر مند ہیں۔ وہ کچھ بیمار رہتی ہے اور ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ اس کا علاج جلد از جلد شادی ہے۔ نافع نوکری پر نہیں ہے تو کیا ہوا؟ ہم خدانخواستہ بھوکوں نہیں مرتے۔"

"عریشہ؟" عذرا بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔

"پتہ نہیں۔" پھر وہ بے دلی سے بولیں۔ "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔ کچھ بھی صحیح نہیں لگ رہا ہے۔ جب صحیح ہے نہیں تو کیا خاک لگے گا اور آپ اماں! آپ رافع کی بے جا حمایت کررہی ہیں۔ میں سلجوق سے کہوں گی کہ وہ خود رافع سے بات کریں۔ بعض معاملات گھر کے آدمیوں کے بس میں ہی ہوتے ہیں۔ وہی نمٹائیں۔"

"تم بے فکر رہو بہو! سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میری مانو تو نافع سے بات کرو۔ فردوس نے کہلوایا نہ ہوتا تو میں زبان نہ کھولتی۔ ایسا کرنے میں حرج کیا ہے؟ اعتماد اور عریشہ کی سہیلیاں ہیں بچپن سے۔ اچھا ہے تینوں ساتھ رخصت ہوں خیر سے۔"

"اور بے چاری فروہ؟" وہ شکایت سے بولیں۔

"اللہ مالک ہے۔ اگلے برس سہی۔"

"آپ اماں بالکل نہیں سمجھ رہیں۔ بالکل رافع کی طرح۔۔۔" عذرا بیگم ان سے بالکل مایوس ہو گئیں۔

وہ سخت غم و غصے کی کیفیت کا شکار تھا۔ کسی بپھرے ہوئے شیر کی مانند کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ فریحہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے انداز دیکھ کر قدرے سہم سی گئی۔

"کیا بات ہے؟" ماتھے پر تیوری ڈال کر اس نے بے رخی سے پوچھا۔

"فراز بھائی۔۔۔ مجھ سے کیوں اس طرح بات کررہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔ "میں نے کیا کیا ہے؟"

"تم آخر امی کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو۔۔۔ وہ تمہاری بات سنتی ہیں فریحہ۔" وہ بہن کا چہرہ دیکھ کر قدرے نرم پڑ گیا۔ "امی آج تک ہماری ہر پرابلم کو سمجھتی آئی ہیں۔ ہماری بات مانتی آئی ہیں پھر زندگی کے اتنے اہم فیصلے کے متعلق ان کا رویہ اس طرح کا کیوں ہے؟"

"آپ بے شک خفا ہوں بھائی جان! لیکن برحق اور جائز بات یہی ہے کہ اس معاملے میں سراسر قصور آپ کا ہے۔ جو کچھ آپ کررہے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔ آپ خود ہی سوچیں کہاں کا انصاف ہے یہ؟"

"فریحہ۔۔۔ فریحہ۔۔۔ تم نہیں جانتیں۔" وہ اس کے دونوں بازو تھام کر بولا۔ "وہ لڑکی فراڈ ہے' چیٹر ہے۔ یہ درست ہے کہ میں اس کا معصوم اور بھولا بھالا چہرہ دیکھ کر اس کی محبت کا شکار ہو گیا تھا۔ فرسٹ ٹائم میں نے ہی اپروچ کیا تھا اسے لیکن اس نے میری پذیرائی کی۔ میری محبت کو خوش آمدید کہا۔ وہ گھنٹوں مجھ سے فون پر باتیں کرتی تھی۔ بارہا میری محبت کا اقرار کیا اس نے اور۔۔۔ اور جب میں نے اس سے کہا کہ میں اس سے شادی کا خواہش مند ہوں تو۔۔۔ تو وہ یکلخت پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دی۔ میرے فون ریسیو کرنا چھوڑ دیے پھر اپنا نمبر ہی تبدیل کرلیا۔ میں۔۔۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔ دیوانہ ہو گیا تھا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر میں وہ نمبر

"[illegible] کر رہا تھا۔ اس امید پر کہ صرف ایک ہفتہ [illegible] مجھے کیا پتا تھا [illegible] صرف [illegible] مجھ سے بات کرنی تھی [illegible] شادی [illegible] انگوٹھی یوں ظاہر کیا جیسے وہ [illegible] جاتی تک نہیں [illegible] پاس میں [illegible] اس کے [illegible] ضرور دوں گا۔"

"فراز [illegible] چاہیے تو بھی ہو [illegible] اس معاملے میں وہ [illegible] ہو چکے ہیں [illegible] معاملہ آپ کے ہاتھ سے [illegible] ساری بات [illegible] آپ [illegible] اس کے پورے خاندان کو [illegible] اس کی [illegible] معصوم [illegible]"

فراز خاموش ہو گیا تھا۔

"بہرحال، اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کریں۔ اتنا تو طے ہے کہ آپ اس سے محبت کرتے ہیں۔"

"فراز تھا۔" وہ پکارا۔

"شادی کے بعد بھی ہو جائے گی۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"توبہ میں اس [illegible] گئی [illegible]"

"مشورہ ہیں تمہارا [illegible] فراز بس۔"

یہ عالم [illegible] دونوں ہی [illegible] کوئی شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"فراز۔۔۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ اس معاملے میں مجھ سے مت الجھو۔ تم نے اپنی ماں کا [illegible] دیکھا ہے [illegible] نہیں دیکھا [illegible] دیکھ لو [illegible]"

"نہیں بھی آپ کو [illegible] امی۔۔۔" وہ [illegible] بولا۔

"ہو لیے۔ ٹھیک ہے [illegible] سمجھتے ہیں کہ [illegible] شادی کرا لیتے۔"

"امی۔۔۔" وہ تڑپ اٹھا۔ "خدا کے لیے اپنی ضد کو [illegible] وہ بھی ایک ایسی لڑکی کے لیے۔ آپ خود کو میری جگہ رکھ کر سوچیں تو شاید آپ ضرور [illegible]"

"دونا! تم خود کو اپنے مرحوم باپ کی جگہ رکھ کر سوچو۔ تمہیں شاید اندازہ [illegible] خاندان کی عزت اور بڑوں کی زبان کیا ہوتی ہے۔ میں نے اس لڑکی کو اپنی خاندانی انگوٹھی اس لیے نہیں [illegible] کہ [illegible] طرح الزام تراشی کرکے واپس لے لوں۔" وہ قدرے نرم انداز میں بولی تھیں۔

"فریحہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اب تم اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کرو۔ کل ہم تمہاری شادی کی تاریخ طے کرنے جا رہے ہیں۔ سنو مجھے تم سے امید ہے کہ تم ہمیں زہر کھانے پر مجبور نہیں کرو گے۔"

وہ بات مکمل کرکے پلٹ گئی تھیں۔ فراز بکا بکا کھڑا رہ گیا۔

"فریحہ۔۔۔ فریحہ۔۔۔" اس نے بہن کو پکارا۔

فریحہ بھی اس سے نظر چرا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

○ ○ ○

وہ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے بستر پر نیم دراز سامنے کی دیوار کو گھور رہا تھا۔ دل و دماغ کی کیفیت ازحد ابتری کا شکار

[illegible] کیفیات [illegible] سمجھنے سے قاصر تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دماغ مسلسل چیخ چیخ کر کچھ کہتا ہو [illegible] اپنے کان بند کیے ہوئے تھے۔ اس کا دل دماغ کا کہا بالکل سننا نہ چاہتا تھا۔ سو اس نے کان بند [illegible] تھے۔ لیکن اسے احساس تھا کہ کوئی چیخ رہا ہے۔ کچھ کہہ رہا ہے۔ کچھ بتانا چاہتا ہے۔

[illegible] ہاتھوں سے کنپٹیوں کو دبانے لگا۔ سر میں درد کی لہر اٹھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک [illegible] شہوار ابرار کے بالکل قریب کھڑی تھی۔

[illegible] ہاتھ ابرار کے چہرے پر تھے۔ ابرار کے ہاتھوں نے ان ہاتھوں کو تھاما ہوا تھا۔

[illegible] لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ روز [illegible] ہم سے ملنے کے لیے۔"

[illegible]

[illegible] ابرار کی آنکھوں میں جو چمک تھی، اس کے چہرے پر جو روشنی تھی، اس کی مسکراہٹ میں جو [illegible] کیسے محسوس نہ کی تھی۔

[illegible] صرف ابرار کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور چہرے سے ہوتے ہوئے اس کی نگاہ ان ہاتھوں پر [illegible]

[illegible] لگا۔ اسی لیے اس کے موبائل کی بیپ بجی پھر بجتی ہی چلی گئی۔ [illegible] فون آن کیا۔

[illegible] بولنے کی کوشش کی لیکن بری طرح سے ناکام [illegible]

[illegible] مطلع [illegible] کیوں لگتا ہے [illegible] گا۔" [illegible] "میں۔۔۔ [illegible] رہا تھا۔"

"رو رہے تھے؟" اس نے جان بوجھ کر غلط سنا۔
ہاشم نے پھر ہنسنے کی سعی کی۔
"ہے نا شاعر۔ قافیہ بندی تو کرے گا۔ بلکہ اسے تک بندی کہتے ہیں۔"
"بندیوں کو چھوڑ خدا کے بندے۔ یہ بتا کہ کہاں ہے۔ مجھے کام ہے تجھ سے۔"
"میں گھر پر ہی ہوں۔"
"اور ڈاکٹر صاحبہ؟"
"کیوں۔ تجھے دوائی لینی ہے؟ ویسے وہ اپنے میکے گئی ہیں۔"
"ویری گڈ۔" رافع خوش ہوا۔ "وہ "ان" سے ملنے گئی ہیں تو ہم دونوں مل لیتے ہیں کیا خیال ہے؟"
اب کی بار ہاشم حقیقتاً بشاشت سے ہنسا تھا۔ وہ رافع کا اشارہ سمجھ کر محظوظ ہوا تھا۔
"خیال میری طرح نیک ہے۔ میں ذرا شاور لے لوں پھر آتا ہوں۔"
"میں پارک کی طرف جا رہا ہوں۔ وہیں آجاؤ۔" رافع بولا۔
"او کے۔" ہاشم نے فون آف کر دیا۔

☼ ☼ ☼

دونوں بنچ پر آ بیٹھے تھے۔ رافع نے سر اٹھا کر درختوں کے جھنڈ کو دیکھا اور ان پر منڈلاتے خوش نما پرندے ان کی آوازیں دل کو بھلی معلوم ہوتی تھیں۔
"ہاشم۔ یار۔ ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں اسی لیے تکلیف دی ہے تجھے۔"
"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "ضرور لو مشورہ۔ لیکن ایسے معاملات میں مشورے صرف سُنے جاتے ہیں، دل صرف اپنی کرواتا ہے۔"
رافع نے چونک کر اسے دیکھا۔
"تم سمجھ گئے ہو۔"
"ظاہر ہے اس اسٹیج سے بخیر و خوبی گزرا ہوں لیکن رافع یہ دل بہت بے کار چیز ہے۔ کم بخت کو نکال کر باہر پھینک دے آدمی۔"
"یہی تیرا مشورہ ہے؟" رافع نے اسے گھورا۔
"نہیں۔" وہ آزردگی سے بولا۔ "یونہی ایک خیال تھا سو پیش کر دیا۔"
"ہاشم۔!" رافع دور دیکھتے ہوئے بولا۔ "یار! پہلے صرف ایک احساس تھا پھر۔ وہ احساس خیال بنا پھر حقیقت اور اب حقیقت نے شدت اختیار کر لی ہے۔ تم ٹھیک کہتے تھے ہاشم! اس حقیقت سے فرار ممکن نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ کیا کروں؟ اس دل کی بس ایک رٹ ہے۔ اسے پانا ہے، اسے پانا ہے، اسے پانا ہے۔"
اس نے گہری سانس بھر کر اپنا سر بنچ کی پشت سے ٹکایا۔
"دوسری جانب گھر میں ثانیہ کی شادی کے ساتھ ہی میری اور وردہ کی شادی کی بھی بات چھڑ گئی ہے۔ امی چاہتی ہیں کہ دونوں فرائض ساتھ ادا کر دیے جائیں۔ میرے پاس انکار کے لیے کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے ہاشم! میں گھر والوں کا دل توڑنا بھی نہیں چاہتا۔ میں۔۔۔ میں وردہ کا دل توڑنا بھی نہیں چاہتا۔ بتاؤ کیا کروں؟"
"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "چارہ کی گنجائش ہے، غور کرو۔"
"ہاشم!" وہ غصے سے بدک گیا۔ "بی سیریس۔"

"اچھا۔ ویسے میرا دل چاہ رہا ہے رافع! میں خوب ہنسوں، مذاق کروں۔ ہم دونوں مل کر سگریٹ پئیں۔ میں ہنستا ہی چلا جاؤں۔"
رافع اسے حیرانی سے دیکھنے لگا۔ اسے ہاشم کی دماغی حالت پر شک گزرا۔
"ہاشم! آر یو آل رائٹ۔"
"پتا نہیں۔" پھر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگائی۔ "ہوں، اب بات کرتے ہیں۔ اچھا تو یہ معاملہ ہے۔ دیکھو رافع! ان تمام باتوں سے پرے بھی ایک بات ہے اور وہ یہ کہ ربیعہ کیا چاہتی ہے۔"
رافع کچھ دیر کے لیے خاموش ہو کر سوچنے لگا تھا۔
"میرا خیال ہے ہاشم! وہ۔۔۔ وہ بھی پسند کرتی ہے مجھے۔"
"صرف خیال؟"
"ظاہر ہے، اقرار وغیرہ کی نوبت تو کبھی آئی نہیں۔ خیال ہی پیش کر سکتا ہوں۔"
"اگر ایسا ہے تو وردہ کو سمجھایا جا سکتا ہے۔ وہ پڑھی لکھی، سمجھ دار لڑکی ہے۔ اسے وقتی طور پر دھچکا ضرور لگے گا لیکن پھر جلد ہی سنبھل جائے گی لیکن پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ ربیعہ کیا چاہتی ہے۔ کیا وہ تمہارا ساتھ دینے پر آمادہ ہے۔"
"وہ وردہ کی بہترین سہیلی ہے۔ میرا نہیں خیال کہ وہ آسانی سے اس بات پر رضامند ہوگی۔"
"ہوں۔۔۔" ہاشم سوچنے لگا تھا۔ "پھر اس کا ایک اور حل ہے۔"
"وہ کیا؟" رافع نے اسے دیکھا۔
"تم ڈائریکٹ وردہ سے بات کرو۔ یہ مسئلہ اس سے ڈسکس کرو۔ دیکھو وہ کیا کہتی ہے۔" رافع اسے بری طرح گھورنے لگا تھا۔
"ہاشم! یار میرا خیال ہے تجھے سگریٹ پینے کی ضرورت نہیں تھی لگتا ہے کہ تو کچھ اور پی کر آیا ہے۔ یہ آج کیسی باتیں کر رہا ہے تو۔۔۔ یعنی میں وردہ سے پوچھوں کہ وہ کیا کہتی ہے؟ آیا اسے میرا اپنی سہیلی سے اظہار محبت پسند آئے گا یا نہیں؟ اور وہ بخوشی ہمیں شادی کی اجازت دے گی یا نہیں؟" ہاشم کان کھجانے لگا۔
"اچھا۔۔۔ تو پھر پہلے ربیعہ سے اظہار محبت کرو۔ دیکھو۔۔۔ وہ کیا کہتی ہے۔ کمال ہے، کسی نہ کسی سے شروعات کرنا ہی ہوگی نا۔۔۔ وردہ سے نہیں تو ربیعہ سے اور کیا حل نکل سکتا ہے بھلا؟"
"تم۔۔۔ تم۔۔۔ شہلا بھابھی سے کیوں نہیں کہتے۔" رافع مدھم سا بولا تھا۔
"کیا؟؟" ہاشم چونکا تھا۔ "شہلا سے کیا کہوں؟"
"وہ۔۔۔ وہ میری ٹھیک ٹھیک مدد کر سکتی ہیں۔ ربیعہ کیا چاہتی ہے کیا نہیں۔ شہلا بھابھی اس کے دل کا حال معلوم کر کے بتا سکتی ہیں مجھے۔"
"اف۔" ہاشم نے دل میں سوچا۔ "اور شہلا کیا چاہتی ہے، مجھے کون بتائے گا۔"
"کیا سوچنے لگے؟" رافع نے اسے ٹہوکا دیا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

ہاشم چونک اٹھا! اس نے پُرسوچ انداز میں رافع کا چہرہ دیکھا۔
"تم ربیعہ تک اپنا اظہار پہنچانا چاہتے ہو؟ شہلا کی مدد سے؟"
"نہیں۔" رافع نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں شہلا بھابھی سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ وہ ربیعہ سے بات کر کے دیکھیں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ کیا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے یا یہ صرف میری خام خیالی ہے۔ اگر ربیعہ اپنے دل میں وہی جذبات رکھتی ہے جو کہ میرے دل میں ہیں تب تو بات بن سکتی ہے۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ وہ معاملے پر گھر والوں سے بات کر سکتا ہوں لیکن اگر ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔۔۔ ایسا بالکل نہیں چاہتی۔۔۔ اگر وہ اس موضوع پر بات تک کرنا نہیں چاہتی تب کچھ نہیں ہو سکتا۔۔۔ میں خاموشی سے۔۔۔"
"کسی اور سے شادی کر لوں گا۔" ہاشم نے جملہ مکمل کیا۔
"نہیں۔" رافع زردگی سے بولا۔ "نہیں ہاشم! پتہ نہیں میں ایسا کر سکوں گا یا نہیں۔ یار! ورنہ اچھی لڑکی ہے کہیں اس کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، بے ایمانی نہ ہو۔ میں۔۔۔ میں ساری زندگی اس کی آنکھوں میں کسی اور کی نظریں تلاش کروں گا۔ میں۔۔۔ میں شاید خاموشی سے کہیں چلا جاؤں گا۔ مزید پڑھائی کے لیے۔"
"پاگل ہوا ہے۔" ہاشم حیران رہ گیا۔ "اتنا جذباتی ہو رہا ہے۔"
"ہاں۔ کچھ دنوں سے بہت جذباتی ہو رہا ہوں۔ جس ڈور سے بندھا نہیں چاہتا تھا اسی میں بری طرح الجھ گیا ہوں۔ جتنا ہاتھ پیر چلاتا ہوں اتنا ہی پھنستا چلا جاتا ہوں۔ یار ہاشم! کچھ کر یار۔"
ہاشم افسردگی سے مسکرایا تھا۔ اسے نجانے کیا کچھ یاد آ گیا تھا۔
"یار رافع! کچھ کہوں گا تو تجھے ایسا لگے گا جیسے۔۔۔ جیسے میں تجھے مس گائیڈ کر رہا ہوں، راہ کھوٹی کر رہا ہوں تیری۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے رافع کہ دل کا سکون انسان کی۔۔۔ بس! باقی سب دل کے بہلاوے ہیں۔ یہ محبت۔۔۔ بلکہ افلاطونی قسم کی محبت۔۔۔ کس قدر جلد ایک دھوکہ ثابت ہوتی ہے۔ انسان فرشتے سے پھر انسان بن جاتا ہے۔ اس کی چاہ میں فرق آ جاتا ہے۔ تمنا کا رنگ بدل جاتا ہے۔۔۔ پھر اکثر تمنا ہتھیلی پر اتر آتی ہے۔ تب پتہ چلتا ہے کہ یہ قوس قزح جیسی تمنا تو ایک سراب تھی۔ صحرا کا بہلاوا تھی۔"
رافع سب کچھ بھلا کر ہاشم کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ہاشم نجانے کس رو میں بہا ہوا تھا۔ رافع کی موجودگی سے بے نیاز بس بولتا چلا جا رہا تھا۔
"تو بس اور رافع! پتا ہے صحرا کا بنیادی وصف کیا ہے؟ پیاس۔۔۔ پیاس ہے صحرا کی پہچان، صحرا کی حقیقت۔۔۔ تو بس رافع۔۔۔ تمنا کا انجام ہے پیاس۔۔۔ چاہے وہ آسمان بن کر یا قوس و قزح بن کر چمکے، چاہے ہتھیلی پر آ اترے۔ چاہے انسان اس کے پیچھے بھاگے، چاہے آگے۔ بس پیاس ہی پیاس مقدر ہے۔۔۔ تو پیارے۔۔۔"
اس نے رافع کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"تمنا مت کرو۔۔۔ مت کرو۔۔۔ بچ اس سے۔۔۔ یہ محبت بن کر فریب دیتی ہے۔ خوشی کے نت نئے معنی سمجھاتی ہے۔ بے سکونی کے ڈراوے دیتی ہے لیکن انت اس کا پیاس۔۔۔ جو زندگی خود دے رہی ہے، خوشی خوشی لے لے۔۔۔ مزے میں رہے گا۔"
"ہاشم!" رافع نے اسے آہستگی سے پکارا، وہ چونک اٹھا۔
"کیا بات ہے میرے یار!" رافع نے نرمی سے پوچھا۔ "تو مجھے بہت ڈسٹرب لگ رہا ہے۔ اپنی پرابلم تو تو ہمیشہ مجھ سے شیئر کرتا تھا۔"

[illegible]
ہوا میں آ گیا تھا۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"
"چلو ایسا ہی ہوگا۔" رافع مسکرایا۔
"میں چلوں اب۔" ہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔
رافع بھی اس کی تقلید میں اٹھا تھا۔
"تو پھر طے پایا کہ میں شہلا سے ربیعہ کے دل کی بات معلوم کرنے کے لیے کہوں گا۔ اگر وہ بھی یہی چاہتی ہے تو گھر میں یہ ایشو اٹھایا جائے گا۔ بصورت دیگر تو خاموشی سے وردہ سے شادی کرلے گا۔"
"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" رافع نے خفگی سے اسے دیکھا۔
"لیکن میں ایسا ہی کہہ رہا ہوں کیونکہ میں یہی چاہتا ہوں۔" ہاشم نے انگڑائی لیتے ہوئے عام سے انداز میں کہا۔ ہرچند کہ یہ ایک خاص بات تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایقان۔۔۔ ایقان۔۔۔ میری بچی۔۔۔ آنکھیں کھول دے۔۔۔ بیٹا! سن رہی ہے نا ماں کی بات۔" شفیقہ حیات نے بے حد محبت سے اسے پکارا تو ایقان نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔
"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ میرے بچے۔۔۔ میرے بچے کہاں ہیں؟"
"نہیں نافع لے گیا ہے پارک۔۔۔ تیری طبیعت دیکھ کر وہ بیچارے روہانسے ہو رہے تھے۔ نافع انہیں گھمانے پھرانے لے گیا ہے۔ ابھی آ جائیں گے۔"
انہوں نے اسے چمکارا تھا۔ پھر ہاتھ رکھ کر بخار کی حدت کا اندازہ لگانا چاہا۔
"شکر ہے خدا کا۔۔۔ آج تیسرے دن بخار اترا ہے۔"
عذرا بیگم نے آ کر ایقان کی حالت کو دیکھا۔
"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" وہ بھی مطمئن ہو گئیں۔ "اتر گیا ہے بخار۔۔۔ نجانے کیسا بخار تھا۔ نہ کوئی نزلہ زکام، نہ گلا خراب، نہ اور کوئی شکایت پھر بھی ایک سو پانچ بخار تھا اسے۔ مانو بے ہوش پڑی رہی ہے تین دن۔"
"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ میں۔۔۔ میں خود کو معاف نہیں کروں گی۔۔۔ کبھی نہیں کروں گی۔" وہ بڑبڑائی۔
"ہائیں۔۔۔ کیا کہہ رہی ہے؟" انہوں نے کان لگا کر سنا۔
"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔ اس کے لیے۔۔۔ کیا نہیں کیا میں نے۔۔۔ عمر لگا دی اس کی تمنا میں۔ اپنا سب کچھ دے دیا۔۔۔ کیا رہ گیا میرے پاس۔۔۔"
شفیقہ حیات نے پریشان نظروں سے عذرا بیگم کو دیکھا۔ وہ ہولے سے مسکرائی تھیں۔
"جن باتوں پر جی ہی جی میں کڑھتی رہتی ہے، وہی بول رہی ہے۔ کبھی نہ کبھی تو دل کا غبار نکلے گا نا۔ نکلنے دیں نہ روکیں اسے۔"
"ایقان۔۔۔" شفیقہ حیات اس پر جھکیں۔ "میری بچی! نہ کڑھ۔۔۔ نہ کڑھ ایسے۔۔۔ وقت کی سب طنابیں ابھی تیرے ہاتھ میں ہیں۔"
"اماں۔۔۔ میں۔۔۔ میں خالی رہ گئی۔ وہ ویسے کا ویسا رہا۔ اماں۔۔۔! ایسا کیوں ہوا؟ اس پر وقت بے اثر ہو گیا اور ہم سرتاپا بدل گئے۔"

"ہائے عذرا۔۔۔! یہ کیا اول فول بک رہی ہے۔" شفیقہ حیات بے طرح گھبرائیں۔ "کہیں بخار اس کے سر تو نہیں چڑھ گیا۔"

"ایقان۔۔۔ ایقان۔!" عذرا بیگم نے اسے نرمی سے پکارا تھا۔ "اٹھو۔۔۔ پانی پی لو۔۔۔ اٹھو شاباش۔"

"بھابھی بیگم۔۔۔" وہ کراہی۔ "بھابھی بیگم۔! میں۔۔۔ میں سمجھتی تھی وہ بہت۔۔۔ بہت چاہتا ہے مجھے۔"

"اُف ہائے۔" انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ "بیچاری عورت ہے نا۔۔۔ اوپر سے کتنا ہی مضبوط بن لے، اندر وہی چاہے جانے کی خواہش دل کے جھولے میں پڑی ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو عذرا، تم۔۔۔ یہ عاشر کو یاد کر رہی ہے۔ میرا خیال ہے عذرا۔۔۔! یہ موقع اچھا ہے، تم رابطہ کر کے عاشر میاں کو فون کرواؤ۔ اسے اس کی حالت کا بتاؤ، وہ بھی چاہتا ہے اسے۔۔۔ سن کر رہ نہ سکے گا۔ کیا خبر کوئی بات بن جائے۔ الجھا ہوا مسئلہ سلجھ جائے۔"

"اماں۔۔۔ اماں۔۔۔" وہ ہنوز بڑبڑا رہی تھی۔ "اماں! مجھے کاغذ لا دو۔۔۔ اماں۔۔۔ کاغذ لا دو مجھے۔۔۔ اسے کہو، پنجرہ کھولے۔۔۔ میرا دم گھٹ جائے گا۔"

"خدارا۔۔۔" وہ دونوں اب حقیقتاً پریشان ہو اٹھیں۔

"میرا خیال ہے اماں! پہلے ہمیں ڈاکٹر کو بلا لینا چاہیے۔ یہ اپنے ہوش و حواس میں آئے گی تو عاشر سے بات کرے گی نا۔ ایسی حالت میں بھلا وہ بھی اس سے کیا بات کر سکتا ہے؟"

"چلو۔۔۔ ایسا کر لو۔۔۔ فون کرو ڈاکٹر سلطان کو۔۔۔ وہ خود آ کر چیک اپ کرے اس کا۔۔۔ کسی چھوٹے ڈاکٹر کو نہ بھیج دے۔"

وہ متفکر سی ہو کر ایقان کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ عذرا بیگم تیزی سے فون کی جانب بڑھی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"شہلا آپی۔!" ربیعہ نے کمرے میں جھانکا۔ "کھانا کھا لیں۔"

شہلا صوفے پر بیٹھی نجانے کس سوچ میں گم تھی۔ اس نے جیسے ربیعہ کی بات ہی نہ سنی۔ ربیعہ چند لمحے اس کے جواب کی منتظر رہی پھر اندر چلی آئی۔

"شہلا آپی۔!" وہ اس کے قریب آ بیٹھی۔

"ہں۔۔۔" وہ چونکی۔ "ہاں۔۔۔ ربیعہ۔۔۔ بولو۔"

ربیعہ نے غور سے اس کی صورت دیکھی۔ دو دنوں میں ہی اس کی رنگت کملا گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔ شکن آلود لباس میں وہ کئی دنوں کی بیمار نظر آ رہی تھی۔

"شہلا آپی! اتنی ٹینشن نہ لیں پلیز۔" ربیعہ نے اس کے ہاتھ تھامے۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ ہمت سے کام لیں اور پھر عمر تو خوش ہے۔ اس کا فون آیا تھا۔ چہک رہا تھا۔ ابرار بھائی نے اسے اتنے کھلونے لے کر دیے ہیں کہ وہ ہم سب کو بھولا بیٹھا ہے۔"

"لیکن میں تو اسے نہیں بھول سکتی۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرے پاس تو دل بہلانے کو، ان لمحوں کے لیے بھی بھولنے کو ایک بھی کھلونا نہیں ہے ربیعہ۔! ایک بھی کھلونا نہیں ہے۔"

وہ سسک اٹھی۔ ربیعہ نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"ایسے نہ کریں شہلا آپی۔!" وہ افسردگی سے بولی۔ "ایسے نہ کریں پلیز۔۔۔ ہم سب آپ کو دیکھ دیکھ کر اداس ہو رہے ہیں۔ امی۔۔۔ عباد بھائی۔۔۔ انیقہ۔۔۔ میں۔۔۔ ہم سب اداس ہیں۔ پلیز شہلا آپی۔! ہم سب کے لیے لیکن خود کو بہلانے کی کوشش تو کریں اور عمر کل آئے گا ہم سے ملنے۔۔۔ اس نے وعدہ کیا ہے۔"

"ربیعہ۔! کبھی تصور کیا تھا کہ اس گھر میں عمر نہ ہو۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "وہ۔۔۔ وہ یہاں پیدا ہوا۔۔۔ سب کے بازوؤں میں کھیل کر اتنا بڑا ہوا، وہاں سیڑھیوں پر وہ اپنا بال پکڑتا پھرتا تھا۔۔۔ باہر لان میں اس کا سائیکل ہے۔۔۔ اس کا ویڈیو گیم۔۔۔ اس کا کمپیوٹر۔۔۔ سب۔۔۔ سب خالی، اداس، بے جان ہیں۔ اس کے بغیر تو میں۔۔۔ میں تو اس کی ماں ہوں ربیعہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں سب سے زیادہ خالی۔۔۔ سب سے زیادہ اداس۔۔۔ سب سے زیادہ بے جان ہوں۔"

ربیعہ نے گہری سانس بھری۔

"میں۔۔۔ میں نہیں رہ سکتی اس کے بغیر۔۔۔ وہ جانتا ہے ربیعہ۔۔۔!"

"کون۔۔۔؟" ربیعہ چونکی تھی۔ "کیا مطلب شہلا آپی۔!"

شہلا نے خود کو سنبھالا پھر دوپٹے کے کونے سے آنسو صاف کرنے لگی۔

"ایسے تو آپ بیمار پڑ جائیں گی آپی۔۔۔"

"میں۔۔۔ صحت مند کب ہوں ربیعہ۔۔۔! میری روح کو بیماری لگ گئی ہے۔ تم دیکھنا میں مر جاؤں گی۔"

"خدا نہ کرے۔" ربیعہ بے ساختہ ہی بولی۔

اسی لمحے منیزہ بیگم کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ شہلا نے انہیں دیکھ کر بال سنوارنا چاہے۔

"شہلا۔۔۔" وہ پریشانی سے بولیں۔

"جی۔۔۔ جی امی۔!"

"بیٹا! کھانا نہیں کھاؤ گی؟"

"۔۔۔ آتی ہوں۔" منیزہ بیگم اس کا چہرہ، اس کا انداز سب ہی اس کی حالت کی چغلی کھا رہے تھے۔ انہوں نے بے بسی سے سانس بھری۔

"شہلا۔۔۔ میری بچی۔! زندگی میں بہت سی باتوں پر اختیار نہیں ہوتا۔ زندگی سے نجانے کیسے کیسے اور کتنے سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔"

"جی امی۔! سمجھتی ہوں میں۔۔۔ سب کچھ۔۔۔ لیکن دل نہیں مانتا۔۔۔ اس سے کیا کہوں۔"

"ہر جذبے کو قرار آ جاتا ہے شہلا۔۔۔" وہ جیسے سرگوشی میں بولی تھیں۔ "ہر جذبے کو۔۔۔ وقت سا مسیحا کون ہے۔"

شہلا نے چونک کر انہیں دیکھا، وہ کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" پھر وہ بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اماں جا رہی ہیں امی۔!" وردہ، رابعہ بیگم کو باہر کی جانب بڑھتا دیکھ کر ان کے پیچھے دروازے تک آئی تھی۔

"اماں کا پیغام آیا تھا، ایقان کی طبیعت خراب ہے، اسی کو دیکھنے جا رہی ہوں۔" وہ مڑیں۔ "تم بھی چلو۔"

"اچھا۔۔۔" اس نے لمحہ بھر کو سوچا۔ "اچھا ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔ تاعمہ سے کہتی ہوں وہ روٹیاں ڈال لے۔"

"آ جاؤ پھر۔۔۔" وہ باہر نکل گئی تھیں۔

وردہ اُلٹے قدموں کمرے میں آئی جہاں وہ کتابیں بکھرائے بیٹھی تھی۔

"ناعمہ! میں اور امی ایقان خالہ کی طرف جا رہے ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہے۔ تم روٹیاں ڈال لینا۔ قیمہ میں نے پکالیا ہے۔ دم پر رکھا ہے۔ چولہا یاد سے بند کر دینا۔"

"جی اچھا۔۔۔ آپ جائیں۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"قیمے میں ہرا دھنیا بھی ڈال دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

وردہ نے ایک نظر اس کی مصروفیت پر ڈالی پھر باہر نکل گئی۔ ناعمہ دروازہ بند کرنے کے خیال سے چند لمحوں بعد اٹھی تھی۔

دروازہ بند کر کے وہ کمرے کی طرف آ رہی تھی جب فون کی بیل بجی۔ اس کا دل دھڑکا تھا۔ آج کل ہر بیل پر اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔ خواہ وہ دروازے کی ہوتی یا فون کی۔ فون تک آ کر وہ مزید پریشان ہوئی۔ سی ایل آئی بتا رہا تھا کہ فون کس کا تھا۔ ناعمہ چند لمحے کھڑی ہاتھ ملتی رہی لیکن بیل بند ہونے کا نام نہ لے رہی تھی۔ ناچار اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو۔۔۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"فرازیات کر رہا ہوں۔" ادھر انداز جارحانہ تھا۔

"جی۔۔۔ جی کہیے۔"

"میں نے وہ جواب جاننے کے لیے فون کیا ہے جو آپ پر ادھار تھا۔" وہ تیزی سے بولا۔

"آج آپ مجھے بتائیں گی کہ آپ نے میرے ساتھ چیٹنگ کیوں کی تھی۔ کیا آپ کے پیش نظر مجھے بیوقوف بنانا مقصود تھا؟ یا پھر آپ کے لیے وہ وقتی تفریح کے لمحات تھے؟ یا پھر آپ ایک ہی وقت میں مختلف نمبروں سے بات کرتی ہیں۔ [illegible] آج مجھے اپنے سوال کا جواب ہر حال میں سچا اور کھرا جواب چاہیے کیونکہ آپ کے جواب پر میری زندگی کے بے حد اہم فیصلے کا دارومدار ہے۔"

ناعمہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس قدر مشکل صورتِ حال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ بات بنانا کارِ دشوار تھا۔

"میں۔۔۔ میں نے کہا تھا نا۔۔۔ مجبوری تھی۔" اس نے تھوک نگلا۔

"وہی مجبوری جاننا چاہتا ہوں۔ بتاؤ مجھے، ایسی کیا مجبوری تھی تمہارے ساتھ کہ تم مجھے تسلی کے دو لفظ تک نہ کہہ سکیں۔ تمہارے گھر سے وہ نمبر ختم کر دیا گیا۔ تم نے دوسرا نمبر لے لیا پھر بھی پلٹ کر کبھی مجھے فون نہیں کیا۔ بولو کیوں؟ جواب دو؟"

"میں۔۔۔ میں نہیں بتا سکتی۔" وہ روہانسی سی ہو گئی۔

"تمہارے اس جواب سے میں کوئی بھی نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں اور ناینٹی نائن پرسنٹ نتائج تمہیں دھوکے باز ثابت کرتے ہیں۔ دو نمبر لڑکی۔" وہ غرایا۔

ناعمہ نے بے بسی سے سانس بھری۔

"نہیں بخدا نہیں۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے دھوکا نہیں کیا۔"

"محبت کی تھی مجھ سے؟ جیسی میں نے کی؟"

"ہاں۔" وہ شکستگی سے بولی۔ "کی تھی لیکن۔۔۔ لیکن جیسی آپ نے کی تھی۔ اس سے کہیں بڑھ کر۔"

اس کے ذہن میں عریشہ کی متورم آنکھیں تھیں، مجسمہ لب احتجاج تھا جو سوائے لبوں کے رو میں روئیں سے

ظاہر ہو رہا تھا۔

"اوہ..." وہ طنز سے ہنس دیا۔ "رئیلی؟ واٹ آ جوک مس ناعمہ!"

"یہ مذاق نہیں ہے فراز! حقیقت ہے۔ چاہے آپ مانیں یا نہ مانیں۔"

فراز چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"نہیں... میں یہ انگیج منٹ توڑنا چاہتا ہوں ناعمہ" پھر وہ بولا تھا۔ "میں اعتراف کرتا ہوں کہ کھیل کا جواب تھی جو تم نے میرے ساتھ کھیلا۔ ہر چند کہ تمہارا اصرار ہے کہ تم فیل تھیں۔ تاہم میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ تم چیٹر ہو۔ دو نمبر لڑکی اور میں... میں تم جیسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔"

ناعمہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں ایک نمبر ہونے پر اصرار نہیں کرتی۔ آپ خوش ہو جائیں۔"

فراز نے غصے سے سانس کھینچی تھی۔

"تم... تم... آئی ول شوٹ یو۔"

ناعمہ خاموش کھڑی رہی۔ اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"تمہیں... تمہیں خود اس شادی سے انکار کرنا ہو گا مس ناعمہ" پھر وہ بولا۔ "اپنے گھر والوں سے کہو کہ اس شادی کے لیے میرے گھر والوں سے معذرت کر لیں۔"

"میں..." وہ گھبرا گئی۔ "میں بھلا کیسے کہہ سکتی ہوں؟"

"جیسے مجھ سے محبت کے اقرار کیے تھے۔" وہ طنز سے بولا۔ "ان ہی لبوں سے کہو جن سے تمہیں جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔"

"لیکن... لیکن میرے پاس کیا جواز ہے اس انکار کے۔"

"جواز گھڑنے تو تمہیں خوب آتے ہیں... [illegible] مجبوری کا رونا رو لو۔"

"دیکھیں فراز! پلیز..."

"تب یاد رکھنا... میں تمہاری زندگی عذاب بنا دوں گا۔ شادی کی پہلی رات سے قبر کی رات تک... تم ہر رات روؤ گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

"فراز... فراز پلیز!" ناعمہ کی روح تک کانپ گئی تھی۔

"ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے' اسے استعمال کرو۔ مجھ سے شادی سے انکار کر دو بالکل واضح اور دو ٹوک انکار۔"

"لیکن... لیکن آپ مجھ سے ایسا کیوں چاہتے ہیں؟" اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اور آواز بھی۔

"اس لیے کہ میں نے تمہارے لیے یہی سزا تجویز کی ہے اور تم نے کہا تھا کہ تم ہر سزا کے لیے تیار ہو۔ ناؤ پروو یور ورڈز۔"

"فراز..."

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ ناعمہ کھلی آنکھوں سے دیوار کو تکتے ہوئے اپنے دل کی آواز سن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے یہ کسی ذہنی شاک کے زیر اثر لگ رہی ہیں۔" ڈاکٹر نے رافع کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کمرے کے



دروازے سے کچھ دور کیا۔ "کوئی مسئلہ ہے ان کے ساتھ؟"

"مسئلہ..." رافع دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "مسئلہ تو ہے ڈاکٹر صاحب! پھپھو کے اپنے بیٹے سے کچھ اختلافات چل رہے ہیں لیکن یہ کوئی بہت نئی یا اچانک ملنے والی خبر نہیں ہے جو شاک ثابت ہو۔ پرانا مسئلہ ہے۔"

"پھر بھی... ان کی ذہنی کیفیت یہی کہہ رہی ہے۔ بہرحال انجکشن میں نے لگا دیا ہے ان کے اعصاب قدرے پرسکون ہو جائیں گے۔ سو کر اٹھیں گی تو بہتر محسوس کریں گی۔ بخار تو ویسے بھی اتر ہی گیا ہے پھر بھی دوا دو دن کنٹی نیو کریں گے۔"

"جی ڈاکٹر صاحب! تھینک یو۔"

"میں اب چلتا ہوں۔ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ شاید انہوں نے بہت ٹینشن لے لی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

"رافع..." [illegible] کی آواز پر وہ چونکا۔

"جی دادی جان..." وہ [illegible] جانب بڑھا تھا۔

"کیا کہہ رہا تھا ڈاکٹر! تمہیں باہر [illegible] لے گیا؟" انہیں تشویش تھی۔

"کچھ نہیں دادی جان! پھپھو بالکل ٹھیک ہیں۔ صرف ٹینشن ہے اور کچھ نہیں۔" وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

ایقان انجکشن کے زیر اثر اب گہری نیند سو چکی تھی۔ اس کے تنفس کا مدوجزر اس کی پرسکون نیند کا غماز تھا۔

"میرا خیال ہے بہت ہو چکا۔" رافع ایقان کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب ہمیں اس مسئلے کے سنجیدہ حل کے [illegible] ہو گا۔"

"میں [illegible] ہے۔" عذرا بیگم نے تائید کی۔ "ذرا سی ضد کے پیچھے اپنا گھر خراب کر رہی ہے۔ رافع! تم عاشر میاں سے بات کرو۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر وہ مسئلہ سلجھانا چاہتے ہیں تو ہم سب مل کر ایقان کو مجبور کرنے کی کوشش کریں۔"

"نہیں امی!" اس نے سر ہلایا۔ "عاشر [illegible] اگر واقعی مخلص ہیں تو انہیں خود پھپھو کو منانا پڑے گا۔"

"تم عاشر سے بات کرو۔"

"جی... رات کو کرتا ہوں۔"

[illegible] سامنے چائے کی ٹرے آ گئی تھی۔ رافع نے چونک کر سر اٹھایا۔ ورد ٹرے تھامے کھڑی تھی' وہ حیران ہوا۔ اس کے علم میں نہیں تھا کہ ورد بھی وہیں ہو گی۔

"تھینک یو۔" اس نے نظریں چرا کر آہستگی سے کپ اٹھا لیا۔

ورد ٹرے لے کر آگے بڑھ گئی۔ رافع کا نظر چرانا اس نے بے حد واضح طور پر محسوس کر لیا تھا۔ وہ ایک عرصے سے ان نظروں کو پڑھ رہی تھی۔ پہلے ان میں ایک خوش دلی' شناسائی اور اپنائیت کا جو جذبہ ہوتا تھا عرصے سے اس کی جگہ اجنبیت اور بے دلی نے لے رکھی تھی۔ ورد جیسی حساس لڑکی کے لیے یہ تبدیلی اتنی غیر اہم نہ تھی کہ وہ اسے محسوس ہی نہ کرتی۔ سب کو چائے دے کر وہ کچن کی جانب بڑھ رہی تھی' جب اچانک رافع نے اسے پکار لیا۔

"ورد..."

وہ ٹھٹک کر رکی۔ اس آواز میں اپنا نام اس نے بہت عرصے بعد سنا تھا۔

"جی۔" وہ مڑی۔

"تم... یونیورسٹی نہیں جا رہیں آج کل؟"
"چند روز کی چھٹیاں ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
رافع نے پھر کوئی سوال نہ کیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اب اس کے پاس کرنے کے لیے کوئی اور سوال نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

نجانے کس احساس کے تحت اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اس نے ذرا سا اٹھ کر دیکھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے کمرے کے عین سامنے جو کمرہ تھا' اس کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ ابرار اپنے بیڈ پر سے با آسانی عمر کا بیڈ دیکھ سکتا تھا۔

اس نے دیکھا' عمر اپنے بیڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔ تکیہ گود میں رکھ کر اس پر کہنیاں ٹکا کر اس نے ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھا ہوا تھا۔

ابرار کے کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی تھی لیکن عمر نے کمرے کی لائٹس آن کی ہوئی تھیں' وہ بستر سے اتر کر تیزی سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"عمر... مائی سن..." وہ اس کے قریب آ بیٹھا۔ "کیا بات ہے جان... ! سوئے نہیں اب تک؟"

"نیند نہیں آ رہی ہے پپا!" وہ آہستگی سے بولا۔

"کیوں؟ کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا ہوگا۔ بھوک لگی ہے؟"

"نہیں گل خان نے دودھ دیا تھا وہ تھین ڈال کر۔ میں نے پی لیا تھا۔"

"پھر نیند کیوں نہیں آ رہی؟" ابرار نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"پپا... ! میں اکیلا نہیں سوتا نا۔" وہ مجبوری سے بولا۔

"اوہ۔" ابرار کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں [illegible] تمہیں اپنے کمرے میں سونے کی جلدی تھی۔"

"کیونکہ میں بڑا ہونا چاہتا ہوں۔ بڑے لوگ اپنے کمرے میں اکیلے سوتے ہیں جیسے آپ۔"

ابرار شرارت سے مسکرانے لگا۔ "میری جان! تمہارے پپا ابھی بھی بڑے نہیں ہیں۔ وہ بھی اکیلے سونا بالکل پسند نہیں کرتے۔"

اس نے عمر کو بانہوں میں بھر لیا۔

"اور جب تک تم بڑے ہو گے تب تک ہم تمہاری دلہن بھی لے آئیں گے۔ [illegible] اب پپا کے ساتھ چل کر سو جاؤ۔" اس نے کھڑے ہو کر عمر کو بازوؤں میں اٹھایا اور اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔

"یہاں لیٹ جاؤ' پپا کے برابر۔ دیکھنا' کتنی اچھی نیند آتی ہے۔ کہو تو پپا تمہیں ریڈ رائیڈنگ ہڈ بھی سنا سکتے ہیں۔ تمہارا پپا اتنے بھی ناکارہ نہیں' جتنا کہ تم خیال کرتے ہو۔"

ابرار جانتا تھا کہ اسے گھر والوں کی یاد بے طرح ستا رہی ہے' تب ہی وہ اس کا دھیان بانٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے لٹا کر اس نے اپنا تکیہ بھی اس کے تکیے سے جوڑ کر رکھا اور اس کے قریب لیٹ گیا۔

"ہاں تو بتاؤ میری جان! کون سی کہانی سناؤں؟ بائی دا وے تمہارے پپا کو صرف دو کہانیاں ہی یاد ہیں۔ ریڈ رائیڈنگ ہڈ اور طوطا مینا۔"

"میرے پاس بہت سی بکس ہیں پپا! ربیعہ خالہ کہتی ہیں کہ مجھے اب کہانی پڑھ کر سونا چاہیے۔ میں اتنا چھوٹا نہیں ہوں کہ کہانی سنوں۔ پڑھنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔"

"ہوں۔" اس نے چند لمحے غور کیا۔ "معاملہ سنجیدہ ہے۔ ویسے اتنی جلدی بڑے ہو کر کیا کرو گے یار! پپا کو بوڑھا کرنے کی بہت جلدی ہے تمہیں؟ ہم اچھے دنوں کی آس میں بیٹھے ہیں اور تم ہو کہ بار بار جوان ہونے کا ڈراوا دیتے ہو۔"

"آپ کیسے بوڑھے ہو سکتے ہیں۔ آپ تو اتنے شان دار ہیں' اتنی اچھی باڈی ہے آپ کی۔"

"اوہ... تھینک یو... تھینک یو..." وہ ممنونیت سے بولا۔ "ایسی ہی باتیں کیا کرو جن میں پپا کی تعریف اور تمہارا اچھا پن نظر آئے۔"

عمر پھر خاموش ہو کر چھت کو گھورنے لگا۔

"پپا! آپ نے مما سے شادی کیوں کی تھی؟"

ابرار نے گہری سانس بھری۔

"آپ کی مما ہمیں اچھی لگتی تھیں ہم نے شادی کر لی۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"پھر آپ کی ڈائی ورس کیوں ہوئی؟"

[illegible] لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔ "بس بیٹا! کبھی کبھار بڑے غلط لمحے آ جاتے ہیں زندگی میں۔ انسان اندھا بہرا ہو جاتا [illegible] وہ ایسا ہی ایک لمحہ تھا جب شیطان غالب... انسان مغلوب۔"

وہ ماضی کے دھندلکوں میں [illegible] لگا۔

"پھر... آپ نے مجھے بھی مما کو دے [illegible]؟"

"ہاں..." وہ چونکا۔ "تمہیں تب تک تم..."

وہ خاموش ہو گیا۔ اب اتنے سے بچے کو وہ کیا [illegible] سمجھا سکتا تھا۔

"پپا! اس وقت آپ نے [illegible] کیوں نہیں لیا؟"

"[illegible] میری جان [illegible] نے اسے پچکارا۔ "ضرورت اس بات کی ہے کہ جو کچھ ہم سے غلط ہو گیا ہے' ہم اس کی تلافی کریں۔ سو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"پپا!" وہ سوچتے ہوئے بولا۔ "مما یہاں آ جائیں گی؟"

"بالکل آ جائیں گی۔" وہ بے حد پر یقین تھا۔

"وہ... وہ تم انکل کو چھوڑ دیں [illegible]"

"ہاں عمر... وہ تمہارے [illegible]... میرے لیے... انہیں چھوڑ دیں گی... مجھے یقین ہے۔"

"پاپا! انکل کو دکھ ہوگا پپا... وہ بہت اچھے ہیں۔"

"دکھ تو ہوگا بیٹا! لیکن ان کا دکھ بانٹنے والا بھی کہیں نہ کہیں موجود ہوگا لیکن عمر! یہاں ایک بات کلیئر کر دوں۔ اگر تم اپنی مما کو یہاں لانا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے پپا کا ساتھ دینا پڑے گا۔ تمہیں اپنی مما کو فورس کرنا پڑے گا۔ ابھی لوہا گرم ہوگا' چوٹ ابھی لگانا ہوگی۔"

"چوٹ..." وہ حیران ہوا۔ "چوٹ کس کو لگے گی؟"

"لوہے کو۔" وہ اپنے خیال سے لوٹ کر مسکرایا۔

"لوہا کہاں ہے؟"

"لوہے میں تمہاری مما کے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں پپا! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔" وہ الجھ گیا۔

"کیونکہ تمہیں سخت نیند آ رہی ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ لیمپ بجھا دیا۔ "اب سو جاؤ' باقی باتیں کل

"بیٹا کل۔۔۔ مجھے نانو کے گھر جانا ہے۔ آپ کو یاد ہے نا۔"
"ہاں میری جان! مجھے اچھی طرح یاد ہے اور تمہیں اپنی مما سے کیا کہنا ہے' یہ میں تمہیں کل بتاؤں گا۔ گڈ نائٹ۔"
"گڈ نائٹ پپا!" وہ آہستگی سے بولا۔

☼ ☼ ☼

"تم آخر کس دھیان میں رہتی ہو' تھوڑے بہت مسئلے تو سب ہی کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ انہیں بالکل ہی اپنے سر پر سوار کر لیا جائے۔" وردہ سخت خفا ہو رہی تھی۔ ناعمہ خاموش بیٹھی رہی۔
"روٹیاں پکانا تو ایک طرف' تم سے یہ چولہا تک بند نہ ہو سکا۔ سارا قیمہ لگ گیا ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے امی سے شکایت کر کے سخت سست سنواؤں تمہیں۔" ناعمہ نے اسے دیکھا۔
"سنوا دیں۔" اس نے توقف کیا۔ آہستگی سے بولی۔ "پتا نہیں ابھی کیا کیا کچھ سننا باقی ہے۔"
"کیا مطلب؟" وردہ نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا پھر گہری سانس بھری۔ "اچھا شکل ایسی بنا کر مت بیٹھو کہ کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔ خیر' روٹیاں میں پکا لیتی ہوں' تم جا کر امی کا سر دبا دو۔ جب سے ایقان خالہ کو دیکھ کر آئی ہیں' ان کے سر میں درد ہے۔"
"اچھا۔۔۔ میں وکس بھی لگا دیتی ہوں۔"
ناعمہ' رابعہ بیگم کا سن کر جلدی سے اٹھ گئی۔ وکس لے کر وہ ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔
"امی! آپ کے سر میں درد ہے؟" وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔
"ہاں۔" انہوں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹایا۔ "دبا دو تھوڑا۔"
ناعمہ ان کے قریب بیٹھ کر ان کے ماتھے پر وکس ملنے لگی۔
"ایقان خالہ کی ٹینشن لے لی آپ نے؟"
"ایقان کی؟" وہ ایسے بولیں جیسے کسی خیال میں گم ہوں۔ "ہاں ایقان بے چاری پر بھی ترس آتا ہے لیکن ناعمہ! جب معاملہ اپنی اولاد کا ہو تو ماں کو کسی اور کی اتنی فکر نہیں ہوتی' جتنی اپنی اولاد کی ہوتی ہے۔"
"میں سمجھی نہیں امی۔" وہ الجھ گئی۔
"ناعمہ میں۔۔۔ میں وردہ کے لیے سخت فکر مند ہوں۔"
"وردہ کے لیے۔۔۔" اس کے ہاتھ رک گئے۔
"ہاں ناعمہ! رافع کے تیور ٹھیک نہیں لگتے۔ میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ اسے وردہ میں ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے اور۔۔۔ اور آج تو۔۔۔ شاید یہ میرا وہم ہو۔۔۔ خدا کرے کہ یہ میرا وہم ہی ہو۔۔۔ آج تو رافع نے اسے دیکھ کر ایسے نظریں چرائیں جیسے منہ پھیر لیا ہو۔"
"نہیں امی!" ناعمہ بے یقین انداز میں بولی۔ "یہ محض آپ کا وہم ہے۔ رافع بھائی بہت اچھے ہیں' وہ بالکل بھی ایسے نہیں ہیں۔"
"تم نہیں جانتیں ناعمہ! تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ مرد ذات کے دل میں کتنے چور خانے ہوتے ہیں' تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ہم نے دنیا دیکھی ہے' ماتھا دیکھ کر دل کی شکنوں کا پتا چل جاتا ہے اور۔۔۔ اور عذرا بھابھی بھی کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔"

وہ خاموش ہو گئیں۔ ناعمہ بھی فکر مندی ہوئی۔
"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہی تھیں ممانی۔۔۔"
"وہ۔۔۔ کہہ رہی تھیں کہ۔۔۔ رافع۔۔۔ شادی کے لیے رضامند نہیں ہے۔"
ناعمہ کو اور پریشانی سے خاموش ہی رہ گئی۔
"لیکن۔۔۔ لیکن کیوں؟" پھر اس نے بہ دقت پوچھا۔
"وہ تو یہی کہہ رہی تھیں کہ رافع ابھی اپنا کیریئر بنانا چاہتا ہے لیکن ناعمہ۔۔۔ آج میں نے رافع کا چہرہ دیکھا ہے۔ اس کی آنکھیں دیکھی ہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ ایک مرد کی آنکھیں تھیں' بالکل ایک مرد کی آنکھیں۔۔۔ بے مروت' سرد مہر اجنبی۔"
ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ناعمہ نے جلدی سے ان کے آنسو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لیے۔
"امی۔۔۔ امی۔۔۔ آپ روئیں نہیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔ وردہ آپی لاکھوں میں ایک ہیں۔ انہیں رشتوں کی کمی تو نہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے ناعمہ۔۔۔ لیکن۔۔۔"
"لیکن وکیکن کچھ نہیں۔ اگر رافع بھائی نے ہم سے آنکھیں پھیریں تو۔۔۔ تو۔۔۔" وہ غصے کی شدت سے کانپنے ہی لگی۔
"مجھے تمہاری طرف سے بہت اطمینان ہے ناعمہ۔" رابعہ بیگم اچانک ہی بولی تھیں۔ "فراز بہت اچھا لڑکا ہے۔ ایسا لڑکا کہ مائیں ایسے بیٹوں کی تمنا کریں اور بیٹیوں والی مائیں ایسا داماد چاہیں۔"
ناعمہ کے ہاتھ بالکل ساکت ہو گئے تھے۔
"بہت سلجھا ہوا' بہت اطوار' خوش شکل' خوش سیرت۔۔۔ تم بہت خوش نصیب ہو بیٹی۔"
"جی!" اس نے بمشکل تھوک نگلا۔
"تم۔۔۔ تم بھی ان لوگوں کو کبھی شکایت کا موقع نہ دینا ناعمہ! اس خاندان نے ہم سے ناتا جوڑ کر ہماری قدر و منزلت میں اضافہ کیا ہے۔ تم بھی ان کی عزت کی رہنا' عزت بنائے رکھنا۔"
"جی۔۔۔" اس نے سرگوشی کی۔
"میرا دل تمہاری طرف سے بہت ٹھنڈا اور مطمئن ہے۔ اللہ ہر بیٹی کی ماں کا دل ایسا ہی ٹھنڈا اور مطمئن رکھے۔ آمین۔"
ناعمہ کی آنکھیں جیسے خلا میں بھٹکنے لگی تھیں۔
دروازے کے باہر کھڑی وردہ دانتوں سے لب کاٹتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کہیں جا رہی ہو؟" منیزہ بیگم ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔
ڈارک گرے لان کے کپڑوں میں کھلی کھلی سی ربیعہ ان کے دل میں اتر گئی تھی۔
"جی۔" "میں آپ سے اجازت لینے ہی آ رہی تھی۔" وہ مسکرائی۔ "وردہ سے ملنے جا رہی تھی۔ کافی دن ہوئے وہ اس کا فون آیا' نہ ملاقات ہوئی۔ میں نے سوچا۔ مل آؤں۔"
"ہاں ہاں کیوں نہیں' ضرور جاؤ۔ تم تو ہفتوں باہر نہیں نکلتی ہو۔ میں خود سوچتی ہوں تمہارا دل گھبراتا ہوگا۔"

[illegible] میں آئی۔۔۔ وہ [illegible] میرا دل اس وقت ٹھہرتا ہے جب گھر میں آپ جیسی ہوتی ہیں۔ آپ سے [illegible] رونق کا احساس رہتا ہے۔"

"جیتی رہو۔" وہ مسکرائیں۔ "بہت پیاری بیٹی ہو۔"

"میں جاؤں امی؟"

"ہاں لیکن ذرا ٹھہرو میں آیت الکرسی پڑھ کر تم پر دم کردوں۔ بہت پیاری لگ رہی ہو ان کپڑوں میں۔ کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

وہ اس کے قریب آکر آیت الکرسی پڑھنے لگیں۔ اس پر دم کر کے انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔ ربیعہ کو یوں لگا جیسے ان کی خوشبو نے اسے اپنے حصار میں لے لیا ہو۔

"اب جاؤ۔"

"جی۔۔۔" وہ چونکی پھر مسکرا کر باہر کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

سیاہ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے وہ اپنے ہی دھیان میں تھی۔ چونکی اس وقت جب کوئی عین اس کے مقابل آکر کھڑا ہوا تھا۔ ربیعہ اسے دیکھ کر ڈر سی گئی۔

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

انہوں نے بے حد جذب سے شعر پڑھا۔ ربیعہ حواس باختہ ہو گئی۔

"آپ کی تعریف؟"

"جی۔۔۔ میں۔۔۔ میں ربیعہ ہوں۔" وہ سخت حیران تھی [illegible] لیکن آپ [illegible] ہیں؟"

"خادم کو سب یہاں اختر میاں کے نام سے جانتے ہیں۔" وہ مسکرائے۔ "جب بھی خیالوں کے آسمان سے ٹوٹیں۔ سمیٹ کرتے ہیں۔"

"جی؟" وہ مزید پریشان ہوئی۔ "میں وردہ سے ملنے آئی ہوں۔" اختر میاں اس طرح کھڑے تھے کہ اس کے نکلنے کا راستہ مسدود تھا۔

"وردہ۔۔۔ کون وردہ؟ اچھا۔۔۔ آپ شاید رابعہ باجی کی بیٹی کا ذکر کر رہی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"آپ۔۔۔ کہاں قیام پذیر ہیں؟"

"جی۔۔۔ میں یہیں۔۔۔ قریب ہی۔۔۔" ربیعہ اس انوکھے انٹرویو پر سخت حیران پریشان تھی۔

"اکثر آتی ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ بس یونہی۔۔۔ کبھی کبھار۔"

"ہم تو آپ کو اکثر دیکھنے کے متمنی ہو رہے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

ربیعہ عاجز سی ہو گئی۔ نجانے کون شخص تھا وہ کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔ اس نے تو آج تک اس گھر میں ایسی کوئی شخصیت نہ دیکھی تھی۔

"ارے اختر۔۔۔ کیا کر رہے ہو وہاں۔" فردوس بیگم اتفاقاً ہی ٹیرس پر چلی آئی تھیں۔ "یہ لڑکی کون ہے؟"

"اچھا۔۔۔ اچھا یہ تو شہلا کی بہن ہے۔" وہ بڑبڑائیں۔

اختر میاں بہن کو دیکھ کر گھبرا سے گئے تھے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ایک طرف کو چل دیے۔ ربیعہ گم صم ہراساں سی وردہ کے پورشن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے ربیعہ تم۔۔۔" وردہ اسے دیکھ کر جی سے مسکرائی۔ "آؤنا۔۔۔ بیٹھو۔۔۔ کتنے دنوں بعد آئی ہو۔"

"کیسی ہو وردہ۔" ربیعہ نے اسے گرم جوشی سے ساتھ لگایا۔ "مجھے تم بہت یاد آرہی تھیں۔ میں نے سوچا آج ضرور مل کر آؤں۔"

"بہت اچھا کیا۔" وردہ مسکرائی۔ "آؤ بیٹھتے ہیں۔"

دونوں وردہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"تم بیٹھو میں [illegible] کہتی ہوں چائے بنانے۔" وردہ اسے بٹھا کر باہر نکل گئی۔

ربیعہ کتابیں دیکھنے لگی [illegible] وردہ چند لمحوں میں ہی لوٹ آئی تھی۔

"یہ بکس۔۔۔ مجھے بھی دینا وردہ [illegible] بھی نوٹس بناؤں گی۔"

"ہاں ضرور۔" وہ قریب بیٹھ گئی۔

"تم۔۔۔ خود ہی ایشو کروا لیتی ہو؟"

"ہاں۔" وردہ مدھم سا مسکرائی۔ "مجھے کس نے ایشو کروا کر دینی ہیں۔"

"[illegible] رافع [illegible] نے ساری بکس ارینج کر دی تھیں۔ حالانکہ کافی لمبی لسٹ دی تھی میں [illegible]

دردانہ خاموش سی رہی۔ ربیعہ نے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم کچھ خاموش خاموش سی ہو دردانہ! خیر تو ہے نا؟"

"ہاں خیر ہے۔ ربیعہ! ایک بات بتاؤ تم نے کبھی کسی کو پسند کیا ہے؟" دردانہ نے اچانک ہی پوچھا۔ دیکھا۔

ربیعہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"پسند۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"تمہیں کبھی کوئی اچھا نہیں لگا ربیعہ۔۔۔؟"

ربیعہ خود پر قابو پا کر مسکرا دی تھی۔

"اب تک تو کوئی نہیں لگا' آئندہ کی خبر نہیں۔ جب بھی یہ ماجرا ہوا' تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

"پرامس؟" دردانہ نے جلدی سے ہاتھ آگے کیا تھا۔

ربیعہ نے چونک کر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔

"پرامس۔" پھر وہ اس کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھ کر آہستگی سے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

"عمر۔۔۔ عمر۔۔۔" شہلا نے اس کے چہرے کے کئی بوسے لے ڈالے۔ اس کے بالوں کو چوما۔ "میرا بیٹا۔۔۔ میری جان۔۔۔"

"آپ مجھے یاد کر رہی تھیں مما!"

"ہاں میری جان۔۔۔ بہت یاد کر رہی تھی میں آپ کو۔"

"میں بھی آپ کو یاد کر رہا تھا مما! آپ کو ایسا لگا ہوگا نا جیسے میں آپ کو مس کر رہا ہوں۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے آپ مجھے مس کر رہی ہیں۔"

"میں بہت مس کر رہی تھی آپ کو' یہاں سب آپ کو مس کر رہے ہیں۔"

دونوں ماں بیٹا ساتھ ساتھ لگے دکھ سکھ کہہ رہے تھے۔

"آپ۔۔۔ خوش ہو عمر؟" پھر شہلا نے آہستگی سے پوچھا۔

"جی مما! میں وہاں بہت خوش ہوں۔ پپا بہت اچھے ہیں۔ ان کا گھر بھی بہت اچھا ہے۔"

"اچھا۔" وہ آزردگی سے بولی۔

"مما! آپ ہاشم انکل سے کہیں' وہ آپ کو چھوڑ دیں۔"

"عمر!" شہلا کو یک دم ایک شاک سا لگا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہو۔"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مما! پلیز۔۔۔ ہمارا گھر پھر سے بن جائے گا۔ مجھے مما بھی مل جائیں گی اور پپا بھی۔ آپ۔۔۔ آپ پلیز ہمارے پاس آجائیں۔"

"عمر۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔ بی کوائٹ۔"

"مما! اگر آپ کہیں تو میں ہاشم انکل سے بات کرتا ہوں' وہ ضرور میری بات سمجھ جائیں گے' وہ بہت اچھے ہیں۔"

"عمر۔۔۔ وہ بہت اچھے ہیں' اس میں کوئی شک نہیں ہے اور بیٹا! اچھے لوگوں کو دکھ نہیں دیا کرتے۔" شہلا نے پلکیں جھپکا جھپکا کر آنسو روکے۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ خفگی سے منہ پھلا کر بولا۔ "آپ کو میرے لیے یہ سب کچھ کرنا ہوگا مما! مجھے آپ چاہئیں' مجھے اپنی ماں چاہیے۔۔۔ پلیز مما۔۔۔"

شہلا دم بخود تھی۔

"عمر۔۔۔ تمہیں۔۔۔ تمہارے پپا نے یہ سب کچھ سکھایا ہے نا۔ اتنی جلدی؟ تم ان کی باتوں میں آکر مجھے مجبور مت کرو بیٹا۔۔۔ میں ساری زندگی خود سے نظر نہیں ملا پاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے مما! پھر آپ مجھے بھی فورس مت کرنا کہ میں یہاں آکر آپ سے ضرور ملوں۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

شہلا نے چونک کر اس کی صورت دیکھی۔ اسے لگا اس کا دل حلق کے رستے باہر آنا چاہتا ہے۔ اس مرتبہ کی ضرب بہت کاری تھی۔ شہلا ساکت بیٹھی سوچے گئی۔

☼ ☼ ☼

دل و دماغ بالکل سن ہو رہے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے چلتے لان کے آخری کونے تک آگئی تھی۔ اسے واثق یقین تھا کہ اگر اس کے ساتھ اس کے بچے نہ ہوتے تو اس ذہنی کیفیت میں وہ یقیناً صرف اور صرف خودکشی کے متعلق ہی سوچتی۔ کچھ ایسا کرنے کا جی چاہتا تھا کہ ساری دنیا میں ایک زوردار گونج اٹھے۔ ہر کوئی چونک اٹھے اور [illegible] قدموں کی آواز سے وہ چونکی۔ کوئی آرہا تھا۔ اندھیرے میں آنے والے [illegible] ایک ہیولا تھا۔ ایقان ڈر سی گئی۔

"کون۔۔۔؟" اس نے پکارا۔

"ہم ہیں۔ اختر میاں۔" وہ قریب آگئے۔ "آپ۔۔۔ ایقان بیگم۔۔۔ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں۔ اتنی رات گئے۔"

"خاک چھانک رہی ہوں' آپ کو کیا۔" وہ تلخی سے بولی۔ "آپ کہیے۔ آوارگی کو اب تک قرار نہیں آیا۔"

اختر میاں افسردہ سا مسکرا دیے۔

"[illegible] کم ہو گیا ہے ایقان بیگم! آیا کریں۔"

دفعتاً ایقان نے ان کی جانب دیکھا پھر وہ دیکھتی ہی رہی۔ اندھیرے میں اختر میاں کی ناامید طلبی آنکھیں افسردہ لگتی تھیں۔

"اختر میاں۔۔۔"

"جی۔۔۔"

"آپ۔۔۔ مجھ سے شادی کریں گے؟ اگر میں عاشر۔۔۔ سے طلاق لے لوں تو؟"

اختر میاں سن ہو کر رہ گئے۔

باقی آئندہ شمارے میں

اختر میاں یوں کھڑے تھے گویا مٹی کا بے جان بت ہوں حتیٰ کہ ان کے وجود میں سانس کی جنبش تک محسوس نہ ہوتی تھی۔ ایقان نے اپنی بات کہہ تو ڈالی تھی لیکن اب اسے ایسا لگتا تھا جیسے اس کا پورا وجود ایک آگ کے گولے میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اس کی سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ بس چند ہی لمحوں میں وہ پوری کی پوری دھواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو جائے گی۔

"ایقان بیگم...!" اختر میاں کے بت میں سے لرزتی ہوئی آواز برآمد ہوئی تھی "یہ... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں...؟ ہم ایک بے توقیر ذرے سے درخشاں ستارہ بن جائیں... ہم نے تو اب سپنے میں بھی یہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور آپ ہمیں حقیقت میں... نہیں... شاید آپ، آپ ہم سے مذاق کر رہی ہیں آپ آج بھی وہی ایقان ہیں شوخ، زندہ دل، غصیلی کانچ سے بنی ہوئی اور... کانچ کی طرح توڑ دینے والی ایقان۔"

ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ ایقان جواب گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہی تھی چونکے بنا نہ رہ سکی۔

"اختر میاں...! آپ کی ہی بددعا لگی شاید۔" وہ آہستگی سے بولی جیسے نیند میں محوِ کلام ہو۔ "ورنہ لوور کسی کا تو دل کبھی نہیں دکھایا میں نے۔"

"ہم نے تو ہمیشہ آپ کے لیے دعا کی ہے۔" وہ جیسے منمنائے۔ "اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ لیکن ابھی کچھ دیر قبل جو آپ نے کہا اسے سن کر تو ہر غم کا نشہ اتر گیا ہمارے سر سے... ہم... ہم سمجھ نہیں پائے کہ ہم حواسوں میں لوٹے ہیں یا حواسوں سے حقیقتاً بے گانہ ہو گئے ہیں۔ آپ نے ایسا کیوں کہا؟ یہ... یہ مہربانی ہمارے نصیب پر؟"

"پتا نہیں...." وہ تلخی سے ہنس پڑی۔ "یہ آپ کے نصیب پر مہربانی ہے یا پھر اپنے نصیبوں سے بے مہری کی انتہا۔ جو کچھ بھی سمجھ لیجیے اسے۔ لیکن اتنا یقین کریں کہ میں نے نہ آپ سے مذاق کیا ہے نہ خود سے... میں نشے میں بھی نہیں ہوں اور نیند میں بھی نہیں ہوں۔ میں نے اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ یہ بات کی ہے اور... اور اب آپ کے جواب کی منتظر ہوں میں۔ بتایئے... ایک مطلقہ کی حیثیت سے اپنائیں گے مجھے؟"

"ہم... ہم کیا اپنائیں گے آپ کو ایقان!" اختر میاں جوشِ جذبات سے پھٹی ہوئی آواز میں بولے تھے۔ "ہم تو سر سے پاؤں تک آپ کے بن جائیں گے... پھر ٹھوکر بھی ماریں گی تو آپ کی چوکھٹ سے نہ اٹھیں گے ہم.... قسم لے لیں ہم سے۔"

"قسموں وعدوں کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ تلخ انداز میں بولی۔ "آپ نے کہہ دیا، بس کافی ہے.... اب آپ جائیں اور ہاں پھر منہ اٹھا کر کہیں چل مت پڑیے گا۔ پتا چلے کہ عین موقع پر آپ کے نام کی ڈھونڈ مچی ہو اور آپ حواسوں سے بے گانہ کسی گلی میں پڑے سو رہے ہوں۔"

"لعنت ہو ہماری صورت پر اگر ہم ایسا کریں تو۔" وہ جذباتی ہوئے "ہم تو آج سے ہی گھر سے نکلنا چھوڑ دیں گے۔"

"جی ہاں...." وہ کھول اٹھی تھی۔ "میں عدت میں بیٹھتی ہوں.... آپ مایوں بیٹھ جائیں۔" اختر میاں لرز سے گئے تھے۔

"ایقان بیگم! ایک.... ایک بات پوچھیں آپ سے.... یہ اچانک آپ کو کیا ہوا؟ ایک ہنستی بستی زندگی سے منہ موڑ کر آپ ہم سے دیوانے سے یہ کیا مانگ رہی ہیں؟ ہم تو اپنا دیوانہ پن ہی دے سکتے ہیں آپ کو.... آپ کی زندگی کو کسی بہار کی نوید نہیں سنا پائیں گے ہم...."

ایقان نے زخم زخم نظروں سے اندھیرے میں ان کے اجاڑ نقوش کو دیکھا تھا۔

"میری زندگی کو کسی بہار کی ضرورت نہیں رہی اختر میاں...! یہاں تو بس ہر شے کو جلا کر راکھ بنا دینے کی تمنا ہے.... میں اپنے جلنے کا تماشا آپ دیکھنا چاہتی ہوں.... ہنسنا چاہتی ہوں اپنی راکھ پہ...."

"پھپھو.... پھپھو!" دفعتاً کہیں قریب سے ہی آواز ابھری تھی۔

ایقان اور اختر میاں دونوں ہی چونک اٹھے تھے۔ پھر یکدم ہی رافع سامنے آ گیا تھا۔

"پھپھو! آپ یہاں ہیں؟ اس وقت؟" وہ سخت حیران تھا اور اختر میاں! یہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

اختر میاں کی سٹی گم ہو گئی لیکن ایقان کے جامد انداز میں فرق نہ آیا تھا۔

"نیند نہیں آ رہی تھی رافع....!" وہ دھیرے سے بولی۔ "ایک جلن سی برپا تھی وجود میں، میں کچھ دیر ٹہلنے کے لیے یہاں آ گئی.... اور یہ.... اختر میاں ان کی اختر شماریوں سے کون واقف نہیں ہے۔"

"پھپھو....!" رافع نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا "چلیں اندر.... آپ اچھی طرح جانتی ہیں آپ کو آرام کی اشد ضرورت ہے۔ پھر ڈاکٹر نے خاص طور پر آپ کو ٹینشن سے دور رہنے کے لیے کہا ہے.... اس طرح راتوں کو جاگ کر سوائے ٹینشن کے کیا حاصل ہوتا ہے بھلا؟" وہ اسے اپنے ساتھ لیے اس کے پورشن کی طرف جانے لگا۔

"بچوں کو اکیلا ہی چھوڑ آئی ہیں؟ اگر سوتے میں ڈر جائیں تو؟ آپ کو گھر میں نہ پا کر وہ کس قدر ڈسٹرب ہو سکتے ہیں، کچھ اندازہ ہے آپ کو؟"

"رافع....!" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔ "اگر... اگر میں مر جاؤں رافع! تو شہلا سے کہنا، میرے بچوں کو وہ پیار دے.... انہیں عاشر کو مت دینا.... پلیز!"

"پھپھو....!" وہ تڑپ سا اٹھا تھا۔ "میں نے کہا نا آپ صرف آرام کریں.... فضول مت سوچیں۔ نیند نہیں آتی تو ٹیبلٹ لے لیا کریں۔"

"ایک دو گولیوں سے فرق نہیں پڑتا رافع!" وہ بچوں کی طرح بولی۔ "پھر دل چاہتا ہے کہ روز نیند کی منت سماجت کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی پوری شیشی کھا کر ایک بار موت کی دعوت ہی کر ڈالے۔"

"خدا کا واسطہ ہے پھپھو....!" وہ اس کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ کو میں نے کبھی ایسا تصور نہیں کیا تھا۔ اتنی قنوطیت۔ اس قدر جذباتی پن.... شادی شدہ زندگی میں بڑے بڑے معرکے سر کرنے پڑ جاتے ہیں ڈیئر پھپھو! آپ تو بہت ڈرپوک نکلیں۔"

"تم نہیں سمجھو گے...." اس نے گہری سانس بھری تھی۔ "جاؤ.... سو جاؤ.... اتنی رات کو تم کس لیے جاگ رہے ہو؟ ابھی تم تو کسی معرکے سے دوچار ہونے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہو۔" رافع دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ہر میدان کے اپنے اپنے تقاضے ہوتے ہیں ڈیئر پھپھو....! ایک مصرعہ اٹک گیا تھا ذہن میں، سو چابی نکالنے کی کوشش میں تھا اور اب میں آپ کو یوں چھوڑ کر جانے والا نہیں ہوں۔ چلیں میرے سامنے دوائی کھائیں، دودھ پئیں اور اپنے بچوں کے ساتھ سکون سے لیٹیں.... پھر میں جاؤں گا۔"

"دوائی میں کھا لوں گی.... دودھ بھی پی لوں گی۔" وہ اداسی سے مسکرائی۔ "بچوں کے ساتھ لیٹ بھی جاؤں گی لیکن سکون؟ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے.... اس لیے تم جاؤ۔ اپنا وقت مجھ کم نصیب کے لیے خراب مت کرو۔ مجھے تو اب اس کی عادت ہے۔ صبح ہوتے ہوتے نیند بھی آ ہی جائے گی.... آخر کو انسان ہوں۔"

"اچھا.... میں جاتا ہوں.... لیکن پلیز پھپھو! کوئی الٹا سیدھا کام مت کیجیے گا.... کچھ بھی نہیں بگڑا ہے سب ٹھیک ہو جائے گا.... بھروسہ کیجیے۔"

"جانتی ہوں رافع.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے جیسے سرگوشی کی تھی۔

"اب میں چلوں؟" وہ مشکوک سا تھا۔
"ہاں، تم جاؤ۔ شب بخیر۔" اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔
رافع پریشان سا کافی دیر وہیں کھڑا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"امی جی.....!" وردہ کافی گھبرائی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔ "یہ ان لوگوں کا ہر کام ایسے جلد بازی اور افراتفری میں ہی کیوں ہوتا ہے بھلا؟ انہیں سکون واطمینان کے معنی نہیں آتے کیا؟"
"کیا ہوا؟ خدا خیر کرے۔" رابعہ بیگم گھبرا سی گئیں۔ "کس کی بات کر رہی ہو؟"
"فراز کے گھر والوں کی..... اب ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی ان کے سروں پر ریوالور تانے کھڑا ہے..... ابھی فریحہ کا فون آیا تھا۔ کہنے لگی 'ہم لوگ آپ کے گھر آ رہے ہیں۔ میں نے کہا 'ضرور آؤ' سر آنکھوں پر' تب بولی۔ ہم شادی کی تاریخ رکھنے آ رہے ہیں..... ہمارے ہاں تو اس موقع پر بہت خاص قسم کے لڈو بنوائے جاتے ہیں لیکن چونکہ وقت کم ہے اس لیے مکس مٹھائی کے ٹوکرے بنوا لیے ہیں..... آپ لوگ پسند کریں گے نا؟"
"ہائیں!" رابعہ بیگم بھی چونک کر کھڑی ہو گئیں۔ "تاریخ رکھنے؟ یوں اچانک؟"
"جی ہاں!" وہ تپی ہوئی تھی۔ "ہے کوئی تک ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی؟ اب شام تک دعوت کا بندوبست کرنا آسان کام ہے بھلا؟ اس نے کہا ہے کہ قریباً "آٹھ' دس افراد ہوں گے۔"
"لیکن ہم بھی تو اپنے سب ہی رشتے داروں کو بلائیں گے..... اس طرح پچاس ساٹھ افراد تو بن جاتے ہیں۔" رابعہ بیگم کے چہرے پر پریشانی جھلکنے لگی۔
"خیر' آپ ٹینشن نہ لیں۔" وردہ نے ان کی صورت دیکھ کر فوراً "ہی پرسکون انداز اپنا لیا۔ "سب ہو جائے گا..... اللہ مالک ہے۔ ہم بازار سے پکا پکایا کھانا منگوا لیتے ہیں۔"
"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "میں' میں رافع سے کہتی ہوں' وہی انتظام سنبھالے گا۔"
"امی.....!" وردہ آہستگی سے بولی تھی۔ "ہاشم بھائی بھی تو ہیں اور حمزہ اور علی بھی اتنے چھوٹے نہیں ہیں۔ میں بڑے ماموں کے یہاں جا رہی ہوں۔ انہیں شام کی دعوت بھی دے دیتی ہوں اور کھانے کے متعلق بھی سارا کچھ ڈسکس کر لوں گی۔ آج چھٹی کا دن ہے۔ ابھی سب گھر پر ہی ہوں گے..... وہ تینوں مل کر سارا انتظام سنبھال لیں گے۔"
"اچھا! جیسے تمہاری مرضی۔" رابعہ بیگم چپ سی ہو گئیں پھر جیسے انہیں خیال آیا تھا۔
"آج چھٹی ہے..... بینک سے پیسے بھی نکلوانے ہوں گے۔"
"کوئی فکر کی بات نہیں ہے' اے ٹی ایم سے نکال لوں گی میں' آپ بالکل اطمینان رکھیں' سب بالکل خیریت سے ہو جائے گا۔"
وہ پلٹ کر جانے لگی تھی۔
"بات سنو وردہ.....!" رابعہ بیگم نے اسے پکارا۔
"جی امی.....!" وہ الٹے قدموں پلٹ آئی۔
"وہ لوگ..... کب کی تاریخ رکھنے کا کہہ رہے ہیں؟" وہ قدرے فکرمندی پوچھنے لگیں۔
"میرا خیال ہے اگلے چاند کی کوئی تاریخ....."
"ہائیں.....!" وہ سٹپٹا گئیں۔ "اس قدر افراتفری؟ تم ٹھیک کہہ رہی ہو ان کا کوئی کام بھی جلد بازی سے خالی

نہیں ہے۔ یہ ناعمہ ہے کہاں؟"
"سو رہی ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"اٹھاؤ اسے....." وہ جھلائیں۔ "ہم یہاں دہلے ہوئے جا رہے ہیں اور وہ ٹھاٹھ سے بستر کی سیر کر رہی ہے بلکہ تم جاؤ میں خود جگاتی ہوں اسے۔"
"بستر کی سیر؟" وردہ کو ہنسی آ گئی۔ "تب ہی اکثر پلنگ سے نیچے گر جاتی ہیں محترمہ..... فراز کو کہنا پڑے گا کہ اس کے سائیڈ میں تکیہ لگا دیا کرے۔"
رابعہ بیگم بھی ساری فکر بھول کر ہنس پڑی تھیں۔

☼ ☼ ☼

شیشے کا بیرونی دروازہ کھول کر وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ فردوس بیگم سامنے ہی صوفے پر براجمان ہرے چنے نکال رہی تھیں۔
"السلام علیکم ممانی جان.....!" وردہ ان کے قریب جا بیٹھی۔
"وعلیکم السلام....." انہوں نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ٹوکری پرے کی۔ "آؤ بھئی' عرصے بعد شکل دکھائی ہے تم نے۔ لگتا ہے کوئی خاص کام ہے آج ہم لوگوں سے..... کیوں؟"
وردہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔
"ٹھیک سمجھی ہیں آپ..... بہت ذہین ممانی ہیں آپ میری۔"
"اے ہاں..... یہ تو سامنے کی بات ہے..... یوں تو ہم بہت کوڑھ مغز ہیں ذہین تو تمہاری چھوٹی ممانی ضرور ہوں گی..... ساس جو بنیں گی تمہاری۔"
اپنی بات سے محظوظ ہو کر انہوں نے خود ہی قہقہہ لگایا۔ وردہ بھی دھیمے سروں میں ان کی بے تکی ہنسی میں شریک ہوئی تھی۔
"اچھا کہو..... کیسے آنا ہوا؟" انہیں فوراً "ہی اصل بات یاد آ گئی۔
"آج شام ہمارے ہاں آپ سب کی دعوت ہے..... اصل میں ابھی ابھی فریحہ کا فون آیا تھا..... وہ لوگ ناعمہ کے لیے تاریخ لینے آ رہے ہیں..... اس موقع پر آپ سب لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔"
"ناعمہ کی تاریخ؟" ان کا منہ کھل گیا۔ "شادی کی تاریخ؟"
"جی ہاں....." وہ ان کے انداز سے قدرے گھبرا سی گئی۔ "شادی کی ہی تاریخ رکھنا ہے ممانی!"
"اور تم اب بتا رہی ہو....." وہ خفا ہو گئیں۔ "خیر..... شکوہ بے جا ہے۔ پہلے کون سا تم لوگوں نے کسی بات میں شریک کیا ہے، جواب کرو گے۔ مہمانوں کی طرح وقت سے بلاتے ہو۔ ہم بھی مہمانوں کی طرح ہی آئیں گے۔"
انہوں نے دوبارہ ٹوکری اپنے آگے کر لی اور چنے نکالنے لگیں۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے ممانی.....! میں سچ کہہ رہی ہوں۔ ابھی فریحہ کا فون آیا ہے اور میں ابھی آپ کے پاس چلی آئی ہوں..... بلکہ آپ یوں یقین کریں کہ ارجنٹ نوٹس پر کھانا بھی پکا ہوا منگوانا ہے اور مجھے اس سلسلے میں ہاشم بھائی اور حمزہ سے بھی مشورہ کرنا ہے۔"
"کرو مشورہ....." وہ بے نیازی سے بولیں۔ "ہم نے کب روکا ہے۔" پھر دفعتاً "ان کے ہاتھ رکے تھے۔ ان کے انداز میں یکدم ہی اپنائیت در آئی۔
"بات سنو وردہ.....! یہ عذرا کا کیا خیال ہے رافع اور تمہارے بارے میں؟"

"جی؟ میں کچھ سمجھی نہیں ممانی جان!" وہ الجھ سی گئی۔
"ثانیہ کی بھی تاریخ رکھی جانی ہے چند دنوں میں..... تو کیا تمہاری اور رافع کی بھی....."
"نہیں نہیں....." وہ گھبرا سی گئی۔ "ابھی تو ایسی کوئی بات نہیں نکلی..... پھر ناعمہ کے جانے سے امی کے پاس میرا ہونا ضروری ہے..... میں خود اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں ہوں۔ امی بہت اکیلی ہو جائیں گی۔"
"سنا ہے رافع بھی ٹال مٹول کر رہا ہے۔" انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔
"مجھے تو اس کی خبر نہیں ممانی جان!" اس کے چہرے کی جوت بجھ گئی تھی۔
"کیا خیال ہے تمہارا....." وہ اچانک ہی پراسرار ہو گئیں۔ "اگر ہم نافع اور عریشہ کی بات چلائیں تو ٹھیک ہے؟"
"ضرور....." وہ مختصراً بولی۔
"تم حمایت کرو گی ہمارے مطالبے کی؟"
"کیوں نہیں..... اس میں حرج ہی کیا ہے....." وہ مسکرائی تھی۔
"جیتی رہو....." وہ یکایک ہی خوش ہو گئیں۔ "چلو ٹھیک ہے..... ایک ہی گھر کے تین بوجھ اتر جائیں گے۔ عریشہ، ثانیہ اور ناعمہ..... تینوں سہیلیاں تینوں ساتھ ہی دلہن بنیں گی..... کیوں وردہ؟"
"بالکل ٹھیک ہے ممانی.....!" وہ مسکرائی۔
"تم تو تینوں سے بڑی ہو وردہ.....!" انہوں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا "تمہارا دل تو خراب نہ ہو گا؟"
"کمال کرتی ہیں ممانی جان.....! یہ تو نصیب نصیب کی بات ہے۔" وہ رسانیت سے بولی۔ "جس کا جیسے لکھا ہو..... آپ میری فکر نہ کریں، میں اتنی چھوٹی باتوں پر دل خراب نہیں کرتی۔"
"تم کھانے کی بات کر لو ہاشم اور حمزہ سے.....!" انہوں نے اسے گرین سگنل دکھایا۔ "دونوں اوپر ہیں..... میچ دیکھ رہے ہیں۔"
"جی اچھا....." وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی۔
اسے آتا دیکھ کر عریشہ آڑ میں ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کا رنگ سفید پڑ گیا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے تھے۔
"لیکن امی.....! اتنی جلدی..... کیوں؟" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔
"بس بیٹا! کیا کریں..... جلدی تو لگتا ہے ان لوگوں کی گھٹی میں شامل ہے..... ہر کام جلدی، دوڑ بھاگ میں..... لیکن یہ بھی حقیقت ہے، کہ جلد یا بدیر..... کام تو بہرحال ہونا ہی ہوتا ہے۔ تم اس روز ثانیہ کے ساتھ مارکیٹ گئی تھیں تو ایک ہرے رنگ کا سوٹ لائی تھیں نا؟ وہی جس پر شاید سفید کام تھا؟"
"وہ..... باٹل گرین سوٹ موتیوں کے کام والا؟ وہ تو..... وردہ آپی کے لیے لائی تھی۔" وہ اب تک گم صم سی کیفیت کا شکار تھی۔
"ہاں تو تمہارا ناپ تو تقریباً ایک سا ہے۔ وہ سوٹ پہن لو..... ساتھ میں میرا موتیوں والا سیٹ بھی پہن لو۔ ہلکا پھلکا میک اپ ضرور کر لینا۔ لڑکیاں تو ایسے موقعوں پر خوب جی جان سے تیار ہوتی ہیں، تمہیں تو کسی بات کی تمیز ہی نہیں ہے بالکل۔"
وہ ایک دم خفا سی ہوئیں پھر اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر نرم پڑ گئیں۔

"خیر تم فکر مت کرو۔ رائمہ آتی ہی ہو گی۔ خود ہی سمجھا دے گی تمہیں سب کچھ..... اتنا پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ یہ موقعے تو خوش ہونے کے ہوتے ہیں بیٹا..... لڑکیاں تو انجوائے کرتی ہیں ان چھوٹی چھوٹی رسموں کو..... تمہارا تو رنگ یوں اڑ گیا ہے جیسے کپڑے پر بلیچ ڈال دو۔"
"امی.....!" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "پتا نہیں مجھے ڈر بہت لگ رہا ہے۔!"
رابعہ بیگم کو بے اختیار ہی اس پر پیار آیا۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔
"آپ..... آپ ان لوگوں کو منع کر دیں۔"
"ناعمہ.....!" وہ حد درجہ حیران ہوئیں۔ "بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ خوشی کے موقعوں پر ایسی بے سروپا باتیں منہ سے نہیں نکالتے بیٹی!"
پھر وہ قدرے اداس ہو گئی تھیں۔
"تمہارے والد اگر زندہ ہوتے..... تو کیسی تسلی ہوتی مجھے۔ اس وقت تو ایسا لگ رہا ہے جیسے ایک کار دشوار ہے جس کا بوجھ تنہا اٹھانا ہے۔ بہت کم حوصلہ ہو رہی ہوں میں اور تم ایسی صورت بنا کر اور ایسی فضول باتیں کر کے مجھے مزید بے حوصلہ کر رہی ہو۔ خدا کے لیے سب اچھا بولو۔ کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نہ نکلے۔"
"لیکن امی جی! پہلے وردہ آپی کا حق تھا!" وہ کچھ اور سمجھ میں نہ آنے پر احتجاجاً بولی۔
"یہ سب تو اللہ کو پتا ہے بیٹا جی! یہ لکھا ہوا ہی کا ہے۔ اس نے اگر تمہاری خوشی وردہ سے پہلے لکھی ہے تو اس کی کوئی مصلحت ہو گی۔ یہ باتیں ایسی نہیں کہ انہیں زیادہ سوچا جائے۔ پھر وردہ مطمئن ہے تو تمہیں کاہے کی فکر؟ وردہ میری بہت پیاری بچی ہے مجھے فخر ہے اس پر۔"
"میں پیاری نہیں ہوں؟" اس نے منہ بسورا۔
"یہ میں نے کب کہا؟" وہ ہنس پڑیں۔ "تم پیاری بھی بہت ہو اور تمہارے لاڈ بھی بہت کیے ہیں میں نے۔ رائمہ سے پوچھو اس کے ساتھ کتنی سختی کی تھی میں نے..... اب کبھی سوچتی ہوں تو افسوس بھی ہوتا ہے۔"
وہ نجانے کیا کچھ سوچنے لگی تھیں۔ پھر کچھ خیال آنے پر چونک اٹھیں۔
"اچھا خیر..... یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ وقت ضائع مت کرو، کپڑے ایک مرتبہ پہن کر فٹنگ وغیرہ چیک کر لو، کہیں عین وقت پر کچھ کام نہ نکل آئے۔ وردہ آئے تو اس کے ساتھ مل کر فٹافٹ گھر کو سدھار لو۔ میں ذرا ماں جی کی طرف جاتی ہوں۔"
"جی....." وہ سر جھکا کر منمنائی۔
رابعہ بیگم کے جانے کے بعد وہ بے کلی سے ٹہلنے لگی تھی۔ شادی کی رات سے قبر کی رات تک رونے کا تصور، انتہائی لرزہ خیز اور جان لیوا قسم کا تھا لیکن وہ اپنے بارے میں بھی جانتی تھی۔ اس سلسلے میں اس کی لبوں سے کوئی بات نکلنے والی نہ تھی۔ اپنی ماں کے دکھوں سے وہ بخوبی واقف تھی اور اس میں رتی بھر اضافہ اسے کسی طور گوارا نہ تھا۔ خواہ اس کے لیے اسے حقیقتاً شادی کی رات سے قبر کی رات تک رونا ہی کیوں نہ پڑتا۔

☼ ☼ ☼

وہ کمرے میں اندھیرا کیے لیٹی ہوئی تھی۔ ساری رات نیند پلکوں کے قریب نہ پھٹکی تھی۔ اب سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور طبیعت بے حد بھاری ہو رہی تھی۔ یکدم موبائل کی لرزش سے اس کی غنودگی ٹوٹی۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسکرین پر نام دیکھا پھر موبائل آن کیا۔
"ہیلو....."

”شہلا..... ہاشم بات کر رہا ہوں۔“ وہ گمبھیر آواز میں بولا تھا۔

”جی.....“ وہ آہستہ سے بولی۔

”ڈسٹرب تو نہیں کیا تمہیں؟“ وہ محتاط انداز میں بولا تھا۔

شہلا کچھ دیر کے لیے خاموش رہ گئی۔ ہاشم کے انداز میں پچھلے کچھ دنوں سے در آنے والی اجنبیت اس کے لفظ لفظ سے جھلکتی تھی۔ نجانے کیوں..... شہلا کے دل کو ٹھیس سی لگتی تھی۔

”ایسی باتیں نہ کیا کریں ہاشم! بہت اجنبی سے لگتے ہیں۔“

”اجنبیت تو احساس ہے شہلا! باتوں سے در آئے‘ رویوں سے یا پھر دو افراد کی قسمت میں ہی رقم ہو۔ خیر..... میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں لینے آ رہا ہوں۔“

”خیریت؟“ وہ پوچھ بیٹھی۔

”کیا بات ہے شہلا! کیا تم یہاں آنا نہیں چاہتیں؟“ ہاشم الجھ سا گیا تھا۔ ”اپنے گھر واپس آنے کے لیے بھی تمہیں اور مجھے ایسے سوال جواب کی ضرورت ہے؟ بہرحال بات یہ ہے کہ ناعمہ کے سسرال والے اس کی شادی کی تاریخ رکھنے آ رہے ہیں۔ امی کا خیال ہے کہ ہم لوگ اس موقع پر عریشہ اور رافع کی تاریخ بھی ساتھ ہی رکھ لیں۔ اسی سلسلے میں چچا جان کی طرف جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے‘ اس موقع پر تو تمہارا یہاں ہونا ضروری ہے؟“

”جی.....“ وہ دھیرے سے بولی۔ ”میں خود آ جاتی ہوں۔ کون سا زیادہ رستہ ہے۔ آپ خوامخواہ تکلیف کریں گے۔“

ہاشم چند لمحے خاموش رہ کر دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

”اور ابھی تم میرے الفاظ سے جھلکتی اجنبیت کی شکایت کر رہی تھیں۔ خیر..... مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کی ہمراہی عین راحت و سعادت ہے۔ تم تیار رہو‘ میں آ رہا ہوں۔“ اس نے فون بند کر دیا تھا۔ شہلا اس کے لطیف طنز کے متعلق سوچتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

بے حد پریشانی کے عالم میں اس نے فون بند کیا تھا۔ ریسیور پر ہاتھ رکھے وہ بہت استغراق کی کیفیت میں نظر آیا۔ عذرا بیگم اٹھ کر اس کے قریب آ گئیں۔

”رافع.....!“ انہوں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

وہ چونک اٹھا۔

”جی امی.....“ اس نے ایک لمبی سانس بھری۔ ”وہ کہتے ہیں کہ کمپنی کے ساتھ کیا گیا ان کا کانٹریکٹ ختم ہو گیا ہے۔ اب وہ کہاں گئے ہیں‘ انہیں خبر نہیں ہے۔“

”یا خدا۔“ وہ پریشان ہو گئیں۔ ”یہ کیا ماجرا ہے۔ ایقان تو کہتی ہے کہ وہ اکثر و بیشتر بچوں سے بات کرنے کے لیے فون کرتا رہتا ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ ایقان کو نہ سہی‘ بچوں کو تو ضرور بتاتا۔“

”ہو سکتا ہے پھپھو کو اس کا علم ہو۔“ رافع نے خیال ظاہر کیا۔

”لیکن ہم اسے تو نہیں کہہ سکتے نا کہ ہمیں عاشر سے رابطہ کرنا ہے۔ اس کی فطرت سے تم بخوبی واقف ہو۔“

عذرا بیگم سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

”کچھ بھی ہو امی جی! میں کل رات کے واقعہ سے سخت خوفزدہ بھی ہوں اور پریشان بھی۔ پھپھو کو قطعاً اندازہ نہیں ہے کہ وہ کیا کر رہی ہیں‘ وہ کچھ بھی غلط کر سکتی ہیں۔ ایسے میں ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ انہیں کسی کھائی میں گرنے سے بچائیں۔ عاشر بھائی سے رابطہ کرنا ناگزیر ہے۔“ وہ پُرسوچ انداز میں کہہ رہا تھا۔

”تم اماں کے سامنے ہرگز ان باتوں کا ذکر مت کرنا۔“ عذرا بیگم نے اسے ٹوکا۔ ”وہ پہلے ہی ایقان کے بارے میں حد درجہ فکرمند رہتی ہیں۔ ایسی باتیں سنیں گی تو بیمار پڑ جائیں گی۔“

”جانتا ہوں۔“

”اب کیا کرو گے‘ عاشر کا نمبر کہاں سے لو گے؟“

”آپ اپنے طور پر پھپھو سے پوچھنے کی کوشش کریں‘ شاید وہ بتا ہی دیں۔“

”لیکن کیوں‘ کیا کہوں اس سے.....؟“ وہ جزبز ہوئیں۔

”کوئی بہانا بنا دیں۔ کہہ دیں‘ ان کا کوئی دیرینہ دوست ملا تھا‘ وہ مانگ رہا تھا۔“

”تو پھر تم ہی کہو نا۔“ وہ بھنائیں۔ ”عاشر کا دیرینہ دوست مجھے کہاں مل جائے گا؟“ رافع چونکا پھر مسکرا دیا۔

”ٹھیک ہے‘ میں ہی کہتا ہوں۔“ وہ بولا۔

☼ ☼ ☼

تقریب کا اہتمام لان میں کیا گیا تھا۔ ہاشم نے انتظام بہت عمدگی سے سنبھالا تھا۔ ہر ہر چیز میں ”مینجمنٹ“ خاص طور پر نظر آ رہی تھی۔

”رابعہ بہن! یہ سب بہت زیادہ کر لیا آپ نے۔“ ریحانہ بیگم ان کا ہاتھ تھام کر بولی تھیں۔

”جی آنٹی.....!“ فریحہ بھی قریب ہی موجود تھی۔ ”ہم نے تو خاص طور پر کوشش کی تھی کہ بالکل گھریلو انداز میں تقریب کو نمٹا لیا جائے‘ تب ہی ارجنٹ نوٹس دیا تھا آپ لوگوں کو لیکن آپ لوگوں نے تو بہت عمدگی سے سب کچھ مینیج کر لیا۔“

”اللہ سلامت رکھے بچوں کو۔“ رابعہ بیگم مسکرائیں۔ ”ان ہی کے دم سے ساری رونق ہے اور رہی بات تقریب کی تو ان بچیوں کے سوا میرا کون ہے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر اگر اپنے ارمان نہ نکالوں گی تو پھر کب خوشیاں اتریں گی یہاں۔“

”آنٹی! میں ناعمہ کے پاس چلی جاؤں؟“ فریحہ کھڑی ہوئی تھی۔ ”وہ اندر اکیلی بیٹھی ہو گی۔“

”ہاں ضرور..... لیکن ابھی اصل کام تو باقی ہے اور تم اندر جا رہی ہو۔“

”تاریخ آپ لوگ سیٹ کریں‘ یہ اپنا ڈپارٹمنٹ نہیں۔“ وہ ہنسی تھی۔ قریب بیٹھی وردہ کو ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

سفید موتیوں کے کام سے مزین باٹل گرین کلر کے کپڑوں میں ملبوس وہ بہت معصوم اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے بیٹھ کر وہ قدرے محویت سے خود کو دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اس نے آئینے میں ایک اور عکس کو اپنے عکس کے پیچھے ابھرتا ہوا دیکھا۔ ناعمہ چونک کر مڑی۔

”عریشہ..... تم.....“

وہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑی ہوئی تھی۔ ناعمہ کے پکارنے پر وہ چند قدم بڑھا کر اندر چلی آئی۔ سیاہ کپڑوں میں اس کی رنگت زرد اور مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔

”مبارک ہو۔“ اس کے لب ہلے۔ ”فراز کا ساتھ ملنا‘ کس قدر خوشی کی بات ہے۔ ہے نا۔ تمہارا یہ دلکش روپ بتا رہا ہے۔“

ناعمہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔ اس کے چہرے پر، اس کی آنکھوں میں، اس کے انداز میں وحشت کا راج تھا۔ عریشہ آ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ نجانے کیوں ناعمہ کو اس دیوانی لڑکی سے خوف سا محسوس ہوا تھا۔

"بہت خوش ہو نہ ہوں؟"

"نہیں۔" ناعمہ نے سر جھکا کر قدرے اداسی سے کہا تھا۔ "بالکل خوش نہیں ہوں۔ محض مجبوری ہے۔"

"اوہ...." وہ طنز سے بولی۔ "مجبوری.... مجبوراً "شادی کر رہی ہو اس سے؟ جانتی ہو ناعمہ! مجبوراً "شادی کیسے کی جاتی ہے؟ جیسے میں کر رہی ہوں، ایسے۔"

"جانتی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تم کیا جانو گی۔" وہ حقارت سے بولی۔ "تمہارے دل پر تو ان عذابوں کا سایہ تک نہیں اترا جو میری ذات کے اندر پر پھیلائے کھڑے ہیں۔ صرف اتنا جان لو جو تمہارا بننے جا رہا ہے، اس نے کبھی میری محبت کا دم بھرا تھا، میرے فراق میں آہیں بھری تھیں، میرے لیے راتیں جاگی تھیں اور.... اور.... جب میں زنجیروں میں جکڑی گئی، تب وہ تمہارے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ جانتی ہو کیوں؟ صرف اور صرف مجھے جلانے کے لیے، میرا تماشا بنانے کے لیے۔ یہ جتانے کے لیے کہ اس نے جو کچھ بھی کیا، وہ صرف دل کا بہلاوا اور تفریح تھی اور تم...." اس نے نفرت سے ناعمہ کو دیکھا۔ "تم بھی خوشی خوشی اس کے کھیل میں شریک ہو گئیں۔ میں نہیں جانتی کہ تمہیں ان ساری باتوں کا علم ہے یا نہیں.... لیکن.... لیکن اتنا جان لو کہ میرے قاتلوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی شامل ہے۔ مجھے تم سے بھی نفرت ہے۔ مجھے سب سے نفرت ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی تھی۔ ناعمہ تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔

"مت رو عریشہ....!" پھر وہ آہستگی سے بولی۔ "مت رو، کوئی تمہارا یا تمہاری خوشیوں کا قاتل نہیں ہے۔ یہ سب نصیبوں کے پھیر ہیں۔ دل کسی کا ہوتا ہے، وجود کسی اور کا ہو جاتا ہے۔ ایسا ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔"

"مت بہلاؤ مجھے ان جھوٹے لفظوں سے۔" وہ پھنکاری۔ "ابھی تم بہت خوش ہو، جسے پانے جا رہی ہو، اسے آسمان کا چاند سمجھتی ہو لیکن یاد رکھو، چاند صرف چند لمحوں کے لیے اپنا ہوتا ہے، چند پل گزرتے ہیں اور وہ دوسری چھت پر نظر آتا ہے۔ وہ جو کل مجھ سے محبت کرتا تھا...."

"وہ آج بھی تم سے محبت کرتا ہے۔" ناعمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "فرق اتنا ہے کہ محبت نے روپ بدل لیا ہے اور اسے اس کی خبر نہیں ہے۔"

عریشہ اس کی بات پر حیران ہوئی۔

"کیا مطلب؟" پھر وہ بولی تھی۔

"تمہیں یاد ہے عریشہ!" ناعمہ آہستہ آہستہ بولنے لگی تھی۔ "جب ہم ہائی اسکول میں پڑھتے تھے، تب ہمیں انگریزی کے استاد گھر پر پڑھانے آتے تھے۔"

"ہاں.... یاد ہے.... لیکن یہاں ان پرانی باتوں کا کیا ذکر؟"

"تب ہم اکثر ان کے گھر فون ملا کر انہیں مختلف طریقوں سے تنگ کیا کرتے تھے۔ ہے نا؟"

"ہاں۔" وہ قدرے اکتاہٹ سے بولی۔ "پھر؟"

"انہیں کبھی اندازہ نہ ہو پاتا تھا کہ ہم ایک نہیں، دو مختلف لڑکیاں ہیں۔ تب ہمیں پتہ چلا تھا کہ ہماری آوازیں اور ہمارے بولنے کے انداز میں بے تحاشا مماثلت ہے۔ تب ہم نے ان کو ایک لڑکی بن کر بے وقوف بنایا تھا۔ آدھی بات تم کیا کرتی تھیں، آدھی میں اور کبھی کوئی ہماری چوری نہ پکڑ پایا تھا۔ ہے نا؟"

عریشہ یوں چونکی تھی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو' وہ ششدر سی اسے دیکھے گئی۔
"تم..... تمہارا..... تمہارا..... مطلب ہے کہ....."
"ہاں۔" ناعمہ نے سر جھکا لیا۔ "فراز کو بھی کبھی اندازہ نہیں ہوا کہ اس نے ایک نہیں' دو مختلف لڑکیوں سے بات کی ہے۔"
عریشہ یکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
"اور یوں..... یوں تم نے میری محبت ہتھیالی اور..... اور اتنے اطمینان سے مجھے بتا رہی ہو۔"
"نہیں عریشہ!" ناعمہ بات کو بننے کے بجائے بگڑتا دیکھ کر گھبرا گئی۔ "تم میری بات تو سمجھو....."
"تب ہی تم نے کہا کہ وہ آج بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ تم نے بیچ میں آ کر نجانے کس طرح اس کی راہ کھوٹی کر دی۔ اسے اپنی جانب کھینچ کر لے گئیں۔"
"نہیں عریشہ! تم جانتی ہو' تمہارا نکاح نافع سے ہو گیا تھا۔"
"ہاں' ہوا تھا نکاح' لیکن میری نظر میں صرف اور صرف میرے دل کے رشتے کی اہمیت تھی۔ وہ مجھے چاہتا ہے اور میں اسے..... اسی بات پر میں عمر گزار سکتی تھی لیکن..... لیکن تم بے ایمان لڑکی! تم نے ہمیں ایک عجیب انجانی کسک میں مبتلا کر ڈالا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو' میں اس بات کو آسانی سے بھول جاؤں گی؟ نہیں' تمہیں تمہاری اس بے ایمانی کی پوری سزا ملے گی۔ نہ میں نافع کی بنوں گی اور نہ فراز کو تمہارا بننے دوں گی۔ سنا تم نے۔"
"آہستہ بولو عریشہ!" ناعمہ کا کلیجہ کانپ گیا۔ "کوئی سن نہ لے۔"
"جس کو سننا چاہیے' وہ یہ سب ضرور سنے گا۔" وہ ایک عزم سے بولی۔
پھر وہ پلٹی اور کمرے سے نکل گئی۔ ناعمہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اسے در و دیوار گھومتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ حلق میں کانٹے اگنے لگے تھے۔ نجانے تقدیر اس کے ساتھ کیا کرنے والی تھی۔
"بھابھی.....!" کسی نے یکدم قریب سے کہا۔
ناعمہ بری طرح چونک اٹھی۔ اس کے پاس فریحہ کھڑی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

تارکول کی سیاہ سڑک تاحد نگاہ نظر آتی تھی۔ اس سے پرے سیاہ بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑے ایک دوسرے سے جڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔ گویا کسی کا رستہ روکنے کی تیاری کر رکھی ہو۔ مغرب سے پرے کا وقت تھا۔ ربیعہ نے سر اٹھا کر دیکھا تو سرمئی آسمان اپنا رنگ بدلنے لگا۔ اس کے کناروں پر جیسے بدلیوں میں آگ سی لگ گئی۔ پل بھر میں آسمان گلابی ہو گیا تھا۔
ربیعہ کو احساس ہوا' دور دور تک محض ویرانہ تھا۔ کہیں آبادی کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔ ربیعہ گھبرا سی گئی۔ ایسے سنسان پہر میں وہ تنہا وہاں کھڑی تھی۔
"ربیعہ.....!" اسے کسی کی سسکی سنائی دی۔ "ربیعہ! میں..... میں یہاں ہوں..... یہاں۔"
ربیعہ نے پلٹ کر دیکھا۔ دائیں بائیں پھرایا۔ وہاں کوئی نہ تھا' تب ہی ایک شور کے ساتھ ہوائیں چل پڑی تھیں جیسے سارے بادل ابھی برسنے والے ہوں۔ ربیعہ کا جی چاہا' وہاں سے بھاگ جائے۔
"ربیعہ..... ربیعہ....." کوئی رو رہا تھا۔ "ربیعہ! یہاں آؤ..... میں..... یہاں ہوں..... تمہارے قریب..... آؤ تو..... دیکھو تو..... ملو تو....."
ربیعہ کو خوف محسوس ہوا پھر وہ یکایک بھاگی۔ تارکول کی سیاہ سڑک جیسے اس کے پیر تھامنے کے لیے اس کے

ساتھ ساتھ بھاگی تھی۔ ربیعہ اپنی پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔
"ربیعہ..... ربیعہ....." آواز اس کے قریب تر آ گئی جیسے کوئی اس کے ساتھ ساتھ بھاگ رہا تھا۔
تب ربیعہ نے دیکھا' تارکول کی سیاہ سڑک کے آخری کونے پر کوئی کھڑا تھا۔ ربیعہ ٹھہر گئی۔ وہاں کوئی کھڑا تھا جیسے ربیعہ کے انتظار میں ہو۔
"ربیعہ!" اس نے بانہیں پھیلائیں۔ "آؤ..... آؤ..... میرے پاس۔"
ربیعہ اپنی جگہ رک کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگی۔
"ربیعہ!" کوئی اس کے بالکل قریب بولا تھا۔ ربیعہ کو اپنی گردن پر کسی کی سانسوں کی گرمی محسوس ہوئی۔ اس کے لبوں سے ایک زوردار چیخ برآمد ہوئی۔
تب ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سانس نہایت تیز رفتاری سے چل رہی تھی اور پورا جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔
"ربیعہ....." منیزہ بیگم تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر آئی تھیں۔ "ربیعہ! کیا ہوا؟"
"امی جی....." وہ ان سے لپٹ کر رو پڑی۔ "امی....."
"ربیعہ! میری بچی..... کیا ہوا؟" وہ پریشان ہو گئی تھیں۔
چند لمحوں میں ہی عباد اور انیقہ بھی چلے آئے تھے۔ وہ سب اس کے پاس بیٹھ گئے۔ ربیعہ نے سر اٹھا کر ان سب کو دیکھا۔ چند لمحوں بعد اس کے اوسان اس کے قابو میں آئے تھے۔ انیقہ نے اٹھ کر اسے پانی کا گلاس بھر کر دیا تو وہ ایک ہی سانس میں پی گئی۔
"ڈراؤنا خواب دیکھا تھا؟" عباد اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔
"بہت دن بعد....." اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "بہت دنوں کے بعد مجھے پھر..... پھر سے....."
"کیا مطلب پھر سے....." انیقہ حیران ہوئی۔ "کوئی سیریز ہے خوابوں کی؟"
ربیعہ نہ چاہتے ہوئے بھی مدھم سا مسکرائی تھی۔
"پتا نہیں انیقہ! سیریز ہی لگتی ہے۔ دادی کے انتقال کے بعد سے ایک عجیب سلسلہ شروع ہوا تھا۔ میں ہر دوسرے دن ایسا ہی کوئی خواب دیکھتی تھی۔ کبھی دادی نظر آتیں' کبھی ایک نادیدہ شخصیت کا واضح احساس ہوتا' کبھی خوف اور صرف خوف محسوس ہوتا۔"
وہ تینوں حیران سے ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔
"آپ لوگوں کے پاس آنے کے بعد ان خوابوں میں کمی آ گئی تھی پھر یہ سلسلہ بالکل موقوف ہو گیا تھا لیکن آج پھر اتنے دن کے بعد....."
"تم کہو تو میں تمہیں ماہر نفسیات کے پاس لے چلوں گا؟" عباد ہمدردی سے بولا۔
"ارے نہیں عباد بھائی!" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ "جو کچھ آپ لوگ کرتے ہیں' میں اسی کا احسان نہ اتار پاؤں گی ساری عمر۔"
"احسان؟" عباد ناراض ہوا۔ "تم ہماری محبتوں کو احسان شمار کرتی ہو ربیعہ! ہم سب تو بھول چکے ہیں کہ تم کوئی آؤٹ سائیڈر ہو۔ امی کے لیے تم تیسری بیٹی ہو اور میرے لیے تیسری بہن۔"
"عباد ٹھیک کہہ رہا ہے۔" منیزہ بیگم نے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ "اور یہ بات تم بھی جانتی ہو بلکہ ہم سب جانتے ہیں کہ تم بھی ہمارے لیے ایسے ہی سچے جذبات رکھتی ہو۔"
"آئندہ یہ احسان وغیرہ کی بات میں نہ سنوں۔" عباد بولا۔ "اور کل شام میں تمہارے لیے کسی ڈاکٹر سے

اپائنٹمنٹ لوں گا‘ میرے ساتھ چلنا۔“
”نہیں عباد بھائی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ گھبرا کر بولی۔
”ہم سب جانتے ہیں کہ تم ٹھیک ہو۔“ وہ مسکرایا۔ ”لیکن خواب ذرا غلط قسم کے دیکھ رہی ہو۔ علاج تمہارے خوابوں کا ہونا ہے‘ تمہارا نہیں۔“
منیزہ بیگم اور انیقہ ہنس دی تھیں۔ ربیعہ بھی مسکرا دی۔
”چلو اب سو جاؤ‘ اب یقیناً تمہیں پُرسکون نیند آئے گی۔“ عباد کھڑا ہوا۔ ”بلکہ انیقہ تمہارے ساتھ ہی سو جائے گی یہاں۔ کیوں انیقہ؟“
”ضرور۔“ انیقہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہی لیٹ گئی۔ عباد اور منیزہ بیگم باہر نکل گئے تھے۔



رات کے دو بجے کا عمل تھا۔ کروٹیں بدل بدل کر جب وہ تھک گئی تو اس نے کروٹ لے کر سوئے ہوئے ہاشم کی پشت کی جانب دیکھا۔ اس کا جی چاہا‘ وہ عمر کی آواز سنے پھر وہ ڈر گئی۔ اس خواہش کے بے حد خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے تھے۔ کچھ دیر وہ یونہی لیٹی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سر میں درد سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ بستر سے پیر لٹکا کر اس نے اپنے سلیپر ٹٹولے پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ راہداری میں زیرو پاور کے تین چار بلب روشن تھے۔ شہلا سیدھی چلتی چلی گئی پھر سیڑھیاں اتر کر وہ کچن میں چلی آئی تھی۔
لائٹ جلا کر اس نے ساس پین میں پانی ڈالا اور برنر جلا کر خود چائے کی پتی نکالنے لگی۔
”کیا بات ہے؟“ تیز آواز پر وہ بری طرح چونکی۔
اس نے مڑ کر دیکھا۔ کچن کے دروازے پر فردوس بیگم کھڑی تھیں۔ ان کے ماتھے پر پڑی تیوریاں دور ہی سے نظر آ رہی تھیں۔
”کچھ نہیں امی جی! میرے سر میں درد تھا۔ میں چائے بنانے کے لیے آئی تھی۔“ وہ نرمی سے بولی۔
”سارا گھر سو رہا ہے اور تم کھٹر پٹر کر کے ساروں کی نیند خراب کرنے پر تلی ہو۔“ وہ تلخی سے بولیں۔ ”اتنے دن ماں کے گھر رکنے سے سونے جاگنے کی عادتیں یونہی بگڑ جاتی ہیں۔“
شہلا کے ہاتھ رک گئے۔ وہ کبھی بھی اتنی تلخ گفتگو سننے کی عادی نہ رہی تھی۔
”امی جی! میں نے آپ کو بتایا ہے نا‘ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ وہ آہستگی سے بولی۔ ”کچھ دن سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے‘ اس لیے رات ٹھیک طرح سے نیند نہیں آتی۔ میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا تو بہت معذرت۔“
”طبیعت... طبیعت تو ہماری خراب ہو گئی بی بی! جب سے ہم اپنے لڑکے کے مطالبے پر تمہیں لے آئے۔ بتاؤ‘ ایسی ہوتی ہیں بہویں۔ آدھی رات کو چائے بناتی نظر آتی ہیں۔ بقیہ دن کمرے میں غائب۔ کسی بال بچے کا کوئی اتا پتا‘ کچھ خبر نہیں۔ ایک پیدا کیا‘ اس کی بعد توبہ کر لی۔ ہم ترستے ترستے مرجائیں۔ بیٹا کچھ کہتا نہیں لیکن اس غریب کی آنکھیں اپنی غلطی پر شرمسار لگتی ہیں۔“
وہ بڑبڑاتے ہوئے پلٹ گئی تھیں۔ شہلا اپنی جگہ پر سن کھڑی تھی۔ اتنی تلخ کلامی کا تو اس کی شائستہ طبیعت نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ اس نے ابلتے ہوئے پانی کی شاں شاں سنی پھر برنر آف کر دیا۔ طبیعت سخت مکدر ہوئی تھی۔ وہ چائے بنائے بغیر پلٹ گئی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ عجیب سی ذہنی حالت کا شکار تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ ہاشم کی جانب بڑھی۔

”ہاشم!“ اس نے بے حد سخت سے انداز میں اس کا شانہ ہلایا۔
ہاشم گھبرا کر اٹھا‘ وہ بے حد تھک کر بالکل غافل سویا ہوا تھا۔
”کیا... کیا ہوا؟“ وہ حیران سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔
”میاں بیوی کے درمیان جو سیکرٹس ہوں‘ انہیں میاں بیوی کے درمیان ہی رہنا چاہیے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ ایسے معاملات پر بھی اپنے گھر والوں سے بات کر سکتے ہیں۔“
ہاشم پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا پھر اس نے وال کلاک کی جانب دیکھا۔
”جو کچھ تم کہہ رہی ہو کیا اس کی تفصیل مجھے خواب میں بتائی جا چکی ہے؟“ وہ بے چارگی سے بولا تھا۔
”آپ نے... آپ نے... اپنے گھر والوں کو کیا بتایا ہے؟ ابھی آپ کی والدہ نے مجھے کہا کہ میں نے ایک بچہ پیدا کر کے توبہ کر لی اور یوں آپ کو اور سب گھر والوں کو ترسا رہی ہوں۔“
”امی نے؟“ ہاشم کی بھنویں حیرانی سے چڑھ گئیں۔ ”وہ... وہ یہ کہنے یہاں آئی تھیں؟ اس وقت؟“
”وہ یہاں نہیں آئی تھیں۔“ وہ نظریں چرا کر بولی۔ ”میں چائے بنانے نیچے گئی تھی۔“
”اوہ...“ وہ سب کچھ سمجھ گیا۔
”میں سمجھتی ہوں‘ میاں بیوی کے درمیان جو سیکرٹس ہوں...“
”کس سیکرٹس کی بات کر رہی ہو شہلا تم...“ دفعتاً وہ ڈپٹ کر بولا۔ ”ہمارے درمیان کبھی ایسا کوئی سیکرٹ ڈسکس نہیں ہوا۔ تم نے یہ سیکرٹ کسی ”اور“ سے ڈسکس کیا ہو تو علیحدہ بات ہے۔“
شہلا یوں کھڑی ہوئی تھی جیسے اسے شاک لگا ہو۔
”کیا... کیا آپ نے...؟“
”میں اپنے گھر والوں سے کیا کہتا ہوں کیا نہیں... یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے... مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ ”میاں بیوی“ کے حوالے سے تم ایسی بات کیسے کر سکتی ہو۔ ہمارے درمیان ”میاں بیوی“ والی کون سی بات ہے شہلا؟“
وہ چڑ کر بول رہا تھا۔
”ہاشم...“ شہلا ایک تحیر کے عالم میں اسے دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔
”جو کچھ تم نے کیا شہلا! وہ صرف تمہارا سیکرٹ تھا۔ میں اتفاقاً اسے پا بیٹھا۔ یہ علیحدہ بات ہے‘ اس لیے مجھ پر یہ پابندی عاید مت کرو کہ میں اسے خود تک محدود رکھوں۔ کیوں کروں میں ایسا؟“ وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
”کیا یہ سچ نہیں ہے جو کچھ امی نے تم سے کہا...؟“
شہلا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا‘ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ ہاشم کے دل کو کچھ ہوا۔
”میں نے آپ کو بتایا تھا ہاشم... میں... میں... صرف عمر کے لیے...“
”واٹ ایور وا ریزن وا نے... مجھے اس سے غرض نہیں۔“ اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔
”ہاشم! آپ... آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔“ شہلا نے رخ موڑا تھا۔
”ہوں... تو تم تیار ہو... کیا میں یہ سمجھوں؟“ ہاشم نے اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ ”ہاتھ کنگن کو آرسی کیا...“
شہلا اس کا مطلب سمجھ کر جیسے بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔
”ابھی میں ذہنی طور پر تیار نہیں‘ پلیز۔“
”نہ ذہنی طور پر... نہ دلی طور پر... یہی حقیقت ہے...“ ہاشم کے چہرے پر جیسے ہار کے آثار نظر آنے لگے

تھے۔ "ٹھیک ہے شہلا! مجھے کبھی تم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں مجبوری کا قائل نہیں ہوں۔ مجبوری کا بار بس محبت میں اٹھانا ٹھیک ہے۔ تم جب کسی منطقی نتیجے پر پہنچو' مجھے صرف آگاہ کردینا اور ہاں میں کسی راز کو خفیہ رکھنے کا پابند نہیں تھا لیکن میں نے کسی سے کچھ بھی نہیں کہا۔ تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو کہ میں یہ سب کسی سے کہہ سکتا ہوں۔ دل کی شکست کا اظہار اتنا آسان نہیں ہوا کرتا۔"

تھکے تھکے انداز میں کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ شہلا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ سر کا درد اب اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا' وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بستر پر گر سی گئی۔

☼ ☼ ☼

"تیار ہو ربیعہ؟" عباد نے دستک دیتے ہوئے کمرے میں جھانکا۔

ربیعہ جو اپنا دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھ رہی تھی' چونک اٹھی۔

"جی عباد بھائی! میں تیار ہوں۔ ویسے آپ بے حد تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ مجھے ان نفسیات کے ماہروں پر کچھ زیادہ اعتبار نہیں ہے۔"

"تم خود جو بہت بڑی ماہر نفسیات ہو۔ چلو' فٹافٹ باہر آجاؤ۔ میں گاڑی میں بیٹھا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔

ربیعہ نے ایک نظر آئینے پر ڈالی پھر اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

فرنٹ ڈور کھول کر وہ بیٹھی تو عباد نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"ہمیں رستے میں کچھ دیر کے لیے ٹھہرنا ہوگا۔" عباد بولا۔ "ڈاکٹر کا ٹائم آٹھ بجے سے ہے اور ابھی ساڑھے چھ بجے ہیں۔"

"لیکن ہم اتنی جلدی کیوں نکلے؟" وہ حیران ہوئی۔

"کیونکہ مجھے امیر حسن سے ملنا تھا' وہ آفس میں میرا منتظر ہوگا۔ آدھے گھنٹے کی میٹنگ ہے پھر ہم سیدھے ڈاکٹر کی طرف چلیں گے۔ ٹھیک؟"

"اچھا.... ٹھیک ہے....." وہ نیم دلی سے بولی۔

امیر حسن کی کمپنی کا آفس شہر کی مشہور و معروف بلڈنگ میں تھا۔ ربیعہ اس کا آفس دیکھ کر متاثر ہوئی۔ امیر حسن یقیناً فنکارانہ مزاج کا بندہ تھا۔ اس نے اپنا آفس بہت دلکش انداز میں سجایا گیا تھا۔ دیواروں' کارپٹ اور فرنیچر کی کلر اسکیم ہی بہت زبردست اور نہایت جدید تھی۔ جگہ جگہ انڈور پلانٹس ایسی ترتیب سے رکھے گئے تھے کہ ہر چیز میں ایک خاص تناسب اور حسن نظر آتا تھا۔ ربیعہ ہر ہر چیز کا بہت محو ہو کر جائزہ لے رہی تھی۔

"السلام علیکم۔"

ربیعہ چونکی۔ امیر حسن پر خلوص مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کر رہا تھا۔

عباد نے پُرجوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔ ربیعہ نے بھی مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

"آئیں پلیز۔" وہ انہیں لے کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

انہیں بٹھا کر اس نے انٹرکام پر کافی کا آرڈر دیا پھر ان لوگوں کی جانب متوجہ ہوا۔

"اور مس ربیعہ! آپ کی طبیعت کیسی ہے اب.... چوٹ کا کیا حال ہے؟" وہ شگفتگی سے اس کا احوال پوچھنے لگا۔

"اوہ.... آپ کو اب تک وہ حادثہ یاد ہے۔" ربیعہ دھیمے سے ہنس دی۔ "میں تو اسے بھول بھی چکی ہوں۔ چوٹ کا احوال کیا سناؤں۔"

"پارک جانے میں احتیاط کیا کریں۔ کیا خبر کتنے کو اب تک یاد ہو۔"

ربیعہ اور عباد ہنس دیے تھے۔ ربیعہ کو اندازہ ہوا کہ وہ بے حد شگفتہ اور دل چسپ شخصیت کا حامل نوجوان تھا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد امیر حسن اور عباد اپنی بزنس کی باتوں میں مگن ہو گئے۔ ربیعہ آفس کی اشیاء پر نگاہیں دوڑاتی رہی۔

اچانک ہی اس کی نظریں امیر حسن کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ایک تصویر پر جا ٹکی تھیں۔ وہ تصویر ایک جوان شخص کی تھی۔ نجانے اس کے چہرے میں ایسی کیا بات تھی' ربیعہ اس پر سے نظریں نہ ہٹا سکی۔ ایک ٹک وہ اس تصویر کو دیکھتی رہی۔ اس چہرے اور ان نگاہوں میں ایک مقناطیسی کیفیت تھی۔ ربیعہ اس مقناطیسیت کا شکار ہو گئی۔ اس کے سامنے رکھی کافی ٹھنڈی ہو گئی۔ امیر حسن اور عباد کی گفتگو اختتام کو پہنچی۔ ربیعہ اسی کیفیت میں بیٹھی وہ تصویر دیکھتی رہی۔

عباد اور امیر حسن اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں نے الوداعی مصافحہ کیا پھر عباد نے چونک کر ربیعہ کو دیکھا۔ امیر حسن کی نگاہ اس کے سامنے رکھے ہوئے کافی کے بھرے کپ پر پڑی۔

"ربیعہ....!" دونوں کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا۔

ربیعہ بری طرح چونکی۔

"جی.... جی...."

"کہاں کھوئی ہوئی ہو تم؟" عباد حیران تھا۔

"یہ.... تصویر....." اس نے غائب دماغی سے تصویر کی جانب اشارہ کیا۔

"یہ.... شہریار ہے.... شہریار احمد.... میرا کزن.... میرا دوست.... میرا بزنس پارٹنر....." امیر حسن بولا۔ "لیکن آپ کو اس تصویر میں کیا بات نظر آئی؟ کیا آپ نے آج سے پہلے اسے دیکھا ہے؟"

ربیعہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

(باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ)

"ربیعہ!" عباد نے اسے ملائمت سے پکارا۔ ربیعہ چونکی۔
پھر وہ ان دونوں کو دیکھ کر غائب دماغی سے مسکرائی۔
"چلیں؟" اس نے عباد سے پوچھا۔
"آپ نے بتایا نہیں ربیعہ!" امیر حسن نے تجسس سے چمکتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔
"کیا؟ کیا نہیں بتایا؟" وہ حیران سی ہوئی۔
"یہی کہ شیری کی تصویر میں آخر آپ کو ایسی کون سی غیر معمولی بات محسوس ہوئی؟ آپ... آپ اس طرح گرد و پیش سے بے خبر کیسے ہوگئیں؟"
ربیعہ چند لمحے غور کرتی رہی پھر اس نے بے چارگی سے کاندھے اچکا دیے۔
"میں خود نہیں سمجھ سکی۔ لیکن اس چہرے میں ایک مقناطیسیت محسوس کی میں نے... ایک عجیب سی کشش ..."
"شیری... کبھی پاکستان نہیں آیا۔" امیر حسن مدھم سا مسکرا کر بولا۔
"آپ بھی پاکستان سے باہر گئی ہیں؟"
"نہیں... کبھی نہیں۔!" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"بس پھر اتنا تو طے ہے کہ آپ لوگوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ باقی اگر دور پرے کی کوئی رشتہ داری نکل آئے تو الگ بات ہے۔"
تینوں ہی ہنس دیے تھے۔
"یہ ربیعہ... ویسے بھی کچھ..." عباد نے انگلی کو کنپٹی کے پاس لا کر گولائی میں گھمایا۔ "اس کی باتوں پر اتنا دھیان مت دو۔"
امیر حسن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر وہ ان دونوں کو سی آف کرنے باہر تک آیا۔
"آپ جاب وغیرہ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں؟" عباد پارکنگ ایریا سے گاڑی لینے گیا تو امیر حسن نے گلاسز کے پیچھے چھپی نظروں سے اسے دیکھا۔
"جاب؟" ربیعہ حیران سی ہوئی۔ "میرا ایم اے ابھی مکمل نہیں ہوا۔"
"اگر اسے ضروری نہ سمجھا جائے تو؟" وہ مدھم سا مسکرایا۔
"تو... " ربیعہ سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا "تو شاید... میں اپنا کام اچھی طرح سے نہ کر سکوں گی۔"
"خوبصورت معذرت ہے۔" اس نے خوش دلی سے سر ہلایا۔
"آپ کی گاڑی آگئی۔"
ربیعہ نے دیکھا۔ عباد اس کے انتظار میں تھا۔
"اللہ حافظ۔" وہ دھیمے سے مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔
امیر حسن کے لب آہستگی سے ملے تھے۔

☆ ☆ ☆

لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو فردوس بیگم کو سامنے ہی بیٹھا ہوا پایا۔
"السلام علیکم۔" وہ بریف کیس میز پر رکھ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں حد درجہ تھکاوٹ تھی۔

"وعلیکم السلام..." انہوں نے بے حد گہری نگاہ سے اس کے ہر انداز کو دیکھا۔ "بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔"
"جی امی۔" ہاشم نے آنکھوں کو بازو سے ڈھانپ لیا۔ "آفس میں اتنا کام ہے کہ لنچ کرنے کا ٹائم بھی نہیں مل پاتا۔ چائے رکھے رکھے ٹھنڈی ہوجاتی ہے لیکن گھونٹ بھرنا مشکل لگتا ہے۔"
"اے ہے۔ کیا وزیراعظم لگ گئے۔" وہ تشویش سے بولیں۔
"بتاؤ... ناشتہ بھی نہیں کرکے گئے تھے۔ خالی پیٹ کیا خاک کام کرتے ہوگے۔ اس طرح تو آدمی کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اے ہاں۔ یونہی تو نہیں کہتے کہ مرد کی کامیابی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ سیانے لوگوں نے بھی سوچ سمجھ کر یہ کہاوتیں گھڑی ہیں۔ بیگم کا حال دیکھ لو صبح سے رات ہونے کو آئی ہے۔ انہوں نے شکل نہیں دکھائی۔ کیا پکا ہے کیا نہیں کس نے کھایا کس نے نہیں۔ انہیں اس سے غرض نہیں ہے۔ اور کسی کا نہیں اپنے شوہر کا تو خیال کریں۔ اسے تو دیکھیں۔ پر یہاں کسے پروا ہے۔ نہ بی بی کو' نہ شوہر کو۔ ایک کولہو ہے جس کے گرد گھوم رہے ہیں یہاں کی گرہستی ہے۔"
ہاشم نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا' سامنے ہی ماہین کا بیٹا اپنا بیٹ اٹھائے بھاگا پھر رہا تھا۔
"ماہین آئی ہے؟" ہاشم نے پوچھا۔
"ہاں بلایا ہے ہم نے۔ ناعمہ کے ساتھ عریشہ کی تاریخ تو رکھ دی ہے۔ لیکن عذرا بیگم نے نہ تو شگون کی مٹھائی ہی بھجوائی نہ مزید کوئی پیش رفت کی۔ اب ماہین سے معاملے کی جانچ کرواتے ہیں۔"
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" ہاشم نے بیٹھ کر بریف کیس نزدیک کیا۔ "میری اس سلسلے میں رافع سے بات ہوچکی ہے۔ وہ لوگ تانیہ کے سسرال والوں سے تمام معاملات طے کرکے پھر ہماری طرف آئیں گے۔ تاریخ وہی ہے جو ناعمہ کی رکھی گئی ہے۔"
اس نے بریف کیس کھول کر چیک بک نکالی۔ پھر چیک لکھ کر کاٹا اور ان کی جانب بڑھایا۔
"فی الحال تین لاکھ کا چیک دے رہا ہوں۔ ماہین اور عریشہ مل کر زیور اور کپڑوں وغیرہ کی تیاری کرلیں۔ فرنیچر کا آرڈر میں خود دوں گا۔"
اس نے بریف کیس بند کیا اور کھڑا ہوگیا۔
"جیتے رہو۔" وہ نہال نظر آنے لگیں۔ "اب کہاں چل دیے۔ کھانا لاتی ہوں۔ صبح کے بھوکے ہو۔"
"میں ہاتھ لوں گا پہلے۔ سخت تھکن محسوس ہورہی ہے۔"
اس کے بڑھتے ہوئے قدم یکایک تھمے تھے۔
"شہلا نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا؟ آپ اس سے پوچھ تو لیتیں۔"
"ہم سے پوچھتا اس کا کام ہے۔ اس سے پوچھنا ہمارا کام نہیں۔" وہ بے نیازی سے چیک دیکھ رہی تھیں۔
"ایسے بے جا لاڈ ہم نے بیٹیوں کے نہیں اٹھائے کبھی۔"
"بہت اچھا کیا۔" اس نے ہڑبڑا کر سرد آہ بھری تھی۔ پھر وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔
کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو اسے حبس اور گھٹن کا احساس ہوا تھا۔ نیم اندھیرے ماحول سے شناسا ہونے میں اس کی آنکھوں کو چند لمحے لگے پھر اس نے دیکھا۔ شہلا تکیے میں منہ دیے اوندھی لیٹی تھی۔
"کم از کم اے سی تو آن کرلیتیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ریموٹ اٹھا کر اے سی آن کیا۔
"امی بتا رہی ہیں۔ آج کمرے سے نکلیں ہی نہیں۔" وہ بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ "کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔؟"

شہلا کی جانب سے کسی ردِّعمل کا اظہار نہ ہوا۔ ہاشم ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ چند لمحوں بعد وہ اپنا گاؤن پہنے برآمد ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے آرام کرنا چاہتا تھا' یکایک اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ شہلا کی پوزیشن میں رتی بھر تبدیلی نہ آئی تھی۔ ہاشم بے ساختہ اس کی جانب بڑھا۔

"شہلا!" ہاشم نے اسے کاندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا پھر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

شہلا کا جسم تیز بخار میں پھنک رہا تھا وہ تقریباً نیم بے ہوش تھی۔

"شہلا' شہلا! آنکھیں کھولو۔" ہاشم نے اسے زور سے ہلایا۔

پھر وہ بجلی کی تیزی سے اٹھا' شہلا کو بازوؤں میں اٹھا کر وہ تیز قدموں سے باہر کی جانب بڑھا۔

☼ ☼ ☼

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ کئی دنوں سے حالت فاقہ میں تھیں۔ انہوں نے کب سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے؟" اسے احساس ہو رہا تھا جیسے شہلا کی اس حالت کا ذمہ دار وہی ہے۔

"آپ کے درمیان کوئی کشیدگی ہے؟" ڈاکٹر سلطان نے اس کے چہرے سے اس کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"جی؟" وہ بری طرح چونکا "کشیدگی؟"

پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ اس سوال کا کیا جواب دے؟ "ہاں نہیں شاید۔"

ڈاکٹر نے اس کی کیفیت سے از خود ہی کوئی مطلب اخذ کیا پھر اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"میاں بیوی کے درمیان کبھی بھی سیدھا راستہ نہیں ہوتا بیٹے۔ یہ ایک زگ زیگ ہے۔ یہ رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے۔ بے تحاشا توقعات بے تحاشا شبہات... لیکن... بہت سی محبت' اسی لیے ہر زگ زیگ کے بعد ایک خوبصورت موڑ' کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟"

ہاشم گومگو کا شکار اپنی ہی سوچوں میں گم کھڑا تھا۔ اس نے بمشکل ڈاکٹر سلطان کی جانب دیکھا۔

"جی..."

"آپ اتنا گلٹی فیل مت کرو۔ خواتین کو ذرا ذرا سی بات پر کھانا پینا چھوڑ دینے کی بیماری بہت پرانی ہے۔" وہ مسکرا رہے تھے۔

"ڈاکٹر شہلا بالکل ٹھیک ہیں۔ میں نے انجکشن بھی دیا ہے۔ یہ ڈرپ ختم ہو جائے تو آپ انہیں گھر لے جا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب! تھینک یو' تھینک یو... سو مچ۔" وہ بہت ممنونیت سے بولا۔

وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ ڈاکٹر سلطان اس کے والد کے دوستوں میں سے تھے۔ ان کے گھرانے کی ان سے پرانی شناسائی تھی۔ اسی لیے ہاشم شہلا کو ان کے کلینک لے آیا تھا۔ اس نے شہلا کے گھر کسی فرد کو بھی اس بات کی خبر نہیں دی تھی۔ اس کے اپنے گھر میں بھی کسی نے اسے شہلا کو لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہوا وہ شہلا کے قریب آ کھڑا ہوا۔ وہ پرسکون انجکشن کے زیر اثر غنودگی میں تھی۔ ہاشم نے اس کے پہلو میں رکھے ہوئے نرم ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"آپ اتنا گلٹ فیل مت کرو..."

ڈاکٹر سلطان نے اسے کہا تھا' لیکن حقیقت یہ تھی کہ ہاشم اس وقت سخت پشیمانی محسوس کر رہا تھا۔ کتنے دن ہوئے اس نے شہلا کے حال سے واقف رہنا چھوڑا ہوا تھا۔ عمر کے چلے جانے سے اس کے دل پر قیامتیں بیت گئی تھیں۔ وہ غم سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ لیکن ہاشم نے اس کے دکھے دل پر اپنی محبت کے اظہار کا مرہم رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ اسے وہ منظر صرف ابرار کی فاتحانہ مسکراہٹ کے حوالے سے یاد آ رہا تھا۔ اسے شہلا کی آنکھیں یاد نہ آئی تھیں۔

پچھلی رات جب شہلا نے اسے جگایا تھا تب وہ کس قدر شکستہ دل لگتی تھی۔ اس نے فردوس بیگم کے خراب رویے کی شکایت کی تھی تب ہاشم نے اس سے کتنا خشک رویہ رکھا تھا۔ اسے سب یاد تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

وہ بستر کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا' اس نے شہلا کی بند پلکوں کو دیکھا۔ اس کے زرد چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ کتنی کمزور ہو رہی تھی۔ نجانے اس نے کب سے کھانا پینا چھوڑا ہوا تھا۔ وہ اکثر شدید سر درد کی شکایت کرتی تھی۔ اس نے اسے قابل توجہ نہ جانا تھا۔

"شہلا... شہلا... آئی ایم سوری۔ آئی ایم ویری سوری۔" وہ بڑبڑایا۔ "محبت کرنے والے یقیناً ایسے نہیں ہوتے۔ تم نے میری دعوے کو جھوٹا پایا ہوگا۔ نجانے کس بات پر یقین کر کے تم میرے ساتھ چل پڑی تھیں۔ اور... میں نے دکھ کے سوا تمہیں کچھ نہیں دیا۔" اس نے شہلا کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا لیا۔

"میں... اپنے ہی اندیشوں کا شکار' بدگمانی کی دھند میں رستہ ڈھونڈتا رہا۔ تمہارے رستے میں پڑے پتھروں کو چننا بھی میرا فرض ہے میں نے نہیں سمجھا۔ میں وہ نہیں نکلا شہلا جس کا میں نے تم سے دعوا کیا تھا۔ یقین جانو... اتنا یقین رکھنا کہ میری محبت میں تمہارے لیے آج بھی وہی شدت ہے۔ وہی حدت ہے۔ وہی خلوص ہے' وہی سچائی ہے۔ سارے رستے صرف تمہاری جانب آتے ہیں۔"

اس کی آنکھوں سے نکلے آنسوؤں سے شہلا کا ہاتھ نم ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مما... مما..." مومن نے زور سے اس کا شانہ ہلایا۔ تب وہ چونکی۔

"جی بیٹا... بولو..." اس نے کھوئی کھوئی آنکھوں سے بیٹے کا چہرہ دیکھا۔

"مما... میرا پروگریس کارڈ ہے اس پر سگنیچر کر دیں۔" اس نے ایقان کی سمت کارڈ اور پین بڑھایا۔

ایقان نے دونوں چیزیں تھامیں اور کارڈ کھول کر "پیرنٹس سگنیچر" کے خالی خانے میں دستخط کر دیے۔

"یہ لو..." اس نے مومن کو کارڈ واپس کرنا چاہا۔

مومن نے کارڈ نہیں تھاما۔ وہ کھلی آنکھوں سے ایقان کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"آپ نے... مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔" وہ مدھم سا بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ الجھی پھر اگلے لمحے ہی سمجھ گئی۔

اس مرتبہ اس نے کارڈ دوسری ہی نظر سے دیکھا تھا۔ پورے کارڈ پر نظر دوڑاتے ہی اس کا دل جیسے بند ہونے لگا۔

"مومن... مومن... وہاٹ از دس؟ یہ... یہ پروگریس ہے تمہاری۔ اتنا خراب کام... اتنے برے ریمارکس..."

وہ خاموش کھڑا لب کاٹتا رہا۔ ایقان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"میں اتنی ذہنی ٹینشن میں بھی تمہیں پڑھاتی ہوں۔ تمہارا کام چیک کرتی ہوں۔ تمہیں یاد کرواتی ہوں۔ پھر بھی تم نے اتنے خراب ٹیسٹ دیے کیوں..... کیوں مومن؟ باپ نے کیا کم احسان کیے ہیں میری ذات پر جو تم بھی مجھ ناتواں کو جلانے پر تل گئے ہو۔"

"آپ اب اس طرح نہیں پڑھاتیں جیسے پڑھایا کرتی تھیں۔ وہاں' اپنے گھر میں۔"

"وہ گھر اب اپنا نہیں ہے۔ اپنا گھر یہ ہے۔ ہمیں یہیں رہنا ہے۔ سمجھے تم؟"

"جی نہیں' میرا گھر وہی ہے۔ میرے پپا والا۔ یہ گھر آپ کے پپا کا ہے۔ میں یہاں نہیں رہوں گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔

ایقان نے غور سے اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھا۔

"ٹھیک ہے" پھر وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔ "اپنی مما کو چھوڑ کر چلے جاؤ وہاں' دیکھو تمہیں وہاں اپنے پپا ملتے ہیں یا نہیں۔"

"جا بھی سکتا ہوں۔" وہ بے خوفی سے بولا۔ "عمر بھی اپنی مما کو چھوڑ کر اپنے پپا کے پاس چلا گیا ہے۔ وہ وہاں بہت خوش ہے۔ اس کے پپا بھی بہت اچھے ہیں۔ میں بھی اپنے پپا کے پاس خوش رہ سکتا ہوں۔"

ایقان کا غصے سے برا حال ہو گیا اس نے کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑا پھر دوسرا تھپڑ دوسرے گال پر مارا۔

"تم سب کے پپا بہت اچھے ہیں' تمہاری مائیں ہی خراب ہیں۔ ان کے نصیب جو خراب ہیں' اپنے لہو کی بوندوں سے تمہارے جسم تراشے۔ تمہیں جنم دیا۔ تمہارے لیے راتوں کو جاگے..... خون جگر پلا کر تمہیں اتنا کیا ہے ہم نے..... ! چلے جاؤ' اپنے باپ کے پاس جوان ہو کر بھی تم نے یہی کہنا اور یہی کرنا ہے۔ اس لیے ابھی چلے جاؤ تو بہتر' وہاں جس گوری ڈائن کو اس نے سر پر بٹھایا ہوا ہے ناوہ تمہیں تمہاری اوقات کا پتا دے گی۔"

وہ خود بھی چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ مومن جو مار کھا کر بری طرح رو رہا تھا' اب اس کے رونے سے سہم کر خاموش ہو گیا اور اسے دیکھنے لگا۔

ایمان اندر سو رہی تھی ان کی آوازوں سے ڈر کر جاگی اور بھاگتی ہوئی باہر چلی آئی۔ اب ایقان کی آواز میں اس کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی۔

دروازے کی چوکھٹ پر کھڑے رافع کے لیے یہ منظر ناقابل یقین اور ناقابل برداشت تھا وہ انتہائی تیزی سے اندر آیا۔

"پھپھو..... پھپھو کیا ہوا ہے؟" اس نے بلکتی ہوئی ایقان کو کاندھے سے لگایا' دوسرا بازو بڑھا کر ایمان کو سمیٹا۔

"رافع! رافع! میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں' وہ بے ایمان شخص کسی اور کا ہو گیا۔ میری اولاد بھی اسی کی ہے۔ یہ بچے اسی کے ہیں رافع' اسی کو دے آؤ۔ مجھے زہر لا دو۔ خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔ مجھے تھوڑا زہر لا دو۔"

"پھپھو..... پلیز..... سنبھالیں خود کو۔ خدا کا واسطہ میں آپ کو دیتا ہوں۔ اتنی کم ہمت نہ بنیں' میں تو آپ کو بہت اسٹرانگ سمجھتا تھا پھپھو۔ بہت بہادر اور نڈر۔ آپ اتنی کمزور کیسے ہو گئیں؟"

"کوئی عورت بہادر نہیں ہو سکتی۔" اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیسے ہو سکتی ہے بہادر۔ مٹی سے نہیں' جذبات سے بنی ہے عورت۔ ذرا سی تپش سے پگھلنے لگتی ہیں۔ چاہے تپش غم کی ہو' غصے کی ہو یا محبت کی' اسی لیے تو اتنی آسانی سے بے وقوف بن جاتی ہے کم بخت....."

اس نے اس طرح دانت پیس کر کہا کہ رافع کو ایسے موقع پر بھی ہنسی آ گئی۔

"مت ہنسو میری بے چارگی پر۔ میں اس وقت بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں خود کو۔ یہ... یہ... مومن جس کی آواز سے میری صبح، میری شام ہوتی ہے یہ مجھے کہہ رہا ہے کہ مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ وہاں اپنے باپ کے پاس، کیونکہ میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ باپ کے پاس بہت کچھ ہے۔"

وہ پھر بلکی، مومن اب سخت نادم نظر آتا تھا۔

"ٹھیک ہی کہتا ہے، اب میرے پاس بچا کیا ہے۔ اسے دینے کے لیے، جنم میں اسے دے چکی ہوں، اپنی خوبصورت نیند سے بھری راتیں۔ اس کی دیکھ بھال میں گزار دیں میں نے۔ اس کے پوتڑے دھو دھو کر ہاتھ چھل گئے تھے میرے... وہ وقت بھی گزر گیا۔ اب یہ بڑا ہو گیا ہے اسے اب میری ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ دے چکی ہوں میں اسے۔ اب اسے وہ چاہیے جو اس کے باپ کے پاس ہے۔ اسی لیے اب یہ وہاں جانا چاہتا ہے۔"

مومن خاموش کھڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جھر جھر بہہ رہے تھے۔ ایمان رافع کے بازو میں منہ دیے سسکیاں بھر رہی تھی۔

رافع نے مومن کو اشارے سے قریب بلایا۔ جیب سے رومال نکال کر اس کا چہرہ صاف کیا۔ ایمان کو پیار کر کے اس کے بال سنوارے پھر ایمان کا ہاتھ مومن کو تھمایا۔

"جاؤ بیٹا! بہن کو لے کر جاؤ، سدرہ باجی کے پاس بہت سارے چاکلیٹ ہیں ان سے کہو وہ آپ دونوں کو مزے دار چاکلیٹ دیں گی۔ چاکلیٹ لے آؤ پھر میں آپ دونوں کو گھمانے لے کر چلتا ہوں۔"

بچوں کا موڈ لمحہ بھر میں بحال ہو گیا تھا، دونوں اپنی پسندیدہ چیز کا نام سن کر فوراً دوڑ گئے۔ رافع نے ایقان کا تنا تنا سا چہرہ دیکھا۔

"پھپھو! بہت افسوس ہوتا ہے مجھے، کتنا خوش حال گھرانا تھا آپ کا، ہنستا مسکراتا۔ غم و فکر سے دور، آپ کو دیکھ کر شوخی اور مسکراہٹ کے معنی سمجھ میں آتے تھے۔"

"عورت کی مسکراہٹ اور شوخی مرد کی دین ہے۔ رافع! آنسو اور آہیں بھی اسی کی سوغات ہیں۔"

"عورت مرد سے سب کچھ لے سکتی ہے پھپھو۔ اپنی مرضی سے، جو لینا چاہے۔" وہ آہستگی اور نرمی سے بولا۔

"ہونہہ... مرد ہو... یہی کہو گے۔" وہ پھنکاری۔

"مرد ہوں۔" وہ مسکرایا۔ "تب ہی اس قدر وثوق سے کہہ رہا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا پھپھو کہ اس سارے معاملے میں سراسر آپ ہی قصور وار ہیں۔ لیکن کچھ نہ کچھ غلطی آپ کی بھی ہے، کیا آج اپنے بچوں کو اس طرح روتا بلکتا دیکھ کر بھی جو کچھ ہوا اس پر آپ نظر ثانی نہیں کریں گی؟"

"ہر شخص کے کچھ اصول ہوتے ہیں رافع! کوئی ایک متاع ایسی ضرور ہوتی ہے جس پر سودے بازی ممکن نہیں ہوتی۔ میری متاع میری محبت تھی۔ وہ محبت جو میں نے عاشر سے کی اور عاشر نے مجھ سے کی۔ بس اس محبت پر میں سودے بازی نہیں کر پائی۔ باقی جو کچھ ہوا جو کچھ ہو رہا ہے۔ ثانوی ہے۔"

"آپ کے بچے بھی ثانوی ہیں پھپھو؟"

"بچے!" وہ آہستگی سے بول کر رہ گئی۔ "بچے... مجھے تو آج احساس ہوا ہے رافع کہ بچے بھی اس کے ہیں۔ جتنے عرصے کا بھی تعلق تھا۔ وہ امر بیل کا تعلق تھا۔ ایک کے لیے صرف لینا ہی لینا۔ دوسرے کے لیے بس دینا ہی دینا۔"

"ایسی بات نہیں ہے پھپھو... آپ کی سوچ غلط سمت میں بھٹک گئی ہے۔ اسے سیدھا راستہ دکھائیے۔ انصاف پسندی سے سوچیے۔ آپ وہ منصف ہیں جو غلطی کی سزا بھی موت دیتا ہے۔"

"میں نے کہا نا رافع تم مرد ہو۔ مرد کا ساتھ دو گے۔ عمداً کو بھی سہواً کہو گے۔ ورنہ ایک اعتماد اور محبت سے

بھرے دل کے قتل کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ایک عورت سے پوچھو۔"

"آپ... بہت نخور ہیں۔ پھپھو!" وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "مومن کو اس طرح روتا دیکھ کر میرے دل پر کیا بیتی ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ آپ سمجھتی ہیں وہ آسائشات کے لیے اپنے باپ کے پاس جانا چاہتا ہے؟ نہیں پھپھو ایسا نہیں ہے اس عمر کے بچوں کو ماں اور باپ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اگر اپنے باپ کے پاس ہوتا تو آپ کے پاس آنے کے لیے یونہی بے قرار ہوتا۔"

"تو میں کیا کروں رافع؟ کیا کروں؟ اس کے باپ کے سامنے روؤں۔ گڑگڑاؤں۔؟ اپنے بچوں کے لیے شفقت پدری کی بھیک مانگوں؟ کیا کروں؟ وہ وہاں دوسری شادی رچا کر بیٹھ گیا ہے۔ اب اس کے پاس اتنا بھی وقت نہیں ہے کہ فون کر کے میرا یا بچوں کا حال پوچھ لے۔ اور تم سب مجھے موردِ الزام ٹھہراتے ہو۔ کیوں؟"

وہ چیخی تھی۔ رافع سن ہو کر رہ گیا۔

"یہ... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اس نے خود فون کر کے یہ اطلاع دی تھی مجھے۔" وہ سسکی۔

"پھر... آپ نے کیا کہا؟" رافع کے اعصاب کو دھچکا لگا تھا۔

ایقان چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

"میں نے اس سے طلاق مانگی ہے۔" پھر وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔ "میرے پاس دوسرا کوئی آپشن نہیں ہے۔"

رافع نے سانس بھری تھی۔ اسے اسی بات کا اندیشہ تھا۔

"پھپھو... بچوں کے سر سے ان کے باپ کے نام کی چادر نہ کھینچیں۔ پلیز..." وہ ملتجی ہوا۔ "انہوں نے اگر یہ بے وقوفی کی ہے تو کم از کم آپ تو عقل کریں۔ یقین جانیں ایک دن انہیں ضرور اپنی غلطیوں کا احساس ہو گا۔ یہ بچے ان کے دل کو اپنی جانب ضرور موڑیں گے۔ وہ لوٹ آئیں گے۔"

"تب یہاں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہو گا۔" وہ تلخی سے بولی۔ "میں بھکارن بنی اس کے نام کی چوکھٹ پر کبھی نہیں بیٹھوں گی۔ ہر دروازہ بند کر لوں گی۔"

"آپ مجھے ان کا کانٹیکٹ نمبر دیں۔" رافع نے بالآخر مایوس ہو کر کہا۔

"میں وہی لینے آیا تھا۔"

"کیوں؟ کس لیے؟" اس نے ابرو چڑھائے۔

"میں... میں ایک بار ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بہرحال ایسا نہیں چاہتی۔" اس نے سر جھٹکا۔

"اور تمہیں مجھ سے نمبر مانگنے کی ضرورت پیش ہی کیوں آ رہی ہے۔ پہلے تو تم اکثر اس سے بات کیا کرتے تھے۔"

"وہ اس نمبر پر نہیں ہیں۔ جاب چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ رہائش کا نمبر بھی تبدیل ہو چکا ہے یا شاید رہائش ہی تبدیل کر لی ہے۔ موبائل نمبر بھی نہیں لگتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی دوسرے شہر یا شاید دوسرے ملک شفٹ کر چکے ہیں۔"

ایقان کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ اس نے رافع کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

"کہاں... کہاں چلا گیا وہ؟"

رافع جو مزید کچھ کہنا چاہتا تھا رک گیا وہ ایقان کی پھیلی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ پھر وہ دکھ سے مسکرا دیا۔

"ان نگاہوں میں تو اب تک ان کے نام کا شہر آباد ہے پھپھو۔ آپ کیوں خود   نے ان سے سب سے جھوٹ

بول رہی ہیں؟"

ایقان نے یکدم نگاہیں چرائی تھیں۔

"شہر آباد تو نہیں ہے رافع۔" پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "برباد ہو چکا ہے۔"

"نہیں پھپھو۔ ایسا نہیں ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "میرا یقین مجھے بہت کچھ کہہ رہا ہے۔" وہ جانے کے لیے آگے بڑھا۔

"رافع...." ایقان کی سرگوشی نے اس کے قدم روکے تھے۔

"جی....؟" اس نے مڑ کر دیکھا۔

"وہ.... کہاں چلا گیا؟"

رافع چند لمحے اسے دیکھتا رہا تھا۔

"ہم انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ ڈونٹ وری۔ لیکن اتنا ہے کہ خود کو سمجھانے کی کوشش کریں۔" پھر وہ آگے بڑھ گیا۔



"یہ لیجئے اپیا....!" انیقہ نے اسے پائن ایپل جوس کا گلاس تھما دیا۔ "بالکل فریش فرام دی فارم ہے۔" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

شہلا نے گلاس لبوں سے لگایا۔ ساتھ ہی اس کی نظر قدرے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ہاشم سے ٹکرائی۔ نجانے ان نظروں میں کیسے جذبات پوشیدہ تھے۔ شہلا جھینپ سی گئی۔

"انیقہ!" ہاشم کے لیے بھی جوس لے آؤ نا....." وہ اپنے احساسات چھپانے کے لیے انیقہ کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"ہاشم بھائی نے چائے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اس لیے ربیعہ ان کے لیے چائے بنا رہی ہے۔" وہ محبت سے اس کے چہرے پر آئے بال ہٹانے لگی۔ "اور آپ نے اپنا کیا حال بنایا ہوا ہے۔؟ یوں لگ رہا ہے جیسے برسوں سے بیمار ہوں، ہاشم بھائی! آپ انہیں کچھ بھی نہیں کہتے نا؟" انیقہ ہاشم کی جانب متوجہ ہوئی۔ ہاشم نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"بہت بری بات ہے۔ کہا کریں نا۔ بلکہ ڈانٹا کریں۔"

"یہ تو اپنے بس کی بات نہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"بہت مشکل کام ہے؟" انیقہ شرارت سے پوچھنے لگی پھر زور سے ہنس دی۔

ماحول قدرے شگفتہ ہو گیا تھا۔ ہاشم بھی یہی چاہتا تھا وہ ہاسپٹل سے شہلا کو یہیں لے آیا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کے گھر کا ماحول شہلا کو مزید ٹینس کر سکتا تھا۔

منیزہ بیگم نماز پڑھ کر آئی تھیں۔ وہ شہلا پر دم کرنے لگیں۔ ربیعہ بھی چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"کیا ہو گیا تھا میری بچی کو....." منیزہ بیگم پوچھنے لگیں۔

"کچھ نہیں امی! بس یونہی ذرا ویک نیس ہو گئی تھی۔" شہلا نجانے کیوں اس ذکر سے شرمندہ سی ہو رہی تھی۔

"مت سوچا کرو اتنا....." وہ محبت سے بولیں۔ "اتنا اچھا شریک سفر ملا ہے خدا کا شکر ادا کرو۔ سب کچھ تمہارے پاس ہے۔ کچھ بھی تمہاری دسترس سے دور نہیں ہے۔"

شہلا قدرے خاموش سی ہوئی تھی۔ ہاشم ایک ٹک اسی کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے ہر انداز کو، ہر رنگ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہاشم بھائی۔ چائے۔" ربیعہ کی نرم آواز پر وہ چونکا۔

"آپ ہی کی بیگم ہیں۔ اتنا غور پھر کبھی کر لیجئے گا۔" ربیعہ کو بھی شرارت سوجھی۔

سب ہی ہنس پڑے تھے ہاشم قدرے شرمندہ ہوا۔ شہلا بھی جھینپ سی گئی۔

"مما...." خوشی سے چہکتی ہوئی آواز پر سب ہی چونک اٹھے تھے۔

سب نے ایک ساتھ دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ وہاں عمر کھڑا تھا۔

"عمر... میری جان...." شہلا کے وجود میں بجلیاں سی بھر گئیں۔ وہ اٹھ کر اس کی جانب لپکی۔ دونوں ماں بیٹا بے تابی سے لپٹے تھے۔ شہلا نے بار بار اسے چوما۔

"میرا بچہ.... میری زندگی.... کہاں چلا گیا تھا۔ ایک ہفتہ ایسے گزرا ہے جیسے روح کے بغیر جسم ہو۔" وہ مسلسل بول رہی تھی۔

"مما.... آپ کو پتا ہے پپا نے مجھے ہیلی کاپٹر لے کر دیا ہے۔ وہ بہت اوپر تک فلائی کرتا ہے۔ ریموٹ سے چلتا ہے۔ میں لے کر آیا ہوں۔ آئیں آپ کو دکھاؤں۔"

شہلا کے انداز سست پڑے۔ عمر اس کا ہاتھ کھینچ رہا تھا۔

"آئیں نا مما...."

"بعد میں دیکھیں گے بیٹا! پہلے سب سے مل تو لو۔ نانو سے ملو۔ خالہ جانی سے۔"

عمر نے کمرے میں موجود افراد پر غور کیا پھر خوشی سے چہک اٹھا۔

"آہا.... ہاشم انکل۔" وہ بھاگتا ہوا اس کے قریب چلا آیا۔

ہاشم نے اس سے ہاتھ ملایا پھر اسے اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔

"یار! یہ ہیلی کاپٹر کیوں لے آئے؟" وہ شگفتگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ارادے تو نیک ہیں؟"

شہلا پزل سی ہوئی۔ ہاشم نے یونہی بے ارادہ کہہ دیا تھا یا اس کے دل میں کچھ تھا۔ وہ سمجھ نہ پائی۔

"آپ دیکھیں گے میرا ہیلی کاپٹر؟"

"ضرور...." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کو اڑا کر دکھاتا ہوں۔" وہ پرجوش ہو کر بھاگا تھا۔

ہاشم اس کے پیچھے چل دیا تھا۔ شہلا اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔ منیزہ بیگم ربیعہ اور انیقہ ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں۔



"یہاں سب کچھ سیٹ ہے۔ بالکل پرفیکٹ! بس اب بہت اسموتھلی اسٹارٹ لینا ہے۔ بہت اچھے طریقے سے۔"

وہ باتھ روب لپیٹے، بالکنی میں کھڑا بہت نیچے نظر آتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کان پر کارڈلیس لگا تھا جب کہ کافی کا گرم کپ بالکنی کی دیوار پر رکھا ہوا تھا۔

"میں بہت پُرامید ہوں شیری۔ یہاں کی مارکیٹ میں بہت مارجن ہے ہمارے لیے۔ پھر خدا کے فضل سے پارٹنر بھی بہت اچھا ملا ہے۔ عباد بہت عمدہ انسان ہے۔ میں بہت پسند کرنے لگا ہوں اسے۔"

دوسری جانب سے کچھ کہا گیا۔ امیر حسن نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا تھا۔

"او یس... نوڈاؤٹ... ہاہاہا... تو تمہیں یاد ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے دوسری جانب سے ہونے والی گفتگو سننے لگا۔

"شی از ناٹ اونلی پریٹی... بٹ ڈفرنٹ... کچھ الگ سا ہے اس میں۔" وہ اپنا کپ اٹھا کر اندر لاؤنج میں چلا آیا۔

"تو جانتا ہے یار میں بہت دیس گھوما ہوں۔ ہزار بار لڑکیاں دیکھی ہیں لیکن کچھ کہتی ہوئی کچھ چھپاتی ہوئی، آنکھوں کی بات ہی اور ہے۔ یہ میں نے اب جانا ہے۔"

وہ نرم لیدر کے گداز صوفے میں دھنس گیا اور کافی کے سپ لینے لگا۔

"ہاں یار... اب تو کچھ سیریس ہی لگتا ہے معاملہ، صاف گوئی سے بتا رہا ہوں۔ میں کبھی کبھار بہت سنجیدگی سے سوچتا ہوں اس کے بارے میں۔"

دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تھا۔

"او نہیں یار...! ابھی اس سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ ابھی ملا ہی کتنی بار ہوں۔ کیا؟ ہاہاہا... شہید ہونے کے لیے ایک ہی وار کافی ہوتا ہے... بالکل۔"

لاؤنج میں اس کی بے فکر ہنسی گونجنے لگی تھی۔

"ضرور آؤ... میں تو بے چین ہوں تمہیں دیکھنے کے لیے۔ تم سے ملنے کے لیے۔ ارے ہاں...! ایک بات بتانا بالکل بھول گیا۔ جانتے ہو شیری! میرے آفس میں تمہاری تصویر دیکھ کر مس ربیعہ نجانے کیوں بہت گم صم سی ہو گئی تھیں۔ جیسے وہ تمہیں جانتی ہوں۔ حالانکہ وہ کبھی پاکستان سے باہر نہیں گئیں۔ اور تم بھی پاکستان آئے نہیں۔"

وہ کپ خالی کر کے میز پر رکھنے لگا۔

"میں خود حیران ہوا تھا۔ اب تم جلد سے جلد آؤ۔ میں تمہیں ان لوگوں سے ملوانا چاہتا ہوں ٹھیک ہے میری جان! پھر بات کرتے ہیں۔ اور سنو! بابا کیسے ہیں؟"

پھر جیسے وہ مایوس ہوا تھا۔

"چلو... اللہ بہتر کرے گا۔ میرا سلام کہنا انہیں۔ او کے۔ اللہ حافظ۔" اس نے فون آف کیا پھر کچھ سوچ کر مسکرانے لگا تھا۔



وہ بالکل خاموش بیٹھا ماں اور بہنوں کی کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔ وہ سب کی سب بے حد انہماک سے سب چیزیں چمکتے کاغذوں میں پیک کر رہی تھیں۔

"جوڑے لے تو لیے ہیں اب اللہ کرے عریشہ کو پسند آجائیں۔ اس کی طبیعت بھی عجیب ہے۔ ذرا ہی لگتا ہے۔" ثانیہ نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

عذرا بیگم نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں نافع کی وہاں موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ ثانیہ کھلکھلائی۔

"اسے کیا پتا نہیں ہے اور اگر نہیں ہے تو سب سے پہلے اسے ہی پتا چلنا ہے۔ میم صاحب کا۔"

نافع ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔ ثانیہ اور سدرہ حیران سی ہو کر عذرا بیگم کو دیکھنے لگیں۔

"اسے کیا ہوا؟"

"میں تمہیں منع بھی کر رہی ہوں لیکن تم باز نہیں آئیں۔" وہ خفا ہوئیں۔ "تم نہیں جانتیں میں جانتی ہوں، ماں ہوں اس کی۔ بہت خفا ہے وہ ہم سب سے۔ کچھ کہتا نہیں لیکن دل ہی دل میں کڑھ رہا ہے۔"

"کس بات پر؟" سدرہ حیران تھی۔

"ایک تو بے چارے کے سر زبردستی کا سہرا بندھ رہا ہے۔ صرف رافع کی ضد کی وجہ سے۔ اگر رافع راضی ہو جاتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ دوسرے عریشہ کے رویے کی سب ہی شکایت کرتے ہیں۔ وہ بھی سنتا رہتا ہے۔ نافع بہت ٹینس ہے۔ میں سب سمجھ رہی ہوں لیکن کچھ بولوں گی تو ایک پنڈورا بکس کھل جائے گا۔ جو میں نہیں چاہتی۔" وہ پیکنگ چھوڑ کر افسردہ سی ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔

"عریشہ کو صرف فینٹسی تنگ کر رہی ہیں۔ شادی کے بعد خود سیٹ ہو جائے گی۔" ثانیہ بے فکری سے بولی۔ "رہی بات نافع کی تو ابھی اسے اس بات سے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود پہلے اسے دولہا بنایا جا رہا ہے۔ دو دن بعد دیکھیے گا باچھیں کھلی جا رہی ہوں گی۔"

"چپ کرو... بد تمیز!" سدرہ ماں کے سامنے ایسی بات سے جھینپ گئی۔

ثانیہ پھر ہنس دی تھی۔ آج کل اسے بات بے بات ہنسی آتی تھی۔

عذرا بیگم فکر مند سی ہو گئیں۔ نافع جس طرح خفگی سے اٹھ کر گیا تھا۔ انہیں سوچ میں مبتلا کر گیا تھا۔ ثانیہ اور سدرہ عریشہ کے لیے شگون کے جوڑے اور دیگر سامان کی پیکنگ کر رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر سوچتی رہیں پھر اٹھ کر باہر چلی آئیں۔ وہ لاؤنج سے باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ عذرا بیگم اس کے قریب آ بیٹھیں۔

"کیا سوچ رہا ہے میرا بیٹا!" وہ محبت سے پوچھنے لگیں۔

"میں کیا سوچ سکتا ہوں امی!" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "اور مجھے کچھ سوچنا بھی نہیں چاہیے۔"

"کیوں؟" وہ حیران ہوئیں۔

"اس لیے کہ میرے بارے میں سوچنے والے، میرے متعلق فیصلہ کرنے والے، مجھے ہر فیصلے سے آگاہ کرنے والے بہت لوگ ہیں یہاں۔ میں... میں کچھ سوچ کر کیا کروں گا۔"

"نافع...! تم ناراض ہو ہم سب سے؟ مجھ سے؟"

رافع نے بے اختیار ہی اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

"نہیں امی...! میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔ میں آپ سے ناراض ہو بھی نہیں سکتا۔ بہت کچھ کر گزرتا میں۔ لیکن آپ کا خیال، آپ کی محبت مجھے بے اختیار رکھتی ہے۔"

"جیتا رہ میرا چاند!" انہوں نے جھک کر اس کے بالوں پر بوسہ دیا۔ "ماں کو خوش رکھنے والے... ماں کو خوش دیکھنے کے متمنی ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ نافع...! یاد رکھنا، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"لیکن اندیشے تنگ کرتے ہیں امی!" وہ کچھ دیر بعد بولا تھا۔ "آپ نہیں جانتیں... منگنی سے نکاح اور نکاح سے اب تک کا وقت بہت بے چینی اور بے اختیاری سے گزارا ہے میں نے۔"

"میں سب جانتی ہوں نافع!" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔ "ماں ہوں تمہاری کیا پوشیدہ رہ سکتی ہے تمہاری بے چینی مجھ سے؟ لیکن میرے بیٹے! مشترکہ خاندان کو جوڑے رکھنے کے لیے بہت سے دریا پار کرنا ہوتے ہیں۔ بہت سی ان چاہی باتوں پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ ہونٹ سیے رہنا ہی عقل مندی ہے۔"

"یہ "عقل مندی" زندگی ہی برباد کر دے ماں؟ پھر...؟" اس نے قدرے طنز سے کہا۔

"نہیں بیٹا! ایسا نہیں ہوتا۔ صبر کا پھل میٹھا ہی نکلتا ہے۔ بس امید اچھی رکھو۔"

"وہ میرا ساتھ پا کر بہت ناخوش ہے امی۔" وہ جیسے سرگوشی میں بولا۔ "کیا امید رکھوں؟"

ماں کی تھوڑی سی محبت ذرا سی ہمدردی نے جیسے کسی آبلے کا منہ کھول دیا تھا۔

"وہ بے عقل ہے۔ ابھی زندگی کو دیکھا ہی کہاں ہے اس نے؟ دلہن بنتی ہے تو عورت، عورت بن جاتی ہے نافع۔۔۔! اس کی آنکھوں پر دور اندیشی کی عینک خود بخود لگ جاتی ہے۔"

"جانے دیں امی۔۔۔! ایسا ہوتا تو دنیا میں کبھی کوئی گھر نہ بگڑتا، ایقان پھپھو کی مثال آپ کے سامنے ہے۔"

"پھر بھی نافع۔۔۔ کوئی ایک فریق اگر اپنا گھر بسائے رکھنا چاہے تو گھر ضرور بسا رہتا ہے۔ میں خود بھی اس سلسلے میں بہت فکر مند ہوں۔ اکثر اس بارے میں سوچتی ہوں۔ لیکن پھر تمہارے بارے میں سوچ کر بہت مطمئن۔۔۔ اور پر سکون ہو جاتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں، عریشہ کم عقل اور جذباتی سہی۔ میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔"

"آپ نے کہا امی! کہ ایک فریق اگر گھر بسائے رکھنا چاہے تو گھر ضرور بستا ہے۔ لیکن اگر ایک فریق گھر اجاڑنے پر آمادہ ہو جائے، پھر کیا ہو؟"

"ایسی باتیں مت کرو۔۔۔" وہ خفا ہوئیں۔ "مرد ہو۔۔۔ مرد بن کر دکھاؤ۔۔۔ محبت کی لو اتنی تیز رکھنا کہ ناخوشی موم بن کر پگھل جائے۔ بیٹا! میں تم سب کو ہمیشہ ہنستا بستا دیکھنا چاہوں گی۔ رافع کی جانب سے مجھے بہت خوف ہے۔ اس کے انداز مجھے خوف زدہ کر رہے ہیں۔ لیکن تم میرے بہت پیارے بیٹے ہو۔ مجھے تم پر پورا یقین ہے۔"

نافع نے ان کا ہاتھ پکڑ کر عقیدت سے چوما۔

"میں آپ کے یقین پر پورا اترنے کی اپنی سی کوشش ضرور کروں گا۔"

عذرا بیگم بے فکر ہو کر مسکرا دی تھیں۔



"یہ کیٹلاگ ہی دیکھ کر کچھ بھوٹ دو منہ سے۔" عریشہ کی بے نیازی پر ماہین چیخ ہی اٹھی تھی۔

"میں یہاں تمہاری شادی کی شاپنگ کروانے آئی ہوں۔ تمہاری اس جابر خاموشی سے لڑنے نہیں آئی۔"

"آپی۔۔۔! جو آپ کرنے آئی ہیں، کیجئے۔ شاپنگ کرنے آئی ہیں تو شاپنگ کریں۔ ہر بات میں میری رائے اور میری رضامندی کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"لو۔۔۔ یہ بھی کوئی بات ہے؟ بھئی شادی تمہاری، پہننا اوڑھنا تمہیں۔ پسند بھی تمہاری ہو تو اچھا ہے۔ چلو ڈیزائن میں پسند کر لیتی ہوں۔ یہ بتا دو ویڈنگ ڈریس کا رنگ کیا ہو؟"

وہ اس کا تباہ کن موڈ دیکھ کر مصالحانہ انداز میں بولی۔

"سیاہ!" عریشہ سکون سے ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"کیا؟" اسے جھٹکا لگا۔ "سیاہ؟ عروسی لباس؟"

"کیا حرج ہے؟ شادی، خوشی کو کہتے ہیں۔ جب خوشی کا کوئی رنگ ہی نہ چمکے دل میں تو پھر سیاہ رنگ ہی مناسب ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو عریشہ!" ماہین پریشان ہو گئی۔ "تم اب تک اس ناراضی سے باہر نہیں نکلیں۔ اگر یہی معاملہ کرنا تھا تو اس وقت بولتیں، چیختیں، چلاتیں۔ اسٹینڈ لے لیتیں۔ اب ان فضول باتوں سے کیا حاصل؟"

عریشہ نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھا۔ چند لمحے دیکھتی رہی۔

"اسٹینڈ؟ اسٹینڈ تو پھر کسی وقت بھی لیا جا سکتا ہے۔"

"کیا۔۔۔ کیا مطلب؟" ماہین ڈر گئی۔ "دیکھو عریشہ۔۔۔! خاندانی لڑکیوں کے یہ اطوار نہیں ہوتے، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اب خود کو سنبھالو۔"

"سمجھانے کی بات کرتی ہیں۔ میں نے تو خود کو مار ہی لیا تھا لیکن....."
"لیکن کیا.....؟"
"کسی نے ایسی آگ لگائی ہے اس مردہ وجود میں کہ راکھ بننے کے بجائے شعلہ بن گئی ہوں۔ جی چاہتا ہے جلا ڈالوں سب کچھ۔"
"کس نے آگ لگائی ہے۔ کیا کہہ رہی ہو تم؟" ماہین پریشان ہو گئی۔ "خدا کے لیے عریشہ! ایسا کوئی قدم نہ اٹھانا جس سے اس گھر کو' اس گھر کے مکینوں کو کوئی صدمہ ہو۔ کوئی دکھ اٹھانا پڑے۔"
عریشہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی تھی۔
"میں بھی تو اس گھر کی مکین تھی۔ کسی نے میرے بارے میں نہیں سوچا۔" پھر وہ دکھ سے بولی۔ "مجھے ایک اکائی' ایک ذات نہیں سمجھا کسی نے۔ کیوں آپی؟"
"میں جانتی ہوں عریشہ! تمہیں نافع دل سے قبول نہیں تھا۔" ماہین نے افسردگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم کسی اور کو پسند کرتی ہو ہر چند کہ تم نے کبھی اس سلسلے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن عریشہ! ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے' ان معاملات میں وقت کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ وہ وقت نکل جائے تو پھر صبر ہی کرنا اچھا ہے۔ تمہارے ہاتھ میں اب کچھ نہیں ہے۔ جب تم منگنی کے وقت خاموش رہیں' نکاح پر مہر بہ لب رہیں تو اب کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ اب کچھ کہو گی۔ کچھ کرو گی تو سوائے ذلت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ مت سوچو بری باتیں۔ اچھی باتیں سوچو۔ یہ وقت انجوائے کرو۔ خوشی خوشی اپنی شادی کی خریداری کرو۔ ثانیہ کو دیکھو' ناعمہ کو دیکھو۔ وہ دونوں انجوائے کر رہی ہیں یہ ٹائم پیریڈ اور تم! آگ' راکھ اور شعلوں کی باتیں کر رہی ہو۔"
عریشہ نے اس کی پوری بات سنی ہی نہیں تھی۔
"ناعمہ..... ناعمہ انجوائے کر رہی ہے۔ یہ ٹائم پیریڈ۔" وہ سوچنے لگی۔ "اسے کرنا چاہیے' وہ فراز کی ہونے جا رہی ہے۔ فراز اس کا بن جائے گا۔ فراز! وہ چاند' جس کی چکور بن کر تمنا کی میں نے۔ وہ فراز اس کا ہونے جا رہا ہے۔ جھوٹ سے' دھوکے سے' فریب سے ناعمہ اسے حاصل کرلے گی۔ اپنی جیت پر' فتح پر مسکرائے گی۔ اور..... اور مجھے نافع کے ساتھ دیکھ دیکھ کر ہنسے گی۔"
اس کا تنفس تیز تر ہو تا گیا۔
"نہیں..... نہیں ناعمہ! میں تمہیں ہنسنے نہیں دوں گی۔ میں روؤں گی تو تمہیں بھی رونا پڑے گا۔"
ماہین اسے خاموش' بالکل خاموش پا کر بے دلی سے اٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وردہ نہا کر بال سکھا رہی تھی۔ کال بیل بجی تو اس نے کھوجتی نظروں سے ناعمہ کی تلاش کی پھر اسے غائب پا کر ٹھنڈی آہ بھر کر دروازے کی سمت بڑھی تھی۔
"آپ.....!" دروازہ کھول کر اس نے بلند قامت کو سامنے پایا تو بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔
"آں..... ہاں!" رافع نے اس کے صبیح چہرے پر ایک نگاہ کی پھر اس سے پرے دیکھنے لگا۔
"پھپھو..... پھپھو ہیں اندر؟ انہیں بھیج دو۔"
"نہیں..... امی تو نہیں ہیں۔" وردہ کو حیرانی ہوئی۔ "آپ اندر آ جائیں' کوئی کام ہے تو مجھے بتائیں۔"
"پھپھو نہیں ہیں۔؟" رافع کو حیرانی ہوئی۔ "کہاں گئی ہیں؟"
"مارکیٹ....."

"لیکن انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ جائیں گی۔ وہ اکیلی کیوں چلی گئیں؟"
"شاید دیر ہو رہی تھی۔ اس لیے۔" وردہ اتنا ہی کہہ سکی۔
رافع نے سوچ کے عالم میں چند لمحے اس کے چہرے کو نظروں کی گرفت میں رکھا تھا۔ وردہ پزل سی ہوئی۔ شانوں پر تولیہ پھیلائے' لمبے سیاہ بالوں کے حصار میں وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔
"ٹھیک ہے۔" پھر وہ دھیمے سے بولا۔ "میں چلتا ہوں۔"
وہ پلٹا پھر جیسے پتھر کا ہو گیا۔ اس کے عین عقب میں ربیعہ کھڑی تھی۔ رافع نے اپنے جذبوں میں اس تیزی سے تبدیلی محسوس کی تھی کہ وہ خود ہی خوف زدہ ہو گیا۔ ربیعہ جو ابھی ابھی وہاں پہنچی تھی' رافع کو دیکھ کر سٹپٹا سی گئی۔
"السلام علیکم۔" اس نے رافع کی آنکھوں میں اترتے رنگوں سے نظریں چرا کر کہا۔
"وعلیکم السلام....." رافع کی آواز میں خوشی کی آمیزش تھی۔ "کیسی ہیں آپ؟"
"شکر ہے خدا کا....." وہ مختصراً بولی۔
موو اور فیروزی کامبی نیشن کے سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ آنکھوں میں شام کے سب ہی رنگ مسکرا رہے تھے۔ نرم لبوں پر وہی ازلی مسکان تھی جو ان لبوں کا خاصا تھی۔
یکا یک رافع کو عقب میں کھڑی وردہ کا احساس ہوا۔ وہ درمیان سے ہٹ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ ربیعہ نے بے ارادہ ہی گردن موڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر وہ چونک کر وردہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔
"کیسی ہو وردہ؟" وہ مسکرا کر آگے بڑھی۔
"میں ٹھیک ہوں۔" وردہ نے اسے راستہ دیا۔ "آؤ....."
"نہیں..... تم میرے ساتھ آؤ۔" ربیعہ مسکرائی۔ "میں اس وقت کام سے آئی ہوں۔"
"اچھا لیکن کام کیا ہے؟"
"شہلا آپی کے کمرے سے ان کا کچھ ضروری سامان لینا ہے۔ دراصل ہاشم بھائی' شہلا آپی کو اچانک ہی لے آئے تھے۔ بنا سامان کے۔ پھر شہلا آپی وہیں رک گئیں ہمارے پاس' اب انہوں نے مجھے بھیجا ہے ان کے وارڈ روب سے کپڑے وغیرہ لینے ہیں۔ تم پلیز میرے ساتھ چلو میں ان کی ساس سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔"
"اچھا..... میں یہ تولیہ رکھ دوں۔" وردہ پلٹی تھی۔ "اور ناعمہ کو بھی بتا دوں۔"

☼ ☼ ☼

فردوس بیگم نے خاصی خطرناک نظروں سے ربیعہ کو دیکھا تھا۔
"ہاشم نے تو ہم سے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ ہم کیسے اس کا کمرہ کھول دیں۔"
"جی.....!" ربیعہ سٹپٹا گئی۔ قدرے خجل بھی ہوئی۔ "آپ۔ آپ ہاشم بھائی سے پوچھ لیجیے..... یا شہلا آپی سے۔"
"تمہاری آپی کے پیروں میں شاید مہندی لگی تھی۔ جتنا رستہ تم نے طے کیا' اتنا وہ بھی تو کر سکتی تھیں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی تھیں۔ ربیعہ ایک مرتبہ پھر پانی پانی ہوئی۔
"آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ کو تو علم ہو گا۔"
"اے ہاں..... ہم نے تو انہیں بیمار ہی پایا ہے۔" انہوں نے کسی گوشے سے چابیاں برآمد کر کے ربیعہ کے ہاتھ پر رکھیں۔ "یہ لو..... کمرے کی اور الماری کی سب ہی چابیاں ہیں۔ ہمارا تو خیال ہے' سب ہی سامان ایک بار ہی لے جاؤ۔ بار بار چکر لگانا پڑیں گے تمہیں۔"

"جی....!" ربیعہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔
ان شعلہ بیانیوں کا ذکر بھی کبھی شہلا نے نہ کیا تھا۔ وہ ہمیشہ ان کی تعریف کیا کرتی اور ادب سے ان کا ذکر کرتی تھی۔ ربیعہ کو شہلا سے عقیدت سی محسوس ہوئی۔
"تائی امی!" وردہ نے انہیں تنبیہہ کرنا چاہی پھر خاموش ہی ہو رہی۔
وہ دونوں مزید گفتگو سے بچنے کے لیے تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھی تھیں۔ تب ہی کسی گوشے سے نکل کر اختر میاں چلے آئے۔
"آپ! یہاں!" وہ ربیعہ کو دیکھ کر کھل سے اٹھے۔
ربیعہ بے طرح پریشان ہوئی۔ ایک مرتبہ پہلے بھی وہ کافی پریشان ہو چکی تھی۔
"آپ کی تعریف؟" وہ وردہ سے پوچھنے لگے۔
"یہ میری دوست ربیعہ ہے..... شہلا بھابی کی بہن!"
"بہت خوب.... ایسے لوگوں کو خدا نہ جانے کتنی محبت سے بناتا ہوگا۔ کیوں باجی؟"
"ادھر آکر بیٹھو اختر میاں!" فردوس بیگم بھنا کر بولیں۔ "انہیں ان کا کام کرنے دو۔"
ربیعہ اور وردہ سیڑھیاں چڑھ گئیں۔ اختر میاں مسمر اتے ہوئے بہن کے پاس آ بیٹھے۔
"جانتی ہیں باجی!" اس لڑکی کو دیکھ کر ہمیں کیا یاد آتا ہے؟"
"کیا یاد آتا ہے؟" انہوں نے ابرو چڑھائے۔
"ایقان کی جوانی....." ان کی آواز و انداز میں عجب حسرت تھی۔ "وہی سوندھا پن.... وہی خوشبو، وہی روشنی۔"
"خدا کی مار تم پر.... آہستہ بولو۔ یہ بھی شریف لوگوں کے کرنے کی باتیں ہیں۔ پرائی لڑکیوں کے بارے میں.....اور ایقان کیا بوڑھی ہو گئی ہے جو اس کی جوانی یاد کرتے ہو۔" وہ خفگی سے انہیں جھڑکنے لگیں۔
"ہا....! وہ پندرہ برس پہلے کی بات تو نہیں باجی۔"
فردوس بیگم نے انہیں غور سے دیکھا۔
"بیاہ کروا دیں تمہارا اس لڑکی سے؟" وہ ان کے قریب جھک کر سرگوشی میں پوچھنے لگیں۔
"باجی؟" اختر میاں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔



ہاشم نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور گہری سانس بھر کر فائل بند کی۔ آج پھر اسے آفس میں دیر ہو گئی تھی۔ ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگا کر اس نے کمر سیدھی کرنا چاہی۔
تب ہی اس کے موبائل پر کال آئی تھی۔ ہاشم نے اسکرین پر کالر کا نام دیکھنا چاہا لیکن وہاں اجنبی فون نمبر تھا۔
"ہیلو....!" وہ تھکن کے احساس کے ساتھ بولا تھا۔
"ہیلو.... مسٹر ہاشم....!" دوسری جانب کسی کی گمبھیر خوبصورت آواز تھی۔
"جی.... آپ کون؟"
"ہاشم.... میں ابرار بات کر رہا ہوں، ابرار جیلانی!"
ہاشم کی تھکن لمحہ بھر میں ہوا ہو گئی۔ وہ سیدھا ہوا تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

چھبیسویں قسط

"فرمائیے۔" وہ بے حد محتاط انداز میں بولا تھا۔

دوسری جانب ابرار نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا تھا گویا کسی اہم بات کی تمہید باندھی تھی۔

"بات قدرے لمبی بھی ہو سکتی ہے۔ آپ اگر بہت مصروف نہ ہوں تو کچھ وقت لوں گا آپ کا۔ اور اگر اس وقت آپ بات کرنے کے موڈ میں نہ ہوں تو... میں پھر کسی وقت..."

"نہیں میں مصروف نہیں ہوں۔" ہاشم نے فوراً اس کی بات کاٹی۔ "آپ کو جو کہنا ہے کہیں... میں بغور سن رہا ہوں۔"

اس نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل بند کی تھی۔ ابرار کے فون نے جیسے اس کے دماغ میں کسی علاقہ غیر و ممنوعہ کی کھڑکی کھول دی تھی۔ اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس کی سوچ نے مختلف سمتوں میں پرواز بلند کی تھی۔

"پہلے تو میں ایک اہم سوال پوچھنا چاہوں گا ہاشم۔ ایسا سوال جس کا جواب مجھے میرے بہت سے اندازوں کے صحیح یا غلط ہونے کا پتہ دے گا۔"

"پوچھیے۔" ہاشم نے محسوس کیا کہ وہ ٹینشن کا شکار ہونے لگا ہے۔ غیر ارادی طور پر اس نے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی تھی۔

"آپ کے اور شملا کے درمیان کبھی میرے متعلق گفتگو ہوئی ہے؟" ابرار نے پوچھا۔ اس کے انداز میں بے حد اعتماد تھا جیسے اسے یہ سوال پوچھنے میں کوئی عار نہ ہو۔ ہاشم نے اپنے مزاج میں تبدیلی محسوس کی اسے احساس ہوا کہ ابرار کے لبوں پر شملا کے نام نے اس کی شائستہ روی کو جیسے چیلنج کیا ہے۔

"نہیں... کبھی نہیں اور میرے اور میری بیوی کے درمیان کبھی آپ کا ذکر آئے بھی کیوں؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

دوسری جانب لمحہ بھر کے لیے سکوت سا طاری ہوا۔ ابرار جیسے سنبھل سا گیا۔

"اس لیے کہ میں آپ دونوں کے لیے اس قدر اجنبی یا غیر متعلق نہیں ہوں... میرا بیٹا ہر لمحہ آپ دونوں کو میری یاد دلاتا ہو گا۔"

"جی نہیں۔ اپنے متعلق میں بے حد وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے لیے عمر آپ کا حوالہ نہیں ہے۔"

"اور... شملا کے متعلق؟" دفعتاً ابرار کے لہجے میں چبھن سی اتر آئی۔ "اس کے متعلق بھی آپ اپنا یہی وثوق استعمال کریں گے؟ آپ سمجھتے ہیں مسٹر ہاشم کہ شملا مجھے بھول چکی ہے؟ یا... بھول سکتی ہے؟"

"آپ اپنا سوال کر چکے... جواب آپ کو مل گیا۔ اب اپنی بات کہیے۔" ہاشم نے اس کا یہ سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے آپ کے موڈ کا اندازہ ہو چکا ہے۔ اس لیے زیادہ تمہید نہیں باندھتا... ہاشم! میں جانتا ہوں آپ ایک بہت اچھے آدمی ہیں۔ ہنڈرڈ پرسنٹ جنٹل مین... آپ کی اچھائی نے ہی آپ سے یہ بات کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ ورنہ شاید میں یہ طریقہ نہ اپناتا ہاشم! عمر کے بھلے کے لیے... میرے بھلے کے لیے... اور سب سے بڑھ کر شملا کے بھلے کے لیے... شملا کو ڈائی وورس دے دیں..."

ہاشم کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے پورے بدن میں ایک ظالم تناؤ ابھرا تھا۔ اس کی ایک ایک نس کھنچ کر رہ گئی تھی۔

"آپ کو یہ بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی مسٹر ابرار..." وہ چیخ کر بولا۔ "کیا آپ مجھے اپنے جیسا ایک کمینہ خیال کرتے ہیں؟ میرے لیے عورت رومال نہیں ہے مسٹر ابرار۔ میری بیوی میری ہم نفس ہے... آپ نے مجھے اتنا شریف خیال کیا کہ مجھے ہنسی آنی چاہیے جو کہ نہیں آ رہی... مجھے اس قدر شدید غصہ آ رہا ہے کہ اگر میں نے اس کا مکمل اظہار کیا تو میرے متعلق آپ کی رائے قطعاً "تبدیل ہو جائے گی... میں اتنا بھی "جنٹل مین" نہیں ہوں جتنا آپ نے سمجھا ہے۔"

اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ ابرار نے اس کا لفظ لفظ بغور سنا تھا۔

"آپ کو یقیناً غصہ آنا چاہیے۔" وہ بے حد نرم لہجے میں بولا "میں آپ کی جگہ ہوتا تو مجھے بھی آتا۔ لیکن پلیز ہاشم۔ پلیز... آئی بیگ یو۔ اس وقت اپنے جذبات پر کنٹرول کرنے کی کوشش کیجیے... یہ بہت اہم گفتگو ہے۔ جس میں بہت حقیقت پسند ہونے کی ضرورت ہے۔"

"ریشنل؟" ہاشم طنزاً بولا۔ "گویا ابھی جو "مشورہ" آپ نے مجھے دیا... وہ آپ کے حقیقت پسند ہو کر سوچنے کا ثبوت ہے؟"

"ہاشم... یہ بہت سے لوگوں کی زندگی کا۔ ان کی خوشیوں کا۔ ان کے آئندہ کا سوال ہے... آپ غصہ نہ کیجیے پلیز..." ابرار مزید نرم ہوا "یہ بات آپ کے احساسات پر ایک کوڑے کی مانند پڑی ہو گی۔ میں اندازہ کر سکتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ بتائیے کہ میں اور عمر۔ جو کہ ایک مثلث کے دو کونے ہیں۔ اور اپنے تیسرے اور اہم کونے کے متلاشی اور منتظر ہیں... ہم یہ بات چھیڑے بغیر کیونکر رہ سکتے ہیں؟ میں شملا کی فطرت سے واقف ہوں ہاشم۔ وہ حساس، زود رنج اور قدرے بزدل ہے... ساری عمر کڑھتے ہوئے گزار دے گی لیکن خود اپنے منہ سے یہ بات نہیں کہے گی... وہ عمر کو مس کر رہی ہے۔ آئی ایم شیور۔ کہ وہ مجھے بھی مس کر رہی ہے۔ ایسے میں کیا یہ اچھائی کی ایک صورت نہ ہو گی کہ اتنے لوگوں کی اداسی کا بار ایک کندھا اٹھا لے اور بہت سے دل کھل اٹھیں۔ غموں کے بوجھ سے آزاد ہو جائیں۔"

"کندھے کا انتخاب اچھا کیا ہے آپ نے..." ہاشم خشک انداز میں بولا۔ "داد دیتا ہوں۔"

"اس لیے ہاشم! کہ یہ واحد انتخاب ہے... اس کے سوا چارہ نہیں۔"

"دیکھیں ابرار صاحب..." ہاشم نے خود کو یکایک بے پناہ تھکا ہوا محسوس کیا تو کرسی پر بیٹھ گیا۔ "بات آپ محض اس رخ سے کر رہے ہیں۔ جہاں آپ خود کھڑے ہیں... اس ساری سچویشن کے بہت سے رخ ہیں۔ اچھائی اور بہتری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ عمر کو واپس ہمارے پاس بھیج دیں۔ وہ یہاں خوش تھا۔ اس معصوم بچے کو آپ نے ڈسٹرب کیا۔ اس کے شفاف ذہن کو آپ نے پراگندہ کیا۔"

"جسٹ اے منٹ ہاشم... آپ نے کیا کہا؟ عمر کو واپس آپ کے پاس بھیج دوں؟ آپ کے پاس؟ وہ آپ کے پاس کب تھا؟ آپ تو صرف شملا کو لے کر گئے ہیں ہاشم... عمر کو تو آپ وہیں چھوڑ گئے تھے اس کی نانی کے گھر۔"

ہاشم یکایک جیسے لاجواب ہوا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ فاروق حسن اور فردوس بیگم کے بھرپور دباؤ کے باعث وہ کبھی بھی عمر کو اس کے سارے ساز و سامان سمیت 'اپنا بیٹا بنا کر' اپنے گھر نہ لے جا سکا تھا۔ اسے اس بات کی خواہش ضرور تھی لیکن شادی سے قبل ہی اسے یہ بات باور کرا دی گئی تھی کہ "حیات ولا" میں صرف وہاں کے مکینوں کی نسل ہی پروان چڑھ سکتی ہے کسی اور کی نہیں۔"

ہاشم اس بات پر رضامندی کا اظہار کر کے ہی شملا کو حاصل کر پایا تھا۔ بعد میں کبھی بھی حالات ایسی کسی خوشگوار نہج پر نہ آ سکے تھے کہ وہ اور شملا عمر کو وہاں لے آتے... خود شملا بھی فردوس بیگم کے رویے سے نالاں تھی وہ اپنی اس خواہش سے دستبردار ہی ہو چلی تھی۔

"آپ خاموش ہو گئے؟" ابرار کو جیسے اس کی خاموشی سے مسرت ہوئی تھی۔ "اب تو میں آپ کے رخ سے سچویشن کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں مسٹر ہاشم۔ کیا کہتا ہے یہ رخ؟" "آل از رائٹ! یا کہیں پہ کچھ غلط بھی ہے؟"

"اگر کہیں پہ کچھ غلط بھی ہے تو یہ آپ کی وجہ سے ہے ابرار!" اب کے ہاشم کے لہجے میں بھی وہ پہلے والی سرد مہری نہ تھی۔ وہ جیسے بات کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔

"بات وہیں سے غلط ہے جہاں آپ نے غلطی کی۔" اس نے اپنے الفاظ پر زور دیا۔ "آپ نے ایک معصوم لڑکی کی زندگی خراب کی۔ اسے بیچ منجدھار میں لا کر تنہا چھوڑا۔ اور اب جبکہ اسے ایک کنارہ میسر ہے۔ آپ پھر الٹی سیدھی حرکتیں کر رہے ہیں۔"

"مجھے اپنے ماضی پر از حد شرمندگی ہے ہاشم! سب کچھ غلط کیا۔ سوائے ایک بات کے۔ میں نے اس سے جو محبت کی وہ سچی تھی۔ اور آپ کو برا محسوس ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ شہلا نے بھی مجھے ٹوٹ کر چاہا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں ہاشم! آپ نے کبھی اس کی محبت کی ہلکی سی رمق بھی محسوس نہ کی ہوگی۔ جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ آج بھی جب وہ مجھ سے بات کرتی ہے تو اس کے لہجے میں اس پرانی محبت کی خاموش خوشبو ہوتی ہے۔ وہ خوشبو صرف میں محسوس کر سکتا ہوں۔ صرف میں۔"

ہاشم کو یوں لگا جیسے اس کا موم دل کسی تیز شعلے پر ٹھہرا ہو۔ قطرہ قطرہ۔ لہو کی بوندیں اس کے مساموں سے پھوٹ نکلیں۔

"ہم دونوں نے ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہا ہاشم! میرا اب بھی دعوا ہے کہ میں اسے چاہتا ہوں وہ بھی یقیناً میرے لیے وہی جذبات رکھتی ہے۔ ہمارا ایک بیٹا ہے جسے ماں کی بھی ضرورت ہے اور باپ کی بھی۔ یہ ایک ایسی تصویر ہے جو خوبصورت ہے۔ مکمل ہے لیکن ایک حادثے نے اسے دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اگر آپ کی قربانی سے یہ تصویر پھر سے جڑ جائے۔ پھر سے ویسی ہی خوبصورت اور مکمل ہو جائے۔ تو۔ تو کیا آپ یہ قربانی نہیں دیں گے ہاشم؟"

ہاشم کے لب سختی سے باہم پیوست تھے۔ وہ خلا میں گھور رہا تھا۔

"میں نے شہلا سے کہا تھا کہ اگر وہ میرے پاس لوٹ کر آنا چاہتی ہے تو کسی صورت پریگننسی نہ ہونے دے۔ وہ میری بات پر عمل کر رہی ہے۔ وہ اب تک پریگننٹ نہیں ہوئی۔ کیا یہ بات اس کا ثبوت نہیں ہے کہ شہلا بھی انہی ٹکڑوں میں تقسیم ہوئی تصویر میں زندہ ہے؟ پلیز ہاشم۔ آپ اس سے محبت کے دعوے دار ہیں۔ میں اس میں کسی قسم کا شک نہیں پاتا لیکن محبت کبھی کبھی ثبوت کے طور پر بہت کچھ مانگ لیتی ہے۔ کیا آپ شہلا کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایک بچہ اپنی ماں اور اپنے باپ دونوں کی محبت کے سائے میں پروان چڑھے؟ یا۔ پھر آپ صرف اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے اس خوبصورت تصویر کے ٹکڑوں کو بے رحمی سے مسخ کر دیں گے؟"

ہاشم اتنا کچھ سن چکا تھا کہ مزید کی گنجائش ہی نہ تھی اس نے سیل آف کر کے ٹیبل پر پھینک دیا پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا۔ ابرار کا کہا ہوا لفظ لفظ اپنی بازگشت سنا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ربیعہ!" منیزہ بیگم کچن میں داخل ہوئی تھیں۔

تندہی سے انڈے پھینٹتے ہوئے ربیعہ چونک کر رکی۔

"جی امی؟" اس نے بیٹر آف کیا۔

"بہت مصروف ہو؟" وہ ایک لمحہ کو اسے غور سے دیکھ کر محبت سے مسکرائیں۔

"میں عمر کے لیے ماربل کیک بنا رہی ہوں۔ بس پندرہ بیس منٹ لگیں گے۔ آپ بتایئے۔ کیا کہہ رہی تھیں مجھ سے؟ کوئی کام ہے؟"

"میں سوچ رہی تھی کہ گھر کی کتنی ہی چیزیں بے کار اور فرسودہ سی ہو گئی ہیں۔ کیوں نہ ایک چکر مارکیٹ کا لگا ئیں۔ انیقہ کہتی ہے وہ مصروف ہے۔ میں اور تم مارکیٹ چلیں؟"

"کیوں نہیں۔" وہ خوش دلی سے مسکرائی۔ "میں کیک کا بیٹر تیار کر لوں پھر اسے اوون میں رکھ کر نہا لیتی ہوں۔ تب تک آپ بھی تیار ہو جائیں۔"

منیزہ بیگم نے دیکھا۔ وہ پسینہ سے بھیگ رہی تھی۔ انہوں نے دم پر رکھے چاولوں پر نگاہ کی، پھر وہ اس کے قریب آئیں اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"میری بیٹی ہیرا ہے ہیرا۔ جس کی زندگی میں شامل ہوگی اس کی قسمت کو جگمگا دے گی۔"

ربیعہ شرمندہ ہوئی اسے ایسی باتوں سے جھینپ آتی تھی۔

"جیتی رہو۔ خوش رہو ہمیشہ۔" انہوں نے محبت سے دعا دی۔

پھر وہ کچن سے نکل گئی تھیں۔ ربیعہ چند لمحے ان کی بے لوث محبت پر غور کرتی رہی پھر مسکرا دی۔ ایک مرتبہ پھر وہ جلدی جلدی کام نمٹانے لگی۔

کیک کا آمیزہ اوون میں رکھ کر ٹمپریچر سیٹ کر کے وہ کمرے میں چلی آئی۔ مارکیٹ جانا تھا سو الماری سے اپنا استری شدہ جوڑا نکال کر وہ واش روم میں گھس گئی۔ کچھ ہی دیر کے بعد وہ نہا دھو کر، بالکل فریش ہو کر بالوں میں برش پھیرتے ہوئے منیزہ بیگم کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

"امی جی!" اس نے دستک دی۔

پھر کوئی جواب نہ آنے پر اس نے ہینڈل پر ذرا سا دباؤ ڈالا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

"امی جی۔" اس نے اندر جھانکا پھر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

منیزہ بیگم اپنے کپڑوں کی الماری کے قریب گری ہوئی تھیں۔ وہ بے ہوش معلوم ہوتی تھیں ربیعہ کے لبوں سے چیخ نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہاسپٹل میں سب ہی ان کے قریب موجود تھے۔

عباد، شہلا، انیقہ، عمر، ہاشم اور ربیعہ۔ منیزہ بیگم نے دھیمے سے مسکرا کر ان سب کے چہرے دیکھے۔

"یہ مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو۔" وہ قدرے نقاہت سے بولیں۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ عباد۔ بیٹا۔ مجھے گھر لے چلو۔"

"ضرور چلیں گے ان شاء اللہ۔" وہ بشاشت سے مسکرایا۔ "آپ فٹ فاٹ ہو جائیں تو ابھی چلتے ہیں۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" انہوں نے اصرار کیا۔

"ہمیں بھی تو پتہ چلے۔" وہ بھی مصر ہوا۔

"تمہیں میں بستر سے اتر کر چل پھر کر دکھاؤں؟" انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں آپ کے کہنے پر نہیں۔ ڈاکٹر کے کہنے پر اعتبار آئے گا؟"

انیقہ بولی تھی۔ کب سے ٹال رہی ہیں بیماری کو۔ کسی سے کچھ کہتی نہیں۔ درد ہوتا ہے چپ چاپ سہے جاتی ہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہے امی جی! بس اب آپ بالکل صحت یاب ہو کر ہی یہاں سے اٹھیں گی۔"

منیزہ بیگم نے اس کا خفا خفا سا انداز دیکھا اور بے بسی سے مسکرائیں۔

"مجھے ان اسپتالوں سے سخت خوف آتا ہے انیقہ! اسپتال کے بستر پر لیٹنا مجھے خوفزدہ کر دیتا ہے۔ میں نہیں لیٹ سکتی۔"

انہوں نے اچانک ہی اٹھنے کی کوشش کی۔
"مجھے بس گھر لے چلو۔ میں اچھی ہو جاؤں گی۔"
"پلیز امی جی......" شہلا نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں لٹا دیا۔ "ہم ضرور گھر چلیں گے... بس چند ایک ضروری ٹیسٹ ہیں جن کے لیے آپ کو ایڈمٹ کیا ہے۔ ٹیسٹ ہو جائیں تو ہم چلتے ہیں... تب تک صبر کریں۔"
وہ بے بس ہو کر خاموش ہو گئیں۔
"مجھے خبر ہے۔ آپ کو مارکیٹ جانے کی جلدی ہے۔" ربیعہ نے ماحول کو شگفتہ کرنا چاہا۔ "بے فکر رہیں۔ وہ پروگرام بالکل سیٹ ہے۔ ہم گھر جاتے ہی مارکیٹ چلیں گے۔"
"گھر جانے کی ضرورت کیا۔" عباد بولا۔ "رستے میں ہی اتر جانا۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ربیعہ نے سر ہلایا۔
سب مسکرانے لگے تھے۔
"آپ لوگ میری نانو کو تنگ نہ کریں۔" دفعتاً عمر مدبرانہ انداز میں بولا۔ "وہ پہلے ہی ٹھیک نہیں ہیں اور آپ لوگ انہیں ایسی باتوں سے تنگ کر رہے ہیں۔ وہ بیمار ہیں وہ نہیں جائیں گی مارکیٹ۔"
سارے ہنس دیے تھے۔ منیزہ بیگم بھی سب کچھ بھول بھال مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم۔" وہ سنجیدہ سنجیدہ سی اندر داخل ہوئی تھی۔
شفیقہ حیات اور عذرا بیگم چونک اٹھیں۔
"وعلیکم السلام۔" دونوں ہی قدرے پرجوش انداز میں بولی تھیں۔
عذرا بیگم نے اٹھ کر اس سے محبت سے معانقہ کیا۔ وہ ان سے مل کر ماں کی جانب آئی۔ انہوں نے اس کی پیشانی چومی۔
"شکر ہے تیری صورت نظر آئی۔" وہ محبت سے بولیں۔ "ایقان! تو تو ماں کو بھی بھول گئی۔"
"کیسی باتیں کرتی ہیں اماں!" وہ تھکے تھکے انداز میں ان کے قریب بیٹھ گئی۔ "آپ تو میرے خون میں گھلی ہوئی ہیں۔"
"پھر تو یقیناً شوگر ہو گی آپ کو۔" اندر آتا ہوا رافع شرارت سے ہنسا تھا۔ "اتنی سویٹ سویٹ سی دادی جان جس کے خون میں گھل جائیں۔ کیوں دادی! دادا ابو کو شوگر تھی؟"
"کیا الٹا سیدھا بول رہے ہو۔" عذرا بیگم خفا ہوئیں۔ "بیماریوں کو مذاق میں بھی یاد نہیں کرتے۔"
"آپ سنائیں پھپھو! کیا حال چال ہیں؟" وہ ایقان کے قریب بیٹھ گیا۔ "خفگیوں کو کچھ افاقہ ہے یا اب بھی سارے جہاں سے نالاں ہیں۔"
"اتنے شوخ ہو رہے ہو۔" ایقان نے اسے گھرکا۔ "خیریت؟ بھابی بیگم۔ کہیں اس کی ڈیٹ بھی تو فکس نہیں ہو گئی ثانیہ کے ساتھ ہی؟"
"تم اسے سمجھاؤ۔" شفیقہ حیات بولیں۔ "شاید تمہاری ہی سن لے۔"
"پہلے تو سب مل کر پھپھو کو سمجھائیں۔" رافع نے قہقہہ لگایا۔ "یہ کسی کی سنیں گی؟"
ایقان قدرے جزبز سی ہوئی۔
"مجھے تم سے ایک کام تھا رافع!" وہ دھیرے سے بولی۔ "میں اسی لیے آئی تھی۔"

"خیر سے کسی کام سے آئی ہو۔" شفیقہ حیات قدرے ناراضی سے بولیں۔ "ہم سمجھے ہماری محبت نے بالآخر جوش مارا.....؟"
"اماں..." ایقان نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ "اتنی بدگمان ہیں مجھ سے؟ میں نے کہا نا، آپ تو میرے خون میں رواں ہیں۔ ہر وقت آپ کی محبت کا احساس رہتا ہے مجھے۔ ماں سے بڑھ کر دنیا میں چاہے جانے کے لائق کون ہے؟ میں بھی ماں ہوں، پورا اندازہ ہے مجھے۔"
"ثانیہ اور رافع کی تاریخ ٹھہر گئی۔ کتنے چکر کاٹے عذرا اور بچیوں نے بازاروں کے۔ تو نے نہ پوچھا آکر کسی بات کا۔ ایسی ہوتی ہیں پھوپھیاں۔"
اب انہوں نے واضح اپنی خفگی کا اظہار کیا۔
"اب رہنے بھی دیں نا اماں۔" عذرا بیگم جلدی سے بولی تھیں۔ "وہ بے چاری آ ہی گئی ہے تو اسے پریشان تو نہ کریں... اور وہ چھوٹے بچوں کی ماں۔ اسے کہاں اتنا ٹائم کہ وہ ہمارے ساتھ پورا پورا دن بازاروں میں خوار ہو۔ تم برا محسوس نہ کرنا ایقان! اماں تو صرف تمہاری محبت میں ناراض ہیں۔ ورنہ ہمیں کوئی شکایت نہیں۔"
ایقان مدھم سا مسکرائی تھی۔ یہ مسکراہٹ اب اس کے چہرے پہ جچتی نہ تھی۔
"مجھے اپنی کوتاہیوں کا اندازہ ہے بھابی بیگم۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "مجھے بہت شوق تھا ان سارے کاموں کا۔ بہت بے تابیوں سے سوچا کرتی تھی کہ "حیات ولا" میں خوشیاں اتریں گی تو ہر کام میں بھرپور حصہ لوں گی۔ ساری تیاریاں کرواؤں گی... بھاپ کی طرح اڑ گئیں ساری تمنائیں تپتے ہوئے دل پر سے۔"
اس کا لہجہ بھر آیا تھا۔ اس نے خود پر بمشکل قابو پایا۔
"پھر بھی بھابی جان! کوئی بھی کام ہو۔ آپ مجھے خود سے کہہ دیا کریں... کم از کم میری کوتاہیوں کا احساس دلاتی رہا کریں۔ میں تو جیسے پتھر کی بن گئی ہوں۔ ولی اور بے کار۔"
"میں نے آپ کو بہلانا چاہا اور آپ مزید زود رنج ہو گئیں..." رافع بولا۔ "کہیے کیا کام تھا؟"
"مجھے نیٹ پر میرے اکاؤنٹ کی کرنٹ پوزیشن دیکھ کر بتاؤ۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
شفیقہ حیات نے تولتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا جیسے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کی ہو۔
"چلیں پھر میرے کمرے میں آ جائیں۔" رافع بھی کھڑا ہوا۔
"ہاں ٹھیک ہے، چلو۔"
وہ دونوں کمرے سے نکلے تھے۔
"بینک اکاؤنٹ چیک کرنے آئی ہے؟" شفیقہ حیات نے قدرے رازدارانہ انداز میں عذرا بیگم سے پوچھا۔
"جی اماں... اب نیٹ پر ساری تفصیل مل جاتی ہے اپنے اکاؤنٹ کی، کب کتنے جمع ہوئے۔ کب کتنے نکلوائے۔" عذرا بیگم کسی دوپٹے کی تہہ لگا رہی تھیں۔
"عاشر بھیجتا ہے نا پیسہ اسے؟"
"بھیجتا ہو گا پیسہ۔ تو خرچا چلا پاتی ہے۔ بچے اچھے اسکول میں پڑھ رہے ہیں۔ اچھا کھاتے ہیں باپ کے دم سے ہی ہوتا ہے یہ سب کچھ۔"
"اللہ اس بچے کو سلامت رکھے۔ اس کی بے وقوفیاں برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔" وہ بڑبڑائیں۔
"آمین۔" عذرا بیگم مسکرا دی تھیں۔
رافع نے کمرے میں آکر کمپیوٹر آن کیا تھا۔
"تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟" ایقان نے ایک نظر بدلے ہوئے فرنیچر پر ڈالی۔

"زبردست... اندازہ نہیں ہو رہا ہے آپ کو۔" وہ نیٹ کنکٹ کرتے ہوئے شوخی سے مسکرایا۔
"ہاں ہو رہا ہے۔" وہ ہولے سے ہنس دی۔ "تب ہی پوچھ رہی ہوں۔"
رافع نے اب اس کی اکاؤنٹ انفرمیشن کھولی تھی۔ ایقان بھی قدرے جھک کر دیکھنے لگی۔
پھر یکایک دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔
"اتنے پیسے؟" رافع نے حیران نظروں سے ایقان کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ "پچیس لاکھ روپیہ پچھلے ماہ جمع کروایا گیا ہے۔"
"عاشر نے اتنے پیسے..." ایقان متحیر و پریشان تھی۔
"کوئی فون آیا تھا ان کا؟" رافع نے پوچھا۔
"نہیں... اور میں اسی لیے اکاؤنٹ چیک کرنا چاہتی تھی میں سمجھ رہی تھی کہ عاشر نے روپے بھی نہیں بھجوائے ہوں گے لیکن اس نے تو..."
"کہاں چلے گئے ہیں وہ؟" رافع متفکر سا بڑبڑایا۔ "اتنا روپیہ انہوں نے آپ کے اکاؤنٹ میں اسی لیے ڈلوایا ہوگا تاکہ بعد میں آپ کو کوئی پریشانی نہ ہو۔"
"بعد میں؟" ایقان جیسے خوف زدہ سی ہوئی تھی۔ "کیا مطلب بعد میں؟"
رافع چونکا پھر ہلکے سے مسکرا کر اس نے کرسی گھمائی۔
"میرا مطلب ہے جب تک وہ پاکستان نہیں آجاتے تب تک آپ کو یہاں کوئی مشکل نہ ہو۔"
"پاکستان؟" اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے رافع کا چہرہ دیکھا۔ "وہ... یہاں کیوں آئے گا رافع! مجھے سچ سچ بتاؤ' کیا اتنے سارے روپے بھیجنے سے اس کا یہ مطلب ہے کہ اب وہ ہم لوگوں سے کوئی سلسلہ' کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا؟ اپنے بچوں سے بھی نہیں؟"
رافع نے نظریں چرالیں پھر وہ کمپیوٹر آف کرنے لگا۔
"میں کیا کہہ سکتا ہوں پھپھو! ان سے کوئی رابطہ ممکن ہو' تب ہی صحیح صورت حال کا علم ہو سکتا ہے۔ میں نے امریکہ میں مقیم اپنے ایک دوست کو ان کا پتہ بھیجا ہے۔ وہ معلومات حاصل کر کے مجھے مطلع کرے گا۔ ان سے ایک مرتبہ تفصیلی بات کرنا بہت ضروری ہے' تب ہی صحیح صورت حال سامنے آئے گی۔"

☼ ☼ ☼

ضروری ٹیسٹوں کے بعد منیزہ بیگم گھر آگئی تھیں۔ رپورٹس چند ایک دن میں ملنا تھیں۔ ہاشم ان کی خیریت لے کر اٹھا تھا۔ عباد سے مصافحہ کر کے وہ باہر کی جانب بڑھا۔
کچن کے دروازے پر کھڑی شہلا نے حیرت سے جاتے ہوئے ہاشم کی پشت دیکھی تھی۔ ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ ہاشم اسے الوداع کہے بنا ہی چلا جائے۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے گئی ۔تب تک وہ برآمدے کی سیڑھیاں اتر چکا تھا۔
"ہاشم!" شہلا نے اسے پکارا۔
وہ مڑ کر دیکھنے لگا۔ چند قدم اوپر کھڑی شہلا کو اس نے نجانے کن نظروں سے دیکھا تھا' شہلا کو عجیب سے احساس نے گھیرا۔
"آپ... جا رہے ہیں...؟" اس نے بے معنی سوال کیا۔
"شاید۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"مم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں بھی چلتی ہوں نا۔۔۔ اتنے دن ہو گئے یہاں۔۔۔"

"تم۔۔۔" ہاشم نے اس کے چہرے پر کچھ کھوجا۔ "میرے ساتھ چلو گی؟"

"ظاہر ہے۔ اگر آپ تھوڑا انتظار کر لیں تو۔۔۔ مجھے بیگ میں سامان رکھنے میں کچھ ٹائم لگے گا' پھر چینج بھی کرنا ہے۔ قریباً" آدھا گھنٹہ۔"

"میں چلتا ہوں شہلا۔" اس نے گھڑی دیکھی۔ "تم تیار ہو جاؤ تو مجھے فون کر دینا۔ میں آ جاؤں گا۔ میں تھوڑا ریسٹ کرنا چاہتا ہوں۔"

شہلا چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی تھی۔

"ہوں۔" پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"او۔۔۔ کے۔۔۔ اللہ حافظ۔" وہ گیٹ کی سمت بڑھ گیا۔

شہلا وہیں کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ وہ گیٹ کھول کر باہر نکل گیا پھر جب تک وہ اسے سڑک پر نظر آتا رہا' وہ دیکھتی رہی۔ اسی عجیب سے آزردگی کے احساس میں وہ اب تک گھری ہوئی تھی۔

ہاشم کے انداز یکسر جدا تھے۔ اس کے دیکھنے کا انداز' مسکرانے کا انداز' گفتگو کا انداز۔۔۔ وہ سب جیسے کسی مردہ دل شخص سے مستعار مانگ لایا تھا۔ یہ ہاشم کے اپنے انداز تو نہ تھے۔ اس کے روم روم سے پھوٹتی محبت کی الوہی خوشبو نجانے کہاں گم تھی۔ وہ جاتے ہوئے کتنی ہی بار مڑ کر دیکھا کرتا تھا۔ آج اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

شہلا بہت کچھ محسوس کر رہی تھی۔ لب کاٹتے ہوئے اس نے تادیر سوچا۔ گزشتہ کچھ دنوں میں سرزد ہونے والی کسی دانستہ' نادانستہ خطا کو احاطۂ سوچ میں لانے کی سعی کی پھر مایوس سی ہو کر وہ اندر آنے کے لیے مڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر سے نکل کر کچھ رستہ طے کر کے پھر جانے کیوں اس نے مڑ کر دیکھا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا۔ سبز بیلوں سے ڈھکا وہ خوبصورت سنگ مرمر سے سجا ہوا گھر۔ کبھی کتنے خواب وابستہ تھے اس گھر سے۔ یہاں تک آتے آتے اس کے قدم آپ ہی آپ تھم جایا کرتے تھے۔ اس کا تصور اس گھر سے آگے جاتا تھا تو پھر اوپر کی سمت جایا کرتا تھا۔ نیلے آسمان کی وسعتوں میں' ٹھنڈی ٹھار فضاؤں میں منڈلاتے' بے فکر پرندے کی مانند وہ ہلکا پھلکا ہو جاتا تھا۔ اب اسی گھر سے وہ تھکا دینے والا بوجھ کاندھوں پر لیے نکلا تھا۔

"محبت میں اتنا فرق آ گیا؟" اس نے حیران ہو کر سوچا۔

محبت۔۔۔۔ کل۔۔۔۔ آزاد پرندے کی مانند بے فکر' زندہ دل اور خوش نظر تھی۔

محبت۔۔۔۔ آج۔۔۔۔ شانوں پر دھرے پرائے بوجھ سی محسوس ہوتی تھی۔

کیوں۔۔۔ کیا ہوا تھا؟

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں ہاشم۔۔۔ آپ نے کبھی اس محبت کی ہلکی سی رمق بھی محسوس نہ کی ہو گی۔ آج بھی جب وہ مجھ سے بات کرتی ہے' اس کے لہجے میں اس پرانی محبت کی خاموش خوشبو ہوتی ہے۔ وہ خوشبو صرف میں محسوس کر سکتا ہوں' صرف میں۔"

ایک آواز کانوں سے ٹکرائی تھی۔ ایک بار پھر اس کے مساموں سے پسینہ پھوٹا۔

"میں اسے چاہتا ہوں' وہ بھی یقیناً میرے لیے وہی جذبات رکھتی ہے۔"

ہاشم نے پارک کا دروازہ دیکھا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر اندر داخل ہو گیا۔

"میں نے اس سے کہا تھا۔ اگر وہ میرے پاس لوٹ کر آنا چاہتی ہے تو کسی صورت پریگننسی۔۔۔ نہ ہونے دے۔ وہ میری بات پر عمل کر رہی ہے۔"

ہاشم نے دوڑنا شروع کر دیا۔ اس کا دل جیسے صحرا کی تپتی ریت پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

"کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ شہلا بھی اسی ٹکڑوں میں تقسیم ہوئی تصویر میں زندہ ہے۔ محبت کبھی کبھی ثبوت کے طور پر بہت کچھ مانگ لیتی ہے۔ کیا آپ شہلا کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں؟"

ہاشم پوری قوت سے دوڑتا رہا۔ وہ ان آوازوں سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا جو پچھلے کچھ دنوں سے اس کے تعاقب میں پوری طاقت سے دوڑی چلی آ ئی تھیں۔

"اگر آپ کی قربانی سے یہ تصویر پھر سے جڑ جائے پھر سے ویسی ہی مکمل اور خوبصورت ہو جائے تو کیا آپ یہ قربانی نہیں دیں گے ہاشم؟"

ہاشم جیسے تھک کر نڈھال ہو گیا تھا۔ وہ بینچ پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ماہین اور اس کی نندیں عریشہ کے کپڑے اور جیولری وغیرہ دیکھ رہی تھیں۔ کئی جوڑوں پر آج ہی کام بن کر آئے تھے' کئی جوڑے درزی کے یہاں سے سل کر آئے رکھے تھے۔ ماہین نے اپنی نندوں کی فرمائش پر خاص طور پر انہیں دوپہر کے کھانے پر بلوایا تھا تاکہ وہ عریشہ کے لیے بنائی گئی چیزیں دیکھ سکیں۔

عریشہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے باہر سے ان لوگوں کی ہنسی کی اور باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اس سارے قصے سے لاتعلق بنی اپنی علیحدہ دنیا میں زندہ تھی۔ کچھ دیر بعد ماہین کمرے میں داخل ہوئی۔

"عریشہ۔۔۔ وہ۔۔۔ طیبہ وغیرہ تمہیں بلا رہی ہیں۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ کچھ دیر کے لیے باہر آ جاؤ۔"

اس کے انداز میں منت تھی۔ عریشہ کے رویے نے سب کے رویے بدل کر رکھ دیے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھا کر بہن کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ نیم آمادگی سے بولی۔ "آ جاتی ہوں۔"

ماہین کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں چائے بنا رہی ہوں۔ تم تب تک ان کے پاس بیٹھو۔"

عریشہ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر اپنی جگہ پر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی آئی۔

"السلام علیکم۔" وہ قدرے روکھے انداز میں بولی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ دونوں گرم جوشی سے ملیں۔ "ارے بھئی' تم تو ابھی سے مایوں بیٹھ گئیں۔"

عریشہ خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ دونوں اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے' ڈائٹنگ وغیرہ کر رہی ہو؟" نوین نے پوچھا۔

"جی۔۔۔؟" وہ چونکی۔ "نہیں' سمجھی نہیں؟"

"اس قدر دبلی ہو گئی ہو کہ پہچانی نہیں جا رہیں۔ رنگت بھی کملا گئی ہے۔ ماہین کی مایوں والے دن تو تم اتنی خوبصورت لگ رہی تھیں کہ آج بھی بہت سے لوگوں کو تم یاد ہو لیکن۔۔۔ اب تو۔۔۔ بہت مختلف لگ رہی ہو۔۔۔ کیا بیمار رہی ہو؟" طیبہ جیسے اس کے اندر اترنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ خشک انداز میں بولی تھی۔

وہ دونوں اس کا موڈ دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ اتنے میں ماہین بھی چائے لے کر چلی آئی۔

"تمہاری بہن بہت بدل گئی ہے ماہین!" نوین نے تبصرہ کیا۔

"اچھا..." ماہین پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ "ہاں' یہ کچھ سنجیدہ مزاج ہو گئی ہے۔" وہ ان دونوں کو چائے دینے لگی۔

"وہ جو تمہاری کزن ہے' کیا نام ہے اس کا؟" نوین سوچتے ہوئے بولی۔ "ناعمہ! وہ کیسی ہے؟ اس کی منگنی تو بہت اچھی جگہ ہوئی ہے۔"

عریشہ نے نگاہ اٹھائی' اس کے لب بھنچ گئے۔

"ہاں' وہ لوگ بہت اچھے ہیں۔" ماہین نے تائید کی۔

"پسند کی شادی ہو رہی ہے؟" انہیں تجسس لاحق تھا۔

"شاید... ہمیں تفصیل نہیں پتا۔"

"کزنز میں بھی پردے ہوتے ہیں کیا؟ وہ بھی ہم عمر کزنز میں؟ عریشہ کی تو دوست ہے ناعمہ' اسے تو خبر ہو گی؟"

"تمہیں کیا دلچسپی — اس قصے سے؟" ماہین نے جیسے برا مان کر طیبہ کو دیکھا۔

"میں جانتی ہوں نا فریحہ کو' اس لیے تجسس ہے۔ برا مت ماننا لیکن وہ تو بہت ہائی فائی قسم کی فیملی ہے۔ وہ لوگ یہاں رشتہ لینے آئے تو یقیناً اس کے پیچھے کوئی کہانی ہو گی۔"

"ہونے دو۔" ماہین' عریشہ کی صورت دیکھ کر بیزار ہو رہی تھی۔ "تم لوگ چائے پیو۔ یہ بتاؤ' عریشہ کے کپڑے اور جیولری کیسی لگی؟"

"زبردست۔ بہت اچھی ہیں ساری چیزیں۔" طیبہ نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ "بری کیسی بنائی ہے تمہاری چچی نے؟"

"پتا نہیں۔ جب دیکھیں گے تو پتہ چلے گا۔"

"انہیں کہنا' بری ایسی ہو کہ فراز والوں کی بری کے سامنے پھیکی نہ لگے۔ ویسے ان کا مقابلہ مشکل نہیں' ناممکن ہے پھر بھی..."

"خدا کے لیے نوین..." ماہین نے اسے جھڑک دیا۔ "یہ مقابلہ بازی ہمارے ذہنوں میں نہیں ہے۔ ایسی باتیں نہ ہی کرو تو اچھا ہے' اور یہاں نہ نہیں' تین شادیاں ہیں۔ ثانیہ کی بری بھی آئی ہے۔ مقابلہ کس کس سے کیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی عریشہ' ناعمہ' ثانیہ۔ بہنیں ہی ہیں۔ بہنیں مقابلہ بازی نہیں کرتیں۔"

نوین اور طیبہ' ماہین کا موڈ خراب ہوتا دیکھ کر خاموش ہی ہو گئیں۔ چائے پی کر ان دونوں نے رخصت چاہی تھی۔

عریشہ دنیا و مافیہا سے گم اپنی جگہ بیٹھی سوچے چلی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے بھئی' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ تم لوگوں نے کیا دلیہ اور کھچڑی کھلانا شروع کر دیا ہے مجھے۔" منیزہ بیگم کھچڑی کی پلیٹ دیکھ کر بولی تھیں۔

ربیعہ ہنس دی۔

"ہم نے مانا کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ یوں سمجھیں کہ ہفتہ بھر کی صفائی منائی جا رہی ہے پیٹ کی۔ لہٰذا دلیہ اور کھچڑی ہی کھانا ہوں گے۔"

"یہ پٹیاں تمہیں شملا اور انیقہ پڑھا رہی ہیں۔ میں جانتی ہوں۔" وہ روہانسے انداز میں بولیں۔ "خیر... یہ تو

میں کھا ہی لیتی ہوں لیکن پھر مارکیٹ چلتے ہیں۔ اس دن بھی نہیں جا سکے تھے۔"

ربیعہ کو بہت زور سے ہنسی آئی تھی۔

"یا اللہ... امی جی... آخر ایسی کون سی اہم شاپنگ کرنا چاہتی ہیں آپ۔ کچھ دن آرام کر لیں' مارکیٹ کون سا کہیں بھاگی جا رہی ہے۔"

"یہ کھچڑی میں اسی شرط پر کھاؤں گی۔" وہ ضدی لہجے میں بولیں۔

ربیعہ نے دلچسپی سے انہیں دیکھا اور پھر ہنس دی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اگر عباد بھائی پرمیشن دے دیتے ہیں تو پھر چلے چلیں گے۔"

"مجھے عباد کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ میں ماں ہوں اس کی۔ وہ میری ماں نہیں ہے۔"

ربیعہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی۔

"آپ اسپتال میں رہ کر بہت بذلہ سنج ہو گئی ہیں۔"

"وہ تم ہو گئی ہو۔ میں تو بہت چڑچڑی ہو کر آئی ہوں۔ یہ تمہارا حوصلہ ہے کہ مجھے برداشت کر رہی ہو۔"

ربیعہ ان کے قریب بیٹھ گئی اور اپنا سر ان کے شانے سے ٹکا دیا۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ ساری عمر آپ کے ساتھ گزار دوں۔ آپ نے مجھے کیا دیا ہے۔ میں لفظوں میں اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔ میرے اندر ایک پیاس تھی جسے آپ کی محبت نے سیراب کیا ہے۔ اس سے زیادہ کیا کہوں امی جی۔"

منیزہ بیگم نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

"پیاس صرف تمہارے اندر نہیں تھی ربیعہ! پیاس تو میرے اندر بھی تھی۔ اسے تم نے بجھایا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میرے ہی وجود کا گم گشتہ ٹکڑا ہو تم۔" انہوں نے ربیعہ کا چہرا تھام کر غور سے دیکھا۔ "بارہا پوچھا تم سے... بارہا... لیکن..."

اسی لمحے عباد اندر داخل ہوا۔

"امی جی... امیر حسن آئے ہیں۔ آپ کی طبیعت کے بارے میں سن کر عیادت کے لیے آئے ہیں۔ ویسے پائی داوے۔ یہاں کون سا جذباتی سین چل رہا ہے۔"

اس نے ربیعہ اور انہیں یوں ساتھ ساتھ بیٹھے دیکھ کر مسکرا کر پوچھا۔

"اس سے تمہیں کیا۔" وہ اطمینان سے بولیں۔ "یہ ہم ماں بیٹی کا معاملہ ہے۔ امیر حسن سے ہمارا کوئی پردہ تو نہیں ہے۔ اسے یہیں لے آؤ۔"

"میں کچن میں جاتی ہوں۔" ربیعہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "چائے وغیرہ تیار کر لوں۔"

"ٹھیک ہے۔" عباد نے سر ہلایا۔ "میں امیر کو یہیں لے آتا ہوں۔ ڈرائنگ روم تو زرا تکلف ہے۔"

ربیعہ کچن میں چلی آئی پھر وہ دفعتاً چونکی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل کی کرسی پر شملا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر اداسی اور فکر کی انتہائی گہری لکیر تھی۔ ربیعہ اس کے قریب چلی آئی۔

"شملا آپی..."

"آں... " شملا جیسے نیند سے جاگی۔ "ربیعہ... کہو؟"

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

"کچھ بھی تو نہیں۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ "بس یونہی... یہاں بیٹھ گئی تھی۔"

"آپ کچھ پریشان لگتی ہیں۔" ربیعہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "خیریت ہے نا؟"

"ارے سب خیریت ہے۔" اس نے بشاشت سے مسکرانے کی کوشش کی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں دراصل ہاشم کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ کل میں نے کہا تھا کہ مجھے بھی لے جایئے گا۔ شاید بھول گئے۔ آج..... آج پتا نہیں۔"

وہ متذبذب سی ہو کر خاموش ہو گئی۔

"اوہ۔" ربیعہ شوخی سے مسکرائی۔ "تو یوں کہیے میاں جی یاد آ رہے ہیں اور بے فکر رہیے۔ وہ زمانے کو بھول سکتے ہیں لیکن آپ کو نہیں۔"

"اچھا۔" شہلا نے جیسے بہل کر اسے دیکھا تھا۔ "یہ کیسے کہہ سکتی ہو تم؟"

"کتنی دقتوں سے تو آپ کو حاصل کیا ہے انہوں نے۔ بھلا بھول سکتے ہیں وہ۔" ربیعہ کو انیقہ سب ہی کچھ بتا چکی تھی۔

شہلا جیسے اس کی کم عقلی پر تاسف سے مسکرائی۔

"بھولنا اسے مشکل ہوتا ہے ربیعہ! جو لاحاصل ہو۔ حاصل کو بھلانا نہیں، یاد رکھنا مشکل ہے۔" ربیعہ نے چند لمحے اس کی بات پر غور کیا پھر ہنس پڑی۔

"آپ ہاشم بھائی کی محبت پر بھی شک کر سکتی ہیں اپیا؟ بہت بری بات ہے۔ ہم سب تو آپ پر رشک کرتے ہیں کہ اتنا محبت کرنے والا جیون ساتھی ملا آپ کو۔"

شہلا نے گہری سانس بھری۔

"زیادہ محبت بھی ایک مشکل ہے ربیعہ! پر تم نہیں سمجھو گی۔ میں تو دراصل سوچ رہی تھی کہ ماہین آئی ہوئی ہے۔ کیا سوچے گی وہ۔ ایک ہی بھابی ہے، وہ بھی اپنے میکے بھاگ گئی۔"

"تو فون کر لیں ہاشم بھائی کو، وہ آفس سے اٹھیں گے تو آپ کو بھی لیتے جائیں گے۔"

دفعتاً ربیعہ کو کچن میں اپنی آمد کا مقصد یاد آیا تو وہ چائے کے لیے پانی رکھنے لگی۔

شہلا کچھ سوچتے ہوئے کچن سے باہر نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ ٹرالی سجا کر وہ کمرے میں داخل ہوئی تو منیزہ بیگم کے ساتھ گفتگو میں مصروف امیر حسن اسے دیکھ کر بے ساختہ ہی کھڑا ہوا تھا۔

"السلام علیکم۔" ربیعہ نے شگفتگی سے مسکرا کر اسے سلام کیا۔ "تشریف رکھیے نا۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کیسی ہیں مس ربیعہ آپ..... اور..... یہ اتنا کچھ آپ آنٹی کے لیے لے آئی ہیں۔ انہیں پرہیز کرائیں بھئی۔"

ربیعہ دھیرے سے ہنس دی۔ وہ یقیناً دلچسپ شخصیت تھا۔

"یہ 'اتنا کچھ' نہیں ہے۔" وہ منیزہ بیگم کے ساتھ بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "اور یہ امی کے لیے نہیں، آپ کے لیے ہے اور آپ بالکل بھی تکلف نہیں کریں گے۔"

"چلیں جناب ٹھیک ہے۔ سزا ہے تو سزا ہی سہی۔"

"اس سزا میں میں بھی برابر کا شریک ہوں۔" عباد برجستہ بولا تو سب ہنس دیے۔ ربیعہ چائے بنانے لگی۔

"چینی؟" اس نے اچانک نگاہ اٹھا کر امیر حسن سے پوچھا۔

اور تب جیسے امیر حسن کی چوری پکڑی گئی تھی۔ وہ اسے بے حد جذب اور لگن سے دیکھ رہا تھا۔ شوق، جستجو اور

دلچسپی سے بھرپور وہ نظر بے اختیار جھک گئی۔ وہ اپنی چوری پکڑ لیے جانے پر شرمندہ تھا۔

"چینی۔" ربیعہ کو احساس ہوا کہ اس کی آواز کانپی تھی۔

"آپ کی مرضی۔" وہ دھیرے سے ہنستے ہوئے قدرے اعتماد سے بولا۔

"آدھا کپ ڈال دو۔" عباد نے رس ملائی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ٹکڑا لگایا تھا۔

ربیعہ بھی دھیرے سے ہنس دی۔ اس نے چائے بنا کر اس کے ساتھ پڑی کارنر ٹیبل پر رکھ دی۔

"یار امیر! یہ رس ملائی لو نا۔ یہ اپنی ربیعہ آج کل اچھی بھلی شیف بنی ہوئی ہے۔ روز کوئی نہ کوئی نئی چیز ہم پر آزماتی ہے لیکن آج کی ڈش واقعی اچھی ہے۔ ٹرائی کرو یار۔"

امیر حسن بھی ٹرالی کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ ربیعہ چپکے سے کمرے سے باہر نکل گئی۔



رات کا آخری پہر تھا۔ عریشہ نے بے چینی سے کروٹ بدلی اور برابر میں سوئی ہوئی ماہین کو دیکھا۔

"خوش نصیب ہو آپی!" اس نے دل میں اٹھتی ہوئی ہوک کو دبا کر سوچا۔ "نیند سے لطف اندوز ہونا قسمت والوں کا کام ہے۔ ہم سے حرماں نصیب تو دن کو رات اور رات کو دن کرنے کے چکر میں ہی زندگی گزار لیتے ہیں۔"

آج پھر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج پھر رہ رہ کر ٹیس سی اٹھتی تھی دل میں۔ ماہین کی ندیں پھر دل کے دکھتے ہوئے تاروں کو چھیڑ گئی تھیں۔

فراز..... فراز..... یہ نام اس کے لیے جیسے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا تھا۔ جب بھی وہ اپنے حال پر صبر کرنا چاہتی تھی، کسی نہ کسی کے لبوں سے اس نام کا ذکر سن کر برداشت کی حدیں ختم ہونے لگتی تھیں۔

"یا تو تم اسی وقت اسٹینڈ لے لیتیں۔" ماہین نے بھی کہا تھا۔

"اسٹینڈ تو پھر کسی بھی وقت لیا جا سکتا ہے۔" یہ اس کا جواب تھا۔

اسے اپنا جواب ابھی تک یاد تھا۔ وہ اپنی بات پر قائم تھی۔ سچ کہا تھا اس نے اور اب ہر گزرتا دن اسے کہتا تھا کہ ابھی وقت ہے..... ابھی وقت ہے..... وہ ابھی کسی کا نہیں بنا اور تو کسی کی بن کر بھی نہ بنی۔ بن بھی نہیں سکتی۔ یہ بے کار کا "زبردستی کا ناطہ" کبھی کسی کو خوشی نہیں دے سکتا۔

"تعلق بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا۔" دل نے سفاکی سے کہا۔

وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی پھر اس نے ماہین کو دیکھا۔

"محبت کے وعدے اس نے مجھ سے کیے تھے، ساری ساری رات ہم ایک دوجے کے لیے جاگتے تھے پھر..... پھر یہ ناعمہ..... یہ کیسے پہنچی اس تک..... وہ میرا تھا..... میرا ہے..... میں اس کی تھی، میں اس کی ہوں....."

وہ بیڈ سے اتر آئی پھر کسی روبوٹ کی مانند چلتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی۔

"کسی کا ڈر نہیں ہے مجھے، ہر خوف سے آزاد ہو چلا ہے یہ دل۔ بس ایک ہی لگن ہے، وہ میرا نہیں بن سکتا تو ناعمہ بھی اسے نہ پا سکے۔ ناعمہ نے اسے عریشہ بن کر پھانسا ہے، میں اسے بتاؤں گی کہ میں کون ہوں۔"

وہ صوفے پر بیٹھی اور برابر میں رکھا فون سیٹ اٹھا لیا۔ فراز کا سیل نمبر اب تک یادداشت میں اسی آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

37th Episode

رات کے گہرے سناٹے میں ٹیلی فون سیٹ گود میں دھرے وہ اپنے اندر اترتے ہوئے سناٹوں کو سننے میں محو تھی۔ ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا جو ذہن کے پردے پر یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ جلنے ' کڑھنے ' سوچنے اور پھر کر گزرنے میں فرق تھا۔ اس کی ایک فون کال محض ایک فون کال نہ تھی۔ یہاں پہ ایک موڑ تھا جس سے آگے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اندھا کنواں ' گہری کھائی ' خوشیوں سے بھری رہ گزر...... جو کچھ بھی تھا ' اس کا اندازہ لگانا ممکن ہی نہ تھا۔

وہ اندھیرے میں بیٹھی لب کاٹتی رہی۔ کیا کرے ' کیا نہ کرے؟ اسے فون کرلے... اسے فون نہ کرے ' اسے حقیقت بتا دے... اسے لاعلم ہی رہنے دے...... زندگی کو نیا موڑ دینے کی کوشش کرے یا پھر جو کچھ بھی ہے ' اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کرلے۔ اس نے اپنے اندر آوازوں کو ابھرتا ہوا محسوس کیا۔ آوازیں ہی آوازیں... شور ہی شور۔ اس کے باپ کی آواز... اس کے سر پر ٹھہرا وہ بھاری ہاتھ... اس کی ماں کی آواز... اس کا روتا ' سسکتا... رابعہ بیگم کی آواز... نافع کی آواز... اس کے بھائیوں کی آوازیں... ناعمہ کی آواز... ناعمہ کی ہنسی... ناعمہ کے قہقہے اور پھر یہ آہستہ آہستہ ساری آوازیں اس ایک آواز میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔ ناعمہ کے بلند آہنگ قہقہوں نے اس کی ہستی کو پرخچوں میں بانٹنے کی کوشش کی۔

عریشہ نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔ اس کے وجود کے مہیب سمندر میں دل کسی بے آسرا کشتی کی مانند ڈول رہا تھا۔

”آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے۔ براہ مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کیجیے۔ شکریہ۔“ شائستہ آواز میں ریکارڈ شدہ پیغام سنتے ہی اس کی بہت دیر سے رکی سانس آزاد ہوئی تھی۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی ' فراز کا سیل آف تھا۔ یقیناً وہ صبح تک آف ہی رہنا تھا۔ عریشہ کو احساس ہوا کہ نہ صرف وہ بلکہ خود قسمت بھی اس سے مصروف جنگ تھی۔ بے حد مایوسی کے عالم میں اس نے ریسیور بہت آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا۔

اس وقت جس عالم جنون میں وہ یہ حرکت کر گزری تھی ' نجانے پھر کبھی اس پر طاری بھی ہوتا تھا یا نہیں۔ وہ وہیں بیٹھی لب کاٹتی رہی۔

”نہیں۔“ پھر اس نے سوچا۔ ”آج نہیں تو پھر سہی...... میں اپنی آخری سانس تک یہ کوشش کروں گی۔ یہ وقتی جنون نہیں ہے ' ایک آتش فشاں ہے ' جو نیند سے جاگا ہے... اسے بہنا ہی ہوگا۔“

شیشوں سے باہر...... بھیگی ہوئی رات...... مدھم مدھم جلنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

بیل کی آواز پر وہ کچن سے نکلی تھی۔ ایک ہاتھ پر کباب کی ٹکیہ رکھے ' دوسرے ہاتھ کی پشت سے ماتھے پر آتے بال ہٹاتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھایا۔

”ہیلو...“ نہایت مصروفیت کے عالم میں اس نے کہا تھا۔

”تسلیمات۔“ شائستہ انداز میں کہا گیا۔

ربیعہ کو آواز پہچاننے میں لمحہ بھر لگا۔

”اوہ امیر حسن صاحب... کیسے ہیں آپ؟“

”بخیریت ہیں جناب...“ وہ بشاش سے انداز میں بولا۔ ”آپ کی خیریت نیک مطلوب چاہتے ہیں۔“

ربیعہ ہنس دی۔ ”لگتا نہیں ' آپ سفید فاموں کے ملک سے آئے ہیں۔ آپ تو دلی کے لگتے ہیں۔“

امیر حسن نے اس کی بات پر بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ ربیعہ کی بات اسے دلچسپ محسوس ہوئی تھی۔ وہ کافی دیر ہنستا رہا۔

”اوہ گاڈ۔“ پھر وہ بولا۔ ”آپ کی معصوم ' کم گو شخصیت بندے کو احساس نہیں ہونے دیتی کہ آپ اتنی برجستہ اور ذہین ہیں۔ ویسے جناب سفید فاموں کو ہم نے کبھی اتنا حاوی ہی نہیں کیا خود پر کہ ہم بھول جائیں کہ ہماری جڑیں دلی میں بھی ہیں۔“

ربیعہ اس کی بات کے پہلے جملے پر کچھ محتاط سی ہوئی تھی۔

”اردو تو ہمیں خاص طور پر پڑھوائی گئی تاکہ ہم اپنی تہذیب سے دور نہ ہو جائیں۔ شہریار سے مل کر بھی آپ کو یہی احساس ہوگا۔ انگریزی ہم بولتے ضرور ہیں لیکن اردو بولنے پر آئیں تو سننے والے سنتے ہیں اور کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے بڑی شائستہ شائستہ باتیں کریں جیسے اس وقت دل چاہ رہا ہے۔“

وہ بہت موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔ عموماً اتنی بے تکلفی سے اتنی زیادہ باتیں وہ کرتا نہیں تھا۔

ربیعہ ہولے سے کھنکاری۔ اس نے ہتھیلی پر رکھی کباب کی ٹکیہ کو دیکھا جسے وہ گولائی میں تراش کر بس فرائنگ پین میں رکھنا ہی چاہتی تھی ' جب بیل کی آواز پر اسے کچن سے نکلنا پڑا تھا۔

”کوئی... کام تھا... آپ کو...“ اس نے امیر حسن کو یاد دلانا چاہا ' ورنہ وہ تو بہت فراغت سے معلوم ہوتا تھا۔

”آں...“ وہ چونکا۔ ”یس... آف کورس... عباد... عباد سے بات کروا دیں...“ وہ پھر معمول کے انداز پر آگیا۔

”عباد بھائی تو گھر پر نہیں ہیں ' آپ نے ان کا سیل نمبر ٹرائی نہیں کیا؟“

”نہیں۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”تو کیجیے نا۔“ ربیعہ مسکرائی۔

”ٹھیک ہے۔ ویسے عباد سے بات کرنا ہو تو میں پہلے گھر کا نمبر ہی ٹرائی کرتا ہوں۔“ وہ جیسے شرارت سے مسکرایا۔ ربیعہ پھر محتاط ہوئی تھی۔ امیر حسن کے انداز قدرے تبدیل شدہ تھے۔

”میں ذرا بزی تھی کچن میں۔“ اس نے جیسے معذرت اور رخصت چاہی تھی۔

”بزی تو میں بھی تھا جناب اپنے آفس میں پھر بھی میں نے وقت نکال کر نجانے کیوں...... مصروفیت کے لمحات سے کبھی کبھی چوری کرنے کا جی چاہتا ہے... یہ لمحے چرانا بہت دلچسپ کام ہے ربیعہ... کبھی کیا ہے آپ نے؟“

یکدم باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا ' ربیعہ چونک اٹھی۔

”میرا خیال ہے عباد بھائی آگئے ہیں۔“ وہ بولی۔ ”آپ ہولڈ کریں گے؟“

”نہیں۔“ وہ دھیرے سے ہنسا۔ ”اٹس او کے۔ خدا حافظ۔“

”آں...“ ربیعہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ فون بند کر چکا تھا۔ ربیعہ نے قدرے حیرانی سے ریسیور کو دیکھا پھر فون بند کر دیا۔ اسی لمحے لاؤنج کا دروازہ کھول کر عباد اندر آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا جسے اس نے صوفے پر رکھ دیا اور خود کچن میں چلا گیا۔ ربیعہ اس کے پیچھے گئی۔

”امیر حسن صاحب کا فون تھا آپ کے لیے۔“ اس نے کباب فرائنگ پین میں رکھا اور آنچ تیز کی۔

عباد کولر سے پانی نکال کر پی رہا تھا۔ لمحہ بھر کو رکا۔

”امیر حسن سے تو میری ابھی بات ہوئی ہے۔ کوئی پندرہ بیس منٹ قبل۔ میں رستے میں ہی تھا۔“

ربیعہ ٹھٹکا سی گئی ' اسے یہ توقع نہ تھی۔

”پتا نہیں۔ شاید انہیں کوئی ضروری بات یاد آگئی ہو۔ آپ پوچھ لیجیے گا۔“

”ہوں۔“ اس نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔

ربیعہ نے بغور اسے دیکھا' وہ کچھ پریشان سا لگتا تھا۔
"آپ کے لیے کھانا لگا دوں عباد بھائی؟ ناشتہ بھی بہت لائٹ سا کیا تھا آپ نے۔"
"ہوں؟" وہ چونکا۔ "نہیں ربیعہ! بھوک نہیں ہے۔"
"میں نے مٹر چاول اور چکن کباب بنائے ہیں۔ آپ کا فیورٹ کمبی نیشن۔ ساتھ لوکی کا رائتہ بھی ہے۔"
"میں.... کچھ دیر لیٹوں گا ربیعہ...." اس نے جیسے معذرت کی۔
"آپ.... ٹھیک تو ہیں؟" ربیعہ کو وہ بہت تھکا ہوا' سست سا معلوم ہوا۔
"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ "امی کہاں ہیں؟"
"سو رہی ہیں۔ بس اب اٹھتی ہی ہوں گی۔ آج میں ضرور انہیں مارکیٹ لے جاؤں گی۔ کب سے ضد کر رہی ہیں' ٹھیک ہے نا عباد بھائی؟"
"ہاں' ٹھیک ہے۔" وہ بجھے بجھے سے انداز میں بولا۔ "لیکن رات کو ان کے چند ایک ٹیسٹ اور ہوں گے۔ میں انہیں اسپتال لے کر جاؤں گا۔ ان کی پچھلی رپورٹس کچھ اتنی ٹھیک نہیں آئیں۔ چند ایک ٹیسٹ ریپیٹ ہوں گے۔"
"اللہ خیر کرے۔" بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے نکلا۔
"میں کچھ دیر سوؤں گا۔" عباد نے ایک گہری سانس بھری۔ "تم لوگ تیار ہو جاؤ تو مجھے جگا دینا۔ میں چھوڑ آؤں گا۔"
"آپ ریسٹ کریں۔ ہم تو ٹیکسی میں بھی چلے جائیں گے۔"
عباد متفکر سے انداز میں کچن سے نکل گیا تھا۔ ربیعہ بھی پر سوچ انداز میں کھڑی رہی۔



"آپ تیار ہیں امی؟" سب کاموں سے فارغ ہو کر کپڑے تبدیل کر کے اس نے ان کے کمرے میں جھانکا۔ منیزہ بیگم چونک اٹھیں۔
"ہاں ربیعہ! میں تو تیار ہوں۔ ذرا یہاں آؤ۔" ربیعہ کمرے میں چلی آئی۔
منیزہ بیگم ایک چھوٹی صندوقچی کھول کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ربیعہ ان کے قریب بیٹھتے بیٹھتے اچانک چونک سی گئی۔ صندوقچی میں سونے کے زیورات بھرے ہوئے تھے۔
"یہ دیکھو ربیعہ...." انہوں نے صندوقچی اس کے آگے کی۔ "یہ زیورات شہلا کے والد نے میرے حوالے کیے تھے۔ اس میں ان کے کئی خاندانی زیورات ہیں اور یہ.... یہ سونا میرا حق مہر ہے۔"
انہوں نے چند چھوٹی چھوٹی ٹکیاں اسے دکھائیں۔
"یہ تو.... لاکھوں کا زیور ہے امی!" ربیعہ حیران تھی۔
"ہاں.... قریباً" پچاس لاکھ مالیت ہوگی اس کی۔ میں اسی لیے مارکیٹ جانا چاہ رہی ہوں۔ مجھے اپنے سنار کے پاس جانا ہے۔ یہ تین ٹکیاں میں نے تمہارے نام کی رکھی ہیں۔ میں چاہتی ہوں' میں اپنی اور تمہاری مشترکہ پسند سے تمہاری شادی کا زیور بنواؤں۔ رہے یہ خاندانی زیورات.... تو ان پر شہلا' انیقہ اور عباد کا حق ہے۔ یہ ان کی دادی' پردادی کے زیورات ہیں۔ جو سونا میرا ہے' وہ میں نے سارے کا سارا تمہارے نام کر دیا ہے۔"
ربیعہ سے کچھ بھی بولا نہ جا سکا۔ وہ ششدر سی انہیں دیکھتی رہی۔
"اتنا زیور ٹیکسی میں لے جانا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ تم عباد کو جگا دو۔ اس سے کہو' ہمیں صرافہ مارکیٹ تک چھوڑ آئے۔ رہی کپڑوں وغیرہ کی شاپنگ تو وہ ہم خود چلے جائیں گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"
"لیکن امی جی!" وہ بمشکل بولی۔ "جو.... سونا آپ کا ہے' اس پر بھی میرا نہیں' شہلا آپی اور انیقہ کا حق ہے۔ بخدا! مجھے محبتوں سے اتنا زیر بار نہ کیجیے۔ میں کیسے اتنا بوجھ اٹھاؤں...." اس کی آواز بھرا گئی۔ منیزہ بیگم نے چند لمحے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔
"ربیعہ...." پھر وہ جیسے سرگوشی میں بولی تھیں۔ "مجھے تو لگتا ہی نہیں کہ تم کسی اور کوکھ سے پیدا ہوئی ہو۔ میری ممتا کو تمہاری صورت دیکھ کر کیوں قرار آتا ہے۔ میں سمجھ نہیں پاتی۔ تم مجھ سے ایسی پرائی باتیں مت کرو۔ جو جس کا حق ہے' وہ اسے ہی ملنا چاہیے۔ میں شہلا اور انیقہ کا حق تمہیں نہیں دے رہی۔ اپنا حصّہ دے رہی ہوں کیونکہ میرے دل نے تمہیں بیٹی مانا ہے۔"
ربیعہ کو جانے کیا ہوا تھا' وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"ربیعہ...." وہ دھیرے دھیرے اس کے بال سہلانے لگیں۔ "جب ہم لوٹیں گے تب مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دینا۔ میں نے بہت انتظار کیا کہ شاید تم خود سے کچھ کہو۔ اپنا بوجھ بانٹنا چاہو۔ دل ہلکا کرنا چاہو لیکن شاید تمہیں ہم پر...."
ربیعہ نے ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا' اس کی آنکھیں موتی بہا رہی تھیں۔
"عباد بھائی نے ہی مجھے منع کر دیا تھا امی! صرف ان کی زبان کا بھرم رکھنے کے لیے میں نے کبھی آپ سے کچھ کہا نہیں' ورنہ کتنی راتیں صرف اس سوچ میں مبتلا رہ کر گزاری ہیں میں نے کہ میں آپ سے جھوٹ بول کر اس چھت کے نیچے موجود ہوں۔"
"میں سمجھ سکتی ہوں بیٹی! تب ہی خاموش رہی۔" انہوں نے اس کے آنسو پونچھے۔ "لیکن اب سوچتی ہوں کہ جانے کتنی سانسیں اور مقدر میں لکھی ہیں۔ تمہارے اور انیقہ کے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جاؤں تو بہتر...."
ربیعہ کو عباد کی بات یاد آئی۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے مضطرب سی ہو کر ان کا چہرہ دیکھا۔
"میں آپ کو چھوڑ کر کبھی بھی' کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔" وہ روٹھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ انیقہ اور عباد بھائی کی شادی کی تیاریاں کریں' مجھے شادی وغیرہ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔"
منیزہ بیگم محبت سے مسکرا دیں۔
"تم مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ گی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"
"آپ نے کہاں جانا ہے؟" ربیعہ ان کے سادہ سے لہجے میں کہی گئی بات کا مطلب بالکل نہ سمجھی۔
"جہاں ایک دن سب نے جانا ہوتا ہے' جہاں جانے سے پہلے مائیں اپنی اولاد کے فرض سے سبکدوش ہو جانے کی اپنی سی کوشش تو ضرور کرتی ہیں۔ آگے ان کی قسمت۔"
"ایسی باتیں نہ کیا کریں امی جی!" ربیعہ دل گرفتہ ہو گئی۔ "آپ کو کوئی خوشی ملتی ہے مجھے یوں دکھی کر کے؟"
منیزہ بیگم نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر چوم لیے۔ ربیعہ نے محبت سے انہیں دیکھا۔
"آپ اکثر میرے ہاتھ چومتی ہیں۔ میں نے کبھی آپ کو شہلا آپی یا انیقہ کے ہاتھ چومتے نہیں دیکھا۔"
"تمہارے ہاتھ دیکھ کر مجھے کچھ یاد آتا ہے' اس لیے۔"
"کیا...." ربیعہ محویت سے ان کے سلونے چہرے کے بدلتے رنگ دیکھنے لگی۔
"امی جی...." عباد اندر آیا۔ "میں کچھ زیادہ ہی سو لیا شاید' آپ لوگوں کو دیر تو نہیں ہو گئی؟"
وہ دونوں چونک اٹھی تھیں۔

"نہیں، دیر نہیں ہوئی ابھی۔" منیزہ بیگم معنی خیزی سے مسکرائیں۔ "چلو، چلیں۔"



ربیعہ کے بہتیرا منع کرنے کے باوجود منیزہ بیگم نے وہی کیا جو انہوں نے کہا تھا۔ انہوں نے اپنے حصے کا سارا سونا ربیعہ کے زیورات تیار کرنے کے لیے جیولر کے حوالے کر دیا تھا۔

"تم مجھ سے بار بار مذاق میں پوچھتی تھیں کہ میں مارکیٹ آنے کے لیے اتنی بے چین کیوں تھی۔" انہوں نے ربیعہ سے کہا۔ "تو یہی وجہ تھی۔ میں یہ کام نمٹانے کے لیے ازحد بے چین تھی۔ آج میں مطمئن ہوئی ہوں۔"

وہ دونوں جیولری شاپ سے نکل رہی تھیں۔ ربیعہ خاموش ہو گئی تھی لیکن وہ دل ہی دل میں سخت شرمندہ تھی۔ اس کے خیال میں منیزہ بیگم کی ملکیت پر ان کی بیٹیوں کا حق تھا۔ اسے انیقہ اور شہلا سے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیوں نہ کچھ گرم کپڑوں کی شاپنگ کریں، سردی بس پہنچنے ہی والی ہے۔" منیزہ بیگم نے مسرور سے انداز میں کہا۔ وہ اپنا بوجھ اتر جانے سے بہت خوش لگتی تھیں۔

"آپ نے اپنی ضد پوری کر لی۔" وہ ہار ماننے والے انداز میں بولی۔ "اب جو چاہے سو کریں۔"

"اچھی بیٹیاں ماؤں کی باتیں مانتی ہیں۔" وہ بردبار انداز میں بولیں۔

پھر وہ دونوں ایک شاپنگ پلازہ میں داخل ہو گئی تھیں۔ منیزہ بیگم ایک کپڑے کی دکان میں داخل ہوئیں تو ربیعہ ونڈو میں لگے ڈیزائن دیکھنے لگی۔ تب ہی کسی نے بے حد مسرت، جوش اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے اسے پکارا تھا۔

"ربیعہ۔"

ربیعہ نے مڑ کر دیکھا پھر لحہ بھر کے لیے جیسے پتھر کی ہو گئی۔

"ترانہ۔" اس کے لبوں سے سرگوشی کے عالم میں نکلا۔ "ترانہ..... تم..... یہ تم ہو؟"

ترانہ نے اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا تھا۔ عالم جوش میں وہ جیسے بولنا بھول گئی تھی۔ بس ربیعہ کو جھنجوڑ رہی تھی۔

"او خدا..... آج میں کچھ اور مانگتی تو وہ بھی ملتا۔ آج وقت قبولیت تھا ربیعہ!" پھر وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "آج گھر سے نکلتے وقت میں نے نجانے کیوں شدت سے تمہیں یاد کیا تھا۔"

دونوں بے اختیار ہو کر ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ چند لمحوں بعد انہیں آس پاس سے گزرتے ہوئے لوگوں کا احساس ہوا تو وہ علیحدہ ہوئیں۔

"ایک منٹ ترانہ!" ربیعہ بولی۔ "میں ابھی آئی۔"

ترانہ کو وہیں چھوڑ کر وہ تیزی سے دکان میں داخل ہوئی تھی۔ منیزہ بیگم کاؤنٹر کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ دکاندار انہیں مختلف کپڑے دکھا رہا تھا۔

"امی جی....." ربیعہ نے انہیں مخاطب کیا۔ "میں باہر ہوں، آپ اطمینان سے شاپنگ کریں۔"

"خیریت؟" وہ چونکیں۔

"میں بعد میں بتاؤں گی۔" وہ اسی تیزی سے باہر نکلی تھی جیسے اسے پھر سے ترانہ کے کھو جانے کا خدشہ تھا۔ ترانہ وہیں کھڑی تھی۔ ربیعہ اسے لے کر قدرے کم رش والے حصے میں چلی آئی۔

"اب کہو تم یہاں کراچی میں کیسے؟"

"ایک لمبی داستان ہے۔" ترانہ کی مسکراہٹ عجیب سی تھی۔ "سننے کے لیے کم از کم پورا دن چاہیے ہوگا۔ بس مختصراً یہ کہ میں نے اور عبدالباری نے کورٹ میرج کرلی اور یہاں آگئے۔ خدا کے فضل سے باری کو اچھی نوکری مل گئی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش ہیں۔"

"اور.... اور.... پیچھے والے لوگ..... سب کیسے ہیں؟ منور پھپھا..... مینا آنٹی..... صولت..... تصور اور تمدن بھائی..... سب..... سب لوگ کیسے ہیں۔ میرے چلے آنے کے بعد کیا گزری وہاں....."

ترانہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر مسکرائی۔

"بہت محبت سے بنایا ہے خدا نے تمہیں۔ تمہارے اندر کتنی محبت ہے ربیعہ! یونہی تو نہیں تم اتنی خوبصورت ہو۔ وہاں شاید ہی کبھی کسی نے تمہیں اس انداز میں یاد کیا ہو اور تم..... اس طرح ان سب کے نام لے رہی ہو جیسے..... جیسے..... کوئی بہت اپنوں کو یاد کرے۔"

ترانہ کا لہجہ نم ہو گیا تھا۔

"ہاں..... کیا شک ہے اس میں۔ روئے زمین پر شاید اسی ایک گھر سے میرا خونی رشتہ ہے ترانہ! ورنہ تو مجھے کہیں اپنی جڑیں نظر نہیں آتیں۔"

"فی زمانہ خون پانی سے کم قیمت ہے ربیعہ!" ترانہ دھیمے سے ہنس دی۔ "بہت معتبر جانو ان خونی رشتوں کو۔"

"ایسے نہ کہو ترانہ!" ربیعہ کو دکھ سا ہوا۔

"خیر..... تم اپنی سناؤ..... عباد بھائی کے ساتھ آکر کوئی مشکل تو نہیں پڑی؟ کبھی کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟ تم سوچتی ہوگی کہ ایک آدھ مرتبہ فون کے بعد میں نے کبھی تم سے رابطہ نہیں کیا تو میری بہن! جب ساری داستان تمہیں سناؤں گی تب تمہیں حقیقت کا علم ہوگا۔"

"میں بہت خوش ہوں ترانہ! عباد بھائی کے گھر میں مجھے سب کچھ ملا۔ عزت، محبت، خلوص، احترام، روحانی سرخوشی۔ سچے، کھرے رشتے جن میں کوئی غرض نہیں، کوئی کھوٹ نہیں۔"

"شکر ہے خدا کا۔ میرے دل سے آج ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا۔ میں اکثر تمہارے بارے میں سوچتی تھی کہ نجانے تم کس حال میں ہوگی۔ تم ہمارے خاندان کا حصہ تھیں ربیعہ! تمہاری حفاظت ہمارا فرض تھا لیکن جب رکھوالے ہی دشمن بن جائیں تو....."

وہ دل گرفتہ سی خاموش ہوگئی۔ ربیعہ نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے مگر ترانہ نے جلدی سے خود پر قابو پالیا۔

"میں تمہیں اپنا ایڈریس دیتی ہوں۔" وہ اپنا پرس کھول کر پین نکالنے لگی۔ "تم کل ہی مجھ سے ملنے آؤ۔ مجھے احساس ہوا ہے کہ دنیا میں میرا اپنا بھی کوئی ہے۔ ہم دونوں جی بھر کر باتیں کریں گے۔ اف خدا..... میں کس قدر خوش ہوں۔ باری بھی تم سے تمہیں مل کر بہت خوش ہوگا۔"

وہ پتہ لکھنے کے دوران بھی بول رہی تھی۔ پتہ ربیعہ کو تھما کر اس نے گرم جوشی سے اس کے ہاتھوں کو دبایا۔

"آؤ گی نا ربیعہ!"

"یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔ میرا تو نجانے وقت کیسے گزرے گا کل تک۔"

"تم سے علیحدہ ہونے کو جی نہیں کرتا لیکن میں چند ضروری چیزیں لینے نکلی تھی۔ باری کے آنے سے پہلے مجھے کھانا بھی تیار کرنا ہے۔"

"کل میرے آنے سے پہلے ہی کھانا تیار کر لینا۔" ربیعہ شرارت سے ہنسی۔

"ضرور۔"

"اچھا..... خدا حافظ....." ربیعہ نے محبت سے ہاتھ ہلایا۔

ترانہ مڑ کر چل دی تھی۔ ربیعہ وہیں کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر جب وہ ہجوم میں گم ہوگئی، تب وہ مڑ کر منیزہ بیگم کی طرف آگئی تھی۔

"کوئی مل گیا تھا؟" انہوں نے اس کا چمکتا چہرہ دیکھا۔

"جی..... میری پھپھی زاد بہن....."

"پھپھی زاد بہن؟" وہ تعجب سے بولیں۔

ربیعہ کو یاد آیا۔ عباد نے سب سے اس کے متعلق یہی کہا تھا کہ اس کا کوئی رشتہ دار یہاں نہیں ہے۔

"میں..... میں گھر چل کر آپ کو بتاؤں گی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہوں۔" انہوں نے جیسے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ "اچھا..... یہ رنگ دیکھو..... یہ سوٹ تمہارے لیے لیا ہے..... یہ انیقہ کے لیے..... تمہیں کون سا زیادہ پسند ہے؟"

ربیعہ ان کا دل رکھنے کے لیے ان سے شاپنگ ڈسکس کرنے لگی، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ ترانہ سے ملنے کے بعد اب اس کا کسی بات میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ بیچ کا عرصہ پلک جھپکتے ختم ہو اور وہ اڑ کر ترانہ کے پاس جا پہنچے۔ اس کا ذہن اندرون لاہور کی پر پیچ گلیوں میں بھٹک رہا تھا۔



شہلا نے آٹھ مرتبہ بجتے پر وال کلاک کی جانب دیکھا اور پر سوچ انداز میں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر وہ اٹھی اور جا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رکھے اسٹول پر بیٹھ گئی اور اپنا عکس دیکھنے لگی۔

آج صبح وہ خود ہی گھر چلی آئی تھی۔ نجانے کیوں ہاشم اسے لینے نہیں آیا تھا۔ شاید وہ ان دنوں کچھ زیادہ ہی مصروف تھا۔ اتنا مصروف کہ اب اسے شہلا کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔

شہلا نے آئینے میں خود کو غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ قدرے کمزور ہو گیا تھا۔ آنکھیں بے جان سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے میرون رنگ کے لباس پر چنری کا زرد دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ کبھی ان گہرے رنگوں میں اس کا چہرہ بہت پر کشش لگتا تھا لیکن آج شہلا کو اپنے چہرے پر ایک اداسی، ایک بے رنگی کی کیفیت محسوس ہوئی۔

اس نے دراز کھول کر لپ اسٹک نکالی اور ہونٹوں پر لگانے لگی پھر اس نے آنکھوں میں گہرا کاجل لگایا۔ چند لمحے خود کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے جیولری باکس میں سے اپنے روبی اور زرقون کے آویزے نکالے اور کانوں میں ڈال لیے۔ اسے قدرے سکون کا احساس ہوا۔ اتنے سے اہتمام سے وجود سج گیا تھا۔ اسے اپنا عکس اچھا لگا۔

نیچے گاڑی کا ہارن بجا تھا۔ شہلا بے قراری ہو کر کھڑی ہوئی۔ چند لمحے سوچا پھر باہر کی جانب چل دی۔ حقیقت یہ تھی کہ اتنے عرصے میں اس نے کبھی دروازے پر جا کر ہاشم کا استقبال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی لیکن آج وہ اپنی کیفیات سمجھنے سے خود قاصر تھی۔

تیزی سے سیڑھیاں اترتی وہ نیچے چلی آئی۔ ماہین اور فردوس بیگم، عذرا بیگم سے ملنے گئی ہوئی تھیں۔ عریشہ اپنے کمرے میں تھی۔ حمزہ اور علی بھی گھر میں موجود نہ تھے۔ شہلا نے لاؤنج کا دروازہ کھولا۔ ہاشم عین اس کے مقابل تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ تھم سے گئے۔

"السلام علیکم۔" شہلا آہستگی سے بولی۔

"وعلیکم السلام۔" ہاشم کو اسے گھر میں دیکھ کر یقیناً حیرانی ہوئی تھی۔

شہلا نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بریف کیس لینا چاہا۔ ہاشم نے چونک کر ہاتھ پیچھے کیا۔

"اٹس او کے۔"
"نہیں 'دے دیجیے۔" اس نے اصرار سے کہا۔
"رہنے دو' یہ کافی وزنی ہے۔"
"دے دیں نا۔ میں کمرے میں رکھ دیتی ہوں۔"
ہاشم نے از حد حیرانی سے باولِ نخواستہ بریف کیس اسے تھمایا۔ شہلا نے سر جھکا کر اسے اندر داخل ہونے کا رستہ دیا تھا۔ ہاشم قدم بڑھانا بھول گیا تھا۔ وہ اس کے آویزے دیکھنے لگا جو شاید اس نے پہلی بار پہنے تھے۔
شہلا مڑ کر چل دی' تب اس نے بھی چونک کر قدم بڑھائے تھے۔ وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ اس کے قدم گنتا اس کے پیچھے تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر ہاشم کو خوش گوار سا احساس ہوا۔ اس کے پسندیدہ ایئر فریشنر کی دھیمی مہک میں بسا صاف ستھرا کمرہ سجا ہوا تھا۔ شہلا نے بریف کیس الماری میں رکھ دیا پھر مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔
"کپڑے چینج کر لیں۔ میں کھانا نکالتی ہوں۔"
"ہوں۔" اس نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔
شہلا کو یاد آیا' وہ جب بھی خوش ہوتا تھا' اسے باہر کھانا کھانے کے لیے کہتا تھا۔
"قیمہ کریلے بنے ہیں۔ آپ... آپ شوق سے کھا لیں گے؟"
"ہاں' ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "جو بھی ہو۔"
شہلا الماری سے پشت ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ہاشم کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی پھر آستین کے بٹن کھولنے لگا۔
"کپڑے ڈریسنگ روم میں لٹکائے ہیں میں نے استری کر کے۔"
ہاشم نے اس کا سراپا دیکھا۔
"ٹھیک ہے۔"
اس نے ٹائی گردن سے نکال کر پھینکی پھر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔
"آپ... مجھے لینے کیوں نہیں آئے؟"
ہاشم نے چونک کر سر اٹھایا۔ شہلا نظریں جھکائے قالین کو گھور رہی تھی۔
"میں... میں آتا... آتا ابھی... دراصل کل مجھے ٹائم نہیں مل سکا۔" وہ ہکلایا۔
شہلا یا نے اب کی بار قدرے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"آپ مجھے فون کر کے کہہ سکتے تھے لیکن آپ نے ایک مرتبہ فون تک نہیں کیا۔"
ہاشم کے ہاتھ میں اس کے موزے تھے' وہ انہیں جوتوں میں رکھنا بھول گیا۔ ایسی شکایتیں تو اس نے خواب میں بھی ان لبوں سے نہیں سنی تھیں۔
"آئی ایم سوری۔" وہ اتنا ہی کہہ سکا۔ "میں نے شاید خیال نہیں کیا۔"
"جی ہاں' اب آپ کم ہی خیال کرتے ہیں۔" اس نے پھر نگاہیں جھکا لیں۔
ہاشم کھڑا ہوا تھا' چند قدم بڑھا کر وہ اس کے قریب آ گیا۔ شہلا کو اپنے گالوں پر دوڑتی سرخی کا احساس ہوا۔ اس کا دل کسی نئی رفتار سے چلا تھا۔ ہاشم نے ہاتھ بڑھایا۔ وہ قدرے سمٹ سی گئی۔ ہاشم نے وارڈروب کا دروازہ کھولا۔
شہلا نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ ہینگر میں اپنی شرٹ لگا رہا تھا۔ شہلا خفیف سی ہو گئی۔

"کھانا... کھانا... اوپر لے آؤں؟" وہ ہلکی سی آواز میں اتنا ہی پوچھ سکی۔

"نہیں' نیچے سب کے ساتھ کھاتے ہیں۔"
"نیچے تو... ابھی کوئی نہیں ہے..."
"کوئی بات نہیں۔" وہ نرم لہجے میں بولا تھا۔ "میں نہا کر فریش ہوتا ہوں' تب تک سب آ جائیں گے لیکن پہلے ایک کپ چائے پلا دو تو بہتر ہو۔"
"میں ابھی لے آتی ہوں۔" وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔
ہاشم ایک بار پھر حیران ہونے پر مجبور ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ لو..." رابعہ بیگم نے ایک سفید لفافہ وردہ کی جانب بڑھایا۔
"یہ کیا ہے امی جی!" اس نے اشتیاق سے لفافہ کھول کر اندر دیکھا پھر حیران ہوئی۔ "یہ تو اچھی بھلی رقم ہے۔"
لفافے کے اندر نیلے رنگ کے کئی نوٹ تھے' وردہ نے رقم نکالی۔
"کتنے ہیں؟"
"پتا نہیں' گن لو۔ یہ اماں نے دیے ہیں۔ ان کی جانب سے ناعمہ کے لیے شادی کا تحفہ ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس رقم سے فرنیچر وغیرہ بنوا لیا جائے۔"
وردہ رقم گننے لگی۔
"پورے پچاس ہزار ہیں لیکن نانی امی نے اتنے زیادہ کیوں دیے؟"
"میں نے بہت منع کیا' تب عذرا بھی ناراض ہو گئیں اور اماں بھی۔ مجبوراً مجھے ان کا تحفہ قبول کرنا پڑا۔ اماں کہنے لگیں کہ وہ خود بھی آرڈر کر سکتی تھیں لیکن صرف ناعمہ کی پسند شامل ہونے کے خیال سے رقم دے رہی ہیں تاکہ ناعمہ خود اپنی پسند کا فرنیچر بنوائے۔"
"چلیں خیر ہے' وہ بھی ہمارے اپنے ہیں۔ انہوں نے تو ایسا سوچا ہی تھا۔ آپ کا بھی بوجھ ہلکا ہو گیا۔"
"فراز کی والدہ جہیز وغیرہ کے خلاف ہیں۔ وہ شاید یہ سب کچھ پسند نہ کریں۔"
وردہ خاموش سی ہو کر سوچنے لگی۔
"ایک مرتبہ فریحہ بتا رہی تھی کہ فراز بہت سلیکٹو ہے۔ اسے ہر چیز پسند نہیں آتی۔ وہ بتا رہی تھی کہ اس نے اپنا کمرہ بہت علیحدہ انداز سے سیٹ کیا ہوا ہے۔ یونیک ڈیزائن کا فرنیچر خاص طور پر صرف کمرے کی بناوٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے بنوایا ہے۔ میرا خیال ہے انہیں فرنیچر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ یہ رقم ناعمہ کے اکاؤنٹ میں ڈال دیں۔"
"ایسا کیوں نہ کریں کہ تم باتوں ہی باتوں میں فراز کا عندیہ لے لو۔ ہو سکتا ہے وہ فرنیچر تبدیل کرنا چاہے۔"
"اچھا۔" وردہ نیم رضامندی سے بولی۔ "چلیں یہ بھی کر لیں گے۔ ثانیہ کہہ رہی تھی کہ اس نے سینڈلز لینا ہیں تو ساتھ ہی ناعمہ کی سینڈلز بھی لے لی جائیں۔ آپ سے اس نے کہا نہیں؟"
"کہا ہے۔" وہ فراغت سے بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ "ابھی رافع آفس سے آ جائے تو ثانیہ اور ناعمہ کو مارکیٹ لے جائے گا۔ تم بھی ساتھ جانا۔ اس ناعمہ کو تو کوڑی کی عقل نہیں ہے۔ صرف میچنگ چپلیں لے آئے گی۔ تم اسے ایسی سینڈلز دلوانا جو ایک سے زیادہ جوڑوں پر چل جائیں۔"
وردہ متامل سی نظر آنے لگی۔ ہر چند کہ ماں کی بات رد کرنا اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔
"رہنے دیں امی!" پھر وہ بولی۔ "ثانیہ اور ناعمہ کو ہی جانے دیں۔ جو چیز بھی ہو' وہ ان کی ذاتی پسند کی ہونا

چاہیے۔ ناعمہ کو میچنگ سینڈلز کا کریز ہے تو چند سینڈلز زیادہ ہی لے گی نا۔ کیا فرق پڑتا ہے' میں نہ جاؤں تو بہتر ہے۔"

"چلو..... کوئی بات نہیں..... لیکن تم اپنے لیے شاپنگ کرلینا۔ شادی سر پر ہے' تم نے ابھی تک اپنے لیے کچھ نہیں خریدا۔"

"میں ماہین کے ساتھ جاؤں گی' کل یا پرسوں۔"

رابعہ بیگم نے قدرے غور سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وردہ نگاہیں چرانے لگی۔

"وردہ..... بیٹی..... کیا تم رافع کے ساتھ جانے سے انکاری ہو؟"

"جی؟" وہ چونکی۔ اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ رابعہ بیگم ایسی بات کہیں گی۔

"پتا نہیں۔" اس کے لبوں سے بے سوچے سمجھے نکلا۔

"مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔" اب ان کی نظروں میں گہری تشویش اتر آئی۔ "وردہ..... بیٹی! یہاں آؤ۔ یہاں میرے پاس آکر بیٹھو۔"

وردہ آہستگی سے اٹھی تھی۔ مدھم چال چلتے وہ ان کے قریب چلی آئی۔ رابعہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر بٹھالیا۔

"وردہ..... سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسا رشتہ جڑ گیا ہے۔ وہ تم سے گریزاں..... تم اس سے خفا....."

"نہیں' میں تو کسی سے خفا نہیں ہوں۔" اس نے عجلت میں ماں کی بات کاٹی۔ "آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"پھر..... یہ گریز کیسا؟ یہ تو محض دلوں کے میل کو ظاہر کرتا ہے۔ کیا تمہارے دل میں اس کی جانب سے کوئی بدگمانی ہے؟"

"نہیں امی! کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے بولی پھر اس نے ماں کی جانب دیکھا۔ "میرے دل میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ بات محض اتنی سی ہے۔"

رابعہ بیگم تحیر سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔

"بس' یہ اتنی سی بات ہے؟ اس بات پر تو زندگی کی خوشیوں کا دارومدار ہوا کرتا ہے وردہ! تم اسے اتنی سی بات کہہ رہی ہو۔"

وردہ نے سر جھکالیا۔ رابعہ بیگم متفکر سی ہوکر اسے دیکھنے لگیں۔

"اور اس کے دل کی کہو؟ کچھ خبر ہے؟ وہاں تمہارے لیے کتنی جگہ ہے؟"

"میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"غلط..... یہ بات رافع کے علاوہ صرف تمہیں معلوم ہوگی۔ ایسے جذبے گلاب کے پھول ہوتے ہیں۔ نظر نہ آئیں تو ان کی خوشبو ان کی موجودگی کی خبر دیتی ہے۔"

وردہ کو لگا جیسے وہ رونے والی ہے۔ ماں نے دل کے نازک گوشے کو نشتر سے چھیڑا تھا۔

"بولو وردہ! کیا تم دونوں ایک ڈور سے بندھ جانے والے دو مختلف سمتوں کے نشان ہو؟"

"اس بات کی کیا اہمیت ہے امی؟" وہ نم ناک لہجے میں بولی۔

"بہت اہمیت ہے بچی! میں اولاد کی خوشی کے لیے زمانے سے بغاوت کرسکتی ہوں۔ اگر تم اپنے دل کو رافع کے لیے آمادہ نہیں پاتیں تو کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرو۔ زبردستی جانوروں کے ساتھ کی جاسکتی ہے' انسانوں کے ساتھ نہیں۔ کیا تمہیں رافع پسند نہیں؟"

وردہ نے نظریں اٹھائیں پھر دھک سے رہ گئی' وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی تھی۔

لاؤنج کے دروازے پر رافع کھڑا تھا۔ رابعہ بیگم بھی بے ساختہ کھڑی ہوئی تھیں۔ رافع کی نظریں وردہ کی نظروں سے ملیں' وردہ مڑ کر کمرے میں چلی گئی۔

"آؤ رافع!" رابعہ بیگم نے سنبھل کر اسے پکارا۔

وہ چند قدم اندر چلا آیا۔

"السلام علیکم۔ باہر کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا' میں نے سوچا لاؤنج میں دستک دے دوں گا۔"

"وعلیکم السلام۔ جیتے رہو۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "میں ابھی تمہاری طرف سے آرہی تھی۔ دروازہ میں نے ہی کھلا چھوڑا کیونکہ ثانیہ نے کہا' وہ بھی پیچھے آرہی ہے۔ بیٹھو۔" انہوں نے رافع کا چہرہ بغور دیکھا لیکن کچھ اخذ کرنے سے قاصر رہیں۔

"میں ناعمہ کو لینے آیا ہوں پھپھو! ثانیہ گاڑی میں بیٹھی ہے۔"

"اچھا..... میں ناعمہ کو بھیجتی ہوں۔"

"وردہ نے..... اگر کچھ لینا ہے تو..... وہ بھی ساتھ چلے۔" وہ قدرے جھجک کر بولا۔

"نہیں۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "وردہ نے..... کچھ نہیں لینا....."

پھر انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ کل ماہین کے ساتھ مارکیٹ جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"بہتر' پھر آپ ناعمہ کو بھیج دیں۔ میں اور ثانیہ گاڑی میں بیٹھے ہیں۔" وہ اٹھ کر چل پڑا۔ رابعہ بیگم نے اس کے چوڑے شانوں اور دراز قامت کو دیکھ کر دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا تھا پھر وہ کوئی خیال آنے پر وردہ اور ناعمہ کے کمرے کی جانب بڑھیں۔

"میں نے کہا نا آپی! آپ جو بھی لے آئیں گی' مجھے قبول ہوگا۔" ناعمہ بے دلی سے کہہ رہی تھی۔

"نا بابا' میں کیوں لے آؤں؟ تم خود جاؤ' اپنا کام کرنے۔"

"آپ میرے سارے کام کردیتی ہیں۔ اس میں کیا تامل ہے؟ ثانیہ بھی تو ساتھ ہے۔ آپ اور ثانیہ اچھی شاپنگ کرلیں گی۔"

"پلیز ناعمہ....." وہ زچ ہوئی۔

"پلیز آپی....."

"ناعمہ....." رابعہ بیگم قدرے سختی سے بولیں۔ "کیا مذاق ہے یہ؟ چلو اٹھو' چادر لو اور جاؤ۔ وہ لوگ گاڑی میں بیٹھے تمہارا انتظار کررہے ہیں۔"

ناعمہ نے ماں کے تیور دیکھ کر اندازہ لگایا کہ اب ایک لفظ مزید کہنا محال ہے۔ وہ چپکے سے اٹھی اور الماری کھول کر چادر نکالنے لگی۔ وردہ بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گئی تھی۔ رابعہ بیگم بیڈ پر بیٹھ گئیں اور کچھ سوچنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"تم یونہی مجھے تنگ کررہے ہو۔" وہ جھلائی تھیں۔ "جانتے ہو' ماں کو ستانا کتنا بڑا گناہ ہے۔"

"جی جی..... جانتا ہوں..... آپ مجھے یہ گناہ کرلینے دیجیے۔ چلیں اٹھیں' شاباش۔" عباد نے چپلیں لاکر ان کے قدموں کے قریب رکھ دیں۔

"دیکھو' میرے زندگی کے جتنے دن ہیں' وہ یہ ٹیسٹ کروانے سے بڑھ نہیں جائیں گے۔"

"علاج لازم ہے۔ شاید آپ نے سنا نہیں اور مجھے یہ جذباتی باتیں نہ سنائیں۔ میں نے آپ کے لیے ٹائم لیا

ہے اور ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔"

ربیعہ ان کی باتیں سن کر مسکرا دی۔

"آپ ماں بیٹے کی نوک جھونک میں تو ٹائم ضرور ہی نکل جائے گا۔" وہ بولی۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ پرعزم انداز میں بولا۔ "اب اگر انہوں نے ذرا سے پس و پیش سے کام لیا تو میں انہیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

وہ بازو چڑھانے لگا۔ منیزہ بیگم اٹھ کر چپلیں پہننے لگیں۔

"چلو جیسے کہو۔" وہ ہار مان کر بولی تھیں۔

عباد نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور ان کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔

"تنگ کرنے پر معذرت۔ لیکن یہ گناہ نہیں عین کار ثواب ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر اس کے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد انیقہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی جبکہ ربیعہ برتن وغیرہ سمیٹنے کے لیے کچن میں چلی آئی تھی۔

کام کے دوران وہ ترانہ کے متعلق سوچتی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ کاش اس نے ترانہ سے فون نمبر بھی لے لیا ہوتا تو اس وقت وہ اس سے فون پر ہی تھوڑی بہت بات کر لیتی۔ وقت گزارنا کافی مشکل لگ رہا تھا پھر اسے خیال آیا کہ اس کے پاس ترانہ کا صرف تحریر شدہ ایڈریس تھا جسے ڈھونڈنے میں دقت ہو سکتی تھی۔ اسے یہ بھی خیال آیا کہ اس نے عباد سے ترانہ کے سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی بلکہ اسے وقت ہی نہیں ملا تھا۔ وہ ابھی آیا تھا اور آتے ہی منیزہ بیگم کو ٹیسٹ کے لیے لے گیا تھا۔

ربیعہ نے ارادہ باندھا کہ وہ ان لوگوں کے آنے پر عباد کو ترانہ کے متعلق بھی بتائے گی اور اس سے کہے گی کہ کل وہ اسے ترانہ کے گھر ڈراپ بھی کر دے۔

قریباً دو گھنٹے کے بعد ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی۔ منیزہ بیگم اس قدر تھکی ہوئی تھیں کہ وہ کوئی بھی بات کیے بغیر کمرے میں چلی گئی تھیں۔ عباد تھکا تھکا سا صوفے پر بیٹھا تھا۔

"چائے بنا دوں عباد بھائی!" ربیعہ نے اسے ہمدردی سے دیکھا۔

"اگر تکلیف نہ ہو تو....."

"تکلیف تو بہت ہوگی لیکن میں پھر بھی بنا دیتی ہوں۔" وہ برا مان کر بولی۔

پھر وہ چائے بنا کر اس کے پاس چلی آئی۔ عباد آنکھیں بند کیے نیم دراز تھا۔ اس کی آہٹ پا کر بیٹھ گیا۔

"امی کو کیا پرابلم ہے عباد بھائی؟" ربیعہ اس کی سنجیدگی سے ڈر سی گئی۔

"کچھ بھی نہیں۔" وہ زبردستی مسکرایا۔ "ابھی تو ٹیسٹ چل رہے ہیں۔ تم دعا کرو ربیعہ!"

"یہ بھی کہنے کی بات ہے بھائی! میں ہر نماز کے بعد آپ سب کے لیے دعا کرتی ہوں۔"

"تم بہت اچھی ہو ربیعہ!" وہ ممنونیت سے مسکرایا۔

"اپنوں کے لیے تو سب ہی دعا کرتے ہیں۔ آپ سب میرے اپنے ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"بے شک۔" اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

ربیعہ اسے ترانہ کے متعلق بتانے کا سوچنے لگی۔ تب ہی عباد بولا تھا۔

"ربیعہ.... کل ذرا سا کام ہے۔"

"جی؟" وہ چونکی۔ "کہیے؟"

"امیر حسن کے کزن ہیں شہریار احمد! وہ یوکے سے آئے ہیں۔ میں نے کل ان لوگوں کو کھانے پر انوائٹ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کھانا بہت وی آئی پی قسم کا ہو۔ ویسے تو تم بہت ماہر ہو کوکنگ میں لیکن کل کمال ہی کر دو تو اچھا ہے۔ امیر حسن تو خیر بہت سادہ مزاج آدمی ہے لیکن یہ شہریار صاحب کیسے ہیں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ پہلا امپریشن اچھا پڑنا چاہیے۔ کیوں؟"

ربیعہ چونک اٹھی۔

"جی.... ٹھیک ہے عباد بھائی!" اس نے سرہلایا۔

"کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا؟"

"کمال کرتے ہیں۔" اس نے برا مانا۔ "آپ صبح ناشتے کے وقت ڈشز ڈیسائیڈ کر لیجیے گا۔ ایک مرتبہ مینیو سیٹ ہو جائے تو میں سامان بھی منگوا لوں گی اور اسٹارٹ بھی جلدی لے لوں گی۔" عباد نے پیار سے اسے دیکھا۔

"یہ انیقہ ایک نمبر کی کام چور اور بے ڈھنگی ہے۔ اسے تمہاری ہیلپ کے لیے کہا تو شاید تمہیں مزید پریشان ہی کرے۔"

"اس کی پڑھائی زوروں پر چل رہی ہے' اسے تنگ نہ کریں۔ میں خود اپنی ہیلپ کر سکتی ہوں۔ سات آٹھ ڈشز ہی ہوں گی نا۔ کوئی اتنا بڑا پروجیکٹ نہیں ہے جو آپ میرے لیے پریشان ہوں۔"

"تھینک یو سو مچ۔" وہ ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"عباد بھائی! آج مجھے بازار میں ترانہ ملی تھی۔"

"رئیلی۔" عباد کو حیرت ہوئی۔

"جی.... وہ یاری سے شادی کر کے کراچی آ چکی ہے۔ اس نے مجھے اپنا ایڈریس بھی دیا ہے۔"

"تو یار اسے یہیں بلا لیتا تھا۔"

"میں نے تو اسے اپنا ایڈریس نہیں دیا' غلطی ہوئی۔ خیر پرسوں آپ مجھے ترانہ کے گھر چھوڑ آئیں گے نا؟"

"میں کل رات ہی چھوڑ آؤں گا۔" وہ ہنسا۔ "جانتا ہوں' تمہارے پیٹ میں کتنے بل پڑ رہے ہوں گے۔ میں نے شاید کل دعوت کا کہہ کر غلطی کی۔"

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم کل نہیں تو پرسوں چلیں گے۔" وہ بولی تھی۔



"آداب...." مدھم سی آواز پر فردوس بیگم نے مڑ کر دیکھا تھا پھر انہیں خاصی حیرت ہوئی۔

"جیتی رہو' یہ ہمارے نصیب کیسے کھلے؟ ایقان بیگم ہمارے گھر آئیں۔ خدا کی قدرت! اے بھی انہیں تو کبھی گھر دیکھتے ہیں اپنا۔ بیٹھو۔"

ایقان صوفے پر ٹک گئی پھر اس نے لاؤنج کا جائزہ لیا۔ واقعی وہ کافی عرصے کے بعد آئی تھی' وہاں کی سیٹنگ تک تبدیل ہو گئی تھی۔ کئی اشیاء نئی معلوم ہوتی تھیں۔

"کہو' کیسی ہو؟" وہ قریب آ بیٹھیں۔

"شکر ہے خدا کا۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"عاشر میاں کی کوئی خیر خبر؟" وہ رازداری سے آگے کو جھکیں۔

"نہیں۔" اس نے چیخ کر کہا۔

فردوس بیگم قدرے سٹپٹا کر پیچھے کو ہوئیں۔

"خرچا تو بھیجتا ہو گا یا وہ بھی نہیں؟"

ایقان اس قسم کے سوالوں سے ناک تک بھری ہوئی تھی۔ وہ کوفت زدہ انداز میں کھڑی ہوئی۔

"میں شہلا سے ملنے آئی ہوں بھابھی بیگم! کیا وہ اپنے کمرے میں ہے؟"

"اے ہاں۔ ہم بھی سوچیں یہ بھابھی بیگم کے لیے لڑوا کیسے ٹپکا تمہارا؟ ہاں بھئی..... سکھی تمہاری اپنے کمرے میں ہی ہیں۔ میکے کے علاوہ وہ زیادہ تر وہیں ہوتی ہیں۔ ہم تو اس عید کے چاند کو کم کم ہی دیکھتے ہیں۔"

اچانک ہی کچن کے دروازے پر شہلا نمودار ہوئی تھی۔

"میں یہاں ہوں ایقان! روٹی پکا رہی ہوں۔ تم بیٹھو میں ابھی آئی۔"

فردوس بیگم بری طرح سٹپٹائی تھیں پھر انہوں نے خود پر قابو پالیا۔

"جانے کب چلی آئیں..... بلی کی طرح....." وہ بڑبڑائیں۔ "خبر ہی نہیں ہوئی۔"

ایقان بیٹھنے کے بجائے کچن کی جانب ہی بڑھ گئی تھی۔ دفعتاً" جیسے اسے کچھ خیال آیا تھا' اس نے مڑ کر دیکھا۔

"بھابھی بیگم! یہ آپ کے برادرِ محترم کہاں ہوتے ہیں آج کل؟"

"ہائیں..... کون؟" وہ قطعاً" نہ سمجھیں۔

"اختر میاں کا پوچھ رہی ہوں۔"

"اختر؟" ان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "ک..... کیوں..... کچھ کہا اس نے تمہیں؟ اے ہاں..... وہ تو ایسا ہی باؤلا ہے..... تم تو جانتی ہو۔"

"میں تو صرف اتنا پوچھ رہی ہوں کہ وہ آج کل کہاں ہوتے ہیں؟"

"یہیں کہیں ہوتا ہے۔ آجاتا ہے کبھی کبھار۔"

"ہوں۔" اس نے ہنکارا بھرا پھر آگے بڑھ گئی۔

شہلا اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔

"بس پک گئی ہیں۔" وہ روٹیاں رومال میں لپیٹ کر ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں یوں کام کرتا دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔ اچھی لگ رہی ہو۔" ایقان مسکرائی۔ "ہسپتال نہیں جاتیں؟"

"میں نے لانگ لیو لے لی ہے۔" وہ کھلے نل کے نیچے ہاتھ دیے ناخن اچھی طرح صاف کر رہی تھی۔

"کیوں؟" ایقان کو حیرت ہوئی۔ "پریگننٹ ہو کیا؟"

شہلا نے جیسے ٹھٹک کر اسے دیکھا پھر ہولے سے ہنس دی۔

"ارے نہیں۔" وہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی تھی۔ "بس یونہی' دل بھر گیا تھا اس بوجھل روٹین سے۔ اپنے گھر والوں کے لیے وقت ہی نہیں نکلتا۔ ہر کسی کو شکایت تھی مجھ سے۔ سوچا' سب کی شکایتیں دور کی جائیں۔"

"فارغ ہو گئیں تو چلو تمہارے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔" ایقان بولی۔

"ٹھیک ہے۔" شہلا نے اثبات میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

"اب سناؤ۔" شہلا نے خود بھی ٹیک لگائی اور ایقان کو بھی ایک تکیہ فراہم کیا۔ "کیسی گزر رہی ہے؟ ہم نے تو ایک دوسرے سے دل کا حال کہنا بھی چھوڑ دیا ہے۔"

"دل کا حال کہنے کے لیے بھی یا تو بہت حوصلہ چاہیے یا پھر بالکل بے حوصلہ ہونا چاہیے۔ ہمارے ساتھ دونوں

ہی باتیں نہیں ہیں۔ خود ہی جلتے' کڑھتے رہتے ہیں۔ آج بے کلی حد سے سوا تھی۔ سو میں یہاں چلی آئی' شاید بنا سوچے سمجھے ہی۔"

شہلا نے اس کی خالی آنکھوں میں جھانکا۔

"یہ بے کلی..... اس کی فرقت کا دوسرا نام ہے ایقان! تم سمجھتی کیوں نہیں؟"

"شاید ایسا ہی ہو۔" وہ بڑبڑائی۔

"پھر اسے آواز کیوں نہیں دے لیتیں؟ بلاتی کیوں نہیں؟"

"وہ میری پکار کا منتظر نہیں ہے شہلا! وہ بے نیاز ہو چکا ہے۔ اب چاہے میں اسے پکاروں' خواہ اس کے اپنے بچے..... نئی دنیا کھوجنے چلا ہے۔ دیکھو یہ سفر کب ختم ہوتا ہے۔"

شہلا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو انہوں نے وہاں شادی کر لی؟" ایقان کی باتوں سے وہ یہی سمجھی تھی۔

"کر لی ہو گی' یقیناً۔ مجھے اس نے کچھ عرصہ پہلے یہ اطلاع دی تھی۔ ہر چند کہ وہ جانتا ہے کہ اسے میری اجازت کی ضرورت نہیں۔" وہ طنزاً" ہنسی۔

شہلا کو حقیقتاً" افسوس ہوا تھا' وہ خاموش بیٹھی رہ گئی۔

"یہ تو برا ہوا ایقان....." پھر وہ بولی۔ "تمہاری ضد میں تمہارے بچوں کا نقصان ہوا ہے۔"

"بچوں کے پاس تو وہ پہلے بھی نہیں تھا۔ صرف اس کی بھیجی ہوئی آسائشات تھیں۔ سو اب بھی ہیں۔ جانتی ہو شہلا! پچھلے ماہ اس نے پورے پچیس لاکھ روپے بھیجے ہیں۔ شاید عقدِ ثانی کی خوشی میں۔ پیسے کو وہ ہمیشہ سے انسانی جذبوں کا بدل سمجھتا ہے۔ میرے سامنے ہوتا تو میں اس کی رقم اس کے منہ پر مارتی۔ کمینہ..... ذلیل....."

"ایقان!" شہلا نے اس کے سرد و گداز ہاتھ تھامے۔ جو دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔

شہلا کو اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوا۔ اس کا وجود ایک بھٹی بنا ہوا تھا جس میں اس کے سارے جذبے جل رہے تھے۔

"اپنے بچوں سے بات تو کرتے ہوں گے؟" اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

"بات؟" ایقان کی آنکھیں پھیلیں۔ "بات کیسے ہو؟ وہ تو..... وہ تو نجانے کہاں چھپ گیا ہے۔ وہ غائب ہو گیا ہے۔ سلیمانی ٹوپی پہن لی ہے اس نے۔ جانتی ہوں' وہ صرف مجھے تنگ کرنے کے لیے' مجھے جھکانے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہے اور میں ٹوٹ جاؤں گی لیکن جھکوں گی نہیں۔ مر جاؤں گی لیکن اسے نہیں پکاروں گی جس نے میری جگہ اتنی آسانی سے کسی اور کو دے دی۔ میں اسے بتاؤں گی کہ میں اس کی جگہ کسے دیتی ہوں۔"

شہلا بری طرح سے چونکی۔

"ایقان..... کیا کہہ رہی ہو..... یوں لگتا ہے جیسے پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔ صاف صاف کہو کیا ماجرا ہے۔ عاشر بھائی کہاں چلے گئے ہیں اور..... اور تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

ایقان نے دفعتاً" ہی خود پر قابو پالیا تھا۔

"وہ لڑا ہے شادی کر کے کسی دوسرے ملک شفٹ ہو گیا ہے شہلا!" پھر وہ آہستگی سے بولی۔ "اور شفٹ ہونے سے قبل اس نے مجھے یہ رقم بھیج کر شاید اگلے پچھلے حساب برابر کر دیے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے' میں اس بھیک کے سہارے پوری زندگی گزار لوں گی لیکن میں....."

اس کی سانس کھنچ گئی۔ شہلا دکھ سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"کیا کرو گی دو بچوں کے ساتھ؟"

"کیوں نہیں، جو وہ کر سکتا ہے، کیا میں نہیں کر سکتی۔ مجھے تو صرف اتنا پتا کرنا ہے کہ وہ ہے کہاں پھر میں اس سے طلاق لوں گی ہر صورت، ہر قیمت پر اور پھر... پھر اسے بتاؤں گی کہ میں اس کی جگہ ٹکے دیتی ہوں۔"

"ایقان..." شہلا نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "خدا کے لیے... خدا کا واسطہ تمہیں... اتنی کم عقلی سے تو کام نہ لو... تم غم و غصے سے بالکل دیوانی ہو گئی ہو۔ اپنی ذات کوئی اتنی بڑی چیز نہیں ہوتی کہ اسے رد کرنے پر انسان دنیا کو رد کرنے پر تیار ہو جائے۔ اس نے تمہاری جگہ اگر کسی کو دی تو اس میں بھی تمہارا ہی قصور ہے... تم مرد کو کیا سمجھتی ہو۔ وہ تم سے بے تحاشا محبت کر کے بھی یہی سننا چاہے گا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔ محبت ایسی خطا ہے جسے مرد ہمیشہ عورت کے کھاتے میں ڈالنا چاہتا ہے۔"

"یہ اس کی غلطی ہے، اسے ضرور دکھ اٹھانا ہوگا۔ چاہے اس کے لیے مجھے خود کو پیٹرول چھڑک کر آگ ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔"

شہلا آنکھیں کھولے اس دیوانی کو تکتی رہ گئی۔ وہ محبت میں شدتوں کی قائل تھی۔ شہلا ہمیشہ سے جانتی تھی لیکن اس درجہ دیوانگی کا تو اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔

ایقان جو دل ہلکا کرنے آئی تھی۔ اب اطمینان سے تکیے سے ٹیک لگائے جانے کیا سوچ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جیسے کسی اور کی آنکھیں تھیں۔ شہلا کو اس سے خوف سا محسوس ہوا۔

اس نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ ہاشم کو ضرور ایقان کے ارادوں سے مطلع کرے گی۔



بھیگی ہوئی رات نے پر پھڑپھڑائے۔ عریشہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ قسمت آزمانے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ اس نے ماہین کے گہری نیند میں ہونے کا اطمینان کیا اور اٹھ کر بستر سے نکل آئی۔ آہستگی سے چلتی ہوئی وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

ٹیلی فون سیٹ گود میں رکھ کر وہ پھر وہی پچھلی باتیں سوچنے لگی اور جب ناعمہ کے قہقہوں سے اس کا وجود گونجنے لگا تب اس نے فراز کا سیل نمبر ڈائل کیا۔

اچانک ہی اس کے سب ہی حواس کام کرنے لگے تھے۔ دوسری جانب بیل جا رہی تھی۔

"ہیلو..." پھر وہ آواز سنائی دی جس سے اس کا روم روم جاگ اٹھا۔

عریشہ کی آواز اس کے گلے میں پھنس سی گئی۔

"ہیلو..." وہ پھر بولا۔

"میں... میں عریشہ بات کر رہی ہوں۔" وہ لرزتی ہوئی آواز میں آہستہ سے بولی۔

"عریشہ! کہیے؟" وہ سادہ لہجے میں بولا۔

باقی آئندہ شمارے میں

38th Epi

عریشہ کو اپنے دل کے دھڑکنے کی صدا اپنے کانوں میں بجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے فراز کی ٹھنڈی اور اجنبی آواز سن کر اپنے دل کو ایک دھچکا سا لگتا ہوا محسوس کیا تھا۔ نجانے کیوں اتنے عرصے سے ایک گمان اس کے ساتھ ساتھ جیتا تھا کہ برسوں بعد بھی وہ ایک دوسرے کو ویسے ہی پہچان لیں گے جیسے روزِ اول پہچانا تھا' اس کی آواز سنتے ہی فراز کے کانوں سے ناعمہ کے جھوٹ کا پردہ اٹھ جائے گا۔

اسے احساس ہوا کہ فراز اس کی جانب سے گفتگو کا منتظر تھا۔

"آپ۔" اس کی آواز پھنسنے لگی تو وہ دھیمے سے کھنکاری "لگتا ہے۔۔۔ آپ نے مجھے نہیں پہچانا!"

اس کے مدھم لہجے میں دکھ بھی تھا۔ شکایت بھی تھی۔ بے یقینی بھی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے!" وہ بولا "میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔"

عریشہ بے طرح چونکی۔

"آپ نے خود بتایا کہ آپ عریشہ ہیں۔۔۔ اور میرے جاننے والوں میں صرف ایک عریشہ ہے۔" وہ اطمینان سے' سادہ لہجے میں بول رہا تھا۔ عریشہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے' سانس روکے اس کے اگلے جملوں کی منتظر تھی۔

"آپ یقیناً' شہلا آپی کی نند ہیں۔۔۔ ہاشم بھائی کی سسٹر۔۔۔ نافع کی منکوحہ۔ نافع عباد کا بہت اچھا دوست ہے۔ اس حوالے سے بھی میں آپ کو جانتا ہوں۔۔۔ ایم آئی رائٹ؟" عریشہ کو لگا اس کے گلے میں اس کی اپنی سانس نے پھندا ڈال دیا ہے۔ جو نہ اوپر کو جا رہی تھی اور نہ نیچے کو صرف اس کے گلے کے گرد کسی بل دار سانپ کی مانند اپنا شکنجہ کس رہی تھی۔

"ہیلو۔" اس کی جانب سے گہری خاموشی پا کر فراز بولا "آپ خیریت سے تو ہیں؟ یوں آدھی رات کے وقت آپ کا فون آنا۔۔۔ اور پھر کچھ نہ بولنا۔۔۔ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔۔۔"

"جی۔۔۔ کچھ نہیں۔" وہ بمشکل بولی "میں نے۔۔۔ میں نے شاید غلط نمبر۔۔۔"

اس سے مزید کچھ بھی نہ بولا جا سکا۔ اس نے فون بند کر دیا اور کھل کر سانس لینے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ چند لمحے' جن کے انتظار میں اس نے ایک طویل عرصہ اندھے غار میں بیٹھے ہوئے جوگی کی طرح گزارا تھا۔۔۔ وہ چند لمحے اتنی تیزی سے گزرے تھے کہ اب ان پر کسی خواب کا گمان ہو رہا تھا۔ یوں جیسے لمحہ بھر کے لیے آنکھ لگی تھی اور کوئی بے ربط سا خواب بنا اور ٹوٹ گیا تھا۔ وہ حیران پریشان ساکت بیٹھی تھی۔

وہ تو اسے کئی حوالوں سے جانتا تھا اور وہ اپنی زندگی میں صرف ایک عریشہ کو جانتا تھا وہ عریشہ جو ہاشم کی بہن تھی۔۔۔ شہلا کی نند تھی اور نافع کی منکوحہ تھی بس اس سے آگے شناخت کا کوئی حوالہ نہ تھا اور جتنے حوالے اس نے گنوائے تھے' اس کے بعد کچھ بھی کہنے کا نہ حوصلہ تھا اور نہ ضرورت۔

عریشہ کو لگا جیسے اس کے وجود پر دم گھوٹتے حبس کا جو عالم چھایا ہوا تھا۔ وہ اب گھٹنا چاہ رہا ہے۔ اچانک ہی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے اور لبوں سے آہیں نکلنے لگیں۔ اس کے پورے جسم پر ایک شدید کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ اس نے خود پر قابو پانے کی ناکام کوشش کی۔ آگے کو جھکتے جھکتے وہ صوفے سے نیچے گر گئی تھی۔

بیڈ روم سے ماہین گھبرائی ہوئی باہر نکلی تھی۔ اس نے لائٹ جلائی پھر عریشہ کو نیچے گرا ہوا دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

"عریشہ۔" ماہین نے اسے کاندھوں سے تھام کر سیدھا کیا۔

اس کا ہونٹ اس کے دانت سے رگڑ کھا کر پھٹ گیا تھا' خون کی بوندیں اس کی تھوڑی پر سے پھسل رہی تھیں۔ وہ بے ہوش' بے سدھ تھی۔

اس نے یہ نظر غائر ایک مرتبہ پھر ڈائننگ ٹیبل کی جانب دیکھا' جسے اس نے بہت محنت اور شوق سے سنوارا تھا۔ سلیقے سے رکھے گئے۔ چمکتے برتنوں صاف ستھرے سفید نیپکنز اور درمیان میں رکھے خوبصورت گلدستے نے میز کو بہت کشش بخش دی تھی۔

"ہوں۔۔۔ بہت خوب" اپنے پیچھے عباد کی آواز سن کر وہ چونک اٹھی۔

"آپ کب آئے عباد بھائی۔" وہ مسکرائی تھی۔

"جب سے آپ اکیلے ہی اکیلے خود کو داد پیش کر رہی ہیں۔۔۔" وہ ہنسا "بھئی کچھ حصہ اس میں ہمارا بھی ڈال لو۔ ہمیں بھی "بہت خوب" تو کہنے دو۔۔۔"

"آپ کہہ چکے۔" وہ جھینپ کر بولی "اور بقیہ داد کھانے کے بعد پیش کیجئے گا۔۔"

"کیا کیا بنا ہے اور کیا کیا انڈر پروسس ہے؟"

"سب کچھ بن چکا ہے۔ انڈر پروسس کچھ بھی نہیں' ماسوائے اس کے کہ پلاؤ دم پر رکھا ہے اور کباب فرائی کرنا ہے۔"

"ڈشز؟" وہ اگلوانے کے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔

"وہی جو آپ نے ڈیسائڈ کی تھیں۔ کوفتے" وہ بھی نرگسی' پلاؤ افغانی' چرغہ پشاوری' چکن چاؤمین اور فروٹ ٹرائفل۔ کباب بہاری بھی ہیں اور شامی بھی۔۔۔" عباد اس کے پروفیشنل انداز پر ہنسنے لگا۔

"قسم سے۔۔۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی ویٹرس لگ رہی ہو۔۔۔"

"جی ہاں!" اس نے عباد کو گھورا "بس یہی ایک داد باقی رہ گئی تھی۔۔۔ سو آپ نے پیش کر دی۔ بائی داوے۔۔۔ میں شیف بھی ہوں۔۔۔ صرف ویٹرس نہیں۔۔۔"

عباد نے جلدی سے کان پکڑے پھر ہاتھ جوڑ دیے۔

"تم صرف میری پیاری سی بہن ہو۔۔۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔۔۔" ربیعہ اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں سے خفت زدہ ہو کر مڑی۔

"امی کہاں ہیں؟" عباد نے نظر دوڑائی۔

"نماز پڑھ رہی ہیں۔ میں نے ہی انہیں کہا تھا کہ مہمانوں کے آنے سے پہلے فارغ ہو جائیں ورنہ انہیں یہی فکر ستاتی رہتی۔۔۔"

وہ کچن میں چلی آئی اور چاولوں کے نیچے آنچ مزید مدھم کرنے لگی۔

"وہ لوگ بس پہنچتے ہی ہوں گے۔" عباد نے گھڑی دیکھی "تم بھی شاور لے لو اور فریش ہو جاؤ۔"

"میں۔۔۔" ربیعہ متامل سی ہوئی "عباد بھائی۔۔۔ میں۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ کہو؟" عباد نے جاتے جاتے اسے رک کر دیکھا۔

"مجھے وہاں کھانے کے لیے اصرار مت کیجئے گا۔۔۔ میں صرف سرو کر کے اپنے کمرے میں چلی جاؤں گی۔" عباد نے ابرو اٹھا کر اسے قدرے خفگی سے دیکھا تھا۔

"وہ کیوں؟"

"وہ۔۔۔ دراصل میں تھک گئی ہوں۔" اس نے معقول سی معذرت کرنا چاہی "میں کچھ دیر آرام کر لوں گی۔"

"ضرور کرنا۔۔۔ لیکن مہمانوں کے جانے کے بعد۔ جہاں اتنا کام کیا ہے وہاں تھوڑا سا صبر بھی۔۔۔"

"لیکن عباد بھائی۔۔۔" وہ زچ ہوئی "میں آخر۔۔۔ کروں گی کیا۔۔۔"

"سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ گی۔۔۔" وہ حتمی انداز میں بولا۔

ربیعہ خاموش ہو گئی۔ وہ یونہی ہار مان لیا کرتی تھی۔

"اب جلدی سے فریش ہو لو۔ میں بھی چینج کر لیتا ہوں۔ وہ لوگ آتے ہی ہوں گے۔"

وہ مصروف انداز میں سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو عباد صوفے سے اٹھ کر تیزی سے باہر کی جانب بڑھا۔

"میرا خیال ہے 'وہی لوگ ہیں' منیزہ بیگم سر پر دوپٹہ درست کرتے ہوئے اٹھیں۔ ربیعہ نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔

عباد کی رہنمائی میں وہ دونوں اندر آئے تھے۔ ایک امیر حسن تھا اور دوسرا وہی نوجوان تھا جس کی تصویر ربیعہ نے امیر حسن کے آفس میں دیکھی تھی۔

ایک مرتبہ پھر وہ لمحہ بھر کے لیے تھم سی گئی تھی۔ وہ چہرہ اتنا ہی مقناطیسی اور پُرکشش تھا۔ عباد ان لوگوں کا تعارف کروا رہا تھا۔

"امی۔ ان سے ملیے۔ شہریار احمد! یہ امیر حسن کے کزن بھی ہیں اور بہت اچھے دوست بھی۔"

"اور بزنس پارٹنر بھی۔" امیر حسن مسکینی سے گویا ہوا "ہرچند کہ شہریار مجھ سے چند برس چھوٹا ہے لیکن اس کا ذہن کئی مقامات پر مجھ سے بہت تیز چلتا ہے۔"

شہریار مسکراتا ہوا منیزہ بیگم کے سامنے ذرا سا جھکا تھا۔ منیزہ بیگم بے حس و حرکت سی کھڑی رہیں۔

"امی جی۔" عباد نے انہیں پکارا۔ تب وہ چونکیں۔

"جیتے رہو بیٹا!" انہوں نے شہریار کے سر پر ہاتھ پھیرا "اللہ عمر دراز عطا فرمائے۔"

"امی جی۔ ہمیں بھی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" امیر حسن مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ منیزہ بیگم نے اسے بھی پیار دیا۔ پھر عباد نے شہریار کا تعارف ربیعہ سے بھی کروایا تھا۔ ربیعہ اسی کیفیت کا شکار تھی۔ وہ چہرہ ایک خاص کشش کا حامل کیوں تھا۔؟ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

عباد ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ ربیعہ منیزہ بیگم کی جانب متوجہ ہوئی۔

"امی۔ آپ بھی چلیں اندر۔ میں تب تک کھانا لگاتی ہوں۔ کافی لیٹ ہو گیا ہے۔" پھر اس نے رک کر منیزہ بیگم کو غور سے دیکھا وہ سکتے کے عالم میں کھڑی تھیں۔

"امی جی۔" ربیعہ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آں۔" وہ چونکی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" ربیعہ ان کا نہایت زرد چہرہ دیکھ کر ڈر گئی۔

"میری طبیعت؟" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولیں۔ "یہ۔ یہ لڑکا۔ کون ہے ربیعہ؟"

"یہ شہریار احمد ہیں۔ ابھی عباد بھائی نے آپ سے متعارف تو کروایا ہے نا۔ امیر حسن صاحب کے کزن اور بزنس پارٹنر ہیں۔ عباد بھائی سے بزنس سے متعلق معاملات ہی تو طے کرنے آئے ہیں۔"

"یہ۔ کہاں سے آیا ہے۔؟" وہ اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھیں۔

ربیعہ کو عجب پریشانی نے آگھیرا' شہریار احمد میں آخر ایسی کون سی بات تھی جو ہر شخص کو ڈسٹرب کرتی تھی۔

"انگلینڈ سے آئے ہیں۔ اب آپ ڈرائنگ روم میں چلیے۔ کچھ دیر بیٹھ کر بے شک اٹھ جائیے گا۔"

"میں ادھر ہی بیٹھی ہوں ربیعہ۔" وہ لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"مجھے آپ کی طبیعت کچھ خراب لگ رہی ہے۔" ربیعہ متفکر سی ہوئی "انیقہ کو بلاؤں؟"

"نہیں۔" وہ فوراً بولیں، "کسی سے کچھ مت کہو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم کھانا لگا دو۔ بچے بھوکے ہیں۔"

ربیعہ ان کے پاس سے اٹھنا نہ چاہتی تھی۔ لیکن ان کا دوٹوک انداز دیکھ کر وہ کچن میں چلی آئی۔

تمام ڈشز ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا کر' ان لوگوں کو ٹیبل پر آنے کا کہہ کر وہ پھر منیزہ بیگم کے پاس چلی آئی تھی۔ وہ آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھی تھیں۔

"امی جی۔" ربیعہ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا "کھانا کھا لیجیے۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے ربیعہ۔" وہ روئی روئی سی آواز میں بولیں۔

"آپ وہاں کھانا نہیں کھائیں گی تو میں بھی نہیں کھاؤں گی۔" ربیعہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم دونوں بعد میں کھا لیں گے۔" پھر انہوں نے آنکھیں کھول کر ربیعہ کو دیکھا "سنو ربیعہ۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد عباد سے پوچھنا۔"

وہ رک گئی تھیں۔ ربیعہ نے دیکھا' ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"جی۔ جی امی۔ کیا پوچھوں؟"

"شہریار احمد کے والد کا کیا نام ہے۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولیں۔

ربیعہ حیرت سے ان کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

ماہین کے کہنے پر وہ عریشہ کا چیک اپ کر رہی تھی۔ نجانے کیوں اس کا نچلا ہونٹ زخمی تھا۔ اس کے پپوٹے متورم تھے اور اسے ہلکا ٹمپریچر تھا۔

"کیا گر گئی تھیں؟" اس نے ہونٹ کو انگلی سے چھوتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"جی!" وہ آہستہ سے بولی۔ "گر گئی تھی۔"

"کہاں سے؟"

عریشہ نے نظر اٹھا کر شہلا کی جانب دیکھا اور خاموش رہی۔ شہلا کو اپنی شادی کے روز سے اب تک کبھی اس لڑکی کی سمجھ نہ آسکی تھی۔ ہر وقت چہرے پر ایک تناؤ' اور انداز میں ایک سوگ کی کیفیت لیے۔ اس لڑکی کو اتنی سی عمر میں کون سے دکھ لاحق تھے' اسے کبھی علم نہ ہو سکا۔

ماہین زیادہ تر اپنے سسرال میں ہی رہتی تھی۔ شاذ و نادر ہی وہ میکے میں نظر آتی تھی۔ اس کے سسرال والے ان معاملات میں کافی سخت تھے پھر بھی شہلا عریشہ کی نسبت ماہین سے زیادہ قریب تھی۔ عریشہ سے تو اکثر ایک نامحسوس سا خوف آتا تھا۔

"کچھ گولیاں لکھ رہی ہوں۔" اس نے سانس بھر کر ماہین کو دیکھا "ایسی تو کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوتی۔ ہلکا سا بخار ہے۔ آنکھیں بتا رہی ہیں کہ۔ روتی رہی ہے۔ یا پھر موسم کا اثر ہے۔ میں نے پُرسکون نیند کے لیے ٹیبلٹ لکھ دی ہے۔ ہونٹ پر لگانے کے لیے ایک مرہم بھی لکھا ہے۔"

اس نے نسخہ ماہین کو تھمایا۔

"میں ابھی حمزہ سے منگوا لیتی ہوں۔" وہ سرہلاتے ہوئے بولی۔

شہلا نے مسکرا کر عریشہ کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"میں اپنے کمرے میں ہوں۔۔۔ ہاشم آجائیں تو کھانا لگاؤں گی۔۔۔ پھر سب اکٹھے مل کر کھانا کھائیں گے۔ ٹھیک ہے نا۔۔۔"

ماہین نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ عریشہ نے آنکھیں موندلی تھیں۔ شہلا باہر نکل آئی' سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے مخصوص رِنگ سنائی دینے لگی تھی۔ کمرے میں اس کا سیل فون بج رہا تھا۔ شہلا نے رفتار تیز کردی اور لپک جھپک کمرے میں چلی آئی۔

آنے والی کال کا نمبر دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔ پھر گہری سانس بھر کر اس نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔۔۔" وہ محتاط انداز میں بولی۔

"ہیلو۔۔۔" دوسری جانب عمر تھا "مما۔۔۔ السلام علیکم۔۔۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔" وہ اسے چومنے کے لیے بے تاب ہوگئی "ٹھیک ہے میرا جانو بیٹا۔۔۔ میری زندگی!"

"آئی ایم فائن مما۔۔۔ آپ کیسی ہیں۔۔۔؟"

"میں۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔ بیٹا!۔۔۔ آپ اس ویک اینڈ پر مما سے ملنے نہیں آئے۔۔۔؟" اس نے موبائل کو دونوں ہاتھوں سے کسی تبرک کی طرح تھاما ہوا تھا۔ الفاظ بے تابی سے۔۔۔ لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔

"بس مما۔۔۔ اس مرتبہ میں اور پپا گاؤں چلے گئے تھے۔۔۔ آپ نے دیکھا ہے ناں پپا کا گاؤں؟ پپا بتا رہے تھے کہ آپ بھی ادھر جا چکی ہیں۔۔۔ پپا نے مجھے وہ کمرہ بھی دکھایا۔۔۔ جس میں آپ رہتی تھیں۔۔۔ مجھے وہ کمرہ بہت اچھا لگا مما۔۔۔ میں جب اس بستر پر سویا تو مجھے بہت اچھی نیند آئی۔۔۔ وہاں مزہ آیا مما۔۔۔ میں نے تو فرسٹ ٹائم گاؤں دیکھا۔۔۔ بہت اچھا لگا۔۔۔"

شہلا کے لبوں پر دھیمی افسردہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کا بیٹا شاید بڑا ہو گیا تھا۔ اس کی گفتگو میں ایک ٹھہراؤ سا محسوس ہوتا تھا۔ اس بچکانہ پن میں واضح کمی محسوس ہورہی تھی جو چند دن پہلے اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ نانی اور خالاؤں سے کہانیاں سنتے سنتے سوجانے والا بچہ اب اسے اپنے سفر کے قصے سنانے لگا تھا۔

"آپ کو مما یاد آئیں؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی مما۔۔۔ بہت یاد آئیں۔۔۔ آپ' نانو' عباد ماموں' ربیعہ خالہ' انیقہ خالہ۔۔۔ میں نے سب کو مس کیا۔۔۔ پھر بھی میں نے بہت انجوائے کیا۔۔۔"

شہلا کی پلکوں پر نمی چمکنے لگی تھی۔ اس کا بیٹا زندگی سے آشنا ہو رہا تھا۔ جینا سیکھ رہا تھا۔

"اور آپ کی پڑھائی۔۔۔ اسکولنگ۔۔۔ وہ سب؟" اس نے خود پر قابو پایا تھا۔

"پپا نے مجھے بہت اچھے ٹیوٹر رکھ دیے ہیں مما۔۔۔ بہت جینئس ہیں میرے سر۔۔۔ انہیں سب کچھ آتا ہے۔ انیقہ خالہ بھی ان جیسا نہیں پڑھا سکتیں۔ پتہ ہے مما! اس مرتبہ شیڈول ٹیسٹ میں میرے مارکس پوری کلاس میں سب سے زیادہ ہیں۔۔۔ پپا بھی خوش ہوئے۔۔۔ مجھے گفٹ بھی دیا ہے انہوں نے۔۔۔"

"اچھا!" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

"مما۔۔۔"

"جی۔۔۔"

"آپ کب تک آرہی ہیں یہاں؟" عمر کے انداز میں قدرے تبدیلی آئی جیسے کوئی اسے کچھ کہنے پر آمادہ کر رہا تھا۔

"میں؟ میں وہاں کیوں آؤں گی عمر؟ وہ صرف آپ کا گھر ہے۔۔۔ میرا نہیں۔۔۔ میرا گھر یہ ہے جہاں میں رہتی ہوں۔ آپ کے ہاشم انکل کا گھر۔۔۔ میں یہاں بہت خوش ہوں عمر۔ اب آپ بڑے ہو گئے ہو۔۔۔ زندگی جینے لگے ہو' انجوائے کرنے لگے ہو۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ" الفاظ اس کے گلے میں پھنسنے لگے تھے۔

"آپ مما کو کم کم یاد کیا کرو۔۔۔ بس کبھی کبھی۔ بہت دل چاہے تو ملنے آجایا کرو۔۔۔ لیکن بیٹا ایسی بات مت کہو جسے پورا کرنا آپ کی مما کے بس میں نہ ہو۔"

"مما۔۔۔ آپ میرے بغیر بھی خوش ہیں؟" وہ آزردہ سا ہو گیا تھا۔

"نہیں' آپ کے بغیر کیوں۔ آپ تو اپنی مما کی جان میں اترے ہوئے ہو۔ ہر وقت' ہر پل آپ کو یاد کرکے مما کا دل دھڑکتا ہے' جیتا ہے لیکن بیٹا! ہمارے درمیان یہ جتنا فاصلہ ہے' اب اٹل ہے۔ اسے کم کرنا نہ آپ کے اختیار میں ہے' نہ میرے۔ اب ہمیں اتنا فاصلہ رکھ کر اسے برداشت کرکے جینا ہے' سمجھے نا آپ؟"

دوسری جانب سے کوئی جواب نہ دیا گیا تھا۔ شہلا کو یکایک ہی احساس ہوا کہ فون عمر کے ہاتھ سے لے لیا گیا تھا۔ اس کی باتیں کوئی اور سن رہا تھا۔

"عمر کا خیال رکھنا' بہت زیادہ۔۔۔ ہمیشہ۔" وہ بولی پھر اس نے لائن ڈس کنکٹ کردی۔

۞ ۞ ۞

عباد نے کمرے کے اندر جھانکا۔ ربیعہ منیزہ بیگم کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر عباد کی جانب دیکھا پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چائے بنا دوں عباد بھائی؟"

"تم لوگوں نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" وہ اندر چلا آیا۔ "امی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"پتا نہیں امی کو اچانک ہی کیا ہوا تھا۔" ربیعہ متفکر سی ہو کر اسے بتانے لگی۔ "ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کا بی پی لو ہو گیا ہو۔ میں نے بہت کہا کہ میں انیقہ کو جگا دیتی ہوں لیکن نہیں مانیں۔ امی بہت ضدی ہو گئی ہیں عباد بھائی۔۔۔ میری تو بالکل نہیں مانتیں۔"

عباد ماں کے قریب بیٹھ گیا اور پر تشویش نظروں سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ منیزہ بیگم دوائی کے زیر اثر سکون کی نیند سو رہی تھیں۔

"ربیعہ! تم امی کا اتنا خیال رکھتی ہو۔" عباد کو اس کا خیال آیا۔ "میں چاہوں بھی تو تمہاری خدمتوں کا۔۔۔۔"

"عباد بھائی پلیز۔۔۔۔ آپ نے ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں۔۔۔۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "آپ۔۔۔ آپ کیوں نہیں بھول جاتے کہ میں اس گھر کا حصہ نہیں ہوں۔"

"ربیعہ۔۔۔" وہ ملائمت سے بولا۔ "تم میری سگی بہن بھی ہوتیں تب بھی میں ان ہی الفاظ میں اسی طرح تمہارا شکرگزار ہوتا۔ تم نے اپنی ناتواں ہستی پر اس گھر کے سب ہی بار بہت سہولت سے اٹھا لیے ہیں۔ اب دیکھو' انیقہ صرف پڑھائی سے تھک کر کیسی بے فکری سے سوئی پڑی ہے اور تم۔۔۔ تم صبح سے کچن میں بھی مصروف تھیں۔ امی کی دیکھ بھال بھی کر رہی تھیں اور۔۔۔ اور اب بھی بے تکان ان کی خدمت کر رہی ہو۔ مجھے خیال آتا ہے ربیعہ کہ ہم نے تم پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالا ہوا ہے۔ تم کچھ کہتی بھی نہیں؟"

ربیعہ سادگی سے مسکرا دی۔

"یہ سب آپ کو محسوس ہو رہا ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پرسکون' پرعافیت چھت کے نیچے ہونے کا احساس اتنا قوی ہے کہ چھوٹے موٹے کاموں کی کوئی اہمیت محسوس نہیں ہوتی۔ آپ سب کی محبتوں نے اتنی آسودگی بخشی ہے عباد بھائی کہ کسی قسم کی تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔"

"تم اتنی زیادہ اچھی ہو تب ہی۔۔۔" وہ پرشگفتہ سے انداز میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تب ہی۔" اس نے دلچسپی سے عباد کو دیکھا۔ "تب ہی کیا؟"
"تب ہی سب کو اچھی لگتی ہو۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔ "ربیعہ! آئی فیل کہ......"
وہ کچھ کہتے کہتے جھجک کر پھر سے رک گیا تھا۔ ربیعہ کو حیرت ہوئی۔
"کہہ بھی چکیں۔ یہ مجھ سے کیا چھپا رہے ہیں آپ؟"
"آئی فیل کہ مسٹر امیر حسن! ام میں انٹرسٹڈ ہو رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "انہوں نے اتنی بار تمہارا پوچھا کہ میں حیرت زدہ اور وہ خود شرمندہ ہو گئے۔ تمہارے بنائے ہوئے کھانے انہوں نے اس قدر ذوق و شوق سے کھائے اور اتنی زیادہ تعریف کی کہ میرا جی چاہ رہا تھا' باقی ماندہ کھانا پیک کر کے ان کے ہمراہ کر دوں۔"
ربیعہ عباد کے منہ سے ایسی باتیں سن کر شرم سے سرخ پڑ گئی۔ اس سے نظریں اٹھانا محال ہو گیا۔
"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" وہ اتنا ہی کہہ سکی۔
"ربیعہ! ہی از سو نائس کہ میں تم سے یہ ٹاپک ڈس کس کیے بغیر رہ نہ سکا۔" عباد بولا۔ "آئی ایم شیور کہ وہ چند ایک روز میں ضرور تمہارے لیے اپنا ہاتھ بڑھائیں گے' اس لیے میں پہلے تم سے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ بولو ربیعہ! ایسی صورت حال میں تمہارا جواب کیا ہو گا؟"
"مجھے نہیں پتا عباد بھائی!" ربیعہ بے طرح گھبرا گئی۔ "مجھ سے ایسی باتیں نہ کیجیے پلیز۔"
"مجھے بڑا بھائی سمجھتی ہو تو اچھے بچوں کی طرح بات کرو۔ ایسی باتوں میں اپنی آزاد رائے استعمال کرنے کا حق ہمیں ہمارے مذہب نے دیا ہے ربیعہ!"
اسی لمحے منیزہ بیگم نے کسمسا کر آنکھیں کھولی تھیں پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
"امی جی!" عباد نے ان کا ہاتھ تھاما۔ "آپ ٹھیک ہیں نا؟"
"وہ لوگ...... وہ لڑکا......" وہ جیسے خواب میں بولی تھیں۔
"کون لوگ؟" عباد کچھ نہ سمجھا۔ "کون لڑکا؟"
"امی شہریار احمد کے متعلق پوچھ رہی ہیں۔" ربیعہ نے اسے بتایا۔
"جی ہاں' وہ جا چکے ہیں۔ کھانے پر آپ لوگوں کا بار بار پوچھ رہے تھے لیکن آپ کا شاید بی پی لو ہو گیا تھا۔ ربیعہ نے میڈیسن دے کر آپ کو سلا دیا تھا۔" عباد ان کا ہاتھ سہلاتے ہوئے نرمی سے بتانے لگا۔
"مجھے اس لڑکے کے باپ کا نام بتاؤ۔" انہوں نے بچوں کی طرح عباد کا چہرہ دیکھا۔
"اس کے...... والد کا نام......" عباد سوچنے لگا۔ "وہ یو کے میں ہوتے ہیں۔ بہت بیمار ہیں۔ پیرالائز ہیں بے چارے۔ میرا خیال ہے...... ہاں یاد آیا...... احمد جہاں زیب ہے ان کا نام۔"
"احمد جہاں زیب......" منیزہ بیگم کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلا تھا۔ "احمد...... جہاں زیب......"
ربیعہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ کیسا عجیب اتفاق تھا؟ اس کے والد کا نام بھی تو...... احمد جہاں زیب ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

شہلا نے از حد حیرانی سے اپنی پوری آنکھیں کھول کر فردوس بیگم کو دیکھا۔
"یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"
"اے...... کچھ بہت انوکھا بول دیا ہم نے؟" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولنے کی کوشش کی تھی۔ "دستور ہے دنیا کا۔ لڑکے والے لڑکی کا ہاتھ مانگتے ہیں۔ ہم بھی سمجھتے ہیں کہ اختر میاں کے مقابلے میں

لڑکی کچھ خوبصورت ہے۔ تو بی! چاند بھی سیاہ آسمان پر ہی چمکتا ہے۔ سامنے سورج آ جائے تو ماند پڑ جاتا ہے اور پھر شکل ہی شکل ہے۔ وہ تمہاری سگی بہن تو نہیں۔ نجانے کہاں سے ٹپکی بن بادل برسات کی مانند اور پھر ایسی جمی کہ ہلنے کا نام نہیں لیا۔ برا مت ماننا مگر ایسی لڑکیوں کے لیے رشتہ دینا بھی جگر والوں کا کام ہے۔ حوصلہ چاہیے بے نام کی بچی کو اپنانے کے لیے۔"
"تو آپ سے کس نے کہا یہ کار خیر کرنے کے لیے۔" شہلا غم و غصے میں حفظ مراتب بھلا بیٹھی۔ "ربیعہ جیسی ہیرا لڑکی کے لیے وہ آپ کے قطوبن رسیدہ بھائی ہی رہ گئے ہیں؟ اگر آپ ایسا سمجھتی ہیں تو آپ بہت غلط رخ پر سوچنے کی عادی ہیں۔ ربیعہ میری سگی بہن نہ سہی لیکن سگی بہنوں سے بڑھ کر پیاری ہے مجھے۔ میرا بھائی اگر اسے بہن نہ مانتا ہوتا تو اسے کسی باہر کے رشتے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور آج تو آپ نے یہ بات کہہ دی۔ آئندہ میں ربیعہ کا نام کسی ایرے غیرے کے ساتھ لینے پر حشر مچا دوں گی۔"
شہلا کے ہاتھ پیر غصے سے بری طرح کانپ رہے تھے۔ فردوس بیگم ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ اسے بہت شائستہ اور نرم خو پایا تھا اور وہ اسے قدرے بزدل بھی جانتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بے حد اطمینان سے اپنا مدعا اس کے سامنے اس طرح پیش کیا تھا جیسے طوعاً" و کرہاً" شہلا کو یہ رشتہ منظور کرنا ہی ہو گا لیکن شہلا کی جانب سے جو رد عمل آیا تھا' اس نے انہیں ششدر کر دیا تھا۔
"یہ تم کس طریق سے مخاطب ہو ہم سے۔" انہوں نے واویلا مچانے کے انداز میں کہا۔
"میں معذرت خواہ ہوں۔" وہ روکھے انداز میں بولی۔ "لیکن آپ کی بات اتنی ہی غلط تھی۔ اپنے بھائی کے متعلق میں کم اور آپ خود زیادہ جانتی ہیں۔ درست فرمایا آپ نے کہ وہ سیاہ رات کی مانند ہیں۔ ایسی سیاہ راتوں کے لیے کوئی چاند نہیں ہوتا۔ میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتی۔"
وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بہت لگاوٹ سے وہ ان کے قریب آ کر بیٹھی تھی تاکہ دلوں کے فاصلے کسی طور کم ہوں لیکن انہوں نے اختر میاں کے لیے ربیعہ کا ہاتھ طلب کر کے اسے ششدر اور سخت خفا کر دیا تھا۔
"ٹھیک ہے' ہم اپنے بیٹے سے بات کریں گے۔ وہ خود سسرال میں یہ معاملہ اٹھائے گا۔" وہ پیچھے سے بولیں۔
"اے ہاں' جب خود ایک بیٹے کا دم چھلا لگا کر ہمارے کنوارے جوان بیٹے کے ساتھ چلی آئی تھیں' تب یہ فرق انہیں نظر نہیں آئے۔ اب آنکھوں میں چبھ رہے ہیں۔"
وہ از حد جل کر بولی تھیں۔ شہلا نے خود پر انتہا درجے کا ضبط کیا اور ایک سانس میں بقیہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔ چند قدم فردوس بیگم جلتی' بڑبڑاتی عریشہ کے کمرے کی سمت بڑھی تھیں۔ کمرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر...... عریشہ کو وہ اکھڑا...... ماہین چونکی تھی۔ ......و؟
"خیریت؟" اس نے ماں کے بگڑے تیور ملاحظہ کیے۔
"ایسی ویسی خیریت۔ ایسے گھر کو جی چاہتا ہے آگ لگا دیں' جہاں ایسے جی کو جلانے والے ہوں۔" انہوں نے ایک خونخوار نظر عریشہ پر بھی ڈالی تھی۔
"کیا ہوا؟" ماہین بے زار سے انداز میں بولی۔
"تمہاری بھابھی بیگم کے پاس سے آ رہے ہیں ابھی۔ واہ وا...... خوب اونچے گھرانے کی ہیں۔ تانے والی اس میں جیسا حقیر جانتی ہیں۔"
"شہلا بھابھی؟" ماہین نے بے اعتبار نظروں سے انہیں دیکھا۔ ......ے ہونے کا
"ہاں وہی' طرم خاں ولد رستم خاں۔ اے میں نے ایسا کیا کہہ ڈالا جو بلبلا ہی اٹھیں۔ جان بچا کے...... ورنہ شاید بھنبوڑ ہی ڈالتیں' ہاں۔"

"خدا کے لیے امی!" ماہین زچ ہوئی۔ "کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کریں۔ شہلا بھابھی جیسی شائستہ خاتون سے کسی برے سلوک کی میں توتوقع نہیں کر سکتی۔"

"شرم کرو۔" وہ اس پر الٹ پڑیں۔ "ماں کو جھوٹا بتاتی ہو؟"

"معاملہ کیا ہے آخر؟" وہ زچ ہو کر بولی۔

پھر ساری بات سن کر اس کی بھی وہی حالت ہوئی تھی جو شہلا کی تھی۔

"غضب خدا کا۔ یہ بات کہتے ذرا لحاظ نہ کیا آپ نے؟" وہ بگڑ کر بولی۔ "کہاں اختر ماموں' کہاں وہ پھولوں سی لڑکی۔ امی جان! آپ نے تو حد ہی کر دی۔ میری بہن کے لیے کوئی ایسے شخص کا رشتہ پیش کرتا تو میں نجانے کیا حال کرتی اس کا۔ کچھ تو سوچا ہوتا آپ نے۔"

"اے بی! یہ دیکھو۔" انہوں نے پھٹ سے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ "یہ دیکھو۔" پھر انہوں نے اپنے کان پکڑ کر کھینچے۔

"اب بولو تو ناک سے سو لکیریں کھینچیں۔ ارے بہن ہوں بہن..... اس مردار کی..... کلیجہ منہ کو آتا ہے اس کی حالت دیکھ کر۔ کیا یونہی رلتے رلتے مرجانے کے لیے اس دنیا میں آیا ہے وہ۔"

"تو امی جی! ان کے حساب سے بھی تو رشتہ دیکھا اور ڈھونڈا جا سکتا ہے۔" ماہین نرم پڑی۔

"وہ جو مرا جا رہا ہے اس کم سن حسینہ کے عشق میں پھر ہم کیا کریں؟"

"کون' اختر ماموں؟" ماہین گنگ ہو گئی۔

"اور کون..... ایک بار یونہی ہم نے ذکر کر دیا۔ وہ تو میرے سر ہو گیا۔ روز صبح صبح اپنا میلا منہ لے کر سامنے آ بیٹھتا ہے۔ ہاتھ پیر جوڑتا ہے پھر ذکر نہ کرتے شہلا سے تو اور کیا کرتے۔"

"اختر ماموں پاگل ہو گئے ہیں۔" ماہین خفا ہوئی۔ "ان کے دماغ کا علاج ہونا چاہیے۔"

"اے' اب تم کوس لو اس بدبخت کو۔" انہیں برا لگا۔ "ماموں نہ ہوا' محلے کا سودائی ہو گیا۔ ارے بھلا چنگا ہے سلامت ہاتھ پیروں کا ہے' نوکری نہیں کرتا تو کیا ہوا' ہم اس کے سرپرست ہیں' اسے پال رہے ہیں' اس کی آل کو بھی پال لیں گے۔ ہم تو اپنی محبت سے مجبور ہیں۔"

"چلیں' کسی سے تو محبت کا دعوا ہے آپ کو۔" ماہین قدرے ناگواری سے بولی۔ "اختر ماموں تو بہت خوش نے۔"

"اس نے؟" اچنبھے سے فردوس بیگم کا منہ کھل گیا۔ "یعنی ہم سب سے نفرت کرتے ہیں' اے بی! کون سی برائی چارے۔ میرا جیہ۔"

"احمد جہاں نے۔" ماہین نے ترشی سے کہتے ہوئے عریشہ کی جانب اشارہ کیا تھا۔ "دیکھیں اس کی اس حالت رہیے اپنی جگہ' کون ہے ذمہ دار اس کا۔"

تھا۔

طمینان سے گویا ہوئیں۔ "اس کا غصہ' اس کی بے جا ضد۔ ہمارے سر کس بات کا الزام لگاتی ہو

شہلا نے از حد یہ ضدی ہے' غصہ ور ہے لیکن ماں باپ کا اور خصوصاً "ماں کا فرض بنتا ہے کہ وہ ہر بچے کو اس کی "یہ۔ یہ آ۔ بہ سے ٹریٹ کرے۔ آپ نے اپنے ہر بچے کو صرف اپنی طبیعت اور عادت کے حساب سے ٹریٹ "اے۔

کی تھی۔ نے کیا ٹریٹ کیا ہم نے؟ ہمیں بھی بتاؤ؟" وہ غصے سے بولیں۔ "یہ ٹریٹ وریٹ کے ناز نخرے نہ کسی نے اٹھائے' نہ ہم کسی کے اٹھانے والے ہیں۔"

"امی!" ماہین دکھ سے بولی۔ "کاش' آپ نے سمجھا ہوتا کہ بیٹیاں کتنی نازک ہوتی ہیں۔ ان کے جذبات آبگینوں کی مانند ہوتے ہیں' ان کے تصورات میں بھی دنیا اتنی اہم ہوتی ہے کہ باقی ہر معاملہ غیر اہم ہو جاتا ہے لیکن افسوس' آپ جیسے ماں باپ اولاد کو موم کی ناک سمجھتے ہیں اور اسی طرح موڑتے ہیں اپنے فیصلوں کے مطابق۔ نتیجہ اس صورت میں بھی سامنے آتا ہے۔" اس نے عریشہ کی جانب اشارہ کیا جس کی بند پلکوں پر موتی لرزنے لگے تھے اور ہونٹ دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے۔

"کون سی گولی ماری ہم نے اسے؟" وہ ابرو چڑھا کر پوچھنے لگیں۔ "جو اس کا نصیب تھا' اسے مل گیا۔ اب جا کر لڑے خدا سے۔ نصیب تو وہی لکھتا ہے۔"

"درست لیکن امی جی! اولاد کو اعتماد میں لے کر فیصلے کیے جائیں تو ایسی غلط فہمیاں کبھی نہیں ہوتیں۔ یہ کیا کہ فرد جرم پڑھ کر سنائی اور سزا دے ڈالی۔ مجھے سخت افسوس ہوتا ہے اسے یوں کڑھتا دیکھ کر۔ نفسیاتی مریض بن گئی ہے یہ۔"

فردوس بیگم چپ سی ہو گئیں۔ کچھ دیر تردد سے انہوں نے عریشہ کا چہرہ دیکھا۔

"کیا بہت برا لگتا ہے اسے نافع؟" پھر انہوں نے سرگوشی میں ماہین سے دریافت کیا۔

ماہین نے سانس بھر کر اپنی ناسمجھ ماں کو دیکھا۔

"ضروری نہیں کہ اسے نافع ناپسند ہو۔ وہ بے چارا تو ایک اچھا' سلجھا ہوا' سیدھا سادا انسان ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اسے کوئی اور پسند ہو۔"

"ہائیں۔" وہ حیرت سے بولیں۔ "بہت خوب پھر تا دیتی ہمیں اپنی پسند۔"

"کاش اتنا اعتماد ہمارے والدین اپنی اولاد کو دے سکیں۔"

اس نے سرد آہ بھری تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ مومن اور ایمان کے دھلے ہوئے استری شدہ کپڑے رکھنے کے لیے ان کے کمرے میں آئی تھی' تب ہی وہ دروازے میں ہی ٹھٹک کر رک گئی۔

مومن کان سے موبائل فون لگائے کسی سے محو گفتگو تھا۔ دھیمی آواز میں وہ کیا باتیں کر رہا تھا' ایقان کے لیے سننا ممکن نہ تھا۔ تب ہی اس نے ذرا سی گردن موڑ کر ماں کو دیکھا اور جلدی سے فون آف کر دیا۔ ایقان چند قدم آگے بڑھ آئی۔

"کس کا فون ہے تمہارے پاس؟" وہ سخت حیرت زدہ تھی۔ "اور..... اور کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

"اپنے دوست سے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"یہ موبائل کہاں سے آیا تمہارے پاس؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"رافع بھائی نے دیا ہے۔" وہ متامل ہو کر بولا۔

"رافع نے؟ لیکن کیوں؟ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"میں نے ان سے کہا تھا' مجھے سیل فون کا شوق ہے' انہوں نے مجھے گفٹ کر دیا بس آپ کو بتانے والی اس میں کون سی بات ہے؟"

"مومن!" اس نے تاسف سے بیٹے کو دیکھا۔ "تم..... تم روز بروز بگڑتے ہی جا رہے ہو۔ بڑے ہونے کا مطلب سرکش ہونا نہیں ہوتا۔"

وہ مڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ چند لمحے دیکھتا رہا پھر مزید سرکشی سے بولا۔

"آپ کا بیٹا ہوں نا' آپ پر ہی گیا ہوں۔"

ایقان کے قریب سے نکل کر وہ باہر چلا گیا۔ ایقان اپنی جگہ جیسے جم کر ہی رہ گئی تھی۔ حیرت' دکھ' تاسف اور غم و غصے سے اس کے اعصاب شل ہونے لگے۔

بوجھل قدموں سے آگے بڑھ کر اس نے مومن کی الماری کھولی اور اس کے کپڑے رکھ کر ان ہی قدموں سے واپس چلی آئی۔ اچانک ہی وہ رکی۔

لاؤنج کے بیرونی دروازے پر اختر میاں کھڑے تھے۔ ایقان کا دل مزید غمگین ہوا۔

"تشریف لائیے۔" وہ قدرے طنز سے' آہستگی سے گویا ہوئی۔

وہ چند قدم آگے بڑھ آئے۔

"کہاں تھے آپ' پچھلے کئی روز سے نظر ہی نہیں آئے۔" وہ آہستہ آہستہ بول کر خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہم... ایقان بیگم! آپ سے معذرت کرنے آئے ہیں۔" اختر میاں قدرے بے مروت سے انداز میں دفعتاً بولے۔

"معذرت؟" ایقان کو حیرت ہوئی۔ "کس بات کی؟"

"ہم اس روز یونہی روا روی میں آپ سے وعدہ کر بیٹھے۔ ہم اپنا وعدہ وفا نہ کر سکیں گے۔"

وہ کان کھجاتے ہوئے بولے۔ ایقان نے حیرت سے پوری آنکھیں پھاڑ کر انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"دراصل بھابھی بیگم نے ہمارے لیے ایک لڑکی پسند کر لی ہے۔" وہ دانت نکوس کر بولے۔ "اور ہمیں وہ سندر پری جی جان سے پسند ہے۔ ہم نے سوچا' آپ ہماری آس میں نہ بیٹھی رہ جائیں۔ اس دن کس خیال میں جانے آپ سے کیا کہہ بیٹھے۔"

ایقان کو ایسا لگا جیسے پورے سمندر کا پانی اس کے سر پر سے بہتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ ذلت اور تحقیر کے احساس سے وہ پوری کانپنے لگی۔

"تم... تم گھٹیا... تم... ایک نظر کرم سے خود کو کوئی دیوتا خیال کر بیٹھے۔" وہ دانت پیستے' مٹھیاں بھینچتے ہوئے آگے بڑھی۔ اختر میاں ڈر کر پیچھے ہٹے۔

"ہمیں گالی مت دیں ایقان بیگم! ہم تو اپنا حق استعمال کر رہے ہیں۔ برسوں پہلے آپ نے بھی تو اپنا حق استعمال کیا تھا۔ آپ اگر بھول گئی ہوں تو ہم نہیں بھولے۔"

ایقان نے جھک کر میز پر رکھی ایش ٹرے اٹھائی اور زور سے انہیں کھینچ ماری۔

"تم صرف اپنی اوقات بھلا بیٹھے ہو' ذہنی کیڑے۔"

اختر میاں اچھل کر ایک طرف ہوئے تھے۔ ایش ٹرے کھڑکی کا شیشہ توڑتی ہوئی گری۔

"تم سمجھے میں تمہارے عشق میں دیوانی ہو رہی ہوں۔" ایقان نے اب ایمان کا کھلونا بس اٹھایا تھا' اس بار وہ اختر میاں کے سر میں جا لگا۔

"تمہارے جیسے کمینے کے لیے اپنی اوقات دکھانے کا اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔"

اختر میاں پورے لاؤنج میں ناچتے پھر رہے تھے۔ ہمیشہ طاری رہنے والی حالت' نشہ ہرن ہو گئی تھی۔ اختر میاں خود بھی ہرن بنے ہوئے لمبی لمبی چھلانگیں مار رہے تھے۔

ایقان کے ہاتھ اب سبزی کاٹنے والی چھری لگ چکی تھی۔ اختر میاں یہ خطرناک نظارہ دیکھ کر زور زور سے

چلانے لگے۔

"تمہارے جیسے عاشقانِ دل کے لیے ایک ہی سیدھا راستہ ہے۔ موت..." وہ دیوانوں کی طرح ان پر جھپٹی۔ دفعتاً وہ پوری کی پوری کسی کے شکنجے میں آگئی تھی وہ رافع تھا۔

"پھپھو... پھپھو کیا دیوانگی ہے یہ..." وہ اس کا چھری والا ہاتھ قابو میں کیے ہوئے تھا۔

"چھوڑو... میں کہتی ہوں چھوڑو مجھے... اس کمینے کو نہیں چھوڑوں گی میں... حساب برابر کرنے آیا ہے کتا... میں اس کے سارے حساب برابر کیے دیتی ہوں۔"

اختر میاں جان بچا کر بڑی مشکلوں سے نکل پائے تھے۔ رافع کو بپھری شیرنی کو قابو کرنا مشکل لگ رہا تھا پھر دفعتاً ہی وہ بالکل ہی بے حس و حرکت ہو کر رافع کے بازوؤں میں جھول گئی۔

☼ ☼ ☼

"شدید مینٹل شاک..." ڈاکٹر نے انہیں بتایا تھا۔ "یہ خوش قسمت ہیں جو اپنے حواسوں پر قائم رہیں ورنہ ان کی دماغی حالت بتا رہی ہے کہ انہوں نے اپنے ذہن پر کوئی بڑا صدمہ برداشت کیا ہے۔"

"یہ صرف اپنی ضد سے لڑ رہی ہیں ڈاکٹر صاحب! اپنی شدید محبت کی نفی کرنے کی سعی کر رہی ہیں۔" رافع تاسف سے بولا۔ اس کے ساتھ ہاشم اور عذرا بیگم بھی ہاسپٹل میں موجود تھے۔

"آج رات یہ ہاسپٹل میں ہی گزاریں گی۔ انڈر آبزرویشن... کل شام آپ انہیں گھر لے جاسکتے ہیں۔" انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ڈاکٹر آگے بڑھ گیا۔ ہاشم سینے پر بازو لپیٹے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا پھر اس نے رافع کو دیکھا۔

"پھپھو نہیں مانیں گی رافع! ہمیں ہی کوئی حل نکالنا ہوگا۔"

"دیکھتے ہیں... ابھی تو... ابھی تو ان کی حالت ایسی نہیں کہ انہیں کچھ بتایا جائے کیا خبر اور بگڑ بیٹھیں۔" عذرا بیگم نے باری باری دونوں کی شکل دیکھی تھی۔

"ہاشم!" رافع نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تم پرسوں اسلام آباد جارہے ہو نا؟"

"ہوں' دو دن کا وزٹ ہے۔"

"پھپھو کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ آفس کے کاموں سے فرصت ملے تو انہیں مری اور بھوربن لے جانا۔"

"پھپھو کو..." ہاشم متامل ہوا۔ "لیکن..."

"سمجھا کرو' انہوں نے اپنا ہنی مون وہیں گزارا ہے۔ ان کی ذہنی حالت پر اچھا اثر پڑے گا۔"

"لیکن رافع یار... یوں... میں اور پھپھو..." وہ گڑبڑایا۔

"تو بھابھی کو بھی ساتھ لے کر جاؤ نا۔" رافع اس کا مدعا سمجھ کر مسکرایا۔ "دو دن کا چھوٹا سا ہنی مون تم بھی منالو۔"

ہاشم کے چہرے پر ایک رنگ سا گزرا تھا۔ اس کی آنکھیں لمحہ بھر کے لیے ویران ہوئی تھیں پھر اس نے خود پر قابو پالیا۔

"شہلا اپنی مرضی کی مالک ہے۔ پتہ نہیں وہ جانا بھی چاہے یا نہیں اور... اور پھپھو... پھپھو کے بارے میں تمہیں کیا گمان ہے؟ یہ صاف انکار کردیں گی۔"

"نہیں کریں گی۔" رافع دھیرے سے بولا۔ "ٹوٹ چکی ہیں اندر سے۔ اپنی کرچیاں سمیٹنے کے لیے انہیں بھی سفر درکار ہے۔ تم اپنی کہو۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر شہلا اور ایقان پھپھو راضی ہوں تو میں ان کے ٹکٹس بھی کنفرم کروالیتا ہوں..."

"ٹھیک ہے... تم ٹکٹس کنفرم کروالو... شہلا بھابی نے اگر انکار کیا تو میں خود ان سے بات کرلوں گا۔ رہے ایمان اور مومن تو وہ امی کے ساتھ دو دن گزار لیں گے..." اس نے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں بالکل..." انہوں نے سر ہلایا "میں بھی سمجھتی ہوں کہ ایقان کو تبدیلی کی ضرورت ہے۔" ہاشم نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☼ ☼ ☼

منیزہ بیگم کی حالت پھر بگڑ گئی تھی۔ عباد اور انیقہ انہیں اسپتال لے گئے۔ ربیعہ پریشانی کے عالم میں گھری ان کی صحت کے لیے دعائیں مانگتی رہی۔

"اسے بار بار ترانہ کا خیال بھی آتا تھا۔ اس سے ملنے کا وعدہ کر کے وہ ایسی الجھنوں میں گرفتار ہوئی تھی کہ باوجود کوشش کے چند گھنٹوں کے لیے بھی نہ جاسکی تھی۔

"نجانے ترانہ کیا سوچتی ہوگی۔ کاش ہم دونوں اتنی عجلت میں علیحدہ ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے فون نمبرز ہی لے لیتے..."

"ترانہ کے پاس عباد کا سیل نمبر تھا جس پر وہ لاہور سے ربیعہ کو چند مرتبہ فون کر چکی تھی لیکن اس روز ترانہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ کچھ ایسی مشکلات کا شکار رہی تھی کہ بہت سی چیزیں اس سے مس ہوگئی تھیں۔

فون کی بیل بجی تو ربیعہ تیزی سے جاء نماز سے اٹھ کر فون تک گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فون ہاسپٹل سے عباد نے کیا ہوگا۔

"ہیلو..."

"السلام علیکم..." دوسری جانب سے نکھری ہوئی شگفتہ آواز سنائی دی تھی۔

"اوہ... وعلیکم السلام۔ امیر حسن صاحب... کیسے ہیں آپ..." ربیعہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی دعاؤں سے خوش باش ہیں..." وہ ہنسا۔ "ہر چند کہ آپ سے کئی شکایتیں بھی ہیں..."

"مجھ سے...؟" وہ متعجب ہوئی۔ "میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں کہ... کہیے... ایسا کیا قصور ہوا ہے مجھ سے؟"

"آپ نے اس روز اتنے مزے دار کھانے کھلائے اور اس طرح کہ ہم آپ کی میزبانی کا شکریہ بھی ادا نہ کرپائے... کم از کم گھر آئے مہمانوں کو گیٹ تک سی آف ہی کر دیتیں۔"

"اوہ..." ربیعہ اس کی بات سمجھ کر مسکرادی "دراصل امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی... میں ان کے پاس تھی..."

"خیریت۔" وہ چونکا۔

"عباد بھائی اور انیقہ امی کو اسپتال لے کر گئے ہیں... ان کی طبیعت کافی ڈاؤن ہو رہی تھی..."

"اوہ... آئی سی... میں معذرت خواہ ہوں مجھے تو بالکل علم نہیں تھا... عباد بھی کمال کا انسان ہے... کم از کم بندہ اتنی تو خیر خبر دیتا ہے اپنی۔ پھر پروفیشنل ازم سے نکل کر بھی ہمارے درمیان دوستی اور خلوص کے کئی رشتے استوار

ہو گئے ہیں۔ اور… اور… شاید مزید کچھ رشتے استوار ہو سکیں… اگر آپ چاہیں تو… مس ربیعہ!" ربیعہ… اس کا مطلب جان کر خاموش کھڑی رہ گئی۔

"آئی ایم سوری کہ اس وقت آپ پریشانی میں ہیں آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں لیکن ایسا ہے کہ میں چند ایک روز میں یو کے جارہا ہوں۔ پاکستان میں معاملات کو فی الوقت شہریار ہینڈل کرے گا… سو جانے سے پہلے یہ معاملات خوش اسلوبی سے کسی حتمی نتیجے تک پہنچانا چاہتا ہوں…"

"ربیعہ چاہتی تھی کہ اسے اس موضوع پر مزید بات کرنے سے روک دے… وہ ہولے سے کھنکھاری۔ امیر حسن اپنی جون میں تھا۔

"مس ربیعہ! میں آپ کو اتنا بتادوں کہ میں عباد سے پرمیشن لے کر ہی آپ سے یہ گفتگو کر رہا ہوں… دراصل… فرام داویری فرسٹ ڈے… آپ نے… عجب سحر انگیز سی کیفیت کا شکار کر رکھا ہے مجھے… پتا نہیں اس کیفیت کو کیا کہتے ہیں؟ کشش 'اٹریکشن' انسیت… یا پھر محبت! آئی ڈونٹ نو ربیعہ… میں خود نہیں جانتا… میں بیٹھے بیٹھے آپ کے خیال میں کیوں کھو جاتا ہوں… اس طرح کہ پھر گردو پیش کا حساب کتاب نہیں رہتا… کبھی کبھی سخت مصروفیت کے عالم میں کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ مکمل فراغت کے احساس کے ساتھ آپ سے گفتگو کی جائے… یا… یا کسی اہم فائل پر کام کرتے کرتے میں نوٹ پیڈ نکال کر آپ کو اسکیچ کیوں کرنے لگتا ہوں۔ مجھے آپ کے گھر کو جاتے رستے کیوں اتنے پسند ہیں۔ آپ کے گھر کے سامنے والے پارک کی خالی بنچ دیکھ کر کیوں مجھے اپنا اور آپ کا خیال آتا ہے… کیوں ربیعہ کیوں؟ اِز اٹ لو…؟"

ربیعہ ریسیور تھامے بے حس و حرکت کھڑی تھی اس کے ماتھے سے پسینہ ٹپک کر اس کی گردن میں سرسراہٹ کرنے لگا۔

"ربیعہ! اس ساری صورت حال کے بعد یہ غیر ممکن ہے کہ میں آپ سے یہ نہ پوچھوں کہ کیا آپ میری زندگی میں شامل ہونا پسند کریں گی…؟ آپ… آپ شادی کریں گی مجھ سے…؟"

ربیعہ نے بمشکل تھوک نگلا۔ گھر میں چھائے ہوئے گہرے سناٹے اور اکیلے پن کے درمیان ریسیور سے آتی ہوئی خواب ناک سی آواز اس کے دل میں کوئی ہلچل مچائے بنا اپنا مدعا سنا رہی تھی۔ ربیعہ کو اپنے پتھریلے جذبات پر حیرت ہوئی اس نے اپنے دل کو ٹٹولا اور خوف زدہ ہوگئی۔

"ربیعہ! میں چاہتا ہوں کہ یو کے جانے سے پہلے میں اپنا مائنڈ بالکل سیٹ کرلوں ایسا ممکن ہے یا پھر ایسا ممکن نہیں ہے… دارومدار آپ کی 'ہاں' یا 'ناں' پر ہے۔" ربیعہ بالکل خاموش کھڑی رہی۔ وہ خود کو ایسے موڑ پر ایستادہ محسوس کر رہی تھی جہاں سے کہیں کسی اور کوئی رستہ نہیں جاتا۔

تیری ایک چپ میں جو ہے چھپی
وہ ہزار باتوں کی بات ہے

امیر حسن دھیرے سے ہنسا تھا۔

"شاید میں نے آپ کو کچھ زیادہ ہی ڈسٹرب کر دیا ہے۔ سو سوری ربیعہ! لیکن یہ حال دل ایسا ہے کہ ایک نہ ایک دن عیاں کرنا ہی پڑتا ہے۔ ٹیک یور ٹائم ربیعہ' آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجیے… بس اتنا ہے کہ میرے یو کے جانے سے پہلے مجھے آگاہ کر دیجیے گا۔ میں تب تک گن گن کر گھڑیاں گزارتا ہوں…"

شاید اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اور ہاں… ایک آخری بات!" وہ بولا "اگر آپ کا جواب 'ہاں' میں ہوا تو میں آپ کو ایک خوبصورت سی 'قانونی ڈور' میں باندھ کر جاؤں گا۔ کیونکہ مصروفیت نے اگر پلٹ کر آنے کی اجازت نہیں دی تو پھر آپ کو وہاں آنا ہوگا۔ کلیئر…؟"

ربیعہ ہنوز گم صم تھی۔

"اللہ حافظ!" امیر حسن نے فون بند کر دیا۔

ربیعہ نے سلسلہ منقطع ہو جانے پر خالی خالی سی نظروں سے ریسیور کو دیکھا جو ابھی کیسی انہونی داستانیں سنا رہا تھا…

وہ پلٹ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جاء نماز تک آئی اور اس پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے آنکھیں بند کیں اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے… دل نے نجانے کسے پکارا تھا۔ ربیعہ نے سہم کر آنکھیں کھول دیں۔



ہاشم نے ہارن دیا تھا۔ شہلا نے عجلت سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور دروازے کی سمت بڑھی۔ فلائٹ صرف ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر تھی اور ایئرپورٹ تک کے رستے میں خاصا ٹائم لگ سکتا تھا۔

گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اجڑی اجڑی سی ایقان بیٹھی تھی۔ اگلی سیٹوں پر ہاشم اور رافع تھے۔ رافع ان لوگوں کو سی آف کرنے جارہا تھا۔

شہلا پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بیٹھی۔ ہاشم نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"شہلا…" دفعتاً وہ بولا "ٹکٹس تمہارے ہینڈ بیگ میں ہیں نا…؟"

"اوہ گاڈ…" شہلا کو اپنے حافظے پر حیرت اور تاسف ہوا… "وہ تو اوپر… کمرے میں… میں ابھی لائی…"

وہ گاڑی سے اتر کر تقریباً دوڑتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی کمرے میں آئی۔

"کہاں… کہاں رکھے تھے…" اس نے ذہن پر زور ڈالا "پتا نہیں ہاشم نے مجھے دیے بھی تھے یا پھر ان ہی کے بریف کیس میں ہوں…"

شہلا نے کونے میں رکھا بریف کیس اٹھایا۔ وہ لاک تھا۔ شہلا کو ہاشم کے مخصوص نمبروں کا علم تھا۔ دوسرے نمبر پر بریف کیس کھل گیا۔

اندر رکھا براؤن لفافہ اٹھا کر اس نے اندر رکھے کاغذات نکالے۔ پھر جیسے وہ گنگ ہوگئی تھی… بالکل ششدر! وہ ڈائی ورس پیپر تھے' بالکل تیار حالت میں' ان پر صرف ہاشم کے دستخط کی ضرورت تھی۔

ہاشم نے اسے طلاق دینے کے لیے کاغذات بنوائے تھے' شہلا کو در و دیوار گھومتے ہوئے محسوس ہوئے۔ نیچے ہاشم نے ہارن پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

39th Episode

یوسف نہ تھے مگر سرِ بازار آگئے
خوش فہمیاں یہ تھیں کہ خریدار آگئے
آواز دے کے زندگی ہر بار چھپ گئی
ہم ایسے سادہ دل تھے کہ ہر بار آگئے
اب دل میں حوصلہ نہ سکت بازوؤں میں ہے
اب کے مقابلے پہ مرے یار آگئے

دانتوں سے لبوں کو کاٹتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم تھی۔ نرم و ملائم سفید بادلوں کے ٹکڑے ایک دوسرے میں مدغم ہوتے اور کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے اس کی نظروں کے سامنے سے گزرتے جاتے تھے لیکن دھیان کا پنچھی ان سے نہیں دور... بہت دور محوِ پرواز تھا۔ اس کے برابر والی نشست پر ایقان کم و بیش اسی کے انداز میں دنیا و مافیہا سے بے خبر آنکھیں بند کیے گویا مراقبہ کررہی تھی۔ اگلی کونے والی نشست پر ہاشم بیٹھا اخبار پڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ شہلا نے ذرا کی ذرا ہاشم کو دیکھا اور ایک مرتبہ پھر اپنے لبوں کو کچلنے کی مشق شروع کردی۔

ایک تیر تھا جو دل میں یوں پیوست ہوا تھا کہ نہ آر ہوتا تھا نہ پار... جو کچھ نظروں نے دیکھا تھا اب دل کو ایک فسانہ معلوم ہوتا تھا۔ یقین کرنا مشکل تھا۔ سوالیہ نشان قطار در قطار اس کے اندر اتر رہے تھے۔ کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟ اس تکرار کا جواب اس کے اپنے پاس نہ تھا جس کے پاس جواب تھا وہ ایک نشست کے فاصلے پر بیٹھا اخبار بینی میں مصروف تھا۔

زندگی کہاں سے شروع ہوئی تھی اور اب کس جانب رواں دواں تھی؟ شہلا نے ایک نگاہ اپنے سفر پر ڈالی۔ اسے احساس ہوا یہ محض اعتبار کا سفر تھا۔ آنکھیں بند کرکے اعتبار کرنے کا سفر۔ اسے دکھ ہوا ہر سفر کا انجام ایک سا کیوں تھا؟

وہ ابرار پر اعتبار کرکے اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ ابرار کے لیے اس کے پاس محبت تھی خلوص تھا وفا تھی، انجام کار دکھ... بے اعتبار ہوجانے کا دکھ...

ہاشم کے ساتھ سفر کی ابتدا کیا تھی؟ محض اعتبار... اس نے بالآخر اس کی خاموش محبت اور دل کو چھوتے جذبوں پر اعتبار کرلیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر ہر اندیشے کو خاموش ہوجانے کا اشارہ کرکے چل پڑی تھی اور اس بار بھی سفر کا انجام مختلف نہ تھا۔

ہاشم کے بریف کیس میں رکھے ہوئے پیپرز کس جرم کی سزا تھے؟ شہلا کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کیا کیا تھا اس نے؟

شہلا نے سوچنے کی کوشش کی۔ شاید... شاید کچھ جرم اس کے نامۂ اعمال میں درج تھے۔ ہاں، شاید اس کے تغافل برتنے کی ادا غلط تھی۔ شاید اظہارِ محبت محض سننا ہی کافی نہ تھا۔ اظہارِ محبت کی جرأت بھی ضروری تھی۔ شاید... شاید لاشعوری طور پر وہ اس کی مہربانی سے بے مہری برت جاتی تھی۔ کبھی کبھی اس کے نازک جذبوں کا ادراک کیے بنا سنگ دلی کا مظاہرہ بھی کرجاتی تھی لیکن یہ سب کچھ تو اس کے رویے کو گزرے وقت کا بخشا ہوا انعام تھا۔ یہ ادائے بے مہری و سنگدلی اس کا اپنا مزاج نہ تھی۔ یہ تو یادِ ماضی کا شاخسانہ تھی۔ ہاشم کو اس سے شکایت نہیں ہونا چاہیے تھی۔ ہاشم نے اسے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ زنگ آلود تالوں پر برہم ہونے سے کیا حاصل؟ وہ تو خود ایک ناقابلِ بیان الجھن و مشکل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کسی مسیحا کے منتظر... کسی اسمِ اعظم کے تمنائی اور محبت سے بڑا اسمِ اعظم کیا ہے؟

ہاشم نے اس کی محبت پر اعتبار نہ کیا، اسے کم از کم اپنے جذبوں کی پختگی پر تو یقین ہونا چاہیے تھا وہ اپنے ہی جذبوں کو رسوا کرنے کیوں چلا تھا؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہونے لگا، رگیں کھنچنے لگیں، وہ نہایت بے بسی کے عالم میں ایقان کی طرح نڈھال ہو کر نیم دراز ہوگئی۔



شامِ غم کی سحر نہیں ہوتی یا ہم ہی کو خبر نہیں ہوتی
ہم نے سب دکھ جہاں کے دیکھے ہیں بے کلی اس قدر نہیں ہوتی
دوستو! عشق ہے خطا لیکن کیا خطا درگزر نہیں ہوتی
ایک جاں سوز و نامراد خلش اس طرف ہے ادھر نہیں ہوتی
دل پیالہ نہیں گدائی کا عاشقی دربدر نہیں ہوتی
"دل... پیالہ نہیں گدائی کا..."

ہاشم کے سینے میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ تہہ شدہ اخبار آنکھوں پر رکھے وہ ایک ہاتھ کے فاصلے پر موجود نفس کے احساس کو خود پر کسی غلاف کی طرح لپٹا ہوا محسوس کررہا تھا۔

سنگ دل ہے وہ تو کیوں اس کا گلہ میں نے کیا
جبکہ خود پتھر کو بت، بت کو خدا میں نے کیا!

"قصوروار اگر کوئی ہے تو وہ میرا دل ہے شہلا... تم ہر الزام سے بری ہو۔ تمہاری آمادگی کو میں محبت سمجھا... تو کیوں سمجھا؟ تمہاری رضامندی کو میں نے اپنے جذبوں کی سچائی کی جیت جانا... کیوں جانا؟ تم سے شکایت کا کوئی حق میرے پاس نہیں ہے... تم نے مجھے اگر اپنی محبت تک پہنچنے کا راستہ بنایا تو کوئی بات نہیں۔ مجھے تم سے گلہ نہیں ہے... میرے سینے پر سر رکھ کر تم نے کسی اور کی دھڑکن کو سننا چاہا تو بھی کوئی بات نہیں۔ محبت میں نے بھی کی ہے... اس کی منہ زوری سے میری ناتواں ہستی بھی واقف ہے شہلا... یہ بہت ایمان دار بھی ہوتی ہے... بہت بے ایمان بھی... تمہیں میری ذات کا رستہ چاہیے تو میں تمہیں یہ رستہ دوں گا۔ تم جہاں تک جانا چاہتی ہو، میں تمہیں پہنچاؤں گا۔ تمہارا اضطراب، تمہاری یہ کشمکش۔ کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ پانا۔ میری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بس یہ کہ تھوڑا سا انتظار... تھوڑا سا صبر... ایک بار اور آخری بار میرے گھر کی خوشیوں میں شراکت داری کرلو پھر جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا... میری مٹھی میں تمہارا وجود نہیں ہے شہلا... صرف تمہارے آنچل کا ایک کونا ہے۔ تمہاری آنکھوں کا اذنِ رخصت میری مٹھی کھول دے گا... میرا یقین رکھنا۔"

اخبار کے کونے نے اس کی آنکھ کی نمی جذب کی تھی۔ جہاز بازو پھیلائے محوِ پرواز تھا۔



سب مایا ہے، سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے
اس عشق میں ہم نے جو کھویا جو پایا ہے
جو تم نے کہا ہے، فیض نے جو فرمایا ہے
سب مایا ہے
جو لوگ ابھی تک نام وفا کا لیتے ہیں
وہ جان کے دھوکے کھاتے، دھوکے دیتے ہیں

ہاں ٹھوک بجا کر ہم نے حکم لگایا ہے
سب مایا ہے
جب دیکھ لیا ہر شخص یہاں ہرجائی ہے
اس شہر سے دور اک کٹیا ہم نے بنائی ہے
اور اس کٹیا کے ماتھے پہ لکھوایا ہے
سب مایا ہے

آنکھیں موندے وہ اندر ہی اندر کہیں پگھل رہی تھی۔ کیا بچا تھا اس کے پاس؟ اک جھوٹی انا کا احساس تھا، سو وہ بھی نہ رہا۔ کسی رزم کے شکست خوردہ سپاہی کی مانند جس نے آخری دم تک ہتھیار اٹھائے رکھے اور پھر ہر راستہ مسدود پا کر خودکشی کر لینا چاہی۔ بچ جانے کے باوجود جس کے پاس جینے کا کوئی اخلاقی جواز تک نہ ہو، ایقان خود کو ایسا ہارا ہوا سپاہی محسوس کر رہی تھی، زندگی نے جسے خود تک پہنچنے نہ دیا اور موت جس سے کترا کر نکل گئی۔ بس سانس کی زنجیر پیر میں بیڑی کی مانند پڑی تھی۔

آہ... کتنی خوش نصیب تھی اس کے بائیں جانب بیٹھی ہوئی شہلا جس پر زندگی ممتا کی مانند مہربان تھی جس کی ڈولتی ناؤ کو ہر بار محبت کا مہربان سہارا مل جاتا تھا، جس کے سر پر تنی اعتماد کی چادر لمحہ بھر کو سرکتی تھی تو اگلے ہی پل یقین اور اعتبار کے رنگ پھر اسے گھیرے میں لے لیتے تھے۔

کتنا خوش قسمت تھا اس کے دائیں جانب بیٹھا ہوا ہاشم، اس نے زندگی سے جو مانگا، زندگی نے اس کی خاطر سنبھال رکھا اور پھر اس کی جھولی میں ڈال دیا۔

اور کتنی بدنصیب تھی وہ... سب کچھ پا کر بھی کچھ نہ پا سکی۔ رنگوں، خوشبوؤں، پھولوں کی شیدائی تھی وہ۔ اور اب سونا دل، خالی ہاتھ لیے نجانے کس رستے کی مسافر تھی۔

آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ ہار گئی تھی، وہ عاشر سے ہار گئی تھی، وہ قسمت سے ہار گئی تھی، وہ خود سے ہار گئی تھی۔ اس نے اپنے سارے ہتھیار گرا دیے تھے۔ اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ جیسی بنائی گئی ہے، اسے ویسا ہی رہنا ہے، اسے جتنی حد دی گئی ہے، وہ بس وہاں تک ہی جا سکتی ہے۔ قسمت میں جو جیسا پیش آتا ہے، اسے خندہ پیشانی سے قبول کرنا ہے۔

ہر کوئی شہلا جیسا نصیب لکھوا کر نہیں لاتا۔ ہر کوئی ہاشم جیسا پُرخلوص اور قابلِ بھروسہ نہیں ہوتا۔ وہ شہلا نہیں ایقان تھی۔ عاشر، ہاشم نہیں تھا۔ اس نے کیوں اس کی ذات میں ہر خوبی کو مجتمع دیکھنا چاہا تھا۔ جتنا پیار وہ ایقان کو دے سکتا تھا، اس نے دیا تھا، اس سے زیادہ اس کے بس میں نہیں تھا۔ ایقان نے کیوں اس سے زیادہ کی طلب کی؟ وہ قصوروار تھی، اس نے اسے انسان سمجھنے سے انکار کیا، اسے فرشتہ سمجھنے اور فرشتوں کا سا سلوک پانے پر مصر رہی۔ رتی بھر جھکنے سے انکار کر کے وہ اسے اپنے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کرتی رہی۔

نتیجہ وہی تھا جو ایسی کسی بھی سرپھری ضد کا ہوتا ہے۔ آج وہ تنہا تھی، ذہنی طور پر خود کو بیمار پژمردہ تصور کر رہی تھی۔ دوسرے اسے زندگی کی طرف لانے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ زندگی کو خود سے بھاگتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

صلیب وقت پہ میں نے پکارا تھا محبت کو
مری آواز جس نے بھی سنی ہوگی، ہنسا ہوگا

☼ ☼ ☼

منیزہ بیگم اس طرح ہسپتال گئیں کہ پھر لوٹ کر گھر نہ آسکیں۔ انہیں ایڈمٹ کر لیا گیا تھا۔ عباد گھر لوٹا تو اس کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔ وہ از حد پریشان معلوم ہوتا تھا۔ ربیعہ کا دل اس کی صورت دیکھ کر دھک سے رہ گیا، وہ اس کے پیچھے پیچھے گئی۔

"عباد بھائی...!"

عباد نے مڑ کر ربیعہ کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں گہرا دکھ تھا۔

"ربیعہ! تیاری کر لو۔ تمہیں امی کے پاس ہاسپٹل جانا ہے۔ میں تمہیں ہی لینے آیا ہوں۔" دکھ کے گہرے احساس سے اس کی آواز بوجھل ہو رہی تھی۔

"امی... امی کو کیا... کیا ہوا ہے عباد بھائی؟" ربیعہ کو پوری دنیا اندھیر ہوتی محسوس ہوئی۔

عباد خاموش رہا پھر اس نے اپنی رسٹ واچ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

ایک گلاس پانی لا دو... پلیز۔" وہ اس کے سوال کا جواب دینے سے احتراز کر رہا تھا۔ ربیعہ دھڑکتے دل کے ساتھ پانی لینے چل دی۔

ایک مہربان سائبان تھا جس کے نیچے وہ پناہ گزین تھی۔ ربیعہ کو نجانے کیوں اپنے سر سے وہ مہربان سایہ دور جاتا ہوا محسوس ہوا۔ پانی لے کر وہ واپس لوٹی تو عباد ایک ہاتھ سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

"عباد بھائی...! پانی..." وہ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد آہستگی سے بولی۔

عباد نے سر اٹھایا۔ ربیعہ بری طرح سے چونکی۔ عباد کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"ربیعہ...!" وہ بولا۔ "وہی ہوا جس کا شک تھا۔ امی کو... بلڈ کینسر ہے... وہ... وہ... شاید... زیادہ عرصے تک نہ جی پائیں۔ ہماری امی ہم سے بچھڑ جائیں گی ربیعہ!"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ ربیعہ کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ وہ چند لمحے ساکت کھڑی عباد کو روتا دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر چیختی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیوں فکر کرتی ہو؟" وہ ربیعہ کو خود سے لپٹا کر اطمینان سے بولیں۔ "میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک۔ کل ہم گھر چلیں گے۔"

ربیعہ نے بے بسی سے ان کے چہرے کی جانب دیکھا، وہ ان سے کیا کہتی؟ وہ ان سے کیا کہہ سکتی تھی؟

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" انہوں نے ربیعہ کے بال سمیٹ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ "تم ایسی صورت بنا کر بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ مجھے تو تم مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔ میری آنکھوں میں روشنی سی بھر جاتی ہے۔"

ربیعہ ایک ٹک انہیں دیکھتی رہی۔ وہ ایک دو دنوں میں ہی بالکل گھل سی گئی تھیں۔ ان کی رنگت پہلے بھی کملائی کملائی سی تھی لیکن آج ان کے چہرے پر مردنی کا تاثر اتنا واضح تھا کہ ربیعہ بالکل گم صم سی ہو گئی۔

"شہلا نہیں آئی؟" وہ اداسی سے بولیں۔

"آپی اسلام آباد گئی ہیں، کل پرسوں تک آ جائیں گی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"اتنی اداس کیوں ہو ربیعہ!" وہ تھکے تھکے انداز میں پوچھنے لگیں۔ "کیا میری وجہ سے پریشان ہو؟ مت ہو پریشان۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور... بہت خوش ہوں..."

ربیعہ خاموش رہی، عباد بھی بالکل خاموش سا صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ انیقہ، ربیعہ کے آنے پر گھر جا چکی تھی۔ اسے بھی رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔ کمرے میں ہلکی سی سردی اور بوجھل پن تھا۔

"عباد...!" منیزہ بیگم بولیں۔

"جی امی۔۔۔!" وہ چونکا اور جلدی سے اٹھ کر ان کے قریب چلا آیا۔ "کہیے۔"
"تم اب گھر جاؤ' آرام کرو۔"
"میں یہاں بالکل ٹھیک ہوں اور آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"
"ماں کی بات نہیں مانو گے تو ماں خفا ہو جائے گی۔" وہ دھیرے سے بولیں۔
عباد نے بے بسی سے ربیعہ کی طرف دیکھا۔ اس نے آہستہ سے سر ہلا کر اسے جیسے جانے کا اذن دیا۔
"لیکن۔۔۔ یہاں خدانخواستہ کوئی ضرورت۔۔۔۔"
"یہاں صرف مریض کی ضرورت ہوتی ہے' سو میں ہوں۔" وہ اطمینان سے بولیں۔ "میرا خیال رکھنے کے لیے ربیعہ ہے۔ تم اب جاؤ' آرام کرو۔ انیقہ کا خیال رکھنا۔"
عباد ناچار اٹھا تھا' چند قدم چل کر وہ ربیعہ تک آیا۔
"ربیعہ۔۔۔! کوئی۔۔۔ مسئلہ ہو تو فوراً۔۔۔"
"جی ٹھیک ہے۔۔۔۔ آپ کے سیل پر کال کروں گی۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بولی تھی۔



رات کا سناٹا گہرا تھا' اتنا گہرا کہ آپ ہی بولتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ کمرے میں خنکی کا احساس لحظہ بہ لحظہ بڑھنے لگا۔ سوتی ہوئی ربیعہ کو نجانے کس احساس نے جگایا تھا' اس نے گردن گھما کر برابر کے پلنگ پر سوتی ہوئی منیزہ بیگم کو دیکھا پھر اس کی نظر کھڑکی کے بند شیشے پر پڑی۔ ان کا کمرہ دوسری منزل پر تھا اور کھڑکی کے شیشے سے پرے ہاسپٹل کے لان کا سبزہ قریب کھڑے ہونے سے دکھائی پڑتا تھا۔ دور سے صرف اندھیرا ہی باہر فضا میں پھیلا ہوا دکھائی دیتا تھا۔
ربیعہ نجانے کیوں نیم غنودگی کے عالم میں اس اندھیرے کو گھورتی رہی جیسے کوئی انجانا احساس وہاں دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا پھر اس نے وہاں ایک ہیولہ نمودار ہوتا دیکھا اور ہیولے نے آہستہ آہستہ دادی کا روپ اختیار کر لیا۔
"ربیعہ۔۔۔۔ ربیعہ۔۔!" وہ اسے پکار رہی تھیں۔
ربیعہ کو اپنی جگہ پر ان کی آوازیں ایسے سنائی دے رہی تھی جیسے وہ اس کے قریب ہی بول رہی ہوں۔
"دادی۔۔۔ دادی۔۔۔! آجائیں۔۔۔۔ اندر آجائیں۔۔۔۔" ربیعہ نے انہیں پکارا۔
اتنے دنوں کے بعد وہ دادی کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔ دادی خوش نہیں لگتی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں اداسی منجمد ہو چکی تھی۔ پریشان بالوں اور سوکھے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ وہ بیمار لگ رہی تھیں۔
"دادی۔۔! اندر آجائیں۔۔۔" ربیعہ نے پھر انہیں پکارا۔
"وہ۔۔۔ وہ نہیں آنے دیتی۔" انہوں نے اشارہ کیا۔
"کون؟" ربیعہ نے حیرانی سے چاروں طرف دیکھا۔ "کون؟"
"وہ۔۔۔ وہ جو بستر پر لیٹی ہے۔"
ربیعہ نے دیکھا' بستر پر منیزہ بیگم لیٹی تھیں۔
"یہ۔۔۔۔؟ یہ تو میری امی ہیں۔" ربیعہ مسکرائی۔
"ہاں۔" وہ بولیں۔ "یہ مجھے اندر نہیں آنے دیتی۔ اس سے کہو ربیعہ! مجھے اندر آنے دے۔" وہ لجاجت سے بولیں۔ "باہر سردی ہے' اور مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"
ربیعہ کو ان پر بہت ترس آیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا جسم

پتھر کا ہو گیا ہے' وہ اٹھ نہ پائی۔

"ربیعہ....!" دادی اچانک ہی شیشے سے دور ہونے لگیں۔ "ربیعہ! مجھے روک لو۔ اس سے کہو مجھے اندر آنے دے۔"

"دادی...." ربیعہ نے ہاتھ بڑھا کر انہیں روکنا چاہا۔ "رُک جائیں۔"

"اس سے کہو ربیعہ! اس سے کہو...." وہ لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔

"امی... امی...!" ربیعہ نے بے ساختہ منیزہ بیگم کو پکارا۔ "امی...."

دادی اب دور ہوتے ہوتے پھر سے ایک ہیولے کا روپ اختیار کر چکی تھیں۔

"امی.... امی....!"

یک لخت ربیعہ کی آنکھ کھل گئی' وہ اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا گلا خشک تھا اور تنفس بے حد تیز ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا' کمرے کا ماحول بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ چند لمحوں قبل اپنے خواب میں دیکھ رہی تھی۔ وہی اندھیرا' وہی سناٹا' وہی خنکی۔ اس نے کھڑکی کے شیشے کو دیکھا جس کے پار کھجور کے درخت ہلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس نے برابر میں سوئی ہوئی منیزہ بیگم کو دیکھا۔

پھر وہ آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے وہ کھڑکی تک آئی اور باہر دیکھنے لگی۔ باہر ڈراؤنا' گمبھیر سناٹا تھا۔ ربیعہ نے آہستگی سے کھڑکی کھولی پھر یک لخت ہی وہ بری طرح سے کپکپا گئی۔ باہر سے ہوا کا اتنا سرد جھونکا اندر آیا تھا کہ ربیعہ کے ہاتھ سن ہو گئے۔ ہر چند کہ سردی نے ابھی پوری طرح سے اپنے قدم نہیں جمائے تھے' ربیعہ کو خوف محسوس ہوا۔ اس نے جلدی سے کھڑکی بند کی اور پلٹ کر بمشکل اپنی جگہ تک آئی۔ اپنی جگہ پر بیٹھ کر کمبل اوڑھ کر وہ کچھ سوچنے کی کوشش کرنے لگی۔

"وہ.... وہ مجھے اندر نہیں آنے دیتی۔" اسے دادی کی بات یاد آئی۔

ربیعہ نے حیران' سوچتی ہوئی نظروں سے بستر پر لیٹی منیزہ بیگم کو دیکھا جو پر سکون دواؤں کے زیر اثر بے خبر سو رہی تھیں۔ ربیعہ اب تک کمرے میں ایک انجانا اثر محسوس کر رہی تھی۔ باقی کی رات ربیعہ نے یونہی بیٹھے بیٹھے گزار دی تھی۔



باہر پھیلی ہوئی رات بہت خوبصورت تھی۔ اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑی شہلا نے بھوربن کی ساری خوبصورتی اور دلکشی کو ایک ہی سانس میں اپنے اندر سمونا چاہا۔ نجانے زندگی میں پھر کبھی ایسی دلکش رات اتنا بھرپور وقت میسر آنا بھی تھا یا نہیں۔

"تم ہو ساتھ رات بھی حسیں ہے.... اب تو موت کا بھی غم نہیں ہے۔"

لتا کی خوبصورت آواز نے یک لخت ہی جیسے ماحول کو مزید سحر انگیز کیا تھا۔ شہلا نے حیرانی سے مڑ کر دیکھا۔ شیشے کے دروازے کے پار بیٹھا ہاشم ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔ شہلا کافی دیر سے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ قریباً سورج کے ڈوبنے کے وقت سے۔ بھوربن کی خوبصورتی سے اس کا جی نہ بھرتا تھا۔ کبھی وہ طالب علمی کے زمانے میں کالج کی جانب سے آل پاکستان ٹور پر گئی تھی' تب کالج کی دوستوں کے پورے ٹولے کے ساتھ یہاں آئی تھی۔

تب وہ اور ایقان ہاتھوں میں ہاتھ دیے یہاں سڑکوں پر گھومتی پھری تھیں۔ مری' پتریاٹہ' بھوربن' نتھیا گلی.... انہوں نے سب ہی کچھ ناپ چھوڑا تھا اور قصد کیا تھا کہ وہ لوگ ہر سال نہ سہی تو چند ایک سال بعد ضرور یہاں آیا کریں گی اور اب کتنے سالوں بعد قسمت چند روز کے لیے یہاں لائی تھی' وہ بھی اس طرح کہ شہلا اکیلی ٹیرس پر

کھڑی پی سی کے خوبصورت لان کو ایک گہری اداسی کے ساتھ دیکھ رہی تھی اور ایقان برابر کے کمرے میں لائٹس آف کیے بستر پر لیٹی نجانے کیا سوچ جاتی تھی۔

شہلا نے ایک بار پھر مڑ کر کمرے میں اکیلے بیٹھے ٹی وی دیکھتے ہاشم کو دیکھا' اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ہاشم بھی اس کے پاس وہاں ٹیرس پر چلا آئے۔ اسی التفات کے ساتھ جو اس نے شہلا کے لیے وابستہ کر رکھا تھا' وہ نرمی بھری محبت جو دھیرے دھیرے دل کے دروازے پر دستک دیتی تھی' آج نجانے کہاں گم تھی۔ وہ بولتی آنکھیں' وہ راز افشا کرتی مسکان' وہ سکون آمیز لمس.... ہاشم نے اپنے سب ہی خزانے نجانے کہاں چھپا دیے تھے۔ ایک گہری خاموشی تھی جو اس نے خود پر طاری کر لی تھی۔

شہلا کو ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر ہیر زیاد آئے۔ اس کی پلکوں پر نمی چمکنے لگی۔ ہاشم نے ایسا کیوں سوچا؟ وہ کیا کرنے جا رہا تھا؟ اس نے شہلا سے کچھ بھی کیوں نہیں کہا؟ اور.... اور.... وہ کس بات کا انتظار کر رہا تھا؟



"تم ہو ساتھ رات بھی حسیں ہے' اب تو موت کا بھی غم نہیں ہے۔"

ہاشم کی چینل بدلتی انگلیاں ایک جگہ تھم گئیں۔ کتنا خوبصورت گیت تھا۔ محبت کا کیسا درد آشنا احساس تھا' وہ چینل بدلنا بھول گیا۔

کن اکھیوں سے اس نے باہر ٹیرس پر کھڑی شہلا کو دیکھا جسے وہاں کھڑے کھڑے دو گھنٹوں سے زیادہ کا ٹائم ہو چکا تھا۔

"کس سے بھاگ رہی ہو تم...." اس نے آزردگی سے سوچا۔ "جو خود تمہیں ہر غم' ہر فکر سے آزاد کرنے کی ٹھان چکا ہے۔ شہلا! کیوں اتنی دیر کی تم نے؟ کیوں اتنا جبر کیا خود پر۔ مجھ سے پہلے دن ہی آزادی مانگ لیتیں۔ میں زندگی کی پہلی اور آخری رات تمہارے ساتھ گزار کر بھی شادمان رہتا کہ محبت میں اتنا کام آنا فرض ہے اہل دل پر۔ اگر ابرار مجھے سب کچھ نہ بتاتا تو میں ساری عمر تمہارے تنفر اور تمہاری بے مہری کو سمجھ کر بھی کچھ نہ سمجھ پاتا۔ نہ جان پاتا کہ تم نے میرا ساتھ کیوں قبول کیا۔ اپنا نام میرے نام سے وابستہ کیوں کیا۔ میں نہ جان پاتا شہلا! کبھی نہ جان پاتا لیکن اب میں تمہیں یہی راہ چلتے رہنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ رستہ بدلنا چاہتی ہو' میں تمہیں دوسرا رستہ دوں گا لیکن یہ بے مہری' یہ بے گانگی' یہ اجنبیت.... کچھ دن تو میری بن کر جیو' کچھ دیر کو تو پاس آؤ۔ چند لمحے تو ساتھ گزار دو۔

"کچھ دن تو بسو میری آنکھوں میں پھر خواب اگر ہو جاؤ تو کیا...."

اس کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔ ٹی وی پر نشر ہوتے اداس گیت دل کا درد مزید بڑھا رہے تھے۔ چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی شہلا خود سے بہت دور محسوس ہو رہی تھی۔



ڈاکٹرز منیزہ بیگم کا چیک اپ کر رہے تھے۔ انیقہ بھی وہاں موجود تھی۔

ربیعہ کمرے سے باہر نکل آئی' اس کا دل بے طرح اداس ہو رہا تھا۔ آنے والے مہمان شاید ابھی سے یاسیت اور احساس تشنگی سے بھری ہوئی تھیں۔

آہستہ آہستہ کاریڈور میں چلتے ہوئے وہ ٹھٹک کر رکی۔ سامنے سے آتی دونوں خواتین آشنا تھیں۔ ربیعہ بیگم' عذرا بیگم اور روہ آ رہی تھیں۔ ربیعہ نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ اب کیسی ہیں منیزہ بہن!" رابعہ بیگم نے پوچھا۔

ربیعہ سے اس سوال کا جواب نہ دیا جا سکا' اس کی آنکھوں میں پانی بھر گیا۔
"آیئے نا آپ لوگ۔۔۔" وہ انہیں لے کر کمرے کی جانب بڑھی۔
ڈاکٹرز باہر نکل رہے تھے۔ وہ لوگ اندر داخل ہوئیں تو گم صم سی منیزہ بیگم قدرے سنبھل گئیں۔ سلام دعا کے مراحل سے گزر کر وہ لوگ ان کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔ منیزہ بیگم اپنی اصل بیماری سے آگاہ نہ تھیں۔ وہ انہیں اپنی تکالیف کے متعلق بتانے لگیں۔
ربیعہ کا دل پہلے ہی پژمردہ اور اداس تھا' وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی۔ چند لمحوں بعد وردہ بھی باہر نکل آئی۔
ربیعہ کمرے کے سامنے بنی بڑی سی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی' جہاں سے ہسپتال کا لان نظر آتا تھا۔ وردہ اپنی جگہ ٹھٹک کر رک گئی۔ ایک ہاتھ دیوار پر دھرے وہ ربیعہ کو دیکھنے لگی۔ زرد رنگ لباس پر سفید دوپٹہ پہنے جس کے کناروں پر نہایت نفیس کروشیہ بنا ہوا تھا۔ ربیعہ بے حد کم عمر اور معصوم نظر آ رہی تھی۔ سیاہ آنکھیں دور سے بھی نم اور اداس معلوم ہوتی تھیں۔ گلابی لب ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ اس کی پشت پر پڑی سیاہ چوٹی اس کی شخصیت کی کشش میں بے پناہ اضافہ کر رہی تھی۔ وردہ اس کے قریب پہنچ کر کھنکھاری تو وہ چونک اٹھی۔
"ارے وردہ۔۔۔!" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔ باہر کیوں چلی آئیں تم؟"
"بس یونہی۔" وہ بھی دھیرے سے مسکرائی۔ "تم کیوں چلی آئیں باہر؟"
ربیعہ نے گہری سانس بھر کر سر جھکا لیا۔
"آنٹی ضرور ٹھیک ہو جائیں گی۔" وردہ نے اسے تسلی دی۔
"ہاں ان شاء اللہ۔" وہ آہستگی سے بولی۔
دونوں دھیرے دھیرے کاریڈور میں چلنے لگیں۔
"اور تم سناؤ۔۔۔ یونیورسٹی جا رہی ہو؟" ربیعہ نے پوچھا۔
"ہاں لیکن تمہارے بغیر مزہ نہیں آتا۔"
"میں اب یونیورسٹی نہیں جا سکتی۔" ربیعہ بولی۔ "میں امی کو اس طرح چھوڑ کر ایک پل کے لیے بھی کہیں نہیں جا سکتی۔"
وردہ نے گردن موڑ کر اس کا چہرہ قدرے دھیان سے دیکھا۔
"تم۔۔۔ بہت اچھی ہو ربیعہ۔"
"اور تم سناؤ۔۔۔" ربیعہ نے موضوع بدلا۔ "شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟"
"اگلے ہفتے ناعمہ' ثانیہ اور عریشہ تینوں ایک ساتھ مایوں بیٹھ رہی ہیں۔" وہ ہنسی۔ "بس یوں سمجھو ہم خود کو بھول جائیں گے۔ اتنا ہنگامہ مچا ہوا ہو گا۔ تم ضرور آنا ربیعہ!"
"نہیں۔۔۔" ربیعہ دھیرے سے بولی۔ "میں کہاں آ پاؤں گی وردہ! تم مائنڈ مت کرنا لیکن میں نہیں آ سکتی۔"
"کسی ایک فنکشن میں تو۔۔۔ پلیز۔" وردہ نے اصرار کیا۔
"تمہاری شادی میں آؤں گی' ضرور۔" ربیعہ مسکرائی۔
وردہ یک لخت ہی خاموش ہو گئی۔ دونوں کاریڈور کے کونے پر پہنچ کر رک گئی تھیں۔ "میری مانو تو تم بھی ان تینوں کے ساتھ ہی مایوں بیٹھ جاؤ۔" ربیعہ دل پر دھرا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔ "سب لڑکیاں خیریت سے نمٹ جائیں گی۔" وردہ قدرے تلخی سے مسکرائی تھی۔
"میری فی الوقت تو ایسا کوئی ارادہ نہیں۔"
"کیوں؟" ربیعہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔

"بس۔۔۔ ربیعہ میں۔۔۔ میں شاید۔۔۔" وردہ نے اٹک اٹک کر کچھ کہنا چاہا۔
ربیعہ اسے حیرانی سے دیکھتی رہی۔
"میں شاید۔۔۔ رافع سے شادی نہ کر پاؤں۔" وہ بالآخر بولی تھی۔
"وردہ۔۔۔!" ربیعہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "لیکن کیوں' کیا برائی ہے رافع میں؟"
"بس۔۔۔ دل۔۔۔ دل آمادہ نہیں ہوتا۔" وردہ بے اختیار اپنی انگلیاں اضطراری انداز میں موڑنے لگی۔
ربیعہ نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا' وہ چند لمحے کچھ بھی بولنے کے قابل نہ رہی۔
"ربیعہ! میں اتنے عرصے سے دل کو یہی سمجھانے کی کوشش کرتی رہی کہ ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے جو فیصلہ کر دیا' ہمیں اسی کو قبول کر لینا چاہیے۔ خوش دلی سے یا بے دلی سے۔ بڑوں کی سوچ ہماری سوچ سے کہیں آگے ہوتی ہے۔ ایسی بہت سی باتیں میں سوچتی رہی ربیعہ! خود کو بہلاتی رہی لیکن آج میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کرنے کا اختیار انسان کے اپنے پاس ہونا چاہیے۔"
ربیعہ حیرانی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔
"لیکن وردہ! تمہاری امی۔۔۔"
"امی نے یہ اختیار خود مجھے دیا ہے۔ اس منگنی کو رکھنے کا یا۔۔۔ نہ رکھنے کا۔۔۔"
"تمہیں۔۔۔ تمہیں رافع سے۔۔۔ کوئی شکایت۔۔۔" ربیعہ کے الفاظ اس کے گلے میں پھنس گئے۔
"نہیں۔" وہ فوراً بولی تھی۔ "میں صرف اپنی بات کر رہی ہوں۔ میں نہیں سمجھتی کہ میں رافع کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے ربیعہ! کہ رافع میں کوئی برائی ہے' وہ بہت اچھا انسان ہے۔ سوفٹ' ویل مینرڈ' عزت کرنے والا۔۔۔ لیکن دل بھی کبھی بہت منفرد احساس مانگتا ہے۔ میرے لیے رافع کے پاس کچھ بھی منفرد نہیں ہے۔"
ربیعہ کو احساس ہوا کہ وہ وردہ کی باتوں سے ایک ناقابل بیان دکھ میں مبتلا ہو رہی ہے۔
"ہو سکتا ہے رافع کو میرے فیصلے سے دکھ ہو۔" وہ کچھ دیر بعد بولی لیکن اس سلسلے میں' میں خود کو بے بس پا رہی ہوں۔ میں رافع کے لیے دعا کرتی ہوں کہ اسے کوئی بہت ہی اچھی' پیاری' سلجھی ہوئی لڑکی مل جائے جو رافع کو محبت اور وفا دے اور رافع اسے پورا اعتماد اور خلوص دے سکے۔ ایسی لڑکی۔۔۔ ربیعہ!"
ربیعہ نے چونک کر وردہ کو دیکھا۔
"ربیعہ تم۔۔۔ تم شادی کر لو نا رافع سے!"
"وردہ۔۔۔ پاگل ہوئی ہو۔۔۔" ربیعہ خفا ہوئی۔
"میں نے کہا نا' وہ بہت اچھا انسان ہے' وہ تمہیں زندگی کی ہر خوشی دے سکتا ہے۔ بولو ربیعہ! کیا میں اس سلسلے میں شہلا آپی سے بات کروں؟"
ربیعہ خاموش ہوئی' کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے نظر اٹھا کر وردہ کو دیکھا۔
"نہیں وردہ! یہ ممکن نہیں ہے۔"
"کیوں؟" وہ جیسے حیرت سے چیخی۔ "کیوں ممکن نہیں ہے؟"
"کیونکہ میں کسی کو۔۔۔ یہ اقرار دے چکی ہوں۔۔۔" ربیعہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔
وردہ حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔
"پوچھ سکتی ہوں' وہ خوش نصیب کون ہے؟" کچھ دیر بعد وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔
"امیر حسن۔ عباد بھائی کا بزنس پارٹنر۔"

وردہ چند لمحے دانتوں سے لب کاٹتی رہی۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا ربیعہ!" وہ مایوسی سے بولی۔

"وردہ!" ربیعہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "زندگی کی عمارت کبھی بھی جذبات کے ستونوں پر قائم نہیں کی جاتی۔ تدبر، معاملہ فہمی، دوراندیشی، بنیادوں میں ان سب کا ہونا بہت ضروری ہے۔ تم جو کچھ بھی سوچ رہی ہو محض جذبات کے دھارے میں بہہ کر سوچ رہی ہو۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر اپنی زندگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس فیصلے میں جذبات کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی یہ فیصلہ تدبر اور دوراندیشی کے سہارے کرو۔ تم نے ابھی بالکل ٹھیک کہا کہ رافع کسی بھی لڑکی کو زندگی کی ہر خوشی دے سکتا ہے۔ وہ لڑکی کسی اور کو نہیں، تمہیں ہونا ہے وردہ۔ صرف تمہیں۔"

اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود وردہ کے ہاتھ کو سرد تر اور بے جان سا ہوتا ہوا محسوس کیا پھر اسے تھپتھپا کر چھوڑ دیا۔

"آؤ، کمرے میں چلیں۔ سب لوگ کہیں گے کہ ہم دونوں نجانے کہاں چلے گئے۔" وہ دونوں کمرے کی جانب مڑ گئیں اور آہستہ آہستہ کاریڈور کے کونے سے دور ہونے لگیں۔ تب بہت آہستگی سے رافع وہاں سے آگے بڑھا تھا۔ اس نے کونے پر نمودار ہو کر دور جاتی ربیعہ اور وردہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ اداسی اور دکھ تھا۔ وہ خود کو بے تحاشا تھکا ہوا اور نڈھال محسوس کر رہا تھا۔

وردہ اور ربیعہ کمرے میں داخل ہو کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں تو وہ بے جان ہوتے قدموں سے واپسی کے لیے مڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

ہسپتال کے لان میں ایک دور افتادہ کونے میں بنی سنگی بنچ پر بیٹھ کر اس نے خود کو بہت تنہا، اداس اور ادھورا محسوس کیا۔ اتنا ٹوٹا ہوا اور اس قدر پژمردہ۔ اس نے خود کو کبھی پایا ہو... اسے یاد نہ تھا۔

وہ صرف منیزہ بیگم کی مزاج پرسی کے لیے وہاں آیا تھا، اس میں اس کی کسی اور چاہ یا تمنا کا دخل نہ تھا۔ لیکن یہاں آ کر دل نے کیسا بوجھ سہا تھا، وہی جانتا تھا۔

"میں... میں شاید رافع سے شادی نہ کر پاؤں۔" وردہ نے کہا تھا۔

"بس... دل آمادہ نہیں ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ میں رافع کے ساتھ خوش رہ سکتی ہوں۔"

"میرے لیے رافع کے پاس کچھ بھی منفرد نہیں ہے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ میں یہ اقرار کسی اور کو دے چکی ہوں۔" یہ ربیعہ کی آواز تھی۔

"زندگی کی عمارت کبھی بھی جذبات کے ستونوں پر قائم نہیں کی جاتی۔"

"وہ لڑکی... کسی اور کو نہیں... تمہیں ہونا چاہیے وردہ..."

رافع نے اپنا سر بینچ کی پشت سے ٹکایا اور آسمان کی وسعتوں کو کھوجنے لگا۔ کتنا حقیر، کتنا بے مایہ تھا اس لمحے اس کا وجود جسے کوئی بھی اپنانے کو تیار نہ تھا۔

اس نے لان میں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھا۔ پودوں کو... پھولوں کو... سنگی بینچوں کو... فوارے کو... سبز گھاس کو... اس نے ہر شے کو دزدیدہ نظروں سے دیکھا جیسے وہ سب اس کا بھید جانتے تھے جیسے وہ سب اسی پر مسکرا رہے تھے۔ اس پر طعنہ زن تھے۔ رافع کا جی چاہا کہ وہ ساری دنیا سے اپنا چہرہ چھپا لے۔

گہری سانس بھر کر وہ سیدھا ہوا۔ تب اس نے دور روش پر عباد اور امیر حسن کو اندر کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔ لمحہ بھر میں وہ رخ موڑ گیا تھا۔ فی الوقت کسی کا سامنا کرنے کو جی آمادہ نہ تھا۔ جیب میں اپنی گاڑی کی چابی کی موجودگی کا یقین کرتے ہوئے وہ پارکنگ کی سمت بڑھنے لگا تھا۔



پی سی بھوربن کے سرسبز وشاداب لان میں بیٹھی وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ نرم دھوپ اس کے پیروں سے ذرا پرے گلاب کی کیاریوں پر دمک رہی تھی۔ ایقان کی نظریں اس جگہ پر جم گئیں۔ کئی سال پہلے اسی جگہ بیٹھ کر اس نے کتنے شوق سے تصویریں بنوائی تھیں۔ وہ تصویریں اب تک اس نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔

ایقان کی پلکوں پر موتی چمکنے لگے۔ دل میں ایک ہوک اٹھی تھی جس نے سوئے ہوئے ہر جذبے کو جگا دیا تھا۔ خوابیدہ جذبے کسمسانے لگے تھے۔ اس کا جی چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ قدم قدم پر بکھری ہوئی یادیں اپنا آپ منوانے لگی تھیں۔

اچانک ہی سیاہ اسٹریپ والی چپلوں میں قید دو نہایت گورے، حسین پیر اس کے قریب آ کر رکے تھے۔ ایقان نے ذرا کی ذرا سر اٹھایا۔ وہ جو کوئی بھی تھی، بے حد حسین تھی۔ چہرے مہرے سے وہ فارنر لگتی تھی۔ ایقان اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ بھی بے حد غور سے ایقان کا نقش نقش دیکھ رہی تھی۔

"یس؟" چند لمحوں بعد ایقان حیرانی سے بولی۔

"میں اگر غلطی پر نہیں ہوں تو تم ایقان ہو۔" وہ انگریزی میں بولی۔

ایقان نے نہایت حیرت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں کچھ دیر یہاں تمہارے پاس بیٹھ سکتی ہوں۔" وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

ایقان نے پھر سر ہلایا، وہ محتاط سے انداز میں اس کے قریب بیٹھی۔

"آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟" ایقان نے پوچھا۔

"یہاں کس کے ساتھ آئی ہوئی ہو؟" اس نے ایقان کا سوال نظرانداز کر دیا۔

"میں اپنے بھتیجے اور اس کی بیوی کے ساتھ... اس کی بیوی میری بہت اچھی دوست بھی ہے۔"

ایقان نے اپنے سوال سے اس کا احتراز واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

"یہاں تو اپنے شوہر کے ساتھ آنا چاہیے۔" وہ مسکرائی۔

اس کی مسکراہٹ میں ایک واضح اداسی تھی جس نے اس کی پلکوں کو بھی نم کر دیا۔ ایقان لمحہ بھر کے لیے خاموش سی ہو گئی۔

"وہ پاکستان میں نہیں ہوتے۔" پھر وہ آہستگی سے بولی۔

"پاکستان میں نہیں ہوتے؟" اس فارنر لڑکی کو حیرت ہوئی۔ "پھر... پھر کہاں ہیں وہ؟"

"وہ..." ایقان لمحہ بھر کو رکی۔ "جاپان میں۔"

"نہیں۔" وہ بے اختیار بولی تھی۔ "وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔"

ایقان بے طرح چونکی۔ بے یقینی سے وہ اس فارنر لڑکی کو گھورنے لگی۔

"تم... تم جانتی ہو میرے شوہر کو؟"

"یس... آف کورس... بہت اچھی طرح سے... اسی لیے تو میں تمہیں جانتی ہوں۔"

"تم کون ہو؟"

"الزبتھ۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"الزبتھ؟" ایقان نے دہرایا۔ "لیکن عاشر سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"ایک کولیگ کا، ایک اچھے دوست کا اور یکطرفہ محبت کا۔ میں اس سے محبت بھی کرتی تھی۔"

ایقان کے وجود کو ایک جھٹکا لگا۔

"لزا؟" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔ "تم... تم لزا ہو نا؟"

"ہاں میں لزا ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔

ایقان کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ اس کا جی چاہا تمام اخلاقیات بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ اس منحوس عورت کا گریبان پکڑ لے اور طمانچے مار مار کر اس کا چہرہ لال کر دے۔ یہی عورت اس کی بربادی کا سبب تھی۔ اس کی زندگی کی تمام تر خوشیاں دکھ میں بدل دینے میں اس عورت کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے نفرت کی شدت سے اپنے جسم میں جھٹکے لگتے محسوس کیے۔

"لزا..." کسی مرد کی بھاری آواز بے حد قریب سے آئی تھی۔ "لزا ڈارلنگ۔"

لزا چونک کر مڑی۔ ایقان نے بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والے کو دیکھا۔ وہ چہرے مہرے سے پاکستانی ہی لگتا تھا۔

"ہائی ہسبینڈ... منیر... اور منیر یہ ایقان ہیں۔ میرے بہت اچھے کولیگ عاشر کی وائف۔"

لزا، ایقان کے جذبات سے بے خبر ان دونوں کا تعارف کروا رہی تھی۔ منیر صاحب شائستگی سے سر ہلا رہے تھے۔

"نائس ٹو میٹ یو مسز عاشر۔" پھر وہ اسی رسمی و شائستہ مسکراہٹ کے درمیان بولے۔ ایقان نے بمشکل ذرا سا سر ہلایا تھا۔

"ڈارلنگ... لنچ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ لزا سے مخاطب تھے۔

"سوری منیر! میں نے ناشتہ کافی ہیوی کیا ہے۔ اب میں شام تک کچھ نہیں کھاؤں گی۔ آپ لنچ لینا چاہیں تو میں یہاں مسز عاشر سے گپ شپ لگاؤں؟" لزا نے مسکراتے ہوئے اجازت چاہی۔

"اوکے ڈیئر... ایز یو وش... پھر ہم اپنے روم میں ملتے ہیں۔"

"اوکے۔" لزا نے جلدی سے ہاتھ ہلا دیا۔

ایقان کا ذہن ان کی گفتگو کی جانب ذرا بھی نہیں تھا۔ وہ تو مسلسل عاشر کے متعلق سوچ رہی تھی۔ عاشر نے اس سے کہا تھا کہ وہ چند ہی روز میں لزا سے شادی کر رہا ہے۔ اس کے بعد اس نے کبھی ایقان سے رابطہ نہ کیا۔ پھر اس نے ایقان کو ایک خطیر رقم بھیج دی اور اس کے بعد سے اس کا کچھ اتا پتا نہ تھا۔ یہاں لزا کسی اور کے ساتھ موجود تھی اور اسے اپنا شوہر بتاتی تھی۔ نجانے معاملہ کیا تھا۔ ایقان کا ذہن ایک جگسا پزل میں الجھا ہوا تھا۔

"یہ... یہ تمہارا شوہر ہے؟" منیر کے جانے کے بعد اس نے جلدی سے پوچھا۔

"یقیناً... میں نے ابھی بتایا ہے تمہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "شاید تم یہ نہ جانتی ہو مسز عاشر کہ میں نے عاشر کو پروپوز کیا تھا۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ میں محبت کرنے لگی تھی اس سے۔ تم اس کی بیوی ہو، سمجھ سکتی ہو کہ کوئی بھی عورت جو عاشر جیسے مرد کی قربت میں رہے، وہ اسے چاہنے لگے گی۔ وہ نہ صرف ہینڈسم بلکہ بہت پیارا انسان ہے۔ کیوں، ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟"

ایقان سے کچھ بھی نہ بولا جا سکا۔ نہ اس نے لزا کا گریبان پکڑا، نہ اس پر تھپڑوں کی بارش کی، نہ مغلظات بکیں

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ اتنا ضرور تھا کہ عاشر کا ذکر اور وہ بھی ایسے الفاظ میں سن کر اس کا دل سینے میں یوں تڑپنے لگا تھا جیسے کسی نے اس پر چھری چلا دی ہو۔ عاشر کی بے پناہ محبت جو خون میں حل شدہ تھی جیسے ہر رگ جاں سے چھن کر کاسئہ دل میں جمع ہو رہی تھی۔

"پھر... تم نے مسٹر منیر سے کیوں شادی کر لی؟" دھواں دھواں لہجے میں وہ اتنا ہی پوچھ سکی۔

"کیونکہ عاشر کے انکار سے میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔ میں اسی جیسا مرد چاہتی تھی۔ اتنا ہی مکمل' اتنا ہی پیارا' اتنا ہی نائس۔"

"عاشر... کے... انکار...؟" ایقان بس حیرت سے بڑبڑا کر رہ گئی۔

"پھر میں نے طے کیا تھا کہ اگر کبھی شادی کی تو کسی پاکستانی مرد سے کروں گی' کسی مسلمان سے۔ میں نے محسوس کیا تھا ایقان! کہ عاشر میں جتنی بھی خوبیاں تھیں جو کہ مجھے اٹریکٹ کرتی تھیں' وہ اسے اس کے مذہب نے عطا کی تھیں۔ تمہارا مذہب بہت عمدہ ہے ایقان! میں... میں پچھلے چند ماہ سے یہاں پاکستان میں ہوں۔ منیر کی جاب امریکہ میں ہے۔ وہ ایک کانٹریکٹ کے سلسلے میں جاپان آئے تھے' جہاں ہماری ملاقات ہوئی اور ہم نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ تب سے ہم چھٹیاں لے کر پاکستان آئے ہوئے ہیں۔ یہاں آ کر میں نے تمہاری مشرقی روایات کو بہت قریب سے دیکھا اور جانا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ میں اگلے چند دنوں میں اسلام قبول کر لوں۔ میرا دل... میرا دل مسلمان ہو چکا ہے۔ بس اقرار کی دیر ہے اور میں لزا سے..." وہ خاموش ہو گئی۔

ایقان اس کی بات مکمل ہونے کے خیال سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"لزا سے... ایقان بن جاؤں گی۔" اس نے مسکرا کر اور قدرے جھینپ کر اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

"میں نے اپنا اسلامی نام یہی سوچا ہے۔"

دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئیں پھر لزا نے اسے دیکھ کر جھجکتے ہوئے کہا۔

"عاشر کہاں ہے؟ کیا اب وہ پاکستان میں ہے؟"

ایقان نے کھوئی کھوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور خاموش رہی۔

"میں نے اسے پرپوز کیا تو اس نے انکار کیا جس سے میرے دل کو بہت ٹھیس پہنچی۔" لزا بتانے لگی۔ "میں نے غصے میں اسے نجانے کیا کچھ کہہ دیا' وہ ناراض ہو گیا پھر اس کے بعد کبھی مجھ سے نہیں ملا۔ اس نے جاپان جا کر اپنی جاب تبدیل کر لی۔ ہمارے راستے الگ ہو گئے۔ میں نے اسے کئی بار دوستی کا پیغام بھیجا لیکن اس نے جواب نہیں دیا پھر نجانے وقت کی دھند میں وہ کہاں گم ہو گیا۔"

لزا کی نگاہیں بھوربن کی پہاڑیوں پر چمکتی دھوپ دیکھنے لگیں۔

"ایک... بات پوچھوں لزا...؟" ایقان نے ٹوٹتے لہجے میں جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں ضرور' مجھے خوشی ہو گی۔ یوں بھی میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔"

"تمہارے اور عاشر کے مابین کس قسم کے تعلقات رہے تھے؟"

لزا کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ کچھ دیر ایقان کو دیکھتی رہی۔

"میں نے ابھی تمہیں بتایا تھا ایقان! کہ مجھے تمہارے شوہر کی جس خوبی نے اٹریکٹ کیا' وہ اسے تمہارے مذہب نے دی۔ وہ یہی خوبی تھی' یہی بات جو تم مجھ سے جاننا چاہتی ہو۔ میں اس کے پاس جاتی تھی' اسے اپنی قربت کی آنچ سے پگھلانے کی کوشش کرتی تھی۔ اپنے جلوؤں کی بھرپور داد اس کی بے بسی اور بے چارگی سے وصول کرنا چاہتی تھی لیکن ایقان! نجانے یہ تمہاری محبت تھی یا اس کا ایمان... وہ پگھلتے پگھلتے بھی سنبھل جاتا تھا جیسے... جیسے اس کے اندر بیٹھا کوئی فرشتہ عین وقت پر اس کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارتا ہو۔ وہ یونہی چونکتا تھا' یونہی ہڑبڑاتا تھا۔

اس کی مدہوشی اچانک ہی ہوش مندی میں بدل جایا کرتی تھی۔ وہ بے بس ہوتے ہوتے پھر سے توانائی حاصل کر لیا کرتا تھا۔ تمہاری محبت سے یا اپنے ایمان سے۔ یہ دونوں باتیں اخلاقی ہیں اور یہ اخلاقیات تمہارا مذہب سکھاتا ہے۔"
اس نے گہری سانس بھری۔
"اسی لیے میں نے سوچا تھا کہ جب بھی شادی کی..... کسی مسلمان مرد سے کروں گی اور اگر وہ پاکستانی بھی ہو تو کیا کہنے۔ خدا نے میری دونوں آرزوئیں پوری کر دیں۔" وہ مسکرائی۔
ایقان کو اس کی مسکراہٹ بھورین کی چمکتی دھوپ سے زیادہ خوبصورت محسوس ہوئی۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ایقان کو خود پر بیک وقت رشک بھی آیا اور خود سے نفرت بھی محسوس ہوئی۔
"تم نے مجھے کیسے پہچانا تھا لزا؟" اب وہ قدرے دوستانہ سے انداز میں بولی۔
"عاشر اپنے والٹ میں تمہاری اور اپنے بچوں کی تصویر رکھتا تھا۔ بہت صاف گوئی سے بتا دوں کہ تمہارے بچے مجھے بالکل یاد نہیں لیکن تمہارا نقش میرے حافظے میں محفوظ رہ گیا۔ ویسے کیا اب میں پوچھ سکتی ہوں کہ عاشر کہاں ہے؟"
"عاشر..." وہ آہستگی سے بولی۔ "ہمیں پاکستان میں ہیں۔"
"کیا کر رہا ہے آج کل؟"
"مجھے اور بچوں کو یاد کر رہا ہے۔"
"اسے یہاں کیوں نہیں لائیں؟" لزا حیرانی سے بولی۔
"اگلے ماہ لے کر آؤں گی۔" وہ مسکرائی۔

☼ ☼ ☼

سوٹ کیس کو لاک کر کے اس نے سر اٹھایا۔ شہلا اس کے بالکل قریب کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں میں دکھ اور بے اعتباری تھی۔ ہاشم جز بز سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔
"ایقان پھپھو اب تک نہیں آئیں۔"
"بس آتی ہی ہوں گی۔"
"اسلام آباد پہنچنے میں بھی دو گھنٹے لگ جائیں گے۔" اس نے گھڑی دیکھی۔ "اب ہمیں نکلنا چاہیے۔ کمپنی کا ڈرائیور بھی صبح سے گاڑی لے کر آیا ہوا ہے' وہ ہمارا منتظر ہے۔"
"میں کیا کر سکتی ہوں۔" وہ شاکی سے انداز میں بولی۔ "میں اور میرا ہینڈ بیگ تیار ہے۔"
اسی وقت بیل ہوئی تھی۔ ہاشم نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ باہر ایقان کھڑی تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ ہاشم نے غور سے ایقان کا چہرہ دیکھا۔
"چلیں؟" وہ شادمان سی بولی۔
ہاشم کے ابرو حیرت سے تن گئے۔ ایقان کے گزشتہ سارے انداز غائب ہو چکے تھے۔ وہ بالکل پہلے والی ایقان نظر آتی تھی۔
"آپ..... تیار ہیں....."
"ہاں..... بالکل..... میرا بیگ بھی تیار ہے۔" وہ مسکرا دی۔ "کیوں بھئی شہلا! مختصر سا ہنی مون کیسا گزرا۔ دیکھو میں نے تم لوگوں کو بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کیا۔ گواہ رہنا' کہیں جا کر سب سے کہو۔ پھپھو نے رنگ میں بھنگ ڈالا' کباب میں ہڈی بنی رہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔"

ہاشم نے بے اختیار شہلا کو اور شہلا نے بے اختیار ہی ہاشم کو دیکھا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں حیرت کے سمندر تھے۔
"میں اپنا بیگ لے آؤں پھر نیچے چلتے ہیں۔ میرا انتظار کرنا۔" وہ ان کی حیرانی سے قطع نظر مسکراتی ہوئی مڑ گئی۔
"یہ تو..... بالکل تبدیل ہو گئیں؟" ہاشم کہے بنا نہ رہ سکا۔ "رافع ٹھیک کہتا تھا۔" شہلا نے جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن ایقان کے جملے میں الجھا ہوا تھا۔ "ہنی مون کیسا گزرا؟" ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ اپنے مختصر سے "ہنی مون" کے متعلق سوچنے لگی تھی جس میں ہاشم نے مراقبے کے سوا کچھ نہ کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم چاہتے ہو عباد..... کہ مرتے وقت..... مجھے ذہنی سکون میسر نہ ہو؟"
عباد نے چونک کر ماں کی جانب دیکھا۔ وہ گلوگیر لہجے میں اپنی بات کہہ کر اب شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
"امی....." وہ دکھ سے بولا۔ "یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟"
"تم نے مجھے یہاں اسپتال میں کیوں لا کر بسا دیا ہے عباد! میں یہاں نہیں مرنا چاہتی میرے بچے! میں اپنے گھر میں' اپنے بستر پر بہت سکون سے جان دینا چاہتی ہوں۔ تمہیں خدا کا واسطہ ہے عباد! مجھے یہاں سے لے چلو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" انہوں نے سچ مچ دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ آنسو ان کی آنکھوں سے رواں تھے۔
عباد تیزی سے ان کے قریب گیا اور انہیں سینے سے لگا لیا۔
دونوں ماں بیٹا رونے لگے۔ ربیعہ بھی اشکبار ہو گئی۔
ابھی ڈاکٹروں نے انہیں مختلف انجکشن لگا رکھے تھے۔ منیرہ بیگم کے لیے یہ سب کچھ قابل برداشت نہ تھا۔ انہوں نے کبھی کسی بات کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا تھا۔ ہر تکلیف وہ خاموشی سے اندر ہی اندر اسی لیے سہتی آئی تھیں کہ انہیں ہاسپٹلز اور ان کمروں سے بے پناہ خوف محسوس ہوتا تھا۔
"میں یہاں نہیں رہ سکتی عباد! تم اپنی بیمار ماں کو آخری لمحوں میں خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتے ہو تو مجھے یہاں سے لے چلو۔"
"ٹھیک ہے۔" وہ بے بسی سے بولا۔ "جیسے آپ کی مرضی۔"
"زندگی کے چند دن مزید کم ہو جائیں گے نا بیٹے..... اچھا ہو گا۔"
عباد جذبات پر قابو پانے کے لیے اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ ربیعہ انگلی سے آنسو صاف کرنے لگی۔
"شہلا نہیں آئی۔" وہ اداسی سے بولیں۔
"آپی کی فلائٹ ایک گھنٹے بعد ایئرپورٹ پہ اترے گی۔" ربیعہ نے گھڑی دیکھی۔
"اسے کسی نے کچھ بتایا تو نہیں؟"
"نہیں..... لیکن ہاشم بھائی کو عباد بھائی نے بتا دیا تھا۔ وہ شہلا آپی کو آپ سے ملوانے لے آئیں گے۔"
"میں شہلا سے گھر پر ملوں گی۔" وہ بضد ہوئیں۔ "عباد سے کہو بس ابھی چھٹی لے کر مجھے گھر لے چلے۔"
ربیعہ خاموش ہو رہی۔ اب ان کی ضد سے الجھنا ممکن نہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

(ان شاء اللہ آخری قسط آئندہ ماہ)

چالیسویں قسط

ترانا‘ ربیعہ کو دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

صوفے پر بیٹھا ہوا عبدالباری بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”اگر تمہیں اچھی طرح سے جانتی نہ ہوتی تو یہی سمجھتی کہ تم ماضی کے ساتھ مجھے بھی بھلا چکی ہو اور اب تمہیں مجھ سے ملنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے لیکن...“ ترانا گلوگیر لہجے میں بات ادھوری چھوڑ کر ہنس دی۔

”لیکن میں اپنی ربیعہ کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں‘ اس لیے لمحہ بھر کے لیے بھی میرے دل میں کوئی شک‘ کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوا۔ مجھے علم تھا کہ تم کسی مجبوری کے تحت ہی میرے گھر نہ آسکی ہو گی اور یہاں پہنچ کر یہ خیال ٹھیک ثابت ہو گیا۔ انیقہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ آنٹی کی طبیعت اب کیسی ہے؟“

ربیعہ نے نم آنکھوں سے ترانا کا پرخلوص چہرہ دیکھا۔

”ہم انہیں گھر لے آئے ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے‘ وہ اب ٹھیک ہیں؟“ ترانا مطمئن ہوئی۔

”ڈاکٹرز جواب دے چکے ہیں۔“ وہ خود پر کمال ضبط کر کے بولی۔ ”دل کی تسلی کے لیے ٹریٹ منٹ چل رہا تھا لیکن امی نے ضد کی کہ وہ ہسپتال میں مزید ایک گھنٹہ بھی نہیں رکیں گی۔ مجبوراً۔“

”اوہ۔“ اس کے بازوؤں پر ترانا کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔

”بہت افسوس ہوا یہ سب کچھ جان کر...“ عبدالباری بولا۔

”آپ کیسے ہیں باری بھائی...“ ربیعہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ ”دکھ کی شدت سے دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔ آپ سے سلام دعا تک نہ کی۔“

”اٹس اوکے ربیعہ!“ وہ نرمی سے مسکرایا۔ ”میں تمہاری کیفیت محسوس کر سکتا ہوں۔“

”آپ لوگ بیٹھیں نا۔“

”میں پہلے آنٹی کو دیکھنا چاہوں گی۔“ ترانا بولی۔ ”باتیں تو کبھی بھی کی جا سکتی ہیں‘ ان کی عیادت ضروری ہے۔“

”آؤ امی کے کمرے میں چلتے ہیں۔“ ربیعہ ان کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں منیزہ بیگم کے پاس لے آئی۔ وہ دوا کے زیر اثر نیم غنودگی میں تھیں۔ انہیں دیکھ کر قدرے ہشاش بشاش نظر آنے کی کوشش کرنے لگیں۔

”کیسی ہو بیٹی!“ ربیعہ کے تعارف کروانے پر وہ خوش ہو کر بولی تھیں۔

”جی میں ٹھیک ہوں‘ آپ...“

”اللہ کا احسان ہے۔“ وہ مطمئن انداز میں بولیں۔

”ایسا لگتا ہے جیسے آپ کو کہیں دیکھا ہو۔“ ترانا نے جیسے حافظے پر زور دیا۔

”ہو سکتا ہے۔“ وہ شفقت سے مسکرائیں۔ ”تم ربیعہ کی وہی بہن ہو نا جو ایک مرتبہ بازار میں اسے ملی تھیں۔“

”جی ہاں لیکن تب میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔ آپ شاپ کے اندر تھیں۔ ربیعہ اور میں شاپ سے باہر تھے۔“

”مجھے ربیعہ نے بتایا تھا کہ اسے تم سے ملنے جانا ہے لیکن حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے بیٹی کہ ہم چاہتے ہوئے بھی اسے تمہارے پاس نہ بھیج سکے۔“

”جی میں جانتی ہوں۔ میرے یہاں تک پہنچنے میں سارا کمال باری کا ہے۔ انہوں نے بہت کوشش کے بعد کسی طرح عباد بھائی کا سیل نمبر اور پھر ایڈریس حاصل کیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ربیعہ کے ساتھ کوئی پرابلم ہو گئی ہو گی۔“

ترانا اور منیزہ بہت گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں۔ ربیعہ چائے بنانے کے خیال سے کچن میں چلی آئی‘ تب اسے حیرانی ہوئی تھی۔

انیقہ نے چائے تیار کر لی تھی اور اب ٹرالی میں چیزیں سیٹ کر رہی تھی۔

”تم کیوں چلی آئیں ربیعہ!“ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ”میں چائے لا رہی ہوں نا۔“

”حیرت انگیز۔“ ربیعہ مسکرا دی۔

”طنز کر رہی ہو؟“ وہ بھی مسکرائی۔

”بخدا نہیں۔ تمہاری حرکت پر پیار آ رہا ہے۔ میں دو دن کے لیے ہسپتال گئی اور تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔“

”تمہارے جانے سے احساس ہوا کہ تم اس گھر کے لیے اللہ کا کتنا بڑا انعام ہو۔ تم کس طرح سارے کام آسانی سے سرانجام دے لیتی ہو ربیعہ؟“

معصومیت سے پوچھتی ہوئی انیقہ‘ ربیعہ کو بہت اچھی لگی۔

”جیسے تم نے اتنی جلدی‘ اتنی آسانی سے یہ سب کچھ تیار کر لیا ہے۔“ اس نے ٹرالی پر نظر دوڑائی۔

”تمہاری کزن آئی ہے۔ اتنی خاطرداری تو اس کا حق ہے۔“ انیقہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے بولی تھی۔ ربیعہ اس کے ساتھ چل دی۔



”آپ لوگوں کا بہت احسان ہے آنٹی! ربیعہ کو اپنے گھر کی مضبوط اور محفوظ چھاؤں دے کر آپ نے جو احسان ہم پر کیا ہے‘ اس کا بدل تو صرف خدا ہی دے سکتا ہے۔“ ترانا کہہ رہی تھی۔ ربیعہ کے قدم دروازے پر لمحہ بھر کے لیے رکے پھر وہ اندر داخل ہو گئی۔

ایک عرصے سے وہ اپنا ماضی ایک جرم کی طرح چھپاتی رہی تھی۔ ہر چند کہ اس میں چھپانے والی کوئی بھی بات نہ تھی۔ وہ اکثر سوچا کرتی تھی کہ اس نے اور عباد کے گھر والوں سے حقیقت چھپا کر اچھا نہ کیا تھا۔ وہ سب کے سب اتنے کشادہ دل لوگ تھے کہ ہر بات جانتے ہوئے بھی اسے اپنے گھر میں خندہ پیشانی سے جگہ دیتے۔ منیزہ بیگم نے ترانا کی بات کے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔

انیقہ سب کو لوازمات کے ساتھ چائے سرو کرنے لگی تھی۔ گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے موقوف ہو گیا تھا۔

چائے پی کر عبدالباری نے سب سے رخصت چاہی تھی۔ وہ کسی ضروری کام کے تحت جا رہا تھا۔ البتہ ترانا کا ارادہ رات گئے تک ان لوگوں کے پاس رکنے کا تھا۔

عبدالباری کے جانے کے بعد عباد بھی کچھ دیر آرام کرنے کے خیال سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ منیزہ بیگم کے پاس ترانا اور ربیعہ ہی بیٹھی رہ گئیں۔

”اوہ...“ اچانک ہی ترانا کو کچھ یاد آیا تھا۔ ”میرا ایک بیگ ڈرائنگ روم میں رکھا ہے ربیعہ! اس میں تمہاری کچھ امانتیں ہیں‘ میں آج اسی خیال سے وہ ساتھ لے آئی کہ وہ سب کچھ جس پر صرف تمہارا حق ہے‘ تمہیں سونپ دیا جائے۔ یہ زندگی تو قدم قدم پر ہمیں جدا کر دیتی ہے۔ جانے کل ہم دونوں پھر کہاں ہوں۔“

ربیعہ نے قدرے حیرانی سے ترانا کو دیکھا۔

”بھول گئیں؟“ ترانا مسکرائی۔ ”جب تم لاہور آئی تھیں‘ تب تم نے اپنا کچھ سامان میرے پاس امانتاً رکھوایا تھا پھر عباد بھائی کے ساتھ جانے کے لیے جب تم گھر سے نکلیں تو عجلت میں سب ہی کچھ میرے پاس بھول گئیں۔ اب ذرا ڈرائنگ روم سے وہ بیگ اٹھا کر لے آؤ‘ میں آنٹی کے سامنے تمہارا سامان تمہارے حوالے کر دوں۔“

ترانا اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

ربیعہ متردد سی ہو کر اٹھی۔ منیزہ بیگم کی طبیعت کے پیش نظر وہ انہیں کوئی ٹینشن دینا نہیں چاہتی تھی لیکن اس بات کی متمنی بھی تھی کہ انہیں اپنے متعلق ہربات سے آگاہ کردے۔ منیزہ بیگم سے اس کا جو دلی رشتہ استوار ہو چکا تھا' وہ متقاضی تھا کہ ربیعہ اپنے اور ان کے مابین پڑا ہر پردہ اٹھا دے۔

چھوٹا سا بیگ اٹھا کر وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ منیزہ بیگم کے پلنگ اور ترانا کی کرسی کے بیچ پڑی ٹیبل پر اس نے بیگ رکھ دیا۔

"تم خود ہی کھولو اسے اور اپنی چیزیں چیک کرلو۔" ترانا بے حد اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ ربیعہ نے بیگ کھول کر اس میں سے سامان نکالنا شروع کیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ خود بھی ساکت رہ گئی تھی۔

ایک سرخ جوڑا تھا' سونے کے تاروں کے کام سے مزین۔ کام اب تک کالا نہ پڑا تھا' البتہ چمک ضرور مدھم پڑ گئی تھی۔ ایک چھوٹا سا باکس تھا۔ ربیعہ اسے کھولے بنا بھی جانتی تھی کہ اس باکس میں کیا ہے پھر بھی اس نے وہ باکس کھولا۔ اس میں طلائی زیورات تھے' کندن کے کام کا بھاری گلوبند اور جھمکے' دو خوبصورت کنگن۔

ربیعہ ساکت ان چیزوں کو گھور رہی تھی۔ اس کی پلکوں پر موتی چمکنے لگے تھے۔ اسے نجانے کیا کچھ یاد آیا تھا۔ اپنی دادی اماں' ان کے چھوٹے چھوٹے صندوق جن میں سے ایک پر تالا لگا رہتا تھا۔ اپنا چھوٹا سا گھر' جس کے صحن میں ہار سنگھار کا درخت اپنی مہک پھیلائے رکھتا تھا۔ اپنا محلہ' محلے کے پرخلوص لوگ۔ اپنی سہیلیاں' اپنا کالج' اپنا بچپن' اپنی معصومیت۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے جیسے تسبیح کے دانے ایک کے بعد ایک گرتے ہوں۔

دفعتاً" وہ بری طرح سے چونکی تھی۔ اس نے منیزہ بیگم کو ان چیزوں کے پاس کھڑا دیکھا' وہ دیوانوں کی طرح انہیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھیں۔ ان کا چہرہ کسی دیوانے کا چہرہ محسوس ہوتا تھا' ان کے انداز میں حد درجہ وحشت تھی۔

"یہ... یہ سب کچھ... یہ سب کچھ......"

"یہ سب کچھ ربیعہ کا ہے آنٹی!" ترانا بھی قدرے گھبرا کر کھڑی ہوئی۔

"نہیں..." وہ چلائیں۔ "یہ سب کچھ میرا ہے... یہ سب کچھ میرا ہے..."

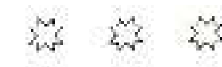
پھر وہ دیوانوں کی طرح ربیعہ کی جانب بڑھیں۔

"یہ بھی میری ہے۔" وہ ربیعہ کو خود سے بھینچ کر چلائیں۔ "یہ بھی میری ہے' یہ میری ہے... یہ میری ہے... میری بیٹی... آہ... میری بیٹی..."

عباد اور انیقہ گھبرائے ہوئے انداز میں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"امی... امی..." عباد ان کی جانب بڑھا۔

تب تک وہ ربیعہ کے بازوؤں میں جھول چکی تھیں۔



میرا نام مونا تھا' مونا جوزف۔ میں ایک کرسچن فیملی کا حصہ تھی۔ مجھے اپنا بچپن کچھ کچھ یاد ہے۔ میری ماں ایک مڈوائف تھی' باپ ایک شرابی۔ میری ماں جو کچھ کماتی تھی میرے باپ کے نشے کی نذر ہو جایا کرتا تھا۔ ماں بیمار رہتی تھی' میرے باپ کا دکھ اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کرتا چلا گیا۔ اسے ٹی بی ہوگئی۔ اسے اپنا مستقبل نظر آرہا تھا' اس لیے اسے میرے مستقبل کی فکر ستانے لگی۔ اس نے مجھے نرسنگ اسکول میں داخلہ دلوا دیا' خود زندگی کی گاڑی کو اپنا پورا زور لگا کر کھینچتی رہی۔ میں نرس بن گئی اور مجھے ایک چیریٹی اسپتال میں نوکری مل گئی۔

دوسرے دن ہی میری ماں اسی اسپتال کے ایک بستر پر گہری نیند سو گئی' کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔ میرے اوپر اس کے مرنے کا گہرا اثر پڑا لیکن میرے باپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' اس کے لیے کمانے والے دو تازہ دم ہاتھ میدان عمل میں اتر چکے تھے۔ زندگی یونہی بے دلی سے گزر رہی تھی' تب ایک روز کچھ زخمیوں کو ہسپتال لایا گیا۔ وہ لوگ کسی پہاڑی گزار رستے سے گزر رہے تھے کہ ان کی بس گہرے کھڈ میں جا گری تھی۔ ان ہی بچ جانے والے زخمیوں میں سے ایک احمد جہانزیب تھا۔ ایک خوبرو جوان جو اپنے آبائی شہر سے بہت دور کسی اہم پروجیکٹ پر کام کرنے ہمارے علاقے میں آیا ہوا تھا' اس کی بس کے ساتھ حادثہ پیش آگیا اور یوں وہ ہسپتال لایا گیا۔ شاید قسمت نے جنہیں جدا ہونا ہو اور جنہیں ملانا ہو' ان کے لیے ہی حادثے تشکیل پاتے ہیں۔

میں جو کہ ہسپتال میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہی تھی' احمد جہانزیب کو بھا گئی۔ نجانے اسے میری کیا بات بھا گئی۔ میرے نقش بہت خوبصورت تھے لیکن میرا رنگ سانولا تھا جبکہ وہ گورا چٹا' یونانی دیوتاؤں کا سا حسن رکھنے والا ایک خاندانی آدمی تھا۔ وہ ڈیڑھ ماہ ہاسپٹلائز رہا اور اس ڈیڑھ ماہ میں ہم دونوں نے نظروں ہی نظروں میں کئی تمام عہد و پیماں اٹھا لیے' جس روز اسے چھٹی ملی' اس نے مجھے شادی کی پیش کش کی۔ مجھے بھلا کیا چاہیے تھا۔

میں نے اپنے باپ کو محض ایک رسمی سی اطلاع دی کہ میں مسلمان ہو رہی ہوں اور ایک مسلمان نوجوان سے شادی کر رہی ہوں۔ اس دن میرا باپ بہت رویا' بہت گڑگڑایا۔ مجھے میری مری ہوئی ماں کے واسطے دیے لیکن احمد جہانزیب کی محبت ایک مقناطیس تھی اور میرا وجود ایک بے بس لوہے کا ٹکڑا۔

میں نے اپنے باپ کی ایک نہ سنی۔ احمد جہانزیب اور میں نے شادی کرلی۔ میری ماں نے میرے لیے شادی کا جوڑا بنا کر رکھا ہوا تھا۔ سفید لیس دار فراک۔ میں نے اپنی شادی کے دن وہی جوڑا پہنا۔ ہماری شادی مسجد میں ہوئی جہاں پہلے میں مشرف بہ اسلام ہوئی پھر ہمارا نکاح ہوا۔ جوزف فرنانڈس مسجد کے باہر بیٹھا روتا رہا اور مجھے اور احمد جہانزیب کو بددعائیں دیتا رہا۔ اب میں سوچتی ہوں کہ شاید... شاید اس دن میرے باپ کی کسی بددعا نے میرا تعاقب شروع کیا تھا اور... اور تادیر میرے تعاقب میں رہی... تادیر... میرے اور میری خوشیوں کی راہ میں حائل رہی۔

خیر میں بتا رہی تھی کہ مونا جوزف سے منیزہ احمد بن کر میں وقتی طور پر بہت خوش تھی۔ احمد جہانزیب میرے شہر سے بھی دور دراز ایک پہاڑی علاقے میں ایک پروجیکٹ پر کام کرنے کے سلسلے میں آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا' شادی کے بعد بتایا۔ اس نے بتایا کہ دنیا میں اس کے خونی رشتوں میں صرف اس کی ماں اور اس کی ایک بہن ہیں۔ بہن شادی شدہ ہے اور ماں اس کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ جب سے اس کا ٹرانسفر دور دراز کے علاقے میں ہوا' ماں اکیلی ہوگئی۔ اسے اکیلا پن برا لگنے لگا' تب اپنی بیٹی بلقیس کے اصرار پر دونوں ماں بیٹی نے مل کر احمد جہانزیب کی منگنی بلقیس بانو کی نند مینا بیگم سے کردی۔

مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی' افسوس بھی ہوا۔ مجھے علم نہ تھا کہ وہ ایک منگنی شدہ شخص ہے' ورنہ شاید میرا فیصلہ مختلف ہوتا۔ احمد جہانزیب نے نوکری سے چھٹی لے لی۔ وہ مجھے اپنے شہر لے آیا' جہاں اس کی ماں رہتی تھی۔ ان دنوں اس کی بہن بھی اپنی ماں کے پاس آئی ہوئی تھی۔ وہ دونوں احمد جہانزیب کے لیے سخت پریشان تھیں کیونکہ دوران علالت اس نے اپنے گھر والوں کو اپنے ارادوں سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے اب تک وہ دن یاد ہے۔ میں احمد جہانزیب سے پیچھے کھڑی تھی۔ بلقیس بانو اور اماں... دونوں احمد سے لپٹ کر رو رہی تھیں' اسے پیار کر رہی تھیں' اس پر سے صدقے واری ہو رہی تھیں۔ تب اچانک ان دونوں کی نظر مجھ پر پڑی۔

"اف... میں آج تک اپنے آپ میں ان نظروں سے خوف زدہ رہتی ہوں۔ وہ نظریں... وہ تلوار تھیں' وہ آری

تھیں جو میرے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھیں۔ ان میں اتنی نفرت تھی کہ اب تک اس نفرت کا سوچ کر میرا دل لرز کر رہ جاتا ہے۔ ان میں اتنی تپش تھی کہ اس تپش کو آج اتنے سالوں بعد بھی میں اپنے رخساروں پر دہکتا محسوس کر سکتی ہوں۔

"یہ کون ہے؟" اماں نے اسی تپش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"میری مسیحا!" وہ مسکرایا۔ "میری بیوی۔۔۔ منیزہ! میں نے اپنے خطوط میں اسی کا ذکر کیا تھا۔" دفعتاً بلقیس بانو نے اپنا سر پیٹنا اور بین کرنا شروع کر دیا۔

اسی طرح احمد کی اماں نے بھی میرا استقبال اسی انداز میں کیا۔ وہ دونوں اس طرح رو رہی تھیں جیسے۔۔۔ جیسے کسی کا انتقال ہو گیا ہو۔ میں ان کے انداز سے سخت خوف زدہ ہو گئی تھی۔

احمد نے بہت مشکلوں سے انہیں خاموش کرایا' ان کی منت سماجت کی' ان کے آگے ہاتھ جوڑے' ان کے پیر پکڑے۔ اماں اندر سے تو راضی نہیں تھیں لیکن احمد کی منت سماجت سے خاموش ضرور ہو گئیں۔ تاہم بلقیس بانو خاموش بھی نہ ہوئیں۔ وہ چیخ چیخ کر مجھے برا بھلا کہتی رہیں۔ میرے پچھلے مذہب کو وہ میرا ناقابل معافی جرم گردان رہی تھیں' ان کے لیے میں جیسے ایک نجس' ناپاک شے تھی جسے وہ کسی طور قبول نہ کر سکتی تھیں۔

"کتنا سمجھایا تھا اماں! کتنا سمجھایا تھا میں نے آپ کو لیکن آپ کو اپنے بیٹے پر بہت مان' بہت بھروسہ تھا۔" وہ جاتے جاتے اماں سے بولیں۔ "دیکھ لیں' میری زندگی برباد کر ڈالی آپ کے بیٹے نے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں۔ مینا اور منور مجھے معاف کر دیں گے؟ کبھی نہیں' منور میری زندگی عذاب بنا دے گا میرے لیے۔"

وہ آنسو پونچھتی باہر کی جانب بڑھیں پھر لمحہ بھر کے لیے میرے قریب رکیں۔

"کلموہی۔۔۔ کلوٹی۔۔۔ کیا پڑھ کر پھونکا تو نے میرے معصوم بھائی پر؟ جادوگرنی۔۔۔ ہمیں برباد کر کے تو بھی خوش نہ رہے گی۔"

یہ دوسرے شخص کی بددعا تھی میرے لیے۔۔۔ پہلے میرا باپ اور پھر ساس اور نند۔۔۔ میرے دل کو اندیشوں اور وسوسوں کی آندھی نے گھیر لیا۔

زندگی بہر طور شروع ہوئی۔ جہانزیب کو نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔ ڈپارٹمنٹ اتنی چھٹیاں برداشت نہ کر پایا۔ گھر میں مشکلات کا آغاز ہو گیا۔ ادھر بلقیس کا کہنا سچ ثابت ہوا۔ منور امین نے بلقیس بانو کو ہمارے جرم کی سزا دینا شروع کر دی۔ مینا نے زہر کھا کر زندگی ختم کرنے کی کوشش کی' تاہم اسے بچا لیا گیا۔ میرے لیے یہ ایک حیرت انگیز انکشاف تھا کہ مینا احمد جہانزیب کو دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی۔

کچھ دن اور نکلے' میں نے احمد جہانزیب سے نوکری کی اجازت مانگی۔ اس نے قدرے رد و کد کے بعد میری بات مان لی۔ میں نے ایک مقامی اسپتال میں نوکری کر لی۔ وہاں میری ملاقات رابرٹ سے ہوئی۔ رابرٹ میری رشتے کی ایک خالہ کا بیٹا تھا۔ پوری دنیا میں وہ واحد شخص تھا جس کا میری آنجہانی ماں سے کوئی تعلق بنتا تھا۔ مجھے رابرٹ سے مل کر بہت خوشی ہوئی لیکن جلد ہی یہ خوشی ایک ناقابل بیان الجھن میں بدل گئی۔ رابرٹ میرے گھر آنے جانے لگا۔ میں ایسا نہیں چاہتی تھی لیکن میں اسے منع بھی نہ کر پائی۔ شاید میری اسی خاموشی سے میری بدقسمتی کا آغاز ہوا۔ مجھے علم نہ ہو پایا کہ احمد جہانزیب کے دل میں کس وقت میری جانب سے بدگمانی نے جنم لیا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہ کہا' کچھ نہ پوچھا۔ حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کا رنگ بھی نہ بدلا۔ وہ جیسا تھا' ویسا ہی رہا۔

رابرٹ کچھ دنوں کے لیے میرے آبائی شہر گیا' وہاں سے واپسی پر اس نے مجھے بتایا کہ میرے باپ کی حالت کتنے سے بھی بدتر ہے۔ وہ شہر سے دور ایک جھونپڑے میں اپنی زندگی کی آخری سانسیں صرف اس امید پر تھامے ہوئے ہے کہ میں ایک مرتبہ اس سے مل جاؤں۔

میں یہ سب کچھ سن کر رہ نہ پائی۔ احمد سے سرسری سی اجازت لے کر میں رابرٹ کے ساتھ اپنے باپ سے ملنے چل دی۔

میں ایک نومسلم تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میں اس طرح ایک غیر مرد کے ساتھ بلا ضرورت سفر نہیں کر سکتی ہے۔ وہ بھی کئی دن کا سفر لیکن مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا' مجھے کسی نے نہیں روکا۔ حتیٰ کہ احمد نے بھی نہیں۔ میں باپ کے پاس پہنچی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ مجھے معاف کیے بنا بہت دور جا چکا تھا۔ اسے دفنایا جا چکا تھا۔ میں اس کی قبر پر دو آنسو بہا کر واپسی کے لیے روانہ ہو گئی۔ گھر پہنچی تو ایک حیرت انگیز دل کو دہلا دینے والا انکشاف میرا منتظر تھا۔

احمد مجھے چھوڑ کر جا چکا تھا' ایک غیر معینہ مدت کے لیے۔ مجھے کچھ بھی بتائے بغیر' مجھ سے ملے بغیر۔ وہ ایسا کیسے کر سکتا تھا؟ سوچ سوچ کر میں پاگل ہو گئی لیکن کوئی سرا میرے ہاتھ نہ آیا۔ آخر وہ اچانک تو نہیں گیا تھا۔ اس نے کوئی پلاننگ کی ہو گی۔ میں اپائی کیا ہو گا' کوئی طے شدہ پروگرام ہو گا جس پر عمل درآمد کیا گیا تھا لیکن میری باتوں کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ بلقیس بانو تو میری صورت سے نفرت کرتی تھیں۔ اماں کی بے نیازی بھی عروج پر تھی۔ میں نہ زندوں میں رہی تھی' نہ مردوں میں۔ مارے باندھے نوکری پر جاتی تھی' واپسی پر پورے گھر کا کام کرتی' پھر بھی کوئی مجھ سے خوش نہ تھا۔ مجھے کسی کی خوشی سے غرض نہ تھی' سوائے احمد جہانزیب کے جس ظالم نے تو مجھے اپنا کوئی فون نمبر' کوئی اتا پتا تک نہ دیا تھا جس پر میں اس سے رابطہ کر پاتی۔

پھر میرے اندر خوشی کی ایک کونپل پھوٹی۔ احمد جہانزیب سے جانگسل جدائی کا اکیسواں روز تھا۔ میں نے شک سا ہونے پر اس کی تصدیق چاہی۔ ہسپتال میں دوران ڈیوٹی ہی مجھے یہ خوش خبری ملی کہ میں ماں بننے والی تھی۔ میرے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ میں خوشی سے مور بننا چاہتی تھی۔ میں احمد کو یہ خوشخبری سنانا چاہتی تھی لیکن کیسے؟

میں گھر پہنچی' اماں کو بتایا۔ ان کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑ گیا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ مجھے ان کی کیفیت سمجھ میں نہ آئی۔ میں نے ان سے احمد کا پتہ یا فون نمبر مانگا' ان کے قدموں میں جھک گئی لیکن ان کا ایک ہی جواب تھا۔ انہیں بھی میری طرح کچھ علم نہ تھا۔ حالانکہ میں جانتی تھی کہ ان کا احمد سے فون پر رابطہ ہے۔ اکثر ان سے بچھڑ کر انہیں بلانے آتا تھا۔ احمد ہر دوسرے دن انہیں فون کرتا تھا۔

مجھے احمد کے رویے پر حیرت کم اور افسوس زیادہ ہوتا تھا۔ اس نے جیسے میری زندگی کے ساتھ ایک بے رحم کھیل کھیلا تھا۔ اس نے مجھے ایک دلدل سے نکال کر ایک صحرا میں لا کھڑا کیا تھا۔ میں نے خود کو تقدیر کے آگے سرنگوں کر دیا۔ حالات سے سمجھوتہ کر کے میں بالکل خاموش ہو گئی۔ دن گزرتے گئے۔ میں اس گھر میں تنہائی اور ان کی بے نیازی اور بے مہری کے ساتھ جیتی رہی۔ حتیٰ کہ میری ڈلیوری کا مہینہ آ پہنچا۔ تب اچانک نجانے کیا ہوا۔ اماں اور بلقیس بانو کا رویہ بالکل تبدیل ہو گیا۔ وہ دونوں میرے آگے پیچھے پھرنے لگیں۔ مجھ سے اپنے سابقہ رویے کی معافی چاہنے لگیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مجھے دلاسے دینے لگیں کہ بچے کی پیدائش پر وہ ضرور کسی نہ کسی طرح احمد کو اطلاع بھجوائیں گی اور وہ ضرور آئے گا۔ میں نے سمجھا کہ تقدیر کی بے مہری ختم ہوئی' آزمائش ختم ہوئی۔ اچھے دن جن کی آس میں جیتی تھی' آ گئے۔ کیا خبر تھی کہ یہاں سے ایک نیا امتحان' نئی آزمائش کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔

اماں اور بلقیس بانو مجھے بہلا پھسلا کر ایک دور افتادہ علاقے میں بنے ہسپتال میں لے آئیں' جہاں ان کے بقول احمد کی پیدائش ہوئی تھی اور وہ چاہتی تھیں کہ احمد کا بچہ بھی اسی ہسپتال میں جنم لے۔ نجانے کیوں مجھے ان کی بات پر یقین نہ تھا۔ میرے دل میں ایک کھٹکا سا تھا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہونے والا ہے اور پھر وہ انہونی ہو کر رہی۔ دروازہ

سے پہلے ہی مجھے انجکشن کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا اور جب..... جب مجھے ہوش آیا..... آہ..... میری کوکھ خالی تھی، میرے ہاتھ خالی تھے، میرا دل خالی تھا۔

آپریشن کے ذریعے ڈلیوری عمل میں لائی جا چکی تھی۔ وہاں میرے پاس کوئی نہ تھا۔ نہ اماں، نہ بلقیس بانو، نہ میرا بچہ۔

میں بہت روئی پیٹی، بہت شور مچایا لیکن سب کے منہ پیسے دے کر بند کیے جا چکے تھے۔ پورا عملہ بیک زبان کہہ رہا تھا کہ مردہ بچہ پیدا ہوا تھا، جسے دفنا کر اس کی دادی اور پھوپھی وہاں سے چلی گئی تھیں۔

جانے سے قبل وہ ایک لفافہ بھی میرے لیے دے گئی تھیں۔ میں نے لفافہ چاک کیا اور مجھے علم ہوا کہ مصیبت کبھی اکیلی نہیں آتی۔ اس میں احمد جہانزیب کا تحریر کیا ہوا طلاق نامہ تھا۔ کیوں.....؟ کس لیے.....؟ کس جرم کی سزا.....؟ میرے سوالوں کا جواب دینے کے لیے وہاں کوئی نہ تھا۔ طلاق نامے پر لکھی تاریخ آٹھ ماہ پرانی تھی۔ گویا آٹھ ماہ قبل اس نے مجھے طلاق بھجوادی تھی جسے مجھ سے پوشیدہ رکھا گیا۔ یہ ایک گتھی تھی جسے میرے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں دن رات روتی اور اسے سلجھانے کی کوشش کرتی۔ ہسپتال کے کمرے میں رکھے اٹیچی کیس میں میرے سارے کپڑے اور میرا سب ساز و سامان موجود تھا۔ گویا وہ مجھے ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہنے کے لیے ہی وہاں لائی تھیں۔

آپریشن کے پانچویں دن مجھے فارغ کر دیا گیا۔ ہسپتال کے اخراجات کی ادائیگی کی جا چکی تھی۔ میرے مہر کی رقم بھی مجھے اٹیچی کیس میں مل گئی تھی لیکن مجھے اپنا بچہ چاہیے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا بچہ زندہ ہے جسے پورے نو ماہ میں نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیر پھیر کر محسوس کیا تھا، جس کی کومل انگڑائیوں کو اپنے اندر سمیٹے رکھا تھا، جس کے ساتھ پہروں چھوٹی چھوٹی باتیں کی تھیں۔ اس کے باپ کی جفاؤں کی ساری شکایتیں میں اسی سے کیا کرتی تھی۔

اس بچے کو میں نے ایک نظر تک نہ دیکھا۔ میں نے اس کی نرم ہتھیلیوں کو چھوا تک نہیں۔ میں نے اس کے ماتھے پر بوسہ تک نہ دیا۔ میں نے اس کے نرم وجود کی خوشبو کو، اس کے لمس کی گرمی کو اپنی روح میں اترتا محسوس نہ کیا۔ مجھ سے زیادہ تہی داماں، مجھ سے زیادہ اجاڑ اور ویران پوری دنیا میں کوئی نہ تھا۔

روتی، بلکتی، سسکتی میں اپنا زخمی وجود لے کر ایک لمبا سفر طے کر کے صرف اپنا بچہ واپس لینے کے لیے گھر پہنچی تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ مکین وہ گھر بیچ کر جا چکے ہیں۔ میں پوری دنیا میں اکیلی تھی۔

بہر طور سانس کی ڈور بندھی رہے تو بندہ بشر ڈھیٹ بن کر ہر مشکل جھیل جاتا ہے۔ میں ہسپتال چلی آئی۔ ایک گہری، جامد خاموشی کے ساتھ میں نے زندگی کاٹنا شروع کی۔ احمد جہانزیب کون تھا، میں بھول گئی۔ میں ہمیشہ کے لیے بھول گئی لیکن ایک ننھے وجود کے بلکنے کی آواز مجھے نیند میں چونکا دیا کرتی تھی۔ پورا ڈیڑھ ماہ میری قمیص میرے سینے پر بھیگتی رہی اور میرے آنسوؤں سے میرا دامن تر ہوتا رہا۔ میرا آنچل گیلا ہی رہتا تھا۔ میرے دل کا خون..... میرے جگر کا لہو..... دودھ بن کر چھاتی سے بہتا تھا، آنسو بن کر آنکھوں سے بہتا تھا اور..... اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی اماں اور بلقیس کو ہمیشہ پیاسا رہنے کی بددعا دیتی تھی۔ پھر میں کراچی چلی آئی۔

میں ایک ہنگامہ خیز زندگی کا حصہ بن کر اس رونے کی آواز کو فراموش کرنا چاہتی تھی، جو میری راتوں کی بے خوابی کا سبب تھی۔ کراچی میں خوش قسمتی سے ایک اچھے اسپتال میں مجھے نوکری مل گئی۔ وہاں میری ملاقات محسن علی صاحب سے ہوئی۔ وہ ایک ازحد شریف النفس اور بے تحاشا اچھے انسان تھے۔ چند ماہ قبل ان کی بیوی ایک بچی کو جنم دے کر انتقال کر گئی تھیں۔ اس بچی سے پہلے بھی ان کے دو بچے تھے۔ ایک بیٹا، ایک بیٹی۔ میری داستان غم نے محسن صاحب کے قلب پر گہرا اثر کیا۔ انہوں نے سیدھے سبھاؤ مجھ سے اپنی زندگی میں شامل ہو جانے کے لیے کہا تاکہ میری ممتا کو قرار مل سکے اور ان کی بچوں کو ماں کا پیار اور ان کے گھر کو ایک نگراں۔ سو اس طرح ایک بچہ کھو کر

مجھے تین بچے مل گئے۔

چند ماہ کی انیقہ..... دو سال کا عباد اور ساڑھے تین سال کی شہلا۔ میں نے اپنے بچوں کو کبھی احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ان کی حقیقی ماں نہیں ہوں لیکن کبھی ان سے یہ حقیقت چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی اور میرے بچوں نے کبھی مجھے یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں ان کی حقیقی ماں نہیں ہوں اور ہمیشہ مجھے یہ بات بھلانے کی کوشش کرتے رہے۔ میں یہ بات بھول گئی، میں بھول گئی کہ یہ میرے اپنے وجود کا حصہ نہیں ہیں۔

لیکن..... لیکن وہ آواز..... میں وہ آواز نہیں بھول پائی جو میں نے حالت بے ہوشی میں سنی۔ میں ان ننھے ہاتھوں کا لمس نہ بھول سکی، جو میرے اندر انگڑائیاں لیتے تھے۔ میری بے خوابی میں کمی ضرور آ گئی لیکن اب بھی اکثر رات کو آنکھ بے وجہ ہی کھل جاتی ہے لیکن اب..... اب جو سکون کی نیند سوؤں گی تو شاید روز قیامت ہی جاگوں۔"



منیزہ بیگم کی کہانی مجھے میرے والد منور امین نے بستر مرگ پر سنائی۔ یوں تو مرتے دم تک انہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف نہ کیا۔ انہوں نے کسی سے بھی معافی مانگنا پسند نہ کی لیکن ان کی آنکھوں میں موت کا بے تحاشا خوف چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ انہیں اپنی پچھلی پوری زندگی ہر وقت ایک فلم کی مانند چلتی نظر آتی ہے۔ وہ مرنے سے سخت خوف زدہ تھے اور ان کی زندگی موت سے بھی بدتر تھی۔ ایسا صرف ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، جنہوں نے ساری زندگی حقوق العباد کو جی بھر کر ملیامیٹ کیا ہو، جنہوں نے دوسروں کی بددعائیں سمیٹی ہوں، دوسروں کو لہو رنگ آنسو رلائے ہوں۔ میرے والد ایک ایسے ہی انسان تھے۔

نجانے کیوں مرنے سے چند گھنٹے قبل انہوں نے بنا میرے کچھ پوچھے مجھے یہ کہانی سنائی۔ شاید انہیں ادراک ہو چکا تھا کہ غلطیوں کی معافی نہ سہی غلطیوں کا اعتراف بھی بہرحال ایک اہمیت کا حامل ہے۔

میرے ماموں احمد جہانزیب ایک خوبصورت فنکارانہ مزاج کے حامل شخص تھے۔ انہیں بتائے بغیر میری امی نے میری نانی کو رضامند کر کے مینا پھپھو سے جہانزیب ماموں کی منگنی طے کر دی۔

مینا پھپھو نہ صرف یہ کہ واجبی شکل و صورت اور واجبی تعلیم کی حامل تھیں، انہوں نے کبھی اپنی شخصیت کو کوئی خوبصورت صفت عطا کرنے کے متعلق بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اچھی صفات سے مبرا ایک سخت مزاج، انا پرور عورت تھیں جو میرے والدین کی شادی کے موقع پر ماموں کی محبت میں مبتلا ہو گئی تھیں اور ماموں کو بلا شرکت غیرے اپنانا انہوں نے زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

ماموں جب منیزہ مامی کو گھر لائے تو تمام افراد پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔ کئی تو ایسے بھسم ہوئے کہ کبھی ان پر سبزہ نہ اگ سکا۔ ان میں مینا پھپھو اور میرے والد شامل تھے۔ امی، نانی اور میرے والد نے ایک مشترکہ منصوبہ بنایا جس کے تحت کسی بھی صورت منیزہ مامی کو خاندان کا حصہ نہیں بنانا تھا۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ جہانزیب ماموں کی نہایت فاش غلطی تھی، جسے ہر طور درست کرنا تھا۔

ماموں کو دکھانے کے لیے نانی امی نے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق بے دلی سے منیزہ مامی کو گھر میں رکھ لیا۔ انہیں وہ زیور بھی دیا جو انہوں نے اپنی بہو کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اپنا خاندانی عروسی لباس بھی دیا۔ منیزہ مامی فطرتاً ایک سادہ اور معصوم خاتون تھیں۔ وہ اس پر ہی خوش ہو گئیں۔

اب پلاننگ پر باقاعدہ عمل درآمد شروع کیا گیا۔ امی اور نانی امی عاملوں کے پاس جانے لگیں، ان سے تعویذ لا لا کر جہانزیب ماموں کو پلائے جاتے تاکہ ان کا دل منیزہ مامی کی جانب سے بدگمان کیا جا سکے۔ نانی امی چپکے چپکے اندر ہی اندر منیزہ مامی کے خلاف ماموں کو بھرا کرتی تھیں۔ سوئے اتفاق ان ہی دنوں مامی کے ایک رشتے کے بھائی جو

ایک عیسائی نوجوان تھے، مامی کو مل گئے۔ بس یہیں سے ان کی ذات کے خلاف سب سے بڑا ایشو کھڑا کرنے کی بنیاد فراہم ہو گئی۔

امی اور نانی امی نے ماموں کو باور کرانا شروع کیا کہ منیزہ مامی جب مونا جوزف تھیں، تب سے ان کے رابرٹ سے خفیہ تعلقات تھے۔ انہوں نے کئی جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور کئی غلط بیانیاں کیں جن سے حقیقتاً "ماموں کا دل مامی کی جانب سے بدگمان ہونے لگا۔ شومئی قسمت سے مامی نوکری بھی کرتی تھیں، سوان کے دن کا بڑا حصہ ماموں اور گھر سے دور گزرتا تھا۔

ماموں نے اپنی بدگمانی مامی پر ظاہر نہ کی۔ انہوں نے اندر ہی اندر اپنے ملک سے باہر جانے کے انتظامات شروع کر دیے۔ وہ پڑھے لکھے قابل نوجوان تھے۔ جلد ہی ان کے باہر جانے کا بندوبست ہو گیا۔ ایک کمپنی نے انہیں ایگریمنٹ کے تحت بلوا لیا۔ ان ہی دنوں امی نے رابرٹ کے ساتھ اپنے باپ سے ملنے کی اجازت مانگی۔

ماموں نے انہیں بلاچون وچرا اجازت دے دی اور خود دوسرے ہی دن گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ چاہتے تو مامی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ بھی سکتے تھے لیکن نجانے کیوں انہوں نے ایسا نہ کیا۔ شاید ان کے دل کے کسی گوشے میں امید کی مدھم سی لو روشن تھی۔ شاید وہ سوچتے تھے کہ منیزہ مامی بے قصور بھی ہو سکتی ہیں۔ وہ منیزہ مامی کی جانب سے کسی اعتراف، کسی شکوے، کسی پیار بھری شکایت کے منتظر تھے لیکن حالات کی چکی میں پستی مامی نے ادھر توجہ نہ کی۔ یوں ان دونوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی خلیج حائل ہو گئی۔

امی اور نانی امی کا پروگرام تھا کہ وہ مامی کو گھر سے نکال دیں گی اور ماموں سے کہیں گی کہ مونا، رابرٹ کے ساتھ بھاگ گئی ہے لیکن مامی نے انہیں وہ خوشخبری سنا دی جس پر نانی امی دنگ رہ گئیں۔ اب وہ اپنے پروگرام پر عمل نہ کر سکتی تھیں۔ نانی امی خاندانی خاتون تھیں، وہ اپنے اکلوتے بیٹے کا بچہ کسی طور کسی دوسرے کو نہ دے سکتی تھیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بچے کی پیدائش تک منیزہ مامی کو گھر ہی رکھا جائے۔ ہاں البتہ ایک کام انہوں نے اور کیا، وہ یہ کہ ماموں کو پورے ایک ماہ بعد اطلاع کی کہ منیزہ کو حمل ہو گیا ہے۔ ماموں کے جانے کے پورے ڈیڑھ ماہ بعد۔ اگلے ہفتے ہی مامی کے لیے طلاق نامہ موصول ہو گیا۔

پروگرام کے تحت یہ طلاق نامہ مامی سے چھپایا گیا۔ نانی امی اور امی نے اپنا رویہ مامی سے بالکل تبدیل کر لیا تاکہ انہیں کسی قسم کا شک نہ ہونے پائے۔ میرے والد نے اپنے ایک دیرینہ دوست کے توسط سے ایک ایسے اسپتال کے متعلق معلومات حاصل کیں جہاں زیادہ تر ناجائز کام کیے جاتے تھے۔ وہاں کی ڈاکٹر کو ابو نے رشوت دے کر اپنی مرضی کا کام کرنے پر راضی کر لیا۔ یوں میری معصوم مامی کو ان کی زندگی کی ہر خوشی سے محروم کر دیا گیا۔

ابو جان کے پروگرام میں تو یہ بات بھی شامل تھی کہ گھر لا کر ہونے والی بچی کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا جائے گا تاکہ جہانزیب ماموں ہر جھنجٹ سے آزاد ہو کر ان کی بہن کے ہو جائیں لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ نانی امی نے اپنے بیٹے کی اولاد یعنی ربیعہ کو قتل کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس بات پر میرے والد اور نانی کے درمیان ٹھن گئی۔ والد کا کہنا تھا کہ بچی کو جیتا جاگتا پا کر جہانزیب معاملے کی تہہ تک پہنچ جائیں گے کیونکہ بچی نے نقوش ماں کے اور رنگت اپنے باپ کی لی تھی اور جبکہ نانی امی ایک ماں سے اس بے دردی سے اس کی اولاد چھین لینے سے قدرے خوف زدہ سی ہو گئی تھیں۔

انہیں واضح سمجھ میں آ رہا تھا کہ بیٹی اور داماد کی باتوں میں آ کر انہوں نے اپنے بیٹے کی زندگی میں ایسا زہر گھولا ہے جس کی تلخی قیامت تک اس خاندان کے حافظے سے محو نہ ہو پائے گی۔ ابو کے تیور اس درجہ خطرناک تھے کہ نانی امی اس بچی کے لیے سخت خوف زدہ ہو گئیں۔ ایک رات وہ اس بچی کو لے کر گھر سے چلی گئیں۔ ان کی بہن نواب شاہ کے قریب ایک نواحی علاقے میں رہتی تھیں۔ نانی امی ان کے پاس چلی گئیں۔ دونوں بہنوں کی مشترکہ جائیداد

میں ایک مکان اور چند دکانیں تھیں جن سے وہ زندگی بسر کرنے کے قابل تھیں۔

یہاں امی کو قدرت نے سزا دینے میں دیر نہ کی۔ مجھ سے بڑی بہن تمنا جو اس وقت تین چار سال کی تھی، سخت بخار میں مبتلا ہوئی اور چند راتوں میں ہی امی کو اولاد کے دکھ سے روشناس کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس چلی گئی۔ امی کے دل پر اس حادثے کا شدید اثر ہوا۔ اس کے بعد وہ بھی زیادہ عرصہ نہ جی پائیں اور اپنے گناہ و ثواب کا حساب کتاب لے کر اپنے خالق کے روبرو حاضر ہو گئیں۔ نجانے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہو گا۔

میرے والد پر کسی حادثے کا کوئی خاص اثر نہ ہوتا تھا، ان کی آنکھوں پر بندھی غفلت کی پٹی قیامت تک کے لیے تھی۔ روز قیامت اسے فرشتے ہی کھولیں گے۔

میرے والد کے ہاتھ اس موڑ سے ایک ایسی خزانے کی چابی آ گئی جس کو پا کر وہ اپنی بیوی اور مری ہوئی بچی کو تو کیا اپنی زندہ اولاد تک کو بھول گئے۔

نانی امی کے چلے جانے سے جہانزیب ماموں کے رابطے کا واحد ذریعہ میرے والد ہی تھے۔ انہوں نے ماموں کو جھوٹی سچی کہانیاں سنائیں جن کے مطابق منیزہ مامی طلاق کے بعد رابرٹ کے ساتھ چلی گئی تھیں اور نانی امی سخت بیمار تھیں اور ابو ان کا علاج کروا رہے تھے۔ جہانزیب ماموں پر اپنی زندگی کے اس حادثے کا اتنا گہرا اثر ہوا تھا کہ انہوں نے کبھی ملک نہ لوٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ابو کے اکاؤنٹ میں نانی امی کے علاج کے لیے پیسے بھجواتے رہے، بھجواتے رہے اور ابو کے منہ کو ایک کبھی نہ ختم ہونے والی پیاس لگ گئی۔

نانی امی نے ابو کو کئی خط لکھے اور جہانزیب ماموں کا پتا اور فون نمبر مانگتی رہیں۔ وہ ان سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنا چاہتی تھیں، انہیں سب کچھ بتا کر ہر جرم کا اعتراف کر کے وہ اپنی روح پر دھرا بوجھ اتار پھینکنا چاہتی تھیں۔ ابو نے نانی امی کو الٹے سیدھے مغالطوں کا شکار کر دیا۔ کبھی وہ جہانزیب ماموں کے کسی حادثے میں مرنے کی اطلاع دے دیتے تو کبھی گمشدہ قرار دے ڈالتے۔ نانی امی کو مرتے دم تک شاید علم نہ ہو سکا ہو گا کہ جہانزیب ماموں کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔

جہانزیب ماموں کو جب ابو پر شک ہونے لگا تو انہوں نے ابو سے دوٹوک بات کی۔ وہ فون پر اپنی والدہ کی آواز سننا چاہتے تھے، تب ابو نے انہیں بتایا کہ نانی امی تو دو سال قبل انتقال کر گئی ہیں اور ماموں کے بھجوائے پیسوں سے ابو نے مکان خرید لیا ہے۔ انہوں نے اپنے کیے کے لیے ایک رسمی سی معذرت کر لی۔ جہانزیب ماموں نے کچھ بھی کہے بنا خاموشی سے فون بند کر دیا اور اس کے بعد کبھی کسی نے ان کی آواز نہیں سنی۔

برسوں گزر گئے۔ ابو ماموں کی بھیجی رقم پر کسی سانپ کی مانند بیٹھے رہے۔ تمدن بھائی چونکہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں چنانچہ وہ اس معاملے سے کچھ کچھ آگاہ تھے۔ ابو کے بستر پر پڑ جانے کے بعد تمدن بھائی نے ابو سے وہ پیسے مانگنے شروع کیے لیکن ابو ایک نفسیاتی عارضے کا شکار ہو چکے تھے۔ انہیں لگتا تھا کہ جیسے ہی وہ رقم ختم ہوگی، ابو کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی اور جب تک ان کے پاس وہ رقم باقی ہے، وہ زندگی کی گاڑی کو کھینچتے رہیں گے۔

انہیں اپنی تعفن زدہ زندگی ہر شے سے زیادہ پیاری تھی۔ انہیں پیاس کا عارضہ لاحق تھا جو شاید اسی نفسیاتی گرہ سے پیوستہ کوئی بات تھی۔ وہ ہر وقت پیاس کا شکار رہتے تھے۔ وہ خود پانی پی پی کر اور انہیں پانی پلانے والے پلا پلا کر تھک جاتے لیکن وہ پیاس جوں کی توں رہتی۔

ربیعہ نے ابو کی بہت خدمت کی۔ اس بات سے بے خبر ہو کر کہ ابو نے اس کی زندگی کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں کیں۔ ابو مرتے وقت ربیعہ ربیعہ کہہ رہے تھے۔ نجانے ان کے دل میں کیا تھا؟ کیا وہ اس کو سب کچھ بتانا چاہتے تھے یا وہ ربیعہ سے معافی مانگنا چاہتے تھے؟ ربیعہ کے علاوہ اگر ان کی زبان کوئی اور لفظ ادا کر پاتی تو شاید سمجھ میں

آتا۔ ابو مرگئے۔ تمدن بھائی کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ انہیں ابو کے سامان میں بھی کچھ نہ مل سکا۔ وہ غم و غصے سے گویا پاگل ہی ہوگئے۔ تب ایک دن مینا پھپھو خاموشی سے صولت کو لے کر چلی گئیں۔ کچھ دن بعد خبر ملی کی مینا پھپھو نے اپنے لیے ایک گھر خرید لیا ہے وہ اور صولت بڑے مزے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ تمدن بھائی وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے خنجر کی نوک پر مینا پھپھو سے سب کچھ اگلوالیا۔ ابو نے ماموں کو بھجوائے ہوئے پیسے فکسڈ اکاؤنٹ میں ڈلوائے تھے جو اتنے عرصے میں دوگنے تگنے ہوچکے تھے۔ ابو کی وفات سے چند روز قبل پھپھو نے ابو کی چھپائی ہوئی چیزوں میں سے بینک کاغذات اور چیک بک نکال کر چھپالی تھی تاکہ پیچھے کوئی سراغ باقی نہ رہے۔ بعد میں پھپھو اس رقم کی بلا شرکت غیرے مالک بن گئی تھیں۔

تمدن بھائی پھپھو سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ مکان تمدن بھائی کے نام لکھ دیں۔ پھپھو نے صاف انکار کردیا۔ تمدن بھائی کے ہاتھوں پھپھو کا قتل ہوگیا۔ وہ خون آلود خنجر لے کر گھر آئے اور کچھ ہی دیر بعد پولیس وہاں پہنچ گئی۔ ہمارے گھر کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ تمدن بھائی کو گرفتار کرلیا گیا۔ تصور بھائی فرار ہوگئے۔ جاتے جاتے انھوں نے مجھے فون کرکے گھر نہ لوٹنے کے لیے کہا۔

میں اس وقت آفس میں تھی۔ میں نے عبدالباری کو سب کچھ بتایا۔ یہ مجھے اپنے گھر لے گئے لیکن ان کے گھر والوں نے نہ صرف یہ کہ مجھے پناہ دینے سے انکار کردیا بلکہ مجھ پر رکیک الزامات بھی عائد کیے۔ عبدالباری الٹے قدموں مجھے وہاں سے لے آئے۔ ہم نے شام کو باری کے ایک دوست کے گھر نکاح کرلیا اور اگلے ہی دن شہر چھوڑ کر کراچی چلے آئے۔ یہاں باری کے ایک دیرینہ دوست اور رشتہ دار کے توسط سے ہمیں گھر بھی میسر آگیا اور باری کو جلد ہی نوکری بھی مل گئی۔ یوں زندگی قدرے بہتر شکل میں رواں ہوپائی۔ وہاں تمدن بھائی کو عمر قید سنائی گئی۔ تصور بھائی نے صولت سے نکاح کرلیا۔ یوں ان دونوں کا بھی گھر بس گیا۔ سو یہ تھی ہمارے گھر کی کہانی۔ ایک عمر کی لالچ، طمع اور حرص کا انجام۔ ساری عمر کی پیاس اور خالی ہاتھ روانگی میرے باپ کا مقدر۔ تشنہ خواہشات کو اپنے خون سے سیراب کرکے ہمیشہ کی نیند سوجانا پھپھو کی قسمت اور کھنکتے سکوں کی جھنکار سننے کے شوق میں۔ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے نبرد آزمائی تمدن بھائی کا نصیب ٹھہرا۔

☼ ☼ ☼

"ماں..... ماں....." اس کے لب دھیرے دھیرے کانپ رہے تھے اور بند پلکوں سے آنسو رواں تھے۔ اپنا سر اپنی ماں کے سینے پر دھرے وہ محض اسی لفظ کی تکرار کیے جاتی تھی۔

"میری بچی..... میری بیٹی..... میری زندگی....." وہ اسے بازوؤں کے حصار میں لیے ایک عمر کی تشنگی کو قطرہ قطرہ سیراب کررہی تھیں۔

عباد' انیقہ' ترانا اور عبدالباری ساکت بیٹھے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ زندگی اتنے رنگ بھی بدل سکتی ہے' یقین کرنا مشکل تھا لیکن جو کچھ بھی تھا' نظروں کے سامنے تھا۔ "جب آنکھ کھلی تو میری کوکھ خالی تھی ربیعہ! میرے ہاتھ خالی تھے' میرا دل خالی تھا۔"

وہ ان ہی الفاظ کی تکرار کیے جاتی تھیں۔

"آج میں آپ کے پاس ہوں امی! آپ کے سینے سے لگی ہوئی ہوں۔"

ربیعہ نے ان کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے دیوانگی سے اس کے ہاتھ کو بوسے دیے۔

"اسی لیے چوما کرتی تھی ان ہاتھوں کو میں۔ انہیں دیکھ کر نجانے کیوں مجھے اپنے اندر پھیلتی وہ ننھی انگڑائیاں یاد آیا کرتی تھیں۔"

"محبت کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔" عباد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اسی لیے ربیعہ سے سچی محبت محسوس (ہو)تی تھی۔ یہ تو واقعی ہماری ننھی سی بہن نکلی۔"

"کیسے کیسے انجام دیکھے ہیں میں نے۔" ترانا اداسی سے مسکرائی۔ "نفرتوں کے انجام اور محبتوں کے انجام۔ (کت)نا عظیم الشان فرق ہے۔"

☼ ☼ ☼

گھر پہنچ کر سب سے مل کر پھر کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر وہ چپ چاپ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی تھی۔ ٹیکسی والے کو مطلوبہ مقام بتا کر وہ پورا رستہ خاموش بیٹھی اپنے دل کی دھڑکنوں کو گنتی رہی۔ ٹیکسی رکی تو وہ باہر (نک)لی۔ اس کے سامنے واقع اس بلند و بالا عمارت کی تیسری منزل پر اس کا گھر تھا۔ سر اٹھائے وہ کچھ دیر اپنے گھر کی (کھڑ)کی کو دیکھتی رہی' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے پھر یکایک اسے خود پر کنٹرول نہ رہا تھا۔

وہ اندر کی جانب بھاگی۔ عمارت میں لفٹ موجود تھی لیکن اس نے سیڑھیوں کا انتخاب کیا۔ تیزی سے (سی)ڑھیاں پھلانگتی وہ چند منٹوں میں اپنے گھر کے دروازے پر جا پہنچی تھی۔ اس نے چیک نہیں کیا کہ دروازہ لاک (ت)ھا یا نہیں۔ اس نے بیل پر انگلی رکھ دی۔ اندر بیل کی آواز گونجی اور تواتر سے بجتی چلی گئی۔ ایک منٹ کے وقفے (س)ے دروازہ کھل گیا تھا۔

ایقان ساکت رہ گئی۔ وہ سامنے کھڑا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار' بڑھی ہوئی شیو' آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے' زرد رنگت' ملگجے کپڑے۔

عاشر بھی اسے دیکھ کر اسی کی طرح سکتے کی حالت میں تھا۔ کتنے ہی پل یوں گزرے تھے پھر نجانے عاشر کو کیا ہوا'

اس نے زور سے دروازہ بند کرنا چاہا۔ اگلے ہی لمحے ایقان نے اپنا ہاتھ چوکھٹ پر رکھ دیا۔ اس کے لبوں سے چیخ تو کیا کراہ تک نہ نکلی تھی۔ عاشر نے فوری دروازہ کھول دیا اور بے اختیار ہی اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ اس کی انگلیاں بری طرح سے مجروح ہوئی تھیں۔ شدت درد سے انگلیاں ہتھیلی نیلی پڑ گئی تھی۔ پوریں بالکل سفید ہو رہی تھیں۔ خود اس کا چہرہ اپنی رنگت کھو بیٹھا تھا۔

"پاگل ہو؟" وہ غرایا۔

"ہاں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لب لرز رہے تھے۔

"جانتا ہوں۔" وہ نظریں چرا کر بولا۔ "اچھی طرح جان گیا ہوں۔"

"پھر ایک پاگل کو سزا دیتے رہے؟"

"خود ساختہ پاگل پن قابل معافی نہیں ہوتا۔" وہ بے رخی سے بولا۔

"پھر یہ خود ساختہ نظر بندی؟ کیوں کیوں؟ خود ساختہ ترک دنیا..... یہ کیوں؟"

وہ اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اچانک ہی دونوں کو احساس ہوا تھا کہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ گھر کے اندر تک آ گئے تھے۔ عاشر نے احساس ہوتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا پھر اس کی جانب پشت کر لی۔

"میں تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔" وہ اسی بے رخی سے بولا۔

ایقان دھیرے سے مسکرائی۔ وہ بے رخی سے پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھی اور اس کی پشت پر سر ٹکا کر دونوں بازو اس کے گرد حمائل کر دیے۔

"اب تم میرے سامنے نہیں ہو اب جواب دو۔"

"تم..." اس کے بدن میں جیسے کرنٹ دوڑا تھا۔ "تم..... جاؤ یہاں سے..... میں..... میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔"

"میں معافی نہیں، اپنا حق مانگنے آئی ہوں۔"

"تم اپنے حقوق میرے منہ پر مار چکی ہو۔" وہ تلخ انداز میں بولا۔

اپنے گرد حمائل اس کے بازوؤں کو سختی سے جھٹک دینے کی خواہش سر اٹھا کر پھر سر گرا چکی تھی۔ دم توڑ چکی تھی۔ وہ خود کو بے بس پنچھی محسوس کر رہا تھا۔ ایقان کی بے خود محبت جال کی طرح اس کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔

"میں آ گئی ہوں عاشر! اور ابھی تو شام بھی نہیں ہوئی۔ مجھے بھولا ہوا مت کہو۔ مجھے برا بھلا مت کہو۔ میں سب کچھ سنوں گی لیکن ابھی نہیں، ابھی صرف..... صرف اپنی محبت دو مجھے جو تم نے ساری دنیا سے بچا کر صرف میرے لیے رکھی ہے۔ اس محبت پر میرا ایسا ہی حق ہے جیسا میرے وجود پر تمہارا حق ہے۔ پلیز عاشر....."

وہ اس کی پشت پر سے گھوم کر اس کے سامنے آ گئی۔ عاشر کے لیے مزید مدافعت ممکن نہ رہی تھی۔ دریا سارے بند توڑ چکا تھا۔ محبت اور آنسو ساتھ ساتھ بہہ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"یہ ہو گیا مکمل۔" اس نے پیلا نیٹ کا خوبصورت دوپٹہ ناعمہ کے اوپر ڈال دیا۔ ہرے گوٹے کا نہایت نفیس اور باریک کام پورے دوپٹے پر پھیلا ہوا تھا۔ یہ وردہ کی پورے ایک ماہ کی محنت کا پھل تھا۔

"ایسا دوپٹہ کسی دلہن کا نہ ہو گا۔ یاد رکھنا۔" اس نے ناعمہ پر رعب جمایا۔

واقعی..... بہت حسین لگ رہا ہے۔" اس کی نظروں میں بھی تحسین ابھری پھر اگلے ہی پل معدوم ہو گئی۔

آتے لمحوں کا خیال بہت جانگسل تھا۔

شادی کی رات سے قبر کی رات تک تم روز روؤ گی۔ یاد رکھنا۔"

ایک وارننگ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا دیتی تھی۔

"کیا بات ہے؟" وردہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔

"اتنی اداس کیوں ہو رہی ہو؟"

"آپ کو کیا پتہ گھر سے اتنا دور جانا کتنا مشکل لگتا ہے۔" اس نے بات بنائی۔

"آپ تو اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔"

"کیوں نہیں کر سکتی۔" وہ مسکرائی۔ "میری شادی نہیں ہو رہی، اس لیے۔"

"جی نہیں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میرا مطلب تھا، آپ تو شادی ہو کر بھی یہیں رہیں یہاں بازو میں تو سسرال ہے آپ کا۔" وردہ دفعتاً ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔

اسی لمحے رابعہ بیگم تیزی سے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر خوشی اور انداز میں بے حد گرم جوشی

"وردہ....." وہ بے ساختگی میں کچھ کہتے کہتے رک گئیں جیسے انہیں کچھ یاد آیا ہو۔

"جی امی....." وردہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "کہیے۔"

رابعہ بیگم نے قدرے تذبذب سے اس کا چہرہ دیکھا جیسے انہیں اس کی جانب سے کسی قسم کا کوئی خدشہ ہو۔

"کہیے امی! کیا بات ہے؟" وردہ کچھ حیران ہوئی۔

"بیٹا! ابھی عذرا کے پاس سے آ رہی ہوں میں۔ انہوں نے بلوایا تھا۔"

"جی!" اس نے ماں کا چہرہ دیکھا جس پر چراغ سے روشن تھے۔

"رافع نے..... ان سے بات کی ہے..... وہ چاہتا ہے..... کہ پرسوں ناعمہ اور ثانیہ کی مہندی کے موقع پر..... تمہارا اور رافع کا نکاح ہو جائے اور شادی کے دن رخصتی....."

وردہ ساکت کھڑی رہ گئی۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں حیرانی کے سمندر امڈ آئے۔ وہ ایک ٹک ماں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ حیران حیران اور قدرے خوش اور پرجوش سی ناعمہ بھی اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔

"بولو وردہ! میں انہیں کیا کہوں؟" انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں امی....." وہ سرگوشی میں بولی۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

رابعہ بیگم کا چہرہ بجھ گیا۔ ناعمہ نے حیرانی سے بہن کو دیکھا تھا۔

"لیکن..... وردہ....." انہوں نے قدرے رک رک کر کہنا چاہا۔

"آپ بھول گئیں امی! آپ نے مجھے یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا تھا؟" وہ روہانسے انداز میں بولی۔

"نہیں۔" رابعہ بیگم قدرے تاسف سے بولیں۔ "مجھے اپنا کہا یاد ہے وردہ! جیسا تم چاہو۔"

"پھر انہیں انکار کر دیں، میں رافع سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ دو ٹوک انداز میں بولی۔

باقی آئندہ شمارے میں

اکتالیسویں قسط

"ربیعہ..... ربیعہ! پیاس لگی ہے ربیعہ....."

"دادی... دادی... ! کہاں ہیں آپ؟" حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے صحرا میں چمکتی دھوپ جیسے آنکھیں ہی بے جان کیے دے رہی تھی۔

"ربیعہ... ربیعہ...!" دکھ میں ڈوبی آواز کسی ٹیلے کے پیچھے سے آئی تھی۔ "میں یہاں ہوں... یہاں..." ربیعہ اندھوں کی مانند آگے بڑھی۔ دھوپ کی شدت نیزوں کی صورت جسم کے آر پار ہوئی جاتی تھی۔ ربیعہ ہاتھ پھیلائے آگے بڑھتی رہی۔

"یہاں گرمی ہے ربیعہ... اندھیرا ہے... پیاس ہے...." آواز میں بلا کی حسرت اور پچھتاوے تھے۔

"میں... میں آپ کے لیے پانی لاتی ہوں دادی! میں... میں روشنی کیے دیتی ہوں۔ آپ میرا انتظار تو کریں۔" ربیعہ دیوانوں کی مانند بھاگنے لگی۔

"روشنی لادو ربیعہ... ذرا سی روشنی... ذرا سا پانی...."

آواز مدھم ہونے لگی۔ آسمان پر آگ برساتا سورج غائب ہونے لگا۔ ہر طرف خاموشی سناٹا اور اندھیرا پھیل گیا۔

ربیعہ کی بند پلکوں میں دھیرے دھیرے جنبش ہوئی۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ماتھے پر قطروں کی صورت ابھرتے پسینے اور جسم میں گھٹتے بڑھتے تنفس کے دباؤ کو محسوس کیا پھر گہری سانس لیتے ہوئے یکدم وہ اٹھ بیٹھی۔ اس کا پورا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہتھیلیاں چہرے پر پھیرتے ہوئے اس نے خود کو مجتمع کرنے کی کوشش کی۔

وہ خواب پوری جزئیات کے ساتھ اب جاگتے میں یاد آرہا تھا۔ وہ لہو رنگ ماحول' وہ بلا کی گرمی... وہ گویا حشر کا میدان تھا۔ اس کی دادی کی روح پر عذاب دینے والے فرشتے معمور تھے۔ وہ دنیا میں کی گئی کمائی سے آخرت کا عذاب خریدنے پر مجبور تھیں۔

"دادی...." ربیعہ کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔

اس کی پلکوں پر ستارے چمکنے لگے۔ اس کی دادی نے اس کی ماں کے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ اس میں کسی قسم کا ابہام تھا ہی نہیں لیکن اس کی دادی نے اسے ممتا کے ہر ذائقے سے روشناس کرایا تھا۔ ربیعہ کے لیے وہ گرمی کی چھاؤں اور سردی کی دھوپ تھیں۔ وہ اس کی ابتدائی بیس سالہ زندگی کی واحد ساتھی' واحد غم خوار' واحد مہربان ہستی تھیں۔ انہوں نے کبھی اسے جھڑکا نہ تھا' کبھی اسے سخت نظر سے نہ دیکھا تھا' اس کے لیے وہ شیرینی ہی شیرینی تھیں۔ ٹھنڈک ہی ٹھنڈک تھیں۔ محبت ہی محبت تھیں۔ انہوں نے منیزہ بیگم کے ساتھ جو بھی برائی کی مگر ربیعہ کو ہمیشہ اچھائی اور بھلائی کا درس دیا۔ ربیعہ کی ذات میں جتنے بھی ثمر پوشیدہ تھے' ان کا بیج دادی نے ہی رکھا تھا۔ ربیعہ کا ان سے قلبی و روحانی رشتہ اتنا گہرا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد بھی یہ تعلق ختم نہ ہو سکا تھا۔

اس نے گردن گھما کر برابر میں سوئی ہوئی منیزہ بیگم کو دیکھا' ان کے مرجھائے ہوئے چہرے پر بھی بلا کا اطمینان تھا۔ زندگی کی آخری گھڑیوں میں انہیں کوئی ملال' کوئی پچھتاوا نہ تھا۔ وہ خدا کے سامنے سرخرو تھیں۔ وہ اپنی ذات کے سامنے سرخرو تھیں۔ عمر دادی بھی گزار کر گئی تھیں۔ عمر... اس کی ماں نے بھی گزار دی تھی۔ عمر... گزر ہی جاتی ہے لیکن انجام... انجام ٹھہر جاتا ہے۔

✲ ✲ ✲

عاشر نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ وہ نجانے کس وقت گہری نیند میں چلی گئی تھی۔ اس کی سانسوں کا زیروبم اس

کے سکون اور گہری نیند کا غماز تھا۔ وہ تکیے کے سہارے تھوڑا سا نیم دراز ہو کر بیٹھا پھر اس نے بہت آہستگی سے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکالا اور سگریٹ سلگا کر ایک گہرا کش لیا۔ رگ و پے میں سکون کی لہر پھیل گئی تھی۔ ایک عرصے سے وہ جس وحشت کا شکار تھا' اس سے چھٹکارا مل جانے کا احساس بہت پرنور اور خوبصورت تھا۔ اپنی خوابگاہ میں' نرم گرم بستر پر' اپنی محبت میں دیوانگی کی حدوں کو چھوتی رفیق حیات کے ساتھ موجود ہونے کا احساس..... سکون و طمانیت کے اس ذائقے کو وہ اتنا ترسا تھا کہ تقریباً" بھول ہی چلا تھا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر سوئی ہوئی ایقان پر نظر ڈالی جو سب کچھ بھول بھال کر اس طرح سو رہی تھی۔ گویا اس کمرے سے باہر موجود دنیا سے اس کا نہ کوئی تعلق ہے نہ لینا دینا۔ اسے اپنے بچے تک یاد نہ تھے۔ عذرا بیگم کو فون پر اپنی خیریت کی اطلاع دے کر اور بچوں کی خبر گیری کرنے کی استدعا کر کے وہ مطمئن تھی۔ ادھر "حیات ولا" میں تو اس خبر کو جس جس نے بھی سنا تھا' اس نے فی الفور اپنے مانے ہوئے نفل ادا کرنے کے لیے جائے نماز بچھائی تھی۔ حیات ولا کے ہر مکین کے لیے یہ ایک روح افزا پیغام تھا۔ ایک ڈھے کر زمین پر آتا ہوا گھر پھر سے اپنی بنیادوں پر استوار ہو گیا تھا۔ جتنا سجدہ شکر بجا لایا جاتا وہ کم تھا۔

عاشر نے سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھایا اور کسی کا نمبر ملایا۔ دوسری جانب سے فوراً" فون ریسیو کیا گیا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو۔" چہکتی ہوئی آواز میں کہا گیا۔

"آئی ایم رئیلی تھینک فل ٹو یو۔" وہ ممنونیت سے بولا۔

"جانے دو' وہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا۔ سو اسے ٹھیک کرنا بھی میری ذمہ داری تھی۔"

"اینی وے..... میری دعائیں تمہارے لیے ہیں۔"

دوسری جانب چند لمحوں کے لیے خاموشی چھائی۔

"اور میری تمہارے لیے۔" اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

عاشر کال ڈس کنکٹ کر کے چند لمحے سیل فون ہونٹوں سے لگائے کچھ سوچتا رہا تھا پھر تھوڑی دیر بعد اس نے دوبارہ ایک نمبر ملایا۔

"ہیلو پھپھا جی.....!" رافع کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "پھپھو بخیر.....!"

عاشر دھیرے سے ہنس دیا۔ "بالکل۔" وہ بولا تھا۔

"اینی پرابلم؟"

"بالکل بھی نہیں۔"

"ٹریٹ پکی؟"

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔"

"اوکے..... سی یو..... اللہ حافظ....."

"اللہ حافظ۔" عاشر نے کال ڈسکنیکٹ کر کے سیل برابر میں ڈال دیا۔

سوئی ہوئی ایقان قدرے چونک کر جاگی تھی۔ اس نے جیسے گھبرا کر برابر میں عاشر کی موجودگی کا یقین کیا پھر اس کے اعصاب معمول پر آئے۔

"سو جاؤ ایقان.....!" عاشر نرمی سے بولا۔

"ہوں....." اس نے بچوں کی سی تابعداری سے سر واپس تکیے پر ڈال کر آنکھیں موندی تھیں۔

دونوں کے مابین ملاقات کو تقریباً" سات آٹھ گھنٹے گزر چکے تھے لیکن دونوں جانب سے کسی گلے شکوے' شکایت یا الزام تراشی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ یکایک "جیسے تھے" کی تفسیر بن گئے تھے۔ ایقان سراپا محبت تھی لیکن خاموش

تھی، بالکل خاموش۔ عاشر پُرسکون اور مطمئن تھا جیسے کچھ کہنا کچھ سننا نہ چاہتا ہو۔

ایقان نے اسے لزا سے ملاقات کا احوال ذرا نہ کہا تھا۔ یوں جیسے وہ بغیر کچھ جانے بوجھے یونہی ہار مان کر چلی تھی۔

عاشر نے اسے جاپان سے پاکستان تک چلے آنے کے پیچھے کسی پچھتاوے، تاسف یا شکست کا اظہار نہ تھا۔

لزا کا ذکر دونوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ دونوں چاہتے تھے کہ وہ ہار کر بھی نہ ہاریں۔ دونوں ہی چا تھے کہ وہ باظرف فتح یاب ہوں۔ دونوں ہی محبت کے امتحان میں ہارے تھے اور اپنی اپنی نظر میں سرخرو رہنا چا تھے۔

عاشر جانتا تھا کہ ایقان کے یوں چلے آنے میں اس کی فراخ دلی کا ہاتھ نہ تھا۔

ایقان سمجھتی تھی کہ واپس پلٹ کر فراخ دلی کا ثبوت اس نے دیا ہے۔ عاشر نے اسے آخر تک نہیں پکارا تھا۔ محبت لبوں پر گہری معنی خیز مسکراہٹ لیے بادل نخواستہ کسی بار نہ دعا کی طاقت سے مجبور ہو کر لوٹی ضرور تھی مگر چپ چپ تھی۔

ایقان سو رہی تھی اور عاشر چپ چاپ سگریٹ پھونک رہا تھا۔

وہاں سے بہت دور اپنے بیڈ روم میں۔۔۔ نیم دراز موبائل پر کوئی گیم کھیلتے ہوئے رافع کا ذہن گیم میں محو نہ تھا۔ وہ ایقان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ عاشر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ تقدیر اور قسمت جیسی چیزوں کے متعلق وہ پہلے کبھی اتنا سنجیدہ نہ ہوا تھا۔ آج اسے پکا یقین ہو چلا تھا۔ آپ قسمت سے منہ پھیرتے رہیے، وہ گھوم گھوم کر آپ کے سامنے آتی رہے گی۔

اس کی ذرا سی پلاننگ سے ایک گھر ویسا ہی بن گیا تھا جیسا وہ بنانا چاہتا تھا لیکن یہ قسمت کو منظور تھا، سو ہوا۔ اور اس کی شدید کاوشوں کے بعد بھی دل کا نگر ویسے نہ بس سکا جیسے وہ بسانا چاہتا تھا کہ قسمت کو نامنظور تھا۔ اب وہ روٹھی تقدیر کے سامنے گھٹنے ٹیکے بیٹھا تھا لیکن وہ بے رخی سے منہ موڑے کھڑی تھی۔ اب کیا ہونے جا رہا تھا؟ کس کو علم تھا!

✲ ✲ ✲

گیلے بالوں میں بے دھیانی سے برش پھیرتے ہوئے وہ آسمان کی وسعتوں کو کھوج رہی تھی۔ اس کی بے چین متلاشی نگاہیں جیسے افق کے پار کسی کو ڈھونڈنا چاہتی تھیں۔ اپنی ہستی اسے ایک جگسا پزل کی مانند لگ رہی تھی جس کے تمام حصے مل جانے کے بعد بھی ٹھیک طرح سے جڑ نہیں پائے تھے جیسے چند حصے آگے پیچھے ہو رہے تھے۔

”ربیعہ۔۔۔!“ شہلا نے اسے آواز دی تھی۔

کھڑکی میں کھڑی ربیعہ چونک کر بال سمیٹتے ہوئے وہ پلٹ آئی۔

”جی آپی۔۔۔!“

”وہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہو؟“ شہلا نے محبت سے اسے دیکھا اور منیزہ بیگم کا چہرہ ٹشو سے صاف کرنے لگی، وہ انہیں سوپ پلا رہی تھی۔

”مجھے تو جب سے علم ہوا ہے، تب سے تمہیں دیکھتے ہی پیار آنے لگتا ہے۔ عزیز تو تم پہلے بھی بہت تھیں، اب تو عزیز تر ہو گئی ہو۔“

ربیعہ نے آگے بڑھ کر شہلا کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

”میرے دل سے پوچھیے آپی! میں نے کبھی بھی آپ لوگوں کو پرایا یا غیر نہیں سمجھا لیکن امی سے ملنے کے بعد۔۔۔ ان کے حوالے سے آپ میرے کتنے اپنے ہو گئے ہیں۔ میں شاید سمجھا نہ سکوں۔ ایسا لگتا ہے میرے وجود کے گم شدہ حصے اچانک مل کر میری ذات کی تکمیل کر گئے ہیں۔“ بولتے بولتے اس کی آواز رندھنے لگی تو وہ یکلخت خاموش ہو گئی تھی۔

”ربیعہ۔۔۔!“ منیزہ بیگم نے بازو پھیلائے۔

ربیعہ بے اختیار آگے بڑھ کر ان سے لپٹ گئی تھی۔ منیزہ بیگم نے اس کے سر کو چوم لیا۔

”ہائے ربیعہ۔۔۔! اب تو مجھے جیلسی ہونے لگی ہے۔“ انیقہ شرارت سے بولی۔ ”جانتی ہو، امی کی محبت کا یہ اظہار صرف میرے لیے ہی مخصوص تھا۔ شہلا آپی اور عباد بھائی، امی سے شکایت کرتے تھے کہ مجھے جس بے اختیاری سے امی پیار کرتی ہیں، وہ ان کے حصے میں کیوں نہیں آتی؟“

”تم امی کو اس عمر میں ملی تھیں جس عمر کی اس وقت ربیعہ تھی۔ امی اسی لیے تمہیں پیار کرتے وقت یوں بے اختیار ہو جاتی تھیں۔“ عباد مدبرانہ انداز میں بولا۔

وہ سب پروانوں کی مانند منیزہ بیگم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔

”اس کا مطلب ہے تم میں سے کسی کو بھی مجھ سے سچا پیار نہیں ملا؟“ منیزہ بیگم قدرے روٹھے ہوئے انداز میں بولیں۔

شہلا، عباد اور انیقہ بے اختیار ان سے لپٹے تھے۔

”ہماری سگی ماں بھی ہمیں اس سے زیادہ محبت اور شفقت نہ دے پاتی امی جی۔۔۔! قیامت کے دن بھی ہماری یہی گواہی ہو گی۔“ شہلا جذباتی ہو کر بولی تھی۔

”یہی میری نجات ہے بچو۔۔۔!“ ان کی پلکیں بھیگ گئیں۔ ”اپنے آخری وقت میں، میں بہت خوش، بہت مطمئن، بہت غنی ہوں۔ مجھ سا دولت مند کوئی نہیں۔“

سب کی پلکیں نم ہو گئی تھیں۔

”ابھی آپ نے بہت جینا ہے امی! ہم سب کے لیے۔۔۔ ربیعہ کے لیے۔۔۔ ہم سب کے دامن آپ کی بے پناہ توجہ اور محبت سے بھرے ہوئے ہیں لیکن ربیعہ۔۔۔! یہ تو ابھی کچی مٹی کی مانند تشنہ ہے، پیاسی ہے، آپ کی محبت اور ممتا کی۔ ابھی آپ نے اسے بھی سیراب کرنا ہے۔“

عباد ان کے دونوں ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ منیزہ بیگم بے بسی سے مسکرا دیں جیسے عباد کی بات رد کرنے کا حوصلہ ان میں نہ ہو لیکن اسے پورا کرنا بھی ممکن نہ دکھائی پڑتا ہو۔

ربیعہ کی آنکھوں میں دھواں سا بھرنے لگا تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ رات گئے تک اسٹڈی میں مصروف تھا۔ عموماً ربیعہ یا انیقہ چائے کا تھرماس بھر کر اس کی اسٹڈی میں رکھ دیا کرتی تھیں۔ وہ بستر تک جانے سے پہلے دو تین کپ چائے ضرور ہی پی لیا کرتا تھا لیکن آج غالباً ان دونوں کو ہی علم نہ تھا کہ عباد کا سونے سے قبل کچھ مطالعے کا ارادہ ہے۔ وہ بزنس قوانین سے متعلق کتابیں کھول کر بیٹھا ہوا تھا، تب ہی بے اختیار اس کی نظر دروازے کی جانب اٹھ گئی، جہاں منیزہ بیگم کھڑی ہوئی تھیں۔ عباد بے اختیار اٹھ کر ان کی جانب بڑھا تھا۔

”امی جی۔۔۔! کیوں چلی آئیں آپ؟“ وہ پریشان ہو کر ان تک پہنچا اور انہیں تھام لیا۔ ”کچھ تکلیف ہوئی؟“

"میں بالکل ٹھیک ہوں بچے۔!" وہ مسکرادیں۔ "اتنا پریشان مت ہو۔"
عباد انہیں سہارا دے کر اندر لے آیا۔
"بیٹھیں۔" اس نے انہیں نرم کاؤچ پر بٹھایا اور خود ان کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ "اور اب بتائیں' اتنی رات کو آرام دہ گرم بستر سے اٹھ کر آنے کا کیا مقصد ہے؟"
منیزہ بیگم نے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
"اپنے بیٹے کو ایک نظر دیکھنے کا خیال آیا تھا۔" وہ لبوں پہ نرم مسکان سجائے بولیں۔
"ربیعہ سو گئی؟" عباد نے پوچھا۔
"ہاں' پورا دن میری خدمت کر کے بہت تھک جاتی ہے وہ۔ بے خبر سو رہی ہے۔"
"آپ کی خدمت عین عبادت و سعادت ہے ہم سب کے لیے۔" عباد نے ان کا ہاتھ تھاما۔
"عباد۔!"
"جی امی۔۔۔ حکم۔۔۔"
"بیٹا! ایک بات کہنا چاہ رہی تھی تم سے۔" وہ قدرے ہچکچا کر بولیں۔
"آپ کہیں امی جی۔!" عباد نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا۔
"عباد! اس دن امیر حسن کے ساتھ۔۔۔ جو لڑکا آیا تھا۔۔۔" وہ ذرا کی ذرا رکیں۔
"شہریار احمد۔۔۔" عباد فوراً بولا۔
"ہاں۔۔۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "شہریار احمد' میں نے تم سے اس کے والد کا نام دریافت کیا تھا۔ جانتے ہو کس لیے؟"
عباد جواب دیے بنا ان کی اداس آنکھیں دیکھتا رہا۔
"وہ لڑکا۔۔۔ ہو بہو احمد جہاں زیب کی تصویر ہے۔ ہو بہو عباد۔۔۔ ہو بہو وہی۔۔۔ ربیعہ کے والد۔۔۔ احمد جہاں زیب۔۔۔ میں نے جس لمحہ اسے دیکھا' کوئی انجانی طاقت مجھے پوری شدت سے دھکیلتی ہوئی ماضی کی بھول بھلیوں میں لے گئی۔ میرا پورا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ مجھے لگا جیسے کسی نے مجھے ایک فریم میں قید کر دیا ہو۔ آج سے پچیس برس پہلے کی تصویر کے فریم میں۔"
عباد نے ان کے نحیف جسم کو کانپتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ان کے یخ ہوتے ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں دباتے ہوئے انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کی۔
"پھر میں نے تم سے اس کے باپ کا نام پوچھا اور میرے شک پر تصدیق کی مہر ثبت ہو گئی۔ ہاں ہاں عباد۔! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لڑکا۔۔۔ ربیعہ کا بھائی ہے۔۔۔ احمد جہاں زیب کا بیٹا۔۔۔" ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کے ہونٹ دھیرے دھیرے کپکپا رہے تھے۔
"کیسا انہونا اتفاق ہے۔" عباد بڑبڑایا۔
"میں۔۔۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں عباد! اگر واقعی وہ ربیعہ کا بھائی ہے تو ان رشتوں کو ملنا چاہیے۔ ربیعہ کو اپنے بھائی سے' اپنے باپ سے ملنا چاہیے۔" ان کا لہجہ بھرا گیا۔
"لیکن انہوں نے آپ کے ساتھ کیا کیا تھا امی جی۔!" عباد کو ان کے ساتھ ہونے والی ساری ناانصافیاں یاد آ گئیں۔ "ربیعہ کیوں ملے ان سے۔"
"میں نے اپنے تمام معاملات خدا کے سپرد کر دیے ہیں میرے بیٹے!" وہ رونے لگیں۔ "اس کے بعد مجھے کچھ اختیار نہیں رہا کہ میں کسی شخص کے خلاف اپنے دل میں کچھ کدورت رکھوں۔ میرا اللہ سب کا حساب کتاب انصاف سے کرے گا۔ مجھے پورا یقین ہے۔" عباد نے بے اختیار ہو کر ان کے ہاتھوں کو چوما اور آنکھوں سے لگا لیا۔
"ٹھیک ہے امی جی۔!" پھر وہ بولا تھا۔ "امیر حسن یوں بھی آپ کی عیادت کے لیے آنا چاہتا ہے۔ میں شہریار کے لیے بھی اصرار کروں گا۔ میں۔۔۔ میں کل ہی انہیں بلواتا ہوں۔" اس نے انہیں تسلی دی۔



شام ست رنگی چنریا اوڑھ کر "حیات ولا" میں اتری تھی۔ وسیع و عریض رقبے کے حامل پورے گھر پر تازہ رنگ و روغن کے بعد ہونے والی لائٹنگ نے ایک عرصے کے بعد کونے کونے کو رونق اور دلکشی کا اچھوتا احساس بخشا تھا۔ جا بجا دھنک کے سب ہی رنگ بکھرے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔
عمارت کے پچھلے وسیع لان کو خاص طور پر سجایا گیا تھا۔ یہاں بیک وقت تینوں دلہنوں کی رسم مہندی کا انتظام کیا گیا تھا۔ رنگین قناتیں باندھ کر کرسیاں بچھا دی گئی تھیں۔ کرسیوں کے درمیان میں اسٹیج اس طرح بنایا گیا تھا کہ ہر طرف سے مہمان رسمیں وغیرہ دیکھ سکیں۔
شام ابھی اتری ہی تھی لیکن تمام لائٹس آن تھیں۔ جا بجا رکھے گئے تازہ پھولوں کے گلدستوں نے ماحول کو لطیف و معطر بنا دیا تھا۔
پورے ماحول کا بہ نظر غائر جائزہ لینے کے بعد عریشہ نے کھڑکی بند کر دی پھر رخ موڑ کر کھڑکی سے ٹیک لگا کر وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔ نچلے لب کا کونا اس کے دانت تلے دبا ہوا تھا۔ آج بڑے معرکے کا وقت آیا تھا۔ اس کے برابر بیٹھی ہوئی ناعمہ اور سامنے بیٹھا ہوا افراز۔۔۔ کیسا کڑا وقت گزرنا تھا اس کے ناتواں دل پر آج۔
فراز کی چنچل بہنوں کی فرمائش تھی کہ دولہا دلہن کی رسم مہندی ایک ہی موقع پر سرانجام دی جائے۔ بزرگوں نے بھی بچوں کی خوشی کا خیال کرتے ہوئے نہ صرف اجازت دے دی تھی بلکہ نافع کی رسم مہندی بھی اسی وقت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
"عریشہ۔!" ماہین کی حیرت بھری آواز پر وہ چونکی تھی۔ "وہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟ میں نے تمہارا جوڑا واش روم میں لٹکا دیا ہے' نہا کر پہن لو۔"
عریشہ نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ ماہین اس کے قریب آ گئی پھر اس نے پیار سے بہن کی ٹھوڑی کو چھوا۔
"تینوں دلہنوں میں میری بہن لاجواب ہو گی۔ دیکھ لینا' آج پیلا جوڑا کیسا غضب ڈھائے گا۔"
عریشہ کے لبوں پر ایک ناسمجھ میں آنے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔
"غضب ہی تو ڈھانا ہے۔" اس نے سوچا تھا۔
پھر وہ خاموشی سے واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔



کھانے اور دیگر انتظامات کا جائزہ لینے کے بعد وہ نہانے کے ارادے سے تھکا ہوا سا کمرے میں داخل ہی ہوا تھا کہ یکایک ٹھٹک کر رک جانے کے تمام لوازمات نگاہوں کے سامنے آئے تھے۔
شہلا گہرے زرد رنگ کی بنارسی ساڑھی زیب تن کیے' سراپا نازنین کھڑی تھی۔ وہ کلائی میں موتیے کے مہکتے پھولوں کا گجرا پہننے کی کوشش کر رہی تھی۔ خود پر از حد جبر کر کے بھی ہاشم اس منظر سے آزاد ہونے میں ناکام ٹھہرا اور

ٹکٹکی باندھ کر اپنے کام میں منہمک شہلا کو دیکھے گیا۔

گہرا زرد رنگ اس نے شاید پہلی مرتبہ پہنا تھا اور اس رنگ میں وہ کس قدر حسین نظر آتی تھی۔ شاید اسے خود بھی احساس نہ تھا۔ کمر تک آتے سیاہ گھنیرے، چمکیلے بال اس نے کئی دن بعد یوں سنوار کر کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ بالوں میں لگائی ہوئی ڈھیروں ڈھیر موتیے کی لڑیاں اس کے دونوں کاندھوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ گلے میں سچے موتیوں کا گلوبند اور کانوں میں آویزے تھے۔ خوبصورت آنکھوں کو مسکارے اور لائنر نے مزید قاتل بنا دیا تھا۔ ہونٹوں پر گہری سرخ لپ اسٹک تھی۔ اتنا چمکدار، مہکتا روپ تو ہاشم نے شاید سہاگ رات کو بھی محسوس نہ کیا تھا۔ یکایک اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی دیوانی محبت سے شہلا کا سارا روپ بگاڑ دے۔ اس کے نک سک سے درست انداز کو بکھیر سا دے۔

شہلا اچانک چونکی تھی۔

"ارے آپ..... آپ کب آئے؟"

ہاشم کو خود میں لوٹنے میں چند لمحے لگے۔

"میں..... بس..... ابھی....."

"انتظامات مکمل ہیں؟" وہ گجرا لیے اس کے قریب چلی آئی۔

"ہاں..... بالکل..... رافع نے سب ہی کچھ اپنے ہاتھ میں لیا ہوا ہے۔" اس نے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

"اچھا..... یہ ذرا گجرا تو بند کر دیں۔" شہلا نے کلائی آگے کی تھی۔

ہاشم نے کسی معمول کی مانند گجرا لیا تھا۔ شہلا کے مخصوص پرفیوم کی دلکش مہک نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ ہاشم نے اسے گجرا پہنا دیا۔ شہلا نے اس کے جذبوں کی گرمی کو بالآخر محسوس کیا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے نظریں اٹھائیں پھر فوراً ہی جھکا لیں۔ راز و نیاز کرتی ان آنکھوں سے باتیں کرنا اس کے لیے کار دشوار تھا۔ موبائل کی بیپ نے دونوں کو کسی پرفسوں لمحے کی گرفت سے آزاد کیا تھا۔ شہلا چونک کر موبائل کی جانب بڑھی۔ ہاشم اس کی پشت پر بکھرے بالوں کو دیکھتا ہوا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔

"ہیلو....." شہلا نے کال ریسیو کی تھی۔

الماری سے اپنا ہینگ کیا ہوا کرتا شلوار نکالتے ہوئے ہاشم کے ہاتھ تھم گئے۔ اس نے شہلا کی بہت دلکش، مترنم ہنسی کی آواز سنی تھی۔ اس ہنسی میں اس کے روپ سے بڑھ کر تازگی پوشیدہ تھی۔

"ہاں زندگی..... بولو..... میں تمہارے ہی فون کی منتظر تھی۔"

ہاشم نے لمحہ بھر کے لیے اپنی آنکھیں بند کریں۔ ایسا لہجہ، ایسے الفاظ، کبھی اس کا بھی مقدر بنے۔

"بہت تنگ کرنے لگے ہو مجھے، خفا ہو گئی تھی میں تم سے....." وہ باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کمرے میں چل پھر کر چیزیں بھی ان کی جگہوں پر رکھ رہی تھی۔

"میری جان.....! میں نے کبھی تم کو خود سے دور محسوس کیا ہی نہیں پھر بھی تمہیں دیکھنے کو، پیار کرنے کو میرا دل تڑپتا ہے۔ تمہارا دل نہیں کرتا اپنی مما سے ملنے کو؟"

ہاشم کے لبوں سے گہری سانس آزاد ہوئی۔

"بس کچھ وقتی مصروفیات ہیں پھر مما ہوں گی اور مما کا بیٹا.....!" وہ ہنستے ہوئے تولیہ لٹکانے کے ارادے سے ڈریسنگ روم میں آئی تھی۔

ہاشم کو ہنوز وہیں کھڑا دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ ہاشم قدرے خفیف سا ہو کر واش روم میں گھس گیا تھا۔ شہلا نے تولیہ لٹکایا اور کچھ سوچتے ہوئے عمر کی معصوم باتوں پر ہوں ہاں کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔



لڑکیوں نے ڈھولک کی تھاپ پر روایتی گیتوں کا آغاز کیا تھا جو کچھ ہی دیر بعد فلمی، علاقائی اور مختلف قسم کے گانوں سے ہوتے ہوئے شور شرابے اور پھبتیوں کا رخ اختیار کر گئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح لڑکے بھی ڈفلیاں اور مٹھائیاں لیے محفل میں شریک ہو گئے تھے اور "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" کے نظریے کو الٹا ثابت کرنے کے لیے اپنی پوری پوری توانائیاں صرف کر رہے تھے۔ ایقان کا جوش اور ولولہ عروج پر تھا۔ سب کی چھیڑ چھاڑ، شرارتوں اور شوخیوں کا برا منائے بغیر مفصل جواب دیتے ہوئے وہ جان محفل نظر آ رہی تھی۔ گہرے سبز رنگ کے لباس میں اس کی خوبصورت رنگت لو دے رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک عجب چمک تھی جیسے آئینے کو بہت سی روشنیوں میں آئینے کے ہی مقابل لے آیا جائے۔ ڈھولک بجاتی، بلند لے میں آواز کا جادو جگاتی وہ طلسماتی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے رافع کسی کام کا خیال آ جانے پر پلٹ رہا تھا جب عاشر سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"دیکھ کر بھائی.....!" عاشر نے اسے بازوؤں سے تھاما۔ "کہاں کھوئے ہوئے ہو؟"

رافع نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"بس "پھپھی جان" کا بدلا بدلا خوبصورت روپ دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ روپ تو پھپھا جان آپ کا بھی دمک رہا ہے۔"

اس نے کلین شیو ہوئے نک سک سے درست عاشر پر غور کرتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔ لڑکیوں کے درمیان بیٹھی ایقان ان کے قہقہے کی سمت متوجہ ہوئی تھی۔ چند لمحوں کے لیے اس نے غور کرنے کی کوشش کی کہ وہ دونوں کس بات پر ہنسے تھے پھر سر جھٹک کر اپنے گیت کی جانب متوجہ ہو گئی۔



"ماشاء اللہ۔" وردہ کے لبوں سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔ زرد لباس پر اس کا بنایا ہوا نیٹ کا پیلا اور ہرا دوپٹہ اوڑھے دونوں کلائیاں ہری چوڑیوں سے بھرے ناعمہ سادہ روپ میں بھی فرشتوں کی سی معصومیت اور دلکشی کا پیکر معلوم ہوتی تھی۔

اس نے بہن کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا۔ دونوں کا ہی دل بھر آیا تھا۔ ناعمہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وردہ نے خود پر بڑا ضبط کر کے آنسوؤں کو اپنے اندر ہی اتارا اور ناعمہ کا چہرہ صاف کرنے لگی۔

"بری بات ہے۔" اس نے چھوٹی بہن پر رعب جمانے کی ناکام سی کوشش کی۔ "امی نے اگر تمہیں یوں نیر بہاتے دیکھ لیا تو وہ اپنا ضبط کھو بیٹھیں گی۔ اگر تم چاہتی ہو کہ امی خوشی خوشی تمہیں وداع کریں تو اپنے آنسوؤں پر قابو رکھنا۔"

"آپی!" وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "امی کے لیے ہی یہ پل صراط پار کر رہی ہوں، صرف ان کی خوشی کے لیے۔"

"بری بات..... ایسے مت کہو..... فراز اچھا لڑکا ہے..... خوش رکھے گا تمہیں..... ذرا سی غلط فہمیوں سے زندگی کی مضبوط بنیادوں کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہر طرح کے وہم اور وسوسے دل سے نکال کر نئی زندگی کی شروعات کرنا۔"

"مجھے اپنی پروا نہیں۔" اس نے سوں سوں کرتے ہوئے سر ہلایا۔ "صرف امی کا خیال ہے۔ آج احساس ہو رہا ہے کہ ماں دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس سے یوں جدا ہونا لڑکیوں کے نصیب میں لکھا ہوتا ہے۔"

"یہ دکھ..... نئی خوشیوں کی اساس ہوتا ہے ناعمہ.....!"

"ہاں... اگر خوشیاں مقدر میں ہوں تو... میں تو خوف اور وسوسوں سے بھری انجانی دنیا میں قدم رکھنے جا رہی ہوں۔ مجھے تو یہ جدائی اور بھی مشکل معلوم ہو رہی ہے۔"

اتنے عرصے بعد آج وہ بہن کے سامنے کھل کر بول رہی تھی کہ دل کا بوجھ آج سوا معلوم ہوتا تھا۔

"میری بہن بہت بہادر، بہت ہمت والی ہے۔ تم نے جس صاف دلی اور ثابت قدمی سے یہ محاذ لڑا ہے، اللہ تمہیں ضرور اس کا اجر دے گا۔ جو دوسروں کے پردے رکھنا جانتا ہے، خدا اسے ہر مشکل سے بچاتا ہے۔" دروہ نے اس کے دل کا بوجھ کم کرنے کی بھرپور سعی کی۔

ناعمہ گہری سانس بھر کر کچھ سوچنے لگی تھی۔

پنڈال میں سب ہی آ چکے تھے، اب صرف فراز کے گھر والوں کا انتظار تھا۔ نافع کے مخصوص، بے تکلف دوستوں کو انتظامات دیکھنے ر ہدایت تا ہوا رافع، ہاشم کو ڈھونڈنے چلا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رک گیا۔

شہلا کی ہمراہی میں انیقہ اور ربیعہ آ رہی تھیں۔ رافع نے سوچا کہ وہ مڑ جائے یا وہ ان سے کترا کر گزر جائے یا پھر دو گھڑی ٹھہر کر اس سے کلام کر لے۔ دلِ ناداں نے لمحہ بھر میں کئی صورتوں پر غور کیا۔

ربیعہ کا دل اسے یوں راہ میں حائل دیکھ کر مختلف لے پر دھڑکا تھا۔ اس نے سوچا۔ وہ رکے بغیر شہلا اور انیقہ کے ساتھ سر جھکا کر گزر جائے یا یوں ظاہر کرے جیسے اسے دیکھا ہی نہیں یا پھر اس کے پاس ٹھہر کر اس کا حال پوچھے۔

دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم، ایک سی کیفیت کا شکار تھے۔ اچانک دونوں ہی چونکے تھے۔ شہلا اور انیقہ اپنی دھن میں باتیں کرتی کب کی آگے نکل گئی تھیں۔ ربیعہ نجانے کب اور کیسے وہیں ٹھہر گئی تھی۔ ڈھیر ساری روشنیوں اور خوشبوؤں کے ہالے میں بس وہی دونوں وہاں ٹھہرے رہ گئے تھے۔

"آپ..." ربیعہ بے ساختہ ہی گھبرا کر بولی۔

"آپ..." رافع نے چونک کر بے ساختگی سے کہا۔

"کیسے ہیں آپ؟" پھر دونوں ایک ساتھ بولے تھے۔

پھر دونوں کو ہی اس عجیب سی صورت حال پر ہنسی آ گئی۔

"بہن اور بھائی کی شادی مبارک ہو آپ کو۔" ربیعہ بولی۔

"شکریہ۔" وہ مختصراً بولا۔

مزید رکنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ ربیعہ سر جھکا کر آگے بڑھ گئی۔ رافع کو یکایک یوں محسوس ہوا جیسے ساری روشنیاں اور خوشبوئیں اس کے قدموں سے بندھی تھیں۔ اس کے ساتھ پورا منظر ہی جانے لگا۔

"ربیعہ..." وہ بے ساختہ پکارا۔

ربیعہ کے قدم تھم گئے، وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا وہ صحرا میں بادل کی مانند تھا۔ وہ کسی سراب کی مانند تھا۔ اس کی نظروں کی وہ تابناکی صرف اس کے لیے تھی یا سب ہی کے لیے تھی؟ اس کے لبوں کی وہ مہربان مسکراہٹ اس کے دیدار کی عطا تھی یا ہمیشہ وہ لب یونہی مسکراتے تھے؟

زندگی سے لگتے ہو، زندگی سے ملتے ہو
ایسی ہی خوشی سے کیا ہر کسی سے ملتے ہو؟
خوابوں سے بھی دنیا اک تمہارے آنے سے
روشنی سے لگتے ہو، چاندنی سے ملتے ہو؟

اپنے درمیان ایک مقناطیسی کشش کے زیر اثر دونوں اپنی اپنی جگہ کھڑے عجیب کیفیت کا شکار تھے۔ دفعتاً زوردار آوازوں کے ساتھ آسمان رنگ برنگ روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا اور ربیعہ اور رافع جیسے کسی طلسم سے آزاد ہوئے۔ ربیعہ نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا جو بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ رافع تیزی سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔ یہ فراز کے گھر والوں کی آمد کا اعلان تھا۔

"امّی جی..." عباد نے انہیں پکارا۔

منیزہ بیگم کی بند پلکوں میں لرزش سی ہوئی۔ نجانے وہ سوئی ہوئی تھیں یا کسی گزشتہ یاد کا عکس ان کی نم پلکوں پر لرزاں تھا۔

"جی بیٹے! کہیے۔" ان کا لہجہ بھی بھیگا بھیگا سا تھا۔

"امیر حسن اور شہریار احمد آئے ہیں۔" عباد نے سہارا دے کر انہیں بٹھایا۔ "آپ کو ڈرائنگ روم میں لے چلوں؟"

"نہیں۔" وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولی تھیں۔ "انہیں یہیں لے آؤ، اپنے ہی بچے ہیں۔"

"جی بہتر۔" عباد باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

انہوں نے امیر حسن اور شہریار احمد کو خاص طور پر اسی وقت بلوایا تھا۔ وہ یہ باتیں ربیعہ کی غیر موجودگی میں کرنا چاہتی تھیں، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس پر کسی ایسی بات کا انکشاف ہو جو اس کے نازک دل کو مزید ٹھیس پہنچانے کا باعث بنے۔

عباد کی ہمراہی میں وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ دونوں نے انہیں بہت احترام سے سلام کیا اور ان کی خیریت دریافت کی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بچو! اللہ تمہیں صحت، تندرستی عطا فرمائے، خوش رکھے۔ بیٹھو امیر حسن..."

"شہریار... آپ یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

امیر حسن اور شہریار احمد کی آنکھوں میں عجیب تاثر ابھرا تھا۔ امیر حسن عباد کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا جبکہ شہریار ان کے قریب جا بیٹھا۔

منیزہ بیگم نے بہت محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"بیٹے! میں نے آپ لوگوں کو پریشان تو نہیں کیا؟"

"کیسی باتیں کرتی ہیں آنٹی! ہمارے لیے تو یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ ہم تو ویسے بھی آپ کی عیادت کے لیے آنا چاہتے تھے۔" وہ بھی بہت محبت بھرے انداز میں بولا۔

"مجھے خوشی ہو گی اگر آپ مجھے "امی" کہو۔" منیزہ بیگم آہستہ سے بولیں۔

"ضرور..." شہریار نے ان کے ہاتھ تھامے۔ "آپ کو دیکھ کر "ماں" کا ہی خیال آتا ہے۔ میں سوچتا ہوں، عباد صاحب بہت خوش قسمت ہیں۔ آپ ان سے بہت پیار کرتی ہوں گی۔"

"سب ہی مائیں اپنے بچوں سے پیار کرتی ہیں۔" منیزہ بیگم دھیرے سے مسکرائیں۔ "آپ کی امی بھی آپ سے پیار کرتی ہوں گی۔"

شہریار کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے اداسی بکھری تھی۔

"شیری کی مما... شیری کی پیدائش کے چند سال بعد ہی وفات پا گئی تھیں۔" امیر حسن نے دھیرے سے بتایا۔

"میری مما نے ہم دونوں کی دیکھ بھال کی۔ میری مما اور شیری کی مما بہنیں تھیں۔"

"اوہ... افسوس ہوا بیٹے آپ کی والدہ کے بارے میں جان کر۔" منیزہ بیگم کے چہرے پر کرب کا سایہ لہرایا تھا۔

"اور آپ کے والد...؟"

"میرے والد کا تعلق پاکستان سے ہی ہے۔ برسوں پہلے وہ ہمیشہ کے لیے وہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ میرے نانا ایک انڈین تھے۔ کاروبار کے سلسلے میں برطانیہ گئے پھر وہیں کے ہو رہے۔ ان کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ میری مما پیدائشی طور پر دل کی مریضہ تھیں۔ ان کے دل میں سوراخ تھا۔ ایسے میں ان کی ملاقات میرے بابا احمد جمال زیب سے ہوئی، جنہوں نے یہ حقیقت جانتے ہوئے بھی کہ مما کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں' مما کو اپنا رفیق سفر بنا لیا۔ نجانے کیوں وہ شروع سے کہتے ہیں کہ ان کے دل میں بھی سوراخ ہے' اسی لیے انہوں نے مما سے شادی کی۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ ڈاکٹرز کے مطابق ان کا ہارٹ بالکل پرفیکٹ ہے پھر بھی نجانے کیوں بابا اپنی بات پر اٹل ہیں۔ انہیں وہم ہے کہ وہ دل کے مریض ہیں۔"

شہریار احمد سادگی سے کہہ جا رہا تھا۔ عباد نے اپنی ماں کی پلکوں پر ستارے سے چمکتے دیکھے۔

"دو پچھلے چند سالوں سے انکل پیرالائز ہیں۔" امیر حسن گویا ہوا۔ "وہ صرف اشارے سے اپنا مدعا بیان کر سکتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہے، جو اندر ہی اندر انہیں گھلاتا ہے لیکن انہوں نے کبھی کسی سے کچھ کہا نہیں۔ شیری سے بھی نہیں۔"

"لیکن میں جانتا ہوں بابا کے ماضی کے متعلق۔ مجھے ان کے ایک بہت گہرے دوست نے بہت کچھ بتایا ہے۔" شہریار نے بہت سکون سے کہا پھر اس نے منیزہ بیگم کا چہرہ دیکھا۔ حقیقت یہ تھی کہ عباد نے ان دونوں کو اعتماد میں لے کر سب ہی کچھ بتایا ہوا تھا اور شہریار نے بہت سی باتوں کی تصدیق بھی کی تھی لیکن منیزہ بیگم کے کتھارسس کے لیے وہ لوگ دھیرے دھیرے ساری باتیں کر رہے تھے۔

"کیا... کیا بتایا انہوں نے آپ کو؟" منیزہ بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔

"بابا... پاکستان چھوڑ کر گئے تو وہ غیر شادی شدہ نہ تھے۔ انہوں نے... ایک کرسچن خاتون کو مسلمان کر کے ان سے شادی کی تھی لیکن بعد میں غلط فہمی کا شکار ہو کر انہوں نے ان خاتون کو ڈائی ورس دے دی تھی۔"

ایک آنسو منیزہ بیگم کی آنکھ سے بہہ کر ان کی گردن کی جھریوں میں کھو گیا۔ بہت ضبط سے انہوں نے باقی اشکوں کو اپنے اندر ہی سمیٹ لیا۔

"آپ کے بابا... جانتے ہیں... کہ انہیں غلط فہمی ہوئی تھی؟" بہت سی آہوں اور سسکیوں کا گلا گھونٹتے ہوئے انہوں نے دھیرے سے پوچھا۔

"جی ہاں..." شہریار بھرپور اعتماد سے بولا۔ "وہ جانتے ہیں کہ انہیں غلط باتیں بتائی گئیں۔ انہیں اصل رستے سے بھٹکایا گیا تھا۔ ان سے جھوٹ در جھوٹ بولا گیا تھا اور ایسا کرنے والا کوئی اور نہیں' ان کی اپنی ماں اور بہن تھیں۔"

"الحمدللہ۔" منیزہ بیگم نے زیر لب کہا اور آنکھیں بند کر کے سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔

شہریار' امیر حسن اور عباد نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ کئی پل یونہی گزر گئے۔ منیزہ بیگم کی بند پلکوں میں جنبش نہ ہوئی۔

"امی جی..." عباد گھبرا سا گیا۔

منیزہ بیگم نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا اور سکون و اطمینان سے مسکرائیں۔ عباد کو یک گونہ تسلی ہوئی۔

"ادھر آؤ بیٹے... میں آپ کی پیشانی چومنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے شہریار کی جانب ہاتھ بڑھائے' وہ فوراً ان کی طرف جھکا تھا۔ منیزہ بیگم نے اس کی پیشانی پر محبت سے بوسہ دیا اور اسے سینے سے لگا لیا۔

"میں تمہاری ماں ہوں شہریار... مجھے اپنی ماں سمجھو... میں تمہاری بہن کی ماں ہوں۔"

شہریار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ان کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا لیا۔

"انسان بہت ناشکرا اور جلد باز ہوتا ہے۔" پھر وہ بولی تھیں۔ "کبھی میں ایک بیٹی کے چھن جانے پر تڑپ تڑپ کر روتی تھی اور آج میری ممتا کو سیراب کرنے کے لیے میری اتنی بیٹیاں اور بیٹے میرے پاس ہیں۔"

امیر حسن بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھا تھا۔ منیزہ بیگم نے اسے بھی پیار کیا۔

"میری بیٹی بہت امتحانوں سے گزری ہے۔ خدا نے اسے سب ہی آزمائشوں میں سرخرو کیا۔ اسے سب ہی رشتے عطا کیے۔ اے میرے رب! تیرا شکر ہے۔"

وہ اپنے سچے رب کی بے پایاں عنایتوں پر شکر گزار تھیں۔

اس نے خود کو کوئلے کی طرح دہکتا ہوا محسوس کیا تھا۔

اس کے بائیں جانب ثانیہ تھی' اسی کی طرح زرد پیراہن میں ملبوس۔ بائیں جانب ناعمہ تھی جس کا چمکتا روپ اس کے گھونگھٹ کی آڑ سے بھی اپنی روشنیاں بکھیر رہا تھا اور اس کے عین مقابل صوفے پر بیچوں بیچ فراز ایستادہ تھا۔

میرون' خوبصورت شیروانی زیب تن کیے وہ بہت پُر تمکنت اور پُرکشش نظر آ رہا تھا۔ عریشہ کو احساس ہوا' کسی نے اسے نگاہیں جھکانے کی ہدایت کی ہے پھر اسے احساس ہوا کہ وہ ٹکٹکی باندھ کر فراز کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے بروقت تمام نظریں جھکائیں۔

فراز کے گھر والوں نے عین وقت پر نکاح کی اجازت طلب کر لی تھی تاکہ شادی کی تقریب میں وقت بچانے کا اہتمام کیا جا سکے۔ کسی کو اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہ تھا۔ سو مختصر سے وقت میں اس ضروری کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے لیا گیا تھا۔ ناعمہ' فراز کی منکوحہ ہو چکی تھی۔ اس کے دل کی کیا حالت تھی' عریشہ کو علم نہ تھا لیکن اس کا اپنا دل کوئلے کی مانند دہک دہک کر راکھ میں تبدیل ہوا جا رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا اس شریر سے وہ ناعمہ کے گھونگھٹ کو آگ لگا کر اسے بھی راکھ بنا ڈالے۔ سامنے بیٹھے مطمئن و خوش خرم فراز کا گریبان تار تار کر کے اس کے چہرے پر تھپڑ برسائے اور اپنے دل کو برباد کرنے کی وجہ پوچھے۔ وہ سلگ جا رہی تھی۔

تب ہی نافع آ کر فراز کے قریب بیٹھا تھا۔ جلتی' سلگتی عریشہ لحہ بھر کے لیے ٹھٹک سی گئی۔ اس نے بہت دنوں کے بعد اسے دیکھا تھا یا یوں بالمقابل دیکھا تھا۔

سفید شلوار اور سلور شیروانی میں گورا چٹا نافع اتنا وجیہہ لگ رہا تھا جیسے آدھی رات کو چاند کے بجائے سورج نکل آئے۔ عریشہ کو اپنی نظروں پر اعتبار نہ آیا۔ فراز کے ساتھ بیٹھا ہوا نافع وجاہت میں فراز کو بھی مات دے رہا تھا۔ وہ چونکہ اپنوں میں ہی آ کر بیٹھا تھا' اس لیے اس کے انداز میں فراز کا سا تکلف نہ تھا۔ وہ خوش باش اور بے فکر نظر آتا تھا۔

"یہ اجتماعی شادی کون کروا رہا ہے؟" علی نے اسٹیج پر نظر ڈال کر پوچھا تو ایک قہقہہ پڑا تھا۔

"جی کوئی راضی ہو تو آپ بھی بیٹھ جایئے۔" کسی کونے سے آواز آئی۔ مزید قہقہہ بلند ہوا۔

"مجھے شادی کرنی ہے' راشن کی قطار میں نہیں لگنا۔ قاضی صاحب نہ ہوئے' یوٹیلٹی اسٹور والے ہو گئے۔"

اس کی باتوں پر سب ہی کے ہونٹوں پر مسکان تھی۔ سوائے عریشہ کے جو لب بھینچے کسی پتھر کے بت کی طرح رسمیں کروا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

”ٹھیک طرح سے کھانا۔“ وردہ نے کونے میں پلیٹ پکڑے کھڑی ربیعہ کو ہدایت کی تھی۔
”یہ کیا؟“ پھر وہ اس کی پلیٹ میں ذرا سے چاول اور سلاد دیکھ کر بولی۔ ”بی چڑیا۔۔۔ اتنا تکلف نہیں چلے گا۔۔۔ ادھر لاؤ پلیٹ۔۔۔“

ربیعہ نہ نہ کہتی رہ گئی۔ وردہ نے اسے روسٹ پیس اور کباب لا کر دیے۔
”میں اتنا نہیں کھا سکتی وردہ!“ ربیعہ منت سے بولی۔ ”میں تو تقریباً“ کھا چکی ہوں۔“
”چلو میں تمہارے ساتھ کھاتی ہوں۔“
دونوں قریب کی میز پر آبیٹھیں۔
”گھر جانے سے پہلے میں ناعمہ کو مبارک باد بھی دینا چاہتی ہوں۔ رش میں مجھے موقع نہ مل سکا۔ کافی گیدرنگ ہے نا۔“

”خاندان بھر سے سب ہی کو مدعو کیا گیا ہے نا پھر دوست احباب۔۔۔ ملنے ملانے والے۔۔۔ یوں ایک بڑی تقریب بن گئی۔“

ربیعہ نے آہستگی سے سر ہلایا پھر اسے کچھ خیال آیا۔
”آنٹی رابعہ۔۔۔ ملی تھیں ابھی۔۔۔“
وردہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
”ہوں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔
”وہ کہہ رہی تھیں۔۔۔“
”کہ میں نے رافع سے شادی سے انکار کر دیا۔ ہے نا؟“ وردہ نے اس کی ادھوری بات مکمل کی۔
”کیوں وردہ۔۔۔ کیوں؟“ ربیعہ کے لہجے میں احتجاج تھا۔ ”کیا برائی ہے رافع میں؟“
”تم بتاؤ۔“
”میں؟“ وہ حیران ہوئی۔
”ہاں ربیعہ۔۔۔ تم بتاؤ مجھے۔۔۔ رافع میں کیا برائی ہو سکتی ہے؟“
”کچھ نہیں۔۔۔ خدا کی قسم۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔“ ربیعہ اسے یقین دلانے والے انداز میں بولی تھی۔
”پھر۔۔۔ تم رافع سے شادی کر لو ربیعہ۔۔۔“ وردہ اچانک بولی۔
ربیعہ نے دفعتاً پلیٹ سے ہاتھ کھینچ لیا اور ٹشو سے ہاتھ پونچھنے لگی۔
”دیکھو ربیعہ! میں رافع سے شادی نہیں کر سکتی' وجہ کچھ بھی ہو۔ اتنا طے ہے کہ میں رافع سے شادی نہیں کر سکتی لیکن رافع میں اتنی خوبیاں ہیں کہ تمہارے جیسی پیاری لڑکی اس کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔ میرا دل کہتا ہے۔۔۔“ وردہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
”میں تمہیں بتا چکی ہوں وردہ۔۔۔ میں کسی سے۔۔۔“ اس نے کہنا چاہا۔

”غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ تم کہیں بھی انگیج نہیں ہو۔“ وردہ وثوق سے بولی تھی۔
ربیعہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔
”عذرا امی بہت اچھی ہیں ربیعہ! وہ تمہاری دل سے قدر کریں گی اور رافع۔۔۔ وہ تمہیں چاند تاروں سے بڑھ کر چاہے گا۔ تم ایک مرتبہ ہاں تو کہو۔ تمہارے اور رافع کے ایک ہونے میں کوئی مشکل حائل نہ ہوگی۔“
وردہ جذباتی ہو گئی تھی۔
”لیکن۔۔۔ تم ایسا کیوں چاہتی ہو وردہ؟“ ربیعہ نے تحیر سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”کیونکہ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ تمہارا ساتھ ایک اچھے انسان سے جڑے۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔ میرے انکار سے۔۔۔ رافع کو مجھ سے بھی اچھی لڑکی کا ساتھ ملے۔۔۔ میرے انکار کا دکھ اس خاندان کے دل سے مٹ جائے۔۔۔ اس لیے۔۔۔ میں ایسا چاہتی ہوں۔۔۔ کیا تم میری دوست نہیں ہو ربیعہ۔۔۔ کیا تم ویسی ہی محبت مجھ سے نہیں کرتیں جیسی محبت میں تم سے کرتی ہوں؟“
”میں تمہیں اس سے بھی بڑھ کر چاہتی ہوں۔“ ربیعہ دھیرے سے مسکرائی۔
”پھر انکار مت کرو۔ تمہارے انکار سے میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ پلیز۔“
اس نے اپنے دونوں ہاتھ ربیعہ کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ ربیعہ تذبذب اور حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔
”کیسی باتیں کر رہی ہو وردہ۔۔۔ اتنا بڑا فیصلہ میں اکیلے کیسے کر سکتی ہوں۔“
”رافع جیسے لڑکے کا رشتہ تو خوش نصیبی سمجھا جاتا ہے۔“ وردہ کی مسکان میں کیا تھا' ربیعہ سمجھ نہ سکی۔
”تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں خود منیزہ آنٹی سے بات کروں؟“
ربیعہ کا دل اس خیال سے ہی تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔
”تم پاگل ہو گئی ہو وردہ۔۔۔“ وہ بمشکل اتنا ہی بولی۔
”دوست تو ہاتھ پکڑ کر کھائی میں چھلانگ لگا دیتے ہیں' تم اتنے سے پاگل پن میں میرا ساتھ نہیں دے سکتیں پھر کیسی دوستی؟“
”یہ کیسی دوستی ہے کہ میں تمہارے منگیتر سے شادی کر لوں؟“ ربیعہ زچ ہوئی۔
”وہ میرا منگیتر نہیں ہے ربیعہ!“ وہ سکون سے بولی۔ ”یہ دیکھو۔“
اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے کر دیے۔
”میری انگلیوں میں کوئی انگوٹھی نہیں ہے اور میرے دل پر کوئی نام نہیں ہے۔“
ربیعہ اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔
آپ اپنے حجلۂ عروسی میں ایک فراڈ' دھوکے باز لڑکی کو لے کر جا رہے ہیں۔
یہ وہ لڑکی نہیں ہے' جس سے آپ نے تاروں کی روشنی میں رات بھر باتیں کی تھیں۔
یہ وہ لڑکی نہیں ہے' جو آپ کے ”دل دھڑکنے کا سبب“ تھی۔
یہ وہ لڑکی نہیں ہے' جس سے آپ نے قول و قرار کیے تھے۔
یہ لڑکی اس کی آواز بنا سکتی ہے' اس کے الفاظ چرا سکتی ہے' اس جیسا دل نہیں لا سکتی۔
آپ کو دھوکا دیا گیا ہے' آپ کی محبت کا مذاق اڑایا گیا ہے۔
کبھی اس سے اپنی گم گشتہ محبت کا ثبوت مانگئے گا۔ وہ کوئی ثبوت نہ دے پائے گی۔
ایک خوں بہا۔۔۔ آپ دونوں کے سر۔۔۔“
اس نے اپنے لکھے ہوئے میسج کو بار بار پڑھا پھر فراز کے موبائل نمبر پر سینڈ کر دیا۔
اپنا لکھا ہوا میسج ڈیلیٹ کر کے اس نے موبائل کی سم نکال کر الگ رکھ دی پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے تکیے کے نیچے سے ایک چھوٹا سا چاقو نکال کر دیکھا تھا۔
”ایک خوں بہا۔۔۔ آپ دونوں کے سر۔۔۔“ اس نے زیر لب کہا۔
”عریشہ۔۔۔“ ماہین کی آواز پر وہ یکدم چونکی تھی۔
چاقو اس نے واپس تکیے کے نیچے رکھ دیا۔
”امی تمہیں بلا رہی ہیں' ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔“ ماہین فکر مند تھی۔
عریشہ وال کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔

بیالیسویں قسط

"عریشہ۔۔! "فردوس بیگم نے بے حد محبت سے اسے پکارا تھا۔
وہ بستر پر سیدھی لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے پر حد درجہ نقاہت نظر آتی تھی۔ عریشہ کے پتھریلے جذبات میں ممتا کی تیز آنچ سے ہلچل سی ہوئی' وہ ان کے قریب جا بیٹھی۔
"عریشہ۔۔!" انہوں نے اس کا سرد ہاتھ تھام لیا۔ "بیٹی۔۔! ہماری غلطیوں کو معاف کر دینا۔" ان کی آواز میں لرزش تھی اور لہجے میں پچھتاوے کا احساس۔
"آپ نے کوئی غلطی نہیں کی امی۔۔!" ماہین دوسری جانب سے ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔ اس نے ماں کا دوسرا ہاتھ تھام کر کہا۔ "ماں باپ کبھی بھی جان بوجھ کر اولاد کو دکھ دینے کا نہیں سوچ سکتے۔ عریشہ یہ بات تب سمجھے گی' جب ماں بنے گی۔ ماں کی بے پناہ محبت اور بے غرضی کو یہ اس وقت صحیح طور پر پرکھ پائے گی' ابھی یہ ناقص سوچ رکھتی ہے' اس لیے مغالطوں کا شکار ہے۔"
عریشہ خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے کسی بھی بات کی تائید یا تردید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔
"تم نافع کے ساتھ بہت خوش رہو گی بیٹی! یہ ایک ماں کا یقین ہے اور دعا بھی۔۔" فردوس بیگم اس کے اندر کے سناٹے سے کوئی گونج سننے کی متمنی تھیں۔
"اتنا تو میں سمجھ چکی ہوں کہ تم اس رشتے سے سخت ناخوش ہو لیکن بیٹی۔۔! یہ تمہارے بابا کا فیصلہ تھا اور باپ بیٹیوں کے مقدر کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ اتنا تو یقین ہے نا تمہیں کہ تمہارے باپ تم سے بہت پیار کرتے ہیں؟"
"صرف بابا جان ہی نہیں' آپ بھی ہم سب سے بہت محبت کرتی ہیں امی۔۔!" ماہین پھر جلدی سے بول اٹھی۔
"ہم سب کو اس بات کا یقین ہے۔ ماں اگر سخت گیر بھی ہو تو اس کی محبت میں کمی نہیں آ سکتی۔"
"ہاں۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "شاید۔۔۔ میں نے تم لوگوں سے سختی ہی روا رکھی ہے لیکن یہ بھی سچ ہے میرے بچوں کہ میں تم سب کو بہت چاہتی ہوں۔"
"عریشہ۔۔۔" ماہین اس سے مخاطب ہوئی۔ "امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وجہ جانتی ہو؟" عریشہ نے خاموش مگر سوالیہ نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔
"کل تمہارے اس گھر سے چلے جانے کا خیال انہیں ستا رہا ہے۔ تمہاری ناخوشی سے یہ خود کو بیمار تصور کر رہی ہیں۔ بہتر ہو گا کہ تم انہیں بتا دو کہ تم مطمئن ہو اور خوش بھی۔"
عریشہ کے لبوں پر ایک نافہم سی مسکراہٹ ابھری اور معدوم ہو گئی۔ ماہین نے ایک گہری سانس بھری تھی۔
"تم یہاں امی کے پاس ہی لیٹ جاؤ عریشہ! تمہاری یہاں موجودگی سے امی کو تقویت رہے گی۔" پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔
"میں نیچے کارپٹ پر سو جاتی ہوں۔"
"میں۔۔۔ مجھے۔۔۔" عریشہ بے چین سی ہو اٹھی۔ "مجھے شاید یہاں نیند نہ آئے۔"
ماہین نے کھڑے ہوتے ہوتے لمحہ بھر کے لیے حیرت سے اسے دیکھا۔
"کوئی بات نہیں۔" پھر وہ اطمینان سے بولی۔ "تم تو یوں بھی راتوں کو جاگنے کی عادی ہو۔ ایک رات اپنی ماں کے لیے بھی جاگ لو گی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"
"بیٹی۔۔! ماہین ٹھیک کہتی ہے۔ تم میرے پاس ہی لیٹ جاؤ۔ مجھے سکون رہے گا۔" فردوس بیگم قدرے لجاجت سے بولی تھیں۔ عریشہ نے خود کو بے بس سا محسوس کیا۔

"میں تمہیں ٹرنکولائزر دیتی ہوں۔" ماہین بولی۔ "تم پُرسکون سی نیند سو جاؤ گی اور کل فریش بھی لگو گی۔"
عریشہ بادلِ نخواستہ ماں کے ساتھ لیٹ گئی تھی۔ اس کے ذہن میں کئی سوالات گردش کر رہے تھے لیکن ماں اور بہن نے فی الوقت اسے مجبور سا کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے پھر بے چینی سے کروٹ بدلی تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر اس کے اعصاب جھنجلا اٹھے تھے۔ نیند کسی بے مہر دوست کی مانند روٹھی ہوئی تھی جس نے رابطے کا ہر سلسلہ منقطع کر دیا ہو۔
شہلا بالآخر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سارے دن کی تھکا دینے والی مصروفیت کے باوجود اس کا ذہن ذرا سی تھکن محسوس نہ کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ کے فاصلے پر سوئے ہوئے ہاشم کی سانسوں کا زیر و بم اسے بار بار اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔
شہلا نے ہاتھ بڑھا کر اپنی جانب کا سائیڈ لیمپ روشن کر دیا۔ کمرے میں ہلکی دودھیا روشنی نے ماحول کو عجب سحر سا بخشا۔ پھر اس نے وال کلاک کی جانب دیکھا جو اب رات کے چکر سے نکل کر دن کی جانب محوِ سفر ہوا چاہتا تھا۔
"اے دلِ ناداں' آرزو کیا ہے؟ جستجو کیا ہے؟" اس کے اندر خود کلامی سی ہوئی۔ "نیند کیوں نہیں آتی' سحر کیوں نہیں ہوتی؟ چین کیوں نہیں ملتا؟! اس کی بے اعتنائی۔۔۔ دل سے۔۔۔ محو کیوں نہیں ہوتی ہے؟"
وہ اپنی جگہ سے ذرا سا کھسک کر ہاشم کی طرف ہو گئی۔ فاصلہ ہاتھ بھر سے سمٹ کر دو بالشت کا رہ گیا۔ ہاشم دھیرے سے سیدھا ہوا تھا۔ شہلا کا دل دھڑکا لیکن وہ ہنوز نیند میں تھا۔ ایک لمبے عرصے سے وہ دونوں میاں بیوی کے روپ میں دو اجنبیوں کی مانند زندگی گزار رہے تھے۔ دو نہایت شائستہ اور مہربان اجنبیوں کی مانند۔۔۔ جنہیں شکایت کرنا آتی ہو نہ گلہ۔۔۔ مروت سے' خلوص سے۔۔۔ عمر گزار دینے کے حوصلے کے ساتھ۔۔۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ تھے۔
کم از کم شہلا کو ایسا ہی محسوس ہوتا تھا' بریف کیس میں رکھے ہوئے وہ چند پیپرز کتنی ہی بار ذہن کے پردے پر ابھرے تھے پھر ایک موہوم سا یقین اسے کہتا تھا کہ ایسا ہوتا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔ تذبذب اتنا بھی طویل نہیں ہوا کرتا۔ محبت ایسی بھی کمزور نہیں ہوتی۔
"ایک بار اس سے پوچھ تو لے کہ اس اندیشے کو صداقت سے کتنا واسطہ ہے؟ پوچھ تو سہی۔" شہلا پھر ذرا سا سرکی تھی۔ اب کے فاصلہ محض بالشت بھر کا رہ گیا تھا جسے ہاشم کی ایک کروٹ نے پاٹ دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ جاگ اٹھا تھا۔
چند لمحے وہ از حد بے یقینی اور حیرانی سے ان ستارہ آنکھوں کو اپنے قریب چمکتے دیکھتا رہا پھر اپنے بازو کے نیچے اس کے نرم گھنیرے بالوں کو محسوس کر کے وہ یوں اٹھ بیٹھا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ شہلا بھی اس کے عقب میں بے حد آہستگی سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔
"سوئیں کیوں نہیں؟" ہاشم نے گھڑی کی جانب نگاہ کر کے بوجھل آواز میں پوچھا۔
"نیند نہیں آئی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
"کیوں؟"
جواب میں جو خاموشی تھی' اس کی مہک سے ہاشم نے اپنے اعصاب شل ہوتے محسوس کیے۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ اس کا گلاب چہرہ اس کے شانے کے بالکل قریب تھا۔ ان آنکھوں کی سطح شفاف اور پُرنم تھی۔ ہاشم کا جی چاہا' وہ اس نمی سے اپنی پوری ہستی کو سیراب کر لے۔
"ہاشم!" شہلا کے لب دھیرے سے کانپے۔

ہاشم نے بے حد بے اختیاری کے عالم میں اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ شہلا نے پلکیں موند لیں۔

"میں نے اسے کہا تھا۔" چند الفاظ بڑی تیزی سے ان دونوں کے درمیان آئے تھے۔ "اگر وہ مجھ تک واپس آنا چاہتی۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں نے اسے کہا تھا۔ اسے کسی صورت۔۔۔ ماں نہیں بننا۔۔۔ اگر وہ۔۔۔ لوٹ کر آنا چاہتی۔۔۔ آپ کی ذرا سی قربانی سے۔۔۔ مسٹر ہاشم۔ ! کیا آپ ایک خوبصورت تصویر۔۔۔ آپ کی ذرا سی قربانی سے۔۔۔ ایک خوبصورت تصویر۔۔۔"

ہاشم کا ذہن ان آوازوں کی شدت سے گونجنے لگا۔ دھمک لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی تھی۔ ہاشم کا تنفس اتنا تیز ہوا کہ نرم گرم جذبوں کے دھارے میں بہتی شہلا نے گھبرا کر آنکھیں کھولی تھیں۔

"ہاشم۔ ! کیا ہوا؟" وہ گھبرا کر بولی تھی۔

"میں سونا چاہتا ہوں۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا۔

"ہوں۔" اثبات میں سر ہلا کر وہ اپنی جگہ پر ہو گئی۔

ہاشم نے لیٹ کر اس کی جانب پشت کر لی تھی۔ شہلا کا دماغ بالکل سُن ہو رہا تھا۔ کھلی آنکھوں سے چھت کو گھورتے ہوئے اس نے بقیہ رات تمام کی تھی۔



صبح بے حد خوبصورت اور معطر معطر سی تھی۔ اونچے درختوں سے چھن کر آتی صاف ستھری ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خراماں خراماں وہ بہت کچھ سوچتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

"تم ایک بار "ہاں" تو کہو ربیعہ ! رافع تمہیں چاند تاروں سے بڑھ کر چاہے گا۔ رافع جیسے لڑکے کا رشتہ تو خوش نصیبی سمجھا جاتا ہے۔ ربیعہ ! تم ایک مرتبہ "ہاں" تو کہو۔"

ربیعہ کے دل کو یہ احساس جان فزا گدگدانے لگا تھا۔ اس نے روش سے اٹھ کھیلیاں کرتی ہوا کو محسوس کیا اور آہستہ سے ہنس دی۔

"تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا' میں خود منیزہ آنٹی سے بات کروں گی۔" وردہ جیسے اس کے کان میں بولی تھی۔ ربیعہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ کیا ایسا ہی ہو جائے گا۔"

اس نے اپنے گال گرم ہوتے محسوس کیے اور انہیں ہتھیلیوں سے چھو کر دیکھا۔

"لیکن وردہ۔ !" پھر وہ برگد کے پھیلے ہوئے درخت کے چوڑے تنے سے پشت ٹکا کر حیرانی سے سوچنے پر مجبور ہوئی۔ "وردہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟ اپنی قسمت کی زلفوں میں سجا خوبصورت چمکتا تارہ توڑ کر وہ میرے بالوں میں لگانا چاہتی ہے۔ کیوں؟" ربیعہ سوچے گئی۔

"وجہ کچھ بھی ہو' اتنا طے ہے کہ میں رافع سے شادی نہیں کر سکتی۔" وردہ کی آواز پھر آئی تھی۔

"وجہ کچھ بھی ہو؟ بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا وردہ کسی اور سے۔۔۔ نہیں بھلا ایسا کیسے ممکن ہے؟ ایسا ہوتا تو وردہ مجھ سے کیوں چھپاتی؟"

"کیا تم نے وردہ سے نہیں چھپایا کہ تم رافع سے۔۔۔"

"نہیں۔" وہ بے چین ہو اٹھی۔ "میں نے کچھ چھپایا نہیں۔ بتانے کے لیے بھلا میرے پاس تھا ہی کیا؟ لیکن یہ ضرور ہے کہ وردہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہے۔ وہ کیوں نہیں بتاتی کہ وہ رافع سے شادی سے کیوں گریزاں ہے؟ کیا محض اتنی سی بات کہ کزن ہونے کے ناتے رافع سے اس کا وہ دلی تعلق استوار نہ ہو سکا جو ان دونوں کے مابین قائم

رشتے کے تحت ہونا چاہیے۔ کیا یہ تعلق خاطر شادی سے پہلے قائم ہونا ایسا ہی ضروری ہے کہ اس کے نہ ہونے سے برسوں پرانی منگنی کو توڑا جا سکتا ہے۔ کیا وردہ سچ بول رہی ہے؟"

اپنی سوچوں سے بے چین اور مضطرب ہو کر وہ پلٹی تھی پھر وہیں تھم کر رہ گئی۔ سامنے والے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے رافع نجانے کب سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔" ربیعہ کے لبوں سے نکلا تھا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے سینے پر گیا تھا۔

"مزاج بخیر؟" وہ مسکرایا۔

"جی۔۔۔ شکریہ۔" وہ سر جھکا کر آگے بڑھی۔

رافع اس کے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگا تھا۔ ربیعہ سے قدم اٹھانا دشوار ہونے لگا۔ ابھی چند لمحوں قبل وہ جس طرح کی سوچوں کا شکار تھی' اس کے فوراً بعد رافع کا سامنا ہو جانا اسے پزل کر گیا تھا۔

"بہت دن بعد دیکھا آپ کو یہاں۔" رافع نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں۔۔۔ بہت دن بعد ہی آئی ہوں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ہوں' تب ہی مجھے روز صبح روٹھی ہوئی ملتی تھی۔" وہ بھی آہستہ سے بولا۔

ربیعہ کے قدم سست ہونے لگے۔ ہرچند کہ وہ انہیں تیزی سے بڑھانا چاہتی تھی۔

"ربیعہ۔۔۔ !" یکایک رافع رُکا تھا۔ "آپ۔۔۔ مجھ سے شادی کریں گی؟"

ربیعہ ششدر رہ گئی۔ یوں اچانک سر راہ وہ اس قدر آسانی سے ایسا مشکل سوال پوچھ لے گا' اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ گھنے درختوں کے سائے میں پناہ گیر وہ لمحہ بہت خوبصورت تھا۔

"رافع۔۔۔" وہ ہکلائی۔ "آ۔۔۔ آپ انگیجڈ ہیں۔"

رافع چند لمحے اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"آپ نے صرف میرا نام لیا ربیعہ ! آپ نے ایسا نہیں کہا کہ آپ انگیجڈ ہیں۔ جانتی ہیں کیوں؟ کیونکہ بے اختیاری میں ہی انسان کے لبوں سے سچ نکلتا ہے۔ اس روز ہاسپٹل میں آپ نے وردہ سے جو کچھ کہا' وہ جھوٹ تھا۔ نجانے وہ وردہ کو سنانے کے لیے تھا یا مجھے۔ بہرحال ہم دونوں ہی نے اس پر یقین نہیں کیا۔"

ربیعہ خاموش کھڑی اس کی ٹی شرٹ کے بٹن گنتی رہی۔

"نجانے اس سے آپ کا مقصد کیا تھا؟ رشتے زبردستی باندھے نہیں جاتے ربیعہ ! تو زبردستی توڑے بھی نہیں جا سکتے اور رشتے محض خونی یا قانونی ہی نہیں ہوتے۔ کچھ رشتے صرف نگاہوں کے مابین قائم ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی غرض' کوئی کھوٹ' کوئی ریا نہیں ہوتی۔"

ربیعہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میرے اور آپ کے درمیان۔۔۔ کیا ہے رافع؟"

رافع نے قریب سے گزرتی تتلی کے تعاقب میں دور تک دیکھا۔

"اب تک جو تھا وہ محض ایک احساس تھا ربیعہ ! جس کے رنگ دل کی سطح پر ٹھہرے ہوئے ہیں لیکن اب اس احساس کو یقین بنا لینے کا وقت ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دینے پر راضی ہو۔۔۔ تو۔۔۔"

رافع نے بات مکمل کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ربیعہ نے سر جھکا لیا۔

"یہ احساس میں خود تک محدود رکھنے کا پابند تھا۔۔۔ لیکن وردہ نے منگنی ختم ہونے کا اعلان کر کے مجھے اس بندھن سے آزادی بخش دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے نہیں ہیں' ہم ایک دوسرے کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔ اس لیے اس زبردستی کے رشتے کو نبھاتے رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

ربیعہ نے اس کی بات پر اپنے اندر عجب بے چینی سی محسوس کی تھی۔
"کیا وہ واقعی آپ سے شادی کرنا نہیں چاہتی؟"
"وہ تو یہی کہتی ہے... اور آخر وہ غلط کیوں کہے گی؟ اور... جب ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی... یقیناً مجھ سے بہت بہتر کوئی شخص کہیں اس کا منتظر ہوگا... ٹھیک ہے نا!"
"پتا نہیں..." اس کے لبوں سے نکلا۔
"میں اپنی امی کو تمہارے گھر بھیج سکتا ہوں؟"
ربیعہ خاموش کھڑی اپنے دل کی دھڑکنیں گنتی رہی جو کوئی انوکھا سا پیغام دینے پر آمادہ تھیں۔
"تمہاری خاموشی... تمہارا اثبات سمجھوں؟" رافع کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔
ربیعہ دھیرے سے مسکرا کر آگے بڑھ گئی تھی۔



رات نے جھلملاتا لباس پہنا... گھنیری زلفوں میں چمکتے ستارے ٹانکے... موتیا اور گلابوں کی مہک کو ہمراہ کیا اور "حیات ولا" کے مکینوں کے پاس چلی آئی۔
تین براتوں کی آمد کے پیش نظر شہر کا سب سے بڑا اور کشادہ ہال ارینج کیا گیا تھا۔ جہاں "حیات ولا" کے سب ہی مکین موجود تھے سوائے نافع اور رافع کے... جنھوں نے نافع کے دوست احباب کے ہمراہ ایک عدد "بارات" کا سا تاثر لے کر آنا تھا۔
ثانیہ کی برات کو دور جانا تھا سو اس کے سسرال والے بارات لے کر پہنچ چکے تھے۔ ثانیہ کو نکاح کے بعد اسٹیج پر لے جایا گیا تھا جہاں اس کی اور اس کے گھر والوں کی تصاویر بن رہی تھیں۔
ڈریسنگ روم میں ناعمہ اور عریشہ رہ گئی تھیں۔ عریشہ کی خاموش کاٹ دار نظریں ناعمہ کے سراپے میں جیسے سوئیاں سی چبھو رہی تھیں۔ وہ بار بار پہلو بدلتی تھی۔ اسے اس پاگل لڑکی کی کٹیلی نظروں سے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔
گہرا سرخ، بیش قیمت بنارسی غرارہ زیب تن کیے 'انٹیک لک دیے' بھاری زیورات سے مزین ناعمہ کو پہچاننا آج مشکل محسوس ہوتا تھا۔ ڈھیروں ڈھیر کلیوں کے بیچ چمکتا گلاب چہرہ اپنی معصومیت بھری چھب سے پھولوں اور کلیوں کو بھی مات دے رہا تھا۔ عریشہ کا لباس میرون تھا جس پر میرون اور گولڈن کام تھا۔ گولڈن جیولری اور میرون میک اپ نے اس کے اداس چہرے اور خاموش نگاہوں کو عجب پر اسرار سا تاثر بخشا ہوا تھا۔
"کچھ بات کرو نا...!" ناعمہ گھبرا کر بولی تھی۔ "اتنی خاموش کیوں ہو؟"
عریشہ عجیب سے انداز میں مسکرائی تھی۔
"جو کچھ کہنا تھا... کہہ چکی..." پھر وہ بولی تھی۔ "اب... خاموش ہی ہونا ہے!"
"میں کچھ سمجھی نہیں!" ناعمہ نے حیرانی سے اس کا اسرار سے بھرا روپ دیکھا۔
"سمجھ جاؤگی! سب ہی سمجھ جائیں گے۔"
دونوں کے درمیان پھر خاموشی در آئی تھی۔ عریشہ چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" ناعمہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"دیکھ رہی ہوں... کہ آنے والے لمحوں کے احساس نے تمہیں خوبصورت بنا دیا ہے... ورنہ تم اتنی خوبصورت تو نہیں ہو۔"

"آنے والے لمحے..." ناعمہ کا دل بیٹھنے لگا۔
"جو جھوٹ بولے ہیں "اس" سے... نباہ پاؤگی؟" اس نے کاٹ دار انداز میں پوچھا تھا۔ ناعمہ نے چونک کر اس کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھا۔
"جھوٹ بولتے وقت... صرف تمہارا خیال تھا... یا اپنے خاندان کی عزت کا..." پھر وہ رسانیت سے بولی۔
"اب بھی میرا ضمیر مطمئن ہے کہ میں نے جو کچھ کہا... کسی کی بھلائی کے لیے کہا۔"
"ہنہہ... بھلائی؟ بھلائی تو صرف تمہاری اپنی پوشیدہ تھی... تم کسی بھی طرح اسے پانا چاہتی تھیں... خواہ جھوٹ سے ہی سہی... بعد میں کیا ہوتا ہے اور کیا ہوگا... تم نے اس بارے میں سوچا تک نہ ہوگا!"
"عریشہ! مجھے نہیں لگتا کہ میں کبھی بھی تمہارا دل صاف کر پاؤں گی... لیکن مجھے اپنی آنے والی زندگی کے کسی پل سے کوئی سکھ نہ ملے اگر میں نے ایسا کچھ بھی سوچا یا چاہا ہو۔ پہلی بات تو یہ کہ میں نے فراز کو پانے سے پہلے اس سے جھوٹ بولنا تو در کنار... کبھی اس سے بات تک نہ کی تھی۔ اس سے رشتہ جڑنے کے بعد اگر میں نے خود کو وہ لڑکی ظاہر کیا جو اس سے رات رات بھر فون پر باتیں کرتی تھی تو محض تمہاری اور نافع کی اور اپنے پورے خاندان کی عزت کے لیے... کیونکہ اس وقت تم نافع کی منکوحہ اس کی عزت تھیں... نافع اور فراز آپس میں دوست اور شناسا نہیں... تم ہی بتاؤ... حقیقت جان لینے کے بعد فراز کی نظروں میں تمہارے لیے کون سا جذبہ ہوتا؟"
"کم از کم وہ تم سے شادی تو نہ کرتا۔" وہ پھنکاری۔ "میری نظروں کے سامنے کسی اور کا تو نہ ہوتا میں آج بھی اس سے محبت کرتی ہوں۔ سنا تم نے؟ ان الفاظ کی بازگشت تم کبھی نہیں بھول پاؤگی..."
ناعمہ ساکت رہ گئی۔ کھلی آنکھوں سے وہ اس دیوانی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔



سلور منقش سے سجا فیروزی لباس زیب تن کر کے اس نے بال سنوارے اور لبوں پر تیز گلابی لپ اسٹک لگائی۔ کانوں میں فیروزے کے ٹاپس پہن کر وہ پلٹ ہی رہی تھی جب منیزہ بیگم اس کے قریب چلی آئیں۔
"ماشاء اللہ... چشم بددور..." انہوں نے محبت سے اس کا چہرہ دیکھا اور پیشانی پر مہر محبت ثبت کی۔
"آج تو میری بیٹی کا روپ ہی نرالا ہے۔"
ربیعہ نے جھینپ کر سر جھکا لیا تھا۔
"یہ الوہی چمک... ایسا دمکتا نور کا ہالہ... جیسے یہ کسی فرشتے کا چہرہ ہو..." انہوں نے ربیعہ کو غور سے دیکھا۔ "آج میری بیٹی بہت خوش نظر آتی ہے؟"
ربیعہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ ماں کی نظروں میں چھپی، پوشیدہ مگر شدید قوت کا اسے احساس ہوا تھا۔ حقیقت یہی تھی کہ صبح رافع سے ہونے والی ملاقات کا اثر اب تک اس کے رویں رویں میں مہک رہا تھا۔ وہ خود کتنی ہی بار آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ چکی تھی۔ رات کو ہونے والی اس تقریب کا اسے صبح سے ہی انتظار تھا۔
منیزہ بیگم اب تک اس کا چہرہ بغور دیکھ رہی تھیں۔
"ربیعہ...!"
"جی امی...!" وہ چونکی۔
"ایک بات پوچھوں؟"
"یہ بھی پوچھنے کی ضرورت ہے۔" وہ ہنس دی۔
"امیر حسن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

ربیعہ یک دم حیران ہوئی تھی۔ اس کا چمکتا چہرہ قدرے ماند پڑا۔

"امیر… حسن…"

"وہ… تم سے شادی کا خواہش مند ہے بیٹی!"

"لیکن امی جی…!" وہ بے اختیار پریشانی سے بولی۔ "مم… میں ان سے شادی…" وہ بولتے بولتے خاموش سی ہو گئی۔ منیزہ بیگم بے چین ہو گئیں۔

"کیا بات ہے ربیعہ… کیا تمہیں امیر حسین پسند نہیں… کیا کسی اور کو…"

اسی لمحے کمرے میں انیقہ داخل ہوئی تھی۔ مسٹرڈ اور گرے کمبی نیشن کے بے حد اسٹائلش کرتا شلوار میں ملبوس کاندھے پر ہلکی سی شال ڈالے۔ وہ دلکش لگ رہی تھی۔

"ربیعہ… عباد بھائی گاڑی میں بیٹھے ہیں… شہلا آپی کا دو مرتبہ فون آچکا ہے… سب ہی براتیں ہال میں پہنچ چکی ہیں… جلدی کرو…"

"جاؤ بیٹی… تم لوگوں کو واقعی دیر ہو چکی ہے…" منیزہ بیگم نے تفکر سے گھڑی کی سمت دیکھا۔

"واپس آؤ گی تو بات کریں گے ان شاء اللہ!"

"آپ اکیلی رہ جائیں گی نا…" ربیعہ پریشان تھی۔

"بے فکر ہو کر جاؤ… میری طبیعت ابھی بالکل ٹھیک ہے۔"

"ہم جلدی آجائیں گے امی جی…!" انیقہ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے ان کا گال چوما۔

"ہاں بچو… جلدی آجانا… اکیلے گھر میں میرا دل بالکل نہیں لگے گا!" انہوں نے پیار سے کہا تھا۔

اسٹیج پر رنگ و بو اور روشنیوں کا ہجوم سا اکٹھا ہو گیا تھا۔ کسی کنسرٹ کے اسٹیج کی طرح بنائے گئے وسیع و عریض اسٹیج پر تل دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ دولہا اور دلہنیں اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے… مووی اور تصویروں کی شیدائی لڑکیاں تصویریں اور مووی بنوا رہی تھیں۔ اسی افراتفری میں بڑے بزرگوں کو بھی اس کارِ خیر کو سرانجام دینے کے لیے کھینچ لیا جاتا تھا۔

"حیات ولا" کے سب ہی مکین چہروں پر خوشگوار مسکراہٹ لیے ہوئے تھے۔ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے دعائیہ کلمات وصول کرتے ہوئے سب ہی کے احساسات و جذبات خوشگوار تھے۔ وسیع و عریض ہال میں اتنے ڈھیر سارے مہمانوں کو دیکھتے ہوئے ربیعہ قدرے گھبرا سی گئی تھی۔ ناعمہ کے لیے خریدا گیا گفٹ وردہ کو تھماتے ہوئے اس نے اس بات کا اظہار بھی کر ڈالا تھا۔

"ارے…" وردہ ہنس دی۔ "جانتی ہوں کم آمیز ہو… مگر ایسی بھی کیا کم آمیزی… اتنی بھرپور تقریب ہے… انجوائے کرو۔"

"میرا جی چاہ رہا ہے… میں بالکل کونے والی میز پر بیٹھوں…" اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔

"تو ٹھیک ہے… کونے والی میز پر ہی بیٹھ جاؤ…" وردہ مسکرائی تھی۔ "تم جہاں بھی بیٹھو گی۔ ڈھونڈلی جاؤ گی۔"

ربیعہ نا سمجھی سے مسکرائی۔ وردہ نے اسے غور سے دیکھا پھر قدرے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"رافع تمہیں ڈھونڈ ہی لیں گے!"

ربیعہ کی تحیر بھری آنکھوں نے وردہ کی بے تاثر نظروں میں کچھ کھوجنا چاہا۔ آخر اس نے ایسا کیوں کہا تھا؟

"تم بیٹھو نا ربیعہ…!" وردہ نے اچانک اس کے دونوں ہاتھ دھیرے سے دبائے۔ "ابھی کھانا لگے گا تو ساتھ کھانا کھائیں گے… ٹھیک؟"

ربیعہ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔ وردہ کسی مہمان کو آتا دیکھ کر اس جانب بڑھ گئی تھی۔ انیقہ اپنی چند

شناسا لڑکیوں کے ساتھ میڈیکل کالج کے حالات پر سیر حاصل بحث کر رہی تھی۔ ربیعہ تنہا ہی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اردگرد بکھری خوشیوں اور روشنیوں کو دیکھنے لگی۔ یکایک ایک مخصوص مہک کا احساس ہونے پر وہ چونکی تھی۔ رافع اس کے قریب موجود تھا۔ ربیعہ کو اپنی آنکھوں میں روشنی سی بھرنے کا احساس ہوا۔ دل انجبی سی تال پر دھڑکا۔ رات گئے صبح صادق کے حوالے یاد آنے لگے تھے۔

"اکیلی ہی آئی ہیں؟" رافع نے اسے تنہا پا کر پوچھا۔

"نہیں… انیقہ اور عباد بھائی بھی ساتھ ہیں…" وہ مسکرائی۔

"آنٹی؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" ربیعہ ماں کے حوالے پر قدرے اداس ہوئی تھی۔ "وہ گھر پر ہیں۔"

اسی لمحے رافع کو حمزہ نے آواز دی تھی۔ رافع نے پلٹ کر دیکھا، حمزہ کیمرہ تھامے ہاتھ ہلا ہلا کر اسے بلا رہا تھا۔ شاید کسی گروپ فوٹو کے لیے۔

رافع نے ربیعہ کو قدرے معذرت خواہانہ پر مسکرا کر دیکھا اور حمزہ کی جانب بڑھ گیا۔ ربیعہ کی نگاہوں نے کچھ دیر اسے دیکھا۔ سیاہ کوٹ پینٹ میں ملبوس رافع آج ہمیشہ سے زیادہ خوبرو نظر آرہا تھا۔ ربیعہ کی نظریں کافی دور تک اس کے ساتھ گئی تھیں۔

یکایک اس نے اپنے قریب کسی کی کھنکھار سنی تھی۔ ربیعہ چونک کر خود میں پلٹی۔ رائمہ اس کے قریب بیٹھ رہی تھی۔

"السلام علیکم…" ربیعہ نے گرمجوشی سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام… کیسی ہو ربیعہ… ویسے پوچھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ماشاء اللہ بہت خوبصورت اور پیاری ہو… جب اتنا تیار ہوتے ہیں تو نظر کا ٹیکہ بھی لگا لیتے ہیں۔"

رائمہ نے اپنی آنکھ کے گوشے سے ذرا سا کاجل لے کر اس کے کان کے پاس لگایا۔ ربیعہ بے طرح جھینپ گئی۔

"وردہ تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ اکثر تمہارا ذکر کرتی ہے۔ حالانکہ وہ بہت لیے دیے رہنے والی لڑکی ہے۔ لوگوں سے کم ہی گھلتی ملتی ہے۔ تم نے اندازہ لگا ہی لیا ہوگا؟"

"جی…" ربیعہ دھیرے سے مسکرائی۔ "ایسا ہی ہے… پھر بھی اس کی ذات کی خوبصورتی سب ہی کو اپنا بنا لیتی ہے…"

"نہیں…" رائمہ نے سانس بھر کر کہا۔ "ایسا بھی نہیں ہے… ایسا ہوتا تو رافع… رافع کیوں نہ بن سکا اس کا؟"

اس نے یہ سوال براہ راست ربیعہ کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔ ربیعہ کا چہرہ قدرے بے رنگ ہوا۔

"رافع…!" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ پائی۔

"ہاں رافع… جسے وہ بچپن سے چاہتی ہے… اس وقت سے جب ان دونوں کی نسبت بھی طے نہ ہوئی تھی۔ اسی رافع سے، جسے وہ از حد خاموشی سے اپنی پلکوں اور اپنی دعاؤں کے حصار میں رکھتی تھی۔ وہ رافع اسے چھوڑ کر…"

گہرا سانس بھر کر اس نے ربیعہ کے سراپے کو بے حد غور سے دیکھا تھا۔

"چاندی میں… سونے سے زیادہ چمک ہوتی ہے۔" پھر وہ زیر لب بولی جیسے خود، اپنے آپ سے مخاطب ہو۔ "لیکن چاندی… سونے سے زیادہ تو نہیں ہوتی… ہے نا ربیعہ؟"

پھر یکایک وہ ربیعہ کو دیکھ کر مسکرا دی۔

”خیر۔۔۔ تم وردہ کی دوست ہو۔۔۔ اس لیے تم سے کہہ گئی یہ سب کچھ۔۔۔ ورنہ وردہ نے تو اس ایشو پر بات کرنے پر بین لگایا ہوا ہے لیکن تم ہی کہو ربیعہ! اتنی پرانی نسبتیں یوں بیک جنبش ابرو ختم کی جاسکتی ہیں؟ ختم کی جانی چاہئیں؟ لڑکوں کا کیا ہے۔۔ وہ تو ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہی رہتے ہیں۔۔۔ ایسی باتوں پر رشتے ٹوٹ جایا کرتے ہیں؟ وردہ تمہاری دوست ہے۔۔۔ اگر تم اسے سمجھا سکو تو۔۔۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اور رافع بھی۔۔۔ شاید تمہارا کہا مان لے۔۔۔ دراصل امی بہت پریشان ہیں۔“ وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

ربیعہ کچھ دیر بالکل بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اگر وہ حرکت کرنا چاہے گی بھی تو کر نہ پائے گی۔ پھر اس نے بروقت میز پر دھرا اپنا ہاتھ اٹھا کر اپنے گال پر رکھا۔۔۔ اس کا چہرہ تپ رہا تھا۔۔۔ پھر اسے لگا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے والی ہے۔ اسے لگا وہ ابھی اتنے ڈھیر سارے لوگوں کی موجودگی میں زور زور سے رونے لگے گی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اپنا دوپٹہ اس نے سر پر یوں اوڑھا کہ اس کا آدھا چہرہ ڈھک گیا۔ پھر وہ پلٹ کر تیزی سے لوگوں کے درمیان سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

عباد اور انیقہ بے حد گھبراہٹ کے عالم میں گاڑی سے اترے تھے۔ مرکزی دروازہ انہیں کھلا ہی ملا۔ وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ لاؤنج میں بیٹھی منیزہ بیگم کو دیکھ کر دونوں ٹھٹکے۔

”امی۔۔! وہ ربیعہ۔۔۔“ عباد نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”وہ سو رہی ہے۔“ انہوں نے سکون سے کہا۔

وہ دونوں حیرانی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

”سو رہی ہے؟“ پھر عباد نے نہایت حیرانی سے کہا تھا ”وہ۔۔۔ کس کے ساتھ آئی ہے؟“

”ٹیکسی لے کر آگئی تھی۔ اس کے سر میں بہت سخت درد شروع ہو گیا تھا۔ تم دونوں کی تقریب خراب نہ ہو‘ اس خیال سے وہ ٹیکسی لے کر گھر چلی آئی۔ اب ٹیبلٹ کھا کر سو گئی ہے۔“

”لیکن‘ لیکن وہ کم از کم مجھے بتا کر تو جاتی۔“ عباد کو یکایک غصہ چڑھا تھا۔ ”میں اتنا پریشان ہوا اسے کہیں نہ پا کر۔۔۔ میں اور انیقہ اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے۔۔۔ ہم دونوں کھانا تک چھوڑ کر۔۔۔ اوہ گاڈ آئی کانٹ بلیو کہ ربیعہ ایسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کر سکتی ہے۔“

”چھوڑیں نا بھائی۔۔! وہ بے چاری ہمارا خیال کر کے ہی ہمیں بنا بتائے چلی آئی اس نے سوچا ہو گا ہم لوگ شاید گھر فون کر کے پتا کر لیں گے‘ ہمیں بھی تو گھبراہٹ میں اتنا دھیان نہیں رہا۔ امی سے فون پر کنفرم کر لیتے تو اتنی پریشانی اٹھانا نہ پڑتی۔“

انیقہ نے ربیعہ کی طرف داری کرتے ہوئے عباد کو ٹھنڈا کیا۔

”میں کھانا لگاتی ہوں۔۔۔ آپ چینج کر لیں!“

”ربیعہ؟ اس نے کھانا کھایا؟“ عباد نے بے چین ہو کر ماں سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ اس کی حالت کافی خراب ہو رہی تھی۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے جیسے رستہ بھر روتی آئی ہو۔“ منیزہ بیگم قدرے اداسی سے بولیں۔

”لیکن کیوں؟ اسے کسی نے کچھ کہا ہے؟ کسی نے اس کے ساتھ مس بی ہیو تو نہیں کیا؟“

”ایسا کچھ نہیں ہے عباد بھائی!“

ربیعہ کی آواز پر وہ سب چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

”کسی نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔۔۔ میرے سر میں اچانک ہی درد اٹھا تھا۔۔۔ میں آپ لوگوں کو ڈھونڈ بھی نہ پائی۔“

ربیعہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے دوپٹہ نماز پڑھنے کے انداز میں چہرے کے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ شاید وہ نماز پڑھ کر ہی آئی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی متورم تھیں لیکن چہرہ اور انداز بالکل پُرسکون تھا۔

عباد اور انیقہ اس کے قریب جا کر جیسے اپنا اطمینان کرنے لگے تھے۔ انیقہ نے اس کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔

”سچ ربیعہ۔۔۔! نجانے کیوں ہم لوگ بہت پریشان ہو گئے تھے!“

ربیعہ کے اندر سے ایک سسکی سی نکلی مگر اس نے خود پر قابو پا لیا۔

”میں کھانا لگاتی ہوں۔۔۔ پھر ہم سب مل کر شادی کی دعوت کا مزہ لیتے ہیں۔“ انیقہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

نہایت خواب ناک اور معطر ماحول میں وہ کسی بت کی مانند ساکت بیٹھی تھی۔ پورے وجود میں ایک پاگل دل تھا جو خاموش ہونے پر راضی نہ تھا اور شور مچائے جا رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو لمحہ بھر کے لیے پاگل دل بھی سہم کر خاموش سا ہوا پھر سوچ سوچ کر دھڑکنے لگا۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے قریب آ بیٹھا تھا۔

ناعمہ نے ڈرتے ڈرتے پلکوں کو اٹھایا۔ پھر فوراً ہی گرا بھی لیا۔ وہ خشک تیور لیے اس کی جانب متوجہ تھا۔

”بہت ڈھیٹ لڑکی ہو۔“ وہ سرد لہجے میں بولا۔

ناعمہ نے رونمائی میں ملا طعنہ خاموشی سے سنا۔

”خود سر۔۔۔ جھوٹی۔“ تحائف بڑھنے لگے تو اس نے بے چین ہو کر نگاہیں اٹھائیں۔ اسے لگا‘ فراز نے دھیمی سی مسکان کو چھپایا تھا۔

”دو نمبر فراڈ لڑکی!“ جونہی فراز کے لبوں نے کچھ کہنا چاہا تھا ناعمہ نے بے اختیار بول کر اسے حیران کر دیا۔

”کیا۔۔۔ کیا کہا؟“ اس نے متعجب ہو کر اسے دیکھا۔

”دو نمبر فراڈ لڑکی‘ یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟“ وہ سکون سے بولی۔ ”تمام الزامات کے ساتھ حاضر ہوں‘ جو چاہے سلوک کیجیے۔ شادی کی رات سے قبر کی رات تک رلانے کا وعدہ کیا ہے آپ نے۔ سو میری سزا آج سے شروع ہے۔“

فراز نے چند لمحے اس کا چہرہ دیکھا‘ جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ پھر پہلو بدل کر گویا ہوا۔

”ہوں گویا آپ سزا پانے کے لیے تیار ہیں۔ فردِ جرم آپ پڑھیں گی یا میں؟“

”فردِ جرم کی ضرورت نہیں۔ بنا سنے ہی میں ہر الزام تسلیم کرتی ہوں۔“

”پھر بھی ایک آدھ الزام دہرا لیا جائے تو حرج بھی کیا ہے۔“ اس نے مسکراہٹ دبائی تھی۔ ناعمہ نے سوالیہ نظروں سے اس کا جاذبِ نظر چہرہ دیکھا اور اس کی کشش سے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

”پہلی نظر میں تم میرا دل چرا لے گئی تھیں پاگل لڑکی۔۔۔! اتنے طویل عرصے سے تمہاری وہ معصوم ادا میرے حافظے پر نقش ہے۔ بولو کیا سزا دوں اس جرم کی؟“

اس کے بوجھل‘ معنی خیز لہجے کی تپش نے ناعمہ کے حواس جھنجھوڑے۔۔۔ وہ بری طرح چونکی۔

"تمہاری ایک پاگل کزن کے ساتھ کچھ عرصہ باتیں کرتا رہا..... ذہن میں تمہارا تصور باندھے..... بخدا ناعمہ! میں نے اس سے تمہارے دھوکے میں باتیں کیں۔ یہ واحد خطا ہے جو سرزد ہوئی مجھ سے۔ اس سے قطع نظر میں نے کبھی تمہارے علاوہ کسی کو اس نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اسی لیے میں اس تعلق کے منقطع ہونے پر اتنی شدت سے ردِعمل ظاہر کرنا چاہتا تھا خدا بھلا کرے فریحہ کا جس نے تم دونوں کی گفتگو سن کر مجھے سب احوال سنا دیا..... ورنہ' ورنہ تم اسی ڈھٹائی اور خود سری سے خود کو وہی لڑکی ظاہر کرتیں اور اپنی اور میری عمر کو ضائع کرڈالتیں۔ تمہاری فردِ جرم میں ازحد قسم کی بے وقوفی کا بھی اضافہ کرتا ہوں۔"

"فریحہ نے آپ کو..... آپ..... آپ سب جانتے ہیں؟" ناعمہ نے خود کو بڑی بڑی زنجیروں سے آزاد ہوتے ہوئے محسوس کیا۔

"شکر ہے خدا کا جس نے پردے ہٹائے۔" وہ مسرور سا بولا تھا۔

"آپ' آپ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی مجھے پریشان کرتے رہے؟" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"نہیں' یہ حقیقت جان لینے کے بعد میں نے کبھی تمہیں پریشان نہیں کیا۔" اس نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"آپ..... آپ نے مجھے معاف کردیا۔ اتنا بڑا جھوٹ بولنے پر؟" ناعمہ کی آواز بھیگنے لگی تھی۔

"اس جھوٹ کے پیچھے تمہارے جو احساسات وجذبات پوشیدہ تھے ناعمہ! انہوں نے مجھے تمہارا بے دام غلام بنا ڈالا ہے۔ میں بہت خوش نصیب ہوں جو تمہارے جیسی بالغ نظر اور ایثار پسند لڑکی میری شریک حیات بنی ہے..... اور معافی تو میں تم سے طلب کرتا ہوں۔ بے پروا عمر کے ایک غافل حصے میں میں نے یقیناً' ایک خراب و خطرناک حرکت کی ہے چند لمحوں کی نشاط انگیزی ساری عمر چند لوگوں سے شرمسار رکھے گی۔ نظر نہیں ملا پاؤں گا میں ان سب سے۔"

"عریشہ!" ناعمہ بے حد دکھ سے بولی تھی۔ "اس کا پاگل پن ویسے ہی برقرار ہے۔"

"میں جانتا ہوں ناعمہ..... لیکن وقت ہی ایسے پاگل پن کا درماں ہوا کرتا ہے۔ نئی زندگی کی شروعات اسے بھی بدل ڈالیں گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" وہ آہستہ سے بولی تھی۔

اسے عریشہ کا وہ خطرناک انداز یاد آرہا تھا۔ اسے بے چینی سی ہونے لگی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" فراز نے اس کا چہرہ اپنی جانب کیا تھا۔

"عریشہ کے بارے میں سوچ رہی ہوں میں صبح اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں!"

"ایسا ہی ہوگا۔" فراز نے آہستگی مگر یقین بھرے انداز میں کہا تھا۔ "لیکن میں..... ابھی تمہارا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ناعمہ اس کے بدلتے انداز پر چونکی' سنبھلی پھر دھیرے سے مسکرادی۔

"میں تو سوچ بیٹھی تھی کہ آپ میرے آنسوؤں کے سوا کچھ دیکھنے کے متمنی نہ ہوں گے!" فراز نے دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔ انہیں آہستہ سے دبایا اور مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہم اس پل سے..... ایک بالکل نئی زندگی کا آغاز کریں گے ناعمہ! ہمارے درمیان پچھلا کوئی حوالہ کبھی نہیں آئے گا پچھلی کوئی بھی بات کوئی گلہ' کوئی شکوہ' کچھ بھی نہیں۔ میں جانتا ہوں' تمہارا دامن تمہاری طرح پاک اور صاف ہے لیکن مجھ سے کچھ غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں اسی لیے میں سب کچھ بھلا دینا چاہتا ہوں۔ آئندہ ہمارے درمیان کسی تیسرے فرد کے حوالے سے کوئی بات نہ ہوگی میں اور تم بس یہی دنیا ہے۔ ٹھیک ہے نا!"

ناعمہ نے آہستگی سے سرہلایا۔ وہ خود کو بے حد آزاد' ہلکا پھلکا اور مطمئن محسوس کررہی تھی۔ نیک نیتی کے ثمر اس کے چہار جانب بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا دل' دماغ اور روح آسودگی اور سیرابی کی انتہا کو محسوس کررہے تھے..... ایسے لمحوں میں بھی اس نے چپکے سے عریشہ اور نافع کی خوشگوار زندگی کی ابتداء کی دعا کی تھی۔



لباس تبدیل کرکے وہ چہرے کو کلینزنگ ملک سے صاف کررہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو شہلا کو قدرے حیرت سی ہوئی۔ ہاشم اور رافع تو فارغ ہوکر محفل جمائے ہوئے تھے..... گھر کے بقیہ افراد بھی تھکے ماندے اپنے اپنے کمروں میں جاچکے تھے۔ عریشہ کی رخصتی کا عمل ایسا ہی تھکا دینے والا' اعصاب شکن محسوس ہوا تھا۔

اس نے رات کے دو بجاتی گھڑی کو دیکھا اور بڑھ کر دروازہ کھولا۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"نافع!" پوری آنکھیں کھول کر اس نے نافع کو دیکھا۔ "تم یہاں اس وقت؟"

نافع نے یکایک اس کی کلائی پکڑی تھی پھر وہ اسے کھینچتا ہوا' ازحد عجلت میں۔ کہیں لے جانے لگا۔

"نافع..... !" شہلا نے کہنا چاہا۔

"شش..... خدارا بھائی خاموش رہیں۔" اس نے سرگوشی کی تھی۔

شہلا کو کسی غیر معمولی احساس نے گھیرا۔ وہ خود بھی تیزی سے قدم بڑھانے لگی۔ نافع اسے لان کے بجائے گھر کی پچھلی گلی کی جانب لے گیا تھا جہاں نکاسی آب کی لائنیں اور اکثر کمروں کے باہر کی جانب کھلنے والے دروازے تھے۔ نافع کے کمرے کا بھی ایک دروازہ اس گلی میں کھلتا تھا۔

دونوں تیزی سے قدم اٹھاتے اس کے کمرے میں پہنچے تھے۔ شہلا اس دوران چشمِ تصور سے نجانے کیا کچھ دیکھ چکی تھی۔ سوچ پر بے خود پڑی عریشہ کو دیکھ کر اسے تعجب نہ ہوا۔

"کیا کیا ہے اس نے؟" گھبراہٹ کے عالم میں پوچھ کر وہ اس کی نبض وغیرہ دیکھنے لگی۔

"شاید گولیاں کھائی ہیں..... یہ خالی شیشی۔" نافع نے اس کی توجہ خالی شیشی کی جانب مبذول کرائی۔

"اوہ گاڈ..... یہ لڑکی..... یہ پاگل لڑکی!" شہلا کے اعصاب جواب دے رہے تھے۔

"بھابی! یہ بات اس کمرے سے باہر نکلی تو میں ساری عمر کسی سے نظر نہیں ملا پاؤں گا۔" وہ شکستگی سے بولا تھا۔

"تم نے کچھ نہیں کیا نافع..... !" شہلا نے اسے تسلی دی۔

"شاید..... یہی میرا قصور ہے۔ میں نے امی سے کہا بھی تھا۔" اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہوئی تھیں۔

"اوہ..... یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے نافع! تم اسے اٹھاؤ میں گاڑی کی چابی لاتی ہوں۔"

"لیکن اس وقت کہاں جائیں گے؟" وہ ہراساں ہوا۔ "یہ تو پولیس کیس ہے!"

"ڈونٹ وری۔ میرے پروفیسر ہیں ڈاکٹر خالد' ان ہی کے کلینک لے کر چلتے ہیں اسے۔ جلدی کرو نافع وقت ہمارے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔"

نافع نے بے سدھ پڑی عریشہ کو کاندھے پر ڈال لیا۔ شہلا تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔



صبح صادق ہوچلی تھی۔ شہلا بے حد تھکے تھکے سے انداز میں نافع کے سامنے آبیٹھی۔ چہرے پر صدیوں کی تھکن لیے بیٹھا' نافع چونکا پھر آنکھیں مسلنے لگا۔

"اسے کمرے میں شفٹ کردیا گیا ہے..... تم اسے دیکھ سکتے ہو..... ویسے ابھی ہوش تو نہیں آیا..... لیکن خطرے سے باہر ہے۔" شہلا آہستگی سے بولی تھی۔

نافع نے چند لمحے اسے دیکھا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ شہلا کی ہمراہی میں وہ بے ہوش' بے سدھ پڑی عریشہ کے پاس جا رکا تھا۔

"کچھ دیر میں ہوش آجائے گا۔" شہلا نے تسلی دی تھی۔

نافع نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ ایک گہری سانس ضرور اس کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی۔ ایک نرس ٹرے میں چائے کے دو کپ لیے چلی آئی۔

"ڈاکٹر خالد کہہ رہے ہیں' وہ کچھ دیر میں آتے ہیں۔ آپ لوگ تب تک چائے پئیں۔" اس نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں اطلاع دی تھی۔ دونوں نے گرم گرم چائے کی شدید طلب کو محسوس کرتے ہوئے کپ اٹھا لیے تھے۔ ایک گھونٹ بھر کر شہلا نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"گھر والوں سے کیا کہنا ہے؟"

جواب میں نافع نے سوالیہ نگاہیں اس کی جانب اٹھائیں۔

"فوڈ پوائزنگ۔۔۔" شہلا خود کو سہارا دینے کے لیے کھنکھاری۔ "فوڈ پوائزنگ ہو گئی ہے عریشہ کو۔ رات گئے طبیعت خراب ہوئی تو ہم اسے یہاں لے آئے۔۔۔ ٹھیک ہے نا؟"

"ہوں!" وہ آہستگی سے بولا۔

"تم۔۔۔ تم پریشان مت ہو نافع۔۔۔!" شہلا نے اسے تسلی دینا چاہی۔ ہرچند کہ وہ جانتی تھی کہ اس کے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں' جو اس وقت اس کے دکھ اور شدید قسم کے تاسف کا درماں بن سکیں۔

"عریشہ۔۔۔ عریشہ اچھی لڑکی ہے۔۔۔ اسے تھوڑی سی توجہ۔۔۔ تھوڑی سی محبت ملے گی تو۔۔۔ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

نافع نے بے تاثر' سپاٹ نظروں سے شہلا کی جانب دیکھا پھر چائے پینے لگا۔

"اور پھر۔۔۔ اب تم ہی۔۔۔ اس سرپھری لڑکی کا پردہ ہو نافع۔۔۔!" وہ نافع کی خاموشی سے قدرے خوف زدہ سی تھی۔ کچھ بھی تھا۔ عریشہ اس کی نند' اس کے شوہر کی بہن' اس کے گھرانے کی عزت تھی۔

"بے فکر رہیں شہلا بھابی!" نافع نے کپ خالی کر کے میز پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "ہمارے گھرانے الگ الگ نہیں ہیں۔ ہم ایک خاندان کا حصہ ہیں۔۔۔ عریشہ صرف آپ کی نہیں۔۔۔ میری بھی عزت ہے۔۔۔ اور خدا گواہ ہے کہ اس کی تمام تر بے اعتنائی۔۔۔ بے توجہی اور بے نیازی کے باوجود میں اس سے محبت بھی کرتا ہوں۔۔۔ وہ محبت جو نکاح کے پاک بولوں سے دو دلوں کے درمیان خود بخود سبزے کی مانند اگ آتی ہے۔۔۔ اس کا دل اگر بنجر رہا تو شاید میری ناکامی ہے۔۔۔ میں اپنا قصور تسلیم کرتا ہوں۔"

شہلا نے بہت محبت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بہت کم لوگ تمہارے جیسے ہوتے ہیں نافع۔۔۔! ایسے وسیع القلب۔۔۔ اتنے باظرف۔۔۔ جیسے ٹھاٹھیں مارتا دریا ہو۔۔۔ تم ناکام ہو ہی نہیں سکتے۔ ایسا دریا تو صحرا میں پھول کھلا سکتا ہے۔۔۔ پورے کا پورا ریگ زار۔۔۔ گلزار بنا سکتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تم ہمیشہ ایسے ہی رہو۔۔۔ اتنے کشادہ دل۔۔۔ ایسے ہی مہربان۔۔۔ باوصف۔۔۔ خدا تمہیں ہر موڑ پر سرفراز کرے۔۔۔"

شہلا کے الفاظ جادو اثر تھے۔ نافع کے چہرے پر بکھری اداسی اور آنکھوں میں بسی تنہائی کی جگہ بشاشت اور سکون نے لے لی۔

"تھینک یو بھابی!" وہ ممنونیت سے بولا۔

"یہ ڈرپ ختم ہو جائے تو ہم اسے گھر لے چلتے ہیں۔۔۔ اگلی ڈرپ میں اسے گھر پر ہی لگا دوں گی۔

آج رات ثانیہ کا ولیمہ ہے۔۔۔ کل ناعمہ کا۔۔۔ پرسوں تمہارے ولیمے تک میں اسے بالکل فریش کر دوں گی۔" شہلا نے لہجے میں بے فکری اور بشاشت پیدا کرتے ہوئے اسے مزید ریلیکس کرنا چاہا۔ عریشہ کی بند پلکوں کو دیکھتے ہوئے نافع نے سر ہلایا تھا۔



ازحد تھکے ہوئے انداز میں وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی ہی تھی کہ گال پر پڑنے والے زناٹے دار تھپڑ نے اسے چند لمحوں کے لیے ماؤف سا کر دیا۔ اسے دیکھنے میں دشواری سی ہوئی۔ پچھلے دنوں کی بے تحاشا مصروفیت کے بعد رات بھر کی تھکان نے اسے بہت نڈھال کر ڈالا تھا۔ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے سامنے دیکھا۔

"ہاشم!" پھر اس کے لبوں سے نہایت حیرت اور افسوس کے ساتھ نکلا تھا۔ "آ۔۔۔ آپ نے۔۔۔ مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔ آپ نے؟"

آنکھوں میں سرخی اور وحشت کا جنگل لیے وہ چہرہ ہاشم کا چہرہ نہ تھا۔۔۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور سانسیں بے ترتیب تھیں

(ماہا ملک اس بار بھی قسط کا اختتام نہ کر سکیں' اس کے لیے آپ سب سے معذرت۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ "ریگ زارِ تمنا" کی آخری قسط شائع ہوگی۔)

"رات بھر اپنے بیڈ روم سے باہر رہنے والی بیوی اپنے شوہر سے کیا توقع کرتی ہے شہلا؟" وہ بپھرے ہوئے انداز میں بولا تھا۔ "وہ کون سا مقام تھا جہاں سے تمہاری آواز کا سننا بھی محال تھا؟" شہلا ششدر رہ گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے دیکھنے لگی۔

"کہاں گئی تھیں؟" اس نے دانت پیسے۔ "جواب دو مجھے۔ ابھی وہ پیپرز میں نے سائن نہیں کیے ہیں شہلا احمد! جس کو لے کر تم آزاد ہو جانے کی خوشی میں سب ہی کچھ فراموش کر کے....."

اس کے الفاظ اس کے لبوں میں ہی دم توڑ گئے تھے۔ شہلا کسی زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔ ہاشم اس کے تھپڑوں کی بوچھاڑ سے گھبرا گیا۔

"کیا سمجھتے ہو..... کیا سمجھتے ہو مجھے..... آوارہ..... بدکردار ہوں میں؟ اتنا کمزور جانا تم نے مجھے۔ بس اتنا ہی سمجھ پائے۔ یہ تھا تمہاری کھوکھلی محبت کا دعوا؟" وہ دیوانی ہونے لگی تھی۔

"شہلا..... شہلا! تم پاگل ہو گئی ہو۔" ہاشم نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

شہلا اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اپنے ہاتھ چھڑوا کر اس نے کشن اٹھا کر اسے مارنا شروع کیا۔

"تم سے محبت چاہتی رہی میں..... تم سے..... تمہارے جیسے کمزور ذہنیت کے انسان سے..... جو رات بھر بیڈ روم سے باہر رہنے کو لا زما" بیوی کی بدچلنی گردانتا ہے ہاشم، ہاشم! آئی ول کل یو۔"

ہاشم اس بپھری شیرنی کو سنبھالنے کی کوشش میں بیڈ پر گرا اور اسے مارتی ہوئی شہلا اس کے سینے پر آ گری۔

"عریشہ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی....." شہلا گلوگیر لہجے میں بولی "مجھے اور نافع کو اچانک ہی اسے ہسپتال لے جانا پڑا..... میرا سیل بھی جلد بازی میں کمرے میں ہی رہ گیا..... ابھی میں عریشہ کو اس کے کمرے تک پہنچا کر آ رہی ہوں..... مجھے یقین نہیں آ رہا ہاشم..... کہ آپ بھی اتنے بے اعتبار ہو سکتے ہیں۔" پھر اگلے ہی پل وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر زور زور سے رونے لگی تھی۔

رات بھر اپنے اعصاب سے جنگ لڑتا ہاشم شل ہو چکا تھا۔ شہلا کے گرد اپنے بازوؤں کو لپیٹے ہوئے وہ تھکے تھکے انداز میں سانسیں بھرنے لگا تھا۔

"شہلا، شہلا! مجھے معاف کر دو۔ زندگی نگاہوں کے سامنے روٹھ کر جا رہی ہو تو بڑے سے بڑا ذی ہوش بھی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ میں بھی تمہارے جانے کے تصور سے ہی دیوانہ ہو گیا۔ مجھے تسلیم ہے شہلا! میں..... میں تم سے دور رہ کر نہیں جی پاؤں گا۔"

شہلا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس لاوے کے بہہ نکلنے کی وہ کب سے منتظر تھی۔

"اور وہ پیپرز..... وہ کس بات کا اعتراف ہیں؟" اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ "اسی محبت کا؟" ہاشم کچھ دیر اس کی نظروں میں دیکھتا رہا پھر اس نے انگلی کی پور سے اس کے آنسو پونچھے۔

"کہاں گئے وہ پیپرز؟ وہ تم نے ہی اٹھائے ہیں؟"

"جلا دیے تھے میں نے....." وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ "ان کا خوف مجھے رات کو سونے نہیں دیتا تھا!"

ہاشم بے ساختہ ہنسا تھا۔ اس کی شفاف ہنسی میں زندگی کی بھرپور حرارت، جی اٹھنے کا مکمل احساس تھا۔

"صد شکر۔" وہ تشکر سے بولا۔

"کیوں دینا چاہتے تھے مجھے یہ سزا؟" شہلا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نظروں میں اب تک شکایت تھی۔ بے یقینی تھی۔

"شہلا! شہلا میں گمراہ کیا گیا تھا۔ لیکن آج تمہارے اس انداز نے بدگمانی کا ذرہ ذرہ میرے دل کی تہوں سے پھونک نکالا ہے۔ یہ انداز محبت کا ہے سراسر محبت۔"

شہلا چند لمحے اس کی نظروں میں دیکھتی رہی۔ ساری بات سمجھ میں آ رہی تھی۔

"ہاشم..... وہ محض ایک پرچھائیں ہے۔ میں سمجھتی تھی، تمہارے جیسا مضبوط شخص کبھی بھی ایک پرچھائیں سے خوف زدہ نہ ہو گا..... یہ یقین تم نے میرے خوف زدہ دل کو اپنی محبت سے، اپنے اعتماد سے بخشا تھا۔"

ہاشم شرمسار تھا۔ شہلا کی نظروں میں دیکھنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ لیکن جانو محبت جواب میں محبت اور اعتبار جواب میں اعتبار مانگتا ہے..... صحرا میں جیتے رہنے کے لیے ایک نخلستان بھی درکار ہوتا ہے۔"

"ہاں..... شاید آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں ہاشم۔" شہلا اپنے آپ میں لوٹ چکی تھی۔ آہستگی سے بولی۔ "آپ کے گریز کے دور میں جیتے ہوئے مجھے اپنی سب ہی خامیوں کا ادراک ہو چکا ہے..... میں جانتی ہوں کہ ہمراہی کے اس عرصے میں میں نے کئی مقام پر آپ کو مایوس کیا ہے۔"

پھر اس نے ہاشم کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"لیکن ہاشم..... آج اس بات کا یقین کر لیں کہ آپ تک آنے والی راہ میں نے کسی لالچ، کسی دھوکے کی آڑ لے کر پار نہیں کی تھی..... میرے ساتھ محض اعتبار تھا۔ آپ کے خلوص کا اعتبار۔ زندگی کو نئے سرے سے برتنے کا اعتبار..... ہاشم! میں نے کبھی بھی خود کو اتنا ارزاں، اتنا بے مول نہیں سمجھا کہ ایک مرتبہ جہاں سے سر جھکا کر نکلی وہاں پھر وہی جھکا ہوا سر لے کر واپس جاؤں..... اس شخص نے جس تنفر، غرور اور بے نیازی سے مجھے اپنی زندگی سے نکال پھینکا تھا اس کے بعد اس کی سمت کو جاتے تمام رستے ہمیشہ کے لیے اندھے ہو گئے تھے ہمیشہ کے لیے۔ میں نے کبھی پلٹ کر ان رستوں کو پہچاننے کی کوشش نہیں کی۔ حتیٰ کہ عمر کی محبت بھی مجھے ایسا کرنے پر مجبور نہ کر سکی۔ مجھے وہ وقت ہمیشہ یاد رہے گا جب اس نے طلاق نامہ بھیج کر مجھے میرے محبت کرنے والے ماں باپ اور بہن بھائی کے سامنے ہمیشہ کے لیے شرمسار اور بے مول کر دیا تھا۔ اب اس کے پاس پلٹنے کے سو جواز ہوں..... میرے پاس ایک بھی نہیں..... مجھے آپ کی محبت، خلوص اور احترام کی جو گھنی چھاؤں ملی ہے۔ اس سے میں مر کر بھی دستبردار ہونا نہ چاہوں گی..... مرنے کے بعد اگر خدا نے مجھے جنت عطا کی تو۔"

ہاشم لب بستہ، حیران، یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو میں وہاں بھی آپ جیسے شخص کا ساتھ چاہوں گی ہاشم!" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی اگر آپ مجھے خود سے دور کرنا چاہتے ہیں تو....."

"شہلا....." ہاشم نے بے خود ہو کر اسے سینے سے لگایا تھا۔ "کچھ مت کہو بس اب ایک لفظ بھی نہیں۔ یہ سب کچھ تم پہلے ایک بار بھی کہہ دیتیں تو میں قیامت تک تم سے بدگمان نہ ہوپاتا..... محبت لفظوں کی محتاج تو نہیں ہوتی لیکن لفظ اندیشوں اور بدگمانیوں کے قاتل ضرور ہوتے ہیں..... اس لیے کم از کم ایک مرتبہ تو کسی کو اپنے لفظوں کی بارش سے سیراب کرنا ہی ہوتا ہے..... آج تم نے میری زندگی بھر کی پیاس کو اس طرح سیراب کر دیا ہے کہ تاقیامت مجھے اپنی مٹی سے اس کی خوشبو آتی رہے گی۔"

شہلا نے اس کے کاندھے سے سر ٹکا کر سکون و طمانیت کے احساس سے سرشار ہو کر آنکھیں موندی تھیں۔

"اب شیطان کوئی سا روپ بدل کر آئے..... میں اسے پہچان لوں گا۔" ہاشم مزید بولا تھا۔ "ہمیں ساتھ ساتھ رہنا ہے شہلا..... جنت میں بھی!"

شہلا کی مدھر ہنسی نے کمرے کا ماحول مزید خوشگوار کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سب لوگ اس کے اردگرد جمع تھے۔ سب ہی کے چہروں پر فکر مندی تھی۔

"میری بچی پوری رات ہسپتال میں گزار آئی اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی.... ذرا چہرہ دیکھو کیسا زرد ہو رہا ہے.... جیسے مردہ قبر سے نکلا ہو.... ایسا بھی کیا ہو گیا تھا آخر....."

فردوس بیگم نے عریشہ کو خوب پیار کرنے کے بعد نافع کو دیکھا۔ ان کی نگاہوں میں ہی نہیں لہجے تک میں شکایت تھی۔

نافع نے نگاہیں چرالیں۔ وہ قدرے فاصلے پر دیوار سے ٹیک لگائے، سینے پر بازو لپیٹے کھڑا تھا۔

"جو اس نے کھایا، وہی کھانا سب نے کھایا.... پھر اسی کے ساتھ ایسا کیوں ہوا....؟ کیا تم نے اسے کچھ اور کھلایا تھا؟"

انہوں نے سب ہی افراد کے سامنے نافع سے مزید جرح کی۔ عریشہ نے بے چین سی ہو کر ماں کی جانب دیکھا۔

"میں نے کچھ نہیں کھلایا تھا انہیں....." نافع سپاٹ لہجے میں بولا۔ "آپ ان ہی سے پوچھ لیجیے!"

"کیسی باتیں کرتی ہو بہو.....!" شفیقہ حیات قدرے برا مان کر بولی تھیں "بچہ کیا نئی دلہن کو زہر کھلا دے گا؟ کچھ کھلایا بھی ہو گا تو شوق سے اچھا ہی کھلایا ہو گا۔"

کچھ لوگ مسکرا دیے تھے..... کچھ ہنس پڑے۔

"ایسی بات نہیں ہے....." شہلا اس کو ڈرپ لگا رہی تھی، مسکراتے ہوئے بولی۔ "فوڈ پوائزننگ ضروری نہیں کہ سب ہی کو ہو..... کسی شخص کو ایک چیز سوٹ کرتی ہے دوسرے کو نہیں کرتی..... پوائزننگ کر دیتی ہے.... ایسا ہی عریشہ کے ساتھ ہو گیا۔"

ماہین نے ماں کا ہاتھ دبا کر انہیں مزید کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

عریشہ کی نگاہیں بے اختیار نافع کی سمت اٹھی تھیں۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔ عریشہ کے اعصاب میں جھنجھلاہٹ سی دوڑ گئی۔ نافع کی بے تاثر، سپاٹ نگاہوں میں کون سے خوابیدہ جذبات کسمسائے تھے۔ وہ سمجھ نہ پائی۔ اسے ڈرپ کی سوئی چبھنے تک کا احساس نہ ہو سکا۔

"میرا خیال ہے ہم سب لاؤنج میں چل کر بیٹھتے ہیں....." عذرا بیگم نے ایک اہم امر کی جانب سب کو متوجہ کیا تھا۔ "عریشہ بھی آرام کرے گی اور نافع بھی!"

"بالکل ٹھیک....." ماہین نے تائید کی۔

فردوس بیگم نے پھر عریشہ پر بوسوں کی بوچھاڑ کی اور بمشکل خود کو سنبھال کر کھڑی ہوئی تھیں۔ پھر سب ہی عریشہ کو پیار کر کے باہر نکلے تھے۔ آخر میں نافع بھی باہر کی سمت بڑھا تو شہلا نے اسے نظروں ہی نظروں میں کچھ سمجھانا چاہا۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔



دونوں کے مابین گھنی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ عریشہ نے چند ایک مرتبہ چور نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا لیکن نافع ذرا بھی متوجہ نہ تھا۔ اس کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھا وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ عریشہ کے لیے جیسے وہ ایک اجنبی تھا..... یہ وہ نافع نہ تھا جو اس کا کزن تھا..... جس کے ساتھ وہ بچپن میں کھیلی کم اور لڑی زیادہ تھی جو اس کی شکایتیں ہاشم سے کیا کرتا تھا۔ نا تجربہ کار نا پختہ کار..... وہ نافع نجانے کہاں کھو گیا تھا۔ یہ سنجیدہ اور باشعور شخص تو کوئی اور تھا۔

"میری جان بچا لینے کے لیے شکریہ!" وہ آہستگی سے بولی۔

نافع نے نظروں کا زاویہ موڑ کر اسے دیکھا۔ چند لمحے دیکھتا رہا۔

"جان دینے اور لینے کا اختیار اللہ کے پاس ہے.... اس کا شکر ادا کرو..... اس نے تمہیں حرام موت سے بچا لیا۔"

عریشہ سے چند لمحوں کے لیے بولا نہ جا سکا۔ وہ لفظ بہ لفظ درست کہہ رہا تھا۔

"پھر بھی...." وہ بولی۔ "جان بچانے کا نہ سہی..... پردہ رکھ لینے کا شکریہ!"

"یہ میرا فرض تھا....." وہ پھر بولا۔ "تم میری بیوی ہو..... تمہاری عزت سے میری عزت..... تمہاری بے عزتی سے میری بے عزتی ہے۔"

بہت عرصے کے بعد عریشہ کی پلکیں نم ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے اندر کچھ جاگتا ہوا محسوس کیا۔ اسے لگا، وہ کسی اپنے کے پاس بیٹھی ہے..... اسے لگا وہ سب سے اپنے کے پاس بیٹھی ہے۔ ایسا اپنا اب تک کوئی نہ بنا تھا۔ دل رکھنے کی ایسی کوشش بھی کسی نے نہ کی تھی۔

"نافع.....!" وہ آہستہ سے بولی۔

نافع نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"تم..... پوچھو گے نہیں..... میں نے ایسا کیوں کیا؟"

"نہیں....." وہ آہستگی سے بولا "نہیں پوچھوں گا....."

اب کے وہ چونکی تھی۔

"ایسا پوچھنے میں مجھے اپنی انسلٹ فیل ہوتی ہے اور میں ایسا بھی نہیں چاہتا!" پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔ "تم آرام کرو..... اگر بہتر محسوس کرو تو شام کو ثانیہ آپی کے ولیمہ میں شرکت کے لیے تیار ہو جانا!"

"ہوں!" اس نے گم صم سے انداز میں سر ہلایا۔

نافع کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔ عریشہ کی نظروں نے دروازے کے بند ہونے تک اسے دیکھا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کی پشت میں پیوست سوئی کو دیکھا..... جس میں سے قطرہ قطرہ نکلتی زندگی اس کی رگ جاں میں اتر رہی تھی۔

آتش فشاں کے پھٹ جانے کے بعد دھواں اگلتی چوٹی اب خاموش پڑی تھی۔ جسم و جاں میں سب کچھ ساکن تھا۔ شور ہنگامہ سرد ہو چکا تھا۔ بس، پچھتاوے کا ایک گہرا احساس تھا جو سوچ میں پیوست تھا، پھانس کی طرح۔

"کیوں کر رہی تھی میں ایسا..... کیوں؟" بے سدھ ہونے سے لے کر ہوش میں آنے تک وہ بارہا خود سے پوچھ چکی تھی۔ اس وقت جب نبضیں ڈوب رہی تھیں..... ذہن گہری نیند میں جانے لگا تھا..... ہاتھ پیر بے جان ہوتے جا رہے تھے..... عریشہ نے زندگی کو پورے احساس کے ساتھ جانا تھا۔ زندگی جو حرارت ہے، حرکت ہے، مسکراہٹ ہے، خوب صورتی ہے اس زندگی کو وہ یوں ٹھکرا رہی تھی تو کس لیے؟

اس کے لیے، جو اس کی نظروں کے سامنے کسی اور کا بنا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا..... پوری شان اور طمطراق کے ساتھ، خوشیوں کے ساتھ، مسکراہٹ کے ساتھ..... پچھتاوے یا تاسف کی ایک شکن کے بغیر!

ناعمہ سے انتقام کے لیے؟ ناعمہ، جو اپنی زندگی کی خوشیوں کی قسم کھا کر کہتی تھی، اس نے جو کچھ بھی کیا عریشہ ہی کی عزت کے لیے کیا اور حالات و واقعات اس کے کیے کی پوری تائید بھی کرتے تھے۔

اپنے ماں باپ سے انتقام کے لیے؟ جن کے کیے گئے فیصلے کی بدولت وہ ایک ایسے شخص کی پناہ میں چلی آئی تھی جو اس کی سنگین غلطی کو بھی اپنے سر لے کر پورے خاندان کے سامنے اس کی ڈھال بن کر کھڑا تھا۔

کیوں اس نے زندہ ہوتے ہوئے بھی زندگی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا..... کیوں اس نے اپنے لبوں کو مسکراہٹ سے دور رہنے کی سزا سنائی تھی کیوں اس نے ایک زندہ، حرارت سے بھرپور وجود کو مردنی اور بے دلی کے کفن میں لپیٹ کر تنہائی اور خود ساختگی کی قبر میں دفنا ڈالا تھا۔

"کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟" اپنے اندر سے اٹھتی تکرار سے گھبرا کر عریشہ نے سر تکیے پر ڈال دیا۔ پھر اس نے بے تابی سے دروازے کی جانب دیکھا۔ وہاں خاموشی تھی۔ اب اسے صرف اس خاموشی کے ٹوٹنے کا انتظار تھا۔



"ربیعہ بیٹی! اب کیسی طبیعت ہے؟" اس کی آنکھ کھلی تو منیزہ بیگم اس کے اوپر جھکی ہوئی تھیں ربیعہ چند لمحے ان کا مہربان چہرہ، محبت بھری نظریں اور خوب صورت مسکان کو دیکھتی رہی پھر بشاشت سے مسکرا دی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں امی جی!" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ لو... چائے پی لو۔" انہوں نے اسے چائے کی پیالی پکڑائی۔

"آپ نے تکلیف کیوں کی امی جی!" وہ شرمندہ ہوئی۔ "آپ کی خدمت کرنا میرا کام ہے۔ بجائے اس کے..."

"بس خاموش رہو۔" انہوں نے محبت سے اسے ڈانٹا۔ "کبھی کبھی خدمت کروا بھی لیا کرو۔"

ربیعہ مسکراتے ہوئے چائے پینے لگی۔

"ربیعہ... میری جان!" انہوں نے اس کے بال سنوارے "تم مجھے پریشان سی لگیں۔ کیا بات ہوئی کوئی مسئلہ ہے تو اپنی ماں کو بتاؤ۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے امی جی... !" وہ آہستگی سے بولی۔ "بلکہ میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی آپ سے۔"

اس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا پھر قدرے جھینپ کر پھر سے سر جھکا لیا۔

"آپ... امیر حسن کے لیے پوچھ رہی تھیں؟"

"مگر تمہارے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہوگی ربیعہ!" منیزہ بیگم نے اس کی بات کاٹی۔ "لیکن اس رشتے سے جڑی ایک حقیقت بھی ہے جو میں تمہیں... بتانا چاہتی ہوں... وہ سن کر پھر جو چاہے فیصلہ کرو۔ تمہاری ماں ہر صورت تمہارے ساتھ ہے۔"

"کیسی حقیقت!" ربیعہ حیران ہوئی۔

منیزہ بیگم چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ وہ تذبذب کا شکار لگتی تھیں۔

"ربیعہ...!" پھر وہ بولی تھیں۔ "میں جانتی ہوں قدرت نے میرے لیے جو فیصلہ کر دیا ہے... میں اب چند ماہ سے زیادہ نہیں جی پاؤں گی۔"

ربیعہ نے بے اختیار ان کے ہاتھ تھامے۔

"امی جی!"

"ہاں میری جان... ! میں جانتی ہوں مجھے کینسر ہے۔" ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ "لیکن مجھے اپنے اللہ سے کوئی شکوہ نہیں... جو اس کی رضا اس نے میرے دل کی سب ہی مرادوں کو یوں پورا کیا ہے کہ دل میں کسی حسرت کا پرچھاواں تک نہیں۔ مجھے اپنی بیٹی مل گئی۔ میں نے جی بھر کے اپنی ممتا کو سیراب کیا۔ مجھے اپنی بے گناہی ثابت ہونے کی نوید ملی... میں اپنے رب کی آزمائشوں میں سرخرو ہوئی... ایک گناہ گار انسان اور کیا چاہ سکتا ہے اس کے سوا؟"

ربیعہ نے اپنا سر ان کے کاندھے پر رکھ دیا۔

"میں تمہاری محبت سے سیراب ہوں ربیعہ! اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تمہارا باپ بھی اپنی بیٹی کی محبت اور خدمت کے ذائقے سے روشناس ہو سکے... اسے تمہاری ضرورت ہے۔!"

ربیعہ نے ایک جھٹکے سے اپنا سر اٹھایا تھا۔ اس کی نگاہوں میں بے یقینی تھی۔

"ہاں ربیعہ! احمد جہاں زیب تمہارے والد بقید حیات ہیں۔" "شہریار احمد تمہارا بھائی اور امیر حسن تمہارا کزن ہے۔"

"امی جی...!" ربیعہ کے لبوں سے بمشکل نکلا تھا۔ "یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ..."

"یہ سچ ہے بیٹی... !" وہ بھیگی پلکوں کو جھپکتے ہوئے بولیں۔ "شہریار احمد تمہارا سوتیلا بھائی ہے... تمہارے والد نے باہر جا کر اس کی ماں سے شادی کر لی تھی لیکن انہیں سکون نہ مل سکا... وہ ساری عمر اپنے غلط فیصلے پر پشیمان اندر ہی اندر گھلتے رہے ہیں..."

حیرانی کے سمندر میں ڈوبی ربیعہ یک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے والد پیرالائز ہیں بیٹی... ! ان کی دیکھ بھال کے لیے محض نرسوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ وہ ساری عمر اپنے حقیقی رشتوں سے دور کس طرح تڑپے ہوں گے... کتنا ترسے ہوں گے... میں سمجھ سکتی ہوں۔ اس لیے میں چاہتی ہوں ان کی سزا میں کچھ تخفیف ہو ان کی اپنی بیٹی ان سے مل پائے' ان کی خدمت کر سکے۔ ان کے ساتھ کچھ عرصہ بتا پائے... اگر تم امیر حسن کا ہاتھ تھامنے پر راضی ہو سکو تو ایسا ممکن ہے۔"

ان کی نگاہوں میں التجا تھی۔ ربیعہ حیران رہ گئی۔

"میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ یکایک ان سے لپٹ گئی "کبھی نہیں۔"

"میں تمہارے ساتھ زبردستی نہیں کروں گی بیٹی!" انہوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ ایک التجا ہے۔ تمہارے والد کو تمہاری ضرورت ہے۔"

"میرے والد... جنہیں یہ تک علم نہیں... کہ میں ہوں۔" وہ دکھ سے بولی۔ "وہ ایک اچھے انسان ہیں بیٹی! ان کی طرف سے بدگمان نہ ہو!" منیزہ بیگم کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا "تمہیں ان سے ضرور ہی ملنا چاہیے۔ میں... میں چاہتی ہوں کہ وہ تمہیں دیکھیں... اپنے سینے سے لگائیں... تمہیں ایک باپ کی طرح پیار کریں نہ جانے کیوں مگر میں ایسا چاہتی ہوں۔"

"امی جی! امی جی۔" ربیعہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں آپ کو..."

منیزہ بیگم دھیرے دھیرے اس کا سر تھپک رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

آج رات خوشبوؤں میں ایک جادوئی اثر تھا! رافع نے مشام جاں کو معطر ہوتا محسوس کیا۔ پھر اس نے دس بجاتی گھڑی کی سوئیوں کو دیکھا۔

رنگ و بو سے سجی اس محفل میں بہت سے چہرے تھے... لیکن نظریں جس چہرے کو دیکھنے کی متمنی تھیں وہ اب تک دکھائی نہ دیا تھا۔

آج فراز اور ناعمہ کی تقریب ولیمہ تھی۔ اسٹیج پر بیٹھے دولہا' دولہن کے چہرے حقیقی خوشی کی روشنی سے جگمگا رہے تھے۔ ان کے انداز میں ایک دوسرے کے لیے چاہت اور الفت تھی۔ ان دونوں کو خوش و خرم دیکھ کر کئی دلوں کو تشکر اور طمانیت کا بھرپور احساس ہوا تھا۔

رابعہ بیگم' رائمہ اور روحہ ناعمہ کو ہنستا مسکراتا اور مطمئن پا کر از حد خوش تھیں۔

ریحانہ بیگم بیٹے اور بہو کو آپس میں ملتفت پا کر شاداں و فرحاں تھیں۔

تقریب میں جگمگاتے چہروں کے درمیان ایک مسکراتا چہرہ اسٹیج کی جانب رواں دواں تھا۔ گولڈن بنارسی ساڑھی زیب تن کیے بھاری زیورات پہنے عریشہ نے جب دولہا، دولہن کو مبارک باد دی تو وہ دونوں ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھے بنا رہ نہ پائے۔

"عریشہ!" ناعمہ نے بے ساختہ مسرت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ "کیسی ہو تم؟"

"میں ٹھیک ہوں....." وہ مسکرائی۔

ایک عرصے بعد ناعمہ نے اس کی آنکھ کے کاجل کو مسکراتے دیکھا تھا۔ اسے اپنی دعا کی مقبولیت کا احساس ہوا تو اس کا رواں رواں خدائے پاک کا شکر بجالانے لگا۔

"خوش ہو نا تم؟" ناعمہ نے عجلت بھرے انداز میں تصدیق چاہی۔

"الحمدللہ.....میں بہت مطمئن اور خوش ہوں ناعمہ!"

اس نے ذرا کی ذرا فراز کی جانب دیکھا جو اس کی سمت دیکھنے سے گریزاں قدرے شرمندہ سا نظر آتا تھا۔ "اس دنیا میں زیادہ تر لوگ ایک مرتبہ جیتے اور ایک مرتبہ مرتے ہیں..... لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر ان کا خدا کچھ زیادہ ہی مہربان ہوتا ہے..... انہیں سیدھی راہ چلانا چاہتا ہے..... انہیں بھٹکنے نہیں دیتا..... پھر بھی وہ اگر بھٹکیں تو انہیں ہدایت دے کر پھر سے سیدھی راہ پہ لے آتا ہے.....میں ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے ایک ہوں۔"

ناعمہ حیرانی سے آنکھیں کھولے یک ٹک اس کا جگمگاتا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"نافع؟" پھر اس نے استفسار کیا "نافع کہاں ہے؟"

عریشہ کا چہرہ نافع کے نام پر جس طرح کھلا تھا اس نے ناعمہ کو مزید بحر حیرت میں غرق کیا۔

"آئے تو ہیں....." وہ قدرے شرما کر بولی۔ "شاید دوستوں وغیرہ کو کمپنی دے رہے ہیں۔"

ناعمہ ہنس پڑی۔ تو عریشہ نے چونک کر دیکھا۔ نافع اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ نافع اور فراز آپس میں ملنے لگے۔ عریشہ شفق رنگ چہرہ لے کر واپس مڑ گئی تھی۔



تقریب اب اختتام پذیر تھی۔ انتظار کرتا رافع اب قدرے مایوس ہو چلا تھا۔ اس کے انداز کی تمام شگفتگی اور دلکشی ماند پڑ گئی تھی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وہ غلطی پر تھا۔ عباد تو تقریب میں موجود تھا ربیعہ کو اگر آنا ہوتا تو وہ عباد کے ساتھ ہی آتی نہ کہ بعد میں۔ اس نے اپنی حماقت پر خود کو سرزنش کی۔

"ہم بھی آدمی تھے کام کے....." بڑبڑاتے ہوئے وہ مڑا ہی تھا کہ ہاشم کے مقابل آگیا۔

ہاشم کے لبوں پر ناقابل فہم سی مسکراہٹ تھی۔ سنجیدہ، نرم، قدرے افسردگی کو ظاہر کرتی مسکراہٹ۔ رافع کو محسوس ہوا جیسے وہ مسکراہٹ رافع کے لیے ہی تھی۔

"کسے ڈھونڈ رہے ہو؟" ہاشم نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"قسمت کو!" اس نے جیسے آہ بھری۔

"وہ کھڑی ہے!" ہاشم نے اشارہ کیا۔

رافع نے عجلت اور حیرانی سے اس سمت دیکھا پھر فوراً ہی اس کے تاثرات تبدیل ہوئے تھے۔ ہاشم نے جہاں اشارہ کیا تھا؟ وہاں ورده کھڑی تھی۔

رافع نے جیسے قدرے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کاندھے سے ہٹایا تھا۔

"تیرا دوست ہوں یار.....!" ہاشم نے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں..... ستم ظریف ہو!" وہ ایک سمت کو بڑھ گیا۔

ہاشم اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ پھر سے اس کے کاندھے پر رکھ لیا تھا۔

"رافع..... ! میری جان قسمت سے منہ نہیں پھیرتے۔ برا مان جاتی ہے اور جو ستارہ قسمت کے ستارے سے دور کہیں چمکتا ہو..... اس سے روشنی نہیں مانگتے..... اس کی روشنی کسی اور کے لیے ہوتی ہے۔"

رافع اپنی جگہ ٹھہر گیا۔ پھر اس نے ہاشم کی جانب رخ کیا اور چند لمحے اس کی مہربان اور پرخلوص نظروں میں دیکھتا رہا۔

"ہاشم.....!" وہ یوں بولا جیسے خود سے بھی خوفزدہ ہو۔

"ہاں.....بولو!"

"کیا وہ..... کسی اور کے لیے ہے؟" اس کے لہجے میں انتہائی بے یقینی تھی۔

"ہاں!" ہاشم سپاٹ سے انداز میں بولا۔

رافع کا چہرہ تیزی سے تاریک پڑا تو ہاشم کی آنکھوں میں ترحم در آیا۔

"میں نہیں مانتا۔" اس نے سر جھٹکا۔

"کل شام ربیعہ کا نکاح ہے..... اس کے کزن امیر حسن کے ساتھ! میں اور شہلا ابھی وہیں سے آرہے ہیں جہاں ساری تفصیلات طے کی جا رہی تھیں.....وہ کسی اور کا ستارہ ہے رافع.....! اسی کے نام ہونے جا رہا ہے۔"

رافع کو یوں لگا جیسے وہ اس دنیا سے بہت دور..... سورج سے ہزاروں لاکھوں میل دور..... کسی اندھیرے، سرد، نامعلوم سیارے پر تنہا کھڑا ہے اسے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، کچھ سجھائی نہ پڑتا تھا۔ وہ خلا میں تھا یا اس کے قدموں تلے زمین بھی تھی، اسے علم نہ تھا..... بے وزنی اور بے بسی کی اس کیفیت میں وہ کتنی دیر مبتلا رہا، اسے علم نہ تھا..... ہاشم مزید کیا کہہ رہا تھا اسے علم نہ تھا۔

ہاشم جو اسے مزید تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا، خاموش ہو گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ محض ایک بت سے مخاطب ہے۔ اس کا سب سے پیارا دوست اور کزن اس کے سامنے نہیں ہے اس کے سامنے صرف اس کی صورت کا ایک بت ہے۔

ہاشم نے خود کو ایک بے رحم سرجن محسوس کیا جو مریض کو نئی زندگی دینے کے لیے سفاکی سے اس کا سینہ چاک کرتا ہے اور دل نکال کر باہر رکھ دیتا ہے جو خود پر ایک مشینی بے حسی صرف اس لیے طاری کرتا ہے کہ اس کے سارے نرم احساسات اور جذبات دور بیٹھے اس دل کی صحت یابی کا وظیفہ پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

ساری دنیا نجانے کیا کر رہی تھی؟ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے! پھر یکایک بے جان بت میں جان لوٹی..... رافع اچانک مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس سے دور جانے لگا۔

ہاشم نے اسے پکارا نہیں۔ اس کے لب آپس میں پیوست تھے..... اس نے اپنا کام کر دیا تھا۔ نیا دل کتنی دیر بعد دھڑکنا شروع کرتا ہے..... اسے اس کا انتظار تھا۔



کار پورچ میں کھڑی کر کے وہ تیزی سے چلتا ہوا اندر آیا تھا۔ اپنے پورشن کی سمت بڑھتے ہوئے یکایک اس کے قدم تھمے تھے۔

"حیات ولا" کے در و دیوار ہنوز رنگ برنگ روشنیوں سے سجے ہوئے تھے۔ رات کے اس پہر، خالی عمارت

روشنیوں میں گھر کر بھی ایک اداسی کا شکار لگتی تھی..... تقریبات ختم ہو جانے کے احساس کے ساتھ تھکی تھکی سی عمارت..... رافع کو یاد آیا..... چند دن قبل مہندی کی تقریب میں وہ اور ربیعہ اسی جگہ ٹھہر گئے تھے! ربیعہ نے آگے بڑھنا چاہا تھا مگر اس کے قدم اس کے دل کے تابع ہو گئے تھے..... انہوں نے دماغ کا کہا ماننے سے انکار کر دیا تھا..... وہ دل جو اس کے قدموں سے ضدی بچے کی مانند لپٹ گیا تھا..... وہ دل جو اس کی آنکھوں کی روشنی میں کسی ہیرے کی مانند آشکار ہوا تھا..... وہ دل جو اس کی نرم شرمگیں مسکراہٹ کے گوشوں میں چھپا بیٹھا تھا وہ دل..... کیسے بدل گیا؟ اس دل نے کسی اور نام پر سر تسلیم خم کیسے کیا؟ رافع تو یہ کوشش کر کر کے بری طرح ہارا تھا۔

کچھ دیر اداس نظروں سے سارا منظر دیکھ کر وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتا اندر چلا آیا جہاں صرف ایک ملازمہ سب گھر والوں کا انتظار کر رہی تھی۔ رافع کو دیکھ کر وہ کچن میں چلی گئی۔ رافع اپنے کمرے میں آ کر ٹیلی فون پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری جانب سے غالباً" انیقہ نے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو....."

رافع چند لمحے تذبذب کا شکار رہا پھر بولا۔

"میں..... ربیعہ سے بات کر سکتا ہوں؟"

"ربیعہ سے؟" انیقہ کے انداز میں قدرے حیرت در آئی۔ "جسٹ ہولڈ آن پلیز!" پھر وہ بولی تھی۔

رافع خاموشی سے کھڑا سامنے دیوار پر لگی تصویر کو دیکھتا رہا جہاں سورج غروب ہونے کا منظر اداسی پھیلا رہا تھا۔ اپنے کمرے کی دیوار پر لگی یہ تصویر اسے پہلے کبھی اتنی اداس نہ لگی تھی۔

"ہیلو....." چند ہی لمحوں میں اس کی مترنم آواز سنائی دی تھی۔

"رافع!" وہ آہستگی سے بولا۔

دوسری جانب چند ہی لمحوں کی خاموشی چھائی تھی۔ اگلے ہی پل وہ قدرے شگفتگی سے بولی۔

"کیسے ہیں رافع آپ؟"

"آپ..... آج تقریب میں نہیں آئیں؟" وہ آہستگی سے بولا۔

"جی..... امی کی وجہ سے میں اور انیقہ گھر پہ ٹھہر گئے۔"

"سنا ہے..... کل آپ کے گھر بھی ایک تقریب ہے....." رافع نے خود پر از حد جبر کیا تھا۔

ربیعہ کافی دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

"جی!" پھر اس نے آہستگی سے کہا۔ "اور میں چاہتی ہوں..... آپ اور وردہ بھی..... شریک ہوں اس تقریب میں۔"

رافع نے اپنی آنکھوں میں تیزی سے ابھرتی نمی کو محسوس کیا..... پھر وہی نمی اس کے حلق میں اترنے لگی۔

"وردہ تو آپ کی دوست ہے..... میں کس ناتے؟"

"آپ..... وردہ کے منگیتر ہیں!"

"اوہ..... آئی سی..... آپ مجھے وردہ کے منگیتر کی حیثیت سے انوائٹ کر رہی ہیں۔" رافع نے اپنی ذات کے صحرا میں جیسے دکھ اور تاسف کے بگولے اٹھتے دیکھے۔

"ربیعہ..... ! آپ کو دیکھ کر بالکل احساس نہیں ہوتا..... کہ آپ اس قدر ظالم ہیں۔" وہ ٹوٹ کر بولا۔

وہ دھیرے سے ہنس دی..... رافع نے اپنے کان کے اس قدر قریب اس کی مدھر ہنسی کو پہلی بار سنا اور شاید آخری بار..... باوجود شدید ضبط کے اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔

"رافع..... ! آپ حقیقت پسندی کو ظلم کے نام دے لیں تو میں ظالم ہوں..... میں نے اپنی زندگی میں افسانے اور حقیقت دونوں کو برتا ہے رافع..... ! حقیقت کی جانب آپ پیٹھ کر لیں گے تو وہ گھوم کر پھر سے آپ کے سامنے چلی آئے گی۔ سو آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کرنا ہی عقل مندی ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں صرف محبتیں ہی دیکھی ہیں۔ ابھی آپ کو نفرت سے واسطہ نہیں پڑا اور میں چاہتی ہوں کہ زندگی میں کبھی آپ کو نفرت سے واسطہ نہ پڑے جو آپ سے محبت کرتے ہیں وہ ہمیشہ آپ کی محبت میں مبتلا رہیں..... تاعمر..... میں نے اپنی زندگی میں محبتیں بھی دیکھی ہیں اور نفرتیں بھی..... نفرتیں وہ سوئیاں ہوتی ہیں رافع..... ! جو ایک جیتے جاگتے جسم کو برسوں کے لیے سلا دیتی ہیں اور یہ سوئیاں نکلنے کا انتظار بہت طویل اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں..... میں جینا چاہتی ہوں مسکرانا چاہتی ہوں۔ مسکراہٹیں میں نے بہت مشکلوں سے حاصل کی ہیں رافع! میں کسی قیمت پر ان کا سودا نہیں کر سکتی۔"

وہ بول بول کر تھک سی گئی..... اتنا بولنا اس کی سرشت نہ تھی..... وہ بہت کم گو تھی! رافع گم صم سی کیفیت کا شکار تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہ آتا تھا۔

"وردہ میری دوست ہے۔" پھر وہ آہستگی سے بولی تھی۔ "اس لیے میرے بلانے پر وہ کل ضرور آئے گی..... آپ! آپ نجانے آئیں گے یا نہیں؟" پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

رافع چند لمحے اسی طرح ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا پھر ریسیور کان سے ہٹا کر اس نے لبوں پہ عجیب سی مسکراہٹ لیے اسے دیکھا تھا۔

"آؤں گا....." وہ بڑبڑایا۔ "تم پکارو گی..... تو دنیا کے آخری کونے پر بھی چلا آؤں گا..... بے شک..... تم نے محض الوداع کہنے کو ہی پکارا ہو!"

☼ ☼ ☼

وہ جلدی جلدی ہاتھوں میں چوڑیاں ڈال رہی تھی۔ ماہین نے کمرے میں جھانکا تو حیران رہ گئی۔

"بھابی..... !" وہ اندر چلی آئی "ابھی تو صرف پانچ بجے ہیں۔"

اس نے شہلا کی تیاری پر اپنی حیرانی ظاہر کی تھی۔ شہلا چونکی پھر ہنس دی۔

"جانتی ہوں ابھی صرف پانچ ہی بجے ہیں اور تقریب ولیمہ رات کے نو بجے ہے..... لیکن میں ابھی تقریب نکاح کے لیے تیار ہوئی ہوں۔"

"کس کا نکاح؟"

"میری بہن..... ! ربیعہ کا نکاح ہے آج..... سادگی کے ساتھ۔ صرف گھر کے چند افراد کی موجودگی میں یہ فریضہ ادا کیا جا رہا ہے۔"

"اچھا....." ماہین حیرت سے مسکرائی "ربیعہ کو میری طرف سے مبارک باد دیجیے گا..... اور نو بجے تک ضرور لوٹ آیئے گا..... میں عریشہ کے ساتھ پارلر جا رہی ہوں..... اسے لے کر سیدھی ہال چلی جاؤں گی!"

"تم بے فکر رہو..... مہمانوں کے آنے سے پہلے ہی میں اور ہاشم ہال میں پہنچ جائیں گے!"

ماہین نے ایک محبت بھری نگاہ اپنی خوش ادا، دلکش بھاوج پر ڈالی اور دل ہی دل میں اس کے حسن اور شخصیت کو سراہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔

اچانک ہی شہلا کو احساس ہوا تھا کہ سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ہاشم کا موبائل مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا۔ وہ ذرا سا آگے بڑھی اور اسکرین پر آیا نمبر دیکھنے لگی۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونکی تھی..... اس نے پلٹ کر ڈریسنگ روم کے بند دروازے کی جانب دیکھا لمحہ بھر کے لیے سوچا پھر موبائل اٹھا کر آن کیا تھا۔

"ہیلو...." اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔
دوسری جانب حیرت بھری خاموشی چھائی پھر آواز آئی تھی۔
"ہیلو.... شہلا!"
"آپ کو اس نمبر پر فون کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ابرار صاحب؟" وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔ ابرار قدرے محتاط ہو کر کھنکھارا تھا۔
"شہلا.... میں ہاشم سے ملنا چاہتا ہوں۔"
"نہیں ابرار...." وہ دفعتاً بہت سہولت سے بولی۔ "میں تم سے ملنا چاہتی ہوں!"
"اوہ.... یہ تو میرے لیے بہت مبارک خبر ہے۔" اس کے لہجے میں چہکار آئی۔ "کب کہاں کیونکر...."
شہلا نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔
"پرسوں...." پھر وہ بولی۔ "شام پانچ بجے.... جگہ میں تمہیں گھر سے نکلنے سے قبل بتادوں گی۔"
"سو نائس آف یو میم...." وہ ہنسا۔ "سمجھ نہیں آتا بیچ کا وقت کیسے گزرے گا!"
شہلا نے رابطہ منقطع کردیا۔ پھر وہ پلٹی اور تھم گئی۔ ہاشم اس کے عین پیچھے کھڑا تھا۔
"یہ میری کالز تم کب سے اٹینڈ کرنے لگیں؟" وہ مسکرایا۔
"تمہیں اعتراض ہے؟" شہلا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
"تم من و تو کا فاصلہ مٹاؤ اور میں معترض ہوں ایسا ممکن ہے؟"
وہ اس کے قریب ہوا۔ شہلا نے جھینپ کر اسے دھکیلا تھا۔
"دیر ہو رہی ہے...."

☆ ☆ ☆

پنک اور سی گرین کنٹراسٹ کا بیش قیمت اور خوب صورت سوٹ زیب تن کیے سی گرین موتیوں سے مرصع نازک سا سیٹ پہن کر سج سنور کر جب اس نے آئینہ دیکھا تو حیران ہی رہ گئی۔ اس "ربیعہ" سے تو اس کی آج تک ملاقات نہ ہوئی تھی۔ یہ ربیعہ جو آئینے میں نظر آتی تھی بے تحاشا حسین.... نازک اندام.... خوش انداز یہ لڑکی نجانے کون تھی۔
"تمہاری تصویریں کسی میگزین میں لگ جائیں تو میں پاکستان کی نمبرون بیوٹیشن مشہور ہو جاؤں...." انیقہ نے اسے تیار کیا تھا اور اب اپنی مہارت پر خود بے حد حیران تھی۔
ربیعہ نے مسکرانا چاہا.... پھر اسے محسوس ہوا اس کے لب مسکرانے پر آمادہ نہ تھے.... اس کا دل ایک جامد سی کیفیت کا شکار تھا۔
انیقہ اب کیمرہ اٹھا کر ادھر ادھر اس کی تصویریں بنا رہی تھی۔
"میں بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں ربیعہ اگر میں نے تمہیں تیار کیا ہے اور تم اتنی حسین لگ رہی ہو۔" وہ رزلٹ دیکھتے ہوئے بول رہی تھی.... "مجھے نہیں لگتا کہ مسٹر امیر حسن پرسوں کی فلائٹ سے جاسکیں گے.... آج تمہارا یہ روپ دیکھتے ہی وہ اپنی فلائٹ کینسل کروالیں گے۔"
اس نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا۔ ربیعہ محض اس کا دل رکھنے کے خیال سے مسکرا دی۔
اسی لمحے کمرے میں منیزہ بیگم داخل ہوئی تھیں.... وہ بہت تھکی تھکی پژمردہ اور بیمار نظر آتی تھیں.... ربیعہ کے قریب آکر وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں۔ ربیعہ سے نظریں اٹھانا محال ہو گیا۔ اسے لگا ان کا چہرہ دیکھتے ہی وہ ان

سے لپٹ جائے گی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گی۔
منیزہ بیگم نے اسے بازوؤں سے تھاما اور کچھ دیر دیکھتی رہیں۔
"سدا سکھی.... آباد رہو۔" پھر وہ جیسے سرگوشی میں بولی تھیں.... "ہمیشہ خوشیوں اور پھولوں سے بھرا رہے دامن.... اس پیشانی پر کبھی غم و فکر کی ہلکی سی شکن نہ پڑے.... یونہی نور کے ہالے میں چمکتی رہے۔"
پھر انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ ربیعہ کے لب کپکپائے پلکیں لرزیں لیکن اسے اپنے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو حدوں میں رکھنے کا سلیقہ آتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ گومگو سی کیفیت کا شکار ہوئی بیٹھی تھی۔ حالات نے یکایک جس طرح پلٹا کھایا تھا.... اس کے لیے ایک ناقابل فہم سی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔
"وہ کس طرح سے ایسا کرسکتی ہے.... کیونکر۔" وہ بار بار الجھتی تھی۔
دُرہ نے نظروں کا زاویہ بدل کر گھڑی کو دیکھا جو ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔
"رات عریشہ اور نافع کا ولیمہ ہے.... تمہیں جلدی واپس آنا ہے.... فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔" وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھی۔ دُرہ اسی کش مکش کیفیت کا شکار ہوئی بیٹھی رہی۔
اچانک دروازے پر مدھم سی دستک نے اسے چونکایا تھا۔ پھر دروازے کی سمت دیکھ کر وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ وہاں رافع کھڑا تھا۔
"آپ...." وہ بے ساختہ بولی۔ "آئیے۔"
وہ چند قدم بڑھا تھا۔ ہلکی بلیک لائننگ والی آف وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس رافع کا چہرہ بیمار اور اترا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حالانکہ پچھلے دنوں تواتر سے ہونے والی تمام تقریبات میں وہ بے حد فریش اور زندہ دل محسوس ہوا تھا۔
"تم.... تیار نہیں ہوئیں؟" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔
"آپ.... وہاں جا رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں ہلکی سی حیرانی تھی۔
"ہاں.... میں اور تم دونوں جا رہے ہیں.... تیار ہو جاؤ۔"
نجانے کیوں دُرہ نے کسی روبوٹ کی مانند اثبات میں سر ہلایا تھا۔
رافع باہر نکل گیا۔ دُرہ نے لباس تبدیل کرنے اور بال بنانے میں صرف دس منٹ لگائے تھے۔ پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ ہی باہر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

عباد کے ساتھ نکاح کے کاغذات کے ساتھ الجھا ہوا ہاشم بری طرح سے چونکا تھا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے پر رافع کو دیکھ کر وہ بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"ارے رافع بھائی...." عباد بھرپور خوشی سے بولا "زبردست.... آپ نے تو ہماری سادہ سی تقریب کو چار چاند لگا دیے.... آئیے نا پلیز!"
رافع سے مصافحہ اور معانقہ کرکے اس نے رافع کو ہاشم کے برابر بٹھایا۔ رافع نے ہاشم کو دیکھا وہ گردن موڑے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ رافع کے لبوں پر دھیمی افسردہ سی مسکراہٹ ابھری اور معدوم ہو گئی۔ ہاشم نے اپنا بازو اس کے کاندھے کے گرد لپیٹا۔ باہر گاڑی کا ہارن بجا تو عباد چونکا تھا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آ گئے..... آیئے ان کا استقبال کرتے ہیں۔" عباد کے انداز میں بے حد خوشی اور گرم جوشی تھی۔ ہاشم اور رافع بھی اٹھ کر اس کی پیروی میں باہر کی جانب بڑھے تھے۔

امیر حسن کے ساتھ شہریار احمد اور چند قریبی دوست تھے۔ خوب صورت کڑھائی والے بلیک کرتا شلوار میں ملبوس امیر حسن بے حد خوش تھا۔ شہریار احمد ایک وجیہہ مگر نو عمر جوان لگتا تھا۔ عباد کے علاوہ ہاشم اور رافع نے بھی ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں نکاح کی رسم کا آغاز ہوا۔

"میں ربیعہ کی جانب سے گواہ ہوں....." شہریار احمد نے کہا تھا۔

"میں..... امیر حسن کی جانب سے....." عباد نے مسکرا کر کہا پھر اس نے رافع کو دیکھا۔ "ربیعہ کی جانب سے دوسرا گواہ رافع بھائی ہوں گے..... اور امیر حسن کی جانب سے ہاشم بھائی..... ٹھیک ہے نا....؟" رافع اور ہاشم نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے....." رافع آہستگی سے بولا۔

پھر اس نے نظر اٹھا کر امیر حسن کو دیکھا۔

"میں گواہ بنوں گا..... اور میں گواہی دوں گا امیر حسن..... کہ میں نے اس کی ہر تمنا..... ہر خیال سارے تصور..... ساری چاہتیں سارے جذبات تمہیں سونپے۔ وہ تمہاری ہی۔ اس سے محبت کرنے کا حق صرف تمہارا ہوا..... اسے دیکھنے..... سوچنے چھونے کا حق صرف تمہارا۔ یہ دل اس کے تصور سے بھی دستبردار ہوتا ہے کہ اس میں اس پارسا کی توہین ہوتی ہے۔"

ہاشم کا ہاتھ رافع کے زانو پر دھرا ہوا تھا..... دفعتاً" ہاشم نے اپنے ہاتھ کی پشت پر ایک قطرہ گرتا محسوس کیا..... اس نے رافع کے زانو پر دباؤ ڈالا..... رافع نے دھیرے سے سر ہلایا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت اطمینان اور آسانی سے اس نے تین مرتبہ دھیرے سے..... مگر مضبوطی سے "ہاں" کہا تھا اور وہ کسی کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی..... ربیعہ امیر حسن بن گئی تھی۔

منیزہ بیگم، شہلا، انیقہ، ترانہ اور وردہ اس کو گلے لگا کر مبارک باد دے رہی تھیں..... ربیعہ چہرے پر سکون اور خاموشی لیے ان سے دعائیہ کلمات وصول کر رہی تھی۔

"ربیعہ....." ترانہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے کہہ رہی تھی۔ "تم سے متعلق میری جتنی دعائیں تھیں..... خدائے پاک نے وہ سب کی سب قبول کر لیں..... میں آج بہت خوش ہوں ربیعہ۔"

ربیعہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔ وردہ یک ٹک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ربیعہ کی نگاہ بار بار اس سے ٹکراتی تھی۔ اسے وردہ کی نظروں میں پوشیدہ بے چینی، بے قراری اور سوالیہ نشان صاف نظر آ رہے تھے۔ جواب میں صرف ایک مبہم سی مسکان تھی جو لبوں کے گوشوں میں چھپی ہوئی تھی۔

کھانے کے انتظامات کے سلسلے میں شہلا، انیقہ اور ترانہ ادھر ادھر ہوئی تھیں تب وردہ نے لب کھولے۔

"یہ سب کیا ہے ربیعہ.....؟"

"وہی..... جو میں نے تم سے کہا اور تم نے اس کا یقین نہ کیا..... میں نے کہا تھا نا..... میں انگیجڈ ہوں تم نہیں مانیں..... دیکھ لو میں نے سچ کہا تھا۔"

"لیکن رافع....." وردہ کے لب کانپے۔

"رافع بہت اچھے انسان ہیں وردہ با" ربیعہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ان کی جوڑی تمہارے ساتھ بنی ہے..... تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہو..... میری دعا ہے کہ تم دونوں کا ساتھ بہت مضبوط بہت محبت بھرا، بہت طویل اور خوب صورت ہو۔"

وردہ اداسی سے مسکرائی۔

"ایسی دعائیں مت کرو ربیعہ! جن کا پورا ہونا ممکن ہی نہ ہو۔"

"میری دعا کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں وردہ....." ربیعہ مضبوط لہجے میں بولی "میری دوست ہو تم..... اور دوست تو..... دوستی کی خاطر..... آنکھ بند کر کے کھائی میں بھی چھلانگ لگا دیتے ہیں..... تمہارے ہی الفاظ ہیں نا..... اب وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے الفاظ کو ثابت کر سکو..... اگر میں تم سے ایسا چاہتی ہوں تو تمہیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

وردہ نے بے حد بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ربیعہ..... ! امیر حسن تم سے ملنا چاہتے ہیں۔" عباد اس کے پاس آیا تھا۔

ربیعہ نے سر اٹھا کر حیرانی سے عباد کو دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

عباد خاموشی سے باہر چلا گیا تھا۔ چند لمحوں بعد امیر حسن اور شہریار احمد اندر داخل ہوئے تھے۔ ربیعہ بے اختیار کھڑی ہوئی۔ امیر حسن اپنی جگہ ٹھہر گیا جبکہ شہریار احمد آگے بڑھا تھا۔

اس نے ربیعہ کے ہاتھ تھامے اور مسکرایا۔

"آپی..... آپ میری آپی ہیں نا؟" وہ شفاف نظریں اس کے چہرے پر جمائے پوچھ رہا تھا۔ ربیعہ اب تک نہ روئی تھی..... اچانک ہی اس کے کاندھے سے سر لگا کر رو پڑی۔

شہریار نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا چہرہ اٹھا کر اس کے آنسو صاف کیے۔

"مت روئیں آپی..... رونے کے موسم گزر گئے ہیں..... اب تو صرف ہنسنے اور مسکرانے کے دن ہیں۔ آپ اپنی امی سے جدا ہو کر اپنے باپ اور بھائی کے قریب رہیں گی..... ہر طرح کی فکر اور اندیشے سے خود کو آزاد کر لیں۔"

"قرابت داری میں خاکسار کا نام بھی شامل کر لیں تو کوئی حرج نہیں....." امیر حسن مسکراتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

شہریار ہنس دیا۔ ربیعہ بھی دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"چلیں آپ لوگ باتیں کیجیے..... میں امی کے پاس بیٹھتا ہوں۔" شہریار مسکراتے ہوئے بولا۔ پھر وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

امیر حسن ہولے سے کھنکار کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ ربیعہ سر جھکائے کھڑی رہی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

"ربیعہ!"

ربیعہ نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ آنکھیں متبسم اور مہربان تھیں۔

"نئے ساتھ کی ابتدا مبارک ہو۔" وہ اس کے سراپے کو نظروں میں جذب کرتا ہوا بولا تھا۔

"میرے جذبوں کو پذیرائی عطا کرنے کا شکریہ..... آپ کی یہ نوازش عمر بھر اس دل پر جلی حروف میں لکھی رہے گی۔"

ربیعہ نے بے ساختہ حیران نگاہیں اٹھائی تھیں..... بے حد کومل اور اچھوتے پن سے وہ اپنے جذبوں کا اظہار کر رہا تھا امیر حسن نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"میں پرسوں یو کے جا رہا ہوں' وہاں کام تو خیر کیا خاک کروں گا..... ساری توجہ' سارا ارتکاز تو یہاں چھوڑ جاؤں گا۔ آپ کے پاس۔ آپ کے کاغذات تیار ہونے میں جتنا وقت لگے گا میں ایک ایک سیکنڈ بھی گن گن کر گزاروں گا۔"

اس کے ہاتھ میں ربیعہ کا ہاتھ لرزنے لگا تھا۔ اس کی ہتھیلی بھیگ گئی۔ امیر حسن ہولے سے ہنس دیا۔

"آپ..... کچھ نہیں کہیں گی؟" وہ فورِ شوق سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں!" اس نے آہستگی سے سر ہلایا۔

امیر حسن مسکرا دیا۔

"آپ کی تین مرتبہ والی "ہاں" کے بعد اب ہر ناں منظور ہے۔"

ربیعہ نے لب بھینچ کر مسکراہٹ روکی تھی۔

"لیکن آپ سے "ہاں" کہلوانے کے کئی طریقے مجھے بھی آتے ہیں..... مثلاً"۔" ربیعہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں اب جاؤں؟"

ربیعہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"دیکھا آپ نے....." وہ زور سے ہنس دیا تھا۔

ربیعہ بری طرح سے جھینپ گئی۔

امیر حسن نے اس کا ہاتھ چھوڑنے سے قبل آہستگی سے لبوں سے لگایا۔

"آپ کی یہ حیا..... اور کم آمیزی..... فی الوقت یہیں تک آنے کی اجازت دیتی ہے..... لیکن خدارا..... میرے حال پر ترس کھائیے گا..... کاغذات بننے کے بعد ایک دن کی دوری کی اجازت نہیں ہوگی۔ ٹھیک ہے نا؟"

ربیعہ نے سر جھکا لیا۔

"جلدی آجانا ربیعہ! پلیز۔" وہ اس کے کان کے قریب گنگنایا تھا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

"خدا حافظ....." وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گیا۔

"خدا حافظ.....!" ربیعہ نے اس کی پشت کو دیکھ کر آہستگی سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بہت سے چمکتے چہروں کے درمیان وہ تنہا اور اداس تھا..... ہنستے مسکراتے نفوس اس کے اردگرد سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔ وہ ان کے درمیان اس طرح چل رہا تھا جیسے اس کی کوئی پہچان' کوئی شناخت نہ ہو' کوئی اسے جانتا ہو' نہ وہ کسی کو جانتا ہو۔

"رافع....." ایقان نے دفعتاً اسے پکارا تھا۔

رافع کسی معمول کی مانند اس آواز پر ٹھہرا۔ چمکتی مہکتی ایقان کی نظروں میں بے اختیار سی حیرانی تھی۔

"ایسے خاموشی سے' یوں سنجیدہ سی شکل بنا کر کہاں سے آ رہے ہو..... کچھ دیر پہلے سب تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"

رافع کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

"پھپھو..... آپ خوش ہیں نا؟" اس کے سوال نے ایقان کو حیران کر دیا۔

"ہاں..... بہت!" اس کا اعتراف بھرپور تھا۔

"خوش رہیں..... ہمیشہ۔" اس نے محبت سے اس کا گال تھپتھپا کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔

ایقان نے نہایت حیرانی سے اس کی پشت دیکھی تھی۔

پاس سے گزرتے ہاشم نے دفعتاً رافع کا بازو تھام لیا تھا۔ رافع رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاشم....."

اس کی نظروں میں عجب سی وحشت اور ویرانی تھی۔ ہاشم رہ نہ پایا اس نے رافع کو گلے سے لگا لیا۔

"ہاشم..... تم خوش ہو نا؟"

ہاشم خاموشی سے اس کی پشت تھپکتا رہا۔

"سب لوگ خوش رہیں ہاشم.....! اور میں بھی بہت خوش ہوں..... مجھ پر ترس مت کھاؤ..... کمزور مت سمجھو مجھے..... اس نے مجھے بتایا ہے کہ حقیقتوں کا سامنا کیسے کیا جاتا ہے..... مسکرا کر' خندہ پیشانی سے مردانہ وار۔ وہ بہت بہادر ہے ہاشم! اتنی بہادر جتنی وہ نازک ہے اس نے مجھے بہادر بننا سکھایا ہے' جینا سکھایا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانا سکھایا ہے۔ میں اس کا احسان مند ہوں..... ہمیشہ رہوں گا۔"

ہاشم نے الگ ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ابھی بھی بہت فرق ہے رافع....." پھر وہ بولا "میں ابھی اس سے مل کر آ رہا ہوں..... اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان ہے..... آنکھوں میں نہ ختم ہونے والا یقین اور اعتبار..... اور گفتگو میں ربط اور ٹھہراؤ۔ تمہاری آنکھوں میں وحشت ہے۔ چہرے پر مایوسی اور گفتگو میں بے ربطی کیا سیکھا تم نے اس سے؟"

رافع ٹھٹک سا گیا۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھتا رہا۔

"ٹھیک کہتے ہو تم ہاشم۔" پھر وہ آہستگی سے بولا "محبت وحشت کا جنگل نہیں ہے..... یہ وہ دیوانگی ہے جو زندگی گزارنے کا سلیقہ بخشتی ہے..... وہ گداز بخشتی ہے دل کو..... کہ دوسروں کے دکھوں پر رونا اور دوسروں کی خوشیوں پر مسکرانا آجاتا ہے۔"

ہاشم یک لخت کھل کر مسکرا دیا۔

"میرا دوست تو سچ مچ میں بدل گیا..... واہ رے محبت..... تجھے سلام!"

رافع دھیمے سے مسکرایا تھا۔

رنگ و بو کی محفل میں خوشیوں کی پریاں ہنستی مسکراتی پھر رہی تھیں..... ہر چہرے پر اطمینان اور مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے اسٹیج کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں داخل ہو کر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکا پھر خاموشی سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا تھا۔

سیج پر بیٹھی عریشہ نے اس کی پشت کو دھیمے سے مسکا کر دیکھا تھا۔ چند دن پہلے ایسی ہی ایک مہکتی رات اس کی بے وقوفی کی نذر ہو چکی تھی۔ ایسی بڑی حماقت کی..... کہ نافع جیسا حوصلہ مند ہی اس کا متحمل ہو پایا تھا..... ایسی بے وقوفیاں جو زندگی بھر کے تاسف اور پچھتاوؤں کا سبب بن جایا کرتی ہیں عریشہ بحفاظت اس شرر کی بلند ہوتی لپٹوں سے باہر نکل آئی تھی تو نافع کے ظرف کی بدولت..... وہ اس کا سائبان تھا۔ اس کا محافظ۔ ہاں اس سے کچھ ناراض ضرور تھا لیکن آج وہ اس کی ہر ناراضی دور کر دینے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔

نافع لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ نظروں میں الجھن بھر کر اس نے بیڈ کے بیچوں بیچ بیٹھی "دلہن" کو دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ گلی کی جانب کھلتے دروازے کی جانب بڑھا۔ شاید عریشہ کے سونے کا انتظار وہ کمرے سے باہر جا کر کرنا چاہتا تھا۔

"نافع!" یکایک اس کی مترنم آواز پر وہ پلٹا تھا۔ "مجھے کچھ کہنا ہے۔"

"ہاں..... بولو۔"

"یہاں آؤ....." وہ مسکرائی۔

نافع کو اس کی وہ دلکش مسکراہٹ اپنی کسی گم گشتہ قیمتی متاع کی مانند لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا تھا۔ عریشہ بیڈ سے اتری پھر اچانک جھک کر اس نے نافع کے پیر تھام لیے۔

"نافع..... مجھے معاف کر دو..... پلیز۔"

نافع نے بجلی کی سی تیزی سے جھک کر اسے اٹھایا۔ عریشہ تڑپ کر اس کے سینے سے لگی تھی۔

"نافع..... میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے کہنے کے لیے..... بس اتنا کہ مجھے معاف کر دو۔" وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھی۔ "نئی زندگی کی شروعات اس طرح سے کرو کہ ہمارے درمیان یقین، محبت اور اعتبار کے سوا کچھ نہ ہو..... کوئی گلہ، شکوہ، شکایت، بے یقینی..... خفگی، ناراضی کچھ بھی نہیں۔"

نافع نے اسے الگ کر کے اس کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے کوئی بے یقینی..... خفگی ناراضی نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے بولا۔ "ہاں کچھ شکوے ضرور ہیں مجھے میرے اس حق سے کیوں محروم کر رہی ہو؟"

"جس سے تمہیں گلے شکوے تھے نافع..... وہ عریشہ شادی کی رات اس سیج پر مر چکی ہے..... جو تمہارے سامنے ہے..... اس عریشہ سے گلے شکوے کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا..... کیونکہ یہ سر سے پاؤں تک صرف تمہاری ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔"

نافع اس کی خوب صورت وضاحت پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

"تم کتنا ہی بچو..... میں نے وہ سارے گلے شکوے ضرور کرنے ہیں۔ جو نجانے کب سے دل کے اندر یوں براجمان ہیں کہ محبت کو جگہ تھوڑی پڑتی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر بولا۔ عریشہ کھلی نظروں سے اسے تکنے لگی۔

"ان بے چاروں کے کہنے سننے سے اس رات کی خوب صورتی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" وہ مزید بولا۔ "کیونکہ..... محبت جس چیز میں مل جائے اسے خوب صورت بنا دیتی ہے..... ہے نا؟"

عریشہ مسکرا دی..... نافع بھی مسکرا دیا۔ سیج پر بکھرے پھول بھی مسکرا دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

دونوں ہاتھ کمر پر رکھے، وہ شوریدہ سر لہروں کو اپنے قدموں تک آ کر دم توڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ آج بھی اس کے انداز میں وہی غرور اور طنطنہ تھا..... نہ جھکنے والی کیفیت تھی۔

"ابرار صاحب!" شہلا نے اسے قدرے فاصلے سے پکارا۔ وہ اچانک ہی مڑا۔

"اوہ..... تم آ گئیں۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔

پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"کتنی مرتبہ کہا تمہیں..... یہ گلاسز مت پہنا کرو۔" وہ اس کے سیاہ گلاسز دیکھ کر آہستگی سے بولا۔

"اپنے اور تمہارے درمیان مجھے اب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا!"

"میرے اور آپ کے درمیان صدیوں کا نوری فاصلہ حائل ہے ابرار صاحب۔" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "اسے پاٹنا ناممکن امر ہے۔"

"ایسے مت کہو شہلا! پلیز....." وہ تڑپ سا گیا۔ "میں تو سمجھا تھا تم مجھے ہر فاصلہ ختم کر دینے کی نوید سناؤ گی..... وہ الفاظ جو سننے کے لیے میں..... نجانے کب سے..... تنہائی کے صحرا میں بھٹک رہا ہوں۔" شہلا گلاسز کے پیچھے سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے لب آپس میں سختی سے پیوست تھے.....

"مسٹر ابرار....." پھر وہ بولی "آج میں بیس سال کی کم فہم اور جذباتی دوشیزہ نہیں ہوں..... میں ایک باشعور عورت ہوں..... جو الفاظ اور عمل میں فرق بخوبی محسوس کر سکتی ہے..... تم نے مجھے طلاق دی۔ جذباتی ہو کر، عجلت میں، غصہ میں۔ چلو! میں مان لیتی ہوں پھر تم نے پلٹنے میں اتنا عرصہ لگایا اتنا کہ تمہارا بیٹا اپنے قدموں پر چل کر بولنا سیکھ گیا۔ تمہارے بارے میں استفسار کرنا سیکھ گیا..... اتنا عرصہ کہاں تھے تم؟ جوگی بن کر صحرا پاٹتے رہے؟ وحشی بنے جنگلوں کی خاک چھانتے رہے؟ نہیں ابرار..... تم اپنے ماں باپ کے اس دنیا سے گزر جانے کا انتظار کرتے رہے۔"

"شہلا....."

"میری بات سنو ابرار..... میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ آج میں کچی عمر کی لڑکی نہیں ایک سمجھ دار عورت ہوں۔ ہر قسم کے حالات کا تجزیہ کر سکتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم نے اپنے باپ کی زندگی میں بغاوت کیوں کر نہ کی کیونکہ شادی کے ابتدائی چند مہینوں کا عرصہ ان کی کفالت کے بغیر گزار کر تمہیں ان کی اہمیت کا پوری طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ سو میرے ساتھ رکھے گئے ناروا سلوک پر بھی تمہاری زبان خاموش رہی اور مجھے طلاق بھیجتے وقت بھی تم نے ان کے پلڑے میں رکھے ہوئے زمین و جائیداد کے وزن سے میری محبت کے وزن کو ہلکا اور بے مول تصور کیا..... جب تک وہ زندہ رہے تم نے کبھی مجھے تو کیا اپنے اس بیٹے کو بھی یاد نہیں کیا جس کی محبت کو آج تم اپنی زندگی کے لیے لازم قرار دیتے ہو..... اب تم آزاد ہو ابرار! تو ایک بار پھر میرے وجود کو محبت کے نام پر اپنی مٹھی میں قید کر لینا چاہتے ہو۔"

وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کے لیے رکی۔ ابرار حیرت سے پھیلی آنکھیں لیے اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اب میں محبت کو پہچانتی ہوں..... اس کی خوشبو، اس کی دلکشی..... اس کے تقاضوں کو بخوبی سمجھ لیتی ہوں۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ میرے شوہر نے مجھ سے سچی محبت کی ہے۔ ایسی اصلی اور سچی محبت جس کے چہرے پر غرض اور کھوٹ کا کوئی نقاب نہیں..... جس کی روشنی سے زندگی کی نظریں خیرہ ہو جاتی ہیں..... جس کا ذائقہ چکھ لینے کے بعد میں قیامت تک کے لیے آسودہ اور مطمئن ہوں..... سو اب تم مجھے پکارو یا مایوس ہو کر پلٹ جاؤ..... میرے لیے برابر ہے۔ میرے پاس وہ سماعت ہی نہیں جو تمہیں سن سکے اور وہ گویائی ہی نہیں جو تمہاری کسی پکار کا جواب دے پاتی..... اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے درمیان یہ آخری وضاحت ہے..... میں تمہارے اندر کے کھوٹ کو پہچانتی ہوں ابرار..... اس یقین دہانی کے بعد آئندہ مجھ سے نظر مت ملانا ہاں، ہمارے درمیان رابطے کی ایک کڑی ضرور موجود ہے۔ لیکن اس کڑی کے سروں کو آپس میں کچھ نسبت نہیں..... یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا..... عمر کے حوالے سے جب بھی ہماری ملاقات ہوگی اس میں ہمارے درمیان پہچان کا کوئی حوالہ نہ ہوگا۔"

ابرار خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ پھر یکایک وہ پلٹا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا دور جانے لگا..... بالآخر وہ دور ہوتے ہوئے ایک نقطے کی سی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ شہلا کافی دیر وہاں کھڑی اپنے پیروں سے لپٹتی لہروں کو محسوس کرتی رہی۔

"چلیں؟" اچانک کوئی بے حد قریب سے بولا تھا۔

وہ بے اختیار پلٹی۔

"ہاشم آپ! یہاں؟" وہ نجانے کب سے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"ہاں..... میں یہاں۔ تم جہاں کہیں بھی ہوتی ہو۔ محبت مجھے آواز دے لیتی ہے..... میں مجبور ہوں۔" وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔ شہلا نے گلا سز اتار کر ہاتھ میں تھام لیے اور اسے دیکھ کر مسکرائی۔

اس کے اور ہاشم کے درمیان کچھ حائل ہوتا..... اسے گوارا نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ پورے ایک ہفتے کے بعد لوٹا تھا لیکن اس کے چہرے پر بشاشت اور تازگی تھی۔

"سب کام نمٹا کر آرہا ہوں....." عباد نے ربیعہ کو فائل تھمائی۔ وہ نواب شاہ سے ربیعہ کی ملکیت کا دعوا دائر کر کے اور اس کے مکان اور دکانوں کے کاغذات حاصل کر کے آرہا تھا۔ وہ چاہتا تھا ربیعہ کے نام جو کچھ ہے اسے مل سکے۔ ربیعہ نے فائل کھول کر دیکھی..... کاغذات پر ایک نظر ڈالی اور اداسی سے مسکرائی۔

"میں نے تو آپ کو منع کیا تھا عباد بھائی۔" وہ بولی "مجھے ان چیزوں کی تمنا نہیں اور ضرورت بھی نہیں۔"

"یہ تمہارا حق ہے ربیعہ بیٹی۔" منیزہ بیگم نقاہت سے بولیں۔ "اپنا حق حاصل ضرور کرو..... پھر خواہ اسے رکھو یا کسی غریب کو بخش دو۔"

"عباد بھائی....." ربیعہ نے اچانک فائل اسے واپس تھمادی۔ "مجھے اس گھر یا ان چند دکانوں کی قطعاً" حاجت نہیں..... یہ دادی کی ملکیت تھیں دادی ہی کو ان کی ضرورت ہے۔"

"تمہاری..... دادی کو؟" عباد نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"جی ہاں!" ربیعہ نے اپنی پلکوں پر چمکتے ستارے محسوس کیے۔ "میری دادی کو..... میں چاہتی ہوں عباد بھائی کہ آپ یہ سب کچھ کسی ٹرسٹ کو دے دیں تاکہ یہ صدقہ جاریہ بن کر ان کے عذاب میں تخفیف کا باعث بنے۔"

"ربیعہ!" منیزہ بیگم کے لب کانپے تھے۔

"جی امی....." ربیعہ بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔ "میری دادی اس جہان میں خوش نہیں ہیں۔ میں جانتی ہوں آپ کی ممتا کی پیاس نے ان کی روح کو تپتے صحرا میں بھٹکتے رہنے کی سزا سنائی ہے۔ لیکن امی جی! دادی نے مجھے ہمیشہ محبت کے دریا سے سیراب رکھا۔ اس طرح کہ میں نے عمر کے اس حصے میں ممتا کی طلب کو بھی محسوس نہ کیا۔"

منیزہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو چلے۔

"امی جی..... امی جی..... ہو سکے، ہو سکے تو میری دادی کو معاف کر دیں امی جی۔" ربیعہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ منیزہ بیگم کی بند پلکوں سے موتی تسبیح کے دانوں کی مانند گر رہے تھے۔

"امی جی..... میری دادی..... بہت عذاب سہہ چکیں..... اب میری خاطر آپ انہیں معاف کر دیں۔" ربیعہ تواتر سے کہے جارہی تھی۔

منیزہ بیگم کا کپکپاتا ہاتھ اس کی پشت تھپکنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ایک ماہ کے اندر اندر اس کے کاغذات تیار ہو گئے تھے۔ وقت روانگی آپہنچا تھا۔ عباد اس کے اور شہریار کے ٹکٹس کنفرم کروا کر لوٹا تو ماحول سوگوار سا ہو گیا۔ منیزہ بیگم بے حد کمزور ہو چکی تھیں۔ اب بستر سے اٹھنا بھی ان کے لیے مشکل ہوتا جارہا تھا۔ ربیعہ زیادہ سے زیادہ وقت ان کے ساتھ بتانا چاہتی تھی سو ہر وقت ان کے قریب ہی موجود رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ان کے قریب بیٹھی ان کا سر آہستہ آہستہ دبا رہی تھی..... ان کی آنکھوں سے بار بار قطرے چھلکتے..... ربیعہ خاموشی سے انہیں صاف کر دیا کرتی تھی۔

"تمہارا سارا سامان تیار ہے۔" انیقہ اس کی پیکنگ سے فارغ ہو کر اس کے قریب آبیٹھی۔

"وہاں جا کر کھولو گی تو مجھے یاد کرو گی..... اتنی نفاست سے پیکنگ کی ہے میں نے..... چیکنگ کے دوران بھی اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"میں ویسے بھی تم سب کو بہت یاد کروں گی انیقہ۔" وہ اداسی سے بولی۔ "امی کا بہت، بہت خیال رکھنا۔"

"پگلی..... یہ کہنے کی باتیں ہیں۔" انیقہ نے اسے گلے سے لگالیا۔

☼ ☼ ☼

ایئرپورٹ پر معمول کی گہما گہمی تھی۔ ربیعہ کو الوداع کہنے کے لیے کئی چہرے موجود تھے۔ شہلا، ہاشم، انیقہ، عباد..... وہیل چیئر پر منیزہ بیگم..... ترانا، عبدالباری، فراز، ناعمہ اور سب سے مل کر اس نے وردہ کو دیکھا تو اسے خوشی آمیز حیرت نے گھیر لیا۔

"وردہ....." وہ اس سے لپٹ گئی۔ "تم نے تو مجھے حیران ہی کر دیا۔"

"کیوں....." وہ پرنم آنکھوں سے مسکرائی۔ "مجھے دوست نہیں سمجھتیں؟"

ربیعہ نے ناقابل فہم سی مسکان کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم جانتی ہو وردہ! میں تمہیں کیا سمجھتی ہوں! بہت چاہتی ہوں میں تمہیں....."

اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے وردہ کے ہاتھوں کو اس نے دھیرے سے دبایا۔

"اور میں چاہتی ہوں کہ تم زندگی سے اپنے حصے کی ساری خوشیاں حاصل کرو۔" دونوں بے اختیار لپٹ گئیں۔ پھر سب سے باری باری مل کر..... باری باری خدا حافظ کہہ کر وہ اور شہریار احمد لاؤنج میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کے اندر چلے جانے کے بعد ہر نظر اشکبار ہو گئی۔ سب ہی اپنے آنسو صاف کر رہے تھے۔ انیقہ نے منیزہ بیگم کا چہرہ صاف کر کے انہیں خود سے لپٹا لیا۔

"میں ہوں نا امی..... آپ کی دوسری ربیعہ....." وہ بولی تھی۔

ایئرپورٹ سے باہر آتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر رافع کھڑا تھا۔ وردہ نے گردن موڑ کر فراز اور ناعمہ کو دیکھا۔ وہ ان کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ رافع نے گلاسز اتارے اور آگے بڑھ آیا۔

"وردہ!"

وردہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ان سپاٹ نظروں میں عجب سی خاموشی تھی۔

"چلیں؟"

"لیکن میں....." اس نے کچھ کہنا چاہا پھر رک گئی۔

پھر اس نے ناعمہ اور فراز کو دیکھا تھا۔

"آپ لوگ چلیں..... میں رافع کے ساتھ آجاتی ہوں۔" کہتے ہوئے اس کے انداز میں ہلکی سی حیا در آئی اور گال سرخ پڑ گئے۔ فراز اور ناعمہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ شہلا اور ہاشم بھی دور سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

وردہ نے رافع کا پھیلا ہوا ہاتھ تھاما اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے ساتھ ہولی۔

وہ آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھیں۔

"امی جی....." عباد کی پکار پر انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ ان کے لب آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

"ربیعہ اور شہریار احمد ساتھ خیریت کے پہنچ گئے ہیں۔" وہ آہستگی سے بولا۔

انہوں نے آہستہ سے الحمدللہ کہہ کر لرزتے ہاتھ منہ پر پھیرے۔

"میں ان سے آپ کی بات کرواتا ہوں۔" عباد کے انداز میں عجیب سی ٹینشن تھی۔

پھر اس نے دونوں بازوؤں میں انہیں اٹھا کر وہیل چیئر پر بٹھایا اور وہیل چیئر دھکیلتا ہوا اپنی اسٹڈی میں لے آیا جہاں انیقہ اس کے لیپ ٹاپ پر نیٹ کنکٹ کیے بیٹھی تھی۔

اسکرین پر ربیعہ نظر آرہی تھی۔ منیزہ بیگم کی آنکھوں میں روشنی در آئی۔ عباد نے انہیں ربیعہ کے روبرو کر دیا۔

ربیعہ کی آنکھوں میں نمی مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی..... وہ انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی..... دفعتاً اسکرین پر ایک کمزور، مدقوق چہرہ نمودار ہوا..... منیزہ بیگم ساکت رہ گئیں..... یہ چہرہ یہ شناسا سا چہرہ..... یہ اپنا اپنا سا لگتا چہرہ..... کون تھا یہ شخص..... ان کا ماضی..... ان کی روٹھی تقدیر..... ان کا مہربان..... پھر ان کا ستم گر.....

احمد جہاں زیب نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے۔ ان کے گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں منیزہ بیگم ساکت بیٹھی رہ گئیں۔ وہ ان ہاتھوں کو دیکھے جاتی تھیں۔

اچانک ہی رابطہ منقطع ہو گیا۔ اسکرین خاموش ہو گئی۔

عباد نے چونک کر ماں کی سمت دیکھا۔ وہاں بھی ایک جامد خاموشی تھی۔

"امی....." اس کے لبوں سے سرگوشی کی صورت برآمد ہوا۔

"امی....." انیقہ نے چیخ ماری تھی۔

سارے رابطے منقطع ہو چکے تھے۔ عباد نے آہستگی سے ماں کی کھلی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بابا..... بابا۔" ربیعہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی..... شہریار احمد نے اسے گلے سے لگا لیا۔ امیر حسن نے ان کی کھلی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر انہیں بند کیا تھا۔

دو روحیں بدگمانی کے ہر بندھن سے آزاد آسمانوں کی جانب محو سفر تھیں۔

(ختم شد)